''علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ''

مقالہ

برائے

پی ایچ ڈی

تحقیق کار

مہر النساء

نگران مقالہ

استاد و سابق چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر

جلال الدین احمد نوری

شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی

دسمبر ۲۰۰۵ء

بسم الله الرحمن الرحيم

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ مہر النساء نے یہ مقالہ میری نگرانی میں بعنوان ''بہار کے علماء کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ'' مکمل کرلیا ہے- ان کا یہ تحقیقی کام نہایت عرق ریزی اور کاوشوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اس قابل ہوگیا ہے کہ میں طالبہ کو پی ایچ ڈی کی سند کے حصول کی غرض سے یہ مقالہ مجلس تحقیقِ اعلیٰ جامعہ کراچی میں جمع کرنے کی اجازت دے سکوں-

نوٹ: واضح رہے کہ جامعہ کراچی شعبۂ علوم اسلامی سے یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے جس پر بہار کے علماء کرام کی علمی و دینی خدمات پر بھرپور جدوجہد سے کام کیا گیا ہے اور یہ جامعہ کے لئے باعث صد افتخار ہے-

Dept. of Islamic Learning
University of Karachi

نگران مقالہ واستاد

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

دسمبر ۲۰۰۵ء / ۱۴۲۶ھ

اظہارِ تشکر

میں اللہ رب العزت کی انتہائی خلوصِ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے دینِ اسلام کی محبت سے نوازا اور دینِ اسلام کے علماء و مشائخ، فقہا و محدثین و مفسرین علیہ الرحمتہ کی محبت بھی عطا فرمائی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنا مقالہ مکمل کرسکوں۔ میں اس سلسلے میں اپنے انتہائی محترم شفیق استاد اور نگران جناب پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری صاحب، استاد شعبۂ علوم اسلامی جامعہ کراچی، کی انتہائی شکر گزار ہوں جنھوں نے ہر لمحہ انتہائی محبت وخلوص و ہمدردی کے ساتھ میری مدد فرمائی اور مقالہ کو مسلمہ اصولوں اور معیار کے مطابق تیار کرایا۔ انہیں کی کوششوں اور خلوص کی بدولت میرا یہ مقالہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں درازیٔ عمر عطا فرمائے اور صحت وتندرستی کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

میں ممنون ومشکور ہوں کراچی یونیورسٹی لائبریری اور تمام عملہ کی خاص طور پر سرفراز ملک صاحب کی جنھوں نے ہر قدم پر مجھے کتابیں فراہم کرنے میں مدد کی۔ اسی طرح میں شکر گزار ہوں بیدل لائبریری، شرف آباد کے تمام منتظمین کی جنھوں نے محبت وخلوص کے ساتھ میری مدد فرمائی۔ منتظمین لیاقت نیشنل لائبریری اور مجلس علمی لائبریری کی بھی شکر گزار ہوں اور تمام لائقِ تعظیم اساتذۂ کرام بالخصوص شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی صاحب، جناب پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب، شعبہ اردو، جامعہ کراچی، پروفیسر ڈاکٹر سحر انصاری صاحب، سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب، ڈین شعبۂ

علومِ اسلامی، پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صاحب، صدر شعبۂ علومِ اسلامی، ڈاکٹر حنیف فوق صاحب، سابق پروفیسر شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید صاحب، طارق بن زیاد کالج، کراچی، سید نعمت اللہ صاحب، عظمیٰ منظر صاحبہ، لیکچرار گورنمنٹ کالج آف ہوم اکنامکس، نصرہ حمزہ صاحبہ، لیکچرار گورنمنٹ کالج آف ہوم اکنامکس، ڈاکٹر طاہر ملک (مرحوم)، سابق صدر شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی کی اور خاص طور پر جناب سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی صاحب کی جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے نایاب و نادر کتب عنایت فرما کر مجھے اس مقالہ کو مکمل کرنے کا حوصلہ دیا اور مقالہ کی تیاری میں اپنے بھرپور مشوروں سے بھی نوازا- اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام حضرات کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہم جیسے طلباء ان کی رہنمائی سے مستفید ہوتے رہیں- آمین-

اس کے علاوہ میں تمام بزرگوں، والدین (مرحومین)، اساتذہ اور احباب کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں میری مدد فرمائی-

اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے التجا ہے کہ میری اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے- آمین-

شکر گزار

مہر النساء

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فصل سوم

”بہار میں آمد اسلام اور اشاعت اسلام

صفحہ نمبر

فصل چہارم (الف)

''بہار کے معروف دینی مدارس''

فصل چہارم (ب)

''بہار کے معروف کتب خانے''

صفحہ نمبر

فصل چہارم (ج)

''بہار کی معروف خانقاہیں''

فصل چہارم (د)

''بہار کی معروف مساجد اور مقبرے''

صفحہ نمبر

باب دوم (فصل اول)

"علمائے بہار کے تفسیر، حدیث واصول حدیث میں خدمات"

صفحہ نمبر

فصل دوم

''علمائے بہار کی فقہ واصول فقہ میں خدمات''

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

فصل سوم

''علمائے بہار کی دیگر علوم قدیمہ وجدیدہ میں خدمات''

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل اول)

''علمائے بہار کی تبلیغی و دینی خدمات'' (۱۹۴۷ء سے قبل)

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل دوم)

''علمائے بہار کی تدریسی خدمات''

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل سوم)

''علمائے بہار کی علمی وادبی خدمات''

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل چہارم)

''علمائے بہار کی تصنیفی خدمات''

باب چہارم (فصل اول)

''عہد حاضر کے علمائے بہار اوران کی علمی ودینی خدمات''

باب پنجم (فصل اول)

''بہار کے معروف ادباء، شعراء وصوفیاء اوران کے دیوان''

صفحہ نمبر

معروف ادباء

معروف شعراء ۷۳۶

صفحہ نمبر

بہار کے صوفیائے کرام

باب پنجم (فصل دوم)

مقدمہ

الحمدللہ وکفیٰ و الصلوٰۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفی

لغوی اعتبار سے لفظ بہار وہارا کی ایک مربجہ شکل اور عوام میں مستعمل ہے- ابتدائی طور پر وہارا بودھ مت کے علمی وعملی مرکزوں کی تعبیر تھی اوران ہی وہاروں کی وجہ سے، جن کا جال اس صوبے کے طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا، وہارا ہوتے ہوتے اس پورے علاقے کا نام بہار ہوگیا- سب سے پہلے آریوں کی ایک مذہبی شاخ برہمنوں نے صوبہ بہار کے علاقے کومگدھ دیش کا بھی نام دیا تھااور یہ مل جل کرایک بڑامدرسہ، جوآگے چل کر یونیورسٹی بنام ''نالندہ یونیورسٹی'' قائم ہوااور طلباء کی بڑی تعداد جب وہاں جمع ہوگئی تو لوگ اسے بہار بہار کہنے لگے- بعض اہلِ لغت کے نزدیک بہار دراصل سنسکرت کے لفظ وہارا سے مشتق ہے جس کے معنی دارالعلم، زاویۂ تعلیم وتعلیم کے ہوتے ہیں-

واضح رہے کہ ہندوستان کے صوبہ جات میں صوبہ بہارایک مردم خیز صوبہ ہے، جو ہرزمانے میں اعلیٰ تہذیب وتمدن اور مختلف علوم وفنون کا گہوارہ رہا ہے- بلاشبہ بہار کا نام آتے ہی ذہن میں علم و دانش، اعلیٰ تہذیب وتمدن اورایک مہذب معاشرے کا تصور بھی ابھر کرسامنے آتا ہے- حیرت ہے کہ اب تک اہم اور علمی جگہ بہار کے علماء کی دینی وعلمی خدمات پرکوئی علمی تحقیقی کام نہیں کیا گیا تھا جس سے وہاں علماء اوران کی گرانقدر خدمات سے عوام وخواص کوآگاہ کیا جاسکے- اثناءِ مطالعہ اندازہ ہوا کہ صوبہ بہار کے بڑے بڑے جلیل القدر

علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین اور ادباء وشعراء جو مختلف زمانوں میں مختلف سلاطین اور امراء کے بھی اساتذہ رہے ہیں، ان سے صوبہ کے عوام تو عوام خواص بھی لاعلم ہیں۔

لہذا میں نے ضرورت محسوس کی کہ ایسی شخصیات جن کی گرانقدر تصنیفی، تدریسی اور فقہی خدمات صفحۂ قرطاس پر منتشر ہیں، یکجا کی جائیں اور عوام وخواص کو ان سے نہ صرف متعارف کرایا جائے بلکہ ان کی خدمات سے ایک بھرپور زندگی گزارنے کا لائحۂ عمل ترتیب دیا جائے۔ شاید آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ صوبہ بہار اور اس سرزمین کی جلیل القدر شخصیات پر تحقیقی کام کرنا کچھ آسان نہ تھا اس لئے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کے اس صوبہ کا سفر کرنا میرے لئے تو بہت ہی مشکل امر تھا۔ میں نے کوشش بسیار اور بہت ہی جدوجہد ومشکلات کے باوجود اپنے اس تحقیقی عمل کو انجام دینے کے لئے مصمم ارادہ کرلیا اور اہلِ تحقیق اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تحقیقی کام کے سلسلے میں کتنی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے خاص صور پر جب ایک ملک کے باہر دوسرے ممالک کے ساتھ سابقہ پڑتا ہے، عوامل کئی ہوسکتے ہیں ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ، کے فضل وکرم اور اساتذۂ کرام خاص طور پر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری صاحب کی سرپرستی میں یہ کام انجام دیا۔ پی ایچ ڈی کے حصول کے لئے اس مقالہ کا نام ''علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ'' رکھا اور اپنی اس تحقیق کو پانچ ابواب پر منقسم کیا۔

باب اول:

اس باب میں چار فصلیں ہیں:

فصل اوّل: ہندوستان کے صوبہ بہار کا جغرافیائی پس منظر

فصل دوم: بہار کا تاریخی پس منظر

فصل سوم: بہار میں آمدِ اسلام اور اشاعتِ اسلام

فصل چہارم (الف): بہار کے معروف دینی مدارس

(ب): بہار کے معروف کتب خانے

(ج): بہار کی معروف خانقاہیں

(د): بہار کی معروف مساجد اور مقبرے

باب دوم:

اس باب میں علماء کی فقہ وحدیث کی خدمات پر تحقیق کی گئی ہے:

فصل اوّل: علمائے بہار کی تفسیر، حدیث واصولِ حدیث میں خدمات

فصل دوم: علمائے بہار کی فقہ واصولِ فقہ میں خدمات

فصل سوم: علمائے بہار کی دیگر علوم قدیمہ وجدیدہ میں خدمات

باب سوم:

اس باب میں علمائے بہار کی تبلیغی، دینی، تدریسی، ادبی، تصنیفی خدمات پر تحقیق کی گئی ہے:

فصل اوّل: علمائے بہار کی تبلیغی خدمات/ دینی خدمات (۱۹۴۷ء سے قبل)

فصل دوم: علمائے بہار کی تدریسی خدمات

فصل سوم: علمائے بہار کی علمی وادبی خدمات

فصل چہارم: علمائے بہار کی تصنیفی خدمات

باب چہارم:

فصل اوّل: عہدِ حاضر کے علمائے بہار اور ان کی علمی خدمات (۱۹۴۷ء - ۲۰۰۱ء):

باب پنجم:

اس باب میں بہار کے ادباء، شعراء، صوفیاء اور ان کے دیوان پر تحقیق کی گئی ہے:

فصل اوّل: بہار کے معروف ادباء، شعراء، صوفیاء اور ان کے دیوان۔

فصل دوم: خلاصۂ بحث

امید ہے کہ میرا یہ مقالہ آئندہ محققین کی راہ میں مددگار ثابت ہوگا۔

مہرالنساء

لیکچرار

رعنا لیاقت علی خان

گورنمنٹ کالج آف ہوم اکنامکس، کراچی

بتاریخ: دسمبر ۲۰۰۵ء - ۱۴۲۶ھ

PREFACE

Verbally the word "Bihar-o-Hara" usually and in vogue in nation. Initially Wahara was a central interpretation of practical pedantry of Buddhist, due to this reason of Wahars which their network was spread in large extend of this province. gradually converted into Bihars. First of all one religious branch of Brahmans of Aryans was given a name "Magha Desh" of Bihar's Area. which mixed-up to form large institute which further established into "Nalanda University" and when large crowed of students were gathered over there so people start to say it Bihar. Some literal people viewed that word "Bihar" is a derivative of Sanskrit. which meaning may be central education, surplus education and education

It should be advent that Bihar is being productive of famous province in the provinces of Hindustan. which have been top most of traditional culture and different art knowledge in every era. No doubt when the name of Bihar comes in our mind, the themes of great scholars. topmost courtesy. urbanization and one Islamic Society comes in front of us very widely It is strange that no research work had been done on religious educational services of Muslim theologians of the great important place of Bihar by which the people get to acquainted from the great and evergreen services of their times. In this moment. it is idealize that the great regarding personalities of events. Ulmas. Pose Writers. Mystics. Poets which were teachers of sovereigns and lords in a different languages. from them peoples of the province also unaware.

So I perceive that these personalities. whose great services written only on scattered pages. get to accumulate them and not only to introduce in the nation but also to manage the life by the help of their great services May be one thing is not in our knowledge that it was too difficult to do research work on great regarding people and the place of Bihar. because in present condition it was difficult for me to travel that province of Hindustan I did take a decision of practical research with of my great struggle and the researcher scholars knows very well that how much difficult to do practical work. specially when one country negotiated with other countries. factors will be so may. its not important to discuss

But by the grace of Almighty Allah and special teacher Dr. Jalal Uddin Ahmed Noori Sahib. this work has done successfully For the purpose of Ph.D this thesis named "Research Study of Religious Learning Services of Bihar of Muslim Theologians" and my this research categorized in five chapters

Chapter One

There are four sections in this chapter.

Section–I :- Geographical background of province "Bihar" of Hindustan.

Section–II:- Background History of Bihar.

Section–III:- Advent and propagation of Islam in Bihar

Section–IV:- (a) Famous Islamic Institution of Bihar.

(b) Famous books libraries of Bihar

(c) Famous convents of Bihar

(d) Famous Mosques and sepulchers of Bihar.

Chapter Two:

In this chapter, research on the services of Islamic jurisprudence and religious rite ordained by the Holy Prophet, of Muslim theologians have been done.

Section I:- Details of Bihar's Muslim, theologians, religious ordained rules, services in religious ordained.

Section–II.- Rules of Islamic jurisprudence and services of Bihar's Muslim theologians

Section III: Services of ancient and modern knowledge of Bihar's Muslim theologians

Chapter Three:

In this chapter, research have bee done on proselytism, religious, teaching instructions, literature, and compilation services of Bihar's Muslim theologians

Section–I:- Preaching & religious services of Bihar's Muslim theologians before 1947

Section II: Services of teaching instructions of Bihar's Muslim theologians.

Section–III:- Services of knowledge & literature of Bihar's Muslim theologians.

Section IV - Compilation services of Bihar's Muslim theologians

Chapter Four:

First Crop:- Bihar's Muslim theologians and their knowledge services (1947-2001).

Chapter Five

In this chapter, research have been done on prose writers, poets, mystics and their royal court.

Section–I:- Famous prose writers, poets, mystics and their royal court.

Section–II: Short note discussion.

I hope that this thesis of mine will be helpful for the future researchers in this field.

Mehar-un-Nisa
Lecturer
Rana Liaquat Ali Khan
Government College of Home Economics,
Karachi PAKISTAN

Dated: December 2005

باب اوّل

(فصل اوّل)

ہندوستان کے صوبۂ بہار کا جغرافیائی پس منظر

ہندوستان کے صوبۂ بہار کا جغرافیائی پس منظر:

یقینی طور پر جغرافیائی یا طبعی حالات پر انسان کی نشو و نما کا دار و مدار ہے- تہذیب و تمدن، فکر و نظر، فہم و ادراک اور معاش و روزگار کا انحصار بھی طبعی ماحول پر ہے- جب ہم تہذیبوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اس ملک کی قدرتی ساخت پر نظر رکھنی پڑتی ہے- طبعی حالات کی بناء پر ہی اپنے عہد کی تاریخیں مرتب کر سکیں-(۱)

صوبۂ بہار ہندوستان کے اس حصہ کا نام ہے جو مابین صوبۂ الٰہ آباد اور صوبۂ بنگالہ کے درمیان واقع ہے- گنگا کے داہنے حصہ کو ہندو مگدھ دیس اور بائیں حصہ کو متھلا دیس کہتے تھے جس کو اب ترہت کہتے ہیں- مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ان دونوں حصوں کو ملا کر صوبۂ بہار کہنے لگے-(۲)

ہندی زبان میں مدرسہ کو بہار کہتے ہیں اور چونکہ یہ مقام ہندوؤں کے علوم و فنون کا مرکز تھا، بہار کے نام سے موسوم ہو گیا-(۳)

بہار لفظ وہارا کی ایک مروجہ شکل ہے اور وہارا بودھ مت کے علمی و عملی مرکزوں کی تعبیر تھی- اپنے ان ہی وہاروں کی وجہ سے، جن کا جال اس صوبہ کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا، اس پورے علاقے کا نام بہار ہو گیا-(۴)

بہار شریف راجگیر سے اتر اور بختیار پور سے دکھن جانب، تقریباً ان دونوں کے بیچ میں بہار شریف واقع ہے- بہار ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے- یہ مسلم عہد میں صوبۂ بہار کا پہلا دار الخلافہ تھا- بختیار خلجی سے شیر شاہ سوری تک اسے صوبہ کے صدر مقام کی حیثیت حاصل رہی-(۵)

یہ صوبہ ۱۷۶۵ء سے بنگال کے حاکم کے تحت رہا- ۱۹۱۲ء میں بہار اور اڑیسہ کو بنگال سے جدا کر کے دو

صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بہار کا انتظامی حیثیت سے اڑیسہ کے ساتھ الحاق کر دیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں بہار اور اڑیسہ کو دو علیحدہ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہو گیا تو صوبۂ بہار بھی ایک الگ مستقل صوبہ بن گیا۔(۶)

موجودہ صوبۂ بہار قرونِ وسطیٰ میں ایک سیاسی اکائی نہیں تھا۔ دریائے گنگا نہ صرف بہار کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کرتا تھا بلکہ اس علاقے کی سیاسی حد بندی بھی کرتا تھا۔ شمالی اور جنوبی بہار کے ان دو وسیع علاقوں کے اندر بھی چھوٹے چھوٹے قطعات تھے، جو مقامی حکمرانوں کے زیرِ نگیں تھے اور یہ صورت حال بار بار تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ شمالی بہار کا علاقہ جو زیادہ وسیع تھا ۱۳۲۴ء۔۱۰۹۷ء کے دوران کرناٹا خاندان کی حکمرانی میں تھا جس کا بانی نینا دیوا تھا۔ میتھلا کی حکومت کے شمال میں کوہِ ہمالیہ تھا جبکہ جنوب مغرب اور مشرقی اطراف میں دریائے گنگا۔ گنڈک اور کوسی تھا۔ شمالی بہار چھ اضلاع پر مشتمل تھ۔ جنوبی بہار کے مختلف حصوں پر گہنا دوالا اور پالا خاندانوں کے مختلف شہزادے حکومت کر رہے تھے۔ بہار میں شاہ آباد پٹنہ اور منگھیار کے علاقے پہلے گوندکا ندرا گاندھ والا اور بعد میں مدن بالا کے زیرِ حکومت رہے جبکہ مشرقی بہار سینا حکمرانوں کے زیرِ نگیں تھا۔(۷)

اس خطے میں طویل عرصے تک دہلی کے سلاطین، لکھنوتی اور جونپور کے حکمرانوں کے مابین اقتدار کی کشمکش ہوتی رہی۔ تینوں حکمرانوں کے زیرِ سلطنت علاقوں کی حدود بار بار تبدیل ہوتی رہیں۔ فارسی زبان میں تحریر کردہ تاریخ کی کتب میں ان میں سے بعض جنگوں کے حوالے ملتے ہیں لیکن ان سے مفتوح ہونے والے علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ مغلیہ دور کی صورت حال نسبتاً بہتر ہے۔ مغلیہ نقشوں کی مدد سے پہلی بار ہمیں ان علاقائی حد بندیوں کا علم ہوتا ہے جو صوبہ کے نام سے ۱۵۸۰ء میں وجود میں آئی تھیں۔ پرگنہ کے نقشوں سے جو برطانوی دورِ حکومت کے ابتدائی زمانے میں تیار کیے گئے تھے، ہمیں ذیلی علاقوں کی

فہرست بھی ملتی ہے۔ برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں پرگنہ کی انتظامی اکائیاں ختم ہر کے ان کی جگہ محاصل جمع کرنے کے لئے تھانوں کا نظام رائج کیا گیا۔

بارہویں صدی کے آخر میں بہار میں کوئی مضبوط مرکزی حکومت نہیں تھی۔ اس کمزوری کی بناء پر محمد بختیار خلجی کو اس علاقے میں عسکری کامیابیاں حاصل ہوئیں جس کے نتیجے میں بہار میں ترکوں کی حکومت قائم ہوئی۔

۱۲۰۳ء میں بختیار خلجی نے بہار شریف پر قبضہ کرلیا۔ اسی دور کے ایک تاریخ دان منہاج لکھتے ہیں کہ فاتحین کو یہ پتہ چلا کہ بہار شریف کا قلعہ اور یہ پورا شہر ایک مدرسہ تھا جو کہ ہندوائی زبان میں ویہارا کہلاتا تھا۔ فارسی ذرائع میں لفظ ''بہار'' مشرقی بہار کے لئے استعمال ہوا ہے تا کہ ترہٹ یا جنوبی بہار سے علیحدہ پہچان میں آسکے۔ بنگالہ پر حملے کے وقت ۵۹۹ھ تا ۱۲۰۲ھ بختیار خلجی نے ترہٹ پر بھی حملہ کیا تھا۔ وہاں کے راجہ نرسمہا دیو (۱۲۲۵ھ۔۱۱۸۷ھ جزیہ دینے پر راضی ہو گیا لہذا ترہٹ اور دربھنگہ کے علاقے اسے واپس کردیئے گئے۔

اس کے بعد بختیار خلجی نے مشرق کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے کوسی کو عبور کر کے لکشمانہ سینا کے دارالحکومت نادیہ پر قبضہ کرلیا (۱۲۰۴ھ) اس طرح سے بختیار خلجی نے تقریباً ایک آزاد حکومت قائم کرلی جس میں بہار کا بڑا علاقہ گنگا کا شمالی اور جنوبی علاقہ اور جنوب مغربی بنگال کے علاقے شامل تھے، تاہم بہار کے کچھ علاقوں میں ہندو راجاؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ (۸)

لیکن اپنے علاقوں میں ان راجاؤں کی گرفت مضبوط نہ تھی اور وہ جذیہ بھی باقاعدہ سے ادا نہیں کرتے تھے جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں سلاطین دہلی اور لکھنوتی نے کرناتا کے راجاؤں کے خلاف کئی معرکے کئے۔ نادیا کی فتح کے بعد بختیار خلجی نے اپنا دارالخلافہ بہار شریف سے لکھنوتی (گاؤر، ضلع مالدہ، مغربی بنگال) منتقل کردیا۔ ایسا شاید اس نے سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت کیا تھا کیونکہ اب

اس کا اگلا نشانہ تبت تھا- جس کے وہ قریب ہونا چاہتا تھا-

منہاج لکھتا ہے کہ تبت سے کچھ تجارتی راستے کامروپ کی طرف جاتے تھے جن کے ذریعے شاید وہ ترک علاقے اور ترکستان تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا- بہار سے دارالخلافہ کی منتقلی تیرہویں اور چودہویں صدی میں ایک اہم کڑی ثابت ہوئی- اس کی وجہ سے ایک نسبتاً آزاد لکھنوتی ریاست یہاں قائم ہوئی- یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بہار کا علاقہ بڑی خاموشی کے ساتھ بختیار خلجی کے ہاتھ سے نکل کر سلطان قطب الدین کے زیرِ اثر چلا گیا-

لیکن اگر ہم لکھنوتی خلجی امراء کے سیاسی عزائم کو دیکھیں تو یہ بات آسان نظر نہیں آتی- اس کے علاوہ قانون گو جو خود اس خیال کا اظہار کرتا ہے- وہ مزید لکھتا ہے کہ ''یہ حقیقت کہ بہار علی مردان کی ریاست کا حصہ تھا، اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ اگلا حکمران حسام الدین عواز بڑے سکون سے یہاں حکومت کرتا تھا- یہاں تک کہ ۲۶-۱۲۲۵ قبل مسیح میں التمش نے پہلا حملہ کیا-(۹)

التمش کے دورِ حکومت کے آخری حصے (۳۶ ۱۲۱۰) میں لکھنوتی طاقت کو دبانے کی کوشش کی گئی- اس نے ۱۲۲۵ اور ۱۲۳۶ میں لکھنوتی طاقت کو دبانے کی کوشش کی- اس نے ۱۲۲۵ اور ۱۲۳۰ میں لکھنوتیوں کے خلاف دو حملے کیے اور بہار کو ایک علیحدہ صوبہ بنانے کی کوشش کی- التمش کی وفات (۱۲۳۶) کے بعد سلطنت میں خوب مشکلات اور بغاوتیں ہوئیں- اس دوران اوائل میں آنے والے کچھ ترک نواب اور بنگال کے سلاطین نے اپنا رسوخ جنوبی بنگال تک بڑھا لیا اور ترہٹ پر بھی دوبارہ قبضہ کر لیا- ۱۲۴۲ اور ۱۲۶۵ میں بہار شریف سے تغریل اور تاثر خاں کی جو تحریریں ملی ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشرقی اور وسطی بہار کا بڑا حصہ دہلی کے اثر سے نکل چکا تھا-

چودہویں صدی کا ابتدائی نصف بہار کے سیاسی جغرافیہ کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے- اس کا

ثبوت ہمیں شمالی بہار میں تغلق خاندان کی مضبوط حکومت بنگال کے الیاس شاہ (۱۰) کی تیزی سے کامیابی اور عروج اور آخر کار فیروز شاہ تغلق کے ہاتھوں بہار سے بنگالی اقتدار کے خاتمہ سے ملتا ہے (۸۸-۱۳۵۱) فارسی زبان میں لکھی گئی تاریخ کی کتابوں میں غیاث الدین تغلق (۲۵-۱۳۲۰) کے ترہٹ پر آخری حملے (۱۳۲۴) کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسی دور میں ہریش مہادیوا نے شمالی پہاڑیوں (نیپال ترائی) کی طرف کوچ کیا اور ترہٹ دہلی سلطنت میں شامل ہو گیا- اس سے پہلے ترہٹ کے علاقے سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا مگر وہ باقاعدہ دہلی سلطنت میں شامل نہیں تھا- چودہویں صدی سے تعلق رکھنے والے عرب مصنف ابن فعد اللہ العمری، جنہوں نے محمد بن تغلق (۵۱-۱۳۲۵) کے دور میں ہندوستان کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات پر روشنی ڈالی ہے اور ہندوستانی سلطنت کے صوبوں کی بھی گنتی اور تفصیل پیش کی ہے، انہوں نے اسے ایک سیاسی اکائی کی شکل میں پیش کیا ہے- عہد سلطنت میں حکمرانی کرنے والے تمام شہنشاہوں میں سے تغلق حکمران ایسے ہیں جن کے دور میں تحریروں کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے- یہ کتبے ۱۳۲۵ سے لے کر ۱۴۰۷ تک کے عرصے پر محیط ہیں اور ایک وسیع علاقے تاج پور بساہی (ضلع سارن) سے لے کر کاکو (ضلع گیا) تک پھیلے ہوئے ہیں- تغلق خاندان کی حکمرانی مضبوطی سے شمالی اور جنوبی بہار پر قائم تھی اور یہ علاقہ ان کے دور میں ایک نئی متحدہ سیاسی اکائی کی حیثیت رکھتا تھا- تغلق خاندان کے زوال کے وقت کئی علاقائی ریاستیں وجود میں آئیں- دہلی اور لکھنوتی کے اس تصادم میں ایک تیسرا فریق جونپور بھی شامل ہو گیا- صوبے کے مختلف حصے ان سلطنتوں کے قبضے میں آ گئے اور یہ صورت حال تیزی سے تبدیل ہوتی رہی یہاں تک کہ کتبوں سے حاصل کی گئی معلومات، جو کافی قابل اعتماد ہیں، ان میں بھی کئی مقامات پر متضاد آراء ملتی ہیں مثال کے طور پر بہار میں ہمیں محمد بن تغلق (۱۴۱۲-۱۳۹۴) کے دور کی کئی تحریریں ملتی ہیں- اس کا دور ایک ناکام دور تھا جس میں کئی خانہ جنگیاں اور تیمور (۹۹-۱۳۹۸) کا فیصلہ کن حملہ بھی شامل ہے- حملے کے بعد وہ ایک غیر موثر حکمران رہا

جبکہ کئی تحریریں اس دور میں اسے یہاں کا ایک موثر حکمران ظاہر کرتی ہیں جو کافی حیران کن ہے۔اسی طرح سے بنگال کے سلطان علاؤ الدین شاہ (۱۵۱۹-۱۴۹۳) کے سلسلے میں بھی ہمیں دو تحریریں ملتی ہیں- دونوں ہی (۱۱-۱۵۱۰)۹۱۶عسویں میں اس دور سے تعلق رکھتی ہیں جب دریا خان نیوہانی ولایت بہار کے حکیم تھے-

محمد بن تغلق کے عہد میں جو تحریریں ملتی ہیں وہ دراصل ملک سرور، جو کہ ملک شارق (نواب مشرق) کے نام سے جانے جاتے ہیں اور جونپور بہار میں ہونے والی گڑ بڑ سے نمٹنے کے لئے بھیجے گئے تھے، کی حرکات وسکنات سے متعلق ہیں-(۱)

ملک سرور نے مشرقی یوپی، بھوج پور اور ترہٹ کے کچھ سرداروں کے خلاف معرکوں کی نمائندگی کی اوران علاقوں پر گہرا اثر ورسوخ رکھتا تھا مگر اس نے کبھی بھی اپنی آزادی کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا لہذا اس عہد میں پائی گئی تحریروں میں محمد بن تغلق کا جو ذکر ملتا ہے وہ صرف اس کی شہنشاہیت کا اصرار ہے-تقریباً تمام ہی شارقی حکمرانوں کی تحریریں بہار شریف میں پائی گئی ہیں-

شمالی بہار پر جونپور کے قبضے کے ثبوت بھی یہیں موجود ہیں- یہ بات قابلِ غور ہے کہ تغلق سلطنت کے زوال کے زمانے میں مغربی اور جنوبی بہار کا بڑا حصہ شارقیوں کے قبضے میں تھا جبکہ مشرقی بہار میں بھاگلپور تک کا علاقہ اور منگھیار کے علاقے پر بنگال کے سطان نے دوبارہ قبضہ کر کے اپنا تسلط قائم کرلیا-سلاطینِ بنگال کی کئی تحریریں جو ۱۴۴۶ء سے ۱۴۹۱ تک کے عرصے پر محیط ہیں، اس علاقے میں اب بھی موجود ہیں چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پندرہویں صدی کے آخر تک بہار میں تغلق حکومت کی جگہ شارقی حکومت نے لے لی تھی لیکن مشرقی کا ہلگاؤں کا علاقہ بنگال کے قبضے میں تھا-(۱۲)

جب لودھی حکومت کا تسلط قائم ہوا تو پہلے دو سلاطین بہلول لودھی (۸۹-۱۴۵۱) اور سکندر لودھی (۱۵۱۷-۱۴۸۹) نے کھوئے ہوئے مشرقی حصے پر دوبارہ اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کی- شارقیوں کو بھی بعد

میں آنے والے غزنویوں کی طرح ان کے دارالخلافہ سے نکال دیا گیا اور یہ لوگ اپنی سلطنت کے مشرقی حصے میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے-سکندر لودھی نے بہار کے مختلف علاقوں میں کئی جنگیں لڑیں اور حسین شرقی کو کہلگاؤں کی طرف دھکیل دیا- اس نے بنگال کے سلطان علاؤالدین حسین شاہ کے خلاف بھی کوششیں کیں مگر ان کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی اور دونوں فریق ایک معاہدہ پر راضی ہو گئے-(۹۲-۱۴۹۵) علاؤالدین حسین شاہ کے دور میں ملنے والی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ منکھیا رتک کا علاقہ اس کے قبضے میں رہا-سکندر لودھی نے بہار کا علاقہ دریا خان کے قبضے میں دیا جو حاکم اور ولایت بہار کا نائب کہلاتا تھا- دریا خان کا قبضہ تقریباً پورے جنوبی بہار پر تھا-

وہ تحریریں جن کا وجود ابھی تک موجود ہے ان کے مطابق دریا خان کا نام جنوبی بہار میں ہی ملتا ہے- پندرھویں صدی کا ایک اور ثبوت مالغذ، جس کا ذکر ایس ایچ عسکری نے کیا ہے، وہ ایک خانقاہ کی عمارت ہے جو دریا خان نے بنوائی- یہ جنوبی بہار کے علاقے میں واقع ہے اور یہ بھی دریا خاں کے جنوبی بہار پر قبضے کی طرف نشاندہی کرتی ہے- اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ۱۵۰۴-۱۴۹۹ھ میں معطل شارقی حکمران حسین شارقی نے بہار پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کئی کوششیں کیں- اس نے بہار شریف کے قلعے میں دریا خان کا محاصرہ بھی کیا-(۱۳)

بنیادی طور پر دریا خان ابراہیم لودھی (۱۵۲۶-۱۵۱۷) کا وفادار تھا لیکن بعد میں ابراہیم لودھی کی طرف سے طاقت کے بل بوتے پر بے رحمانہ نسل کشی اور پٹھان سرداروں کے خلاف دھوکہ دہی نے اسے شش و پنج میں مبتلا کر دیا اور اسے بغاوت پر اکسایا وہ جلد ہی ۱۵۲۴ کے قریب انتقال کر گیا اور اس کے بیٹے بہار خان نے بے خوفی کے ساتھ وہ فیصلہ کر یا جو اس کا باپ کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا- اس نے سلطان محمد کا لقب اپناتے ہوئے خطبہ دینا شروع کیا، اپنے نام کے سکے جاری کروائے اور نوہانی سلطنت بہار میں اپنی حکومت قائم

کرنے کا اعلان کر دیا۔ بہت سے وہ پٹھان سردار جو ابراہیم لودھی کے وفادار نہیں تھے، جیسا کہ غازی پور کا ناصر خان نوہانی، انہوں نے بھی سلطان محمد کا ساتھ دیا۔ اس علاقے کی وسعت کتنی تھی اس کا ذکر قرونِ وسطیٰ کے کئی فارسی تاریخ دانوں نے کیا ہے۔ نعمت اللہ لکھتا ہے کہ غازی پور کا حاکم ناصر خان نوہانی شاہی فوج سے شکست کھانے کے بعد بہار آیا اور محمد شاہ کے ساتھ شامل ہو گیا۔

عبداللہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد کی نیوہانی سلطنت بہار کی سرحدوں سے لے کر ولایت بنگالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ بنگال کی (لائن آف کنٹرول) سرحد جو کافی عرصے تک مشرقی بہار تک پھیلی ہوئی تھی، نہ صرف پیچھے کی طرف دھکیل دیا گیا بلکہ مغربی بنگال کا کچھ علاقہ بھی بہار کے نیوہانی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ مختصراً یہ ترک افغان دور (۱۵۲۶-۱۲۰۶) میں بہار کی سیاسی سرحدوں میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ (۴)

پہلی بڑی تبدیلی ترہٹ اور بہار کی علیحدہ علیحدہ حیثیتوں کا خاتمہ تھی جو ۱۳۲۴ میں غیاث الدین تغلق کی فتح کے نتیجے میں ہوئی۔ بہار کو ایک علیحدہ صوبے کی حیثیت دے دی گئی۔ ان سرحدوں کی حدود وہ نہ تھیں جو کہ مغل صوبہ بہار کی تھیں۔ بھاگلپور اور منگھیار کے علاقے بنگال کے قبضے میں ہی رہے۔ مگر یہ صورت حال ایک مختصر عرصے کے لئے اس وقت تبدیل ہوئی جب نیوہانی پٹھانوں نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں نہ صرف مشرقی بہار کے علاقے شامل تھے بلکہ مغربی بنگال کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس دور میں چھوٹا ناگپور سے متعلق حوالے کم ملتے ہیں۔ ہندوستان میں مغل حکومت کے پہلے عشرے (۳۶-۱۵۲۶) میں بہار کی سیاسی حالت پیچیدہ رہی۔ پانی پت میں پٹھانوں کی شکست کے بعد مشرقی یوپی اور بہار ان کے مرکز بن گئے۔ یہاں انہوں نے مغلوں کے خلاف ایک اور سازش تیار کرنے کی کوشش کی بابر کی مشرقی حصے میں فوج کشی نے ان کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ بہار میں بابر کے نظم و نسق کا ذکر ضروری ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ایک خاص سیاسی نظم و نسق قائم تھا جیسے کہ بابر لکھتا ہے کہ بہار سے ملنے والا ریونیو 4,05,60,000 ٹکے تھا

جن میں سے 1,00,00,000 خالصہ کے لئے مخصوص تھا اور باقی 50,00000 (۱۵) محمود لودھی کا اعزازیہ تھا اور باقی 2,55,60000 جلال خان کا اعزازیہ تھا لہذا بہار سے جو ریونیو لیا جاتا تھا اس کا بڑا حصہ پٹھانوں کو چلا جاتا تھا- تمام ریونیو میں سے ایک خاص رقم خالصہ کی مد میں علیحدہ کر لی جاتی تھی- اصل نظم ونسق نیوہانیوں کے ہاتھ میں ہی تھا مگر وہ بھی مغلوں کے زیر اثر تھے-

عہدِ بابر میں بہار زیادہ تر گزشتہ نیوہانی حکمرانوں کے زیر تسلط ہی رہا- نیوہانی کی سیاسی حیثیت اور نظم ونسق کا اختیار ہی دراصل بنیادی طور پر شیر خان کے لئے اس بات کا مددگار ثابت ہوا کہ پہلے تو اس نے ایک ریاست کی بنیاد رکھی، جس میں بنگال بھی شامل تھا اور پھر دوسری افغان ریاست قائم کی- اس فیصلہ کن فتح کے نتیجے میں، جو شیر خان نے بنگالی فوج کے خلاف سورج گڑھ (۱۵۳۴) کی لڑائی میں حاصل کی، بنگال کی مغربی سرحدیں جو مشرقی بہار تک پھیلی ہوئی تھیں پیچھے دھکیل دی گئیں- (۱۶)

تاریخِ شیر شاہی کے مصنف نے اس بارے میں زیادہ محتاط خیال ظاہر کیا ہے، لکھتا ہے کہ نصیب (نصرت) شاہ (۱۵۳۲) کے انتقال کے بعد ریاست بنگال میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور شیر خان اس کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور ریاست حاصل کرنا چاہتا تھا- اس نے اس ریاست کے کچھ علاقوں میں قبضہ کرنا شروع کیا اور ان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا شروع کر دیا- غور (اپریل ۱۵۳۸) کی فتح سے پہلے بنگال کے مغربی علاقے شیر خان کی ریاستِ بہار میں شامل کر دیئے گئے تھے- لیکن بعد میں جب شیر خان بنگال اور بہار کے جبری حکمران کی حیثیت سے چوسہ کی جنگ (جون ۱۵۳۹) سے پہلے ہمایوں کے ساتھ ایک سیاسی معاہدے کے سلسلے میں بات چیت کرتا رہا تھا اور اسے تمام ملک بہار یعنی بہار کا پورا علاقہ دینے کو تیار تھا- اس وقت وہ بنگال، جس کا اسے حکمران رہنا تھا، کی وہی سرحدیں چاہتا تھا جو کہ سکندر لودھی کے زمانے میں تھیں- شیر خان، جس نے پہلے مشرقی بہار کے علاقے سلطانِ بنگال سے لے کر اپنے قبضے میں کر لئے تھے، اب بنگال میں

واپس شامل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب اسے وہیں کا حکمران رہنا تھا- یہ بات چیت ناکام رہی- جلد ہی چونسہ کی جنگ (۱۵۳۹) اور کنوج (۱۵۴۰) ہوئی اور اس کے نتیجے میں شیر خان، جو اب شیر شاہ کہلاتا تھا (۴۵-۱۵۴۰)، ایک ایسی ریاست کا حکمران بن گیا جو بنگال اور بہار سمیت پورے شمالی ہندوستان پر محیط تھی- شیر شاہ اور اسلام شاہ کے زیر تسلط بہار کی مشرقی سرحد وسیع تر ہوتی چلی گئی-(۱۷)

اسلام شاہ کے انتقال کے بعد (اکتوبر ۱۵۵۳) میں خصوصاً مشرقی حصے میں کئی سیاسی تبدیلیاں آئیں- گوالیار، جہاں پر اسلام شاہ کا انتقال ہوا، وہاں سیاسی بدنظمی اور سیاسی مفادات کی خاطر قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری رہا- بنگال کے دوسرے سرے پر وہاں کے گورنر محمد خان سُور نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی طاقت کو مغرب کی طرف پھیلانے کی کوشش میں ۱۵۵۵ کے آخر میں ہمایوں کے ہاتھوں شکست کھائی جو کہ محمد عدیل شاہ کا جرنل تھا- عدیل شاہ نے اسلام شاہ کے بیٹے کے قتل کے بعد تخت پر قبضہ کر لیا تھا- فیروز شاہ محمد خان سُور کے شکست اور موت کا مطلب بنگال پھیلی ہوئی افراتفری کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ اس کے بیٹے خیدر خان غیاث الدین بہادر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا اور اپنا سارا وقت اپنے بعد کی شکست کا بدلہ لینے میں گزار دیا-

ان ہی حالات کی وجہ سے تاج خان کرارانی، جس نے اسلام شاہ کے عہد میں عروج حاصل کیا، اس نے گوالیار سے فرار حاصل کیا اور مشرقی حصے میں اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی- یہاں اس کے بھائی عماد اور الیاس بہت عرصے سے خواص پور ٹنڈا اور کچھ اور پرگنانوں پر جو دریائے گنگا کے کنارے واقع تھیں، قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے- کرارانیوں کو کچھ پٹھان قبیلوں کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا- کرارانی، حاجی پور کے علاقے اور گاندک کے قریب مقیم ہو گئے- ابتداً تاج خان نے کاکرس کے ہاتھوں شکست کھائی مگر بالآخر وہ انہیں یہاں سے نکالنے اور شمالی بہار اور مغربی بنگال کے کچھ علاقے پر اپنا تسلط قائم

کرنے میں کامیاب ہوگیا مگر اس نے بنگال کے سلطان غیاث الدین بہادر شاہ کی شہنشاہیت کو قبول کیا جو کہ یہاں سے ملنے والی تحریروں (۶۰-۱۵۵۹) سے ثابت ہے-

اسی دور میں غیاث الدین بہادر شاہ اپنے باپ کے دور میں شروع کی گئی مہمات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا یعنی منگھیار کی طرف پیش قدمی-محمد عدیل شاہ، جو کہ ابھی تک چنار میں تھا، وہ پٹنہ کی طرف بڑھا اور وہاں اپنی فوجوں کو منظم کرنے کے بعد منگھیار میں مزاحمت کا سامنا کیا- دونوں افواج کا سامنا نانہ کے مقام پر ہوا جو منگھیار میں مغرب کی طرف بارہ میل کے فاصلے پر اور سورج گڑھ سے دو میل کے فاصلے پر واقع تھا-محمد عدیل شاہ اس حملے سے واقف نہیں تھا جبکہ فوج کا بڑا حصہ گنگا کے دوسرے کنارے پر تھالہذا عدیل شاہ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا- (اپریل ۱۵۵۷)- (۱۸)

عدیل شاہ کی شکست اور موت کی خبر سننے کے بعد اس کے بیٹے نے چنار میں حکومت سنبھالی اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا- جونپور کے مقام پر مغرب کی سمت اسے مغلوں کا سامنا کرنا پڑا اور مشرق کی طرف فاتح بنگالی فوج کا ایک بڑا خطرہ خیال کرتے ہوئے شیر شاہ نے جونپور کی طرف پیش قدمی مگر مغل سپہ سالار خانِ زمان کے ہاتھوں شکست کھائی- اس کے نتیجے میں پٹھان فوج بکھر گئی اور بہت سوں نے سلیمان کرارانی کے پاس پناہ حاصل کی جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ کرارانی حکومت کے بہار والے حصے کا نگہبان تھا- جب تک کے تاج خان زندہ رہا اتنے عرصے یہاں سلیمان کرارانی کا کنٹرول رہا- بعد میں تاج خان کی موت کے بعد تقریباً ۱۵۶۵ میں کرارانی ریاست کا سربراہ بن گیا اور اڑیسہ پر بھی اپنا قبضہ جمالیا- اس نے اپنے لئے کوئی شاہی لقب اختیار نہیں کیا اور صرف مسند اعلیٰ کے لقب پر ہی اکتفا کیا جو تاج خان استعمال کیا کرتا تھا- شاید اس کے دور کی شروعات میں اس کا دارالخلافہ بہار شریف تھا لیکن بعد میں اس نے ٹانڈا کو اپنا دارالخلافہ بنایا-

تاج خان کے عہدِ حکومت کے ابتدائی حصے میں کرارانی ریاست کی سیاسی حیثیت واضح نہیں مگر تاج خان کے ہاتھوں غیاث الدین شاہ سوئم (۱۵۶۴) کی شکست اور موت کے بعد کرارانی ایک تقریباً آزاد برسرِ اقتدار جماعت بن گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے اقتدار کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا۔ اس کے بعد جلد ہی تاج خان کا انتقال ہوگیا اور اس کے بھائی سلیمان (۷۲-۱۵۶۵) کے زیرِ حکومت کرارانیوں نے ایک وسیع اور مضبوط ریاست قائم کی جس میں بنگال، بہار اور آسام اور اڑیسہ کے علاقے شامل تھے۔

سلیمان نے مغلوں کے ساتھ نا صرف دوستی اور اتحاد کی پالیسی اپنائی بلکہ ان کی شہنشاہیت کو بھی راز داری کے ساتھ قبول کیا مگر کرارانی ریاست کے آخری حکمران اور اس کا بیٹا داؤد خان نے یہ پالیسی ترک کر دی اور مغلوں کے ساتھ دشمنیوں کا باب کھول دیا اور اس طرح پٹنہ کی مغربی چوکی اور حاجی پور پر مغل حملے کو دعوت دی۔ ۱۵۷۴ میں پٹنہ کے قلعے سے نکال دیئے جانے کے بعد داؤد کرارانی نے اپنی ریاست کے مشرقی حصے سے کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا مگر ۱۵۷۶ میں اسے شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اکبر نے کرارانی ریاست اپنی سلطنت میں شامل کر لی۔ (۱۹)

بعد میں جب اس نے اپنی سلطنت کے نظم ونسق کو منظم کیا اور اسے صوبوں میں تقسیم کیا تو بہار کو ایک صوبہ بنا دیا گیا (۱۵۸۰)۔ صوبوں کی سرحدیں آئین میں دی گئی ہیں جو کچھ اس طرح سے ہیں: اس کی لمبائی غزی سے روہتاس ۱۲۰ کوس ہے، چوڑائی (پھیلاؤ) ترہٹ سے شمالی پہاڑوں تک ۱۱۰ کوس، اس کی مشرقی سرحد پر بنگال ہے، مغرب میں الہ آباد اور اودھ ہیں، شمال اور جنوب میں اونچی پہاڑیاں واقع ہیں۔ (۲۰)

ایک کتاب حدیقتہ الاقالیم، جس میں صوبۂ بہار کی سرحدوں کا ذکر ہے، وہ کچھ اس طرح سے ہے: اس صوبے کی لمبائی روہتاس سے غازی ۱۲۰ کروہ اور اس کی چوڑائی ترہٹ سے شمالی پہاڑیوں تک ۱۲۰ کروہ ہے۔ صوبہ سات سرکاروں میں تقسیم تھا اور ہر سرکار مزید کئی پرگانوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اس طرح سے کل ۱۹۹

پرگنہ ئیں تھیں۔

سرکاریں اوران میں موجود پرگانیں جو کہ آئین میں ملتی ہیں کچھ اس طرح سے تھیں:

سرکاری بہار ۴۶ پرگانوں پر مشتمل تھا، (۱) امریٹو (۲) انبلو (۳) انتری (۴) ایکھری (۵) بہار (۶) بھیم پور (۷) بھاگلپور (۸) بسوک (۹) بلیہ (۱۰) چرکاون (۱۱) وادور (۱۲) دکھنیر (۱۳) غیدھور (۱۴) غاتسر (۱۵) غیاث پور (۱۶) گوہ (۱۷) گیا (۱۸) ایکھال (۱۹) جئی چمپہ (۲۰) جرھا (۲۱) کرن پو (۲۲) کاتی بھارا (۲۳) کوبرا (۲۴) میہسر (۲۵) ماندہ (۲۶) مونورا (۲۷) منیر (۲۸) مصورہ (۲۹) زہٹ (۳۰) پٹنہ (۳۱) پندارک (۳۲) پلیچ (۳۳) پھول وری (۳۴) پھلواری (۳۵) پھورا (۳۶) راجگیر (۳۷) رام پور (۳۸) روہ (۳۹) ساہرا (۴۰) سندھا (۴۱) سیئور (۴۲) سومئی (۴۳) سنوٹ (۴۴) تلہارا (۴۵) اونچایا (۴۶) اَرول۔ (۲۱)

سرکار منگھیار ۳۱ پرگانوں پر مشتمل تھا:

(۱) ابیہ پور (۲) انبالو (۳) انگو (۴) بیہ (۵) بسائی (۶) بھاگلپور (۷) چائی (۸) چندوئی (۹) دنرا سکوارا (۱۰) دھرم پور (۱۱) ہندوا (۱۲) ہضرتکی (۱۳) کھلگاؤں (۱۴) کھراہی (۱۵) کھاتکی (۱۶) کوزرہ (۱۷) لکھن پور (۱۸) مسدی (۱۹) مسجد پور (۲۰) منگھیار (۲۱) فرکیاہ (۲۲) پھرا (۲۳) روہنی (۲۴) سگھ وُلی (۲۵) سکھراسانی (۲۶) سروہی (۲۷) ستیاری (۲۸) سکھ دیرہ (۲۹) سورج گڑھ (۳۰) تنور (۳۱) وسیلہ۔

سرکاری چمپارن تین پرگاہوں پر مشتمل تھا:

(۱) موجھوا (۲) میہسی (۳) سیمراؤن۔

سرکاری حاجی پور گیارہ پرگانوں پر مشتمل تھا:

(۱) بلا گونچ (۲) بسیارہ (۳) بوسواوی (۴) عماد پور (۵) گرھ سارہ (۶) حاجی پور (۷) نیئی پور (۸) ریوتی (۹) ثریا (۱۰) تیگھرا (۱۱) اکبر پور

سرکار سارن میں سترہ پرگانیں تھیں:

(۱) اندور (۲) بال (۳) بارا (۴) باراری (۵) چانندہ (۶) چؤ بیری (۷) ڈھنکسی (۸) گودھا (گوڈا؟) (۹) جوئینا (۱۰) کلین پور (۱۱) کسیمھ (۱۲) منجھی (۱۳) مکیر (۱۴) مرہل (۱۵) زبان (۱۶) پچلک (۱۷) سیاہی۔

سرکار ترہٹ میں ۷۴ پرگانیں تھیں:

(۱) اہس پور (۲) الہ پور (۳) اتھائیس (۴) یوبھی (۵) ایوگھارا (۶) بچتور (۷) بادبھساری (۸) بغدا (۹) باغی (۱۰) بہادر پور (۱۱) بہنور (۱۲) بھرواری (۱۳) بیر (۱۴) بنوا (۱۵) بریئی (برئی) (۱۶) بریل (۱۷) برسانی (۱۸-۲۱) باسری اور چار محلے (۲۲) بھ دور (۲۳) بھالا (۲۴) بھوَرا (۲۵) بوچاور (۲۶) بورا (۲۷) بسوترا (۲۸) چک منی (۲۹) دھرور (۳۰) دربھنگا (۳۱) فخر آباد (۳۲) گرچاوند (۳۳) ہاوی (۳۴) ہرنی (۳۵) ہاتی (۳۶) جکھور (۳۷) جوکھلپور (۳۸) جبدی (۳۹) جرئیل (۴۰) کنھوَلی (۴۱) کھنڈا (۴۲) کورادی (۴۳) کبکھند (۴۴) لدوآری (۴۵) ملھامی (۴۶) مارگا (۴۷) مردہ (۴۸) مہئی ند (۴۰) موہیلہ (۵۰) نوَرام (۵۱) نوتن (۵۲) اوترک ہند (۵۳) پنہر پور (۵۴) پاوہ (۵۵) پانچی (۵۶) پندراجا (۶۷) پارہر پور جبدی (۵۸) پری ہر پور راگھو۔ (۲۲)

(۵۹) پیپرا (۶۰) پورب بھیگو (۶۱) پچھم بھیگو (۶۲) پدری (۶۳) رام جند (۶۴) تادرانجولی (۶۵) سریشتا (۶۶) سُلیئم آباد (۶۷) سُلیم پور (۶۸) تاج پور (۶۹) تاندھا (۷۰) تارنی (۷۱) تُرسونی

(۷۲) تلک چوند (۷۳) ترہٹ (۷۴) اوہلوار۔

سرکار روہتاس میں اٹھارہ پرگنائیں تھیں:

(۱) آروان (آراء؟) (۲) بارہ گاؤں (۳) بھوجپور (۴) چاکند (۵) دینارہ (۶) دنور (۷) فتح پور بیا (۸) جیدر (۹) کوٹ (۱۰) کوٹرا (۱۱) منگرور (۱۲) ننور (۱۳) پیرو (۱۴) پنوار (۱۵) رتن پور (۱۶) روہتاس (۱۷) سہسرام (۱۸) سیرس۔

بعد میں روہتاس کی سرکار دو حصوں میں تقسیم ہوگئی - روہتاس اور بھوجپور یا شاہ آباد اور سرکاروں کی تعداد آٹھ ہوگئی۔ بیمس لکھتا ہے کہ غیر منقسم روہتاس سرکار کی اٹھارہ پرگناؤں میں سے سات روہتاس میں رہیں اور گیارہ بھوجپور یا شاہ آباد کی سرکار میں چلی گئیں۔

بہار میں سرکار کی سرحدیں اس بات کا خیال رکھ کر متعین کی جاتی تھیں کہ مختلف زبانیں بولنے والوں کی الگ الگ سرحد ہو۔ اس طرح سے روہتاس سرکار، سارن اور چمپارن میں بڑی حد تک (۲۳) بھوجپوری بولنے والوں کی اکثریت تھی - حاجی پور اور ترہٹ میں متھیلی بولنے والے علاقے شامل تھے اور بہار میں مگدھی بولنے والوں کی کثرت تھی۔

اصل سات سرکاروں میں سے بہار سب سے وسیع تھی جو ۹۵۲۵۹۸ بیگھ پر مشتمل تھی۔ صوبے کے وسط میں واقع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ دریائے گنگا کے دائیں کنارے میں واقع زرخیز میدان پر مشتمل تھی۔ یہ پرانے ضلع پٹنہ اور بہار کے ایک بڑے حصے پر مشتمل تھی۔

منگھیار سرکار صوبے کے مشرقی اور جنوبی علاقے اور پرانے ترہٹ ضلع پر مشتمل تھی - اس میں سنتھال پرگنہ کے جنگلات کے کچھ علاقے بھی شامل تھے - یہ تقریباً گنگا کے پار تک پھیلی ہوئی تھی جہاں فرکھیا اور چائی کی پرگنائیں تھیں۔

چمپارن اور سارن کی سرکاریں صوبے کے شمال مغرب میں واقع تھیں اور پرانے ضلع سارن کے علاقے پر مشتمل تھی- چمپارن کے سلسلے میں مغرب اور جنوب مغرب کی طرف گنڈک ایک قدرتی سرحد کا کام کرتی تھی- شمالی سرحد کا تعین کرنا مشکل ہے- یہ تارائی علاقے، جو کہ اب نیپال کا حصہ ہیں، ایک بہت بڑے حصے پر مشتمل تھی- سارن کی طرف گنڈک اور جنوب کی طرف گنگا گھاگرا واقع تھا اور تقریباً تمام پرگنائیں، جن کا ذکر آئین میں موجود ہے، وہ انگریز دورِ حکومت تک موجود تھیں-

حاجی پور کی سرکار نسبتاً ایک تنگ پٹی پر مشتمل تھی، جو بُرہی گنڈک میں شمال مشرق اور گنڈک اور گنگا میں جنوب اور مغرب میں واقع تھی- شمال کی طرف بُرہی گنڈک کے پار ترہٹ کی سرکار تھی- (۲۴)

ترہٹ کی سرکاری ۷۴ پرگانوں پر مشتمل تھی جبکہ بہار کی سرکار ۴۶ پرگانوں پر مشتمل تھی مگر رقبے کے لحاظ سے ترہٹ سرکار بہار سرکار کی ایک چوتھائی تھی (پیمائش ۲۶۶۴۶۴ بیگھ) اور کئی چھوٹی چھوٹی پرگانوں پر مشتمل تھی جن کے نام اور سرحدوں میں کئی تبدیلیاں ہوچکی ہیں- یہ پرانی ریاست میتھلا کے رقبے کے ایک بڑے حصے پر مشتمل تھی جہاں اس کی روایتی سرحدیں جنوب اور مشرق میں گنگا اور کوسی ہی رہی ہیں- مغرب میں جہاں پہلے گنڈک سرحد تھی کئی تبدیلیاں آئی ہیں جس کی وجہ سارن اور چمپارن کی سرکاروں کی تشکیل تھی- سرکار روہتاس شمال کی طرف سے کیمر کی پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی- سیرس اور کوتمبا کی پرگانیں سون کے پار واقع تھیں (دائیں کنارے پر) یہ بھی شاید روہتاس سرکار سے تعلق رکھتی تھی کیونکہ یہ روہتاس گڑھ کے قلعے سے تعلق رکھنے والی جاگیر کا حصہ تھیں روہتاس گڑھ کے قلعے کے مالک کی جاگیر میں اتر پردیش کے کچھ علاقے بھی شامل تھے اور شاید یہ اس سرکار میں شامل تھے- ہر جگہ کی طرح بہار کی پرگانیں بھی جغرافیائی اور نظم و نسق کی بنیادوں پر بنائی گئی تھیں-

مغلوں کے دورِ حکومت میں بھی پرگنہ نظم و نسق کی بنیادی اکائی تھی (دونوں ہی مقاصد یعنی نظم و نسق اور

ٹیکس کی وصولی کے لحاظ سے) برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی مگر آہستہ آہستہ یہ بات واضح ہونے لگی کہ پرگنہ سے ملحقہ گاؤں صحیح طریقے سے اس کے کنٹرول میں نہیں رہ پاتے اور ضلع میں واقع دوسری پرگانوں سے منسلک ہوجاتے ہیں اور کبھی کبھی ضلع سے منسلک نہیں رہ پاتے۔(۲۵)

پرگانوں کی سرحدیں اگر کہیں اپنی اصل شکل میں موجود تھیں تو مشکل سے دوچار تھیں۔ اس ٹیکس جمع کرنے کا کام بری طرح متاثر ہوا۔ ضلع کی سطح پر ٹیکس جمع کرنے والے کئی کارندے اپنا ریکارڈ نہ رکھ سکے لہذا ۱۹۴۰ اور ۱۸۵۰ کے دوران حکومت کو ضلع بہار اور بنگال کی حد بندی اور محاصل کا پیشہ ورانہ جائزہ لینے کے کا کام شروع کرنا پڑا۔ اس جائزے کا مقصد حد بندی کے کام کو سائنسی خطوط پر استوار کرنا تھا۔(۲۶)

صوبے کا رقبہ اور آبادی:

صوبہ بہار کا موجودہ کل رقبہ ۶۹۳۴۸ مربع میل ہے اور آبادی چھ کروڑ کے قریب ہے۔ ہندوستان کے صوبوں میں اس کا دوسرا مقام ہے۔(۲۷)

حدود اربع:

بہار کے مغرب میں صوبہ اتر پردیش مشرق میں صوبہ بنگال، جنوب میں اڑیسہ جبکہ جنوب مغرب کی سرحد صوبہ مدھیہ پردیش (سی پی) سے ملتی ہے۔ شمال میں کوہِ ہمالیہ کا عظیم سلسلہ اور کوہستانی ریاستیں بھوٹان اور نیپال ہے۔ نیپال کا دارالسلطنت کھٹمنڈو کے لئے بہار کے ضلع دربھنگہ ہی سے ایک سڑک جاتی ہے۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ کا نظارہ بہار کے ضلع دربھنگہ سے کیا جا سکتا ہے اور تمام مہم جو کوہ پیما دربھنگہ کے راستے ہی نیپال جاتے ہیں تاکہ ایورسٹ فتح کیا جا سکے۔(۲۸)

مسلم بہار:

ہندو (آریہ) اور بدھ عہد کے تمام چکرورتی راجے، مہاراجے، موریہ خاندان کا چندر گپت موریہ ہو،

گپتا خاندان کے مہاراجہ چندر گپت، سمندر گپت وغیرہ یا اشوک اعظم اور (۲۹) وردھن خاندان کا آخری چکرورتی ہرش وردھن ہو-سب ہی صوبہ مگدھ (بہار) کے شہر مگدھ (گیا) اور بہار ہی کے مشہور شہر پاٹلی پترہ (پٹنہ) سے برصغیر کے طول و عرض پر حکومت کرتے رہے- ہرش وردھن کے بعد ہی ہندوستان مرکزیت کھو بیٹھا اور ایک درجن سے زیادہ ریاستیں وجود میں آ گئیں- ان میں سے بیشتر حکومتیں مختلف راجپوت خاندانوں کی تھیں- سندھ میں راجہ داہر کا خاندان حکومت کرتا رہا تھا جبکہ پنجاب اور سرحد (پشاور) پر مشہور راجپوت راجہ جے پال کے اجداد نے حکومت قائم کر رکھی تھی- ان میں چار بڑی مستحکم حکومتوں کے علاوہ دسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں- (۳۰)

مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں اس حصہ کا ایک ناظم یا صوبیدار ہوتا تھا اور اس کا صدر مقام شہر پٹنہ عظیم آباد تھا- ہندوؤں کے عہد میں متھلا اور مگدھ دیس کے جدا جدا راجہ تھے مگر مسلمانوں اور بالخصوص عہدِ اکبری سے یہ صوبہ آٹھ سرکاروں پر منقسم ہو کر ایک حاکم کے ماتحت رہتا تھا- وہ آٹھ سرکاریں یہ تھیں: (۳۱) سرکار شاہ آباد، سرکار رہتاس، سرکار بہار، سرکار مونگیر، سرکار حاجی پور، سرکار سارن، سرکار چنپارن، سرکار ترہٹ- ہر سرکار میں ایک فوجدار کا ماتحت اور اس کا رجوع اسی صوبہ دار سے رہتا تھا- مگر انگریزی عملداری میں سرکار مونگیر اور بعض حصے رہتاس (یا گیا) کے صوبۂ بہار کے ماتحتی سے نکال لئے گئے، اب وہ سرکاریں ذیل کے ناموں کے ساتھ مسمّٰی ہیں جو ایک کمشنر کے ماتحت ہیں، جس کا صدر مقام شہر پٹنہ ہے- ان سب ضلعوں میں ایک ایک جج اور کلکٹر اور مجسٹریٹ کام کرتے ہیں-

(۱) ضلع شاہ آباد جس میں قصبۂ شہسرام اور بکسر اور جگدیس پور وغیرہ شامل ہیں- (۳۲)

(۲) ضلع پٹنہ، جس میں باڑھ و قصبۂ بہار شامل ہے، صدر مقام پٹنہ عظیم آباد-

(۳) ضلع گیا، صدر مقام قصبۂ جہان گنج-

(۴) ضلع ترہٹ، صدر مقام مظفر پور اور دربھنگہ-

(۵) ضلع سارن، جس میں علی گنج سوان بھی ہے-

(۶) ضلع چنپارن، صدر مقام مو-تہاری مگر یہاں کی ججی کے مقدمات ضلع سارن کے جج کے متعلق ہیں- جو نامی مقامات اس ضلع میں گنگا کنارہ واقع ہیں، وہ یہ ہیں: قصبۂ آرہ، دانا پور، پٹنہ عظیم آباد، حاجی پور، باڑھ، مونگیر، بھاگلپور، صاحب گنج، سلطان گنج -(۳۳)

صوبۂ بہار کی ندیاں اور دریا:

قدرتی ساخت کے لحاظ سے یہ صوبہ دو حصوں میں تقسیم ہے اور دونوں اپنے طبعی حالات، آب وہوا، پیداوار، نسل اور زبان کے لحاظ سے قطعی مختلف ہیں، پہلا حصہ تو دریائے گنگا کا زرخیز میدانی علاقہ ہے اور دوسرا چھوٹا ناگپور کا سطح مرتفع ہے- بہار کے زرخیز میدانی علاقے کو دریائے گنگا دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے، ایک کو شمالی بہار کہتے ہیں دوسرے کو جنوبی بہار-(۳۴)

ندیاں اس صوبے میں بہت ہیں، نامی دریا اور ندیاں گنگا اور گنڈک اور سون اور پھلگو اور کرم ناسہ اور پن پن اور وردھا اور مور ہر ہے- گنگا بنارس کی طرف سے بہہ کر بنگالہ تک چلی گئی ہے اور گنڈک اتر اور پچھم سے بہتی ہوئی آتی ہے- حاجی پور کے نیچے گنگا میں ملتی ہے- اسی مقام پر سائی ایک چھوٹی سی ندی پچھم سے آکر گنگا میں ملتی ہے-(۳۵)

گنگا:

سب سے مشہور و مقدس دریا گنگا ہے جو ہندوستان کے میدانوں میں ۱۵۵۷ میل تک بہہ کر خلیج بنگالہ میں آکر گرتا ہے- اس کے گرد ۴لاکھ مربع میل کے رقبے میں جو پانی برستا ہے وہ تمام، سوائے اس حصے کے جو زمین میں جذب ہو جائے، ندی نالوں کے ذریعہ بہہ کر گنگا میں پہنچ جاتا ہے- اس تمام رقبے کو جس کا پانی اس

طرح بہہ بہہ کر کسی دریا میں پہنچ جائے دریا کا تگاب یا آب گیر کہتے ہیں۔ سطح بحر سے ۱۳ ہزار فٹ کی بلندی پر برف کی تین سو فٹ موٹی اور منجمد تہہ میں گومکھ دریا گنا کا منبع ہے۔ (۳۶) اور اس مقام کا نام گنگوتری ہے۔ جو صوبہ جات متحدہ کی ایک چھوٹی سی دیسی ریاست تہری گڑھواں کے علاقے میں واقع ہے۔ اس جگہ گنگا کا نام ''بھاگیرتی'' اور تھوڑی دور آگے چل کر جب وہ منصوری کی پہاڑیوں کے پیچھے ''الک نند'' ندی سے مل کر آگے بڑھتی ہے تو اسے گنگا یا ازراہ ادب (گنگا مائی) کہتے ہیں۔ الک نند ندی بھی گومکھ کے قریب ہی کدار ناتھ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے جس کی چار سر بہ فلک چوٹیاں برف سے مستور نظر آتی ہیں۔ (۳۷)

گنگا کے منبع سے ہردوار تک ۱۸۰ میل کا فاصلہ اور بلندی کے اعتبار سے یہ مقام گومکھ سے ایک ہزار فٹ نیچا ہے لہذا یہاں تک گنگا پہاڑی رو کی طرح نہایت تیز بہتی ہوئی آتی ہے لیکن اس کے آگے تقریباً ایک ہزار میل یعنی مقام راج محل واقع بنگالہ تک اس کی گزرگاہ کی وسطی منزل سمجھنی چاہئے۔ یہاں پہنچ کر گنگا ایک ذخار دریا بن گئی ہے اور طغیانی کے زمانے میں ہر کانٹے پر اس کا بیس لکھ مکعب فٹ پانی اس مقام سے گزرتا ہے۔ یہاں سے اس کے دہانے یا سمندر تک ۴ سو میل کا فاصلہ اور گزرگاہ کی گویا منزل زیریں ہے۔ خاص دہانے پر اس کا وسیع اور دو سو میل چوڑا ڈیلٹا قریب قریب سارے ساحل بنگالہ پر پھیلا ہوا ہے۔ دریائے گنگا کی عظمت و وسعت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اپنے منبع سے صرف دو سو میل چل کر یعنی میدانی علاقے میں داخل ہوتے ہی اس کا پاٹ جہاز رانی کے قابل ہوگیا ہے اور اس سے متعدد نہریں نکال کر صوبہ جات متحدہ کے اکثر حصوں میں آبپاشی ہوتی ہے۔ (۳۸) اس کے کناروں کو ہندو نہایت مقدس زمین جانتے ہیں اور ان کے اکثر مقامات پر اشنان کی غرض سے گھاٹ تعمیر کئے گئے ہیں کہ لوگ سہولت کے ساتھ گنگا کے متبرک پانی میں غسل کرسکیں۔

جس مقام سے گنگا شاخوں میں بٹی یا اس کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے وہ سمندر سے تقریباً تین سو میل کے

فاصلے پر ہے- ان میں اس کی مغربی شاخ کا نام ہگلی ہے جو کہ جہاز رانی کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے مگر گنگا کی اصلی دھار کا نام پدما ہو جاتا ہے اور اسی کا سب سے بڑا مشرقی دہانہ مگھنا ہے جہاں دریائے برہم پتر پدما سے آ ملتا ہے اور یہاں مل کر ان دونوں کا پاٹ ۲۰ میل عریض ہو گیا ہے- اگر چہ اس کی گہرائی ۱۰ گز سے زیادہ نہیں ہے- بہرحال میگھنا اور ہگلی گویا وہ حدود ہیں جن کے درمیان گنگا کا ڈیلٹا واقع ہے- خاص خاص ندیاں جو گنگا سے آن کر ملتی ہیں یہ ہیں: بائیں کنارے سے گومتی، گاگرا (جسے کرنالی بھی کہتے ہیں)، راپتی، گندھک، بھاگ متی اور کوسی (۲۹)-

گنڈک کے کنارے چھپرہ ضلع سارن کی بستی ہے- سوہن کوہستان پلاموں سے بہہ کر رہتاس گڈھ اور ضلع گیا اور شاہ آباد سے بہتی ہوئی پٹنہ سے بارہ کوس پچھم منیر میں گنگا سے ملتی ہے- اس ندی کے پانی کی عجیب وغریب خاصیت ہے جو چیز تھوڑے دنوں اس میں رہتی ہے، اس میں حجریت آجاتی ہیں- کسی زمانے میں یہ ندی پٹنہ سے پانچ کوس پچھم بہتی تھی، اس ندی پر کولور بستی کے پاس ریلوے کے لئے ایک نہایت عمدہ پل تخمیناً ایک میل کے اندر بنایا گیا ہے- پھلگو ایک چھوٹی سی پہاڑی ندی ضلع گیا میں ہے- جب اس کے پانی کو زیادہ جوش ہوتا ہے تب کھریا مٹی زمین سے نکل کر اس میں مل جاتی ہے- پانی خوبصورت دودھ کے دکھائی دیتا ہے- کچھ لوگ اس کو دیوتاؤں کی کرامات سمجھتے ہیں-

کرم ناسہ ایک چھوٹی سی ندی بکسر کے نیچے بہتی ہے جس میں ہندو دھرم نہانے کو بہت برا سمجھتے ہیں- پن پن بھی ایک چھوٹی ندی ہے، پٹنہ سے تین کوس دکن سے بہہ کر آتی ہے- علاوہ ان ندیوں کے ایک نہر گورنمنٹ انگریزی نے بھی سوہن ندی سے کاٹ کر شاہ آباد گیا کے اضلاع میں نکالی ہے- اس نہر میں چھوٹے چھوٹے آگبوٹ چلتے ہیں- شک نہیں کہ خشک سالی میں زراعت کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے- چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شہسرام کے گرد و نواح اور سرکار رہتاس گیا اور راجگیر میں ہیں- سوائے اس کے ایک سلسلہ بندھا چل

کا بھاگلپور سے صوبۂ بہار کے ہزاری باغ سے ہوتا ہوا چھوٹے ناگپور تک پہنچتا ہے-(۴۰)

شیر کئی قسم کے ہیں- سلودھا ایک طرح کا بڑا شیر رہتاس کے جنگل میں اکثر دکھائی دیتا ہے، ضلع چنپارن کے اوتر (آگے) اور پچھم (پیچھے) نیپال کی ترائی میں بھی زندہ جانوروں کے علاوہ ہرن کئی قسم کے افراط سے ہیں- بندھاچل کا جہاں تک سلسلہ جنگل میں ہے سب جگہ درند جانور اب بھی موجود ہیں- اس صوبے میں قریب پچاس لاکھ خلقت آباد ہے جن میں ۳۵ لاکھ ہندو اور مسلمان ۱۵ لاکھ ہیں-(۴۱)

آب و ہوا:

سمندر سے دور ہونے کے باعث بہار کی آب و ہوا بنگالے کی نسبت زیادہ بری ہے یعنی سردی میں بنگالے سے زیادہ سردی اور گرمی میں یہاں زیادہ گرمی پڑتی ہے اور بارش بھی دیر میں باقاعدہ اور کمتر ہوتی ہے کیونکہ جنوب مغربی ہوائے پرتگال کا بیشتر زیادہ تر آسام اور بنگال میں برس جاتا ہے اور صرف وہ جھونکے بہار تک پہنچتے ہیں جن کا رخ ہمالیہ کے سامنے حائل ہونے کے باعث مغرب کو پھر جاتا ہے- غرض بارش کی بہت کمی رہتی ہے اور شمالی بہار میں آئے دن مصائب، قحط کا سامنا رہتا ہے- لیکن جنوبی بہار میں شہروں سے اس کی کمی کچھ تلافی کر لی گئی ہے اور یہاں اتنے قحط نہیں پڑتے- آب و ہوا کے اس فرق نے بہار کے لوگوں کو بنگالیوں سے زیادہ تندرست اور جفاکش ضرور بنا دیا ہے- یہاں کی زبان ہندی (یا ہندوستانی) ہے-(۴۲)

معدنیات:

معدنی دولت کی وجہ سے صوبۂ بہار برصغیر کا سب سے دولتمند صوبہ ہے- اس علاقے میں جتنی معدنی دولت دستیاب ہے دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی-(۴۳)

کوئلہ:

بہار کے ضلع میں کوئلہ جھریا، گیریدھ کے مقام سے نکالا جاتا ہے اور مغربی بنگال میں رانی گنج کے

علاقے سے جو وادیٔ دمولا سودا میں واقع ہے۔ زیادہ تر کوئلہ بہار اور مغربی بنگال میں سے نکالا جاتا ہے۔(۴۴)

لوہا:

لوہے کا کافی ذخیرہ سنگھ بھم ضلع میں ہے۔ ہندوستان کے تمام ذخائر کا ۹۵ فی صد ذخیرہ بہار اور اڑیسہ میں ہے۔(۴۵)

جمشید پور کے نزدیک چھوٹا ناگپور اور میسور میں لوہا حاصل ہوتا ہے۔(۴۶)

ابرق:

جدید دنیا ابرق کو ایک اہم معدنیات میں شمار کرتی ہے۔ ساری دنیا میں جتنا ابرق دستیاب ہوتا ہے اس سے کئی گنا صرف بہار سے حاصل ہوتا ہے۔ گیا کی سرحد سے لے کر ہزاری باغ اور جھاجھا (مونگیر ضلع) تک ابرق کا طویل سلسلہ ہے۔ سب سے بڑی ابرق کی کان بلکہ ابرق کا مرکز کوڈرما ہے جو کہ ہزاری باغ ضلع میں واقع ہے۔ بہار کے ابرق کا رنگ سرخ ہے اسی لئے اس کو روبی مائکا (Roby Mica) کہتے ہیں۔(۴۷)

کرم فولا (Chromite):

یہ خام مال چائیں باسا کے پہاڑی سلسلہ میں دستیاب ہے۔

تانبا:

خام تانبے کا سلسلہ سنگھ بھم ضلع میں قریب ۸۰ میل کے طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے۔ گھاٹ شیلا کے مقام پر ایک کارخانہ بھی ہے جس کا نام "انڈین کوپر کارپوریشن" ہے۔

خام المونیم (Aluminium Ores- Bauxite):

خام المونیم کا ذخیرہ رانچی کے قرب و جوار میں ہے۔ یہ ایک قسم کی مٹی ہے جس سے المونیم نکالا جاتا ہے۔

چونے کے پہاڑ:

چونے کا ذخیرہ دریائے سون کی وادی میں پایا جاتا ہے۔ روہتاس گڈھ اور ڈہیری قابل ذکر مقامات ہیں اسی لئے دونوں جگہوں پر بہت بڑے بڑے سیمنٹ کے کارخانے لگائے گئے ہیں جن میں جپلا کی سیمنٹ فیکٹری اور ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری قابل ذکر ہیں۔

شورہ(Saltpetre):

یہ دریائے گنگا کے میدانی علاقے میں کئی مقامات پر پایا جاتا ہے۔(۴۸)

مینگنیز (Manganese):

یہ دھات وافر مقدار میں سنگھ بھم ضلع میں پائی جاتی ہے۔ اس کا رنگ ہلکا خاکستری ہے یعنی سفید اور سیاہی مائل۔ یہ دھات بہت ہی کارآمد ہے۔ شیشہ بنانے کے کام میں استعمال ہوتی ہے۔

سونا:

بہت ہی تھوڑی مقدار میں پایہ جاتا ہے۔ دریاؤں کی ریت پر بھی ملتا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو سراغ مل سکتا ہے کہ یہ ذرات کس جگہ کی کان سے نکل کر پانی کے بہاؤ میں آتے ہیں۔(۴۹)

صوبۂ بہار کی صنعت وحرفت:

ا۔لوہے کے کارخانے:

جمشید پور میں لوہے کے کارخانے ہیں جہاں گارڈ، ریل کی پٹریاں وغیرہ تیار کی جاتی ہیں۔ موٹروں کے پرزے اور ہوائی جہاز کے پرزے انہی کارخانوں میں بنتے ہیں۔ ذخیرہ بہار واڑیسہ میں ہے۔

۲۔کھانڈ بنانے کے کارخانے:

کھانڈ بنانے کے کارخانے یوپی، بہار میں واقع ہیں جن کے مراکز کانپور، گورکھپور، شاہجہاں پور میں

ہیں-(۵۰)

۳-ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی کا شمار ایشیاء میں جاپان کے بعد دوسرے نمبر پر ہے-اس میں لوہے کے کارخانے کے علاوہ برنس پور اور اس کے نواحی علاقے میں چھوٹے چھوٹی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں-چند سال پیشتر رانچی کے علاقے میں بیشتر کارخانے قائم ہوئے-(۵۱)

۴-ابرق:

کے کئی خارنے ہیں مگر کوڈرما سب سے بڑا مرکز ہے-

۵-تانبا:

تانبے کا مشہور کارخانہ کورپوریشن گھاٹ شیلا ہے-

۶-سیمنٹ کے کارخانے:

روہتاس اور ڈہری میں چونے اور سیمنٹ کے کارخانے میں جپلا کی سیمنٹ فیکٹری بہت قدیم ہے- ڈہری ڈالمیا نے بہت بڑی سیمنٹ فیکٹری قائم کی ہے جو کہ آزادی کے وقت ہندوستان کی سب سے بڑی سیمنٹ فیکٹری تھی-

۷-شکر بنانے کے کارخانے:

شکر کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان میں بہار کی دوسری پوزیشن ہے-ڈہری میں بہت بڑا کارخانہ ہے اس کے علاوہ شمالی بہار میں چھوٹے کارخانوں کا ایک سلسلہ ہے-

۸-کپڑے کے کارخانے:

کپڑوں کے بھی کئی کارخانے ہیں مگر زیادہ اہمیت کے نہیں ہیں-جوٹ کا کارخانہ گیا میں ہے-سلک کی کھڈیاں بھاگلپور میں ہیں جو کہ ہندوستان بھر میں مشہور ہیں-

۹-تمباکو کا کارخانہ:

شمالی بہار میں تمباکو کی کاشت بہت ہوتی ہے-مونگیر میں تمباکو کا بہت بڑا کارخانہ ہے-

۱۰-لاہ کے کارخانے:

لاہ کے کارخانے مان بھوم ضلع کے چھالڈااور پورنیہ ضلع میں واقع ہیں-(۵۲)

صوبہ بہار کی زرعی پیداوار:

غلہ کہیں سہ فصلہ اور کہیں چوفصلہ ہر قسم کا پیدا ہوتا ہے-سوک پرگنہ کے باسمتی چاول اور شاہ آباد کے گیہوں اچھے ہوتے ہیں-نیل کی زراعت ترہت میں خوب ہوتی ہے- یہ تجارت اہلِ یورپ کے ہاتھ میں ہے-افیون کی کاشت بھی خوب ہوتی ہے- گنے شیریں اور عمدہ پیدا ہوتے ہیں- آ نب پٹنہ اور ترہت کے مشہور ومعروف ہیں-لیچو ترہت میں نہایت شاداب اور عمدہ ہوتے ہیں-

کیلا، شریفہ، انگور، نارنگی، خربوزے، تربوز غرض سب طرح کے میوے کھانے کے قابل پیدا ہوتے ہیں-چرونجی ایک طرح کا پھل، ارہر کی دال کے برابر رہتا اس میں مزیدار ہوتا ہے(۵۳) اس کے علاوہ جوار، مڑوہ، دال، ارنڈ کے بیج (Caster Seed)، جوٹ، چائے (رانچی ضلع میں)، تمباکو، لاہ، روغنی تخم اور پوست بہترین زرعی پیداوار ہیں-(۵۴)

زمین کی ساخت یا مٹی:

ہندوستان میں ساخت کے لحاظ سے چار قسم کی مٹی پائی جاتی ہے، ایک سرخ مٹی (Red Soil) کہلاتی ہے، دوسری کالی مٹی (Black Catton) کہلاتی ہے، تیسری دریاؤں یا سیلاب کی لائی جوئی زرخیز مٹی (Alluvial Soil) ہے، چوتھی ریتیلی یا ریگستانی زمین- اتفاق سے بہار میں تین اقسام کی مٹی پائی جاتی ہے-(۵۵)

۱- چھوٹا ناگپور سرخ مٹی کا علاقہ ہے- یہ سرخی (Metamorophic Rock) کی وجہ سے ہے- سرخی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں لوہے کے ذرات مٹی میں تحلیل ہیں- بلندی پر اس زمین کی پیداواری صلاحیت کم ہوتی ہے چونکہ زمین بھی پتھریلی ہوتی ہے مگر نشیب میں یہی مٹی سیاہ مائل بن کر بے اختیار زرخیز ہوتی ہے-

۲- راج محل کے پہاڑوں کے اطراف کی زمین کا علاقہ بلیک کاٹن سوائیل (Black Catton Soil) ہے- یہ سیاہ اور کیچڑ والی زمین ہے-(Loomy) اس میں رطوبت (Hums) پائی جاتی ہے چنانچہ اس زمین میں خوب غلہ پیدا ہوتا ہے- درحقیقت بلیک کاٹن سوائیل کا علاقہ بمبئی، دکن، کاٹھیاواڑ، مالوا، گجرات اور برار ہے- چونکہ دکن کے آتش فشاں لاوے کی وجہ سے اس طرح کی زمین بن گئی ہے مگر بہار کے راج محل کے علاقے میں بھی نامعلوم اثرات وتغیرات سے ایسی زمین تخلیق ہوگئی ہے-

۳- شمالی ہندوستان کے دریاؤں کی میدانی زمین- اس میں دریائے گنگا، گنڈک، گاگرا، کوسی اور سون وغیرہ کے علاقے ہیں- ظاہر ہے کہ یہ دریاؤں اور سیلاب کی لائی لائی مٹو (Alluvial) کی زمین ہے جس کی زرخیزی ہندوستان کی حیات ہے-(۵۶)

اس صوبے میں جو بولیاں بولی جاتی ہیں ان میں ہندو اکثریت کی بولیاں بج پری میتھی اور ماگھی (بہاری) کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں- مسلمانوں کی زبان اردو ہے- انتظامی کاروبار اور تعلیم کی زبان ہندی ہے-(۵۷)

اس صوبے کی خلقت خوش خلق، غریب نواز مگر عیش دوست ہے- اسی سبب سے پرانے خاندان مفلس، قرضدار اور بے معاش ہوگئے- اہلِ دیہات خصوصاً زیادہ دولتمند ہیں مہاجن پیشہ پہلے تو زیادہ تھے مگر ان کا بازار بھی سرد ہے-(۵۸)

صوبۂ بہار کے بڑے شہر:

پاٹلی پتر (پٹنہ-عظیم آباد):

موجودہ تحقیقات کے بموجب پاٹلی پتر کی بنیاد ۵۰۰ قبل مسیح میں پڑی تھی- یہ عظیم مرحوم شہر موجودہ پٹنہ اور بانکی پور کے درمیان مدفون ہے جو ایک ہزار سال تک ہندوستان کا عروس البلاد رہا- (۵۹)

صوبۂ بہار کا دار السلطنت عظیم آباد بہت قدیم شہر ہے- کسی زمانے اس کا نام پاٹلی پترا (پوترا) اور کبھی پدماوت اور کبھی کوسم پور تھا مگر اب پٹنہ یا عظیم آباد پکارا جاتا ہے- یہ شہر آٹھ میل کامل طول میں اور ایک میل سے کم عرض میں ہے، جس میں خلقت ایک لاکھ آباد ہے- ہندو پچھتر ہزار اور مسلمان بیس ہزار آباد ہیں-

پٹنہ ہندوؤں میں اس لئے متبرک ہے کہ پٹندیبی جی، جن کو بعض لوگ وجہ تسمیہ ٹھہراتے ہیں، یہاں کے درشن ہیں- دوسرے گنگا جی بھی موجود ہیں- سکھ بھی اس پٹنہ کو اونم بتاتے ہیں کیونکہ گرو گوبند جی کا مولد ہے اور ہرمندل کی عمارت وہیں ہے- شیر شاہ کی مسجد، سیف خاں کا مدرسہ، خواجہ عنبر کی مسجد، چمروڈ نڈیہ کا امام باڑہ، مسجد جامع، شاہ ارزاں کا تکیہ، باقر کا تکیہ، پکی درگاہ، شاہ معروف شاہ منصور کی قبر، شاہ پیر ڈمریہ کا مزار مشہور اور قدیم مقامات ہیں-

پادری کی حویلی، ولندیز کا پشتہ، چوہٹہ میں کالج اچھی اور پرانی عمارتی ہیں-

گرجا گھر، انگریزی قبرستان مشہور جگہ ہے- شیخ مٹھا کی گڑھیا اس شہر میں مشہور عفونت خیز جگہ تھیں- کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت یہاں ایک میل لانبا تالاب تھا اور اس میں کشتیاں چھپی رہتی تھیں، اس کے اردگرد عمائدین کے ہنود کے مکانات تھے بعد فتح کے مسلمانوں نے اس کو منہدم کر دیا- میونسپٹی نے ۱۸۷۵ء میں اس کو کھود کر تالاب بنایا اور باغ لگا دیا چونکہ ضلع کے کلکٹر مسٹر منگلس اس وقت چیئرمین تھے وہ تالاب اب منگلس تالاب پکارا جاتا ہے (۶۰)

شیر شاہ نے پاٹلی پتر کے خستہ قلعوں کی مرمت کرائی اور اس شہر کا نام پٹنا رکھا جسے آج کل پٹنہ کہتے ہیں۔ ملک بختیار خلجی نے صوبہ بہار کو فتح کیا تو پٹنہ کے بجائے بہار شریف کو دارالحکومت بنایا۔

جب پٹھانوں نے ترکوں پر فتح حاصل کی تو دارالحکومت بہار شریف سے پٹنہ لے آئے۔ پھر شہزادہ عظیم الشان نے جب اس کا نام عظیم آباد رکھا تو اسے دلی کے معیار پر ترقی دینے کی کوشش کی۔ (۶۱)

گلزار باغ (پٹنہ) ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک بہت بڑا تالاب ہے جو کنول کے پھولوں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہاں پر چند مندر ہیں اور ایک مندر پر پاٹلی پترا لکھا ہوا ہے۔ صرف یہی ایم قدیم عمارت موجودہ پٹنہ شہر کی حدود میں واقع ہے جو سابق پاٹلی پتر کی گواہی دے رہی ہے۔ اس سرزمین نے بڑے لیل و بہار دیکھے ہیں۔ ایشیاء کے دورِ قدیم میں یہ پہلا دارالسلطنت ہے۔ دارالسلطنت پاٹلی پتر نے قدیم دنیا کو ہندوستان سے متعارف کرایا۔ (۶۲)

پٹنہ (پاٹلی پتر):

شمالی ہندوستان کا نہایت مشہور اور تاریخی شہر ہے جہاں آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے اشوک و چندر گپت جیسے نامی مہاراجوں کی راج دھانی تھی۔

دربھنگہ (۶۳ ہزار):

ضلع کا مستقر اور مرکزی مقام ہے جس سے ہر طرف پختہ سڑکیں جاتی ہیں۔ مہاراجہ دربھنگہ کی وسیع جاگیریں یعنی ۲۴۰۰ مربع میل رقبہ کا علاقہ اسی ضلع میں ہے۔ دربھنگہ ریل کا اسٹیشن ہے اور روغنی تخم، گھی اور شہتیر یہاں سے دساور جاتا ہے۔

بھاگلپور (۷۹ ہزار):

گنگا کے کنارے ایک بارونق اور بڑی بستی ہے اور یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔

گیا (۶۸ ہزار):

چار ریلوں کا مرکز اور بڑا شہر ہے۔ اس میں قدیم مندر بنے ہوئے ہیں اور سات میل کے فاصلے پر ''بودھ گیا'' کا مقام ہے، جہاں کہتے ہیں مہاتما بودھ نے مشہور درخت بو کے نیچے انوار الٰہی کی تجلی دیکھی تھی، اس کے قریب ہر طرف بودھ مت والوں کے دیول اور مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

آرہ (۶۴ ہزار):

ایسٹ انڈین ریلوے پر مشہور اسٹیشن ہے۔ ۱۸۵۷ء کے زمانہ شورش میں یہاں ایک جج کے مکان پر چند انگریز اور پچاس سکھ سپاہیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔

مظفر پور (۴۶ ہزار):

گنڈک ندی کے کنارے سے ایک مرکزی مقام ہے۔ یہاں رائی اور ارنڈ کا تیل اور قالین، چٹائی اور موٹی قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔(۶۳)

منگھیر (۳۶ ہزار):

دریائے گنگا پر مشہور مقام ہے۔ ایسٹ انڈین ریلوے کی ایک شاخ یہاں تک آئی ہے۔ قصبے میں ایک پرانا قلعہ بنا ہے جو کسی زمانے میں بہت مشہور تھا۔ آتشی اسلحہ یعنی بندوق، طمنچہ وغیرہ کی ساخت اور آبنوس پر نقاشی یہاں کی مشہور صنعتیں ہیں۔

بکسر:

یہ قصبہ گنگا کے کنارے ایسٹ انڈین ریلوے پر واقع ہے اور تجارت کی بڑی منڈی ہو گیا ہے۔

اڑیسہ:

اس میں مہاندی کا ڈیلٹا اس کا طاس اور پہاڑیوں کا وہ علاقہ بھی شامل ہے۔ باج گزار ریاستیں ہیں۔

لوگوں کی زبان اڑیا اور نسل اہلِ بہار سے مختلف ہے۔ رقبہ ۱۴ ہزار مربع میل اور آبادی ۵۰ لاکھ نفوس کے قریب ہے۔ درجۂ حرارت یہاں مختلف مقامات پر ۵۰ تا ۹۰ رہتا ہے اور بارش کا سالانہ اوسط اگرچہ ۵۷ انچ ہے لیکن مینہ نہایت بے قاعدہ برستا ہے اور اسی وجہ سے اڑیسہ اکثر قحط کا ہدف بن چکا ہے لیکن اب متعدد نہریں کھودی گئی ہیں اور خشک سالی کا خطرہ کم ہو گیا ہے۔ ریلوں کے ذریعے زمانۂ قحط میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک غلّہ کی رسد رسانی بھی آسان ہو گئی ہے۔

کٹک (۵۳ ہزار):

مہاندی کے ڈیلٹا میں ایک قدیم شہر اور آج کل اڑیسہ کا صدر مقام ہے اور مدراس سے جو ریل کی بڑی لائن کلکتے جاتی ہے اس پر واقع ہے۔ کٹک میں ایک عمدہ چھاپہ خانہ بھی ہے۔ (۶۴)

چھوٹا ناگپور:

یہ بلند قطعۂ زمین پہاڑ اور اڑیسہ کے درمیان حائل ہے اور اس کے کوہستانی علاقے میں بہت سی غیر آریہ قومیں خاص کر دراوڑی لوگ بسے ہوئے ہیں جن کی بولیاں الگ الگ ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور سنتال اور گونڈ ہیں۔ سمندر کی سطح سے اس قطعے کی بلندی تقریباً دو ہزار فٹ، رقبہ ۲۷ ہزار مربع میل اور کل آبادی ۵۵ لاکھ ہے اور کل علاقے میں صرف ایک قصبے یا شہر کی آبادی ۲۰ ہزار سے زیادہ ہے۔ بارش کا سالانہ اوسط ۵۰ انچ سے اوپر ہے اور سطح مرتفع کے بلندتر مقامات کی آب و ہوا خشک و خوشگوار ہے۔ (۶۵) پہاڑوں سے کارآمد معدنیات نکلتی ہیں جن میں پتھر کا کوئلہ سب سے زیادہ مقدار میں نکالا جاتا ہے۔

رانچی (۲۶ ہزار):

بلندی پر ایک صحت بخش مقام اور بہار کے حکام کا گرمائی مستقر اور چھوٹے ناگپور کا صدر مقام ہے۔ اس کے قریب ہی ساکچی میں بمبئی کا مشہور ٹاٹا کمپنی نے ایک بڑا کارخانہ فولاد کا قائم کیا ہے۔ (۶۶)

حواشی باب اول، فصل اول

۱-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، اشاعت اول جنوری ۲۰۰۰ء، بمطابق رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ، باہتمام فضل ربی ندوۃ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۱

۲-تاریخ بہادر شاد، ص ۵

۳-محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیٔ: تاریخ فرشتہ، جلد چہارم، مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور، نومبر ۱۹۶۲ء، ص ۶۵۷

۴-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، طابع و ناشر دارالاشاعت، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۴۷ء، ص ۶

۵-مصنف ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں ومضافات، سال اشاعت ۱۹۷۸ء، ص ۵

۶- سلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۸۹

۷- Compreherisive History of Bihar, Voume II, Part-I, Edited by Dr. Syed Hasan Askari & Dr. Qeyamuddin Ahmed, Kashi Parsad Jayaswal Research Institute Patna, 1983, P-01

۸- Comprehens ve History of Bihar- p.3

۹- Comprehensive History of Bihar- p.4

۱۰- Comprenensive History of Bihar- p.5

۱۱- Comprehensive History of Bihar- p.6

۱۲- Comprenensive History of Bihar- p.7

۱۳- Comprehensive History of Bihar- p.8

۱۴- Comprehensive History of Bihar- p.9

۱۵- Comprehensive History of Bihar- p.10

۱۶- Comprehensive History of Bihar- p.11

۱۷- Comprenensive History of Bihar- p.12

۱۸- Comprehensive History of Bihar- p.13

۱۹- Comprehensive History of Bihar- p.14

۲۰- Comprehens ve H story of Bihar- p.15

۲۱- Comprenensive History of Bihar- p.16

۲۲- Comprehensive History of Bihar- p.17

Comprehensive History of Bihar- p.18-۲۳

Comprehensive History of Bihar- p.19-۲۴

Comprehensive History of Bihar- p.20-۲۵

Comprehensive History of Bihar- p.21-۲۶

۲۷-اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۳۸۹

۲۸-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، اشاعت اوّل ۲۰۰۰ء، بمطابق رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ، ص ۲

۲۹-سید ابو ہریرہ وارثت رسول ہاشمی: سلسلہ اشرف الانساب، دسمبر ۱۹۹۵ء، کراچی، ناشر ہاشمی پبلی کیشنز، اشاعت رجب المرجب، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء، ص ۹۷

۳۰-ایضاً، ص ۹۷

۳۱-تاریخ بہار رشاد، ص ۲

۳۲-ایضاً، ص ۶

۳۳-خان بہادر رشاد علی: تاریخ بہادر رشاد، ۱۵ جنوری ۱۹۸۳ء، پٹنہ عظیم آباد، ص ۶

۳۴-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، اشاعت اوّل جنوری ۲۰۰۰ء، بمطابق رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ، ص ۲

۳۵-خان بہادر رشاد علی: تاریخ بہادر رشاد، ص ۶

۳۶-مترجم مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی: جغرافیۂ عالم، حصہ اوّل، تالیف، ای۔ مارسڈن وٹی، آلفورڈ اسمتھ، ۱۳۵۰ھ، م ۱۳۴۰ھ، ف، طبع سوم، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدرآباد دکن، ص ۱۶۷

۳۷-ایضاً، ص ۱۶۷

۳۸-ایضاً، ص ۱۶۸

۳۹-مترجم مولوی سید ہاشمی حبیب صاحب فرید آبادی: جغرافیۂ عالم، ص ۱۶۹

۴۰ خان بہادر رشاد علی: تاریخ بہار رشاد، ۱۵ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۷

۴۱-ایضاً، ص ۸

۴۲-ایضاً، ص ۲۴۶

۴۳-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۳، ۲۰۰۰ء

۴۴-مترجم مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی: جغرافیۂ عالم، ص ۵۱۸

۴۵-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۴

۴۶-جغرافیۂ عالم، ادارۂ تصنیف و تالیف، فیروز سنز پرنٹرز بک سیلرز، میکلوڈ روڈ، کراچی، ۱۹۵۱ء، ص ۵۱۸ تا ۵۱۹

۴۷-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۴

۴۸-ایضاً، ص ۴ تا ۵

۴۹-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۵

۵۰-جغرافیۂ عالم، ص ۵۲۱

۵۱- سید علی مرتضٰی پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۵
۵۲- ایضاً ص ۶
۵۳- خان بہادر شاد علی: تاریخ بہار شاد، ص ۸
۵۴- بقلم مہر النساء
۵۵- سید علی مرتضٰی پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۶
۵۶- ایضاً ص ۷
۵۷- اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۸۹
۵۸- خان بہادر شاد علی: تاریخ بہار شاد، ص ۹
۵۹- سید علی مرتضٰی پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۴۵
۶۰- خان بہادر شاد علی: تاریخ بہار شاد، ص ۸ تا ۹
۶۱- سید علی مرتضٰی پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص ۴۷
۶۲- ایضاً ص ۴۸
۶۳- مولوی سید ہاشمی صاحب: جغرافیۂ عام، حصہ اول، ۱۹۳۱ء، طبع سوم، دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدرآباد دکن، ص ۲۴۸
۶۴- ایضاً ص ۲۴۹
۶۵- ایضاً ص ۲۵۰
۶۶- ایضاً ص ۲۵۱

نوٹ:- اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کا تاریخی پس منظر کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب اوّل

(فصل دوم)

بہار کا تاریخی پس منظر

بہار کا تاریخی پس منظر

۱-ابتدائی حالات اور ۶۴۲ قبل مسیحؑ سے نند خاندان کی حکومت ۱۹-۳۲۰ قبل مسیح تک:-

کسی مقام کی عظمت اس کی تاریخی قدامت یا کسی مذہبی یا سیاسی اہمیت کے سبب ہوتی ہے اور اس اعتبار سے مگدھ صوبہ بہار سرزمین جس پر ''گیری برج'' (قلعہ راج گیر) پاٹلی پتر، پٹنہ وعظیم آباد کی بنیادیں قائم ہوئیں ہندوستان کی تاریخ میں نہایت عظیم الشان مقام ہے-

رامائن اور مہابھارت کے بیان کے مطابق اس زمانے میں یہاں صرف آبادی ہی نہ تھی بلکہ ایک ذی اقتدار راجا کی باقاعدہ حکومت موجود تھی- راج گیر میں بن گنگا نالے کے متصل جو قدیم قلعے کی سنگین فصیل کے آثار پائے جاتے ہیں ڈاکٹر رس ڈیوڈس کی تحقیق میں سارے ہندوستان میں یہی قدیم ترین سنگین دیوار ہے، جس کا وجود اب تک باقی ہے-(۱)

عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں علم وتہذیب اوّل اوّل ارین یعنی ہندوؤں کے آنے پر شروع ہوئی لیکن سرجان مارشل (۲) اور مسٹر ارنسٹ میکے نے دریائے سندھ کی ترائی کے قریب موہن جودڑو (سندھ) اور ہڑپا (پنجاب) میں قدیم شہر اور آبادی کے آثار کھود کر نکالے ہیں جن میں مرد وعورت کی تصویریں، خوشنما اینٹیں، کھلونے، برتن، مہریں (۳) اور بعض چیزیں جن پر کچھ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے- دو منزلہ اور سہ منزلہ مکان، پختہ راستے، بڑے بڑے زمین دوز نالے وغیرہ اتنی کافی چیزیں منظرِ عام پر آ گئی ہیں جن سے شہر اور اہلِ شہر کی طرز معاشرت کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بات صریح ثابت ہو گئی ہے کہ یہ چیزیں

پانچ ہزار برس سے کم کی نہیں ہوسکتیں اور ایرین قوم کے یہاں آنے سے پہلے مصر، فلسطین اور عراق کی طرح یہاں بھی تہذیب وشائستگی کا ایک دور گزر چکا ہے۔(۴) جس طرح برہمنوں کی کتابوں میں حکومتوں کا ذکر آ گیا ہے۔ جین دھرم اور بودھ دھرم کی کتابوں میں بھی مگدھ کی تاریخ کے متعلق حالات خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اس لئے کہ ان دونوں مذاہب کا ایجاد اور ان کی نشوونما خاص مگدھ ہی میں ہوئی۔ قدیم ترین تحریریں یا کتابچے جو ابتدائی حالات کے لئے ماخذ قرار دیئے جاسکتے ہیں بیشتر بودھ دھرم والوں کی سعی کا نتیجہ ہیں۔ قدیم ترین تحریریں جو درخت کی چھال یا تاڑ کے پتوں پر ہندوستان میں پائی جاتی ہیں، وہ بدھسٹ لوگوں کی ہیں اور تمام قدیم ترین تحریریں جو پتھر یا کسی دھات پر کنندہ کی ہوئی ملی ہیں وہ سب بھی بدھسٹ لوگوں کی ہیں اور ان ہی نے اوّل اوّل اپنے مذہبی احکام کے لئے تحریر سے کام لینا رائج کیا۔(۵)

مگدھ کے راجا جراسنڈہ کے متعلق مہابھارت کا بیان:

کتاب مہا بھارت سبھا پرب باب ۱۷ تا ۲۴ میں مگدھ دیس کے راجا جراسنڈہ کا ذکر ہے۔ اس میں ایک روایت یہ ہے کہ سری کرشن جی سے ساتھیوں نے عرض کی کہ ہنس، ڈبنک ونت بکرا، کروش، میگ، یاہین اور پنڈروک جراسنڈہ کے ساتھ ہیں اور اس کی طاقت اور عالی خاندانی کے قائل ہیں اور بھوج ہنس کے اٹھارہ راجا اس کے رعب سے اُتر سے پچھم بھاگ گئے ہیں اور ہنس اور ڈبنک جب تک اس کے ساتھ ہیں، اس کو شکست دینا دشوار ہے۔(۶)

بہرحال تاریخ فرشتہ میں مگدھ کے جراسنڈہ راجا کو ''ولایت بہار و پٹنہ کا راجا جراسنگ لکھا ہے'' اور ہندوستان کی آبادی کے متعلق حام بن نوح کی اولاد (۷) ہندوسنڈہ کے نام ونسل سے ملک کا آباد ہونا اور ہند کے بیٹے پورب و بنگ کا پورب و بنگالہ کو آباد کرنا مذکور ہے اور پورب کی نسل میں کشن نامی کے بیٹے مہراج کا بہار کو آباد کرنا اور اس کے بیٹے فیروز رائے سے تین راجاؤں کے بعد کیدار برہمن کے زمانے میں شنگل نامی

پہلوان کا جوافراسیاب کا ہم عصر تھا-نواح کوچ سے خروج کر کے بنگالہ و بہار پر قابض ہونا درج ہے-(۸)

راجا سیس ناگ ۶۴۲ قبل مسیح:

۶۴۲ء ق-م سے ۴۱۲ء ق-م تک سیس ناگ خاندان کے مختلف راجاؤں نے بہار پر حکومت کی-

ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ لکھتے ہیں کہ:

''تیسا پران اور وایو پران جو قدیم حکمرانوں کی فہرست ہے اس میں سب سے پہلا خاندان جس کی کچھ اصلیت معلوم ہوتی ہے سیس ناگ ہے-''

بانی خاندان سیس ناگ نامی بہ ظاہر ایک معمولی سا راجا معلوم ہوتا ہے جس کی حکومت اضلاع پٹنہ و گیا تک محدود تھی-اس کا دارالحکومت راج گیر تھا-(۹)

راجا بھیم بسار ۵۸۲ء تا ۵۵۳ء قبل مسیح:

سیس ناگ خاندان کا پانچواں حکمراں بھیم بسار (سرنیکا) زیادہ مشہور ہوا-اس نے مگدھ کی حکومت کو وسعت دے کر انگا (ضلع بھاگلپور اور غالباً مونگیر) تک بڑھایا اور راج گیر کے پرانے قلعے کے باہر اتر جانب ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام سگر پور یعنی کوس گھانس والا شہر تھا-(۱۰)

بھیم بسار ہی کے زمانے میں بودھ دھرم اور جین دھرم کی بنا مگدھ میں قائم ہوئی-اس سبب سے مگدھ کو خاص عظمت حاصل ہے اور کروڑوں آدمی اس کو مقدس و متبرک مقام جانتے ہیں-(۱۱)

مہاتما گوتم بدھ (گیا یعنی بہار میں):

گوتم بدھ ساکیہ راجا کی نسل سے تھا، اپنے باپ کی حکومت کپل وستھو (جو ضلع بیتیا کے مضافات میں تھا) اور تمام علائق کو ترک کر کے حقانیت کی جستجو شروع کی تو پہلے راجگیر کے پہاڑوں پر فقیرانہ زندگی بسر کی اور الرا اور اڈ کا نامی دو برہمنوں کی شاگردی اختیار کی-لیکن ان کی تعلیم سے تشفی نہ ہوئی تو بودھ گیا کی طرف چلے

گئے۔عرصۂ دراز تک مگدھ کے جنگلوں میں رہنے کے بعد گیا میں (۱۲) ایک درخت کے نیچے ان کو حقانیت یا روشن ضمیری حاصل ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے پھر راج گیر کی طرف مراجعت کی اور گردھا کوٹ یعنی گدھ والے پہاڑ کی چوٹی اور بانس کے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر کرنے لگے اور یہیں سے اپنے وعظ ونصیحت کا آوازہ بلند کیا۔بہت لوگ اس نئے مذہب کے معتقد ہوئے یہاں تک کہ راجا بھیم بسار اور بالآخر اس کے بیٹے اجوت سترو نے بھی اسی دھرم کو قبول کیا۔بودھ دھرم کی مقدس کتاب کا نام تری پتا کا ہے جس کے معنی تین سبد یاں ٹوکریوں کے ہیں۔(۱۳)

جین دھرم کے بانی مہر بیر جی:

مہابیر وردھان گوتم بدھ کے ہم عصر تھے۔ابتداء میں انہوں نے پارس ناتھ نامی ایک مذہبی پیشوا کے اصول کی پیروی کی لیکن اس کو ناقابلِ تقلید سمجھ کر خود ایک مذہب ایجاد کیا اور اس کی اشاعت وتلقین شروع کی۔مہابیر جی کی ماں مگدھ اور چمپا (بھاگلپور) کے راجا سے قرابت رکھتی تھی، اس سبب سے ان کو اپنے دھرم کی اشاعت میں خاطر خواہ مدد ملی۔تیس سال اسی مگدھ میں گزار کر مہابیر جی نے ۵۲۷ قبل مسیح میں مقام اپاپ پوری (جس کے معنی بے گناہی کی جگہ کے ہیں) اور اب پاواپوری کے نام سے مشہور ہے۔قصبۂ بہار سے چند کوس پر گر یگ سے تین میل اتر سڑک کے پورب جانب واقع ہے، انتقال کیا۔(۱۴)

راجا اجات سترو ۵۵۴ قبل مسیح تا ۵۲۶ قبل مسیح:

بھیم بسار نے اپنی زندگی ہی میں حکومت اجات سترو کے سپرد کی تھی اور اس نے فاقے دے کر باپ کو مار ڈالا۔(۱۵)

اجات سترو نے سون اور گنگا کے ملاپ کی جگہ کے قریب ایک قلعہ بنایا۔یہ قلعہ غالباً لچھاوی قوم کے حملے روکنے کی غرض سے تعمیر کیا گیا تھا۔اسی کی بناء میں بعد کو مختلف زبانوں میں کوسم پور، پشپا پور اور پاٹلی پترآباد

ہوا-(۱۶)

راجادرسکا ۵۲۷ قبل مسیح تا ۵۰۳ قبل مسیح:

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ پرانوں کے مطابق اجات سترو کے بعد اس کا بیٹا درسکا مگدھ کا راجا ہوا اور درسکا کے بعد اس کا بیٹا اودے راجا ہوا، لیکن بدھسٹ کتابوں میں درسکا کا نام مذکور نہیں اور اجات سترو کے بعد اودے کو اس کا بیٹا اور جانشین قرار دیا ہے- مگدھ کے راجا درسکا کا وجود بھاشا میں ایک ناٹک کی کتاب سے پایا جاتا ہے جو شاید تیسری صدی عیسویں میں لکھی گئی- اس میں درسکا کا اودیانہ (راجہ ونسا) اور مہاسین (پرادیوتا) اونتی یا اوجین کے راجا کا ہم عصر لکھا ہے- ڈاکٹر موصوف اس کی مدتِ حکومت چوبیس برس قیام کرتے ہیں-(۱۷)

راجا اودے ۵۰۳ قبل مسیح تا ۴۶۹ قبل مسیح:

وایو پران میں لکھا ہے کہ اجات سترو کے پوتے اودے کے وقت میں پاٹلی پتر پورا آباد ہو گیا تھا، ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ روایتوں کے مطابق اس نے کسم پورہ آباد کیا اور اس کا زمانہ جو قرار دیا گیا ہے اگر تخمیناً صحیح مان لیا جائے تو یہ راجا ایران کے بادشاہ دارا (اوّل) جس کا زمانہ ۵۳۱ قبل مسیح سے ۴۸۵ قبل مسیح تھا، کا ہم عصر تھا-(۱۸)

مسٹر کے- پی- جسوال نے راجا اودے کا زمانہ ۴۸۳ قبل مسیح تا ۴۶۷ قبل مسیح قرار دیا ہے اور مسٹر آر- ڈی- ہنرجی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے-(۱۹)

راجا نندی وردھنہ اور مہانندین ۴۷۰ قبل مسیح تا ۴۱۲ قبل مسیح:

پرانوں کے مطابق اودے کے جانشین نندی وردھنہ اور مہانندین ہوئے- اوّل الذکر کی مدت حکومت بیالیس برس اور آخر الذکر کی پینتالیس برس مذکور ہے-

ان کے ناموں سے گمان ہوتا ہے کہ یہ نند خاندان کے بانی تھے-(۲۰)

۲-موریا خاندان کی حکومت ۳۲۲ تا ۱۸۶ قبل مسیح:-

۳۲۲ق-م سے ۱۸۶ق-م تک موریہ خاندان کے راجا حکمراں رہے-

چندر گپت موریا ۳۲۲ قبل مسیح تا ۲۹۸ قبل مسیح:

اسکندر اعظم کے ہندوستان آنے کے زمانے میں مگدھ کی حکومت نہایت وسیع تھی- پراسی اور گنگا روای قومیں کوسلا (اودھ)، ترہٹ، بنارس اور انگا (اضلاع مونگیر و بھ گلپور) تک چھائی ہوئی تھی- چندر گپت، جو اس وقت محض نو جوان تھا، سکندر سے ملا تھا اور بعد میں کہا کرتا تھا کہ اسکندر تمام مگدھ پر قابض ہو سکتا تھا اس لئے کہ راجا کے بد سرشت اور بد ذات ہونے کے سبب اس کی رعایا اس کو نہایت حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتی تھی- چندر گپت ابتداء میں ایک گمنام شخص نظر آتا ہے-اس کے خاندان کی اصلیت کچھ معلوم نہیں-

ڈاکٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ عام طور پر چندر گپت آخری نند راجا کی نسل سے ایک مجہول الاصل شخص قیاس کیا جاتا ہے اور اس کی ماں یا نانی موریا نامی ایک ادنیٰ طبقے کی عورت بتائی جاتی ہے لیکن ایسے وجوہ موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ چندر گپت بجائے نیچ ذات (۲۱) ہونے کے س بق عالی خاندان نند راجا کا قرابت مند تھ-مگدھ کا راجہ مہا پدم نند اس کی کسی گستاخانہ گفتگو سے برہم ہو گیا تھا اس لئے چندر گپت نے جان بچانے کے لئے جلاوطنی اختیار کی تھی-

اسکندر اعظم کی واپسی پر چندر گپت نے سرحد کے خ نہ بدوشوں، لٹیروں اور جنگجو قبیلوں کو ساتھ لے کر ایک بڑا لشکر تیار کیا اور پسماندہ یونانی فوج کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا غالباً اس سے پہلے ہی چندر گپت نے چانکیہ (جس کو وشنو گپتا اور کوتیلیا بھی کہتے ہیں) نامی برہمن وزیر کی سازش سے مگدھ کے نند راجا کو قتل کر کے حکومت حاصل کر لی تھی-(۱۲)

تاریخوں کی رو سے چندر گپت ہی پہلا راجا ہے جس نے دوسرے راجاؤں کو مطیع کر کے ہندوستان

کے بیشتر حصوں کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور پاٹلی پتر (۲۳) ہی پہلا دارالحکومت ہے، جہاں اوّل اوّل ایک باضابطہ اور منظم حکومت قائم ہوئی۔ (۲۴)

راجا بندوسرا امترا گھاٹہ ۲۹۸ قبل مسیح تا ۲۷۱ قبل مسیح:

چندر گپت نے خود حکومت ترک کی یا مرا یا مارا گیا، صحیح معلوم نہیں لیکن ۲۹۸ قبل مسیح میں اس کا بیٹا بندوسرا راجا ہوا، اس کا لقب امترا گھاٹہ تھا، جس کے معنی عدو کش کے ہیں۔ چندر گپت اور سیلوکوس نکیٹر سے جو ارتباط قائم ہوئے تھے، بندوسرا کے زمانے میں بھی قائم رہے اس لئے کہ میگیتھنز کے بعد ۲۹۶ قبل مسیح میں وایمکوس (Diamas Hos) سفیر ہو کر پاٹلی پتر آیا ۲۸۰ قبل مسیح میں نکیٹر کے مارے جانے پر اس کا بیٹا انیٹو کوس سوٹر بادشاہ ہوا۔ (۲۵)

بندوسرا نے اٹھائیس برس حکومت کر کے ۲۷۱ قبل مسیح میں انتقال کیا۔ (۲۶)

راجا اشوک (ملقب بہ پیادسی) ۲۷۱ قبل مسیح تا ۲۳۲ قبل مسیح:

بندوسرا کے مرنے پر اس کا بیٹا اشوک راجا ہوا۔ یہ اپنے دادا چندر گپت سے بھی زیادہ مشہور اور عظیم الشان راج گزرا ہے۔ اس کی باقاعدہ تاج پوشی چار برس کے بعد ہوئی۔ (۲۷) اشوک نے اپنی تخت نشینی کے نویں سال کلنگا (خلیج بنگالہ کے پچھم جانب ساحلی علاقوں کا نام ہے)، کی حکومت سے جنگ کی۔

اس جنگِ عظیم میں مخالف کے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور ان کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ نفوس گرفتار ہو کر اسیر ہوئے اور کئی لاکھ قحط اور بعض اسباب سے (جو اسی جنگ سے پیدا ہوئے تھے) ہلاک ہوئے۔ اشوک کو اس واقعہ سے ایسا انفعال ہوا کہ پھر کوئی جنگ نہ کی اور اس کے اظہار کے لئے پتھر پر یہ حکم کندہ کر کے نصب کیا گیا کہ ''اصل فتح دھرم سے ہے۔''

بودھ دھرم کے زیرِ اثر رہ کر رفتہ رفتہ اشوک کو اس مذہب میں ایسا غلو ہو گیا کہ یہ خود بھی راہبانہ زندگی

بسر کرنے لگا- تمام نظامِ حکومت بجائے سیاسی اصولوں کے بودھ دھرم کے تحت میں آ گئے- کسی ذی روح کو تکلیف دینا ممنوع ہو گیا اور جانوروں کو ذبح کرنا بھی موقوف کر دیا گیا-(۲۸)

وسرتھ سمپتی اور برہدرتھ ۲۳۲ قبل مسیح تا ۱۸۴ قبل مسیح:

اشوک کے بعد اس کے پوتے وسرتھ اور سمپتی نے تمام ممالک کو آپس میں تقسیم کر لیا- وسرتھ مشرقی علاقوں پر قابض ہوا اور سمپتی نے مغربی علاقوں پر قبضہ کیا- وسرتھ کی تخت نشینی کا زمانہ ۲۳۲ قبل مسیح قیاس کیا گیا ہے- اس نے آٹھ برس حکومت کی-(۲۹)

نگر جون پہاڑی (ضلع گیا) میں کتابے پائے گئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ اس نے جین دھرم والوں کے اجیوک فرقے کے لئے وقف کی تھی-(۳۰)

۳- سونگا اور کانوا خاندان کے زمانے سے اندھرا کی حکومت کے بعد ۳۰۰ء تک:-

۱۸۵ ق-م سے ۷۳ ق-م تک سونگا خاندان کے راجاؤں نے حکومت کی-

پشیامتر سونگا ۱۸۵ قبل مسیح تا ۱۴۹ قبل مسیح:

پشیامتر سونگا کی اصلیت کے متعلق سخت اختلاف ہے- مسٹر جیسوال اس کو برہمن نسل کا آدمی بتاتے ہیں لیکن ہرش چرتر کی عبارت کی رو سے ڈاکٹر اسمتھ اس کو نیچ ذات کا آدمی ٹھہراتے ہیں، اس کے ایرانی نژاد ہونے کی بھی ایک روایت ہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا-

پشیامتر راجا برہدرتھ کی فوج کا سپہ سالار تھا- فوج کے معائنے کے وقت اپنے آقا کو دھوکے سے قتل کر کے خود تخت نشین ہوا-(۳۱)

کانواں خاندان کی حکومت ۷۳ تا ۲۷ قبل مسیح:

دیوبھوتی کے مارے جانے پر باسدیو کانوا راجا ہوا، اس کے بعد اس خاندان میں تین راجا اور ہوئے۔

باس دیو کانواں مدتِ حکومت ۹ برس، بھومی متر پسر باس دیو ۱۴ برس، نرائن پسر بھومی متر ۱۲ برس، سوسرما پسر نرائن ۱۰ برس۔ پرانوں کی عبارت کے مطابق یہ چار برہمن راجا پینتالیس برس حکومت سے متمع رہے اور انہوں نے اپنے جوار کے دوسرے راجاؤں کو بھی مطیع کیا اور عدل کے ساتھ حکومت کی۔ ان کے بعد مگدھ کی حکومت اندھرا کی حکومت کے تحت میں آ گئی۔ (۳۲)

۴۔ گپتا خاندان کی حکومت ۲۷۱ء تا ۳۱۹ء:۔

۲۷۱ق۔م سے ۵۳۵ء تک گپتا خاندان کے راجاؤں نے اس خطے پر حکومت کی۔

راجا گپتا اور گھٹو ٹکچھ ۲۷۱ء تا ۳۱۹ء:

تیسری صدی عیسوی کے آخر زمانے میں پاٹلی پتر میں گپتا نامی راجا حکمراں تھا۔ اس کا زمانہ حکومت ۲۷۱ء سے ۲۹۰ء تک شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا گھٹو ٹکچھ راجا ہوا، جس نے ۳۱۹ء تک حکومت کی۔

راجا چندر گپتا ۳۱۹ء تا ۳۲۹ء:

گھٹوٹکچھ کے بعد اس کا بیٹا چندر گپتا مشہور راجا ہوا۔ چندر گپتا، جس کو گپتا خاندان کا اول چندر گپتا کہنا چاہیے، ۳۱۹ء میں تخت نشین ہوا۔

راجا سمدر گپتا ۳۳۰ء تا ۷۹-۳۸۰ء:

چندر گپتا نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے اور ولی عہد سمدر گپتا کو اپنا جانشین بنا کر باسو بندھو نامی

بدھسٹ عالم اور راہب کو اس کا معلم و اتالیق مقرر کیا۔ (۳۳) سمدر گپتا پسر چندر گپتا کمار دیوی کے بطن سے تھا۔ (۳۴) سمدر گپتا نے تخمیناً نصف صد تک حکومت کی۔ اس کے کئی لڑکے تھے، ان میں چندر گپتا، جو رانی دتا دیوی کے بطن سے تھا، سمدر گپتا کے جیتے جی اس کا جانشین ہوا۔

راجا چندر گپتا بکرماجیت ۳۸۰ء تا ۴۱۴ء:

سمدر گپتا کے بیٹے اور جانشین کا نام اس کے دادا کے نام پر چندر گپتا رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بکرماجیت (یعنی آفتابِ طاقت) کے لقب کا اضافہ ہوا۔ اس کو چندر گپتا ثانی بھی کہتے ہیں۔ (۳۵)

راجا کمار گپتا (اوّل) ۴۱۴ء تا ۴۵۴ء:

چندر گپتا بکرماجیت کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا اوّل، جو دھرب دیوی نامی رانی کے بطن سے تھا، راجہ ہوا۔ اس راجا کے زمانے کے سکے بھی پائے گئے ہیں۔ قصبۂ بہار میں کچہری کے سامنے چبوترے پر ایک ستون نصب کیا گیا ہے، اس میں اوپر کی طرف جو عبارت کندہ ہے اسی راجا کے عہد کا کتبہ ہے اور نیچے کی عبارت اس کے بیٹے سکند گپتا کے زمانے کی ہے۔ (۳۶)

راجا سکند گپتا ۴۵۵ء تا ۴۶۷ء:

سکند گپتا کمار گپتا کا بیٹا تھا۔ سکند گپتا نے ۴۶۷ء کے قریب انتقال کیا۔ اس کے کوئی اور اولاد نہ تھی۔ (۳۷)

راجا پور گپتا اور مگدھ کی حکومت ۴۶۷ء:

سکند گپتا کے آخری زمانے میں کچھ مدت کے لئے اس کے سوتیلے بھائی پور گپتا نے مگدھ میں حکومت کی۔ پور گپتا کمار گپتا اوّل کا بیٹا انند نامی رانی کے بطن سے تھ۔ خالص سونے کا سکہ، جس کی پشت کی جانب پرکاش ادیتہ لکھا ہوا ہے، اسی راجا کا سمجھا جاتا ہے۔ شاید اس نے چند مہینوں سے زیادہ حکومت نہ کی۔ (۳۸)

راجا نرسنگ بالا دت گپتا ۴۶۷ء تا ۴۷۳ء:

پور گپتا کے بعد نرسنگ بالا دت گپتا راجا ہوا- اس راجا نے بودھ دھرم کی تعلیم کے لئے نالندہ کی مشہور تعلیم گاہ کی بنا قائم کی- جنرل کنگھم نے اس کی جگہ قصبۂ بہار سے چھ کوس دکھن موضع بڑگانو میں تحقیق کی ہے- ڈاکٹر سپونر اور سٹریچ وغیرہ نے بہت سے آثارِ قدیمہ بھی کھود کر نکالے ہیں-(۳۹)

نالندہ کی تعلیم گاہ:

راجا نرسنگ بالا دت گپتا نے نالندہ میں اینٹوں کا ایک بڑا مندر یا بودھ دھرم کی خانقاہ بنوائی جو تین سو فٹ بلند تھی- اس میں چاندی اور سونے کے ظروف تھے، جن کو جواہرات سے آراستہ کیا تھا- نالندہ کی وجۂ تسمیہ کے متعلق یوان چوانگ نے لکھا ہے کہ روایت کے مطابق اس مقام کے جنوب میں آم کے درختوں کے جنگل میں ایک تالاب تھا اور اس میں جو اژدھا رہتا تھا، اس کو نالندہ کہتے تھے اور اس کے نام پر اس جگہ کا نام رکھا گیا ہے-(۴۰)

بہرکیف نالندہ ہندوستان میں بودھ دھرم کی مشہور و معروف تعلیم گاہ تھی جو ہندوستان سے چین تک مشہور تھی-۶۰۰ء کے قریب کارن سوار (بنگالہ) کے بت شکن برہمن راجا نے مگدھ پر چڑھائی کر کے بودھ دھرم کی مورتیوں اور عمارتوں کو توڑ کر خاک میں ملایا اور ان دھرم والوں کا تمام نظام درہم برہم کر ڈالا، اس کے بعد جو کچھ باقی رہ گیا تھا، محمد بن بختیار کے حملے کے بعد نابود ہو گیا اور اس کے عیوض اسلامی مدرسے مسجد میں اور خانقاہیں قائم کی گئیں-

راجا کمار گپتا ثانی اور بدھ گپتا ۴۷۳ء تا ۵۳۵ء:

نرسنگ بالا دت گپتا کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا راجا ہوا- موضع بھٹاری ضلع غازی پور میں چاندی کی ایک مہر پائی گئی ہے جو اسی کے زمانے کی سمجھی جاتی ہے- کمار گپتا کے بعد مگدھ میں کچھ کم دو سو برس تک گپتا

خاندان نے راج کیا۔(۴۱)

مگدھ کا نام بہار ہونا:

چین کے جاتریوں کے بیانات سے اور تمام تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ ساتویں صدی عیسوی تک اضلاع پٹنہ و گیا کی سرزمین کو مگدھ دیس کہتے تھے۔(۴۲) جس جگہ موجودہ قصبۂ بہار ہے سابق میں یہاں ایک بستی تھی جو ''اُوند پور'' یا ''اننت پوری'' کہلاتی تھی۔ طبقات ناصری میں سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوح ممالک کی فہرست میں اُوند بہار بھی لکھا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں اوند نام غیر معروف نہ تھا۔ بہرکیف ۷۵۰ء کے قریب راجا گوپال نے یہاں ایک بڑا ویہارہ بنوایا اور اس کے بعد اس خاندان کے اور راجاؤں نے وقتاً فوقتاً اسی قصبے کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور ویہارے کی تعمیر میں بھی اضافہ کیا۔ انہیں ویہاروں کے سبب قصبے کا نام ویہارہ (بہار) ہو گیا اور دارالحکومت ہونے کے سبب تمام مگدھ پر اسی نام کا اطلاق ہو گیا۔

اس صوبے میں اسلامی حکومت کا آغاز چھٹی صدی ہجری(۴۳) (یا بارہویں عیسوی) کے آخر زمانے میں ہوا اور مسلمانوں کی تاریخ میں سوائے بہار یا صوبۂ بہار کے مگدھ کا کہیں نام نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے مگدھ کا نام تبدیل ہو کر بہار ہو چکا تھا۔(۴۴)

بہار دراصل وہار (ویہار) ہے۔ یہ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی کھیل کود کے ہیں۔ پھر اس جگہ کو کہنے لگے جہاں سادھو عبادت الٰہی میں مصروف ہو کر خوش و خرم رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنی میں وسعت ہوتی گئی اور مٹھ (خانقاہ) کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہونے لگا اور آخر میں دارالعلوم (یونیورسٹی) کے معنی ہو گئے،(۴۵) کوئی اس لفظ کے معنی خانقاہ سے تعبیر کرتا ہے، جو بھی ہو دارالعلوم اور خانقاہ کے مقاصد ایک ہی ہیں، دونوں محاصل فروغِ علم ہے۔ روئے زمین پر یہی ایک خطہ ہے جو کہ علم و معرفت کے نام سے موسوم ہے۔(۴۶)

قلعہ اور شہر دراصل مدرسہ تھے، ہندوؤں کی زبان میں بہار کے معنی مدرسے کے ہیں (۴۷)- بہاری ہندوؤں کی بہت سی مذہبی کتابیں بختیار خلجی کے ہاتھ لگیں لیکن ان کو پڑھنے اور سمجھانے والا کوئی نہ ملا- بہار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس قلعے میں ہندوؤں کے مدرس رہتے تھے چونکہ ہندی میں بہار کے معنی مدرسہ کے ہیں اس لئے اس قلعے کا نام بھی بہار پڑ گیا-(۴۸) بہار کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی برصغیر ہند کی بلکہ یہ برصغیر کے دل کی حیثیت رکھتا ہے- بہار، جس کا قدیمی نام مگدھ ہے، مگدھ سے ویہار، علم کا گہوارہ، نام دھارتا ہوا مسلم دورِ حکومت میں فاتحِ ہند شہاب الدین محمد غوری کے مشہور سپہ سالار ملک محمد اختیار الدین خلجی فاتحِ بہار نے اسے بہار کے نام سے موسوم کیا اور آج تک صوبہ بہار لکھا اور بولا جاتا ہے-(۴۹)

۵- اقطاعِ بہار میں اسلامی حکومت کا آغاز:-

بختیار خلجی کے زمانے میں ترک حملوں سے قبل بہار اندازاً دو بڑے سیاسی ٹکڑوں میں منقسم تھا یعنی مگدھ (جنوبی بہار)، میتھلا یا ترہٹ (شمالی بہار)- ان دونوں علاقوں میں نمایاں طور پر سیاسی عدم استحکام اور کمزوری تھی- بہار میں مسلمانوں کا پہلا عمل دخل اور آبادکاری بختیار کے دور سے پہلے کی ہے-(۵۰)

مقامی روایات کے مطابق مَنیر (منیر) کو اوّل اوّل سلطان محمود غزنوی کے سپاہیوں نے فتح کیا- تاریخ سالار مسعود غازی سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے انتقال سے دو ایک برس پہلے اس کا لشکر اس کے ایک بھانجے سالار مسعود غازی کے تحت میں ہندوستان آیا تھا-(۵۱) منیر کے مخدوم زادوں کے سفینوں سے پایا جاتا ہے کہ ۵۷۶ھ/ ۱۱۸۰ھ میں حضرت تاج محمد فقیہہ اور قطب سالار نے راجا منیر کو شکست دے کر منیر پر قبضہ کیا -(۵۲)

اس چیز کے بھی تاریخی شواہد موجود ہیں کہ بختیار کے سرگرمِ عمل ہونے سے پہلے غزنوی اور غوریوں

نے بنارس تک حملے کیے۔(۵۳)

تاریخی اور روایتی ثبوت اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مغربی بہار میں بختیار کی آمد سے پہلے ہی مسلمان آبادکاروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں قائم تھیں اور یہ کہ بختیار سے پہلے ترک بھی بہار پر حملے کر چکے تھے جن کا بنیادی مقصد مالِ غنیمت حاصل کرنا تھا۔

بختیار خلجی کا حملہ:

۱۱۹۷ء میں بختیار نے چنار کے اطراف میں بھگوت اور بھولی (Bhiuli) کے دو پراگنہ پر مشتمل جاگیر تھی، ملک حسام الدین اغلبک نے حاصل کی تھیں۔(۵۴)

اپنی جاگیر سے حاصل کردہ آمدنی سے بختیار نے جلد ہی ایک مختصر مگر مصلح ترک افغان سپاہیوں پر مشتمل دستہ جمع کیا اور کرمناتھ (Karmansa) کے دریا کے مشرق میں مگھدان کے ضلعوں منیر اور بہار پر مستقل دو سال کے عرصے تک حملے کرتا رہا (۵۹۴ھ سے ۵۹۵ھ۔ ۱۱۹۷ء سے ۹۹-۱۱۹۸ء) ان حملوں کا بنیادی مقصد بھی مالِ غنیمت حاصل کرنا تھا، جس سے اس کے فوجی اور معاشی وسائل میں اضافہ ہوا۔ بختیار کی کامیابیوں کو قطب الدین ایبک سے پذیرائی ملی، جس نے اسے خلعت اور ایک پرچم، جس پر تعریف اور حوصلہ افزائی کے الفاظ رقم تھے، نوازا۔ مانیر کا مقبوضہ علاقہ ۱۱۹۹ء میں بہار شریف پر قبضہ کے لئے فوجی مرکز کے طور پر استعمال ہوا۔(۵۵)

۱۱۹۹ء سے ۱۲۰۳ء کے دوران پورے بہار پر تسلط حاصل کرلیا۔ اس نے ۶۰۲ھ میں انتقال کیا۔(۵۶)

عزالدین محمد شیران ۶۰۲ھ تا ۶۰۵ھ (۱۲۰۴ء-۱۲۰۷ء):

تبت کی مہم پر روانہ ہوتے وقت محمد بن بختیار نے امرائے خلج سے عزالدین محمد شیران اور اس کے بھائی احمد ایران کو کسی قدر فوج کے ساتھ لکھنوتی و جاجنگر کی طرف رخصت کیا تھا۔ محمد بن بختیار کی واپسی کے بعد

جب اس کے حادثے کی خبر مشتہر ہوئی محمد شیران نے علی مردان کو اس کی جاگیر نارکوٹی میں گرفتار کر کے بابا اصفہانی کوتوال کے حوالے کیا - اس وقت تمام امراء اپنی اپنی جاگیروں پر مصرف تھے اور محمد شیران خلجیوں میں بزرگ تر تھا اس لئے سب نے اس کی اطاعت قبول کی-

قائماز رومی ۶۰۴ھ تا ۶۰۵ھ (۱۲۰۵ء-۱۲۰۶ء):

عزالدین محمد شیران کی حکومت کے زمانے میں علی مردان خلجی جس کو اس نے (۵۷) قید کیا تھا، کسی طرح کوتوال کو سازش میں لا کر قید سے نکل بھاگا اور دہلی پہنچ کر سلطان قطب الدین ایبک سے شیران کی خودمختاری کا شاکی ہوا- سلطان نے قائماز رومی حاکم اودھ کو بہار و بنگالہ کے بندوبست کے لئے روانہ کیا- قائماز کے آنے پر بہار کے جاگیرداروں نے کوئی مزاحمت نہ کی لیکن بنگالہ میں سوائے ملک حسام ادین عوض حسین خلجی حاکم گنگوتری کے کسی نے اس کی اطاعت نہ کی بلکہ مخالفت پر آمادہ ہوگئے- قائماز نے دیوکوٹ کا علاقہ حسام الدین کو تفویض کیا اور خود بہار کی طرف واپس آیا لیکن اس کے بعد ہی خلجی سرداروں نے خانہ جنگی کر کے محمد شیران کو مار ڈالا- قائماز نے سلطان کی ہدایت کے مطابق تمام علاقے کو خلجی سرداروں میں تقسیم کر دیا- (۵۸)

علی مردان خلجی ۶۰۵ھ تا ۶۰۸ھ (۱۲۰۷ء-۱۲۱۰ء):

علی مردان نے غزنی کے محاصرے میں بعض قابلِ قدر خدمتیں انجام دیں لیکن امیر یلدز نے کسی طرح قابو پا کر اس کو قید کر لیا- اس کی واپسی پر قطب الدین ایبک نے اس کو ممالک لکھنوتی (بہار و بنگالہ) کی حکومت پر مامور کیا- اس کے واپس آنے کی خبر پا کر حسام الدین عوض حسین نے کوسی ندی تک آ کر اس کا استقبال کیا- سلطان قطب الدین ایبک کی زندگی تک علی مردان نے اس کی اطاعت کی لیکن ۶۰۷ء میں سلطان ایبک چوگان بازی میں گھوڑے سے گر کر مر گیا- اس وقت علی مردان بھی خودسر بن بیٹھا اور اپنا لقب سلطان علاؤالدین رکھ کر خطبہ و سکہ جاری کیا- آخر اس کے غرور و تعدی سے آزردہ ہو کر امرائے خلج نے سازش کر کے اس کو مار ڈالا-

حسام الدین عوض حسین ملقب بہ سلطان غیاث الدین عوض حسین خلجی ۶۰۸ ھ تا ۶۲۴ ھ (۱۰-۱۲۲۶ء):

ملک حسام الدین عوض حسین ابتداء میں علاقہ گنگوتری کا جاگیردار تھا۔(۵۹) قائماز رومی نے اس کو دیو کوٹ کا علاقہ تفویض کیا۔علی مردان کے مارے جانے پر حسام الدین بلا کسی مزاحمت کے برسرِ حکومت ہو گیا۔ اس نے اپنا لقب سلطان غیاث الدین رکھ کر سکہ وخطبہ جاری کیا اور اُڑیسہ اور ترہٹ پر چڑھائی کر کے بہت سا مالِ غنیمت اور خراج وصول کیا لیکن سلطانِ دہلی کو اس میں سے کچھ نہ بھیجا۔سلطان شمس الدین التمش کو یہ خود سری ناگوار ہوئی ۶۲۲ ھ میں سلطان التمش نے بہار و بنگالہ پر فوج کشی کی اور بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔اس وقت سلطان غیاث الدین عوض حسین نے اڑتیس زنجیر فیل فیل اور اسی ہزار تنکہ خراج دینا قبول کر کے صلح، ان شرائط پر سلطان التمش نے بنگالہ کو سلطان غیاث الدین کے دخل میں رہنے دیا اور بہار کے ملک علاؤ الدین جانی کو یہاں کا ناظم مقرر کیا۔(۶۰)

علاؤ الدین جانی ۶۲۳ ھ (۱۲۲۵ء):

ملک علاؤ الدین جانی غالباً بہار میں کوئی انتظام بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سلطان التمش کے پیٹھ پھیرتے ہی سلطان غیاث الدین عوض بہار آ کر علاؤ الدین جانی کو حدود بہار سے نکال دیا اور بہار و ترہت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔(۶۱)

ناصر الدین بن التمش اور سلطان غیاث الدین عوض حسین ۶۲۴ ھ تا (۲۶-۱۲۲۸ء):

سلطان التمش نے سلطان غیاث الدین کی مخالفت سے برہم ہو کر اپنے بیٹے ناصر الدین کو بہار و بنگالہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔۶۲۴ ھ میں ناصر الدین اودھ سے عز الملک جانی کے فراہم کیے ہوئے لشکر کو ساتھ لے کر بنگالہ کی طرف روانہ ہوا اور لکھنوتی پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔اس وقت سلطان غیاث الدین عوض مشرقی

بنگالہ میں تھا، خبر پاکر فوراً لکھنوتی کی طرف واپس آیا، شہر سے باہر ناصر الدین کی فوج سے مقابل ہوا اور اسی معرکے میں سلطان غیاث الدین عوض قتل ہوا۔

ناصر الدین بن التمش نے تقریباً دو برس بہار و بنگالہ میں حکومت کی۔ ۶۲۶ھ میں اس نے بنگالہ ہی میں انتقال کیا اور اس کی لاش دہلی لے جا کر دفن کی گئی۔ (۶۲)

مقبرہ، جس کو اس کے باپ سلطان التمش نے ۶۲۹ھ میں تعمیر کرایا تھا، مقبرہ غازی کے نام سے مشہور ہوا۔

عز الملک علاؤ الدین جانی ۶۲۷ھ تا ۶۲۹ھ (۲۸-۱۲۳۱ء):

ناصر الدین کے مرنے پر خلجی سرداروں نے پھر سر اٹھایا۔ سلطان التمش جوان بیٹے کی اچانک موت سے سخت غمزدہ تھا اس لئے بہار و بنگالہ کا کوئی انتظام فوراً نہ کر سکا لیکن دوسرے ہی برس ۶۲۷ھ میں ایک بھاری لشکر کے ساتھ خود ادھر آیا اور بعض خلجی سرداروں کو زیر کر کے تمام نظامِ حکومت عزالملک علاؤ الدین جانی کو تفویض کیا۔ بہرکیف سلطان التمش کے واپس جانے کے کچھ عرصے کے بعد علاؤ الدین جانی کسی سبب سے معذول ہوا۔

ملک سیف الدین ایبک یغان ۶۲۹ھ تا ۶۳۱ھ (۳۱-۱۲۳۳ء):

سیف الدین ایبک (خطائی ترک) سلطان التمش کے غلاموں میں تھا۔ (۶۳) سلطان نے اول اس کو بعض خدمات کے صلے میں سرستی کی حکومت عطا کی۔ پھر اقطاع بہار کی حکومت دی اور پھر علاؤ الدین جانی کے معذول ہونے پر بلاد لکھنوتی کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ اس نے بنگالہ سے چند ہاتھی سطان کی خدمت میں روانہ کئے اور اس کے صلے میں یغان تت کا خطاب پایا۔ ۶۳۱ھ میں اس نے انتقال کیا۔ (۶۴)

عز الدین طغرل طغان خان ۶۲۹ھ تا ۶۴۲ھ (۳۱-۱۲۴۳ء):

۶۲۹ھ میں جب سیف الدین ایبک بہار سے بنگالہ کی حکومت پر مامور ہوا، عزالدین طغرل طغان

نے اس کی جگہ پر اقطاع بہار کی حکومت پائی اور ۶۳۱ھ میں سیف الدّین کے مرنے پر طغان خان بنگالہ میں اس کا جانشین قرار پایا۔

قمر الدّین قیران تمر خان ۶۴۲ھ تا ۶۴۴ھ (۴۳-۱۲۴۵ء):

تمر خان نہایت خوش رو اور دلیر تھا۔ سلطان التمش نے اس کو ملک فیروز (۶۵) کے بھائی سے خرید کیا تھا۔ رفتہ رفتہ تمر خان بعض قابلِ قدر اور دیرینہ خدمات کے صلے میں اودھ کا حاکم مقرر ہوا اور اسی زمانے میں حدود ترہت میں اس نے بڑی بڑی مہمات سر کر کے راجاؤں سے مال وصول کیا۔ بنگالہ آ کر ۶۴۲ھ میں برسرِ حکومت ہوا۔ اسی زمانے کے قریب ملک تاج الدّین جو بہادری اور تیراندازی میں بے نظیر تھا اور سواری کے لئے بیک وقت دو گھوڑے ساتھ رکھتا تھا اور اثنائے تگ و پو میں جست کر کے ایک گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جاتا تھا۔ اودھ سے بہار آ کر اچانک پائے حصار بہار میں تیر سے ہلاک ہوا۔ (۶۶)

۶۔ بہار و بنگالہ میں خاندان بلبن کی حکومت:۔

سلطان ناصر الدّین بغرا خان ۶۸۱ھ تا ۶۹۱ (۸۳-۱۲۹۲ء):

ناصر الدّین بغرا نے نہایت امن و اطمینان کے ساتھ حکومت کی اور ۶۹۱ھ میں انتقال کیا۔ واضح ہو کہ اس کے ایک پوتے کا نام بھی ناصر الدّین تھا جس کو غیاث الدّین تغلق شاہ نے حکومت عطا کیا۔ مورخوں نے دونوں کو ایک شخص سمجھا ہے۔ (۶۷)

رکن الدّین کیکاؤس ۶۹۱ھ تا ۷۰۲ھ (۱۲۹۲-۱۳۰۲ء):

ناصر الدّین بغرا کے بعد رکن الدّین کیکاؤس نے تقریباً دس برس حکومت کی۔

شمس الدّین فیروز شاہ ۷۰۲ھ تا ۷۲۲ھ (۱۳۰۲ء-۱۳۲۱ء):

ابن بطوطہ نے ناصر الدّین بغرا کے بعد شمس الدّین کا بادشاہ ہونا لکھا ہے-(۶۸)

غیاث الدّین بہادر شاہ (بھونرّا) ۷۱۰ھ تا ۷۳۳ھ (۱۰-۱۳۳۳ء):

عام طور پر تمام مورخوں نے غیاث الدّین بہادر شاہ کے متعلق صرف اسی قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ جب دہلی میں تغلق شاہ بادشاہ ہوا تو ۷۲۳ھ کے قریب قرض امرائے لکھنوتی نے تغلق شاہ سے حکام بنگالہ کی شکایت کی- تغلق شاہ خود ادھر چلا آیا (۶۹) اور ترہت پہنچنے پر ناصر الدّین اس کے پاس حاضر ہوا اور تمام راجاؤں نے بھی اطاعت قبول کی- تغلق شاہ نے بہادر شاہ کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں رسی ڈال کر دہلی روانہ کیا اور اس سنار گانو کی حکومت اپنے منہ بولے بیٹے تاتار خان (سابق حاکم مظفر آباد) کو عنایت کی-(۷۰)

۷- اقطاع بہار و بنگالے میں طائف الملو کی اور آزادانہ حکومت کا آغاز:-

ملک بیدار خلجی ملقب بہ قدر خان ۷۲۵ھ تا ۷۳۹ھ (۲۵-۱۳۳۸ء):

تغلق شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا محمد تغلق (عادل) بادشاہ ہوا- اس نے تاتار خان حام سنار گانو کو بہرام خاں کا خطاب عنایت کیا اور بہت سازر و مال دے دے کر اس کے اعزاز میں اضافہ کیا اور اسی ہنگام میں سلطان ناصر الدّین (پسر شمس الدّین فیروز) ضابطہ لکھنوتی نے انتقال کیا تھا- اس کی جگہ پر سلطان نے قدر خاں کو اقطاع لکھنوتی کی حکومت دی- اس بندوبست سے ترہت و لکھنوتی و تمام بلاد بنگالے کا خراج شاہی بے خرخشہ دہلی پہنچنے لگا-(۷۱)

۷۳۰ھ میں تاتار خاں کے مرنے پر اس کے شمشیر بردار فخر الدّین نے مشرقی بنگالے میں خود سر ہو کر اپنا سکہ جاری کیا- سلطان محمد تغلق کو یہ حال (۷۲) معلوم ہوا تو اس نے قدر خان حاکم لکھنوتی کو فخر الدّین کی سزا

دہی کا حکم دیا اور اعز الدین یحییٰ اعظم الملک وحسام الدین ابورجا وغیرہ امراء کو کمک میں روانہ کیا۔ انہوں نے فخر الدین کو شکست دے کر جنگل میں بھگا دیا۔ قدر خاں نے فتح مند ہو کر امراء کو رخصت کیا اور خود خزانہ جمع کرنے میں مصروف ہوا۔ جب خزانہ جمع ہو کر دہلی بھیجنے کا وقت آیا۔ فخر الدین نے اچانک چھاپہ مارا اور قدر خان کے سپاہیوں کو وہی خزانہ حوالے کر کے لڑنے سے باز رکھا اور قدر خان کو قتل کرایا۔

علاؤ الدین علی شاہ ۷۳۹ھ تا ۷۴۶ھ (۱۳۴۵-۳۹ء):

قدر خان کو خود اسی کے سپاہیوں سے قتل کرا کے فخر الدین نے دوبارہ مشرقی بنگالے پر قبضہ کیا اور اپنے غلام مخلص نامی کو مغربی علاقوں (یعنی لکھنوتی وترہت وغیرہ) کے ضبط وانتظام کے لئے روانہ کیا۔

جب مخلص ادھر پہنچا قدر خاں مقتول کے بخشی یا عارضی لشکر علی مبارک نے اس کا مقابلہ کیا اور مخلص کو قتل کر کے سلطان محمد تغلق کو مصلحت آمیز عریضہ لکھ کر حکم کا خواستگار ہوا مگر سلطان نے اس کو نہ پہچانا اور ملک یوسف کوتوال دہلی کو بلاد لکھنوتی (۷۳) کی حکومت کے لئے نامزد کیا۔ اتفاقاً ملک یوسف یہاں پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا اور مغربی بنگالہ تمام علی شاہ کے تصرف میں رہا۔ (۷۴)

حاجی الیاس ملقب بہ سلطان شمس الدین بھنگرہ ۷۴۰ھ تا ۷۵۹ھ (۱۳۵۸-۳۹ء):

علی شاہ اور حاجی الیاس کے درمیان کئی برس تک کشمکش رہی کیونکہ حاجی الیاس کے سکے (ضرب فیروز آباد پنڈوا) ۷۴۰ھ سے پائے جاتے ہیں۔ علی شاہ غالباً ایک طرف حاجی الیاس اور دوسری طرف فخر الدین سے لڑتا تھا۔ ۷۴۶ھ میں فخر الدین کے مارے جانے پر حاجی الیاس تمام مغربی بنگالے کا بادشاہ ہو گیا اور اختیار الدین غازی شاہ کے بعد اس نے مشرقی بنگالے پر قبضہ کیا۔ حاجی الیاس نے اڑیسہ کی طرف بھی اپنی فتوحات کو وسعت دی اور اُتر، ترہت اور پچھم بنارس تک اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ (۷۵) عظیم آباد کے سامنے گنگا پار حاجی پور حاجی الیاس کا آباد کیا ہوا ہے (۷۶) الیاس شاہ نے مشرقی بنگال میں کامیابی حاصل کرنے اور

اس کے مغربی بنگال کے الحاق کے بعد سلطنت کی مغربی حدود کو بڑھانے کی کوشش کی۔ شاہی اقتدار سے اس کی یہ کھلی مخالفت اور اس کے سیاسی اثرات فیروز شاہ کی نظر سے اوجھل نہ تھے چنانچہ اس نے الیاس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کے لئے فوج کشی کی۔ فیروز شاہ نے نومبر ۱۳۵۳ء میں ایک بڑی فوج کے ساتھ لکھنوتی اور پنڈوا کی طرف پیش قدمی کی۔(۷۷) شاہی افواج کے پنڈوا کے قریب پہنچنے پر خوفزدہ ہو کر الیاس پنڈوا چھوڑ کر اپنے آپ کو اکدالہ میں محصور کر لیا۔

شاہی افواج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب فیروز قلعہ کو فتح نہ کر سکا تو اس نے ایک چال سوچی الیاس کو قلعے سے باہر نکالنے کے لئے اس نے پسپائی کا ڈھونگ ظاہر کیا۔ بنگال کی افواج دھوکہ میں آ کر گھیر لی گئی اور دہلی کی افواج کے ہاتھوں شکست سے ہمکنار ہوئی۔(۷۸)

حاجی الیاس سے شکست کے بعد شاہی افواج نے واپس دہلی کی طرف پیش قدمی کی ستمبر ۱۳۵۴ء میں دہلی پہنچی۔ واپسی کے دوران شہنشاہ نے کچھ عرصہ ترہٹ ٹھہر کر قیام کیا اور انتظامی امور کا جائزہ لیا اور مختلف انتظامی امور کے لئے افسروں کا تقرر کیا۔(۷۹)

افسانۂ شاہان شیخ محمد کبیر کی ایک سترہویں صدی کی تصنیف میں اشارہ ملتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ بہار بھی آیا تھا اور شیخ احمد چرم پوش کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور ان سے دعا کی درخواست کی۔(۸۰)

حاجی الیاس نے غالباً اٹھارہ برس اور چند مہینے حکومت کی مگر فرشتہ نے اس کی مدتِ حکومت سولہ برس لکھی ہے۔(۸۱)

ایچ ایم عسکری کے خیال میں کبیر کا بیان درست ہے اور ان کا کہنا ہے کہ فیروز شاہ، جو صوفیائے کرام کی دعاؤں میں سچا اور مکمل ایمان رکھتا تھا، بہار کے صوفی کو خراج پیش کرنے کے لئے اپنی فوج کو پیچھے چھوڑ کر دریائے گنگا پار کر کے بہار آیا اور ان کی دعا لے کر واپس آیا اور بنگال کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

۱۳۵۵ء کی ایک سنسکرت عبارت میں فیروز شاہ کا ذکر بہت عزت و احترام کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس علاقے میں یقیناً آیا ہوگا۔ (۸۲) فیروز تغلق کے دورِ حکومت کی کئی عبارتیں بہار کے مختلف حصوں، بالخصوص بہار شریف کے قرب و جوار سے دستیاب ہوئی ہیں جس سے اس علاقے پر مضبوط اور متواتر تغلق قبضے کا پتہ چلتا ہے۔ بہار شریف سے دریافت شدہ ایک ۷۶۵ھ (۱۳۶۳ء) کی ایک عربی عبارت میں بنگال خانی نامی شخص کی فیروز شاہ کے دورِ حکومت اور خان کبیر اسد الدین غلوغ اعظم داؤد خان کی گورنری کے زمانے میں ایک مسجد کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ (۸۳)

یہ بات قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ تغلق حکمران موجودہ جنوبی بہار کے وسیع علاقے پر قابض تھے جہاں سے فیروز شاہ اور بعد میں آنے والے جانشینوں کے متعلق کئی عبارتیں دستیاب ہوئی ہیں حالانکہ یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ تغلق اقتدار بھاگلپور کے مشرقی ضلع اور سنتھال پرگناؤں تک پھیلا ہوا تھا جو کہ لکھنوتی سلطنت سے قریب تھے لیکن یہ بعید از قیاس نہیں۔ شمالی اور جنوبی بہار پر فیروز شاہ کا مستقل قبضہ ۱۳۷۳ء تک کی عبارتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (۸۴)

ملک ابراہیم بیّو ۷۵۲ھ تا ۷۵۳ھ (۱۳۵۲-۵۱ء):

فیروز تغلق کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ملک ابراہیم بیّو بن ابوبکر اقطاع بہار کا حاکم تھا۔ اس کا حال پہاڑی کے کتبوں سے دریافت ہوا ہے۔ ان کتبوں میں اس کو مقطع بہار اور مدار الملک لکھا ہے اور اس میں فیروز تغلق کا عہد مذکور ہے۔ ملک ابراہیم نے تیرہویں ذی الحجہ روز یک شنبہ کو ۷۵۳ھ میں انتقال کیا۔ (۸۵)

سکندر بن الیاس شاہ ۷۵۹ھ تا ۷۹۲ھ (۱۳۹۰-۵۸ء):

حاجی الیاس کے مرنے پر تیسرے دن اس کا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا۔ سکندر شاہ نے چونتیس برس حکومت کی۔ فرشتہ اور ریاض السلاطین نے اس کی مدتِ حکومت صرف نو برس اور چند ماہ لکھی ہے لیکن اس کے

سکے ۷۵۸ھ اور ۷۹۲ھ کے پائے جاتے ہیں۔(۸۶)

غیاث الدین اعظم شاہ ۷۹۲ھ تا ۸۰۰ھ (۱۳۹۰-۱۳۹۸ء):

سکندر بن حاجی الیاس کے بعد غیاث الدین اعظم شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔اس نے نہایت امن اور اطمینان و آرام کے ساتھ حکومت کی۔(۸۷)

ملک کافی۔ملک ضیاءالحق اور خواص الملک کا ذکر:

قصبہ بہار میں مخدوم بدر عالم کے مقبرے کے احاطے میں درخت کے نیچے ایک قدیم کتبہ رکھا ہوا ہے۔یہ کسی عمارت کا کتبہ ہے جس کو ۷۸۹ھ میں ملک کافی نے تعمیر کرایا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کافی صوبۂ بہار میں حاکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

۷۹۹ھ میں ضیاءالحق بہار کا حاکم تھا۔اس کی حکومت کا پتہ اس کی بنوائی ہوئی ایک خانقاہ کے کتبے سے ملتا ہے جو قصبہ بہار کے مشرقی جانب محلۂ چھوٹا تکیہ میں مقبرے کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔(۸۸)

۸۔صوبۂ بہار میں سلاطینِ شرقیہ کی حکومت:۔

ملک الشرق خواجہ جہان ۷۹۶ھ تا ۸۰۲ھ (۹۹-۱۳۹۳ء):

سلطان فیروز تغلق کے بعد ممالک شرقی پر سلاطینِ دہلی کا تسلط برائے نام باقی رہ گیا تھا۔۷۹۶ھ میں ناصر الدین محمود بن محمد شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ماہِ رجب ۷۹۶ھ میں ملک سرور الملقب بہ خواجہ جہان کو سلطان الشرق کا خطاب دے کر قنوج سے بہار تک تمام صوبوں کی حکومت تفویض کر کے بیس زنجیر فیل اور لشکر گراں کے ساتھ جون پور روانہ کیا۔ملک الشرق نے تھوڑی ہی مدت میں ان علاقوں کے تمام زمین داروں کو مطیع کر لیا۔ملک الشرق نے چھ برس حکومت کر کے ۸۰۲ھ میں انتقال کیا۔(۸۹)

مبارک شاہ شرقی ۸۰۲ھ تا ۸۰۴ھ (۱۴۰۱ء-۱۳۹۹ء):

ملک الشرق کے مرنے پر اس کا متبنیٰ قرنفل نامی تخت نشین ہوا- اس نے اپنا لقب مبارک شاہ رکھ کر حکومت شروع کی-

ابراہیم شاہ شرقی ۸۰۴ھ تا ۸۴۲ھ (۱۴۰۱ء-۱۴۰۴ء):

مبارک شاہ کے مرنے پر اس کا بھائی ابراہیم شاہ اس کا قائم مقام ہوا-(۹۰) ابراہیم شاہ شرقی نے چالیس سال کے قریب حکومت کی-(۹)

حکومت محمود شاہ شرقی ۸۴۲ھ تا ۸۶۲ھ (۱۴۴۰ء-۱۴۵۸ء):

ابراہیم شرقی کے مرنے پر اس کا بیٹا محمود اس کا جانشین ہوا- اسی عہد میں ۸۴۷ھ میں محمد شاہ بن مبارک شاہ بن خضر خاں نے انتقال کیا اور خاندانِ سادات کے آخری حکمران علاؤ الدین عالم شاہ نے ۸۵۵ھ میں دہلی کی سلطنت خود بہلول لودھی کے سپرد کر دی-

امرائے سلطان علاؤالدین نے، جو بہلول لودھی کی حکومت سے راضی نہ تھے، ۸۵۶ھ میں محمود شاہ شرقی کو دہلی فتح کرنے کی دعوت دی، اس وقت سلطان بہلول دیپال پور کی طرف تھا، محمود شرقی نے جونپور سے دہلی پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا-(۹۲)

بہلول نے شہزادہ جلال و شہزادہ سکندر و عماد الملک کو رائے کرن کی مدد پر متعین کر کے خود محمود شرقی سے مقابلہ کیا لیکن اسی اثناء میں محمود شرقی نے بیمار ہو کر انتقال کیا-(۹۳)

محمد شاہ شرقی ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء):

محمد شاہ کے مرنے پر اس کی ماں بی بی راجی نے امراء کے اتفاق سے شہزادہ بھیکن کو محمد شاہ کا لقب دے کر تخت نشین کیا-(۹۴)

حسین شاہ شرقی ۸۶۳ھ تا ۸۹۴ھ (۵۸-۱۴۸۹ء):

حسین شاہ نے تخت نشیں ہو کر بہلول سے چار برس کے لئے اس شرط پر صلح کرلی کہ ہر ایک اپنے سابق مقبوضات پر قابض رہے- اس کے بعد حسین شاہ نے قطب خاں لودھی کو اور بہلول نے جلال خان کو رہا کر دیا- اسی اثناء میں سلطان علاؤ الدین عالم شاہ (پسر نبیرۂ خضر خاں) نے بداؤں میں انتقال کیا- حسین شاہ تعزیت کو اٹاوے سے بداؤں پہنچا اور مراسمِ تعزیت ادا کرنے کے بعد علاؤ الدین عالم شاہ کے بیٹے بداؤں سے بے دخل کر کے خود قابض ہو گیا- (۹۵)

۹- صوبۂ بہار میں پٹھانوں کی حکومت:-

پٹھان کی وجہ تسمیہ:

تاریخِ فرشتہ، جلد اوّل، صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ افغان اوّل اوّل ہندوستان آئے تو پٹنہ میں سکونت پذیر ہوئے، اسی سبب سے خود کو پٹھان کہنے لگے، پٹن اور پٹنہ کے معنی شہر کے ہیں-

اکثر دیہاتوں میں اور تمام اڑیسہ میں مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں، عام اس سے کہ اس کی قومیت کچھ ہو- لودھی اور سوُر قبیلوں (۹۶) کی وجہ تسمیہ کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ خالد بن عبداللہ کامل کی حکومت میں ایک شخص اپنے عہدے سے معزول ہو کر مع اہل و عیال کوہِ سلیمان میں مقیم ہوا اور اپنی لڑکی کی شادی ایک نومسلم افغان لڑکی سے کر دی، اسی کی اولاد میں لودھی اور سوُر نامی دو لڑکے تھے، جن سے یہ دونوں قبیلے مشہور ہیں- کتاب مخزنِ افغانی میں اس کے متعلق کچھ اور روایت ہے اور غزوۂ مکہ معظمہ کے واقعات تک سلسلہ ملایا ہے- پختون زبان میں لودھی کے معنی بزرگ کے ہیں- بہر حال ان دونوں قبیلوں میں بہلول لودھی اور شیر شاہ سوری اور ان کی اولادوں نے ہندوستان میں سلطنت کی-

دریا خان لوحانی ۹۰۲ھ تا ۹۲۴ھ (۱۴۹۵-۱۵۱۷ء):

مبارک خان لوحانی کے مرنے پر اس کی خدمات کے صلے میں سکندر لودھی نے دریا خان پسر مبارک خان لوحانی کو صوبۂ بہار کی حکومت تفویض کی۔(۹۷) سکندر خان لودھی کا دریا خان کا بہار کے مقطاع کے طور پر انتخاب اچھا ثابت ہوا۔ دریا خان بادشاہ کا وفادار رہا اور ارد گرد کے علاقوں کا شدید اور مستقل دباؤ میں بہ طریق احسن دفاع کرتا رہا۔

مشتاقی کے بقول سکندر لودھی کی جونپور سے واپسی پر جب بائیس امراء نے بدعہدی کی تو جونپور کے مقطاع جمال خان سارن خانی کے علاوہ صرف دریہ خان ہی وفادار رہا۔(۹۸)

دریا خان کا سلطان لودھی کا ذکر کرتے ہوئے مشتاقی مزید لکھا ہے کہ(۹۹) ''جب سلطان سکندر لودھی کے مرنے کے بعد بنگال کے بادشاہ اور اڑیسہ کے راجا نے جارحانہ کارروائیاں کیں تو دریا خان نے کہا'' اگر سلطان مر گیا ہے تو کیا ابھی میں زندہ ہوں اور میں ہمیشہ یہاں ہی رہا ہوں جبکہ سلطان دور اپنی جگہ (محل) میں تھا۔ جاؤ ایک طرف بنگال کے خلاف دروازے کو مضبوط کرو اور دوسری طرف اڑیسہ کے خلاف اور جو اس طرف آنا چاہے اس کو آنے دو کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔''(۱۰۰)

بہادر خان لوحانی ملقب بہ محمد شاہ ۹۲۴ھ تا ۹۳۷ھ (۱۵۱۷ء-۱۵۳۱ء):

دریا خان کے مرنے پر اس کا بیٹا بہادر خاں حاکم ہوا۔(۱۰۱) محمد شاہ نے ۹۳۷ھ میں انتقال کیا۔

ظہیر الدین بابر شاہ کی آمد اور جنگ ۹۳۵ھ (۱۵۲۹ء):

۹۳۴ھ میں بابر شاہ نے پانی پت کی جنگ میں سلطان ابراہیم لودھی کو شکست فاش دے کر ہندوستان کی سلطنت حاصل کی۔ ۹۳۵ھ کے قریب بابر کو معلوم ہوا کہ صوبۂ بہار و پٹنہ کے پٹھانوں نے محمود لودھی برادر ابراہیم لودھی کو بادشاہ بنا کر ایک جمعیت فراہم کر لی ہے اور جنگ کے تہیہ میں ہیں۔ بابر نے مرزا عسکری کو ایک

فوج کے ساتھ ادھر روانہ کیا اور چند دنوں کے بعد ۷ اجماد الاوّل کو خود روانہ ہوا- جمنا کو عبور کرتے پر نصرت شاہ والیٔ بنگالہ کا ایلچی بعض تحائف لے کر اظہارِ اطاعت کو حاضر ہوا- گھاگھرا ندی کے قریب پہنچنے پر بابر نے حکم دیا کہ مرزا عسکری کی فوج دوسرے کنارے پر ٹھہرے- پٹھانوں نے خبر پا کر ایک لشکر کے ساتھ دھاوا کیا- بابر نے کوئی ۸۰ سواروں سے ان کا مقابلہ کیا اور اسی وقت مرزا عسکری کی فوج بھی کمک میں آ گئی اور پٹھانوں نے فرار کیا یہ معرکہ گھاگھرا اور گنگا ندی کے کنارے پیش آیا- بابر نے اس فتح کے بعد صوبۂ بہار کا بندوبست مرزا محمد زمان کو سپرد کیا اور خود منیر میں قیام کر کے (۱۰۲) مخدوم یحییٰ منیری کے مزار کی زیارت کی اور مسجد میں نماز ادا کر کے بہت سی خیرات کی اور بہیہ و بھوج پور ہو کر پانچویں رمضان کو آگرہ واپس گیا- (۱۰۳)

جلال خان لوحانی ۹۳۷ھ (۱۵۳۹-۳۱ء):

محمد شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا جلال خاں اس کا جانشین ہوا- اس کی کمسنی کے سبب اس کی ماں ملکہ لاڈو فرید خاں (شیر شاہ) کی مشورت سے حکومت کا انتظام کرتی تھی- فرید خاں محمد شاہ کے وقت سے جلال خاں کا اتالیق تھا- کچھ دنوں کے بعد ملکہ لاڈو بھی مر گئی اور فرید خاں جلال خاں کو وجود معطل بنا کر خود حکومت کرنے لگا- جلال خاں کی حکومت حقیقتاً شیر شاہ کی بادشاہت تھی-

فرید خاں ملقب بہ شیر شاہ ۹۳۲ھ تا ۹۵۲ھ (۱۵۴۷-۴۶ء):

اسی ذی لیاقت پٹھان کی بدولت صوبۂ بہار کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں کا ایک باشندہ معمولی جاگیردار کی حیثیت سے ترقی کر کے سارے ہندوستان کا بادشاہ ہوا (۱۰۴)

شیر شاہ کا نام فرید خاں تھا اور باپ کا نام حسن خاں تھا- حسن خاں افغاناں روہ کی نسل سے تھا- سلطان بہلول لودھی کے عہدِ حکومت میں حسن سور کا باپ ابراہیم خاں ملازمت کی تلاش میں دہلی آیا تھا- (۱۰۵)

شیر شاہ نے پندرہ برس امارت اور افسری میں گزارے اور پانچ سال پورے ہندوستان پر حکومت کی-

شیر شاہ بڑا عقلمند اور مدبر تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے کارناموں کے پسندیدہ آثار دنیا میں چھوڑے۔ اس کے عہد میں بنگالے اور سنارگاؤں سے دریائے سندھ تک پندرہ سو میل پختہ سڑک بنوائی گئی اور ہر کوس پر ایک سرا، ایک کنواں اور ایک پختہ مسجد تعمیر کی گئی۔ مسجدوں میں امام، قاری اور مؤذن مقرر کئے گئے، ان کو وظیفہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا۔

ہر سرا کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازے پر پکا ہوا کھانا و جنس اور گلہ وغیرہ مسلمانوں کو اور دوسرے پر اسی طرح ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تھا تاکہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔(۱۰۶)

قلعۂ پٹنہ کی تعمیر ۹۴۹ھ (۱۵۴۵ء):

تاریخِ داؤدی میں مذکور ہے کہ شیر شاہ نے بنگالے سے واپس آکر پٹنہ میں گنگا کے کنارے قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ معماروں اور خشت سازوں نے پانچ لاکھ روپے اس کے خرچ کا تخمینہ کیا۔ شیر شاہ نے بعض معتمدوں کی نگرانی میں کام شروع کرایا اور کچھ عرصے میں مستحکم قلعہ تیار ہو گیا۔ کرنل ویڈل نے لکھا ہے کہ غالباً یہ قلعہ پاٹلی پتر کی اینٹوں سے تیار ہوا(۱۰۷) ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۷ء میں قلعہ کالنجر کی تسخیر میں ایک سرنگ کے پھٹنے سے بارود سے جل کر انتقال کیا۔(۱۰۸)

سلیمان خان کرارانی ۹۵۰ھ تا ۹۸۲ (۴۳-۱۵۷۳ء):

سلیمان خان کرارانی امرائے شیر شاہی میں تھا اور شیر شاہ کے وقت سے (۱۰۹) صوبۂ بہار کی حکومت پر مامور تھا۔ شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ کے عہد میں بھی یہ اپنے عہدہ و منصب پر قائم رہا۔ جب سور خاندان کی سلطنت کو زوال آیا اور بنگالے میں محمد خان سور کے خاندان کا خاتمہ ہوا، اس وقت سلیمان خان نے اپنے بھائی تاج خان کو بنگالے بھیج کر یہاں بھی دخل جمایا۔ تاج خان کے مرنے پر ۹۷۰ھ میں سلیمان خان بلا شرکت احدی بہار کے علاوہ بنگالے کا بھی بادشاہ ہو گیا ۹۷۵ھ میں سلیمان نے اڑیسہ فتح کر کے اکثر حصص کو اپنی حکومت

میں شامل کیا۔(۱۰)

سلیمان کرارانی نے ۹۸۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ اپنے زمانے میں نہایت بیدار مغز اور ہر دلعزیز حکمران تھا۔ اس نے صوبۂ بہار و بنگالہ واڑیسہ میں خود مختارانہ حکومت کی۔ علماء اور مشائخ کا بھی قدردان تھا۔ ان کی مجلسوں میں سوڈیڑھ سو مشاہیر علماء و مشائخ موجود رہتے تھے اور یہ اکثر ان کی صحبتوں (۱۱) میں ساری رات ذکر و عبادت میں گزار دیتا تھا۔ قصبہ بہار میں مخدوم الملک کی درگاہ کے حلقے کے اندر جو صندل دروازہ مشہور ہے، اس جگہ ۹۷۷ھ کا ایک کتبہ ہے جس میں سلیمان کا نام بھی مذکور ہے۔

بایزید خان ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء):

سلیمان کرارانی کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا بایزید اس کا جانشین ہوا، لیکن چند مہینوں کے اندر اس کے چچازاد بھائی ہانسو نامی اور بعض پٹھانوں نے دغا سے اس کو دیوان خانے میں قتل کر ڈالا۔ ہانسو چاہتا تھا کہ خود مسندِ ریاست پر متمکن ہو جائے مگر لودھی خان افغان نے، جو سلیمان کرارانی کے معتمد سرداروں میں تھا اس کی تدبیر چلنے نہ دی۔

داؤد خان ۹۸۱ھ تا ۹۸۴ھ (۷۴-۱۵۷۶ء):

بایزید کے مارے جانے پر اس کے چھوٹے بھائی داؤد خاں نے تخت نشین ہو کر بہار و بنگالہ واڑیسہ میں اپنا خطبہ و سکہ جاری کیا۔(۱۲)

۱۰۔ شہنشاہ اکبر کی حکومت:۔

پٹنہ میں اکبر کی آمد اور فتح ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء):

خان خانان کے التماس پر اکبر ۲۹ صفر ۹۸۲ھ مطابق ۱۵ جون ۱۵۷۴ء کو بذریعہ کشتی آگرے سے روانہ ہوا۔ ۲۳ ربیع الاوّل ۹۸۲ھ کو اکبر نے پریاگ پہنچ کر یہاں عالی شان عمارت تیار کرنے کا حکم دیا اور شہر کا

نام الٰہ آباد رکھا اور ۲۵ ربیع الاوّل کو بنارس آ کر شیر بیگ تواچی کو ایک مربع السیر کشتی میں روانہ کر کے اپنے پٹنہ آنے کے متعلق خان خانان کی صلاح دریافت کی۔ خان خانان نے جلد تشریف لانے کی صلاح دی اس لئے ۲ ربیع الثانی کو عورتوں اور شہزادوں کو جونپور بھیج کر اکبر خود چوسا کی طرف روانہ ہوا۔ اس عرصے میں فوج جو خشکی کی راہ سے روانہ ہوئی تھی، غازی پور کے قریب آ گئی۔ ۸ ربیع الثانی کو چوسا پہنچ کر خان خانان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ خان نیازی نے قلعہ (۱۱۳) پٹنہ سے نکل کر بادشاہی فوج سے جنگ کی اور شکست کھا کر مارا گیا۔ اکبر نے چوسا سے موضع دومنی (علاقہ بھوج پور) پہنچ کر قاسم خان کو خان خانان کے پاس روانہ کر کے دریافت کیا کہ اب کس راہ سے آنا مناسب ہے۔ خان خانان نے اطلاع دی کہ شاہی سواری بذریعہ کشتی اور باقی لشکر براستہ خشکی چلا آئے۔ ۱۶ ربیع الثانی ۹۸۲ھ کو اکبر پٹنہ کے قریب پہنچا خان خانان نے استقبال کر کے اس کو اپنی فرودگاہ میں ٹھہرایا اور بیش بہا نذریں پیش کیں۔ (۱۱۴)

حاجی پور کی فتح ۹۸۲ھ:

اب تک خان خانان نے ہر چند پورا زور لگایا تھا لیکن قلعہ پٹنہ مفتوح نہ ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ قلعہ کو حاجی پور سے بذریعہ کشتی تمام ضروریات بہم پہنچتی تھیں اور خان خانان اس کی روک تھام سے عاجز تھا۔ امراء سے مشورہ کر کے اکبر نے ۱۸ ربیع الثانی کو خان عالم چلمہ بیگ کو تین ہزار سپاہیوں اور لوازمات قلعہ گیری کے ساتھ متعدد کشتیوں پر حاجی پور روانہ کیا اور راجا گجپتی زمیندار صوبۂ بہار کو بھی کمک میں تعینات کیا باوجود یہ کہ اس موسم (یعنی ماہ اگست) میں گنگا کا پاٹ کئی میل کا ہوتا ہے، خان عالم نے گنگا پار پہنچ کر خشکی وتری ہر دو طرف سے حاجی پور کا محاصرہ کیا۔ (۱۱۵) خان عالم نے حاجی پور فتح کر کے فتح خان قلعہ دار اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر اکبر کے پاس بھیج دیئے۔ اس فتح کی تاریخ حسب ذیل ہے:

چتر شہہ دین بہر کشاد پٹنہ

انداخت چو سایہ در سوار پٹنہ

فی الحال رقم زد از پئی تاریخش

منشی خرد فتح بلاد پٹنہ (۹۸۲ھ) (۱۱۶)

۱۱- جہانگیر بادشاہ کا دور ۱۰۱۴ھ (۱۰۳۶ھ) (۲۰۰):-

قطب الدین خان کوکلتاش ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۱ء):

۱۰۰۸ھ میں شہزادہ سلیم نے (جو بعد میں جہانگیر بادشاہ ہوا) اپنے باپ کی مرضی کے خلاف الہ آباد آ کر خود مختار حکومت شروع کی اور کالپی سے حاجی پور تک متصرف ہو کر اکثر حصص ممالک کو اپنے خاص امراء اور مصاحبوں کی جاگیر مقدر کر دیا- اسی سلسلے میں صوبۂ بہار قطب الدین خان، نواسہ حضرت شیخ سلیم چشتی، کی جاگیر قرار پایا-(۱۱۷)

شریف خان ۱۲-۱۰۱۳ھ (۴-۱۶۰۳ء):

کچھ دن آزادانہ حکومت کر کے ۱۰۱۲ء میں جب شہزادہ سلیم نے بالآخر باپ کی ملاقات کا قصد کیا، اس وقت اپنے معتمدوں میں سے شریف خان (پسر خواجہ عبد الصمد شیریں قلم) کو صوبۂ بہار کا نظم و نسق سپرد کیا- اکبر کے مرنے پر ۴ر رجب ۱۰۱۴ھ کو جہانگیر تخت نشین ہوا- اس وقت شریف خان بھی دربار میں حاضر ہو کر منصب پنج ہزاری اور خطاب امیر الامرائی سے سرفراز ہوا-(۱۱۸)

جہانگیر قلی خان ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۱۵ھ (۵-۱۶۰۶ء):

جہانگیر بادشاہ نے تخت نشین ہونے کے ایک مہینے بعد جہانگیر قلی خان کو بہار کا صوبیدار مقرر کیا- جہانگیر قلی کا اصل نام لالہ بیگ تھا- اس کا باپ نظام خان ہمایوں بادشاہ کا کتاب دار تھا اور لالہ بیگ بچپن ہی

سے جہانگیر کی خدمت میں تھا۔(۱۱۹)

نواب اسلام خان ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء):

جہانگیر قلی خان کے بنگالے جانے پر اسلام خاں بہار کا صوبیدار مقرر ہوا۔ اس کا اصل نام علاؤالدین تھا اور حضرت شیخ سلیم چشتی کا نواسہ تھا۔ جہانگیر نے اس کو اسلام خان کے خطاب سے مخاطب کیا۔

افضل خان ۱۰۱۶ھ تا ۱۰۲۱ھ (۷-۱۶۱۱ء):

اسلام خاں کے بنگالے جانے پر عبدالرحمٰن مخاطب بہ افضل خان (۱۲۰) (پسر علامہ ابوالفضل) نے بہار کی صوبیداری پائی۔ اسی زمانے میں کشور خاں پسر قطب الدین خان کو کلتاش کو رہتاس کی قلعہ داری تفویض ہوئی۔(۱۲۱)

ظفر خان ۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۳ھ (۱۲-۱۶۱۳ء):

افضل خان کے بعد ظفر خان کو بہار کی صوبیداری تفویض ہوئی۔ ظفر خان بادشاہ کے کوکہ زادوں میں تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ ظفر خان (۱۲۲) کو آرزو تھی کہ کوئی خدمت علیحدہ سپرد ہو کہ وہ اپنی کارگزاری دکھا سکے اور میں بھی چاہتا تھا کہ اس کی آزمائش کروں اس لئے اس کو سہ ہزاری منصب دے کر بہار کا صوبیدار مقرر کیا۔

ابراہیم خان فتح جنگ ۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۵ھ (۱۲-۱۶۱۳ء):

ظفر خان کے تبدیل ہونے پر ۲۲ صفر ۱۰۲۳ء کو جہانگیر نے ابراہیم خان کو خلعت واسپ وخنجر مرصع دے کر بہار کی صوبیداری عنایت کی۔ چند دنوں کے بعد ابراہیم خان کے لئے ایک فیل بھی دربار سے روانہ کیا گیا۔(۱۲۳)

جہانگیر قلی خان دوم ۱۰۲۶ھ تا ۱۰۲۷ھ (۱۷-۱۶۱۸ء):

۱۰۳۶ھ میں ابراہیم خان بہار سے تبدیل ہو کر قاسم خان کی جگہ پر بنگالے کا صوبیدار ہوا اور بہار کی

صوبیداری جہانگیر قلی خان کو دے دی گئی۔ اس جہانگیر قلی خان کا اصل نام شمس الدین تھا اور یہ اعظم خاں کا بیٹا اور الہ آباد کا جاگیر دار تھا۔(۱۲۴)

مقرب خان ۱۰۲۸ء تا ۱۰۲۹ھ (۱۹-۱۶۲۰ء):

مقرب خان بادشاہ کے مقربوں میں تھا۔ اصل نام شیخ حسین (پسر شیخ بہا) تھا۔ بہار کی صوبیداری کے ساتھ بادشاہ نے اس کو خلعت، اسپ و خنجر مرصع اور پچاس ہزار روپے نقد بھی ادا کئے۔(۱۲۵)

شہزادہ پرویز ۱۰۳۰ھ تا ۱۰۳۴ھ (۲۲-۱۶۲۵ء):

جہانگیر نے مقرب خاں کو تبدیل کر کے ۱۰۳۰ھ میں صوبۂ بہار کو شہزادہ پرویز کی جاگیر مقرر کر دیا۔(۱۲۶)

مرزا رستم صفوی ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ء):

شہزادہ پرویز کے انتقال کے بعد مرزا رستم صفوی کو صوبۂ بہار کی حکومت تفویض ہوئی۔ مرزا رستم ایران کے شاہانِ صفویہ کی نسل میں سے تھا، اس کا نسب اس طور پر ہے:

مرزا رستم بن سلطان حسین مرزا ابن بہرام مرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی مرزا رستم کی صوبیداری میں جہانگیر نے ۱۰۳۶ھ میں انتقال کیا۔(۱۲۷)

۱۲۔ شاہجہاں بادشاہ کا دور ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ:۔

خان عالم مرزا برخوردار ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء):

مرزا رستم کی جگہ پر خان عالم بہار کی صوبیداری پر مامور ہوا لیکن چند مہینے بعد ہی برطرف و معذول کیا گیا۔ بادشاہ نامہ (صفحہ ۲۲۸) میں مذکور ہے کہ زیادہ افیون کھانے کے سبب اس سے کوئی کام نہ ہوسکتا تھا۔

سیف خان مرزا صافی ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۴۰ھ (۲۷-۱۶۳۱ء):

۱۰۳۷ھ میں سیف خان حاکم صوبہ ہو کر آیا- شاہجہاں کی بیوی ممتاز محل (جس کے نام سے آج تک محلِ آگرہ دنیا میں مشہور ہے) کی بہن ملکہ بانو سیف خان (۱۲۸) سے بیاہی تھی، اس لئے سیف خان بادشاہ کا ہم زلف تھا، اس نے پٹنہ میں بڑے آن بان سے حکومت کی اور رفاہ عام کے کام بھی بہت کئے- اس کے عہد میں ایک بڑی عیدگاہ بنوائی گئی جو محلۂ صادق پور سے اتر پچھم اب تک قائم ہے اور چوک سے پورب لبِ دریا ایک بڑا مدرسہ اور مسجد تعمیر ہوئی- مدرسے کی یادگار اب صرف اس محلّے کا نام رہ گیا ہے لیکن مسجد اب تک موجود ہے اور شہر میں نہایت پرفضا مقام ہے- سیف خان کے زمانے میں خواجہ قاسم مخاطب بہ عقیدت خاں صوبے کا دیوان تھا- (۱۲۹)

عبداللہ خان فیروز جنگ ۱۰۴۱ھ تا ۱۰۴۸ھ (۳۱-۱۶۳۸ء):

سیف خان کے بعد عبداللہ خان فیروز جنگ صوبیدار ہوا- یہ وہی عبداللہ خان ہے جو شاہجہاں کی شہزادگی کے زمانے میں بغاوت کے وقت شہزادے کی معیت میں بہار آیا تھا- (۱۳۰)

عبداللہ خاں کے زمانے میں ایک اہم واقعہ اجینیہ (بھوج پور) کی فتح ہے- (۱۳۱)

نواب شایستہ خان ۱۰۴۸ھ تا ۱۰۵۲ھ (۳۸-۱۶۴۱ء):

عبداللہ خاں کے بعد شایستہ خان (پسر آصف خاں برادر نور جہاں بیگم) حاکمِ صوبہ مقرر ہوا- شائستہ خاں کے زمانے کا قابل ذکر واقعہ پلاموں پر فوج کشی ہے- (۱۳۲)

نواب اعتقاد خان ۱۰۵۲ھ تا ۱۰۵۵ھ (۴۲-۱۶۴۵ء):

۱۰۵۲ھ میں شایستہ خان عبداللہ خاں کی جگہ پر الہ آباد بھیج دیا گیا اور اعتقاد خان جونپور سے تبدیل ہو کر بہار کا صوبیدار مقرر ہوا- (۱۳۳)

اعظم خان (میر محمد باقر) ۵٦-۱۰۵۷ھ (۴٦-۱٦۴۷ء):

اعتقاد خان کے بنگالے جانے پر اعظم خان بہار کا صوبے دار ہوا۔ (۱۳۴)

عمدۃ الملک جعفر خان ۱۰٦۱ھ تا ۱۰٦۴ھ (۵۰-۱٦۵۴ء):

جعفر خان نواب صادق خان کا پوتا اور بہرام خان کا بیٹا تھا۔ اس کی صوبیداری کے زمانے میں اس کا چھوٹا بھائی مرزا اعزیز الدین بہرہ مند خان بھی صوبۂ بہار میں کسی ممتاز عہدے پر مقرر رہا تھا۔ سلیمان شکوہ پسر شہزادہ داراشکوہ کی شادی بہرہ مند خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی اور اسی تقریب کے موقع پر بہرہ مند خان کو پٹنہ سے بلوایا گیا تھا۔ (۱۳۵)

اخلاص خان ۱۰٦۰ھ تا ۱۰٦۸ھ (۵۵-۱٦۵۸ء):

عمدۃ الملک جعفر خان کے بعد شیخ فرید مخاطب بہ اخلاص خاں صوبیدار مقرر ہوا۔ شاہجہاں نے ۱۰٦۴ھ کے قریب بنگالے کی حکومت شہزادہ شجاع کو دی تھی اور اس کے بعد ۱۰٦۷ء کے قریب صوبۂ بہار کی حکومت شہزادہ داراشکوہ (ولی عہد) کے سپرد کی اور شہزادہ کی جانب سے اللہ وردی خان کو نائب صوبیدار مقرر کیا۔ (۱۳٦)

۱۰٦۷ھ میں شاہجہاں نے ضعف پیری کے سبب تمام امورِ سلطنت اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ یہ امراء اور شہزادوں کو ناگوار گزرا۔ شہزادہ مراد نے گجرات میں خودسر ہو کر اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا اور اورنگزیب دکن سے فوج لے کر داراشکوہ کے استیصال کو روانہ ہوا۔ ادھر شجاع نے بنگالے سے بہار پر فوج کشی کی اور اللہ وردی خان کو، جو داراشکوہ کی طرف سے صوبۂ بہار کا انتظام کرتا تھا، ملا کر پٹنہ و صوبۂ بہار پر قبضہ کر لیا۔ (۱۳۷)

۱۳- اورنگزیب کا عہد ۱۰۶۹ھ تا ۱۰۷۴ھ (۶۰-۱۶۶۵ء)

داؤد خان قریشی ۱۰۶۹ھ تا ۱۰۷۴ھ (۶۰-۱۶۶۵ء):

داؤد خان پسر شیخ بھیکن قبل میں داراشکوہ کا ملازم تھا- اورنگزیب اور داراشکوہ کی جنگ میں ترکِ ملازمت کر کے اورنگزیب کا ملازم ہوا اور اورنگزیب نے اس کو پٹنہ کی صوبیداری کے لئے نامزد کر کے معظم خان (میر جملہ) کی کمک میں رہنے کا حکم دیا- جس وقت معظم خان اکبرنگر (راج نگر محل بنگالہ) میں شہزادہ شجاع سے جنگ کر رہا تھا، داؤد خان بھی حسب الحکم یکم رمضان ۱۰۶۹ھ کو رشید خان و میرزا خان وہادی داد خان و قادر داد خان و خواجہ عنایت اللہ اور صوبۂ بہار کے تمام جاگیرداروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا اور اپنے بھتیجے شیخ محمد حیات کو پندرہ سو سوار، دو ہزار پیادے حوالے کر کے پٹنہ میں اپنا نائب چھوڑا- چونکہ اکثر نالوں اور گھمیوں پر مخالفوں نے پورا بندوبست کر کے جا بجا جنگی کشتیاں متعین کر دی تھیں اس لئے ضلع مونگیر و بھاگل پور تک داؤد خان کو اکثر مراحل طے کرنے میں دیر لگی- اس وقت (۳۸) برسات بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اکثر نالے اور ندیاں بھری ہوئی تھیں اس لئے داؤد خان کو کچھ دن مقام قاضی گرہیہ (بھاگل پور کے سامنے) قیام کرنا پڑا، اسی اثناء میں شہزادہ شجاع نے دوبارہ اکبرنگر پر قبضہ کر لیا تھا- پس داؤد خان گنگا کے اس پار آ کر کھل گانو کے قریب ٹھہر گیا، بعد کو جب برسات گزر جانے پر معظم خان اور شہزادہ شجاع میں پھر جنگ شروع ہوئی، داؤد خان بھی گنگا کے پار جا کر ٹانڈہ کی طرف، جہاں شجاع اپنی پوری فوج کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا، معظم خان کی کمک میں پہنچ گیا- جب شجاع شکست کھا کر ڈھاکہ کی طرف چلا گیا ورا اکبرنگر ٹانڈہ اور تمام بنگالہ معظم خاں کے قبضے میں آ گیا اورنگزیب نے ماہ صفر ۱۰۷۰ھ میں داؤد خان کو بہار کا صوبیدار مقرر کر کے بنگالے سے واپس آنے کا حکم دیا- داؤد خان کی صوبیداری میں ایک بڑا واقعہ پلامون کی فتح ہے-(۳۹)

لشکر خان ۱۰۷۶ھ تا ۱۰۷۸ھ (۶۶-۱۶۶۸ء):

محرم ۱۰۷۵ھ میں داؤد خان صوبہ بہار سے واپس گیا اور ۶ شعبان کو اورنگ آباد نے اس کی جگہ پر لشکر خان کو خلعت اور زنجیر فیل واسپ با ساز طلا کار دے کر صوبہ بہار کی حکومت پر متعین کیا۔(۱۴۰)

ابراہیم خان ۱۰۷۹ھ تا ۱۰۸۲ھ (۷۰-۱۶۷۲ء):

لشکر خان کے تبدیل ہونے پر ابراہیم خان صوبیدار بہار رہا۔ اس کا منصب سابق سے اضافہ کر کے پنج ہزاری پنج ہزار سو مقرر رہا۔(۱۴۱)

امیر خان ۱۰۸۳ھ تا ۱۰۸۶ھ (۷۳-۱۶۷۵ء):

اس صوبے دار کے زمانے کا کوئی واقعہ اس صوبے کے متعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن سرجدوناتھ سرکار نے اپنی تاریخ Histarg of Ccrangz میں لکھ دیا ہے کہ عالم اور اسماعیل نامی صوبہ بہار کے پٹھانوں نے شاہ جہانپور اور گانت گولہ میں شورش کی۔(۱۴۲)

مآثر عالم گیری صفحہ ۱۴۸ میں صریح صور پر مذکور ہے:

واقعہ نہم رمضان ۱۰۸۶ھ "امیر خان از بہار آمدہ بہ شرف زمین بوس رسید تربیت خان از تغیر او منصوب شد۔" (۱۴۳)

تربیت خان ۱۰۸۶ھ تا ۱۰۸۸ھ (۷۵-۱۶۷۷ء):

۹ رمضان ۱۰۸۶ھ کو امیر خان کے واپس جانے پر تربیت خان صوبیدار رہا۔ (۱۴۴)

شہزادہ محمد اعظم ۱۰۸۸ھ تا ۱۰۸۹ھ (۷۷-۱۶۷۸ء):

۹ صفر ۱۰۸۸ھ کو اورنگزیب نے تربیت خان صوبیدار کو تبدیل کر کے اس کو ہادی خان کی جگہ پر ترہت و دربھنگہ کا فوجدار مقرر کیا اور بہار کی صوبیداری شہزادہ محمد اعظم کو تفویض کی۔ ۱۴ جمادالآخر ۱۰۸۸ھ کو شہزادہ پٹنہ

پہنچا، دوسرے ہی سال ۱۲ ربیع الثانی کو اعظم خان کو صوبیدار بنگالے نے معزول ہو کر بہار کی طرف آتے ہوئے ڈھاکہ میں انتقال کیا۔

سیف خان وصفی خان ۱۰۸۹ھ تا ۱۰۹۴ھ (۷۹-۱۶۸۳ء):

شہزادہ محمد اعظم کے بنگالہ جانے پر سیف خان بہار کا صوبیدار رہا۔ (۱۴۵)

بزرگ امید خان ۱۰۹۴ھ تا ۱۱۰۵ھ (۸۵-۱۶۹۵ء):

بزرگ امید خان نواب شایستہ خان امیر الامراء کا پسر سوئم تھا۔ ۱۰۷۵ھ میں چاٹگام کی فتح بیشتر اس کی سعی سے حاصل ہوئی تھی۔ بزرگ امید خان نے پٹنہ میں بہت دنوں تک صوبیداری کی۔ بزرگ امید خان نے ۱۱۰۶ھ میں انتقال کیا۔ پٹنہ میں اس کی بنوائی ہوئی ۱۱۰۰ھ کی ایک مسجد محلہ سمبلی کے قریب سڑک سے دکھن جانب موجود ہے جس کے کتبے میں بانی کا نام بھی مذکور ہے۔ ۱۱۰۳ھ میں بزرگ امید خان صوبیدار بہار ہمت خان پسر خان جہاں بہادر ظفر جنگ کی جگہ پر الہ آباد کا صوبیدار بھی مقرر ہوا تھا۔ (۱۴۶)

فدائی خان ۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۵ء-۱۷۰۰ء):

بزرگ امید خان کے بعد فدائی خان (محمد صالح پسر عظیم خان کوکہ) صوبیدار مقرر ہوا۔ ۱۱۱۲ھ میں بادشاہ نے اس کو صوبیداری سے تبدیل کر کے ترہت و دربھنگہ کا فوجدار مقرر کیا۔

شمشیر خان ۱۲-۱۱۱۴ھ (۱۷۰۱ء-۱۷۰۳ء):

فدائی خان کے تبدیل ہونے پر شمشیر خان صوبیدار ہوا۔ لیکن ۱۱۱۴ھ میں شمشیر خان کو اودھ کی طرف بھیج دیا گیا اور بہار کی صوبیداری شہزادہ محمد عظیم ناظم بنگالے کی حکومت کے ساتھ ضم کر دی گئی۔

شہزادہ محمد عظیم ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۲ء-۱۷۰۵ء):

شہزادہ محمد عظیم پسر محمد معظم عرف بہادر شاہ بن اورنگزیب ۱۱۰۹ھ سے بنگالے کا صوبیدار اور نواب

مرشد قلی خان عرف جعفر خان دیوان تھا۔(۱۴۷)

پٹنہ کا عظیم آباد نام ہونا ۱۵-۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء):

شہزادہ محمد عظیم نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں قلعہ پٹنہ کو خوب آراستہ کیا اور شہر کو دہلی کا جواب بنانے کے ارادے سے از سر نو آباد کیا۔(۱۴۸)

مختلف طبقوں اور فرقوں کے باشندوں کے لئے جدا جدا محلے بنائے۔ مغل پورہ، لودھی کیٹرہ، محلّہ بخشی محلّہ وٹیرہ اب تک اسی کی یادگار ہے۔ قلعے کے قریب امرائے دولت رہتے تھے۔ اس محلے کا نام کیوان شکوہ رکھا گیا تھا، جو زحل نحوست سے تباہ ہو کر کواکھوہ ہو گیا۔ غرباء اور مسافروں کے لئے بھی خیراتی مکان اور مسافر خانے بنوائے گئے تھے۔(۱۴۹)

سلاطین مغلیہ کا آخری دور

سید حسین علی خان بہادر اور فرخ سیر ۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۱ھ (۱۷۰۷ء-۱۷۱۱ء):

حسین علی خان، جو فرخ سیر کی حکومت میں امیر الامراء کے خطاب سے مخاطب ہوا، سادات بارہہ سے تھا۔ شہزادہ محمد عظیم کی صوبیداری کے بعد بہادر شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بھی یہ اپنے عہدے پر بحال و برقرار رہا۔ بہادر شاہ نے چار برس اور چند مہینے سلطنت کر کے محرم ۱۱۲۴ھ میں انتقال کیا اور اس کے بیٹوں میں پھر سلطنت کی وراثت کا جھگڑا پیدا ہوا۔ اسی معرکے میں عظیم الشان مع ہاتھی دریائے راوی میں ہلاک ہوا اور اس کے بڑے بھائی معز الدین نے فتح مند ہو کر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور دس مہینے حکومت کی۔ اس وقت بھی حسین علی خان اپنے عہدے اور منصب پر قائم رہا۔(۱۵۰)

ضلع پٹنہ مقرر ہونا ۱۸۲۵ء

۱۸۲۵ء میں حکام انگریزی نے پٹنہ کو خاص ضلع مقرر کیا تھا۔ اس وقت پرگنہ بہار و پرگنہ راج گیر اس ضلع میں شامل نہ تھے۔ یہ پرگنے عرصۂ دراز کے بعد (۱۸۶۵ء میں غدر کے آٹھ برس بعد) ضلع پٹنہ میں شامل کیے گئے۔

۱۸۳۲ء و ۱۸۳۶ء میں ضلع پٹنہ کے مشرقی حدود سے بعض حصہ خارج ہو کر ضلع مونگیر میں شامل کر دیئے گئے۔(۱۵۱)

انگریزی دورِ حکومت:

۱۷۶۵ء میں بہار کو برطانوی قلمرو میں شامل کیا گیا اور اس کو انتظامی سہولت کے پیش نظر بنگال پریذیڈنسی کا حصہ بنا دیا گیا۔ ۱۹۱۲ء میں صوبہ بہار و اڑیسہ کو بنگال سے علیحدہ کیا گیا اور ۱۹۳۶ء میں اڑیسہ کو صوبہ کا درجہ دے کر بہار سے الگ کر دیا گیا۔(۱۵۲)

صوبہ کی انتظامی وحدتیں:

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق بہار کی آبادی ۴۶۴۵۵۶۱ ہے جبکہ اس کے بڑے شہروں کی آبادی مذکورہ بالا مردم شماری کے مطابق اس طرح ہے:

(۱) صوبائی صدر مقام پٹنہ ۳۶۴۵۹۴، (۲) گیا ۱۵۱۱۰۵، (۳) بھاگلپور ۱۴۳۸۵۰، (۴) موسم گرما کا صوبائی دار الخلافہ رانچی ۱۴۰۲۵۳، (۵) مظفر پور ۱۰۹۰۴۸، (۶) دربھنگہ ۱۰۳۰۱۶، (۷) آرہ ۶۴۲۰۵، (۸) چھپرہ ۷۵۵۸۰، (۹) موتیہاری ۳۲۶۲۰، (۱۰) آہن وفولاد کا شہر جمشید پور ۳۲۸۰۴۴، (۱۱) پورنیہ ۴۰۶۰۲، (۱۲) سہرسا ضلع ۱۷۲۳۵۶۶، (۱۳) ڈالٹن گنج ۲۵۲۷۰، (۱۴) چائی باسا ۲۲۰۱۹، (۱۵) مونگیر ۸۹۷۶۸ (۱۵۳)

بہار میں مسلمانوں کا تناسب آبادی:

آزادئ ہند کے وقت صوبہ بہار میں مسلمانوں کی تعداد نصف ۱۴ کروڑ یا ۷۳ لاکھ تھی جو صوبہ کی مجموعی آبادی کا بارہ فیصد تھی۔

معاشرتی حالات:

۶۰ء کے ابتدائی عشرہ میں صوبہ کے مرد اور خواتین کی شرحِ خواندگی بالترتیب ۳۰ فی صد اور ۷ فی صد تھی۔ یہ ثمرہ تھا مفت لازمی پرائمری تعلیم کے ملک گیر توسیعی منصوبہ کا۔

معیشت (زراعت وصنعت):

صوبہ کی زیرِ کاشت اراضی تقریباً بیس فی صد سے دوہری فصلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ یوپی کے بعد بہار سفید شکر پیدا کرنے والا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ ۶۰ء کی ابتدائی دہائی میں ملکی شکر کی مجموعی پیداوار کا ایک چوتھائی صرف بہار فراہم کرتا تھا۔

صوبہ میں تمباکو کی کاشت میں اس وقت اضافہ شروع ہوا جب Penisula Tobacco Company نے دنیا کے سب سے بڑے سگریٹ سازی کے کارخانوں میں شمار ہونے والا ایک کارخانہ مونگیر کے مقام پر لگایا۔

مدگا گیری (مونگیر):

مونگیر کا قدیم نام، جو نویں صدی کے کتبوں میں کندہ ہے، مدگا گیری ہے۔ مسلم حکمرانوں کے عہد میں یہ جنگی اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا تھا اور اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ (۱۵۴) یہ اکثر و بیشتر صوبائی گورنروں کی پناہ گاہ رہا ہے۔ شاہ شجاع نے یہاں اپنے لئے ایک محل تعمیر کروایا تھا۔ ۱۷۶۰ء میں نواب میر قاسم نے اس کو اپنی سلطنت کا، جس میں بنگال بھی شامل تھا، دارالخلافہ بنایا تھا۔ مونگیر کا قلعہ ۱۵۸۰ء سے پہلے تعمیر کردہ ہے۔

اندرونِ قلعہ مشک نافہ نامیؒ ایک درویش کا مزار ہے، جس کو ۱۴۹۷ء میں تعمیر کیا گیا تھا- ماضی میں مونگیر اسلحہ سازی کے لئے، جس میں تلوار اور آتشیں اسلحہ شامل ہیں، مشہور تھا- اس نے آج بھی اپنی وجہ شہرت کو برقرار رکھا ہوا ہے- سگریٹ سازی کی سب سے بڑی فیکٹری، جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین فیکٹریوں میں ہوتا ہے، مونگیر میں ہے- (۱۵۵)

بہار کی زبانیں:

بہار ایک کثیر اللسانی صوبہ ہے، یہاں صوبہ کی دونوں سرکاری زبانوں یعنی ہندی اور اردو کے علاوہ دوسری مقامی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں، ان میں تین اہم ہیں جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک مشرقی حصہ جس میں میتھلی یا ترہتی اور مگدھ شامل ہیں اور دوسرا مغربی حصہ جو بھوجپوری بولی پر مشتمل ہے- (۱۵۶)

باقی تفصیل بہار کا جغرافیہ میں موجود ہے-

حواشی باب اول، فصل دوم

۱-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، (مقدمہ)، شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۱

۲-ایضاً، ص ۸

۳-ایضاً، ص ۹

۴-ایضاً، ص ۹

۵-ایضاً، ص ۱۰

۶-ایضاً، ص ۱۱

۷-ایضاً، ص ۱۲

۸-ایضاً، ص ۱۳

۹-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی. تاریخ مگدھ، ص ۱۳

/ ارلی ہسٹری آف انڈیا، ص ۳۲

۱۰-ایضاً، ص ۳۲

۱۱-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۵

۱۲-ایضاً، ص ۱۵

۱۳-ایضاً، ص ۱۶

۱۴-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۷

/ ارلی ہسٹری آف انڈیا، ص ۳۳، ۳۴، تا ص ۴۸، ۴۹

۱۵-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ۱۹۴۴ء، دہلی، ص ۱۸

۱۶- ایضاً، ص ۱۹

۱۷-ایضاً، ص ۲۷

/ ارلی ہسٹری آف انڈیا، ص ۳۸-۳۹

۱۸-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۲۷

/ ارلی ہسٹری آف انڈیا، ص ۴۱

۱۹- جرنل بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد ا، ص ۹۱ تا ۹۵

۲۰-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۲۸

۲۱-ایضاً، ص ۳۱

۲۲-ایضاً، ص ۳۲

۲۳-ایضاً، ص ۳۴

۲۴-ایضاً،ص ۳۵

۲۵-ایضاً،ص ۳۷

۲۶-ایضاً،ص ۳۸

۲۷-ایضاً،ص ۳۹

۲۸-ایضاً،ص ۴۰

۲۹-ایضاً،ص ۴۵

۳۰-جرنل بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد ا، ۱۹۰۵ء، ص ۱۵۹ تا ۱۷۱

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ۱۹۴۴ء، دہلی، ص ۴۵

۳۱-ایضاً،ص ۴۷

۳۲-ایضاً،ص ۵۰

۳۳-ایضاً،ص ۵۴

۳۴-ایضاً،ص ۵۵

۳۵-ایضاً،ص ۵۷

۳۶-ایضاً،ص ۶۳

۳۷-ایضاً،ص ۶۴

۳۸-ایضاً،ص ۶۵

۳۹-انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا، رپورٹ آرکیالوجیکل سروے آف ایسٹرن، سرکل بابت ۱۹۰۱ء، ۱۶-۱۹۱۵ء و ۱۹۱۹ء وغیرہ، ص ۵۳۶

۴۰-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ۱۹۴۴ء، دہلی، ص ۶۲

۴۱-ایضاً،ص ۶۹، ۷۰

۴۲-ایضاً،ص ۸۶

۴۳-ایضاً،ص ۸۷

۴۴-ایضاً،ص ۸۸

۴۵-سرایم-مونیر ولیمس: سنسکرت انگلش ڈکشنری،

/ندیم (گیا) ۱۹۳۱ء-۱۹۴۵ء سے انتخاب، ۲ تاریخ بہار (چند مقالات) ص ۱۳

۴۶-سید علی مرتضیٰ (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، اشاعت اوّل جنوری ۲۰۰۰ء، کراچی، ص ۲۴

۴۷-ابوعمر منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج جوزجانی: طبقات ناصری، طبع اوّل جنوری ۱۹۷۵ء، لاہور، ص ۷۵۳

۴۸-محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحیٔ: تاریخ فرشتہ، جلد دوم، نومبر ۱۹۶۲ء، ص ۷۵۱

۴۹-سید ابوہریرہ وراثت رسول ہاشمی: سلسلہ اشرف الانساب، ۱۹۹۵ء، ص ۷۰

۵۰-Compreherisive History of Bihar, Voume II, Part-I, Edited by Dr. Syed

Hasan Askari & Dr. Qeyamuddin Ahmed, Kashi Parsad Jayaswal Research Institute Patna, 1983, P-29.

۵۱-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۹۵

۵۲-ایضاً،ص۹۶

۵۳-Comprehinsive History of Bihar, P-34

۵۴-Ibid-35

۵۵-Ibid-36

۵۶-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۰۲

۵۷-Comprehinsive History of Bihar, P-38

۵۸-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۰۴

۵۹-ایضاً،ص۱۰۵

۶۰-ابوعمر منہاج الدین سراج جوز جانی: طبقات ناصری،مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ ۱۸۶۴ء،ص ۱۶۳

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۰۶

/خواجہ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری،مطبوعہ یشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ،جلد ا، ۱۸۶۸ء،ص ۵۹

۶۱-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۰۶

۶۲-ابوعمر منہاج الدین سراج جوز جانی: طبقات ناصری،ص۱۶۲،ص۱۸۰

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۰۷

۶۳-ایضاً،ص۱۰۸

۶۴-ایضاً،ص۱۰۹

۶۵-ایضاً،ص۱۱۱

۶۶-ایضاً،ص۱۱۲

۶۷-ایضاً،ص۱۲۲

۶۸-ایضاً،ص۱۲۵

۶۹-ایضاً،ص۱۲۸

/ضیاءالدین برنی: تاریخ فیروز شاہی،ص۴۵۱

۷۰-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۲۸

/ضیاءالدین برنی: تاریخ فیروز شاہی،ص۴۵۱

۷۱-خواجہ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری،مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ،جلد اول، ۱۸۶۸ء،ص۲۰۰

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۱۳۰

۷۲-ایضاً،ص۱۳۰

۷۳- ایضاً، ص ۱۳۱

۷۴- ایضاً، ص ۱۳۲

۷۵- ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی، ۱۸۶۲ء، ص ۵۸۶

۷۶- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۴۰

۷۷- Comprehensive History of Bihar, P-188

۷۸- Ibid P-190

۷۹- بقلم مہر النساء

۸۰- Comprehensive History of Bihar, P-191

۸۱- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۴۳

۸۲- Comprehensive History of Bihar, P-192

۸۳- Ibid, P-202

۸۴- Ibid, P-204

۸۵- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۴۳

۸۶- ایضاً، ص ۱۴۴

۸۷- ایضاً، ص ۱۴۵

۸۸- ایضاً، ص ۱۴۳

۸۹- بداؤنی، جلد اوّل، ص ۴۶۴

/ خواجہ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری، جلد اول، ص ۲۵۰، ص ۲۵۷

۹۰- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۵۵

۹۱- ایضاً، ص ۱۵۸

۹۲- ایضاً، ص ۱۵۹

۹۳- ایضاً، ص ۱۶۰

۹۴- ایضاً، ص ۱۶۱

۹۵- ایضاً، ص ۱۶۳

۹۶- ایضاً، ص ۱۷۱

۹۷- ایضاً، ص ۱۷۲

۹۸- Comprehensive H story of Bihar, P-238

۹۹- بقلم مہر النساء

۱۰۰- Comprehensive History of Bihar, P-239

۱۰۱-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص ۱۷۳

۱۰۲-ایضاً،ص ۱۷۵

۱۰۳-علامہ ابوالفضل: اکبرنامہ،ص ۱۲۹

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص ۱۷۵

۱۰۴-ایضاً،ص ۱۷۵

۱۰۵-محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیٔ: تاریخ فرشتہ(مقالہ دوم)،جلد اول،ص ۶۹۴

۱۰۶-ایضاً،ص ۱۳۷

۱۰۷-ایضاً،ص ۱۸۵

۱۰۸-ایضاً،ص ۱۸۶

۱۰۹-ایضاً،ص ۱۹۴

۱۱۰-ایضاً،ص ۱۹۵

۱۱۱-بداؤنی،جلد دوم،ص ۱۶۳، ۲۰۰

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص ۱۹۶

۱۱۲-ایضاً،ص ۱۹۷

۱۱۳-ایضاً،ص ۲۰۰

۱۱۴-بداؤنی،جلد دوم،ص ۱۷۹

/خواجہ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری،جلد دوم،ص ۲۸۴

۱۱۵-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص ۲۰۱

۱۱۶-ایضاً،ص ۲۰۲

۱۱۷-ایضاً،ص ۲۲۵

۱۱۸-ایضاً،ص ۲۲۶

۱۱۹-ایضاً،ص ۲۲۷

۱۲۰-ایضاً،ص ۲۲۸

۱۲۱-ایضاً،ص ۲۲۹

۱۲۲-ایضاً،ص ۲۳۱

۱۲۳-ایضاً،ص ۲۳۲

/تزک جہانگیری،مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ،ص ۱۴۱،ص ۴۲

۱۲۴-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص ۲۳۶

۱۲۵-ایضاً،ص ۲۳۷

۱۲۶-ایضاً،ص ۲۳۹

۱۲۷- ایضاً،ص۲۴۴

۱۲۸- ایضاً،ص۲۴۵

۱۲۹- ایضاً،ص۲۴۶

۱۳۰- ملاعبدالحمید لاہوری: بادشاہ نامہ،مطبوعہ ایشیاءٹک سوسائٹی، بنگالہ،ص۴۲۶

/ ملاعبدالحمید الرموز جی: شاہ جہاں نامہ،جلد اول،ص۴۸۶/منتخب اللباب حصہ اول،ص۴۶۸

۱۳۱- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۴۹

۱۳۲- ایضاً،ص۲۵۳

۱۳۳- ایضاً،ص۲۵۴

/ ملاعبدالحمید الرموز جی: شاہ جہاں نامہ،جلد دوم،ص۳۸۵

۱۳۴- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۵۶

۱۳۵- ایضاً،ص۲۵۷

/ شاہنواز خاں خوافی: ماثر الامراء،مطبوعہ ایشیاءٹک سوسائٹی،ص۳۶۵

۱۳۶- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۵۸

۱۳۷- ایضاً،ص۲۵۹

۱۳۸- ایضاً،ص۲۶۳

۱۳۹- ایضاً،ص۲۶۴

۱۴۰- ایضاً،ص۲۷۶

۱۴۱- مستعد خان: مآثر عالم گیری،مطبوعہ ایشیاءٹک سوسائٹی،۱۸۷۱،ص۱۷

۱۴۲- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۷۸

۱۴۳- مستعد خان: مآثر عالم گیری،مطبوعہ ایشیاءٹک سوسائٹی،۱۸۷۱،ص۱۴۸

/ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۷۹

۱۴۴- ایضاً،ص۲۸۰

/ مستعد خان: مآثر عالم گیری،مطبوعہ ایشیاءٹک سوسائٹی،۱۸۷۱،ص۱۴۸

۱۴۵- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۸۱

۱۴۶- ایضاً،ص۲۸۳

۱۴۷- ایضاً،ص۲۸۴

۱۴۸- ایضاً،ص۲۸۶

۱۴۹- غلام حسین خان طباطبائی: سیر المتاخرین،مطبوعہ لکھنؤ،ص۷

۱۵۰- مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ،ص۲۸۷

۱۵۱- ایضاً،ص۳۰۶

۱۵۲- پروفیسر ڈاکٹر آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ، ۱۹۹۲ء، کراچی، ص ۸

۱۵۳- ایضاً، ص ۹

۱۵۴- ایضاً، ص ۱۰

۱۵۵- ایضاً، ص ۱۱

۱۵۶- ایضاً، ص ۱۲

نوٹ: اس تحقیقی مواد کے بعد بہار میں اسلام اور اشاعت اسلام کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب اوّل

(فصل سوم)

بہار میں آمد اسلام اور اشاعت اسلام

بہار میں آمدِ اسلام اور اشاعتِ اسلام:

ہندوستان سے قطع نظر دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی ہر قبیلے کا بت جدا تھا۔ اللہ کے پیغمبروں کی ہدایات کو ان کی امتیں فراموش کر چکی تھیں، جھٹلا رہی تھیں بلکہ نافرمان ہو چکی تھیں۔ اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر کتابِ الٰہی میں ترامیم و تصرفات کرنے سے بھی نہ چوکتی تھیں، اپنے معانی و مطالب نکال کر اعزاز خسروی حاصل کرنے کا وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ فرد کی انفرادیت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ جلتے دیپ بجھ رہے تھے جب اللہ کے بھیجے ہوئے دین سے بغاوت ہوتی رہی تو (۱) یہ انسانی دماغ کے وضع کردہ فلسفے، جو غیر آفاقی بھی تھے، باعث تسکین قلب و نظر کیسے ہو سکتے تھے۔ ان میں ہمہ گیر مسائل کا احاطہ ناممکن تھا۔ برہم و دیا سے بدھ مت کی تبلیغ تک مسلسل آزمائشی اور تجرباتی دور قائم تھا۔ آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ اقتدار کی کشمکش جاری تھی۔ عزت، جان، مال اور ایمان کے تحفظ اور ضمانت کا فقدان تھا۔ سب ایک دوسرے کی گھات میں تھے، کہیں پر قتل و غارت گری کا بھیانک منظر ملتا ہے، جس نے دریا کے پانی کو انسانی خون کی آمیزش سے سحر کر دیا تھا اور کہیں بدھ مذہب کی نرمی جوئے نغمہ خواں کی مترنم لئے سے کشش پیدا کر رہی تھی۔ جن کی ہر ادا میں بلور کے شیشے سے بھی زیادہ ٹھنڈک تھی مگر ان کے محرکات پر انسانی عقل و خرد کی چھاپ تھی۔ (۲) لہذا یہ انسانی فہم و دانش کتنی دور ساتھ دیتی اور کہاں تک اپنی کمی اور تشنگی کو پورا کرتی اور ان آندھیوں میں انسان کے اپنے بنائے ہوئے مذاہب کی شمع کب تک روشن رہ سکتی تھی۔ فطری طور پر ہر جھونکے پر بھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ آندھیوں کے جھونکے سے مجاز کا دامن تار تار تھا مگر مجبور اور بے بس انسان اس کی قیمت ادا کئے جا رہا تھا اور اس کو سورگ (جنت) تک پہنچنے اور نجات پانے کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ صرف ہندوستان ہی نہیں پوری انسانی تاریخ بے شمار زخموں، غموں اور دکھوں کی عبرتناک کہانی تھی۔ اس تاریک دنیا کو اللہ نے ایک نئی سحر عطا فرمائی اور آفتابِ اسلام طلوع ہوا۔ رب المشرقین والمغربین نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب کے ذریعہ

راز کن بتایا- وہ ابرِ رحمت جو فاران کی چوٹی سے اٹھا تھا اس نے عربستان کے صحراؤں سے لے کر سرسبز وادیوں تک برس کر نئی زندگی اور نئی امنگ کو اور انسانیت کو حیاتِ جاوداں کے رخ پر پیہم رواں اور ہردم دواں کر دیا-(۳) اب زندگی کا مفہوم ہی بدل گیا، یہ قندیل رہبانی نہ تھی، نور ربانی تھا، جس نے انسان کو راہِ مستقیم دکھایا- اخوت، مساوات، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ذریں اصول دے کر سب کو ایک ہو جانے کی تعلیم دی اور اس نور کی کشش نے ہر سہمے اور شکنجے میں جکڑے ہوئے انسان کو صرف پیغامِ آزادی و مساوات نہیں بلکہ انسانی خودی کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں وہ ہر عیب سے پاک تھا- اس فانی دنیا کی ہر طمع اور حرص و ہوس سے بے نیاز و بے پرواہ اور زمان و مکان، رنگ و نسل کی بستی سے بلند ہو کر صرف خدا کا اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو کر رہ گیا- اسلام نے انسانیت کو ایک حیات نو بخشی اور اس کا پیغام دور دور پہنچا-(۴) جب اسلام کی روشن کرنیں برصغیر پاک و ہند میں پہنچنے لگیں تو ساتھ ہی اس کا شمال مشرقی خطہ بہار بھی اس روشنی سے جگمگا اٹھا- اس سرزمین پر اسلام صوفیائے کرام اور مشائخ کرام کے ذریعہ پھیلا- ان بزرگوں نے اس علاقے میں اس وقت قدم رکھا جب یہاں ہر جگہ ہندو راجوں اور مہاراجوں کی حکومتیں تھیں- اس علاقے کے لوگ ہندو مذہب اور بدھ مت کے پیروکار تھے- ہر طرف دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی- یہاں تک کہ چاند، سورج، جانوروں اور خوبصورت تراشیدہ پتھروں کے سامنے سجدے ہوتے تھے-

ان حالات میں یہاں بکثرت صوفیاء و اولیاء تشریف لائے اور تبلیغ دین محمدیؐ سے اس اس کے چپے چپے کو منور کر گئے- ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام سے بہت پہلے شہاب الدین غوری کے فتح دہلی سے بہت قبل اور فاتح بنگال ۵۸۸ء مطابق ۱۱۹۷ء کے ہیرو محمد بن بختیار خلجی کی فتوحات سے پیشتر صوبہ بہار کے شہر منیر شریف (۵۷۶ھ/ ۱۱۷۸ء) میں اسلام داخل ہو چکا تھا اور اس شہر میں بوریا نشینوں کی حکومت عوام کے دلوں پر قائم ہو چکی تھی-(۵) ظہورِ اسلام کے بعد اللہ جل شانہ کا پیغام امن جس تیزی سے دنیا کے گوشے گوشے

میں پھیلا پھر محمد بن قاسم نے پورے سندھ اور ملتان تک اسلامی پرچم لہرایا- اس کے بعد غزنویوں، غوریوں کے حملے ہوتے رہے اور صوفیوں اور مبلغین کی آمد کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا- لوگ جوق در جوق اسلام کا پیغامِ محبت قبول کرنے لگے- سلطان محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود جو ایک بہادر جرنیل بھی تھے اور صوفی بزرگ بھی، اپنی جماعت کے ہمراہ بنارس تک جا پہنچے- ان کی شہادت اور بہرائچ میں مدفون ہونے کے بعد ان کی جماعت کے مجاہدین اور مبلغین شمالی ہندوستان اور بہار و بنگال میں پھیل گئے-(۶) بہار میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں سب سے پہلے مبلغِ اسلام حضرت مخدوم عارف مومن کا نام لیا جاتا ہے-

بہار میں اسلام کا پہلا مبلغ:

مبلغِ اسلام حضرت مخدوم عارف مومن تنہا صوبہ بہار بغرض تبلیغ تشریف لائے- آپ یمن کے تاجر تھے اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے- صوبہ بہار کے اولین اکابرین دینِ اسلام میں شمار کیے جاتے ہیں- آپ نے اپنے کام کا آغاز بہار کے قدیم شہر منیر سے کیا-(۷) مومن عارف نامی منیر میں رہتا تھا جس کو راجا منیر سے سخت ایذائیں پہنچی تھیں-(۸)

آپ نے اس شہر میں اس وقت سکونت اختیار کی جبکہ وہاں اسلام کا کوئی نام لیوا نہ تھا- ہر سمت کفر و شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا- حضرت عارف مومن اپنی ذات سے ایسی بھاری بھرکم شخصیت کے مالک تھے کہ شہر منیر راجہ آپ سے بے حد خوفزدہ تھا- اس نے شہر میں آپ کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا لیکن آپ کام سے باز نہ آئے- شہر سے باہر فصیلِ شہر سے کچھ فاصلے پر مستقل رہائش اختیار کی اور انفرادی طور پر مسافروں میں تبلیغ دین جاری رکھی- ظالم راجہ نے آپ پر طرح طرح کی ظلم و زیادتی شروع کر دی- جب آپ کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ ڈالی جانے لگی اور اذان دینے پر پابندی لگا دی گئی تو آپ نے محسوس کیا کہ اب تبلیغ کا کام انفرادی طور پر ممکن نہیں رہا- با دل ناخواستہ رختِ سفر باندھا اور مدینہ منورہ پہنچ کر روضۂ رسالت پناہ حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم پر عرضی پیش کی اور بہار میں تبلیغِ دینِ اسلام کے لئے مدد چاہی چنانچہ بیت المقدس کے محلہ الخلیل کے ہاشمی گھرانے کے چشم و چراغ حضرت مخدوم تاج فقیہہ کو، جو ان دنوں مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، خواب میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم (۹) نے حکم دیا کہ منیر جا کر اسلام کی تبلیغ کریں، اس طرح حضرت تاج فقیہہ اور حضرت عارف مومن کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ مدینہ منورہ سے منیر کے لئے روانہ ہوا اور ۵۷۶ھ کو منیر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا- حضرت مخدوم عارف مومن قدس سرہٗ کپڑے کے ایک کامیاب تاجر تھے- آپ کو کپڑے کی تجارت اور اس کی صنعت سے کافی دلچسپی تھی- آپ نے بہار میں کپڑے کی صنعت کے قیام کے لئے بڑی کاوشیں کیں اور اس کے طول و عرض میں اس صنعت کا جال پھیلا دیا- حضرت عارف مومن قدس سرہٗ کا مزارِ اقدس منیر شریف میں چھوٹی درگاہ سے متصل تالاب کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے-(۱۰)

جناب پروفیسر سید حسن عسکری تو بہار میں اسلام کی ابتداء سید حسن خنکسوار سے بتاتے ہیں جو خواجہ معین الدین چشتی کے مرید تھے اور جن کا مزار بہار میں موضوع پنورہ میں ہے-(۱۱)

بہار کا پہلا مسلمان فاتح

حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس سرہٗ العزیز:

یہ بزرگ خاندان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرد تھے- آپ کا خاندان مدنی الاصل تھا-(۱۳)

حضرت امام محمد تاج فقیہہ بیت المقدس کے ایک قصبہ الخلیل (Hab Roon) کے رہنے والے تھے- آپ کا سلسلہ نسب حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب (عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچتا ہے- آپ بوجہ تبحر علم فقہ، فقیہہ کے لقب سے مشہور تھے- آپ کی بزرگی اور تبحر علمی کا شہرہ تمام سرزمین عرب میں تھا- آپ حضرت امام محمد غزالیؒ کے پیر بھائی تھے- حضرت امام محمد تاج فقیہہ اور حضرت امام محمد غزالی اپنے پیر کے حکم پر اپنے وطن سے اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے-

آپ حضرات ابھی مدینہ منورہ ہی میں مقیم تھے کہ حضرت عارف مومنؒ منیر سے مدینہ منورہ آ کر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی اور بہار میں تبلیغ دین کے سلسلہ میں مدد چاہی- حضرت امام محمد تاج فقیہہ ایک روز مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سوئے ہوئے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ کو دربار رسالتؐ سے ظالم راجہ سے جنگ کرنے اور بہار میں تبلیغِ دین کا حکم ملا- اس طرح مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اس کام کے لئے تین راتوں میں بشارت دی گئی- آخری خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چند لوگوں کے نام بتائے کہ ان سے مل کر بہار روانگی کی تیاری کریں- آپ خواب سے بیدا ہوئے، حضرت مخدوم عارف مومن اور کچھ دوسرے افراد سے ملاقات کی، تمام لوگوں نے خواب سنتے ہی جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں- حضرت امام محمد تاج فقیہہ مع اہل وعیال اور دوسرے پچیس تیس افراد کے ساتھ، جن میں حضرت امام محمد غزالی بھی شامل تھے، مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا- درمیان راہ بلخ و بخارا اور کابل

وغیرہ ہوتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن افراد کی نشاندہی کی تھی ان سے ملاقات کرتے ہوئے

اور ہر جگہ سے جنگی اور افرادی طاقت حاصل کرتے ہوئے ملک ہند کی طرف روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر حضرت

امام غزالیؒ نے طوس کا سفر اختیار کیا۔ حضرت امام محمد تاج فقیہہؒ کے ہمراہ آپ کے اہل وعیال کے علاوہ تقریباً

ساڑھے تین سو مجاہدین کا ایک مختصر قافلہ شمال مغربی راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوا۔ آپ بڑی خاموشی

سے ہندوستان کے ایک بڑے علاقے سے سفر کرتے ہوئے اور طویل راستہ طے کرتے ہوئے صوبہ بہار کے

علاقہ کرمناسانگ ندی تک پہنچ گئے۔ یہ ندی بکسر کے قریب سے گزرتی ہے اور یہیں سے راجہ منیر کی حکومت کی

سرحد شروع ہوتی تھی۔ حضرت کی فوج نے جیسے ہی ندی عبور کی راجہ کی فوج مزاحمت کے لئے مدمقابل

آ گئی۔ (۱۳) شہر منیر پہنچتے پہنچتے کئی مقامات پر جنگیں ہوئیں، آخری معرکہ شہر منیر کے قریب ۲۷ رجب ۵۷۶ ع

کو ہوا۔ راجہ کو ہزیمت اٹھانا پڑی اور یہیں سے بہار میں تبلیغِ دین کی ابتداء ہوئی۔ حضرت امام محمد تاج فقیہہ

کے ساتھ اس جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین اور شہداء میں سے کچھ افراد کا تذکرہ:

۱۔ حضرت مخدوم قطب الاقطاب علم بردار ربانی خواجہ بدر الدین سپہ سالار لشکر تھے جن کا مزار اقدس

منیر شریف سے متصل موضع مہدانواں میں ہے۔ ۲ حضرت سیدنا خطیر الدین ابدال خواہر زادہ حضرت

پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ منیر شریف میں ڈھائی کنگرہ والی مسجد سے مغرب ایک بلند مقام پر آرام فرما

ہیں۔ ۳۔ حضرت تاج الدین کھانڈ گاہ جن کا تعلق سلطان محمود غزنوی کے خاندان سے ہے۔ منیر شریف کی

بڑی درگاہ کے احاطہ میں آسودۂ خاک ہیں۔ ۴۔ حضرت میر سید علی احمد البرک شہید آپ کسی مسمان ریاست

کے شہزادے تھے۔ آپ کا روضہ خانقاہ منیر کی قدیم مسجد سے متصل ہے۔ ۵۔ حضرت علوی شہید ۶۔ حضرت

تاج الدین شہید ۷۔ حضرت معصوم شہید ۸۔ حضرت چندن شہید مزار شہسرام میں ایک پہاڑی پر ہے جو

چندن شہید کی چوٹی کہلاتی ہے۔ ۹۔ حضرت اسحاق شہید ۱۰۔ حضرت جنید شہید ۱۱۔ حضرت یعقوب شہید

۱۲- حضرت یوسف شہید ۱۳- حضرت صوفی شہید ۱۴- حضرت شاہ عبدالغنی شہید ۱۵- حضرت قبول شہید ۱۶- حضرت شاہ عبدالسبحان شہید ۱۷- حضرت دوست محمد شہید ۱۸- حضرت علاؤالدین شہید ۱۹- حضرت سید جلال شہید ۲۰- حضرت روشن علی شہید ۲۱- حضرت شاہ برہان الدین شہید جن کا مزار پٹنہ سے جنوب موضع کمہار میں ہے- ان میں کچھ نام بعد کے شہداء کے بھی ہیں-

فاتح منیر حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس سرۂ العزیز نے کچھ دنوں منیر میں قیام فرمایا اور اس علاقے میں تبلیغِ دین کا کام انجام دیا- آخر آپ نے اپنے دو صاحبزادوں حضرت مخدوم شیخ اسرائیل اور حضرت شیخ اسماعیل، اپنی اہلیہ اور دوسری اعزہ و اقارب کو منیر میں چھوڑا اور خود مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے- کچھ دنوں کے بعد آپ کو مدینہ منورہ میں اہلیہ کے وصال کی خبر ملی- آپ نے اپنی اہلیہ کی ہمشیرہ سے نکاح ثانی کیا اور تاحیات مدینہ منورہ میں مقیم رہے- آپ کی محل ثانی سے ایک صاحبزادے حضرت مخدوم شیخ عبدالعزیز پیدا ہوئے- حضرت شیخ عبدالعزیزؒ جب سن شعور کو پہنچے اور اپنے والد کے جہاد کا حال اور علاتی بھائیوں کے حالات معلوم ہوئے تو ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوا- آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور منیر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ کر تبلیغِ دین میں ان کے معاون و مددگار ہوئے- حضرت مخدوم شیخ اسرائیل اور حضرت مخدوم شیخ عبدالعزیزؒ اور ان کے ورثاء نے جنوبی بہار میں رہائش اختیار کی- حضرت مخدوم شیخ اسماعیل اور ان کے ورثاء شمالی بہار میں آباد ہوئے- آپ کی نسل حاجی پور اور شمالی بہار کے دوسرے علاقوں میں خوب پھلی پھولی- حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس سرۂ کا سلسلۂ نسب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت زبیر تک پہنچتا ہے-

نسب نامہ حضرت امام محمد تاج فقیہہ تا حضرت عبدالمطلب جد امجد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت امام محمد تاج فقیہہ بن امام ابوبکر ابن امام ابوالفتح ابن امام ابوالقاسم ابن امام ابوالصہ ثم ابن امام

ابو دہر ابن امام ابو اللیث ابن امام ابوسہمہ ابن امام ابوالدین ابن امام ابومسعود ابن امام ابوذر ابن حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب ۔(۱۴)

اس کے علاوہ بہار میں اسلام پھیلانے والوں میں مخدوم یحییٰ منیری حضرت مولانا مظفر شمس بلخی، ان کے ہمعصر بدرالدین بدر زاہدی، مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے خالہ زاد بھائی حضرت شمس الدین شمن ارب علی سید احمد چرم پوش اور سید تیم اللہ سفید باز تھے۔(۱۵)

حضرت مخدوم شیخ یحییٰ منیری:

حضرت امام محمد تاج فقیہہ (فاتح منیر) کے بڑے صاحبزادے حضرت مخدوم اسرائیل کے بیٹے اور مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے والد ہیں۔ آپ ۵۷۶ھ میں اپنے دادا حضرت امام محمد تاج فقیہہ کے ہمراہ مجاہدینِ اسلام کی جلو میں منیر شریف تشریف لائے گویا آپ کی آنکھ اشاعتِ اسلام اور جہاد کرنے والوں کی گود میں کھلی اور پرورش و پرداخت میدانِ جہاد اور تلوار کے سایوں میں ہوئی اور پھر رشد وہدایت کا سلسلہ بھی آپ ہی کے ہوش میں ہوا۔(۱۶) حضرت مخدوم شیخ یحییٰ بن شیخ اسرائیل بن حضرت امام تاج فقیہہ زبیری الہاشمی ۵۷۰ھ مطابق ۱۱۷۴ء کو بیت المقدس کے محلہ الخلیں میں پیدا ہوئے۔ آپ چار سال کی عمر میں اپنے دادا اور دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ ۵۷۶ھ میں بہار کے قدیم شہر منیر شریف تشریف لائے۔ آپ کے زمانہ میں الحاکم بامراللہ ۶۶۳ھ بلادِ اسلامیہ کا خلیفہ تھا اور ہندوستان پر سلطان ناصرالدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کی حکمرانی تھی جس کا سال جلوس ۶۴۴ھ ہے۔ حضرت مخدوم اپنے والد شیخ اسرائیل کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔(۱۷) روحانی سلسلوں کی اشاعت وترویج، تبلیغِ دین اور ایک اسلامی فلاحی ریاست کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آن پڑی۔ آخر جب اپنے وقت کا عظیم مجاہد اسلام محمد بن بختیار خلجی فتح بہار و بنگال کے سسلہ میں منیر کے قریب پہنچا تو آپ نے پورے اعزاز واکرام

کے ساتھ اس کا استقبال کیا-منیر اور اس کے قرب وجوار کے علاقے کو اس کے سپرد فرمایا اور خود یادالٰہی میں مصروف ہو گئے-(۱۸) حضرت مخدوم شیخ احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کا وصال منیر شریف میں ایک سو سترہ سال کی عمر میں ۱۱ شعبان المعظم ۶۹۰ھ بروز پنجشنبہ وقتِ ظہر ہوا-منیر شریف میں آپ کا روضۂ اقدس مرجع خلائق اور بےکسوں کے لئے جائے پناہ ہے-(۱۹)

آپ کے چار صاحبزادے ہوئے ۱-مخدوم شرف الدین بہاریؒ آپ کا انتقال بمقام بہار ہوا اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے،۲-مخدوم خلیل الدین منیریؒ ۳-مخدوم جلال الدینؒ ۴-مخدوم حبیب الدینؒ آپ کا نسب نامہ تذکرۃ اکرام میں یوں ہے:(۲۰)

> ''حضرت مخدوم یحییٰ منیری بن حضرت مولانا اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہہ مکی بن امام ابی بکر بن امام ابی الفتح بن امام ابی القاسم بن امام ابی الصائم بن امام ابی اللیث بن امام ابی رمتہ بن امام ابی الدین بن امام مسعود بن ابوذر رضی اللہ عنہ بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم-'' (۲۱)

فتح بہار کا پہلا مسلمان جرنل:

فاتحِ بہار حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس سرہٗ کی فوج کے سپہ سالار حضرت قطب سالار ربانی خواجہ بدر الدین تھے-۵۷۶ھ کو منیر اور اس کے اطراف میں کئی جنگی معرکے آپ نے سرانجام دیئے-اس طرح مگدھ دیش (علاقہ بہار) کا شہر منیر شریف اسلام کا پہلا مرکز بنا-حضرت خواجہ بدر الدین اپنے اہلِ خانہ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ منیر شریف سے متصل ایک مقام موضع مہدانواں میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے ورثاء صوبۂ بہار کے دوسرے مقامات مثلاً صادق پور محلّہ تموہیہ، عظیم آباد پٹنہ، موضع سرانڈی اور ضلع چھپرہ وغیرہ میں آباد ہوتے گئے-آپ حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد سے تھے-جس زمانہ

میں شہر منیر شریف میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری الفردوسی کے والد حضرت سلطان المخدوم شیخ یحییٰ سہروردی بن شیخ اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہہ جلوہ افروز تھے، اسی زمانے میں بہار و بنگال کا پہلا حکمران اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی وارد ہندوستان ہوا۔(۲۲)

اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی ۵۹۰ھ تا ۶۰۲ھ (۱۱۹۲ء-۱۲۰۴ء):

پہلا شخص جس نے بہار و بنگالہ میں اسلامی حکومت قائم کی اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی تھا۔ محمد بختیار خلج وغور و بلاد گرمیر کے اکابر میں تھا۔ تلاشِ منصب میں اول سلطان معز الدین سام (شہاب الدین غوری) کے پاس غزنی میں حاضر ہوا، پھر وہاں سے دہلی چلا آیا لیکن یہاں بھی حسب دل خواہ (۲۳) کچھ عرصے کے بعد یہاں سے اودھ کی طرف آ کر حسام الدین اغلبک کا ملازم ہوا اسی اثناء میں محمد بن بختیار نے گھوڑے اور ہتھیار فراہم کر لئے اور سلطان معز الدین سام کے مفتوحہ ممالک سے مقام سہت و سہلی میں (مرزا پور کے قریب) جاگیر بھی حاصل کر لی اور یہیں سے منیر و بہار پر یلغار کر کے مالِ غنیمت حاصل کرتا رہا۔(۲۴)

اسی زمانے میں خورد خراسان وغزنی و مرد سے ایک جماعت ہندوستان آ کر پراگندہ ہو رہی تھی۔ محمد بن بختیار کی شہرت سن کر اس کے پاس فراہم ہوئی اور محمد بن بختیار کو بھی ان کے آنے سے بڑی تقویت ہوئی۔ رفتہ رفتہ سلطان قطب الدین ایبک کو اس کی شہرت کا حال معلوم ہوا۔ سلطان نے اس کو اپنے پاس بلا کر بڑی عزت کی۔ اس عرصے میں بہار و بنگالہ میں لوگوں کے دلوں میں محمد بن بختیار کی جلاوت کا رعب بیٹھ گیا تھا۔

دو ایک برس اطرافِ منیر و بہار پر اچانک حملے کرنے کے بعد محمد بن بختیار نے حصار بہار کو فتح کر لینے کا تہیہ کر لیا تھا اور دو سو سواروں کو ساتھ لے کر غایت دلیری و بہادری سے جنگ کر کے قلعۂ بہار پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کا راجہ اندر من دیو پال بھاگ کر روپوش ہو گیا۔(۲۵) فتح کے بعد محمد بن بختیار مالِ غنیمت لے کر سلطان قطب الدین ایبک کے پاس حاضر ہوا۔ لیکن درباروں نے حسد کر کے سلطان کو اس کی بہادری کا امتحان لینے

پر آمادہ کیا- محمد بن بختیار نے ایک فیلِ ست سے مقابلہ کر کے گرز کی ایک ہی زد میں فیل کو بھگا دیا- سلطان نے خوش ہو کر اس کو انعام سے سرفراز کیا اور درباریوں سے بھی انعام دلوائے- محمد بن بختیار نے تمام انعام کو اسی جلسے میں تقسیم کر دیا اور پھر بہار واپس آ کر لشکر فراہم کر نے شہر ندیا (بنگالہ) پر چڑھائی کی اور سین خاندان کے راجا لکھمینہ (لکھمن سین) کو شکست دے کر بنگالہ پر قبضہ کر لیا اور شہر لکھنوتی (گوڑ) کو اپنا دارالسلطنت بنا کر سلطانِ دہلی کا سکہ و خطبہ جاری کر کے تمام علاقوں میں مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، سرائیں اور سڑکیں بنوائیں اور کچھ مالِ غنیمت سلطان کے پاس روانہ کیا-

بنگالہ کی فتح کے چند سال بعد محمد بن بختیار نے کوچ بہار کی راہ سے ملک تبت پر چڑھائی کی- یہی پہلا شخص معلوم ہوتا ہے جس نے (۲۶) اس راہ سے تبت پر فوج کشی کی- اس مہم میں بعض وجوہ سے اس کو سخت ناکامی ہوئی- دس ہزار آدمیوں میں سے بمشکل سو سوا سو سوار سلامتی کے ساتھ واپس آئے-(۲۷)

محمد بختیار کا انتقال:

محمد بختیار کے لشکر کی تباہی کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی- جن لوگوں کے عزیز دریا میں غرق ہوئے تھے وہ جوق در جوق دیوکوٹ میں آنے لگے اور برسرِ عام محمد بختیار کو گالیاں دینے لگے، اس کا اثر بختیار کی صحت پر بہت برا ہوا اور آخر کار ۶۰۲ھ میں غمِ آلام کے ہاتھوں لقمۂ اجمل ہو گئے- محمد بختیار کی وفات کے بعد اس کی لاش بہار میں لائی گئی اور اسے وہاں سپردِ خاک کر دیا گیا-(۲۸)

محمد بختیار بہت ہی عقل مند، معاملہ فہم اور بہادر انسان تھا- اس کی ہیئت جسمانی عجیب و غریب تھی جب وہ اپنے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہوتا تھا تو اس کی انگلیاں اس کی پنڈلیوں کو چھونے لگتی تھیں- وہ ہمیشہ بہار کے علاقے پر لشکر کشی کر کے اس نواح کے سرکشوں اور باغیوں کو پامال کیا کرتا تھا اور اس علاقے کو لوٹ کر بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا کرتا تھا-(۲۹)

فرید خاں ملقب بہ شیر شاہ (سوری) ۹۳۲ھ تا ۹۵۲ھ (۴۶-۱۵۴۷ء) (فرزندِ بہار):

اس ذی لیاقت پٹھان کی بدولت صوبۂ بہار کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں کا ایک باشندہ معمولی جاگیردار کی حیثیت سے ترقی کر کے سارے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔

فرید الدین خاں بن حسن سور قصبہ سہسرام کا رہنے والا تھا۔(۳۰) شیر شاہ کا نام فرید خاں تھا اور باپ کا نام حسن خاں تھا۔ حسن خاں افغاناںِ روہ کی نسل سے تھا۔ سلطان بہلول لودھی کے عہدِ حکومت میں حسن سور کا باپ ابراہیم خاں ملازمت کی تلاش میں دہلی آیا اور ایک لودھی امیر کے ہاں ملازمت کر لی۔(۳۱) انہیں پنجاب میں جاگیریں ملیں، یہیں حصار فیروزہ میں فرید خاں کی پیدائش ہوئی۔ اس کے سالِ ولادت میں اختلاف ہے۔ ۱۴۷۲ء اور ۱۴۸۶ء کے درمیان پیدا ہوا (قانون گو نے طویل بحث کے بعد ۱۴۸۶ء کو شیر شاہ کا سالِ ولادت قرار دیا ہے)۔ سکندر لودھی کے عہد میں جب جمال خاں جونپور کا گورنر مقرر ہوا تو وہ حسن خاں کو ساتھ لے گیا اور اسے پانچ سو سواروں کی کفالت کے لئے سہسرام، حاجی پور اور خواص پور ٹانڈا بطور جاگیر عطا کئے۔ حسن خاں کے آٹھ لڑکے تھے جن میں فرید خاں سب سے بڑا تھا۔(۳۲)

قیام جونپور (۱۵۰۱ء تا ۱۵۱۱ء) کے دوران فرید خاں نے وہاں کے علمی حلقوں میں شہرت حاصل کی۔ یہاں تک کہ جمال خاں گورنر جونپور نے باپ بیٹے میں مصالحت کرائی اور حسن خاں کو بیٹے کی قدر کرنے کی ہدایت۔ چنانچہ اس نے سہسرام اور خواص پور ٹانڈا کا انتظام بیٹے کے سپرد کیا۔ فرید خاں نے کم و بیش سات آٹھ سال تک ان جاگیروں کا انتظام بڑی محنت سے کیا۔ چوری اور ذاہ زنی کو بڑی سختی سے کچل دیا۔ اس کی مالی حکمتِ عملی اور قیام امن سے کاشتکار بڑے خوش ہو گئے ناظم کی حیثیت سے یہ فرید خاں کی ابتدائی تربیت تھی۔ فرید خاں کی کامیابی اور مقبولیت اس کی سوتیلی ماں سے دیکھی نہ گئی اور اس نے حسن خاں کو مجبور کر دیا کہ بیٹے کو جاگیر سے الگ کر دے۔ اب فرید خاں دہلی پہنچا۔

دہلی کی بساط الٹ گئی اور بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی و آگرہ پر قبضہ کرلیا۔اس پر بہار کے گورنر بہار خاں نے سلطان محمد کا لقب اختیار کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔فرید خاں نے سلطان کی ملازمت اختیار کر لی۔یہیں ایک دفعہ اس نے شکار میں تلوار کے وار سے شیر کو مار گرایا جس پر اسے شیر خاں کا خطاب عطا ہوا۔اسے سلطان محمود کے کم سن لڑکے جلال خاں کا اتالیق بھی مقرر کیا گیا۔(۴۴) اتفاق سے سلطان بابر سے ملنے جا رہا تھا وہ شیر خاں کو بھی اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا۔شیر خاں بابر کے حضور میں پہنچ کر خیر خواہانِ سلطنت میں داخل ہو گیا۔چندیری کے سفر میں منیر خاں بھی بادشاہ کے ہمراہ تھا۔کچھ دن اس نے بادشاہ کے لشکر میں بسر کیے۔اس نے مغلوں کے طور طریقے اور عادات سے اچھی واقفیت حاصل کر لی۔

ایک دن شیر خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال دینا بالکل آسان ہے۔مصاحبین نے اس دعوی کی دلیل پوچھی، شیر خاں نے جواب دیا کہ اس قوم کا بادشاہ سلطنت کے معاملات پر خود بہت کم توجہ دیتا ہے، سارے معاملات و مہمات کا انحصار وزیروں پر ہے، ہم افغانوں میں یہ برائی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے آپس میں دشمن ہیں، اگر میری تقدیر یاوری کرے تو میں افغانوں کے دلوں سے نفاق کو دور کر دوں اور اپنا کام پورا کروں۔اس کے دوست اس خیال پر، جو ان کی نگاہ میں ناممکن تھا، ہنسے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔ایک دن بابر کے دستر خوان پر ایک طباق ماہیچہ کا شیر خاں کے سامنے بھی رکھا ہوا تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ اس طرح اس کو نہیں کھا سکتا لہذا سوری افغان نے ماہیچہ کو روٹی پر رکھا، پھر چھری سے اس کو ٹکڑے کر کے پھر پیالے میں رکھا اور کھانا شروع کیا، بادشاہ یہ ماجرا دیکھ رہا تھا، اس نے میر خلیفہ سے کہا کہ اس پٹھان نے آج عجیب کام کیا، شیر خاں نے جو کچھ محمد خاں سور کے ساتھ کیا تھا اس کی اطلاع بادشاہ کو پہلے مل چکی تھی، بادشاہ کے اس جملے کا اشارہ شیر خاں کی فہم و فراست کی طرف تھا، اس نے بھی بادشاہ اور میر خلیفہ کی گفتگو سنی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ بادشاہ نے مجھے عبرت کی نگاہ سے دیکھا ہے، اسی رات شاہی لشکر سے بھاگ کر اپنی جاگیر

میں جا پہنچا۔

وہاں پہنچ کر اس نے سلطان جنید برلاس کو خط لکھا کہ محمد خاں سوری نے میرے خلاف محمد کے کان بھرے ہیں اور اس کا مقصد ہے کہ وہ میری جاگیر پر فوج کشی کرے لہذا میں پریشان ہو کر یہاں چلا آیا ہوں اور اسی پریشانی میں رخصت بھی نہیں لے سکا ہوں۔ میں اب بھی بہی خواہوں میں سے ہوں۔ شیر خاں کو مغلوں سے بالکل مایوسی ہو گئی۔ (۲۴)

چنانچہ وہ اپنے بھائی نظام کو لے کر دوبارہ سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے شیر خاں پر مہربانی کی اور اسے دوبارہ شہزادے جلال کا اتالیق مقرر کر دیا۔ شیر خاں کو پھر وہی تقرب حاصل ہو گیا۔ قضائے الٰہی سے سلطان کا انتقال ہو گیا اور اس کا کم عمر لڑکا جلال باپ کا جانشین ہوا۔

شیر خاں کا اقتدار:

جلال خاں کی ماں لاڈو ملکہ نے سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شیر خاں کی مدد سے ملکی معاملات انجام دینے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد جلال خاں کی ماں نے انتقال کیا چنانچہ اب بہار کی حکومت پوری طرح شیر خاں کے قبضے میں آ گئی۔ بنگال کے حاکم کے امیر مخدوم عالم حاجی پور نے شیر خاں سے دوستی اور راہ و رسم پیدا کی۔ مخدوم عالم اس کی اس حرکت پر ناراض ہو گیا اور منگیر کے حاکم قطب خاں کو بہار فتح کرنے اور مخدوم عالم و شیر خاں کو تباہ کرنے کے لئے نامزد کیا۔ شیر خاں نے بہت کوشش کی، التجائیں کیں تاکہ صلح ہو جائے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی چنانچہ اس نے افغانوں کو متحد کیا اور جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے پر تیار ہو گیا۔

حاکمِ بنگالہ سے جنگ:

گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ کافی خونریزی کے بعد قطب خاں مارا گیا اور شیر خاں کو فتح ہوئی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ قوت اور با اقتدار تھا۔ اس کے ٹھاٹھ سے لوحانی پٹھان جلنے لگے۔ شیر خاں نے جلال خاں

سے کہا ''تمہارے امیر مجھ سے حسد کرتے ہیں اور میرے ساتھ نفاق برتتے ہیں، ان کا تدارک کرو ورنہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرلوں گا-'' جمال خاں نے کہا تم جو کہو میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں- شیر خاں نے جواب دیا ''اپنے امیروں کو دو گروہوں میں تقسیم کرو، ایک گروہ کو مالیہ وصول کرنے کے لئے پرگنات میں روانہ کردو اور دوسری جماعت کو حاکمِ بنگالہ کے مقابلے پر بھیجو-'' اس کے بعد شیر خاں نے اپنی حفاظت کا اتنا اچھا بندوبست کیا کہ لوحانی پٹھان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے چنانچہ لوحانی پٹھانوں نے فیصلہ کیا کہ محمود شاہ بنگالی کی ملازمت اختیار کی جائے اور اسے بہار پر قبضے کے لئے اکسایا جائے-(۳۵)

ابراہیم خاں کی شکست:

سلطان محمود نے ابراہیم خاں، قطب خاں کے بیٹے کو فوج دے کر شیر خاں کے مقابلے پر بھیجا- شیر خاں مٹی کے بنائے ہوئے قلعہ میں بند ہوگیا اور روزانہ ایک گروہ کو دشمن سے جنگ کرنے کے لئے بھیجنے لگا- یہاں تک کہ ابراہیم خاں کو اپنے بادشاہ سے مدد طلب کرنی پڑی- شیر خاں بھی اس سے باخبر ہوا- بنگالی سپاہی بھی میدان میں آئے- شیر خاں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو دشمن کے مقابل کھڑا کیا اور سپاہیوں کے ایک گروہ کا انتخاب کرکے اسے پشتے کے پیچھے چھپا دیا اور سامنے والے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کریں اور تھوڑی دیر کی بعد میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں تاکہ دشمن ان کا تعاقب کر سکے اور اس طرح وہ اپنے توپ خانہ سمیت باہر آ جائیں چنانچہ اسی طرح کیا گیا، بنگالی سپاہیوں نے شیر خاں کی فوج کا تعاقب کیا اور وہ ان چھپے ہوئے سپاہیوں کی زد پر آ گئے- فوج کے اس حصے نے ایک دم ان پر حملہ کردیا اور ان کو خاک وخوں میں ملا دیا- ابراہیم خاں بھی اپنے والد کی طرح لڑائی میں مارا گیا- جلال خاں میدانِ جنگ سے نیم جان ہوکر بھاگا، سیدھا بنگالے پہنچا- بنگالیوں کے ہاتھی اور توپخانہ شیر خاں کے قبضے میں آیا- اس طرح بہار دشمنوں سے پاک ہوا اور شیر شاہ کو حکومت کرنے کی پوری قوت حاصل ہوگئی-

لاڈو ملکہ:

تاج خاں ایک امیر قلعہ چنار پر سلطان ابراہیم کی طرف سے حکومت کرتا تھا، اس کی ایک بیگم لاڈو نام کی تھی۔ اس کے بیٹے، جو دوسری بیگموں کے بطن سے تھے، اس سے حسد کرتے تھے۔ ایک رات تاج خاں کے بڑے لڑکے نے لاڈو ملکہ پر تلوار سے وار کیا۔ ملکہ کے گہرا زخم لگا۔ محل میں شور وغل ہوا کہ ملکہ ماری گئی، تاج خاں بھی ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچا اور بیٹے پر جھپٹا، بیٹے نے یہ دیکھ کر کہ اب باپ کے ہاتھوں سے بچنا مشکل ہے، تاج خاں پر وار کیا۔ ناخلف لڑکے کا ہاتھ پورا پڑا اور تاج خاں ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد لڑکے قلعے کا انتظام نہ کر سکے۔ شیر خاں، جو ان کے پڑوس میں تھا، اس کو واقعات کا علم ہوا۔ (۳۶) اس نے لاڈو ملکہ کے ماموں میر احمد ترکمان کی معرفت تاج خاں کے نالائق بیٹوں کو تنبیہ کرنے کے لئے خط و کتابت کی۔ نامہ و پیام کے بعد طرفین میں یہ طے ہوا کہ شیر خاں لاڈو ملکہ سے شادی کر لے اور چنار کے قلعے پر قبضہ کر لے۔ شیر خاں نے ملکہ سے شادی کر کے قلعے کو قبضے میں کیا۔ اس طرح خزانے اور دفینے بھی شیر خاں کے قبضے میں آ گئے۔ محمود شاہ چیت پور کے پاس تنہا دن گزار رہا تھا کہ لودھی پٹھانوں کے ایک گروہ نے جو پٹنہ میں جمع ہو گئے تھے، محمود شاہ کو بلایا، محمود شاہ فوراً وہاں پہنچا اور دوبارہ پٹنہ کی حکومت پر قابض ہو گیا۔ محمود شاہ پٹنے سے ایک بڑا لشکر لے کر بہار پہنچا۔ شیر خاں یہ دیکھ کر کہ افغان یقیناً محمود شاہ کی اطاعت کریں گے، اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی جاں نثاری کا دم بھرنے لگا۔

محمود شاہ کے امیروں نے بہار کو اپنی جاگیروں میں تقسیم کیا۔ شیر شاہ کے حصے میں بھی ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا۔ لودھی امیروں نے شیر خاں کو تسلی دی اور کہا کہ جونپور کو مغلوں سے چھڑانے کے بعد پورا بہار تمہارے قبضے میں دے دیا جائے گا۔ شیر شاہ نے محمود شاہ سے اس کے متعلق وعدہ کیا اور لشکر کو منظم کرنے کے بہانے سے اپنی جاگیر میں آ گیا۔ (۳۷)

گجرات کی مہم:

بادشاہ گجرات کی مہم پر روانہ ہوا۔ قطب خاں پانچ سو سواروں کے ساتھ کچھ دن ہمایوں کے ہمراہ رہا پھر وہاں سے بھاگ کر شیر خاں کے پاس پہنچ گیا۔ اس دوران میں شیر خاں نے بہار کو دشمنوں اور باغیوں سے خالی کر دیا اور پھر بنگالے پر فوج کشی کی۔ بنگال کے امیر گڑھی کی حفاظت میں مصروف ہوئے۔ ایک مہینے تک شیر خاں سے جنگ ہوتی رہی۔ فتح شیر خاں کی ہوئی۔ (۳۸)

قلعہ رہتاس پر قبضہ:

شیر خاں نے محسوس کیا کہ لڑائی کر کے قلعہ فتح کرنا مشکل ہے چنانچہ اس جانباز امیر راجہ کو مکر وفریب دے کر قلعہ حاصل کرنے کی تدبیر سوچی، اس نے اپنے ایک قاصد کو راجہ ہرکشن کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے، ملک بہار چھوٹا ہے، اس لئے میرا ارادہ یہ ہے بنگال کو بھی فتح کر لوں، چاروں طرف مغلوں کا دور ہے، اس لئے مجھے سکون واطمینان نہیں، (۳۹) مجھے تمہاری دوستی پر پورا بھروسا ہے، میری یہ تمنا ہے کہ تم میرے اور میرے سپاہیوں کے اہل وعیال کو اپنے قلعے میں جگہ دو۔ ہرکشن طمع ولالچ میں شیر خاں کی بات مان چکا تھا۔

شیر خاں نے ایک ہزار ڈولیاں تیار کیں اور عام رواج کے مطابق ڈولیوں پر پردہ ڈال کر (جس طرح ہندوستان میں عورتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں) ہر ڈولی میں دو سپاہی بٹھائے اور پانچ سو سواروں کو مزدوروں کا لباس پہنا کر ردیوں کے توڑے ان کے سروں پر رکھے اور ہتھیار کے بجائے لکڑیاں اور ڈنڈے ان کے ہاتھوں میں دیئے۔ اس صورت میں ان لوگوں کو قلعہ رہتاس کی طرف روانہ کیا۔ ڈولیاں اس حویلی میں پہنچا دی گئیں جو راجہ نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ غافل راجہ اور اس کے سپاہی ان کی زد میں تھے۔ اسی اثناء میں شیر خاں، جو لشکر کو تیار کئے بیٹھا تھا اور آواز کا منتظر تھا، قلعے کے دروازے تک پہنچ گیا، اسے قلعے کا

دروازہ کھلا ہوا ملا چنانچہ وہ بہت سے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں گھس آیا- راجہ ہرکشن اور اس کے سپاہیوں نے کچھ دیر مزاحمت کی مگر یہ دیکھ کر کہ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے، قلعے کے عقبی دروازے سے بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا چنانچہ اس طرح رہتاس کا بے نظیر اور مشہور و معروف قلعہ مع خزینوں اور دفینوں کے اس قدر آسانی سے شیر خاں کے قبضے میں آ گیا-(۴۰)

شیر خاں کے نام کا خطبہ وسکہ:

شیر خاں نے اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا، دوسرے سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ آگرے کا رخ کیا-(۴۱)

مالوہ پر حملہ:

۹۴۹ھ میں شیر شاہ نے مالوہ پر حمہ کیا اور گوالیار پہنچا- شیر شاہ نے رنتھنبور پہنچ کر چرب زبان اور باتونی ایلچیوں کو سلطان محمود لودھی کے گماشتوں کے پاس بھیجا اور ان سے صلح کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا-(۴۲)

وفات:

۲۲ مئی ۱۵۴۵ء/۹۵۲ھ بارہویں ربیع الاول میں شیر شاہ نے قلعے کالنجر فتح ہونے کی خبر سنی اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا- بادشاہ نے پندرہ برس امارت اور افسری میں گزارے اور پانچ سال پورے ہندوستان پر حکومت کی- شیر شاہ بڑا عقلمند اور مدبر تھا- اس بادشاہ نے اپنے کارناموں کے پسندیدہ آثار دنیا میں چھوڑے- اس کے عہد میں بنگالے اور سنار گاؤں سے دریائے سندھ تک پندرہ سو میل پختہ سڑک بنوائی گئی- ہر کوس پر ایک سرا، ایک کنواں اور ایک پختہ مسجد تعمیر کی گئی- مسجدوں میں امام، قاری اور مؤذن مقرر کیے گئے- ان کو وظیفہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا-

شیر شاہ کا عہد اتنا پرامن تھا کہ مسافر بھی بے کھٹکے اپنا اسباب سرہانے رکھ کر آرام اور اطمینان سے

سوتے تھے-(۴۳) شیر شاہ نے پندرہ برس حکومت کی اور اس مدت میں پانچ برس سے کچھ زیادہ سارے ہندوستان کی بادشاہت کی-(۴۴) اس کی لاش سہسرام لاکر عالی شان مقبرے میں دفن کی گئی-(۴۵)

بہار میں اچھی شہرت کے حامل صوفیاؤں کے تقریباً تمام سلسلے، جیسا کہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور مداریہ بہار میں موجود تھے اور اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ و ترویج میں ہر ایک کا بڑا حصہ ہے- چشتیہ سلسلے کے صوفیاء بہار میں سب سے پہلے آنے والوں میں شامل ہیں- بہار میں ابتدائی چشتی بزرگوں کی بڑی تعداد میں سے صرف چند کا ذکر- سب سے پہلے آنے والوں میں قطب الدین بختیار کاکی (۱۲۳۵ھ/۶۳۳ء) کے مرید شاہ محمد بہاری اور سید تاج الدین دانا پوری تھے- بابا فرید گنج شکر (۱۲۴۶ھ-۶۴۴ء) کے مرید مولانا علی بہاری، مخدوم آدم صوفی (۱۲۸۷ھ/۶۸۶ء) میں حاجی پور کہلائے (۱۲۸۵ھ/۱۶۵۷ء) اور ان کے صاحبزادے مخدوم حامد الدین (۱۳۶۹ھ/۷۷۱ء) ثانی الذکر صاحبزادے اور پٹنہ کے نزدیک شیخ فیض اللہ کرجی (۱۴۲۷ھ/۸۳۱ء) کے روحانی راہنما تیم اللہ سفید باز (۱۳۸۸ھ/۷۹۰ء)، شمس الدین الیاس شاہ سمن ارول (گیا) اور چندن (بہار شریف) کے صوفی ضیاء الدین (۱۴۱۸ھ/۸۲۰ء)- تیم اللہ سفید باز بہار شریف میں محلہ چشتیانہ کے مقام پر قیام پذیر ہوئے جو محلہ بھائے سا سر (Mahalla Bhaisasur) سے متصل ہے اور جہاں چشتی صوفیاء کی ایک بڑی تعداد دفن ہے- جن میں سہروردیہ سلسلے کے جلال بخاری مخدوم جہانیاں کے داماد اور نامور چشتی بزرگ (۴۶) محمد عیسیٰ تاج کے چھوٹے بھائی احمد عیسیٰ تاج بھی شامل ہیں-

بہار میں سہروردیہ سلسلے کا اثر بھی محسوس کیا جا سکتا تھا- عوارف المعارف کے نامور مصنف شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے ایک خاص شیخ جلال تبریزی براستہ دہلی اور بدایوں بہار اور وہاں سے وہ بنگال اور سلہٹ گئے جہاں ان کا چلہ خانہ ابھی تک موجود ہے- مخدوم شرف الدین اپنے مقالے/رسالے میں ان کا ذکر کر چکے ہیں- بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے معروف خلفاء میں سے ایک مولانا احمد دمشقی، غزالی کی احیاء

العلوم کے خلاصے ملتقت (Multaqit) کے مصنف مولانا تقی الدین سہروردی کے مذہبی پیشوا تھے-تقی الدین بہار کے کئی سہروردی بزرگوں کو روحانی فیض پہنچانے والوں میں سے تھے جن میں معروف فردوسی بزرگ مخدوم شرف الدین منیری کے والد مخدوم یحییٰ منیری شامل تھے-(۴۷)

مخدوم بازیستانی جن کا اصل نام میر سید احمد تھا، شاید سہروردی بزرگ تھے، جو کاغذی محلہ کے مقام پر تغلق طرز تعمیر پر بنائے گئے ایک بڑے گنبد والے مقبرے میں دفن ہیں- گنج ارشدی کے مطابق مخدوم شرف الدین سیستانی بزرگ کی بہت عزت و تعظیم کیا کرتے تھے اور بارہ سال تک ہر سال ان کے روضے پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے- امبائی کے دوسرے اہم بزرگ شاعر احمد چرمپوش (چمڑہ پہننے والے)(۴۸)

پورنی (بھاگلپور) کے شیخ علاؤ الدین چرمپوش جو کہ ماہسن کے شیخ سلیمانی کے ذریعے سے مولانا تقی الدین سہروردی سے منسوب تھے، کے روحانی مرید تھے-

حضرت احمد چرمپوش (۱۳۹۳ء/ ۷۷۵ھ) مخدوم شرف الدین کے خلیرے بھائی (والدہ کی بہن کے بیٹے) تھے- وہ ایک لائق شاعر اور غیبی طور پر معرفت کی طرف راغب تھے، جو اللہ تعالیٰ کی دلکش، دلآویز (جمالی) اوصاف سے زیادہ اس کے رعب و دبدبے (جلالی) اوصاف کو پیش کرتے تھی- انہوں نے لکھا ہے کہ ''میں خدائی طاقت کی روشنی کی ایک شعاع ہوں، کبھی میں ٹکڑوں سے بنا ہوا گداگرانہ لباس پہنتا ہوں اور کبھی ایک چمڑے کا لباس-''(۴۹)

سہروردیہ کے سلسلے کے ابتدائی دور کی کچھ شخصیات کاشغر کے قاضی شہاب الدین پیر جگجوت سے انتہائی قریب تھیں جو بہار میں اپنے عقیدے کی تبلیغ کے لئے آئے وہیں مقیم ہوئے اور گنگا کے کنارے پٹنہ شہر میں جیتھلی کے مقام پر دفن ہوئے، جو اب تک کچی درگاہ کے نام سے جانا جاتا ہے- ۲۱ ذوالحجہ ۶۶۴/ ۱۵ ستمبر ۱۲۶۶ء میں ان کا انتقال بلبن کے وقت میں ہوا- ان کی چار ولی صفت صاحبزادیوں میں سے ایک بی بی رضیہ،

جو بڑی بوا کہلاتی تھیں، امام فقیہہ کے بڑے بیٹے اسرائیل کے بیٹے یحیی منیری کی بیوی تھیں، دوسری احمد چرمپوش کے والد موسیٰ ہمدانی کی بیوی تھیں (۵۰) اور تیسری کاکو (گیا) کی مشہور بزرگ خاتون بی بی کمالو اور گجو ان کے عطاءاللہ کے والد سلیمان لنگر ضامن سہروردی سے بیاہی گئی تھیں اور چوتھی حامد الدین صوفی بن آدم صوفی کے صاحبزادے اور تیم اللہ سفید باز، جو بہار شریف میں درگاہ کے قریب دفن ہیں، قرون وسطیٰ کے ابتدائی دور میں چشتیہ اور سہروردیہ کی شہرت فردوسیہ اور شطریہ، جو کہ ثانی الذکر کی ہی شاخیں تھیں، گھٹتی چلی گئیں۔ قرون وسطیٰ کے بہار کی مذہبی تاریخ کی ایک بلند قامت شخصیت یحییٰ کے صاحبزادے اور بہار میں بزرگ شخصیات کے ایک لمبے سلسلے کے جدامجد امام تاج فقیہہ کے بڑے بیٹے اسرائیل کے پوتے مخدوم شرف الدین تھے۔ یروشلم کے عظیم عالم دین اپنے تین بیٹوں اسرائیل، اسماعیل اور عبدالعزیز کو دونوں شمالی اور جنوبی بہار میں مذہب کا کام جاری رکھنے کے لئے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ اسماعیل ان کے صاحبزادے صلاح الدین اور پوتے سلیمان کو گنگا کے پار بھیجا گیا، انہیں ہندوؤں کے خلاف لڑائی لڑنی تھی، جو ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی مخالفت کر چکے تھے۔ ملا تقیہہ کہتے ہیں کہ اسماعیل کو خلجی کے دور میں (جو شاید بختیار خلجی کا قاتل علی مردان خلجی تھا، آخر کار کسی دوسرے خلجی کے ہاتھوں مارا گیا)۔ ترہٹ کے راجا سے تین دفعہ لڑنا پڑا۔ اسماعیل کی آٹھویں پشت سے ویشالی کے نزدیک بانی بصرہ کے مشہور و معروف بزرگ شیخ نعداللہ قادن بن علا (علاؤالدین) شطاری (۱۴۹۶ھ/۹۰۱ء) تھے۔ آپ اپنے بزرگوں کے سلسلے کے جدامجد تھے۔ ان کے تین بیٹوں میں اویس شہید کو چیرو کے حاکم نے اس وقت مار دالا جب وہ بانی بصرہ، جہاں وہ دفن بھی ہیں، میں ایک مسجد بنانے کی کوشش کر رہے تھے، دوسرے بیٹے عبدالرحمٰن کا مزار مظفر پور قصبے کے محلے سرائے گنج میں واقع ہے اور تیسرے بیٹے ابو الفتح ہدایت اللہ سرمست نے حاجی پور میں گنداک کے کنارے تنکول کے مقام پر کام کیا اور یہیں انتقال کیا۔ تنکول کے بزرگ (۱۵۳۹ھ/۱۹۴۶ء انتقال، ۱۴۷۷ھ/۸۸۲ء پیدائش) چودہ سال کی عمر ہی سے جونپور میں

شارقی شاہی سلسلے کے آخری بادشاہ حسین شاہ کی زیرِ نگرانی اسے تیسائی روزے رکھتے ہوئے دیکھا گیا-(۵۱)
شیخ قادن علاء کی شہرت دور دراز پھیل چکی تھی- ان کی ملفوظات، جو ان کے داماد خواجہ علی راجگیر نے معدن الاسرار کے نام سے شائع کروائی، شیخ ظہور، حامد اسرار دو مشہور بھائیوں، شیخ پھول (شہزادہ ہندال کے حکم پر قتل کر دیئے گئے) اور نامور محمد غوث گوالیار (انتقال ۱۵۶۲ھ/۹۷۰ء) جن کا تذکرہ بابر اور ابوالفقیہہ نے کیا- روحانی راہنما اور تنکول کے بزرگ کے اہم خلیفہ تھے- یہ رتن سرائی کے مقام پر دفن ہیں-

غوث گوالیار احمد آباد کے عالم اور صوفی بزرگ وجیہہ الدین گجراتی کے مرشد تھے-

اب ہم بہار میں صوفیائے کرام کے انتہائی بااثر سلسلے کی طرف آتے ہیں جس نے تمام سلسلوں کی شہرت کو گھٹا دیا اور اب تک وہاں پھل پھول رہا ہے- مخدوم شرف الدین اور ان کے بلخی مریدوں اور پیرو کاروں مولانا مظفر، ان کے بھتیجے حسن معز اور ثانی الذکر کے بیٹے اور پوتے حسین اور احمد لنگر دریا کے چھوڑے کثیر التعداد صوفیانہ ادب کی وجہ سے زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا ہے- مظفر شمس بلخی انتہائی دانا اور عالم صوفی، فردوسی سلسلے کے شیخ بلخ میں پیدا ہوئے مگر اپنے خاندان کے ساتھ انڈیا ہجرت کر کے بہار میں مقیم ہوئے اور اپنے لئے سہروردی سلسلے کو قبول کیا- وہ دہلی میں فیروزی مدرسے یا کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے مگر نوکری چھوڑنے کے بعد بہار آئے اور فردوسیوں کو سہروردی سلسلے پر فوقیت دیتے ہوئے معروف شرف الدین یحیٰ منیری کو اپنا روحانی راہنما تسلیم کیا-(۵۲)

شیخ شرف الدین نے کبھی ان کا نام نہیں لیا سوائے انہیں مولانا یا امام کہنے کے- شیخ مظفر ایک شاعر تھے مگر دینیات اور تصوف/صوفی ازم ان کے خاص مضمون تھے- ان کے بھتیجے اور جانشین شیخ حسین معز بلخی کا ان کے خطوط کو اکٹھا کرنا، صوفیانہ/تصوف کے موضوعات کی تفصیل کے لئے بہت اہم تھا اور تاریخی لحاظ سے بھی کیونکہ یہ دس خطوط ہیں اور ان میں سے کچھ انتہائی طویل ہیں جو الیاس شاہی سلسلۂ سلاطین کے سکندر شاہ کے

بیٹے بنگال کے حکمران غیاث الدین اعظم شاہ کو لکھے گئے ہیں۔ شیخ مظفر نے مکہ میں حج ادا کیا اور عدن میں انتقال کر گئے۔

اب ہم بہار کے چشتی بزرگ اور ان کڑیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو انہیں پنڈوا، بنگال اور جونپور سے منسلک کرتی ہیں۔ دانا پور میں قاضی ٹولہ کے بانی ابوالفتح چشتی (۱۵۸۵ھ/۱۹۹۳ء انتقال، ۱۴۸۲ھ/۸۲۷ھ پیدائش) سید مبارک رضوی، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کزن میر علی شیر کے ساتھ خلجیوں کے دور میں جاجنیر سے بہار آئے تھے، ان کی ساتویں پشت سے تھے۔ علی شیر مقامیوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے اور باہ قصبہ میں دفن ہیں مگر سید مبارک بنگال گئے اور دہلی کے مشہور نظام الدین اولیاء کے مریدوں گوڑ کے اخی سراج الدین اتھمان (انتقال ۱۳۴۲ھ/۴۳-۷ء) کے مرید ہو گئے۔ وہ بہار واپس آئے اور دان پور میں اس جگہ پر، جہاں ان کے پیر نے ایک دفعہ قیام فرمایا تھا، ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ سترہویں صدی کے آخر تک ان کے نسب سے تعلق رکھنے والے کئی قاضی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

جنیدی سلسلے کی ایک مشہور شخصیت، جن کی بہار اور بنگال میں بہت عزت اور تعظیم کی جاتی تھی، پیر بدر عالم تھے۔ جو اصل میں میرٹھ سے تعلق رکھتے تھے (انتقال رجب ۸۴۴ھ/۲۲ دسمبر ۱۴۴۰ء) یہ فخر الدین زاہدی (انتقال ۱۳۰۴ء/۷۰۴ھ) کے پڑپوتے اور شیخ شہاب الدین حق گو (جو محمد بن تغلق کے حکم پر مار دیئے گئے) کے پوتے تھے۔ مخدوم شرف الدین نے انہیں بہار آنے کی دعوت دی تھی مگر یہ ۱۳۸۰ء میں ان کے انتقال کے کافی عرصہ بعد یہاں آئے اور وہ چھوٹی درگاہ کے مقام پر دفن ہیں۔ (۵۳) ان کی بہن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی شادی پنڈوا کے شیخ علاؤ الحق (انتقال ۱۳۸۴ء/۷۸۶ھ) سے ہوئی۔ شیخ بدر الدین بدر عالم نے پہلی شادی بہار کی ایک راجپوت خاتون سے کی جو بہار کی ایک خاتون بزرگ، جن کے نسب سے تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو ابدالی کہتے تھے، ابداں زاہدی کی ماں، بنیں، ان کے بیٹے سارن میں قتال پور چوکی کے بانی

شاہ شہاب الدین پیر قتال زاہدی، شاہ ابوسعید زاہدی، شاہ سلطان زاہدی وہ تمام جو چھوٹی درگاہ میں دفن ہیں، اہم شخصیات تھے- بعد میں پیر بدر جونپور کے شارقی حکمران گھرانے میں شادی ہو جانے کی وجہ سے ان سے مجڑ گئے، بہار قصبے کے نزدیک شودیھ (Sohdih) کی کچھ قابل ذکر شخصیات جیسا کہ حسیر الدین جہاں، علاؤ الدین، شاہ بدر اور شیخ فخر الدین زاہدی، زاہدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے- سلطان سکندر لودھی نے بہار میں اپنے قیام کے دوران کئی دفعہ آخر الذکر شیخ فخر الدین زاہدی سے تعظیماً ملاقات کی اور جمعہ کی نماز فخر الدین زاہدی کے ساتھ ادا کرنے کے معاملے میں بہت محتاط تھا-

پیر بدر عالم نے مشرقی بنگال کا سفر کیا اور چاٹگام میں ایک لمبے عرصے تک قیام کیا- وہ ہندو ملاحوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی وجہ سے مشہور ہیں- چاٹگام میں ایک لمبے عرصے تک قیام کیا- وہ ہندو ملاحوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی وجہ سے مشہور ہیں- چاٹگام بھکسو بازار کے مغربی حصے میں واقع ان کے چلّے کی جگہ پر ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی طرح سے جاتے ہیں- چاٹگام میں ملاحوں اور کشتی بانوں کی جماعت اپنی کشتیوں کو پانی میں ہوا کی مخالف سمت میں سے گزارتے وقت ان کو ''پانی پیر'' کے نام سے پکار کر خدا سے مدد مانگتے ہیں-

پنڈوا کے علاؤ الحق کے ایک مرید فرید الدین طویلہ بخش (۱۴۹۱ء/ ۸۹۷ء انتقال) چاندپور بہار میں دفن ہیں جہاں ابتدائی زمانے کی ایک مسجد ہے- (۱۳۱۰ء/ ۷۱۰ھ) یہ ابراہیم چشتی کے صاحبزادے تھے جو کہ دہلی کے حضرت نظام الدین اولیاء کے کزن تھے اور پنڈوا کے علاؤ الحق کی بیوی کی بہن سے بیاہے گئے تھے- اپنے روحانی راہنما پنڈوا کے نور قطب عالم (۱۵۱۵ء/ ۸۱۸ھ انتقال) کی زیر نگرانی سخت قسم کی ریاضتیں کرنے کے بعد فرید الدین دوسروں کے ساتھ خاص کر Mahalla Manauliya کے شاہ سعادت اور مریم ٹولہ کے عطاء اللہ بغدادی بہار آئے- چھوٹی تکیہ بہار شریف کے دیوان عبدالوہب (۱۶۸۱ء/ ۱۰۹۵ھ انتقال) ان

کے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔(۵۴) بیتھو شریف (گیا) میں واقع چشتیہ سلسلہ کی اشرفیہ خانقاہ، جس کی بنیاد سید ابوسعید کتھانواز نے رکھی تھی۔

بہار کے چشتیہ جونپور کے بزرگوں سے بھی رابطے میں تھے مثال کے طور پر حسن کے خسر، حسین پورہ، حاجی پورہ، پٹنہ اور خلیفہ باغ (بھاگلپور) کے پیر دمڑیا بزرگان کے جد امجد، عبدالمالک عشری (ضلع سارن، انتقال ۱۵۰۵ء/۹۱۱ھ) جونپور کے محمد عیسیٰ تاج صدیقی کے مرید تھے۔ جونپور کے قطب الدین بنادل (انتقال ۱۵۱۸ء/ ۹۲۵ھ) ناصرف قصبۂ بہار میں محلہ دائرہ کے فضل اللہ گوسائیں کے مذہبی راہنما اور خسر تھے بلکہ بہار میں چشتیہ، قلندریہ، مداریہ اور قادریہ سلسلے کے بزرگوں کی ایک بڑی تعداد کو فیض پہنچانے والوں میں تھے۔

جہاں تک قادریہ سلسلے کا تعلق ہے، یہ بہار میں نسبتاً دیر سے متعارف ہوا۔ پہلی اہم شخصیت جن کے بارے میں ہمیں ان کے ہم عصر ساتھی علی شیر، جو گیا کے سب ڈویژن اورنگ آباد میں کتمبہ (Kutumba) کے مقام پر دفن ہیں، وہ مشہور عبدالقادر جیلانی ؒ (انتقال ۱۱۶۱ء/ ۵۶۱ھ) کے ہم نسب انجھر کے سید محمد تھے۔(۵۵)

بہار میں مداریہ سلسلہ بھی سرگرم تھا، خان پور کے نزدیک خواجہ بدرالدین مکان پور کے مدار کے چار عظیم مرید اور خلفاء میں سے جس نے جب ۱۴۴۰ء میں ان کا انتقال ہوا تو بلخی بزرگ حسین معز کو عوارف میں کچھ اسباق دیئے۔ ایک انتہائی دیندار اور ریاضت کرنے والی شخصیت جمال الدین ہرموذی تھے۔ وہ عام طور سے جمان جتی (پتی) کے نام سے جانے جاتے ہیں اور ہلسہ کے مقام پر گنبد والے مقبرے میں دفن ہیں جو ۱۵۹۳ء/۹۵۰ھ میں جمن مداری (دربھنگہ) نے بنوایا۔ شاہ کنگن دیوانہ بھی جو قصبۂ بہار میں دفن ہیں، شاہ بدر الدین مدار کے مرید تھے۔ مداریہ قلندروں کا عبادات اور ریاضتوں کو ادا کرنے کا اپنا ایک خاص قسم کا طریقہ

تھا، ان میں سے کچھ آگ پر چلتے تھے اور اپنے بازوؤں میں لوہا پہنا کرتے تھے۔

فردوسی سلسلہ قادریہ اور چشتیہ سلسلوں کے بیچ کھڑا ہے جس کے بزرگ سیاست کی طرف سے غیر جانبدار تھے اور شاہی خاندان اور رئیس زادوں، عالی مرتبہ لوگوں سے رابطے میں اعتراض کرتے تھے اور نہ صرف سرکاری سرپرستی میں ہونے والے کسی بھی قسم کے کام، جیسا کہ مہتمم خیرات خانہ کو بلکہ جاگیریں اور دوسری فوائد اور مہربانیاں بھی، جو وہ لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کرتے تھے، کو قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اعلی مرتبہ ان لوگوں کو نقصان نہیں پہنچاتا جو اس کے توڑ کو جانتے ہیں۔ معروف سہروردیہ بزرگ سید جلال بخاری جو کہ مخدوم جہانیاں گشت (اوچ۔سندھ) کے نام سے جانے جاتے ہیں، نہ صرف بہار کے عظیم بزرگوں میں بلکہ شہنشاہ فیروز تغلق اور اس کے لائق وزیر خانِ جہاں مقبول بھی انتہائی بلند و اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ طاقتور صوبیدار جیسا کہ عین الملک اور سندھ کے برطرف حکمرانوں جیسا کہ جام خیرالدین جام اور جان بابینیہ نے ان کی شفعت طلب کی۔ وہ اکثر دہلی آیا کرتے تھے اور غرباء اور ضرورت مندوں کی امداد و اعانت کے سلسلے میں ان کی تجاویز اور سفارشات کو بادشاہ نے ہمیشہ قبول کیا۔(۵۶)

مگر ان کے دوست بہار کے مقبولِ عام بزرگ کے طور طریقے ان سے مختلف تھے۔ ان کے مکتوبات ان خطوط پر مشتمل ہیں جو مختلف شہنشاہوں جیسے محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق، شہزادوں جیسا کہ دوار ملک (Dawar Mulk)، صوبیداروں (Mufarrihul Mulk)، مغرء الملک اور حسام الدین اور سرکاری عہدیداروں اور شرفاء، جن کی تعداد یہاں ذکر کرنے کے لئے بہت زیادہ ہیں کے جوابات لکھے گئے تھے۔ عالم، مولانا مظفر شمس بلخی جنہوں نے بہار کے عظیم بزرگ کا مرید بننے کے لئے دہلی میں خشکی لعل کے مقام پر واقع فیروز شاہ کے عربی کالج میں سے نوکری چھوڑ دی تھی۔ اپنے رنگ ڈھنگ میں اس قدر محتاط تھے کہ تمام

دنیاوی چیزوں سے احتراض کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنی کتابیں بھی خیرات کر دیں۔ ان کے بنگال کے سلطان غیاث الدین کے خط وکتابت کے ذریعے تعلقات تھے۔ سلطان کو لکھے گئے دس خطوط جو یقیناً مذہبی معاملات سے متعلق تھے، ان کے چھوڑے گئے ضخیم کام میں پائے گئے ہیں لہذا یہ بزرگ حکمران اور بااختیار لوگوں سے بیزار نہیں تھے اور ان کے اعلیٰ درجات اور فرائض کی افادیت کو تسلیم کرتے تھے لیکن وہ ان کے سامنے کبھی جھکتے نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ہاتھ سے کچھ قبول کرتے تھے۔ ایک وقت میں بہار کے عظیم بزرگان غربت اور خدا پرستی کے حقیقی معاملات کی مدد اور پاسداری کی سفارش کرتے اور ضرورت مند اور بے یار و مددگار لوگوں کی ضرورتوں کو تسکین دینے کے لئے ذاتی بے آرامی اور امانت برداشت کرنے کے لئے بھی تیار رہتے مگر ان کے پاس اپنے لئے کچھ نہیں ہوتا اور بادشاہوں اور سرکاری عہدیداروں کو اپنی نصیحتوں کے معاملے میں وہ بہت صاف گو ہوتے اور مروت سے کام نہ لیتے۔ یہ بات محمد بن تغلق کے داماد داور ملک کو لکھے گئے ایک خط کے جواب میں واضح ہے۔ جب شہنشاہ محمد بن تغلق کو یہ پتہ چلا کہ بہار کے عظیم بزرگ اول اپنے پیروکاروں کی التجا پر عاجزی کے ساتھ راجگیر کی پہاڑیوں پر سے اتر کر ہر ہفتے پیدل بہار شریف کی طرف سفر کرتے ہیں تو اس نے انہیں بلغاریہ کی جائے نماز تحفے کے طور پر پیش کی اور بہار کے گورنر یا صوبیدار مقطع زین الدین مجد الملک کو یہ حکم دیا کہ وہ خانقاہ کی نگہداشت، جو بہار شریف کے بزرگ کے لئے بنائی تھی، راجگیر میں سے کچھ جاگیر کے طور پر عطا کرے۔ (۵۷) بزرگ یہ جاگیریں قبول نہیں کرتے اور اپنا خطبہ اس دو چھپرہ کے نیچے بیٹھ کر دینے کو فوقیت دیتے ہیں جو نظام الدین مولانے .ن کے ہفتہ وار خطبوں کے لئے اپنے جائز طور سے حاصل کئے گئے پیسے یا مال متروکہ میں سے بنوایا تھا۔ مگر بہر حال انہیں صوبیدار کی ذاتی گزارشات کی طرف نرم ہونا پڑتا ہے جو انہیں یہ بتاتا ہے کہ اگر جابر سلطان کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کی طرف سے کیا ہونے کا خدشہ جیسا کہ مُنیس القطب میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ بات ایک حقیقت نہیں کہ انہیں دہلی کا ایک کٹھن سفر برداشت کرنا پڑا

اور جہاں وہ سلطان کی موت کے بعد پہنچے اور جاگیر کی دستاویز اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق کو لوٹائی -صرف ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ دہلی گئے تھے اور پندرہ سال کے بعد جاگیر فیروز شاہ کو اس وقت لوٹائی جب ۷۵۴ھ میں بنگال جاتے ہوئے وہ بہار میں رکا اور عظیم بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا- یہ گرانقدر معلومات حسن معز بلخی کی مکتوبات میں ملتی ہیں-(۵۸)

شمالی اور جنوبی بہار میں صوفیاؤں کی خانقاہیں تعلیم کو ترقی دینے کا کام کرتی تھیں- ایک مسلمان کا بچہ گھر اور مکتب میں پڑھتا، قرآن کی تلاوت اور حفظ کرنا، صرف ونحو اور تقریر کے قواعد، کچھ مذہبی یا اخلاقی ضابطۂ عمل، بزرگانِ دین کی زندگیوں اور ان کے کچھ طور طریقوں کے بارے میں سیکھتا تھا، وہ جو مسجدوں سے ملحق یا مسجدوں سے نزدیک مدرسوں میں داخلہ لیتے تھے، وہ اپنی اعلیٰ تعلیم جاری رکھتے تھے- (۵۹) یہ مبلغینِ اسلام اولیاء واصفیاء بہار کی پیہم جدوجہد کا ثمر ہے کہ جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء سے شروع ہوا اور آج بھی جاری ہے کہ مسلمانِ بہار ہر عہد میں صاحبِ علم وفضل رہے ہیں-(۶۰)

حواشی باب اول، فصل سوم

۱-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، ص۸۱

۲-ایضاً، ص۸۲

۳-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفا کی نگری، حصہ اول، ص۸۲

۴-شرفا کی نگر، حصہ اول، ص۸۳

۵-ایضاً، ص۴۱

۶-ایضاً، حصہ دوم، ص۲۵۷

۷-ایضاً، حصہ اول، ص۴۱

۸-شاہ فرزند علی صوفی منیری: وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، طبع اول، اکتوبر ۱۹۶۵ء، مطبع سلیمی برق پریس، یحییٰ پور الہ آباد، ص۴۸

/شاہ کبیر الدین احمد: تذکرۃ الکرام، ص۴۷۶

/قاضی سید نور الحسنین: آثار شرف، مطبع قیصری، پٹنہ، ۱۲۸۲ھ، ص۶۶

/مووی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص۹۷

۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفا کی نگری، حصہ اول، ص۴۱

۱۰-ایضاً، ص۴۲

۱۱-بقلم مہر النساء

۱۲-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ وراق، ص۹۲

۱۳-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفی کی نگری، حصہ دل، ص۴۲

۱۴-ایضاً، ص۴۳

۱۵-بقلم مہر النساء

۱۶-شاہ فرزند علی صوفی منیری: وسیلۂ شرف و ذریعۂ دولت، طبع اول ۱۹۶۵ء، ص۱۱

۱۷-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفی کی نگری، حصہ اول، ص۴۵

/مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اہل صادقفور معروف بہ تذکرہ صادقہ، ص۱۶

۱۸-سید قیم الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفا کی نگری، حصہ اول، ص۴۵

۱۹-ایضاً، ص۴۶

۲۰-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اہل صادقفور معروف بہ تذکرہ صادقہ، ص۱۶

۲۱-ایضاً، ص۱۷

۲۲-سید قیام امدین نظامی قادری الفردوسی: شرفا کی نگری، حصہ دوم، ص۲۵۷ تا ۲۵۸

۲۳-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، مرتبہ مئی ۱۹۷۴ء، ص ۹۹

۲۴-ایضاً، ص ۱۰۰

/محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۳۹

۲۵-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۰۰

۲۶-ایضاً، ص ۱۰۱

۲۷-ایضاً، ص ۱۰۰

۲۸-محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیؒ: تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۷۵۸

۲۹-ایضاً، ص ۷۵۱

۳۰-مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۷۵

/اکبر نامہ، ص ۱۲۹/محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، جلد اول، مقالہ دوم، ص ۶۹۴

۳۱-محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیؒ: تاریخ فرشتہ، جلد اول، مقالہ دوم، ص ۶۹۴

۳۲-صاحبزادہ عبدالرسول: تاریخ پاد ہند (چوتھا باب، عہد مغلیہ، حصہ سوم)، ص ۲۹

۳۳-ایضاً، ص ۴۰

۳۴-محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیؒ: تاریخ فرشتہ، جلد اول، مقالہ دوم، ص ۷۰۰

۳۵-ایضاً، ص ۷۰۱

۳۶-ایضاً، ص ۷۰۲

۳۷-ایضاً، ص ۷۰۳

۳۸-ایضاً، ص ۷۰۴

۳۹-ایضاً، ص ۷۰۵

۴۰-ایضاً، ص ۷۰۶

۴۱-ایضاً، ص ۷۰۸

۴۲-ایضاً، ص ۷۰۹

۴۳-محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، جلد اول، مقالہ دوم، ص ۷۱۳

۴۴-خواجہ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری، جلد دوم، ص ۱۰۶

/مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی: تاریخ مگدھ، ص ۱۸۶

۴۵-تاریخ بداؤنی، جلد اول، ص ۳۷۳

۴۶-Comprehensive History of Bihar, P-404

۴۷-Ibid P-404

۴۸-Ibid P-405

۴۹-Ibid P-407

۵۰- Ibid P-408

۵۱- Ibid P-409

۵۲- Ibid P-410

۵۳- Ibid P-411

۵۴- Ibid P-412

۵۵- Ibid P-413

۵۶- Ibid P-414

۵۷- Ibid P-415

۵۸- Ibid P-416

۵۹- Ibid P-430

۶۰- سیدابوہریرہ وراثت رسول ہاشمی: سلسلۂ اشرف الانساب، ص ۱۰۲

نوٹ:- اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کے معروف دینی مدارس کو ملاحظہ کیجئے۔

باب اوّل

فصل چہارم، حصہ (الف)

بہار کے معروف دینی مدارس

تعلیم کی تعریف:

لفظ تعلیم علم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''جاننا''، ''واقف ہونا'' یا آگاہ ہونا لیا جاتا ہے اور یہ لفظ علم دینے اور علم لینے دونوں کے زمروں میں آتا ہے۔(۱)

اسلام میں تعلیم کی اہمیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔عرب جاہل تھے اور اس جاہلیت پر انہیں فخر تھا۔اسلام نے تعلیم کی وجہ سے افراد کو توحید پرست، بااخلاق، مہذب اور امن پسند بنایا ہے۔آپؐ نے اسی لئے تعلیم پر زور دیا اور علمِ حقیقی کو دینی و دنیوی کامرانیوں کا وسیلہ قرار دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی اہمیت پر زور دینے کے ساتھ علم پر اجارہ داری کو ختم کیا۔اسلام سے قبل بعض مذہبوں میں چند مخصوص طبقے ہی علم حاصل کر سکتے تھے مثلاً ہندوؤں میں صرف برہمن ہی علم حاصل کر سکتے تھے باقی لوگوں کے لئے از روئے قانون علم حاصل کرنا منع تھا، اسی طرح یہودی احبار اور عیسائی رہبان بھی علم کے خزانے پر سانپ بنے بیٹھے تھے۔(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برہمنیت کو ختم کر دیا اور علم کا دروازہ نہ صرف کھول دیا بلکہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض کر دیا۔یہ ایک انقلابی قدم تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان غلاموں تک میں بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے اور مسلم خواتین بھی حصولِ علم میں مردوں پر برابری کرنے لگیں۔یہ حقیقتاً ایک عظیم انقلابی قدم تھا اور اس کی مثال دنیائے علم میں کہیں نہیں ملتی۔(۳)

تعلیم کی اہمیت قرآن پاک کی روشنی میں:

۱-قرآن کی پہلی وحی ہی علم سے متعلق ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اقراء باسم ربک الذی خلق-

ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا-''

گویا اسلام نے ابتداء ہی پڑھنے پڑھانے سے کی اور اس طرح اقراء سے تعلیم کی اہمیت واضح ہوگئی-(۴)

۲-اہلِ علم کے درجات بلند ہوں گے:

یرفع اللّٰہ والذین امنوا منکم و الذین او تو العلم درجت-

(سورۃ المجادلہ،۱۱)

ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ ایمان کی دولت سے بہرور ہوئے اور جن کو علم کی نعمت سے نوازا گیا، خدائے پاک ان کے درجات بلند فرمائے گا-''(۵)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون-(سورۃ زمر، آیت نمبر۹)

ترجمہ: ''کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا، تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت-''

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ:

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمؤ-(سورۃ فاطر، آیت نمبر۲۸)

ترجمہ: ''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں-''(۶)

علم کی اہمیت احادیث نبویؐ کی روشنی میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱- ''جو شخص علم کے بارے میں بات چیت کرتا ہے گویا وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے-''

۲- ''جو علم کی اشاعت کرتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو علم کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے-''

۳- ''جس نے ایک عالم کی عزت کی اس نے ستر نبیوں کی عزت کی اور جس نے ایک طالب علم کی توقیر کی اس نے ستر شہیدوں کی توقیر کی-''

۴- ''علم نیکی اور بدی میں تمیز سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے کے لئے روشنی کا کام دیتا ہے-''

۵- ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے-'' (بخاری شریف)

۶- ''میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہوگا جو علم کو سیکھے اور پھیلائے-'' (۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۷- ''عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر-'' (مشکوٰۃ شریف)

۸- ''اگر طالب علم کو علم کی تلاش میں موت آ جائے تو وہ شہید ہے-'' (جامع بیان العلم)

۹- ''علماء انبیاء کے وارث ہیں- انبیاء نے درہم و دینار کا نہیں علم کا ورثہ چھوڑا ہے-'' (مشکوٰۃ شریف)

۱۰- ''مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے-'' (مشکوٰۃ شریف) (۸)

بہار میں تعلیم:

بہار اسلامی عہد سے پہلے اپنی تعلیمی ترقیوں میں شہرتِ عام رکھتا تھا جس کے حالات دہرانے کی ضرورت نہیں- پھر مسلمانوں نے یہاں سینکڑوں مدرسے بنائے اور ہر امیر وقت کی یہ شان تھی کہ وہ تعلیم گاہوں کی مدد کو اپنا فرض سمجھتا تھا- علماء مسجدوں کے حلقوں میں مدارس بناتے تھے، وہ لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے اور مدارس کے اخراجات کا سامان یوں ہوتا تھا کہ کسی امیر نے کسی مدرسہ کی سرپرستی اختیار کر لی اور کسی دوسرے امیر نے کسی دوسرے مدرسے کی- پرانے شہروں میں ان کے نشانات آج بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں-(۹)

بہار کے تعلیمی اور علمی ادارے:

انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ضلع پٹنہ کی تعلیمی حالت یہ تھی کہ کسی تعلیم گاہ عامہ کا یہاں وجود بھی نہ تھا- یا تو گروہ یا کچھ مولوی امراء رؤسا کی طرف سے معین تھے جو پنڈے یا مکتبوں میں غریبوں کو تعلیم دیا کرتے تھے- یہاں کی عدالتوں کی زبان فارسی تھی اور ہندوؤں کو بھی ابتدائی تعلیم فارسی کی دی جاتی تھی- حساب وکتاب بھی فارسی میں لکھا جاتا تھا اور یہ کام اکثر کا سیتھون کے سپرد تھا-

جو لوگ فارسی میں خط وکتابت کر سکتے تھے ان کا لقب منشی تھا اور وہ اکثر خوشخط ہوتے تھے- علماء کا کام فارسی سے لے کر عربی تک پڑھانا تھا جو اکثر نوجوانوں کو تعلیم دیا کرتے تھے- اس زمانے میں تقریباً بیس ہزار آدمی ضلع میں پڑھے لکھے تھے- مستورات کی تعیم اکثر چار دیواری کے اندر ہوا کرتی تھی-(۱۰) اور پردے کی وجہ سے غیر قوموں سے ان کی تعلیم کا موازنہ کرنا قریب محال تھا، لیکن ان کی لکھی ہوئی قلمی کتابیں بہت سے پرانے کمروں میں آج بھی پائی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ پڑھی لکھی بیبیاں کم ہوتی تھیں لیکن ان میں قابل ہوتی تھیں-(۱)

(۱) نالندہ یونیورسٹی (۲) ملت ڈگری کالج دربھنگہ ۳- میڈیکل کالج دربھنگہ (۴) یونیورسٹی آف متھلا دربھنگہ (۵-) یونیورسٹی آف بہار مظفر پور (۶) بی این کالج پٹنہ (۷) چندردھاری متھلا کالج (۸) سی ایم کالج دربھنگہ (۹) کریم سٹی کالج جمشید پور (۱۰) صداقت آشرم کالج پٹنہ (۱۱) راج ہائی انگلش اسکول دربھنگہ (۱۲) شفیع مسلم ہائی اسکول لہریاسرائے (۱۳) مڈل اسکول پٹنہ (۱۴) جنتا ہائی اسکول (۱۵) جامعہ حمیدیہ شرقیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ (۱۶) مدرسہ محمدیہ (محمد پور) (۱۷) مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ (۱۸) مدرسہ خادم العلوم سمپلور (۱۹) مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ (۲۰) مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (۲۱) درسگاہِ اسلامی واقع اسلام نگر (۲۲) مدرسہ رحمانیہ سپول دربھنگہ (۲۳) مدرسہ مسجد سنگی (۲۴) مدرسہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریاسرائے (۲۵) مدرسہ تنظیمیہ بارا، عیدگاہ پورینہ (۲۶) مدرسہ نعمانیہ ڈومریا (۲۷) مدرسہ محمدیہ استھانواں ضلع نالندہ (۲۸) مدرسہ اشرف العلوم کنہواں (۲۹) مدرسہ محمود العلوم، دمہ ضلع دربھنگہ (۳۰) مدرسہ مدنی مظفر پور (۳۱)- مدرسہ فیض الغرباء (۳۲) مدرسہ عزیزیہ بہار شریف (۳۳) مدرسہ محبت اسلام آبگلہ (گیا) (۳۴) مدرسہ اسلامیہ مبارک پور اعظم گڑھ (۳۵) مدرسہ قادریہ دیوہ شریف بارہ بنکی (۳۶) مدرسہ جامع العلوم مظفر پور (۳۷) مدرسہ رحیمیہ (گیا) (۳۸) مدرسہ نعمانیہ پورینی (۳۹) مدرسہ اصلاحِ المسلمین (کریم گنج) جھٹکی وبکھروا- ضلع سیتامڑھی (۴۰) مدرسہ احمدیہ دربھنگہ (۴۱) مدرسہ دارالعلوم حنفیہ (بخشی محلّہ پٹنہ) (۴۲) مدرسہ سیف خان عظیم آباد (۴۳) مدرسہ مشرقیہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ (۴۴) مدرسہ فیض العلوم مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ (۴۵) مدرسہ الٰہیات کانپور (۴۶) مدرسہ اسلامیہ تھانہ مسجد باڑھ ضلع پٹنہ (۴۷) مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام (۴۸) مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد (سیتامڑھی) (۴۹) مدرسہ اسلامیہ چوڑاسی (۵۰) جناح کالج ایشرڈی ضلع پٹنہ (۵۱) نیشنل اسکول (گیا) (۵۲) صاحب گنج ہائی اسکول (گیا) (۵۳) پرائمری اسکول بورھا (۵۴) پرائمری اسکول ڈھینگ برگنیاں ۵۵- اردو مڈل اسکول اورائی (۵۶) محمڈن اینگلو عربک

اسکول عظیم آباد (۳۱۴) (۵۷) پٹنہ گورنمنٹ کالجیئٹ اسکول (۵۸) گورنمنٹ ٹمپل اسکول (۵۹) مدرسہ اشرفیہ نظامیہ، نرسند پوسٹ ہسپورہ، ضلع اورنگ آباد، بہار (۶۰) مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد، اورنگ آباد، بہار، ۸۲۴۱۰۲- (۶۱) مدرسہ بدر الاسلام، مونگیری گنج، ضلع بیگو سرائے بہار، ۸۵۱۱۰۱- (۶۲) مدرسہ اشرفیہ نظامیہ فتح پور، سبور، ضلع بھاگلپور، بہار (۶۳) مدرسہ اسلامیہ ضیاء العلوم گرہونیہ پوسٹ پتھنہ، وایا سبور، ضلع بھاگلپور، بہار (۶۴) مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ، مقام و پوسٹ پتھنہ، وایا سبور، ضلع بھاگلپور، بہار (۶۵) مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم، ماچھی پور، ضلع بھاگلپور، بہار (۶۶) مدرسہ اصلاح المسلمین دارالبنات، چمپا نگر، ضلع بھاگلپور، بہار (۶۷) مدرسہ اصلاح المسلمین (طلبہ) چمپا نگر، بھاگلپور، بہار (۶۸) مدرسہ امدادیہ عربیہ، شاہ کنڈ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۲۱۵۸- (۶۹) مدرسہ محمودیہ سمریہ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۱۲۹- (۷۰) مدرسہ عربیہ احیاء العلوم، ناتھ نگر، بھاگلپور، بہار (۷۱) مدرسہ سلیمانیہ، سنولا ہاٹ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۲۲۵- (۷۲) مدرسہ جامعہ محمدیہ عربیہ، محلّہ شاہ جنگی، بھاگلپور، بہار ۸۱۲۰۰۲- (۷۳) مدرسہ دارالسلام سکٹا، مقام و پوسٹ سکٹا، ضلع مغربی چمپارن، بہار ۸۴۵۳۰۷- (۷۴) مدرسہ منظر العلوم، مقام پرسہ، ڈاکخانہ مرجدوا، وایا میناٹانڈ، ضلع مغربی چمپارن، بہار (۷۵) مدرسہ ریاض العلوم، مقام و پوسٹ ساٹھی، ضلع مغربی چمپارن، بہار (۷۶) مدرسہ منظر الاسلام، مقام و پوسٹ پرسا، ضلع مغربی چمپارن، بہار (۷۷) مدرسہ اسلامیہ مقاصد العلوم جونیروا، پوسٹ جونیروا، وایا سمرا اسٹیشن، مشرقی چمپارن، بہار (۷۸) مدرسہ دارالسلام، سسوا، ملڈھیہ، ہرسڈھی، مشرقی چمپارن، بہار (۷۹) مدرسہ روضۃ العلوم پکہٹی، ڈاکخانہ اسڈھرا، دیارام گڑھوا، مشرقی چمپارن، بہار (۸۰) مدرسہ منبع العلوم، مادھو پور، وایا چریا بازار، مشرقی چمپارن، بہار (۸۱) مدرسہ اسلامیہ مادھو پور، مدھو مالت، پوسٹ ترکولیا، مشرقی چمپارن، بہار (۸۲) مدرسہ اسلامیہ عربیہ کونڈر، ڈاکخانہ ڈھکان کسریا، مشرقی چمپارن، بہار (۸۳) مدرسہ نظامیہ دارالبنات سسوا، مال ڈھیہ، ہر سڈھیہ، مشرقی چمپارن، بہار

(۸۴) مدرسہ مرکزی دارالعلوم دو ڈھائی ہرسڈھیہ، مشرقی چمپارن، بہار (۸۵) مدرسہ وکیلیہ ،سنگرام پور، مشرقی چمپارن، بہار (۸۶) مدرسہ کریمیہ، ڈھاکہ، مشرقی چمپارن، بہار۸۴۵۴۱۸- (۸۷) مدرسہ فیض العلوم، مقام وپوسٹ سگولی، مشرقی چمپارن، بہار۸۴۵۴۵۶- (۸۸) مدرسہ اسلامیہ، مقام و پوسٹ دریاپور، مشرقی چمپارن، بہار، ۸۴۵۴۱- (۸۹) مدرسہ حیدریہ، کلیان پور، وایا دریا پور، مشرقی چمپارن، بہار (۹۰) مدرسہ اسلامیہ، گروںڈی، عدل ہاٹ، ضلع مرزاپور، یوپی-۲۳۱۳۰۲- (۹۱) مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ، مقام رسول پور، پوسٹ سگر دینا، وایا ڈھاکہ، ضلع شرقی مشرقی چمپارن، بہار (۹۲) مدرسہ اسلامیہ انجمن رفاہ المسلمین، رام پور بیریا، پوسٹ بیریا، وایا کسریا، مشرقی چمپارن، بہار۸۴۵۴۲۴- (۹۳) مرکز العلوم الاسلامیہ، مقام و پوسٹ چندن بارہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار۸۴۵۳۱۲- (۹۴) مدرسہ نظامیہ، دراور پور، کلیان پور، وایا دریا پور، مشرقی چمپارن، بہار (۹۵) مدرسہ انجمن اسلامیہ، رائے ٹولہ دربیہا، ادے راج، مشرقی چمپارن، بہار (۹۶) مدرسہ خیر العلوم، بڑا بریاپور، موتیہاری، مشرقی چمپارن، بہار (۹۷) جامعہ اسلامیہ نینا، پوسٹ کوچا دھامن، وایا سونتھا، ضلع پورنیہ، بہار (۹۸) مدرسہ دارالعلوم رحمانی، اریہ، ضلع پورنیہ، بہار (۹۹) مدرسہ عثمانیہ، مقام وپوسٹ، پُھلکا، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۰) مدرسہ فیاض المسلمین، بائسی بازار، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۱) مدرسہ مصباح العلوم، سواندہ مجھوا، کھنھیلی، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۲) مدرسہ مفتاح العلوم، گلاب باغ، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۳) مدرسہ اشاعت العلوم، امور، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۴) مدرسۃ الحسنہ، حسن آباد، پوسٹ پدم پور، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۵) مدرسہ محمودیہ، جوگبنی، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۶) مدرسہ رحمانیہ، نئی ہاٹ، سونتھار، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۷) مدرسہ حفاظت الاسلام، کانئی باری ہاٹ، وایا کشن گنج، ضلع پورنیہ، بہار (۱۰۸) مدرسہ دینی بنیادی تعلیم گاہ، سبزی باغ، ضلع پٹنہ، بہار، (۱۰۹) مدرسہ احسن العلوم، کنڈ محلہ، ڈالٹین گنج، ضلع پلاموں، بہار۸۲۲۱۰۱- (۱۱۰) مدرسہ خیر العلوم، مقام چندوا (نوری) پوسٹ چندوا، ضلع پلاموں، بہار۸۲۹۲۰۳-

(۱۱۱)مدرسہ بیت العلوم،کوڑہانس، پوسٹ، کیا، وایالاتہار، ضلع پلاموں، بہار۸۲۹۲۰۶- (۱۱۲)مدرسہ محمدیہ، محلہ اوپر کلہتی جھریا، ضلع دھنباد، بہار (۱۱۳)مدرسہ اہلسنت عالیہ قادریہ، شمشیر نگر واسع پور، ضلع دھنباد، بہار (۱۱۴)مدرسہ یتیم خانہ، نیا بازار، ضلع دھنباد، بہار (۱۱۵)دارالعلوم اہلسنت اشاعت اسلام، جامع مسجد جھریا، ضلع دھنباد، بہار (۱۱۶)مدرسہ اسلامیہ، مدھوپور، ضلع دیوگھر، بہار (۱۱۷)جامعہ رحمانیہ، محلہ پتھر چپٹی، مدھوپور، ضلع دیوگھر، بہار (۱۱۸)مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۱۹)دارالعلوم سلفیہ، لہریا سرائے، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۰) جامعہ احمد العلوم، مقام پوسٹ جھگر وا، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۱)مدرسہ بیت العلوم، دیگھیار، پوسٹ سمیلا لال گنج، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۲)مدرسہ حسینیہ تعلیم القرآن، حیا گھاٹ بلاسپور، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۳)مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ مقام و پوسٹ دوگھرا، وایا جالہ، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۴)مدرسہ اشرفیہ عربیہ، مقام و پوسٹ پوہدی بیلا، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۵)مدرسہ مدینۃ العلوم، مقام و پوسٹ بھرداوہ، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۶)مدرسہ ضیاء الاسلام، جاوارہ، وایا کیوٹی رنوے، ضلع دربھنگہ، بہار (۱۲۷)مدرسہ اسلامیہ اپر بازار، ضلع رانچی، بہار (۱۲۸)مدرسہ دارالعلوم اسلام نگر، پوسٹ پوریو، وایا برامبے، ضلع رانچی، بہار (۱۲۹)مدرسہ عالیہ عربیہ کانکے، پترا ٹولی، ضع رانچی، بہار (۱۳۰)مدرسہ دارالعلوم خیریہ نظامیہ، محلہ بارہ دری سہسرام، ضلع روہتاس، بہار۸۲۱۱۵- (۱۳۱)مدرسہ ریاض العلوم، رام گڑھ، ضلع روہتاس، بہار (۱۳۲)مدرسہ عربیہ بھبھواں، وارڈ نمبر۸، مقام بھبھواں، ضلع روہتاس، بہار (۱۳۳)مدرسہ عین ارشید کوچس، ضلع روہتاس، بہار۸۲۱۱۱۲- (۱۳۴)مدرسہ نیازیہ نظامیہ، اکبر پور، ضلع روہتاس، بہار۹۲۱۳۱۱- (۱۳۵)مدرسہ روح المسلمین، ضلع روہتاس، بہار۸۲۱۳۰- (۱۳۶)مدرسہ معین الغرباء، ناصری گنج، ضلع روہتاس، بہار۸۲۱۳۱۰- (۱۳۷)مدرسہ حمیدیہ، گودنہ، پوسٹ ریول گنج، ضلع سارن (چھپرہ) بہار (۱۳۸)مدرسہ وارث العلوم، محلہ نئی بازار، پوسٹ چھپرا، صدر، ضلع سارن (چھپرہ) بہار۸۴۱۳۰۱-

(۱۳۹) مدرسہ ضیاء الاسلام، خانپور، بیشن پور راج، ضلع سنتھال پرگنہ، بہار (۱۴۰) مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ، دودھائی، دمکا، ضلع سنتھال پرگنہ، بہار (۱۴۱) مدرسہ تاج العلوم، کرمہ پتھرا گاؤں، ضلع سنتھال پرگنہ، بہار (۱۴۲) مدرسہ حسینیہ، منشی محلہ، مانگو، جمشید پور، سنگھ بھوم، بہار (۱۴۳) جامعہ رشیدیہ، آزادنگر، ضلع سنگھ بھوم، بہار (۱۴۴) مدرسہ رحمانیہ، مہول، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۴۵) مدرسہ اسلامیہ، مقام رامپور، پوسٹ گاڑھا، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۰- (۱۴۶) جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور، پوسٹ اگلوٹی، وایا، برھروا، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۴۷) جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، بالا ساتھ، وایا رائے پور، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۶- (۱۴۸) الجامعۃ العربیہ اشرف العلوم، مقام و پوسٹ کنہواں، وایا پریہار، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۴۹) جامعہ اسلامیہ آواپور، مقام و پوسٹ آواپور، وایا باجپٹی، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۱۴- (۱۵۰) مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد، محلہ کوٹ بازار، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۰۱- (۱۵۱) مدرسہ اسلامیہ فلاح المسلمین، مقام و پوسٹ شیوہر، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۹- (۱۵۲) مدرسہ نعیمیہ عزیزیہ، ٹھکہا، پوسٹ مجھور، وایا نانپور، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۵۳) مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، رامپور کیشو داؤ دنگر، تھانہ شیام پور، پوسٹ پھلکاہاں، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۵۴) الجامعۃ الاحمدیۃ السلفیہ، بیرا گینیا، ضلع سیتا مڑھی، بہار (۱۵۵) مدرسہ رحمانیہ، مقام و پوسٹ اندولی، وایا پریہار، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۴- (۱۵۶) مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، قصبہ ہری ہانس، ضلع سیوان، بہار (۱۵۷) جامعہ شمسیہ تیغیہ، بڑھریا، ضلع سیوان، بہار (۱۵۸) جامعہ عربیہ سراج العلوم، تیل ہٹہ بازار، ضلع سیوان، بہار ۸۴۱۲۲۶- (۱۵۹) مدرسہ اسلامیہ محی العلوم (جدید نام) غوث الوریٰ عربک کالج، شکل ٹولی، ضلع سیوان، بہار ۸۴۱۲۲۶- (۱۶۰) مدرسہ علیمیہ، شاہ پور، پوسٹ سکرا، ضلع سیوان، بہار (۱۶۱) مدرسہ ہاشمیہ، برترا، ژملی، ہرڑھا، بلو بازار، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۲) مدرسہ محمدیہ، سوپول کھڑیں، پوسٹ سوپول، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۳) مدرسہ اسلامیہ محمودیہ، مبارک پور، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۴) مدرسہ فیض العلوم

یتیم خانہ، سہرسا پورب، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۵) مدرسہ انوار العلوم، بھلاہی مہتی، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۶) مدرسہ اسلامیہ عربیہ اشرفیہ، تریانواں سیمری بختیار پور، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۷) مدرسہ ہاشمیہ، برمترا خاص، بلو بازار، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۸) مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم، سپنھا، نواباگھر، کشن پور، ضلع سہرسا، بہار (۱۶۹) مدرسہ فیض عالم رحمانی، چین سنگھ پٹی، سوپول، ضلع سہرسا، بہار (۱۷۰) مدرسہ اسلامیہ، شاہ پور بگھونی، ضلع سمتی پور، بہار (۱۷۱) مدرسہ ضیاء العلوم، مقام رامپور راہوا، پوسٹ وارث نگر، ضلع سمتی پور، بہار (۱۷۲) مدرسہ خیر العلوم، مقام بردونی پوسٹ بروہی، وایا بتھان، ضلع سمتی پور، بہار ۸۴۸۲۰۷- (۱۷۳) مدرسہ عزیزیہ، مقام و پوسٹ رحیم آباد، وایا تاجپور، ضلع سمتی پور، بہار ۸۴۸۱۳۰- (۱۷۴) مدرسہ جامعہ اسلامیہ سلفیہ، عبداللہ پور، پوسٹ اگلوٹی، وایا برھردا، ضلع صاحب گنج، بہار ۸۱۶۱۰۱- (۱۷۵) مدرسہ اسلامیہ سلفیہ، عبداللہ پور، پوسٹ اگلوٹی، ضلع صاحب گنج، بہار (۱۷۶) مدرسہ فیض الرشید، سیٹی، ضلع گملا، بہار ۸۳۵۲۲۴- (۱۷۷) مدرسہ اسلامیہ تجوید القرآن، مقام و پوسٹ سمڈیگا گملا، بہار ۸۳۵۲۲۳- (۱۷۸) مدرسہ ضیاء العلوم، بودھ گیا- ضلع گیا، بہار ۸۲۹۲۳۱- (۱۷۹) مدرسہ محمودیہ، محمود نگر شیر گھاٹی، ضلع گیا، بہار ۸۲۴۲۱۱- (۱۸۰) جامعہ اسلامیہ، محلہ کریم گنج، ضلع گیا، بہار ۸۲۳۰۰۱- (۱۸۱) مدرسہ امداد العلوم گمہری، مقام و پوسٹ فتح پور، ضلع گیا، بہار (۱۸۲) مدرسہ انوار العلوم، معروف گنج، ضلع گیا، بہار (۱۸۳) مدرسہ قاسمیہ، ضلع گیا، بہار ۹۲۳۰۰۱- (۱۸۴) مدرسہ حسینیہ تجوید القرآن، دگھی، وایہ رکچاری، ضلع گڈا، سنتھال پرگنہ، بہار (۱۸۵) جامعہ اسلامیہ یوسفیہ منکڈیہا، اہلیا پور، ضلع گریڈیہ، بہار (۱۸۶) مدرسہ اسلامیہ، گوپال گنج، بہار ۸۴۱۴۲۸- (۱۸۷) مدرسہ اسلامیہ احسانیہ، سمرا، پوسٹ تھاوے، ضلع گوپال گنج، بہار ۸۴۱۴۴- (۱۸۸) مدرسہ اسلامیہ جامعہ العلوم، چند وارہ، ضلع مظفر پور، بہار ۸۴۲۰۰۱- (۱۸۹) مدرسہ دار التکمیل، قربان روڈ، چندوارہ، ضلع مظفر پور، بہار ۸۴۲۰۰۱- (۱۹۰) مدرسہ فیض الکریم، فاتحان، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۱) مدرسہ اسلامیہ عربک کالج، برھم

پور، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۲) مدرسہ مصباح المسلمین، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۳) مدرسہ انوار العلوم، دامودر پور، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۴) مدرسہ تیغیہ، انوار العلوم، ماڑھی پور، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۵) مدرسہ رفیقیہ، رائتی پکھیاں، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۶) مدرسہ سعیدیہ، تلبتا، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۷) مدرسہ غوثیہ، غوث منزل برہمپورہ، ضلع مظفر پور، بہار (۱۹۸) المدرستہ الاسلامیہ، راگھونگر بھوراہ، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۷۲۱۲- (۱۹۹) مدرسہ فلاح المسلمین، گواپوکھر، بھوارہ، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۰) مدرسہ حسینیہ دار العلوم، مقام پرڈہی تیپونا، پوسٹ پرڈہی، وایا کیوٹی رنوے، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۱) مدرسہ المعہد الاسلامی، مقام و پوسٹ امگاؤں، وایا باسوپٹی، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۷۲۲۵- (۲۰۲) مدرسہ قدریہ، مقام و پوسٹ شکری، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۳) مدرسہ معہد المسلمات، نور گنج بھوارہ، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۴) مدرسہ عارفیہ سنگرام، پوسٹ ٹلاپٹ گنج، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۵) مدرسہ محمدیہ عربیہ رہیکا، مقام و پوسٹ رہیکا، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۷۲۳۹- (۲۰۶) مدرسہ فیض الغرباء، مقام و پوسٹ اجرا دایا ریام، فیکٹری، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۷) مدرسہ محمدیہ، اونسی بچلاٹولہ، پوسٹ اونسی بھبنگواں، وایہ کیوٹی، رنوے، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۰۸) مدرسہ دار العلوم رشیدیہ، پپرون پرسا، مقام و پوسٹ پپرون، وایا سوپٹی، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۳۲۲۵- (۲۰۹) مدرسہ اشرف العلوم، مقام و پوسٹ پرسونی، وایہ بینی پٹی، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۷۲۲۳- (۲۱۰) مدرسہ اصلاح المومنین، بھوارہ راگھونگر، ضلع مدھوبنی، بہار (۲۱۱) مدرسہ کاشف العلوم، ٹہوا، بلیاڈیہ، وایا، جھاجھا، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۲) مدرسہ اسلامیہ عربیہ، امرتھ شریف، ضلع مونگیر، بہار ۸۱۱۳۰۷- (۲۱۳) مدرسہ روح العلوم، اسلام نگر گڑھی، وایا کھیرا، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۴) مدرسہ اسلامیہ نیما رنگ، بھچیا جموئی، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۵) مدرسہ اشرفیہ رضویہ، محلہ سوڑی جموئی، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۶) مدرسہ اصلاح المسلمین، چکمسکن، پوسٹ، سورجگڑھا، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۷) مدرسہ عین العلوم، جھاجھا، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۸) مدرسہ جامعہ

ریاض العلوم، اڈسار، وایا جموئی، ضلع مونگیر، بہار (۲۱۹) مدرسہ دارالقرآن علیمیہ، مخدوم پور ڈانٹر، پوسٹ اسلام نگر، وایا علی گنج، ضلع مونگیر، بہار (۲۲۰) مدرسہ قومیہ شیخانہ، بہار شریف، ضلع نالندہ، بہار (۲۲۱) مدرسہ مصباح العلوم، جوگا چک، گوا کول، ضلع نوادہ، بہار (۲۲۲) مدرسہ مفتاح العلوم، پکری برانواں، ضلع نوادہ، بہار (۲۲۳) مدرسہ دارالعلوم دعوت اسلامیہ، مقام، اسلام گنج جمڑیا، پوسٹ مسلم نگر آرھا، ضلع نوادہ، بہار (۲۲۴) مدرسہ اسلامیہ بہادر پور، مقام چکنوٹہ، پوسٹ درگاہ بیلا، ضلع ویشالی، بہار (۲۲۵) مدرسہ اسلامیہ، اماموری، پوسٹ کومار بار ید پور، ضلع ویشالی، بہار (۲۲۶) مدرسہ احمدیہ، ابا بکر پور، ضلع ویشالی، بہار ۸۴۴۱۲۲- (۲۲۷) جامع رشید العلوم، مقام و پوسٹ چترا، ضلع ہزاری باغ، بہار (۲۲۸) رحمت العلوم، وادی عرفاں چترا، ضلع ہزاری باغ، بہار ۸۲۵۹۰۱- (۲۲۹) ادارۂ تحقیقات اردو، پٹنہ (۲۳۰) ابو الکلام اکادمی، پٹنہ (۲۳۱) انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز، پٹنہ (۲۳۲) ابوالکلام اکیڈمی جمشید پور، بہار (۱۲)

بہار کے اہم مدارس کا مختصر جائزہ:

مدرسہ اصلاحیہ، داؤ دنگر، ضلع اورنگ آباد، بہار ۸۲۴۱۱۳، پس منظر: ۱۹۵۸ء میں حافظ قاری جناب اسماعیل صاحب کی سعیِ پیہم کے نتیجہ میں مدرسہ قائم ہوا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی ایسی تعلیم گاہ نہ تھی جہاں بچے صحیح تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں۔ طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰، موجودہ ۳۵۰۔ اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ا، موجودہ ۸۔ نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع علومِ عصری۔ انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ کے زیر انتظام۔ مکان کی سہولتیں: کل رقبہ ایک کٹھ، دو منزلہ عمارت، ۱۳ کمرے۔ قیام و طعام: ۴۰ طلباء کے قیام و طعام و وظیفہ اور درسی کتب کی فراہمی مدرسہ کرتا ہے۔ ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔ (۲)

مدرسہ اشرافیہ نظامیہ نرسند، پوسٹ ہسپورہ، ضلع اورنگ آباد، بہار۔ پس منظر: ۱۹۵۶ء میں ملت کے بہی خواہ حضرات کی مسلسل کوشش اور انتھک جدوجہد کے نتیجہ میں یہ مدرسہ قائم ہوا تا کہ علاقہ کے مسلم بچوں بچیوں

کی صحیح تعلیم و تربیت ہو سکے اور دور دراز کے طلباء بھی مستفیض ہوں- طلباء کی تعداد: ابتداء میں۸۰،
موجودہ ۲۴۸- اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں۲، موجودہ ۸- نصابِ تعلیم: درسِ نظام مع علوم عصریہ- انتظامی
حیثیت: مجلسِ منتظمہ کے زیرِ نگرانی-تعمیر و مکان: تعمیر شدہ مکان کا رقبہ ۱۳۰ فٹ لمبائی، ۴۰ فٹ چوڑائی ہے، دو
منزلہ خام اور پختہ حسبِ ترتیب بالا ہے اور زیرِ تعمیر دو منزلہ عمارت رقبہ ۶۳ فٹ، لمبائی ۱۳ فٹ چوڑائی، کل
کمروں کی تعداد ۱۳ جو مکمل ہیں- قیام و طعام: ۴۰ طلباء دارالعلوم میں مقیم ہیں جن کے طعام و درسی کتب کی
فراہمی مدرسہ کی جانب سے ہے- ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۴)

مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد- اورنگ آباد، بہار ۸۲۴۱۰۲- پس منظر: ۱۹۱۵ء میں جناب عبدالصمد
صاحب، ایس ڈی او اورنگ آباد مرحوم نے اورنگ آباد کے اطراف و جوانب میں تعلیمِ دین کی کمی کی شدت کو
محسوس کیا اور اہلِ خیر حضرات کے تعاون سے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی تا کہ مسلم عوام کے بچے علومِ شرعیہ سے
مستفید ہوں اور دوسروں کو دینِ اسلام کی صحیح دعوت دیں- طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰، موجودہ تحتانیہ تا
فوقانیہ، ۸۰۰ اور مولوی و عالم ۲۰۰ طلبہ و طالبات، کل ۱۰۰۰- اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵، موجودہ ۲۵-
نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا مجوزہ نصابِ تعلیم، درجۂ عالمیت تک کی تعلیم دی جاتی ہے-(۱۵)
انتظامیہ حیثیت: خودمختار، مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ماتحت-تعمیر و مکان: تعمیر شدہ رقبہ ایک
ایکڑ، غیر تعمیر شدہ رقبہ ایک ایکڑ، ۳۰ ڈسمل، ۳۲ کمرے- قیام و طعام: ۴۰ طلباء کو قیام و طعام اور درسی کتب کی
فراہمی مدرسہ کرتا ہے- ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، فیس، تاجروں کا تعاون، سرکاری وظفیہ، ۱۱۵ اسٹاف کی تنخواہ
کے طور پر، اوقاف کی جائیداد ہے-(۶)

مدرسہ بدرالاسلام- مونگیری گنج ضلع بیگوسرائے، بہار ۸۵۱۱۰۱- پس منظر: ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر امجد علی
مرحوم و حکیم سراج الدین صاحبؒ و مولوی محمد یوسف صاحبؒ اور دیگر مجاہدینِ آزادی و علمائے دین کی تحریکِ

اسلامی کے جذبہ سے سرشار ہو کر بیگو سرائے کے صاحبِ فکر ونظر افراد نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی-طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰، موجودہ ۲۴۰، درجہ عالمیت-اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۰- انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیرِ نگرانی- مکان کی سہولتیں: تعمیر شدہ رقبہ چھ کٹھ، غیر تعمیر شدہ ۳ کٹھ، ۲۳ کمرے- قیام وطعام: ۹۵ طلباء کے لئے قیام وطعام اور درسی کتب کی سہولت- ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ اور بذریعہ فیس ۵۰۰، اساتذہ کی تنخواہ کے طور پر سرکاری وظیفہ-(۱۷)

مدرسہ اشرفیہ نظامیہ-فتح پور، سبور، ضلع بھاگلپور، بہار- پس منظر: ۱۹۰۷ء میں بانی مدرسہ مولانا سید احمد حسن صاحب کچھوچھوی کی زیرِ قیادت دینی تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا- طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۲۲۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۲ موجودہ ۱۴، نصابِ تعلیم: درجہ ''عالم'' تک کی تعلیم بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے نصاب کے مطابق دی جاتی ہے، باوجود اس کے ''قرآن'' کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: سماجی مشاورت ومعاونت، الحاق شدہ، تعمیر ومکان: درسگاہ کے لئے دو منزلہ عمارت جس میں ۱۸ کمرے ہیں اور دارالاقامہ کی شکل میں ٦ کمرے الگ ہیں، مدرسہ کا ۱۵ کٹھ کا رقبہ ہے، قیام وطعام: مدرسہ میں ۱۵ طلبہ کو قیام وطعام کی سہولت میسر ہے، ذریعہ آمدنی: عوامی چندہ، صرف اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں سرکاری وظیفہ، ۱۲ بیگھ زمین ہے کہ جس سے فی الوقت آمدنی کی کوئی صورت نہیں ہے-(۱۸)

مدرسہ اسلامیہ ضیاء العلوم، گرہونیہ، پوسٹ ‌‌‌متھنہ، وایا سبور، ضلع بھاگلپور، بہار- پس منظر: ۱۹٦۰ء میں حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب قاسمی بانی مدرسہ ہذا کی قیادت میں رفقائے کارِ خیر کے تعاون سے علمِ دین کی اشاعت کی غرض سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۵۰ موجودہ ۳۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۱۲ موجودہ ۴ انصابِ تعلیم: درجہ مولوی تک کی تعلیم مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بہار کے مطابق اور کچھ ''دیوبند'' کے نصاب کو شامل کر کے دی جاتی ہے،(۱) تعمیر ومکان: دارالاقامہ میں رہنے والے ۹۵ طالب علم

ہیں جن کے طعام وقیام کی کفالت مدرسہ کی ذمہ ہے، قیام وطعام: ڈھائی بیگھ زمین ہے اور آٹھ کمرے ہیں، ذریعہ آمدنی: عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں سرکاری وظیفہ۔(۲۰)

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ، مقام وپوسٹ پتھنہ، وایا سبور ضلع بھاگلپور، بہار۔ پس منظر: ۱۹۵۳ء میں بانی مدرسہ محمد خلیل احمد صاحب ودیگر مخلص داعی حضرات کی سعی پیہم سے دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۳۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۷، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کی تعلیم درجہ وسطانیہ تک مع حفظ قرآن دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: ارکان پر مشتمل کمیٹی کے زیرِ نگرانی، سماجی تعاون حاصل ہے، تعمیر ومکان: ۲۰ کمرے، قیام وطعام: ۱۰۰ طلباء کے قیام وطعام کا نظم مدرسہ کرتا ہے، ذریعہ آمدنی: عوامی چندہ، ۳ ہزار سالانہ کی مدد۔(۲۱)

مدرسہ اشرفیہ اظہارُ العلوم، ماچھی پور، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۲۱۰۔ پس منظر: ۱۹۵۰ء میں الحاج سید مختار اشرف صاحب سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ سرکار کلاں کچھوچھہ شریف کی قیادت میں سجادہ نشین کچھوچھہ شریف کے ایماء پر عوامی تعاون سے قائم کیا گیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۳۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۷ موجودہ ۱۵، نصابِ تعلیم: مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ''بہار'' کے نصاب کے مطابق ودرسِ نظامی سے چنے گئے خاص مضامین ''فضیلت'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: حکومت بہار کے زیرِ انتظام و سماجی تعاون، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے منظور شدہ، تعمیر ومکان: ۳۰ کمرے اور ۱۲ ایکڑ زمین ہے، قیام و طعام: طلباء کے قیام وطعام کا نظم مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعہ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ، اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں، اوقاف کی جائیداد سے ۵ سے ۱۰ ہزار تک کی آمدنی متوقع رہتی ہے۔(۲۲)

مدرسہ اصلاح المسلمین دار البنات، چمپانگر، ضلع بھاگلپور، بہار۔ پس منظر: طالبات کے لئے ایک ایسے مدرسہ کی ضرورت تھی جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تربیت سے بچیوں کو آراستہ کرے، اسی ضرورت

کے پیشِ نظر مدرسہ اصلاح المسلمین دارالبنات کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۲۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۱۴، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے طریقہ پر ''شرح جامی'' کی تعلیم دی جاتی ہے اور پرائمری معیار کے مطابق عصری علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ شوریٰ و دیگر ارکان ہی ذمہ دار ہیں، سماجی تعاون بھی حاصل ہے، مدرسہ کے پاس ۸ کمرے ہیں، قیام و طعام: مدرسہ کی جانب سے ۳۰ طلباء کے قیام وطعام کی کفالت کی جاتی ہے، ذریعہ آمدنی: عوامی چندہ۔(۲۳)

مدرسہ اصلاح المسلمین (طلبہ)، چمپانگر، بھاگلپور، بہار۔ پس منظر: یہ مدرسہ ۱۳۱۱ھ میں حاجی محمد طاہر صاحب مرحوم کی قیادت میں طلبہ کے دینی شعور اور سیاسی بصیرت کو بیدار کرنے کی غرض سے قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۰۰ موجودہ ۳۷۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۸، نصابِ تعلیم: ''شرح جامی'' تک کی تعلیم درسِ نظامی کے مطابق دی جاتی ہے، عربی پر خاص توجہ کے ساتھ مدرسہ میں شوال تا شعبان تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا ہے جبکہ دوران سال ششماہی اور سالانہ امتحانات بھی تحریری و زبانی طریقہ سے لیا جاتا ہے، تمام تعلیم اردو زبان میں دی جاتی ہے، داخلہ لینے کے لئے فارم پُر کرنے کے بعد زبانی امتحان میں کامیابی ضروری ہے، انتظامی حیثیت: ارکانِ مدرسہ کی زیرِ نگرانی، سماجی تعاون حاصل ہے۔تعمیر و مکان: ٦ کمرے، قیام وطعام: ۸۵ طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ ہی ذریعۂ آمدنی ہے۔(۲۴)

مدرسہ امدادیہ عربیہ، شاہ کنڈ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۱۵۸۔ پس منظر: یہ مدرسہ ۱۹۷۸ء میں بانیٔ مدرسہ سید ابو محمد و دیگر رفقاء جناب ڈاکٹر نعیم صاحب و جناب ماسٹر عباس صاحب کی کوششوں کے نتیجہ میں قائم ہوا تا کہ علمِ دین کو عام کیا جا سکے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۲۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے ذریعہ ''شرح جامی'' تک کی عربی تعلیم خاص توجہ کے ساتھ دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ شوریٰ و ارکان مدرسہ کے زیرِ نگرانی، سماجی تعاون بھی حاصل ہے، تعمیر و مکان: ۱۱

کمرے اور تین کمرے ابھی زیرِ تعمیر ہیں، ۳۰بیگھ کا رقبہ ہے، قیام وطعام: مدرسہ ۱۰۰ طلبہ کی کفالت کرتا ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۲۵)

مدرسہ محمودیہ سمریہ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۱۲۹- پس منظر: ۱۹۱۶ء میں حضرت حافظ دیانت حسین احمد کی سعی پیہم سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی تاکہ علاقہ اور بیرونِ علاقہ کے افراد علومِ نبوی سے مستفید ہوں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۰ موجودہ ۱۵۰ اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۱۵، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے نصاب کے مطابق درجہ ''فاضل'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: کچھ حد تک سماجی تعاون حاصل ہے، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے الحاق شدہ، تعمیر ومکان: ۲۵ کمرے، ایک ہال، قیام و طعام: ۹۰ طلبہ کے قیام وطعام اور وظیفہ کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں، ۱۵۰۰۰ روپے سالانہ آمدنی -(۲۶)

مدرسہ عربیہ احیاء العلوم، ناتھ نگر، بھاگلپور، بہار- پس منظر: حاجی نعمت اللہ صاحب ومفتی محمد ہلال صاحب کے زیرِ قیادت ۱۳۴۹ھ میں دینی ادارہ کی کمی کو دور کرنے کی غرض سے یہ مدرسہ قائم ہوا، ابتداء میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا بالآخر ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ نے اپنی زمین خرید لی اور پھر شاہ جنگی کے علاقہ سے منتقل ہو کر ناتھ نگر آ گیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۸ موجودہ ۳۰۰ اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ا موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے اصول کے مطابق درجۂ عربی سوم اور کافیہ تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ شوریٰ وارکان کمیٹی کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے، سماجی تعاون بھی حاصل ہے، تعمیر ومکان: ۵ کمرے، ساڑھے ساتھ کٹھ کا رقبہ، قیام وطعام: ۵۰ طالب علم دار الاقامہ میں رہتے ہیں جن کی خوراک مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ اور داخلہ فیس-(۲۷)

مدرسہ سلیمانیہ، سنولا باٹ، ضلع بھاگلپور، بہار ۸۱۳۲۲۵- پس منظر: ۱۹۲۹ء میں صوفی الٰہی بخش

صاحب نے بڑی جانفشانی اور مسلسل جدوجہد کے بعد اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۰۰ موجودہ ۱۳۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: ''شرح جامی'' تک کی تعلیم درسِ نظامی کے ڈھنگ سے دی جاتی ہے، ''فقہ'' پر خاص توجہ کے ساتھ، تعمیر ومکان: ۴ کمرے جدید، ۹ کمرے ودالان قدیم، کل رقبہ ۲۲ ڈسمل، قیام وطعام: ۸۵ طلبہ کے قیام وطعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، ساڑھے پانچ ایکڑ زمین موجود ہے جس سے ۳۰ من دھان سالانہ حاصل ہوتا ہے۔(۲۸)

مدرسہ جامعہ محمدیہ عربیہ، محلہ شاہ جنگی، بھاگلپور، بہار ۸۱۲۰۰۲۔ پس منظر: ۱۹۵۸ء میں حکیم جناب فدا حسین صاحب ودیگر رفقائے کار خیر و ''جمعیۃ العلماء'' بھاگلپور کی قیادت میں اس مدرسہ کی بنیاد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے پروگرام کے بعد ڈالی گئی تاکہ شہر بھاگلپور دبیرون بھاگلپور کو صحیح اسلامی تعلیم سے واقف کرایا جاسکے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۴۰۰ مقامی طلبہ موجودہ ۳۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۱۳، نصابِ تعلیم: ''شرح جامی'' تک کی تعلیم درسِ نظامی کے اصول کے مطابق دی جاتی ہے، ابتدائی عصری علوم کے ساتھ، تعمیر ومکان: ۱۵ کمرے اور ڈیڑھ بیگھہ کا رقبہ ہے، قیام وطعام: ۱۶۰ اطلبہ کے قیام وطعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، ''عطیات''۔(۲۹)

مدرسہ دارالسلام سکٹا، مقام ڈاکپوسٹ سکٹا، ضلع مغربی چمپارن، بہار ۸۴۵۳۰۷۔ پس منظر: ۱۹۳۲ء میں مولانا ابوالخیر صاحبؒ وسعید صاحبؒ نے نیپال وہند کی سرحد پر مدرسے کو قائم کیا تاکہ ہند ونیپال کے مسلم بچے مستفید ہوسکیں اور علومِ اسلام کی اشاعت میں معاون ومددگار ثابت ہوں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۶۵۶، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۶ موجودہ ۱۳، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب، درجہ ''فضیلت'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیرِ نگرانی، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ رقبہ، ایک کٹھ پندرہ دھور، غیر تعمیر شدہ رقبہ، ایک کٹھ پانچ دھور، (۳۰) کمروں کی

تعداد۲۴، زیرِ تعمیر کمرے۱۹، قیام و طعام:۱۷۵ طلبہ کے قیام و طعام و دیگر وظائف کی سہولت، ذریعۂ آمدنی:عوامی چندہ، تاجروں کا تعاون، سرکاری تعاون، پندرہ اسٹاف کی تنخواہ، اوقاف کی جائیداد سے آنے والی رقم دو ہزار۔(۳۱)

مدرسہ منظر العلوم، مقام پرسہ، ڈاکخانہ مرجدوا، وایا بینا ٹانڈ، ضلع مغربی چمپارن بہار۔ پس منظر:۱۹۷۵ء میں مولانا جناب نیاز احمد صاحب اور ان کے رفقاء نے علاقہ کے بچوں و بچیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کرنے اور علومِ شرعیہ کو عام کرنے کی غرض سے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد:ابتداء میں ۱۰۲ موجودہ ۲۱۸، اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ۱۰ موجودہ ۱۶، نصابِ تعلیم:بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کے نصابِ تعلیم کے مطابق درجہ عالمیت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت:مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیرِ اثر، تعمیر و مکان:مدرسہ کا کل رقبہ۱۴۷۵۱۴ گز، کمروں کی تعداد۱۶، تعمیر شدہ رقبہ۷۰۵۶ گز، قیام و طعام:تقریباً ایک سو طلباء کے قیام و طعام کی کفالت، ذریعۂ آمدنی:عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ کے طور پر سرکاری وظیفہ۔(۳۲)

مدرسہ ریاض العلوم، مقام و پوسٹ ساٹھی، ضلع مغربی چمپارن، بہار۔ پس منظر:۱۹۴۶ء میں جناب شیخ خدا رکھے مرحوم اور جناب مولانا ریاض احمد صاحب مرحوم شیخ التفسیر دارالعلوم دیو بند کی کاوشوں اور دینی جذبہ کے نتیجہ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، ان حضرات نے علاقہ کی پسماندگی دور کرنے اور علوم شرعیہ کو عام مسلمانوں تک پھیلانے اور اس کو رواج دینے کی غرض سے مدرسہ ہذا کا قیام ضروری سمجھا، طلباء کی تعداد:ابتداء میں ۳۰ یا ۴۰ موجودہ ۱۱۳، اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ا موجودہ ۹، نصابِ تعلیم:درسِ نظامی، درجہ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے اور علومِ عصریہ بھی شاملِ نصاب ہیں، مدرسہ میں علومِ عصریہ اور ٹیکنیکل تعلیم (ذیلی شعبہ) پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے،(۳۳) تعمیر و مکان: کمروں کی تعداد کل ۳۰ (ہال، کمرے، اسٹور روم، باورچی خانہ

سب شامل ہیں)، تعمیر شدہ رقبہ: نصف ایکڑ سے کچھ زائد، غیر تعمیر شدہ رقبہ: نصف ایکڑ سے کچھ کم، قیام و طعام: تقریباً ۱۱۳ طلبہ کا قیام اور اکثر کا وظیفہ طعام و دیگر وظیفہ کی شکل میں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد سے تقریباً ۱۵ ہزار کی آمدنی متوقع رہتی ہے۔(۴۴)

مدرسہ منظر الاسلام، مقام و پوسٹ پرسا، ضلع مغربی چمپارن، بہار- پس منظر: ۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اس ادارے کی بنیاد ڈالی کیونکہ اس سے قبل اس علاقہ میں کوئی ایسی تعلیم گاہ نہ تھی جس میں مسلم بچے صحیح تعلیم و تربیت حاصل کرسکیں لہٰذا ضرورت کے پیش نظر ہمدردانِ ملت کے تعاون سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۲۵ موجودہ ۳۰۰ اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۰، انتظامی حیثیت: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے مقرر کردہ نصاب سے درجہ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، تعمیر و مکان: کل رقبہ دس کٹھ، ۱۴ کمرے مکمل ہیں، قیام و طعام: ۵۰ طلبہ کے طعام و قیام و وظائف کا انتظام، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ کے طور پر سرکاری وظیفہ۔(۴۵)

مدرسہ اسلامیہ مقاصد العلوم جونیروا، پوسٹ جونیروا، وایا سمرا اسٹیشن، مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر: مولانا مقصود احمد صاحب نے ۱۹۲۱ء میں علاقہ اور اطراف کے مسلمان بچوں کی بہتر دینی تعلیم کے لئے یہ مدرسہ قائم کیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۲۵ موجودہ ۳۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۲ موجودہ ۱۱، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا ہے اور درجہ عالمیت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، تعمیر و مکان: تعمیر شدہ رقبہ ۶ کٹھ اور غیر تعمیر شدہ رقبہ ۱۰ کٹھ، کمروں کی تعداد ۲۰، قیام و طعام: ۸۰ طلبہ کے طعام و قیام کی سہولت مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ سے اساتذہ کی تنخواہیں۔(۴۶)

مدرسہ روضۃ العلوم پکہی، ڈاکخانہ اسدھرا، وایا رام گڑھوا، مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر: مدرسہ ہٰذا کی بنیاد مولانا مقصود صاحبؒ نے عوام الناس کی دینی و تعلیمی ضرورت کے تقاضے کو پورا کرنے کی غرض سے

ڈالی،طلباء کی تعداد:ابتداء میں ۱۲۵ موجودہ ۳۰۰،اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۰،نصابِ تعلیم:بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے نصاب سے درجۂ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے،انتظامی حیثیت:مجلسِ منتظمیہ اور بہار مدرسہ بورڈ کے ممبران کے زیرِ نگرانی،تعمیر ومکان:مدرسہ کے پاس دو منزلہ عمارت جس میں ۱۷ کمرے ہیں،کل رقبہ ۴ کٹھ ہے، قیام و طعام:طلباء کے طعام و قیام کا انتظام مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی:عوامی چندہ،سرکاری وظیفہ سے ۱۰ اساتذہ اورنان ٹیچنگ اسٹاف کا خرچ -(۳۷)

مدرسہ منبع العلوم، مادھوپور، وایا جریا بازار،مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر:۱۹۷۹ء میں حافظ مولانا فصیح الدین صاحب نے اس علاقہ میں دینی تعلیم وتربیت کو عام کرنے اورشرک وبدعات کوختم کرنے کی غرض سے مدرسہ ہذا کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد:ابتداء میں ۱۷۵ موجودہ ۵۰۰، اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ۱ موجودہ ۱۲،نصابِ تعلیم:چند مدارس کے نصاب سے ماخوذ نصاب کے ذریعہ ''ہدایہ وجلالین'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے،انتظامی حیثیت:خودمختار،تعمیر ومکان:مکان اور خالی جگہیں،تعمیر شدہ وغیرتعمیر شدہ،تقریباً ایک ایکڑ، ۲۰ کمرے،قیام وطعام:۸۰ طلباء کے طعام وقیام کا بندوبست،ذریعۂ آمدنی:عوامی چندہ-(۳۸)

مدرسہ اسلامیہ مادھوپور، مدھومالت، پوسٹ ترکولیا،مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر:مولانا وصی احمد صاحب نے ۱۹۵۴ء میں اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی،طلباء کی تعداد:ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۳۷۰، اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۳، نصابِ تعلیم:درسِ نظامی اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب،تعلیم درجہ ''مولوی'' تک ہوتی ہے،قیام وطعام:۸۵ طلباء کے طعام وقیام کا بندوبست ہے-(۳۹)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ، کونڈر، ڈاکخانہ ڈھکان کسریا،مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر:نونہالانِ قوم و ملت کی صحیح تعلیم وتربیت کی غرض سے مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی گئی، اساتذہ کی تعداد:ابتداء میں ۲ موجودہ ۶ نصابِ تعلیم:بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب درجہ فوقانیہ تک کی تعلیم، انتظامی حیثیت:مجلسِ

منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے تعاون سے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اسٹاف کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔(۴۰)

مدرسہ نظامیہ دارالبنات، سسوا، مال ڈھیہ، ہرسڈھیہ، مشرقی چمپارن، بہار۔ پس منظر: مسلم بچوں وبچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا چنانچہ اہلِ خیر حضرات کے تعاون سے یہ مدرسہ قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۵ موجودہ ۱۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۲ موجودہ ۶، نصابِ تعلیم: درسِ عالیہ کے نصاب سے درجہ فوقانیہ تک کی تعلیم، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا تعاون۔(۴۱)

مدرسہ مرکزی دارالعلوم، دو دھائی ہرسڈھیہ، مشرقی چمپارن، بہار۔ پس منظر: مسلم طبقہ کی دینی پسماندگی دور کرنے اور دینی ادارہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۱۴، نصابِ تعلیم: درسِ عالیہ کے نصاب سے درجہ فوقانیہ تک کی تعلیم، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ذریعہ، ذریعۂ آمدنی: اساتذہ کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔(۴۲)

مدرسہ اسلامیہ، مقام و پوسٹ دریاپور، مشرقی چمپارن، بہار ۸۴۵۴۱۷۔ پس منظر: ۱۸۸۲ء میں حاجی علی خاں صاحب مرحوم نے دینی جذبہ اور خلوص کے ساتھ اپنے چند رفقاء کے تعاون سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اس مدرسہ کے قیام سے قبل علاقہ اور اطراف علاقہ گمراہی اور جہالت، شرک و بدعات میں گھرا ہوا تھا، اللہ کے ان مخلص بندوں نے اس مدرسہ کے ذریعہ مسلم عوام اور بچوں وبچیوں کے اندر دینی بیداری اور صحیح تعلیم وتربیت کو عام کرنا ضروری سمجھا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۲۳۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۳، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے نصاب سے درجہ ''عالمیت'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ انتظامیہ اور ایجوکیشن بورڈ کے ذمہ دار حضرات پر نظم ونسق کی ذمہ داری ہے، تعمیر

ومکان: ۱۶ کمرے، ڈیڑھ ایکڑ رقبہ ہے، نصف تعمیر شدہ، نصف غیر تعمیر شدہ، قیام وطعام: ۵۰ طلباء کے لئے طعام وقیام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔(۴۳)

مدرسہ حیدریہ، کلیان پور، وایا دریاپور، مشرقی چمپارن، بہار۔ پس منظر: چند باشعور اور فکرِ اسلامی کے حامل افراد نے ملی بیداری کی غرض سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں چند موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۲ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ عالیہ کا نصاب تعلیم جاری ہے اور درجہ وسطانیہ تک تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ بورڈ کے ذمہ دار حضرات کی زیرِ نگرانی، تعمیر ومکان: ۲۵ طلباء کے قیام کا بندوبست، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ سے اساتذہ کی تنخواہ۔(۴۴)

مدرسہ اسلامیہ، گرونڈی، عدل ہاٹ، ضلع مرزاپور، یوپی ۲۳۱۳۰۲۔ پس منظر: ۱۹۶۳ء میں گرونڈی کے باشندوں نے ایک مدرسہ کمیٹی کی تشکیل کی جس نے مناسب حال ایک پر مدرسہ کی بنیاد ڈالی کیونکہ یہاں اطراف وجوانب میں دینی تعلیم کے فقدان کی وجہ سے رسومِ جہالت اور بے راہ روی عام تھی، مسلم بچے صحیح تعلیم وتربیت سے ناآشنا تھے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵ موجودہ ۵۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۲۷، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی اور مدرسہ عالیہ الٰہ آباد بورڈ کے نصاب کے ذریعہ درجہ منشی ومولوی تک تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: ایک رجسٹرڈ کمیٹی کے زیرِ نگرانی، الحاق شدہ، تعمیر ومکان: ایک بیگھ جس میں ۱۶ کمرے موجود ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اسٹاف کی نصف تنخواہ منجانب حکومت۔(۴۵)

مدرسہ اسلامیہ انجمن رفاہ المسلمین، رام پور بیریا، پوسٹ بیریا، وایا کسریا، مشرقی چمپارن، بہار ۸۴۵۴۲۴۔ پس منظر: علاقے کے مسلمان دینی تعلیم وتربیت سے ناواقف تھے اور مسلم بچوں وبچیوں کے لئے کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جہاں غریب ونادار طلبہ بھی تعلیمِ اسلام سے مستفید ہوتے لہٰذا سید آل امام صاحب نے ۱۹۲۵ء میں اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۳۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء

میں ۴ موجودہ ۹، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا تعلیمی نصاب داخل ہے اور درجہ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ذمہ نظم ونسق ہے، تعمیر ومکان: مدرسہ کا کل رقبہ ۹ بیگھ، ۱۰ کٹھ ہے اور ۱۰ کٹھ پر تعمیر ہے جس میں ۱۰ کمرے ہیں، قیام وطعام: ۵۰ طلبہ کے لئے قیام و طعام کا بھی انتظام ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔(۴۶)

مرکز العلوم الاسلامیہ، مقام و پوسٹ چندن بارہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار ۸۴۵۳۱۲- پس منظر: ۱۹۶۴ء میں محمد لقمان صاحب سلفی کے زیرِ قیادت چندن بارہ کے مخیّر اور دیندار حضرات کے تعاون سے معہد اسلامی کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی گئی جو آج مرکز العلوم الاسلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، مدرسے کے قیام کا مقصد علاقے کے مسلمانوں کی پسماندگی اور دین سے دوری کو ختم کرنا تھا، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع علوم عصریہ، درجہ ثانیہ متوسط تک کی تعلیم ہوتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ عاملہ اور مجلسِ منتظمہ اور دیگر کمیٹیوں کی زیرِ نگرانی، تعمیر ومکان: ۱۲ کمرے، تعمیر شدہ رقبہ ایک ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ۱۲ ایکڑ، قیام وطعام: ۳۵ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد، بذریعہ فیس۔(۴۷)

مدرسہ نظامیہ، دلاور پور، کلیان پور، وایا دریا پور، مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر: دینی ادارہ کی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے اہلِ علاقہ کی کوششوں سے یہ مدرسہ قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۴۰ موجودہ ۱۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ عالیہ، درجہ وسطانیہ تک، انتظامی حیثیت: انتظامیہ کمیٹی اور بہار سرکار مدرسہ بورڈ کے ذمہ دار کے ذریعہ، تعمیر ومکان: ۱۰ کمرے، قیام وطعام: ۴۰ طلبہ مقیم ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اسٹاف کا خرچ سرکاری وظیفہ سے۔(۴۸)

مدرسہ انجمن اسلامیہ، رائے ٹولہ دربیہا، دے راج، مشرقی چمپارن، بہار- پس منظر: مدرسہ (دینی

تعلیم گاہ) کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کیونکہ علاقہ صحیح تعلیم گاہ سے محروم تھا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۲ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ عالیہ کے نصاب سے درجہ فوقانیہ تک کی تعلیم، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ بورڈ کے ذمہ دار حضرات کا تعاون، قیام وطعام: ۳۰ طلباء کے قیام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: اساتذہ کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔(۴۹)

مدرسہ عثمانیہ، مقام و پوسٹ، پھلکا، ضلع پورنیہ، بہار۔ پس منظر: ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۴ء میں جناب ناظر علی صاحب کی کوشش سے یہ مدرسہ علاقہ کے مسلم بچوں کو دینی تعلیم اور صحیح تربیت دینے کی غرض سے قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۷۰ موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۸ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی اور علومِ عصریہ کے ساتھ درجہ فضیلت تک کی تعیلم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: خود مختار، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، کمرے ۹، قیام وطعام: ۳۵ طلباء کے قیام و وظائف کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔(۵۰)

مدرسہ فیاض المسلمین، بائسی بازار، ضلع پورنیہ، بہار۔ پس منظر: ۱۹۳۷ء میں اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا تاکہ قوم کے بچوں کو عم حاصل کرنے میں مدد ملتی رہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۱۷۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۱۵، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب، اپنا مخصوص نصاب، درجہ ''فضیلت''، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ۱۲/۳ ایکڑ زمین، غیر تعمیر شدہ ۱۴ ایکڑ، ۲۰ کمرے، قیام وطعام: ۵۰ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری امداد سے اساتذہ کی تنخواہیں، اوقاف کی جائیداد۔(۵۱)

مدرسہ تنظیمیہ، باراعیدگاہ، ضلع پورنیہ، بہار۔ پس منظر: جناب حمید اللہ صاحب نے ۱۹۲۵ء میں اپنے رفیقوں کی مدد سے تعلیمی ادارے کی کمی کے پیشِ نظر اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تاکہ مسلمان بچوں کو علومِ اسلامی کے

ذریعہ تربیت دی جائے،طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۲۲۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۶، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب، درسِ نظامی، درجہ عالمیت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: ایک کمیٹی کے زیرِ نگرانی اور الحاق شدہ، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ زمین ایک ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، ۶ کمرے، قیام وطعام: ۴۰ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں سرکاری وظیفہ سے۔(۵۲)

مدرسہ مفتاح العلوم، گلاب باغ، ضلع پورنیہ، بہار۔ پس منظر: ۱۹۷۰ء میں جناب الیاس صاحب نے مسلمان بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی خاطر اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۵ موجودہ ۱۴۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۶ موجودہ ۸، نصاب تعلیم: درسِ نظامی میں علوم عصریہ کے ساتھ درجہ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: سماجی مشاورت ومعاونت، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، ۱۰ کمرے، قیام وطعام: ۴۵ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد۔(۵۳)

مدرسہ اشاعت العلوم، امور، ضلع پورنیہ، بہار۔ پس منظر: بانی مدرسہ محمد رفیق صاحب نے علاقہ میں مدرسہ کی کمی کے پیشِ نظر ۱۹۶۸ء میں ایک دینی ادارے کی شکل میں اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تاکہ علاقہ واطراف کے طلباء مستفید ہوسکیں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۲۳۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۷، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی علومِ عصریہ کے ساتھ، درجہ مولوی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، گرچہ بورڈ کا نصاب ہی اصل ہے، انتظامی حیثیت: ایک کمیٹی نگراں ہے، الحاق شدہ،(۵۴) تعمیر ومکان: ۴ کمرے، تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ، ایک ایکڑ، قیام وطعام: تقریباً ۴۰ طلباء کے طعام وقیام کی سہولت مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں سرکاری وظیفہ، مزار سے حاصل شدہ آمدنی۔(۵۵)

مدرستہ الحسنہ، حسن آباد، پوسٹ پدم پور، ضلع پورنیہ، بہار- پس منظر: ۱۹۷۵ء میں جناب اکبرعلی صاحب نے چند مخلص حضرات کے تعاون سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تاکہ بچوں کو صحیح دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا جائے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۲ موجودہ ۵۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۶ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع علومِ عصریہ کے درجہ "عالمیت" تک کی تعلیم دی جاتی ہے، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ایک ایکڑ، غیر تعمی شدہ، ایک ایکڑ، کمروں کی تعداد ۷، قیام وطعام: ۲۵ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد-(۵۶)

مدرسہ محمودیہ، جوگبنی، ضلع پورنیہ، بہار- پس منظر: ۱۹۳۲ء میں جناب محمد تسلیم صاحب نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تاکہ قوم کے بچے دینی تعلیمات کی روشنی میں اپنا مستقبل سنوار سکیں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۴۵ موجودہ ۸۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع علومِ عصریہ درجہ "عالمیت" تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: کمیٹی کے زیرِ اثر، الحاق شدہ، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ایک ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، کمرے ۴، قیام وطعام: ۴۰ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، جائیداد اوقاف اور مزار سے آمدنی-(۵۷)

مدرسہ رحمانیہ، نئی ہاٹ، سونتھا، ضلع پورنیہ، بہار- پس منظر: ۱۹۴۹ء میں علاقہ کے مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کی غرض سے یہ مدرسہ قائم کیا گیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۸۰ موجودہ ۱۹۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۷ موجودہ ۱۴، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیرِ اثر ہونے کے باوجود مدرسہ کا اپنا مخصوص نصاب ہے جس کے ذریعہ طلباء کو درجہ فضیلت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ زمین ۱۴ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ۱۴ ایکڑ، کمروں کی تعداد ۲۵، قیام وطعام: ۴۵ طلباء کے قیام وطعام کی سہولت ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد-(۵۸)

مدرسہ حفاظت الاسلام، کانٹی باری ہاٹ، وایا کشن گنج، ضلع پورنیہ، بہار- پس منظر:۱۹۳۶ء میں جناب قاری رشید احمد صاحب کے زیرِ قیادت بہار میں دینی مدارس کی کمی اور خاص طور سے علاقہ کی پسماندگی کو دور کرنے اور مسلمان بچوں کو دینی علوم سے واقف کرانے کی غرض سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۵ موجودہ ۱۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ٦ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی ہے، علومِ عصریہ کے ساتھ، انتظامی حیثیت: خودمختار منتظمہ کمیٹی، تعمیر و مکان: ایک ایکڑ تعمیر شدہ، ڈیڑھ ایکڑ غیر تعمیر شدہ، قیام وطعام: ۳۵ طلباء کے قیام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد، تجارت-(۵۹)

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، مقام و پوسٹ مہندرو، ضلع پٹنہ، بہار- پس منظر: مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ علمی و دینی درسگاہ ہے جس کو الحاج سید نورالہدیٰ سی ایس آئی نے اپنے والد مسٹر شمس اہدیٰ کے نام سے یکم نومبر ۱۹۱۲ء میں قائم کیا اور اپنی خاص جائیداد جس کی آمدنی تقریباً دو ہزار تھی، جنوری ۱۹۱۲ء میں وقف کر کے رجسٹری کردی، وقف نامہ میں تعلیم قرآن مجید، حدیث، تفسیر اور فقہ کو ضروری اور اہم قرار دیا، مدرسہ کی ترقی و بہبودی اور جائیداد موقوفہ کی حفاظت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ نے مدرسہ کا انتظام ۱۹۱۹ء میں حکومتِ بہار کی تحویل میں دے دیا چنانچہ یکم جنوری ۱۹۲۰ء سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ حکومت کی زیرِ نگرانی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، ابتداء میں صرف اسکول کے سات درجے تھے، ۱۹۲۱ء میں درجہ ششم کھولا گیا جو ملا کہا جاتا تھا، یہ ابتدائی درجہ تھا، ۱۹۲۲ء میں کالج اسٹینڈرڈ کے مولوی درجے کی تعلیم شروع کی گئی اور ۱۹۲۴ء میں عالم کے دو درجے اور ۱۹۲۵ء میں فاضل کے دو درجے کھولے گئے، اس طرح مدرسہ ترقی کے مختلف مراحل سے گزرتا رہا، ۱۹۵۰ء میں حکومتِ بہار نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو فرسٹ گریڈ کالج بنانے کے لئے ڈی پی آئی کے کنٹرول میں دے دیا، مدرسہ ابھی تک ڈائریکٹر اور سکنڈری ایجوکیشن کے کنٹرول میں ہے، مدرسے میں دو شعبے میں ایک جونیئر سیکشن اور دوسرا اسینئر سیکشن، مدرسہ کے دونوں شعبے ایک پرنسپل کے زیرِ اختیار ہیں،(۶۰) مدرسہ

میں طلباء کے قیام کے لئے تین ہوسٹل ہیں، سب سے بڑی عمارت شیش محل کے نام سے موسوم ہے، مدرسہ میں ایک کتب خانہ ہے جس میں بہت سی نایاب کتابیں ہیں، مدرسہ میں طلباء کی ایک ادبی انجمن بھی ہے جو جمعیۃ الطلباء کے نام سے موسوم ہے اور اس میں ایک لائبریری اور ریڈنگ روم ہے، اس انجمن کے زیرِ اہتمام دینی مجالس منعقد ہوتی رہتی ہیں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۰۰ موجودہ ۶۱۸، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۹ موجودہ ۱۶، نصابِ تعلیم: بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ کا نصاب، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ، ٹرسٹ، اوقاف کی جائیداد وغیرہ۔ (۶۱)

مدرسہ دینی بنیادی تعلیم گاہ، سبزی باغی، ضلع پٹنہ، بہار۔ پس منظر: ۱۹۷۴ء میں علاقے کی دینی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے علاقے کے اہلِ خیر افراد کے تعاون سے یہ مدرسہ قائم ہوا۔ آج کل درجہ فضیلت تک تعلیم دی جاتی ہے، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی، انتظامی حیثیت: خودمختار منتظمہ کمیٹی، تعمیر و مکان: ۱۳ ڈسمل زمین پر مدرسہ تعمیر کیا گیا ہے، قیام و طعام: مدرسے میں قیام گاہ کی سہولتیں موجود ہیں، ۱۳۲ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔ (۶۲)

مدرسہ احسن العلوم، کنڈ محلہ، ڈالٹین گنج، ضلع پلاموں، بہار ۸۲۲۱۰۱۔ پس منظر: ۱۹۸۲ء میں بانی مدرسہ جناب مقیم الدین شاد کی کوششوں سے علاقہ کی ضرورتِ خاص کے پیش نظر یہ مدرسہ قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۲۵ موجودہ ۲۷۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے منظور شدہ نصاب، درجہ ''مولوی'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ممبران کے زیرِ نگرانی، تعمیر و مکان: کل رقبہ ۹ ڈسمل اور کمروں کی تعداد ۸، قیام و طعام: ۱۵ طلباء کے قیام و طعام کی سہولت، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اسٹاف کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔ (۶۳)

مدرسہ خیر العلوم، مقام، چندوا (ٹوری) پوسٹ چندوا، ضلع پلاموں، بہار ۸۲۹۲۰۳۔ پس منظر: دینی

تعلیمی ادارے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کچھ باشعور لوگوں نے یہاں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کی ٹھانی جس میں سرِ فہرست حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کا نام آتا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے درجہ حفظ، قرأت اور مولوی تک کی تعلیم بخیر وخوبی انجام پا رہی ہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۲۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۶، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی اور علومِ عصریہ، انتظامی حیثیت: خود مختار، تعمیر و مکان: ۱۱ کمرے ہیں اور ۵۰ ڈسمل زمین ہے، قیام و طعام: طلباء کے طعام و قیام کا انتظام مدرسہ کرتا ہے، ذریعۂ آمدنی: مدرسے کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، عوامی چندہ پر ہی سارا کام چلتا ہے۔(۶۴)

مدرسہ بیت العلوم، کوڑ ہانس، پوسٹ کیا، وایا لاتہار، ضلع پلاموں، بہار ۸۲۹۲۰۶۔ پس منظر: ۱۹۱۷ء میں قاری ظہیر الدین صاحب نے علاقہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مدرسہ ہذا کا قیام ضروری سمجھا اور معاونین کی مدد سے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۲۵ موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۶، نصابِ تعلیم: مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور درسِ نظامی سے ماخوذ نصاب رائج ہے، درجہ ''مولوی'' تک کی تعلم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور سماجی مشاورت و معاونت، تعمیر و مکان: مدرسہ کے پاس پانچ ڈسمل تعمیر شدہ جگہ ہے اور پچھتر ڈسمل غیر تعمیر شدہ زمین ہے، کمروں کی تعداد تین ہے، قیام و طعام: ۵۰ طلباء کے قیام و طعام کا نظم ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔(۶۵)

مدرسہ محمدیہ، محلّہ اوپر کلہتی جھریا، ضلع دنبھاد، بہار۔ پس منظر: جناب قدرت علی صاحب، جناب غلام رسول صاحب، جناب تراب علی صاحب، الٰہی بخش صاحب، حشمت علی صاحب وغیرہ نے ۱۹۶۰ء میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی، مدرسہ میں ابھی ابتدائی درجوں کی تعلیم کا ہی نظم ہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۷ موجودہ ۱۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۱ موجودہ ۲، نصابِ تعیم: ندوۃ العلماء کا نصاب رائج ہے، انتظامی حیثیت: خود مختار، قیام و طعام: ۳۰ طلباء دار الاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ۔(۶۶)

مدرسہ اہلسنت عالیہ قادریہ، شمشیر نگر واسع پور، ضلع دھنباد، بہار- پس منظر: ۵نومبر ۱۹۸۰ء کو مدرسے کی بنیاد حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ اختر قادری ازہری بریلی شریف نے رکھی، مولانا محمد مجیب الرحمٰن صاحب قادری مدرسہ کے بانی تھے، شروع میں ابتدائی تعلیم دی گئی اب ''مولوی'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۲۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۱۱، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی اور عصری علوم، انتظامی حیثیت: خودمختار، سماجی مشاورت و معاونت، تعمیر و مکان: ۲۵ کٹھ رقبہ اراضی، چار کمرے، تین ہال، ایک باورچی خانہ، قیام و طعام: ۹۰ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۶۷)

مدرسہ یتیم خانہ، نیابازار، ضلع دھنباد، بہار- پس منظر: محمد صدیق صاحب مرحوم کے ہاتھوں ۱۹۶۶ء میں مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، اس کا مقصد یتیم و نادار بچوں کو دینی و عصری علوم سے آراستہ کرنا تھا، آج کل مدرسہ میں فوقانیہ تک کی تعلیم دی جاتی ہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۷ موجودہ ۳۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں موجودہ ۷، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب، انتظامی حیثیت: الحاق شدہ، تعمیر و مکان: ۲۲ کمرے، قیام و طعام: ۵۵ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ-(۶۸)

دارالعلوم اہلسنت اشاعت الاسلام، جامع مسجد جھریا، ضلع دھنباد، بہار- پس منظر: ۱۹۷۱ء میں جھریا میں ایک تاریخی اسلامی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کی وجہ سے دینی علمی بیداری کی لہریں پیدا ہوئیں اور دارالعلوم کا وجود ۱۴ مئی ۱۹۷۱ء کو عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۱ موجودہ ۱۶۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۰، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی، انتظامی حیثیت: خود مختار، سماجی مشاورت و معاونت، تعمیر و مکان: تعمیر شدہ رقبہ ۱۵ ڈسمبل ہے، قیام و طعام: ۱۳۶ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۶۹)

مدرسہ اسلامیہ، مدھو پور، ضلع دیوگھر، بہار- پس منظر: علاقہ کی پسماندگی کے پیشِ نظر مدرسہ اسلامیہ کا قیام ۱۹۲۶ء میں جناب حاجی عبدالعزیز صاحب کے ذریعے عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۴۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۶ موجودہ ۱۱، نصابِ تعلیم: مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ''بہار'' کے نصابِ تعلیم کے مطابق درجہ ''مولوی'' تک تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مدرسہ کے تمام امور کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی موجود ہے، بہار مدرسہ بورڈ سے الحاق ہے، تعمیر و مکان: مدرسہ ۱۱ کمروں پر اور ۲ عدد برآمدوں پر مشتمل ہے، قیام و طعام: چند طلباء دارالاقامہ میں مقیم ہوتے ہیں، اپنا انتظام خود کرتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، صرف اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں-(۷۰)

جامعہ رحمانیہ، محلہ پتھر چپٹی، مدھو پور، ضلع دیوگھر، بہار- پس منظر: مدھو پور میں اسلامی تعلیمات کی ترویج و تشہیر کی خاطر جناب قاری عبدالمنان صاحب اثری شنکرنگری کے زیرِ قیادت ۱۹۷۱ء میں جامعہ رحمانیہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۰ موجودہ ۱۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی، قرآن و حدیث پر زیادہ توجہ کے ساتھ ''مولوی'' تک تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: کمیٹی کے ذریعہ انتظام کیا جاتا ہے، سماجی تعاون چندہ کی شکل میں حاصل ہے، تعمیر و مکان: مدرسہ میں ۶ کمرے موجود ہیں اور مدرسہ کا کل رقبہ ۴ بیگھ ہے، قیام و طعام: دارالاقامہ میں کل مقیم طلباء کی تعداد ۶۲ ہے جبکہ ۳۱ طلباء ایسے ہیں جو اپنی کفالت خود کرتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۷۱)

مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول، ضلع دربھنگہ، بہار- پس منظر: ۱۳۲۲ھ میں مولانا علاؤ الدین صاحب کی سرپرستی میں اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۲۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۸ موجودہ ۱۰، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی ہے، فضیلت تک کی تعلیم کا انتظام ہے، بہار مدرسہ بورڈ سے منظور شدہ، انتظامی حیثیت: اراکین کمیٹی کا زیادہ دخل ہے، سماجی تعاون حاصل ہے، مدرسہ بورڈ سے الحاق

شدہ ہے، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ۵۰ء۱۲ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ۱۴ ایکڑ اور کل ۲۰ کمروں پر مشتمل ہے، قیام وطعام: ۷۵ سے ۱۰۰ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں جن کی کفالت مدرسہ کے ذمہ ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ سے اساتذہ کی شکل میں، اوقاف کی جائیداد ہے۔(۷۲)

دارالعلوم سلیفہ، لہریا سرائے، ضلع دربھنگہ، بہار۔ پس منظر: دارالعلوم کے قیام سے قبل ریاست بہار میں کوئی ایسا دینی تعلیمی ادارہ نہ تھا جو خالص کتاب وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے طریقہ پر دینی تعلیم دے اور ساتھ ہی ساتھ دینی تربیت کا بھی نظم ہو، اسی کے پیش نظر مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے دربھنگہ کے اہلِ ہدیث حضرات کے مشورہ سے یہاں درالعلوم کی بنیاد رکھی، اس طرح یہ مدرسہ ۱۹۱۸ء سے لگاتار دینی د ملی خدمات انجام دے رہا ہے، عصری علوم کی جانب بھی خاص توجہ دی جاتی ہے اور ''طب یونانی'' کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۱۳۸، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۱۰ موجودہ ۲۴، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کو خاص اہمیت ہے، اگر چہ وسطانیہ سے فاضل تک بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے الحاق ہے، دارالعلوم کا اپنا خاص نصابِ تعلیم ہے، جس میں علومِ عصریہ بھی شامل ہیں۔(۷۳)

مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ، مقام و پوسٹ دوگھرا، وایا جالہ، ضلع دربھنگہ، بہار۔ پس منظر: ۱۹۵۶ء میں اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، بانی مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی ہیں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں موجودہ ۴۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۶ موجودہ ۲۲، نصابِ تعلیم: درسِ نظام اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ماخوذ نصابِ دینیات پر خاص توجہ کے ساتھ ''عالمیت'' تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ کے زیرِ اثر، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو بھی دخل ہے، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ تین کٹھ اور غیر تعمیر شدہ زمین ۱۰ کٹھ، ۱۲ عدد کمرے ہیں، قیام و طعام: طلباء کے دارالاقامہ میں قیام کا نظام ہے اور طعام کی سہولت بھی میسر ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ سے چند مدرسین کی تنخواہ کی شکل میں، اوقاف کی جائیداد کے ذریعہ۔(۷۴)

مدرسہ اشرفیہ عربیہ، مقام و پوسٹ پوہدی بیلا، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ، بہار- پس منظر: ۱۳۷۴ھ بمطابق ۱۹۵۴ء میں اس مدرسہ کی بنیاد خالص للّٰہیت کے جذبے سے اور علومِ دین کو عام کرنے اور علاقہ کے مسلم بچوں کو صحیح تعلیم سے آراستہ کرنے کی غرض سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ایماء پر حضرت حکیم مولانا عبدالمنان صاحب صدیقیؒ اور ہرسنگھ پوری اوران کے رفقائے کار نے ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۶۰ موجودہ ۳۲۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳، موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے مطابق اور دیوبند وندوۃ سے ماخوذ نصاب، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۷۵)

مدرسہ مدینۃ العلوم، مقام و پوسٹ بھروارہ، ضلع دربھنگہ، بہار- پس منظر: ۱۹۷۵ء میں اس علاقہ کے افراد نے دینی تعلیمی ادارے کی ضرورت کے پیشِ نظر یہ مدرسہ قائم کیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۰ موجودہ ۱۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۵ موجودہ ۱۰، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی سے تعلیم دی جاتی ہے، علومِ عصریہ کے ساتھ قرآن وحدیث پر خاص توجہ دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: ارکانِ کمیٹی کے زیرِ نگرانی، سماجی مشاورت و معاونت، تعمیر و مکان: تعمیر شدہ زمین ڈیڑھ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایکڑ، کل کمروں کی تعداد ۸، قیام وطعام: دارالاقامہ میں مقیم طلباء کی تعداد تقریباً ۲۵، جن کے طعام کی بھی سہولت ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد موجود ہے-(۷۶)

مدرسہ ضیاء الاسلام، جلوارہ، وایا کیوٹی رنوے، ضلع دربھنگہ، بہار- پس منظر: یہ مدرسہ ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۲۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۱۰ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے اصول پر درجہ مولوی تک تعیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: خود مختار، کمیٹی کے زیرِ اثر، سماجی مشاورت و معاونت، تعمیر و مکان: ۱۰ ایکڑ زمین اور ۱۰ کمرے، قیام وطعام: ۵۰ طلباء کے لئے قیام کی سہولت، طعام و وظائف کے ساتھ ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۷۷)

مدرسہ ۱۹۱۱ء میں مولانا مفتی الحاج محمد فرخند علی صاحب مرحوم کی زیرِ قیادت علوم نبویہ وترویج کی غرض سے قائم ہوا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۰۰ موجودہ ۵۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۵، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی کے تحت فضیلت تک کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے، خاص طور سے قرآن وحدیث پر توجہ دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: خودمختار، سماجی تعاون سے مدرسہ کا انتظام ہوتا ہے، تعمیر ومکان: ۳۰ کمرے اور دو ہزار گز کا رقبہ ہے، قیام وطعام: ۱۵۰ طلباء کے قیام وطعام کا نظم ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۸۱)

مدرسہ خانقاہ کبیر، محلّہ کبیر گنج، سہسرام، ضلع روہتاس، بہار ۸۲۱۱۱۵- پس منظر: ۱۸۸۳ء میں حضرت شاہ کبیر الدین صاحب مرحوم کے زیرِ قیادت اسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۲۰۰ موجودہ ۲۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۱، نصابِ تعلیم: بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے نصاب کے مطابق درجہ عالم تک کی تعلیم دی جاتی ہے، انتظامی حیثیت: بہار سرکار کے زیرِ نگرانی الحاق شدہ-(۸۲)

مدرسہ ریاض العلوم، رام گڑھ، ضلع روہتاس، بہار- پس منظر: علاقہ رام گڑھ ایک پسماندہ علاقہ ہے، اس علاقہ میں مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کا کوئی معقول نظم نہیں تھا، مولانا شہریار احمد صاحب نے مدرسہ کی بنیاد رکھی تاکہ مسلمان بچوں کو دینی علوم سے آشنا کیا جا سکے، اس مدرسہ کا قیام ۱۹۷۶ء میں عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۸۰ موجودہ ۲۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۰، نصابِ تعلیم: ابتدائی درجہ سے شرحِ جامی تک کی تعلیم درسِ نظامی کے ذریعہ دی جاتی ہے،(۸۳) تعمیر ومکان: مدرسہ کے پاس ۱۲ کمرے، ایک لائبریری، ایک مطبخ موجود ہے، مدرسہ ۱۸ ایکڑ زمین پر مشتمل ہے جس میں قبرستان بھی ہے، قیام وطعام: دارالاقامہ میں ۹۶ طلباء ہیں، طلباء کے طعام کا نظم بھی مدرسہ کی جانب سے ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی تعاون (چندہ کی شکل میں)-(۸۴)

مدرسہ روح المسلمین، نیلی کوٹھی، ڈیہری اُون سون، ضلع روہتاس، بہار ۸۲۱۳۰- پس منظر: مسلم آبادی کی کثرت اور دینی ادارہ کے فقدان کے پیشِ نظر اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے ۱۹۷۵ء میں ''انجمن مفید المسلمین'' کے ذریعہ مدرسہ ہذا کا قیام عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۵ موجودہ ۱۲۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ا موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: ''شرحِ جامی'' تک کی تعلیم درسِ نظامی کے ضابطہ کے مطابق دی جاتی ہے، قرآن پر خاص توجہ کے ساتھ، انتظامی حیثیت: مجلسِ شوری کے زیرِ قیادت مکمل طور سے سماجی تعاون حاصل ہے، تعمیر و مکان: ٦ کمرے ہیں، ایک ہال ہے اور ۲ کٹھ کا رقبہ ہے، قیام و طعام: دارالاقامہ میں ۵۵ طالب علم مقیم ہیں جن کے طعام کا بندوبست مدرسہ کی جانب سے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ ہی واحد ذریعہ ہے-(۸۵)

مدرسہ ضیاء الاسلام، خانپور، بیشن پورراج، ضلع سنتھال پرگنہ، بہار- پس منظر: دینی تعلیم کی ضرورت کے پیشِ نظر علاقے کے دیندار اور مخیّر حضرات کی کوششوں سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، نصابِ تعلیم: درسِ نظام، انتظامی حیثیت: خود مختار، قیام و طعام: ۲۰ ۱۳ طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ-(۸٦)

مدرسہ رحمانیہ، مہسول، ضلع سیتامڑھی، بہار- پس منظر: ۱۹۲۷ء میں علاقہ سیتامڑھی کے چند بزرگانِ دین نے علاقہ میں پائی جانے والی جہالت کی تاریکی کو علم کی روشنی سے بدلنے کے لئے مردان علی صاحبؒ کے زیرِ قیادت حضرت فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ادارے کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۷ موجودہ ۵۷۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱٦، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کے نصابِ تعلیم کے مطابق درجہ ''فضیلت'' تک کی تعلیم، انتظامی حیثیت: مجلسِ انتظامیہ اور مدرسہ بورڈ کے زیرِ نگرانی-(۸۷)

جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور، پوسٹ اگلوٹی، وایا برھروا، ضلع سیتا مڑھی، بہار- پس منظر: ۱۹۶۰ء میں جناب مولانا شمس الہدیٰ صاحب نے علوم شرعیہ وترویج کی خاطر مدرسہ ہذا کی بنیاد ڈالی، اس ادارہ سے قبل کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جہاں مسلم بچے، بچیاں دینی تعلیم حاصل کرسکیں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۵ موجودہ ۴۲۵، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۴ موجودہ ۱۷، نصاب تعلیم: درس نظامی سے درجہ فضیلت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ رقبہ ۱۳ ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ۱۳ ایکڑ، ۱۴ کمرے، ۳ برآمدوں کے ساتھ، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ اور غلہ کی وصولی، اوقاف کی جائیداد سے حاصل ہونے والی سالانہ رقم-(۸۸)

جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، بالاساتھ، وایا رائے پور، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۶- پس منظر: اس بستی میں تعلیمی پسماندگی تھی، خاص طور پر سے دینی تعلیم کی روایت نہ تھی، مولانا عبدالحنان صاحب کی سعیٔ پیہم اور خلوص نیتی کے سبب مدرسہ قائم ہوا اور آج یہ مدرسہ ایک عظیم ادارہ کی شکل میں قوم وملت کی خدمت کررہا ہے، اس مدرسہ کا قیام ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۴۰۰ھ میں عمل میں آیا، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۵۰ موجودہ ۴۵۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۱، نصاب تعلیم: درس نظامی مع علوم عصریہ، تعمیر ومکان: تعمیر شدہ ایک ایکڑ، غیر تعمیر شدہ ڈیڑھ ایک، چھ خام کمرے، بالائی منزل نصف زیر تعمیر، قیام وطعام: ۱۵۰ طلباء جن کی مکمل کفالت کا ذمہ دار مدرسہ ہی ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، وقف کی جائیداد ایک ایکڑ-(۸۹)

الجامعہ العربیہ اشرف العلوم، مقام و پوسٹ کنہواں، وایا پریہار، ضلع سیتا مڑھی، بہار- پس منظر: آج سے تقریباً بہتر سال قبل سیتا مڑھی میں کوئی دینی ادارہ نہیں تھا، مشرکانہ رسومات سے گھرے عوام کو الحاد و بے دینی کی ظلمت سے بچانے کی خاطر مدرسہ کا قیام از حد ضروری تھا، حضرت مولانا صوفی رمضان علی آواپوری کی قیادت میں مدرسہ کا وجود ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۳۸ھ میں عمل میں آیا، وہ تاحیات صدارت تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۵۲۷، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳

موجودہ ۲۳، نصابِ تعلیم: جامعہ کا نصابِ تعلیم درسِ نظامی اور بقدرِ ضرورت علومِ عصریہ سے ہم آہنگ ہے، (۹۰)

ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ اور اوقاف کی جائیداد۔ (۹۱)

مدرسہ اسلامیہ فیض الغرباء، مقام مورلیاڈیہ، پوسٹ باچپٹی، ضلع سیتامڑھی، بہار۔ پس منظر: ۱۹۶۱ء میں حاجی عبدالعزیز صاحب مورلیاڈیہہ نے علومِ اسلام کی تعلیم وترویج کے لئے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۱۰۰ موجودہ ۱۵۹، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۶، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع علومِ عصریہ درجہ عربی سوم کی تعلیم، انتظامی حیثیت: مجلسِ انتظامیہ کے زیرِ نگرانی، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، اوقاف کی جائیداد۔ (۹۲)

مدرسہ اسلامیہ فلاح المسلمین، مقام وپوسٹ شیوہر، ضلع سیتامڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۹۔ پس منظر: ۱۹۵۰ء میں جناب حافظ عبدالوحید صاحب نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی، ۱۹۵۰ء سے قبل یہاں ایک مسجد کی بنیاد پڑی گرچہ مسلمانوں کے نقل مکانی کی وجہ سے مسجد خستہ حال ہوگئی تو اس مسجد کو از سرِ نو آباد کرنے اور مسلمانوں کو دینی تعلیم دینے کی غرض سے مسجد سے متصل ہی مدرسہ ہذا کی بنیاد پڑی، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۰ موجودہ ۴۵۳، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۱۲، نصابِ تعلیم: درسِ نظامی مع نصاب بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، درجہ مولوی تک، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ بورڈ کے زیرِ اثر، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ، اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں۔ (۹۳)

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، رامپور کیشو داوَدنگر، تھانہ شیام پور، پوسٹ پُھکاہاں، ضلع سیتامڑھی، بہار۔ پس منظر: ۱۹۲۲ء میں جناب مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ مدنی مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ (چمپارن) نے اپنے آبائی وطن میں مسلمانوں کے لئے مدرسہ ہذا کی بنیاد ڈالی تاکہ علاقہ اور اطراف علاقہ کے تشنگانِ علم دین آئیں اور اپنی علمی و دینی تشنگی دور کریں، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۳۰۰ موجودہ ۲۰۰، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۱۲

موجودہ ۸، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا منظور شدہ نصاب، درجہ ''فوقانیہ'' تک کی تعلیم ہوتی ہے جبکہ ابتداء میں درجہ ''مولوی'' تک کی تعلیم ہوتی تھی، انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیرِ نگرانی، تعمیر و مکان: زیرِ تعمیر ۱۰ ڈسمل رقبہ جس میں ۴ کمرے ہیں، خام مکان جن کی تعداد ۸ ہے، رقبہ ۱۰ ڈسمل ہے، باورچی خانہ علیحدہ ہے، (۹۴) مدرسہ کا رقبہ ایک ایکڑ، ۵ ڈسمل، قیام و طعام: ۵۰ طلباء کی کفالت مع قیام و طعام کی جاتی ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، سرکاری وظیفہ سے اساتذہ و اسٹاف کی تنخواہ۔(۹۵)

مدرسہ رحمانیہ، مقام و پوسٹ اندولی، وایا پریہار، ضلع سیتا مڑھی، بہار ۸۴۳۳۲۴۔ پس منظر: اس مدرسہ کی بنیاد ۱۹۷۱ء میں الحاج مولانا محمد ہارون الرشید صاحب نے اس وقت ڈالی جب علاقہ میں کوئی ایسا دینی ادارہ نہ تھا جو اندولی اور قرب و جوار کے مسلم بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکے، طلباء کی تعداد: ابتداء میں ۵۷ موجودہ ۴۲۲، اساتذہ کی تعداد: ابتداء میں ۳ موجودہ ۲۱، نصابِ تعلیم: بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نصاب اور درسِ نظامی، درجہ عالمیت تک کی تعلیم، (۹۶) انتظامی حیثیت: مجلسِ منتظمہ اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا نظام، تعمیر و مکان: تعمیر شدہ رقبہ ۳۰ ڈسمل، غیر تعمیر شدہ ۲۰ ڈسمل، ۱۲ کمرے، قیام و طعام: ۱۲۵ طلباء کا قیام دارالعلوم میں ہے، اکثر کے طعام کا بندوبست بھی مدرسہ کرتا ہے، ذریعۂ آمدنی: عوامی چندہ، چند اساتذہ کی تنخواہ سرکاری وظیفہ سے۔(۹۷)

حواشی باب اول، فصل چہارم (الف)

۱-بقلم خود، مہر النساء

۲-رشید احمد صدیقی: تدریسِ اسلامیات، مطبع نظامی پریس، لاہور، گلوب پبلشرز، اردو بازار، لاہور، سن ندارد، ص ۳۵

۳-ایضاً، ص ۵۳

۴-ایضاً، ص ۳۶

۵-القرآن (سورۃ المجادلہ، آیت ۱۱)

۶-القرآن

۷-ایس ایم شاہد: تدریسِ اسلامیات، ناشر محمد یوسف مختار، بار اول، ۲۰۰۱-۲۰۰۰، ص ۶۰

۸-رشید احمد صدیقی: تدریسِ اسلامیات، ص ۴۰

۹-ندیم (گیا)، ۱۹۳۱ء-۱۹۴۵ء سے انتخاب-۲، تاریخ بہار (چند مقالات)، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، اشاعت ۱۹۹۶ء، پاکیزہ آفیسٹ محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ، ص ۱۰۸

۱۰-ایضاً، ص ۱۰۸

۱۱-ایضاً، ص ۱۰۹

۱۲-نوٹ: مدارس کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے، ندیم (گیا) ۱۹۳۱ء-۱۹۴۵ء سے انتخاب-۲، تاریخ بہار (چند مقالات) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، اشاعت ۱۹۹۶ء، پاکیزہ آفسٹ محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ
/آثارات پھلواری شریف موسوم بہ عیان وطن/تذکرہ علمائے بہار، جلد اول/تذکرۃ الصالحین/شرفاء کی نگری، حصہ اول، حصہ دوم، اس کے علاوہ محترم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی صاحب سے بھی معلومات حاصل کی گئیں ہیں۔

۱۳-محمد قمر الحق: ایک سروے رپورٹ، ہندوستان کے اہم مدارس، جلد اول، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵، سن طباعت ۱۹۹۲ء، ص ۳۱۷

۱۴-ایضاً، ص ۳۱۸

۱۵-ایضاً، ص ۳۱۹

۱۶-ایضاً، ص ۳۲۰

۱۷-ایضاً، ص ۳۲۱

۱۸-ایضاً، ص ۳۲۲

۱۹-ایضاً، ص ۳۲۳

۲۰-ایضاً، ص ۳۲۴

۲۱-ایضاً، ص ۳۲۵

۲۲-ایضاً، ص ۳۲۶

۲۳- ایضاً، ص ۳۲۷

۲۴- ایضاً، ص ۳۲۸

۲۵- ایضاً، ص ۳۲۹

۲۶- ایضاً، ص ۳۳۰

۲۷- ایضاً، ص ۳۳۱

۲۸- ایضاً، ص ۳۳۲

۲۹- ایضاً، ص ۳۳۳

۳۰- ایضاً، ص ۳۳۴

۳۱- ایضاً، ص ۳۳۵

۳۲- ایضاً، ص ۳۳۶

۳۳- ایضاً، ص ۳۳۷

۳۴- ایضاً، ص ۳۳۸

۳۵- ایضاً، ص ۳۳۹

۳۶- ایضاً، ص ۳۴۰

۳۷- ایضاً، ص ۳۴۲

۳۸- ایضاً، ص ۳۴۳

۳۹- ایضاً، ص ۳۴۴

۴۰- ایضاً، ص ۳۴۵

۴۱- ایضاً، ص ۳۴۶

۴۲- ایضاً، ص ۳۴۷

۴۳- ایضاً، ص ۳۵۱

۴۴- ایضاً، ص ۳۵۲

۴۵- ایضاً، ص ۳۵۳

۴۶- ایضاً، ص ۳۵۵

۴۷- ایضاً، ص ۳۵۶

۴۸- ایضاً، ص ۳۵۷

۴۹- ایضاً، ص ۳۵۸

۵۰- ایضاً، ص ۳۶۲

۵۱- ایضاً، ص ۳۶۳

۵۲- ایضاً، ص ۳۶۴

۵۳-ایضاً،ص ۳۶۶

۵۴-ایضاً،ص ۳۶۷

۵۵-ایضاً،ص ۳۶۸

۵۶-ایضاً،ص ۳۶۹

۵۷-ایضاً،ص ۳۷۰

۵۸-ایضاً،ص ۳۷۱

۵۹-ایضاً،ص ۳۷۲

۶۰-ایضاً،ص ۳۷۳

۶۱-ایضاً،ص ۳۷۴

۶۲-ایضاً،ص ۳۷۵

۶۳-ایضاً،ص ۳۷۶

۶۴-ایضاً،ص ۳۷۷

۶۵-ایضاً،ص ۳۷۸

۶۶-ایضاً،ص ۳۷۹

۶۷-ایضاً،ص ۳۸۰

۶۸-ایضاً،ص ۳۸۱

۶۹-ایضاً،ص ۳۸۲

۷۰-ایضاً،ص ۳۸۳

۷۱-ایضاً،ص ۳۸۴

۷۲-ایضاً،ص ۳۸۵

۷۳-ایضاً،ص ۳۸۶

۷۴-ایضاً،ص ۳۹۲

۷۵-ایضاً،ص ۳۹۳

۷۶-ایضاً،ص ۳۹۴

۷۷-ایضاً،ص ۳۹۵

۷۸-ایضاً،ص ۳۹۶

۷۹-ایضاً،ص ۳۹۷

۸۰-ایضاً،ص ۳۹۸

۸۱-ایضاً،ص ۴۰۰

۸۲-ایضاً،ص ۴۰۱

۸۳-ایضاً،ص۴۰۲

۸۴-ایضاً،ص۴۰۳

۸۵-ایضاً،ص۴۰۷

۸۶-ایضاً،ص۴۱۱

۸۷-ایضاً،ص۴۱۶

۸۸-ایضاً،ص۴۱۹

۸۹-ایضاً،ص۴۲۰

۹۰-ایضاً،ص۴۲۱

۹۱-ایضاً،ص۴۲۲

۹۲-ایضاً،ص۴۲۳

۹۳-ایضاً،ص۴۲۷

۹۴-ایضاً،ص۴۲۹

۹۵-ایضاً،ص۴۳۰

۹۶-ایضاً،ص۴۳۱

۹۷-ایضاً،ص۴۳۳

نوٹ:-اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کے معروف کتب خانے کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب اوّل

فصل چہارم، حصہ (ب)

بہار کے معروف کتب خانے

کتب خانوں کی تاریخ:

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے وقت علم کہیں عام نہ تھا۔عرب میں سوائے چند افراد کے نہ کوئی لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور نہ عربی زبان میں کوئی کتاب موجود تھی۔لیکن مسلمانوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں عربی کو اتنا متمول بنا دیا کہ بقول موسیو لیبان یورپ کی یونیورسٹیاں (۱) چھ سو برس تک عربی کتابوں کے تراجم پر زندہ رہیں۔الغرض مسلم اہلِ قلم نے علم وفن کے تمام شعبوں کی آبیاری کی اور بے نظیر تحریری سرمایہ فراہم کر دیا۔ اسلامی دنیا میں ایسے مصنفین بھی گزرے ہیں جن کی کثیر وضخیم تصنیفات بجائے خود مستقل کتب خانے ہیں مثلاً امام ابین تیمیہ نے ۵۰۰، ابن حزم نے ۴۰۰، ابن جوزی نے ۲۵۰، ابن الہیثم نے ۲۰۰ سے اوپر، ابوریحان البیرونی نے ۱۱۴ سے زائد، امام فخر الدین رازی نے ۸۰، امام غزالی نے ۴۷، ابن خطیب نے ۶۰ کتابیں لکھیں۔(۲) ابن الاعربی نے (محمد بن زیاد) کے متعلق تو یہ لکھا ہے کہ محض اپنی یادداشت سے اتنا بہت علم لکھا کہ کئی اونٹوں کے بوجھ برابر ہے۔انہوں نے نہایت مفید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔اسی طرح مختلف علوم و فنون پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں مثلاً امام مالک بن انسؒ، ابن ہشام زہریؒ، امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ جیسے بزرگوں کی تصانیف نے علمِ حدیث وفقہ کو بے حد وسعت بخشی، تاریخ وجغرافیہ اور سیرت کی دنیا میں ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن خلدون، ابن خلکان، ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر، بلاذری، طبری، مقری، ادریسی، قزوینی اور یاقوت کی تصانیف کی روشنی آج تک پھیلی ہوئی ہے۔ طب، طبعیات، کیمیاء، ہیئت وغیرہ میں فارابی، ابوبکر رازی، بوعلی سینا، ابن ہیثم اور ابن بیطار کے تجربات و مشاہدات اور ان کی تصانیف مشعلِ راہ کا کام دے رہی ہیں۔ان کے علاوہ ابن ماجہ، ابن طفیل اور ابن رشد کی تصانیف نے مشرق ومغرب کے فکر ونظر میں جو انقلاب پیدا کیا وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔(۳) الغرض مسلمانوں کی علمی وثقافتی سرگرمیاں کتب خانوں کے حق میں عظیم الشان محرک ثابت ہوئیں۔جیسے جیسے تحصیلِ علم

اور تصنیف و تالیف کا ذوق عام ہوا اسی طرح کتب خانوں کی توسیع و ترقی ہوتی رہی اور بالآخر کتابیں جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھا کہ جملہ اسلامی ممالک کتب خانوں سے معمور ہو گئے۔ گو اسلامی دنیا میں احکام و سنن اور اخبار و سیر کا تحریری سرمایہ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں جمع ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن باقاعدہ طور پر کتابیں لکھنے اور غیر عربی کتابوں کے عربی تراجم کی ابتداء عہدِ بنی امیہ سے ہوتی ہے، اسی عہد میں اسلامی کتب خانوں کی بنیاد پڑی۔(۴)

کتب خانوں کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود تہذیب انسانی۔ علوم و فنون کی بقاء و تحفظ کے لئے کتب خانوں کا وجود و قیام لازمی ہے۔ خدا نے مسلمانوں کو حکومت و فرمانروائی سے سرفراز فرمایا اور اقوام و ملل کے علوم و فنون کو وارث و امین بنایا تو انہوں نے بڑے خلوص اور حوصلے سے اس فرضِ منصبی کو ادا کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج اقبال میں ایک طرف درسگاہیں اور یونیورسٹیاں قائم کر کے ہر طرف علوم و فنون کے چشمے جاری کر دیئے تا کہ تشنگان علم، علوم و فنون ان سے سیراب ہوں اور دوسری جانب انہوں نے کتب خانوں کی تشکیل و تنظیم کی تا کہ علوم و فنون کے قدیم و جدید سرمائے محفوظ و برقرار رہیں۔ بقول ایک مورخ ''عربوں کے علمی کارناموں میں سب سے زیادہ بڑا کام یہ ہے کہ انہوں نے حکمائے یونان کی کتابوں کو محفوظ رکھا، اگر مسلمان رومی اور یونانی سرمایۂ حکمت کی حفاظت نہ کرتے تو دنیا ان سے یکسر محروم ہو جاتی۔ یہ یورپین علوم و فنون کی موجودہ سر بفلک عمارت ان کتب خانوں ہی کی بنیادوں پر استوار ہے جو مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج میں قائم کئے تھے۔ یونانی علوم کے جو عربی تراجم ان کتب خانوں میں موجود تھے انہیں سے اہلِ یورپ یونانی علوم اور اربابِ علوم سے روشناس ہوئے۔(۵)

تعلیمی نظام میں کتب خانوں کی ہمیشہ بنیادی حیثیت رہی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ قرونِ وسطیٰ کی اسلامی سلطنتوں میں ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ہر مسجد کے ساتھ کتب خانہ ہوتا تھا۔ مسجدوں کے علاوہ

مشائخ کی خانقاہوں، علماء کے گھروں اور امراء کی ڈیوڑھیوں میں بھی مدرسے اور کتابوں کے ذخیرے ہوتے تھے- کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے خالد بن یزید بن امیر معاویہ متوفی ۸۵ھ کو کتابوں کے جمع کرنے کا خیال ہوا- اسی کے حکم سے یونانی اور قبطی زبانوں کی کتابوں کو عربی جامع پہنایا گیا-

عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۵ھ) کے عہد میں شاہی کتب خانہ نے اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ جب سعید بن جبیر نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تو اسے شاہی کتب خانے میں رکھا گیا- عبدالملک نے ہر فن پر کتابیں لکھوائی ہیں، جس نے کتب خانوں کی ترقی کے لئے زمین ہموار کر دی-

حضرت عمر بن عبدالعزیز (۹۹-۱۰۱ھ) کے عہدِ خلافت میں تصنیف و تالیف کی ترقی ہونے سے کتب خانوں کو بھی ترقی ہوئی- اس نیک بخت خلیفہ نے احادیث اور مغازی کی طرف خاص توجہ دی- اس خلیفہ نے کتب خانہ (خزانۃ الکتب) کی ایک کتاب، جو حکیم ماسر جویہ کی تھی، سریانی زبان میں ترجمہ کرائی اور اس کو شائع کیا-(۲)

ابوجعفر منصور (۱۳۶-۱۵۱ھ) نے بغداد کی بناء ڈالی اور اسے دارالحکومت قرار دیا تو علوم و فنون کا مرکز بغداد منتقل ہو گیا- منصور پہلا خلیفہ تھا جس نے عربی کے علاوہ سریانی اور دوسری زبانوں کی کتابیں جمع کیں اور سریانی، سنسکرت وغیرہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا-

ہارون الرشید (۱۷۰-۱۹۳ھ) نے بغداد میں "دارالمعلم" یا "بیت الحکمت" کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا- یہ ادارہ دو حصوں پر مشتمل تھا، ایک حصہ میں ہر علم و فن کی بڑی تعداد میں عربی کتابیں تھیں اور دوسرا حصہ تراجم سے متعلق تھا- شعبۂ تراجم میں سنسکرت، فارسی، یونانی، قبطی وغیرہ زبانوں کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا-

مامون الرشید (۱۹۸-۲۱۸ھ) نے بیت الحکمت کو غیر معمولی ترقی دی- بیت الحکمت سب سے پہلا عظیم الشان پبلک کتب خانہ تھا جہاں مختلف علوم و فنون پر مختلف زبانوں میں نہایت بیش قیمت کتابیں جمع

تھیں-قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی ترقی کے لئے وہ بہت بڑا مرکز تھا-(۷)

سلطان الپ ارسلان کے علم دوست وزیر نظام الملک طوسی نے اپنے مدرسے میں ایک کتب خانہ بھی قائم کر دیا تھا- مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا- یہ کتب خانہ ۴۵۷ء میں قائم ہوا- ۵۸۹ھ میں خلیفہ الناصر الدین اللہ نے اپنے ذاتی کتب خانے سے ہزاروں کتابیں یہاں منتقل کر دیں- ساتویں صدی کے نصف اول میں اس کتب خانہ کو ایک ہزار دینار کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ ملا-

المستنصر باللہ (۶۲۳-۶۴۰ھ) نے "مدرسہ مستنصر" قائم کیا- یحییٰ برمکی کے پاس ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا-(۸)

اسلامی کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد:

اسلامی کتب خانوں میں کتابوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ان کی تعداد کئی کروڑ تک شمار کی جا سکتی ہے- ان میں سے کچھ کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

(۱) بیت الحکمت بغداد، ۱۰ لاکھ، (۲) کتب خانہ الحکم، قرطبہ، ۴ لاکھ، (۳) خزائن القصور، قاہرہ ۱۶ لاکھ، (۴) کتب خانہ بنو عمار طرابلس تیس لاکھ، (۵) کتب خانہ مراغہ چار لاکھ، (۶) کتب خانہ ابن علقمی (وزیر مستعصم باللہ) دس ہزار، (۷) کتب خانہ سابور بن اردشیر بغداد دس ہزار، (۸) کتب خانہ جعفر احمد بن عباس (وزیر حکمراں المیریا) چار لاکھ، (۹) کتب خانہ الملک المؤید داؤد بن یوسف (فرمانروا یمن) ایک لاکھ (۱۰) کتب خانہ محمودیہ قاہرہ چار ہزار، (۱۱) کتب خانہ جامعہ ازہر قاہرہ، دو لاکھ، (۱۲) کتب خانہ موفق الدین بن مطران (طبیب خاص سلطان صلاح الدین ایوبی) دس ہزار (۱۳) کتب خانہ افرائیم بن رفان، دس ہزار، (۱۴) کتب خانہ امین الدولہ بن غزال بیس ہزار، (۱۵) ترکی کے کتب خانوں میں ۹۰ ہزار (۹)-

بہار کے کتب خانے:

بہار زمانۂ قدیم سے علومِ ظاہری و باطنی کا مرکز رہا ہے- اسی سرزمین پر گوتم بدھ کو صداقت کا جلوہ نظر آیا تھا اور یہاں سے اہنسا اور انسان دوستی کی وہ تحریک اٹھی تھی جو بدھ مت کے نام سے مشہور ہے- اس صوبہ کا قدیم شہر پاتلی پترہ (پٹنہ) بدھ مت کا وہ مقدس شہر ہے جو اب سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل شہنشاہ اشوک کے عہد میں مذہب اور علم کا بہت بڑا گہوارہ بن گیا تھا اور آج بھی یہاں کتب خانۂ خدا بخش کی شکل میں علم وادب کا وہ بے بہا خزانہ موجود ہے جو ساری علمی دنیا کے لئے باعث افتخار ہے-

جب بختیار خلجی نے ۱۱۹۴ء میں شہر بہار فتح کیا تو اس وقت اس کی علمی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی- اس علم نواز فاتح نے یہاں متعدد مسجدیں اور مدرسے قائم کئے جن کے اثر سے اس علاقے میں مذہب اور علم کے چرچے ہونے لگے اور درس و تدریس اور کتابیں جمع کرنے کے شوق کو پھلنے پھولنے کے لئے ایسی فضا مل گئی جس کی تصویر اس تحریر میں نظر آتی ہے- بہار میں عموماً یہ صورت رہی ہے کہ اکثر رؤسا و امراء علم و فن کی دولتِ لازوال سے بھی مالا مال ہوتے تھے اور وہ ضروریات دنیوی سے بے نیاز رہ کر اپنے کاشانوں میں بیٹھے ہوئے تعلیم و تدریس کے ذریعہ سے علم و فن کی بہترین خدمات انجام دیتے تھے اور جو امراء اہلِ علم نہ تھے وہ اپنی معاصرانہ عزت برقرار رکھنے کے لئے علماء وفضلاء کو اپنے دامنِ دولت سے وابستہ رکھتے تھے، طلباء کے لئے وظائف اور جاگیریں مقرر کرتے تھے اور وہ اس کارِ خیر کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے- چنانچہ آج تک اس مقدس رسم کی یادگاریں بہار میں موجود ہیں- ایسے ماحول میں کیسے کیسے اہلِ علم اور کتنے مدرسے و کتب خانے ہوں گے ان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں- (۱۰)

مغلوں کے دور میں بھی پٹنہ کی علمی وادبی رونقیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ اورنگزیب کا پوتا محمد عظیم الشان اسے سلطنتِ مغلیہ کی دوسری دہلی بنانا چاہتا تھا- ہیبت جنگ کا کتب خانہ نہایت اچھا تھا اور اس کی کتاب داری

کی خدمت لالہ اجاگر چند کے سپرد تھی۔(۱۱)

خدابخش لائبریری پٹنہ:

یہ وہی کتب خانہ ہے جس کی بدولت بقول مولوی صلاح الدین (فرزند مولوی خدابخش) پٹنہ کو اسلامی علوم کے طلباء اور دیگر فضلاء کی زیارت گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لائبریری کی بنیاد ان چودہ سو قلمی کتابوں سے پڑی تھی جو مولوی خدابخش کے علم دوست باپ محمد بخش نے ۱۸۷۶ء میں بسترِ مرگ پر اپنے بیٹے کے حوالے کی تھیں، پھر مولوی صاحب اس میں برابر اضافے کرتے رہے، ۱۸۹۱ء میں کتابوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی گویا پندرہ برس میں دو ہزار چھ سو کتابوں کا اضافہ ہوا۔(۱۲) اس کے بعد یہ تعداد پانچ ہزار ہوگئی اس طرح یہاں ایسے نایاب و بیش قیمت مخطوطات و مطبوعات جمع ہو گئے جنہیں دیکھ کر ایسٹرن لائبریری کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ:

''یہ دنیا میں اسلامی ادبیات کے بے بہا خزانوں میں ایک نفیس ترین خزانہ ہے۔''

علم کے اس نفیس خزانہ کو محفوظ رکھنے کے لئے عمارت بھی نہایت اعلیٰ اور خوبصورت تعمیر کی گئی ہے۔ اس دو منزلہ عمارت کے بیشتر کمروں کا فرش سنگِ مرمر کا ہے۔ اس کی تعمیر کا صرف اسی ہزار روپیہ بتایا گیا ہے جو آج کل ایک کروڑ سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔ اس لائبریری کی تعمیر و ترقی میں مولوی خدابخش نے ایسی بے نفسی اور بے غرضی دکھائی کہ نہ اسے اپنی ذاتی ملکیت میں رکھا اور نہ اپنے نام سے موسوم کیا بلکہ اسے عوام کے لئے وقف کر دیا اور اس کا نام ''پٹنہ اورینٹل پبلک لائبریری'' رکھ دیا لیکن اس نے ''خدابخش لائبریری'' کے نام سے شہرت پائی۔ مولوی صاحب نے ایک بڑا ایثار یہ کیا کہ اپنا سارا سرمایہ کتابیں فراہم کرنے اور ان کے لئے عمارت تعمیر کرنے میں صرف کر دیا اور جب ۱۹۰۸ء میں ان کا انتقال ہوا تو ایک غریب آدمی کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

مولوی خدابخش مرحوم (۱۸۴۲-۱۹۰۸ء) اتنے بڑے قانون داں تھے کہ پٹنہ کے لائق وکلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا- وہ حیدرآباد دکن کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس چار سال تک رہے- وہ نہایت دیندار آدمی تھے- کتب خانہ کے قیام میں ان کے پیشِ نظر اسلامی تعلیمات بھی رہیں جن کی رو سے علم کی اشاعت ایک فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے اور چونکہ اس اشاعت کا بہترین ذریعہ کتابیں ہیں اسی لئے انہوں نے عوام کے استفادہ کے لئے کتابیں جمع کر دینا ایک دینی سعادت سمجھا- (۱۳)

ایک بار انہیں خواب میں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کتب خانے میں تشریف لائے ہیں- خدابخش مرحوم کہتے ہیں:

> ''ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کتب خانہ سے لگی ہوئی گلی میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں، میں بھی گھر سے نکل پڑا لوگ چلانے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کتب خانے کی سیر کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں، تم کہاں ہو؟ میں اس کمرے کی طرف دوڑا جہاں قلمی کتابیں رکھیں تھیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا چکے تھے لیکن حدیث کی دو قلمی کتابیں میز پر کھلی رکھی تھیں، لوگوں نے کہا کہ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے-'' (۱۴)

ایک بار برٹش میوزیم (لندن) نے ان کا کتب خانہ خریدنے کے لئے ایک بھاری رقم کی پیشکش کی تھی مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا اور یہ فرمایا کہ ''میں غریب آدمی ہوں لیکن کیا میں صرف پیسے کے لئے اس چیز سے دستبردار ہو جاؤں جس کے پیچھے میں نے اور میرے والد نے اپنی زندگیاں صرف کر دی ہیں-'' (۱۵) انہوں نے پھر کہا ''نہیں یہ میرا کتب خانہ پٹنہ کے لئے ہے، یہ تحفہ پٹنہ کے عوام کے لئے ہے اور انہیں کی خدمت میں پیش کیا جائے گا-''

چنانچہ ۱۸۹۱ء میں یہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا یعنی عوام کے لئے کھول دیا گیا، وہ زمانہ مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی بدحالی کا زمانہ تھا- اس وقت ہندوستان میں درسگاہوں اور کتب خانوں کی تعداد بہت کم تھی اور جو کتب خانے تھے ان کے استعمال پر بڑی پابندیاں عائد تھیں- جدید تعلیم کے سلسلے میں بھی مسلمان ہندوستان کی غیر مسلم اقوام سے بہت پیچھے تھے- سرسید کی درسگاہ کو قائم ہوئے تقریباً سترہ برس گزر چکے تھے مگر وہاں تعلیم حاصل کرنے کے مسئلہ پر مسلمانوں میں ہم خیالی و یکجہتی نہ تھی- ایک جماعت انگریزی تعلیم حاصل کرنا جائز اور دوسری ناجائز سمجھتی تھی- ایسے نامساعد زمانہ میں خدا بخش لائبریری کا قیام بڑا سودمند ثابت ہوا- ایک طرف تو مسلمانوں کی علم اور کتابوں سے بےلوث محبت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور دوسری طرف علم وادب کا میدان ایسی لاجواب اور بےنظیر کتابوں سے معمور ہو گیا اور دوسری طرف علم و ادب کا میدان، جن کی زیارت کے نہ صرف اربابِ علم بلکہ اصحابِ اقتدار بھی مشتاق رہتے تھے، وائسرائے ہند لارڈ کرزن بھی دلکش کتابوں کے اس مخزن کو دیکھنے کے لئے پٹنہ آئے تھے، وہ ان سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ کتابوں کی مصفل فہرست بنوانے اور ایک دارالمطالعہ تعمیر کرانے کا حکم دے گئے تھے-

فہرستیں:

لائبریری کی افادیت اس کی مطبوعہ فہرستوں کی وجہ سے بہت بڑھ گئی ہے- یہاں کے ذخائر کی بھی مفصل کیٹلاگ سازی کی جاتی ہے- کیٹلاگ کی بائیس ضخیم جلدوں کے شائع ہو جانے کا ذکر ایک ''مشرقی کتب خانہ'' میں آیا ہے- (۱۶)

کتب خانہ کی خوش بختی کہیے یا مولوی خدا بخش کے حسنِ عمل کا اثر کہ انقلاب سن سینتالیس کے سلسلہ میں پٹنہ بھی فرقہ وارانہ فسادات کا بڑا سخت شکار رہا لیکن بفضلہ تعالیٰ اس کتب خانہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا- اس کا نظم ونسق اب بھارتی حکومت چلا رہی ہے (۱۷) اور یہ اہلِ علم کے لئے بڑے اطمینان ومسرت کا مقام ہے کہ

اس نظام میں بھی خدا بخش لائبریری کی افادیت بدستور برقرار ہے۔(۱۸)

خدا بخش لائبریری تعداد کتب کے لحاظ سے شہرت نہیں رکھتی بلکہ مخطوطات (قلمی) کتابوں کی وجہ سے ایشیاء میں اول درجہ کی شمار کی جاتی ہے۔بعض قلمی کتابیں تو ایسی ہیں جو دنیا کے کسی کتب خانے میں نہیں ہیں۔ (نور جہاں بیگم جس قرآن میں پڑھتی تھی وہ کلام مجید، دیوانِ حافظ جس سے مغل شہنشاہ اورنگزیب سے پہلے) مہم پر جانے سے پہلے فال نکالا کرتے تھے اور جو نتیجہ مہم کا ہوتا تھا وہ اپنے قلم سے اسی شعر کے سامنے حاشیہ پر لکھ دیتے تھے،شہزادہ داراشکوہ کی لکھی ہوئی کتاب حکیم زہراوی نے جس وقت اندلس میں ہماری حکومت تھی، شاہی شفا خانہ کے لئے تین جلدوں میں معالجات ادویہ کی شناخت اور سرجری اور ان کے آلات کی تصاویر دے کر لکھی تھی، وہ اصل کتاب موجود ہے۔غرض خدا بخش مرحوم نے کتب خانے میں ایسے ایسے نوادرات جمع کر دیئے کہ دنیا کے بڑے بڑے کتب خانے نہ کر سکے۔ خدا بخش لائبریری کی نادر کتابوں کی مائیکروفلم امریکہ، لندن، جرمن، بیروت، مصر وغیرہ جایا کرتی تھیں۔

خدا بخش لائبریری کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) عربی مخطوطات ۵۷۹۸ (۲) عربی مطبوعات ۴۰۶۷ (۳) فارسی مخطوطات ۶۸۳۰ (۴) فارسی مطبوعات ۴۸۵۵(۱۹) (۵) اردو مخطوطات ۱۵۰۰ (۵) اردو مطبوعات ۱۱۰۰۰ (۷) انگریزی مخطوطات ۸۰۰۰ (۸) دستہ لائبریری کی تقریباً ۶۰۰۰ کتابیں بھی خدا بخش لائبریری میں آگئی ہیں۔(۹) اردو کے ماہوار رسائل بھی بڑی تعداد میں ہیں۔(۲۰)

لائبریری کی عمارت:

عمارت پر اسی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے جس میں ایک بہت بڑا ہال ہے اور پہلی چھت پر دو کناروں پر دو بڑے کمرے ہیں۔ اردگرد دوراندہ ہے، دونوں طرف سیڑھیاں، مغربی وراندہ اور بیشتر

کمروں کا فرش سنگِ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ دوسرے ورانڈے اور نچلے کمروں کے فرش عمدہ ٹائلوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ تمام کتب خانہ اور اس کی عمارت ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ایک وقف نامہ کی رُو سے عوام کے لئے وقف کردی گئیں البتہ ایک شرط معطی کی طرف سے عائد کردی گئی کہ پٹنہ سے باہر کوئی کتاب نہ جائے گی۔

معطی کی بے غرضی اسی بات سے ظاہر ہے کہ اس نے لائبریری کو اپنے نام کے بجائے ''اورینٹل پبلک لائبریری'' کے نام سے وقف کیا لیکن عوام نے معطی کے دیئے ہوئے نام کو قبول کرنے کے بجائے ''خدا بخش لائبریری'' ہی کو رواج دیا چنانچہ یہ عظیم الشان کتب خانہ اسی نام سے ہندوستان اور یورپ میں مشہور ہے۔ (۲۱)

کتب خانہ مجیبیہ (پھلواری شریف پٹنہ):

کتب خانہ مجیبیہ قدیم کتب خانہ ہے جس میں تاج العارفین کے عہدِ پاک سے حضرت نصر قدس سرہٗ عہد تک کی کتابیں محفوظ ہیں اور بجانب شمال جدید کتب خانہ ہے، اس میں کئی ہزار کتابیں ہوں گی یہ سب مولانا محمد بدرالدین قدس سرہٗ کی خرید کردہ ہیں یا بطور ہدیہ آئی ہوئی ہیں۔ (۲۲)

خانقاہ مجیبیہ کے کتب خانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اسے اپنے مخطوطات ونوادرات اور افادیت وکثرتِ کتب کے اعتبار سے ایشیاء کی مشہور ''خدا بخش لائبریری'' پٹنہ کے بعد دوسرا مرتبہ دیا جاتا تھا لیکن کتب خانہ مجیبیہ میں بعض اہم کتابیں ایسی بھی ہیں جو خود لائبریری پٹنہ میں موجود نہیں ہیں۔ (۲۳)

اس خانقاہ کے بانی حضرت مولانا شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ متوفی ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء تھے۔ یہ کتب خانہ عربی فارسی مطبوعہ وقلمی کتابوں کے خانقاہ مجیبیہ میں محفوظ ہے۔

مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے وقت سے لے کر آج تک برابر کتابوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت مولانا شاہ حبیب نصرؒ کے عہدِ سجادگی میں خاصا اضافہ ہوا، پھر آپ کے داماد اور جانشین حضرت مولانا شاہ بدر

الدین قادریؒ، متوفی ۱۳۴۳ھ کے وقت میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا جبکہ متعدد کتب خانے بھی استحفاظ کے خیال سے اس میں ضم ہوگئے۔ حضرت موصوف کے پوتے الحاج مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری، جو اس وقت صاحبِ سجادہ ہیں، نے عمارت کتب خانے کی تعمیر جدید کرائی اور اس پر خاص توجہ دی۔ (۲۴)

کتب خانہ خانقاہ منیر شریف:

یہ حضرت مخدوم شرف الدین احمد منیری کی اس خانقاہ میں عہدِ قدیم سے قائم ہے۔ اس میں حضرت مخدوم کی تمام تصانیف موجود ہیں۔ ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، شرح آداب المریدین اور فوائد المریدین ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ مرزا غالب کے دوست اور شاگرد شاہ فرزند علی صوفی منیری کی بھی کئی تصانیف یہاں ہیں۔ حضرت مخدوم کا شمار ہندو پاک کے مشہور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء میں ہوئی۔ (۲۵)

کتب خانہ قادریہ (خانقاہ اسلام پور):

خانقاہ اسلام پور کے سجادہ نشین حضرت مولٰنا شاہ محمد عبدالقادری منعمی ابوالعلائی علیہ الرحمۃ اس کے بانی تھے اور ان کی تنہا کوشش سے اس خانقاہ میں کتب خانہ قائم ہوا۔ آپ کے وصال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کے بعد ان کی یادگار میں ''کتب خانہ قادریہ'' کے نام سے موصوم ہوا۔ آپ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتے تھے۔

کتب خانہ قادریہ میں عربی، فارسی اور اردو کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب و تاریخ پر مشتمل ہیں۔ تصوف کا بہت اچھا مجموعہ ہے۔ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰؒ کے مکتوبات و ملفوظات و تصانیف کا خاصہ ذخیرہ ہے۔ ''تفسیرِ زاہدی'' جس کا حوالہ حضرت مخدوم نے اپنی تصانیف میں اکثر دیا ہے، اس کی ایک جلد بھی یہاں موجود ہے۔ مصنف اسلامی کتب خانے کے بیان کے مطابق یہاں ہزاروں کتابیں مدت دراز سے محفوظ چلی آرہی ہیں۔ (۲۶) قلمی کتابوں کی تعداد کئی ہزار کے قریب ہوگی۔ حافظ حمید

الدین احمد عارف حضرت عرفان کے چھوٹے بھائی مشہور علم دوست رئیس گزرے ہیں جو نہایت اچھے شاعر تھے۔ ان کی علم نوازی سے بھی اس کتب خانے کو نہایت فائدہ پہنچا۔

کتب خانہ سلیمانیہ:

یہ کتب خانہ خانقاہ سلیمانیہ میں واقعہ ہے۔ عربی، فارسی کی قدیم خاندانی کتابیں اور مخطوطات کے علاوہ اس میں بہت زیادہ کتابیں پھلواری شریف کے مشہور و معروف بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان چشتی قادری علیہ الرحمتہ کی فراہم کردہ ہیں۔ آخر میں پھلواری کے رئیس اعظم قاضی مخدوم عالم علیہ الرحمتہ کے کتب خانے کی اکثر کتابیں مولانا تمنا عمادی پھلواروی مہاجر چاٹگام کی ملکیت میں تھیں، اسی کتب خانے میں منتقل کردی گئیں۔

یہ کتب خانہ اب جناب مولینا شاہ غلام حسین چشتی سلیمانی کی ملک ہے، جو اسی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ ندوۃ العلماء کے فاضل اور پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے تک کی تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ (۲۷)

آپ پاکستان کے مشہور مصنف و مقرر مولانا قاری شاہ محمد جعفر ندوی مقیم لاہور کے حقیقی بڑے بھائی ہیں۔ یہ کتب خانہ سلیمانیہ تعداد کتب کے لحاظ سے گو بہت بڑا نہیں ہے لیکن اسناد و حوالہ جات کی کتابیں نیز اہم تاریخی مخطوطات کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے اور دور دور سے ریسرچ اسکالر اس سے استفادہ کے لئے آتے ہیں۔ اس خانقاہ کے بیشتر افراد بلند پایہ اہلِ علم اور صاحبِ تصنیف ہیں اور ان کی اردو تصنیفوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ (۲۸)

اس خانقاہ کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس کے بیشتر سجادہ نشین صاحبِ درس عماء تھے۔ ان سجادہ نشینوں میں پاکستان کے مشہور مصنف شاہ محمد جعفر ندوی کے ذی علم بھائی مولانا شاہ غلام حسنین چشتی سلیمان کا نام بھی آتا ہے۔ عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے علماء و فضلاء کا جو بورڈ مقرر کیا تھا اس میں دو عالم یہاں کے رہنے والے تھے، اس شہر کا علمی فیض اب بھی جاری ہے۔ (۲۹)

کتب خانہ عمادیہ منگل تالاب (پٹنہ سٹی):

یہ کتب خانہ خانقاہ عمادیہ کی ملک ہے جس کے بانی حضرت خواجہ عماد الدین قلندر پھلواروی قدس سرہٗ متوفی ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء ہیں- یہاں بھی عربی فارسی کتب اور خاندانی مسودات ومخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے اور ۱۱۲۴ھ کے بعد سے کافی عرصہ تک اس میں اضافہ ہوتا رہا- (۳۰) مولوی حبیب اللہ مختار کے انتقال ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء کے بعد ان کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں خانقاہ میں آ گئی تھیں-مولوی صاحب پٹنہ کے مشہور کتب خانہ کے بانی خدا بخش کے دوستوں میں سے تھے-کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں-(۳۱)

بعد میں یہ خانقاہ مع کتب خانہ پٹنہ سٹی منگل تالاب منتقل ہوگئیں-موجودہ سجادہ نشین صاحبِ مؤلف شاہ صبیح الحق ہیں، جو عالم اور شاعر بھی ہیں، اپنی توجہ سے اس کتب خانے کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں-(۳۲)

کتب خانہ خانقاہ حضرت عشق (متین گھاٹ، پٹنہ سٹی):

خانقاہ حضرت عشق متین گھاٹ پٹنہ سٹی کا کتب خانہ بڑی نایاب کتابوں سے معمور ہے-حضرت شاہ رکن الدین عشق کے قلمی دیوان کا ایک ایسا نایاب نسخہ یہاں ہے جو خانقاہ عمادیہ کے سوا کسی اور خانقاہ میں نہیں ہے-(۳۳)

پٹنہ کے دیگر کتب خانے:

پٹنہ کے محلہ صادق پور میں مولوی احمد اللہ اور مولوی ولایت علی کے پاس ذاتی کتب خانہ تھا-تحریک مجاہدین میں جب حکومت نے ان کی تمام جائیداد ضبط کی تو یہ کتب خانہ بھی ان سے جدا ہو گیا- اس کا بڑا حصہ لندن منتقل کر دیا گیا لیکن اس کی کچھ کتابیں خدا بخش لائبریری میں موجود ہیں-

داناپور (پٹنہ) کے کتب خانے:

داناپور پٹنہ میں مولانا شاہ محمد قائم قتیل (سجادہ نشین) کا کتب خانہ بھی نہایت قیمتی کہا جاتا ہے، اس میں

تصوف کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے-(۳۴)

بہار کے ہندو فضلاء کو بھی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا- علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''پٹنہ میں اس وقت ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں جن کے یہاں عربی کتابوں کے نادر نسخے اب تک موجود ہیں اور ان کو اس قدر عزیز ہیں کہ وہ ان کو جدا نہیں کر سکتے - راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اسی قسم کا ایک نادر کتب خانہ موروثی چلا آتا ہے-''

عالمگیری عہد کا ایک قرآن شریف پٹنہ رائے بہادر چالان کے میوزیم میں ہے جو اول تا آخر سونے کے حروف میں اور فنکار نے نقاشی کا فن اس پر ختم کر دیا ہے- چالان صاحب کے میوزیم میں نہایت قیمتی مخطوطات اور تاریخی و علمی نوادر محفوظ ہیں-(۳۵)

راجہ شتاب رائے کا کتب خانہ:

سلطنت مغلیہ کے آخر زمانہ میں پٹنہ (بہار) کا ناظم شتاب رائے تھا، جو علوم و فنون کا مربی اور اہلِ علم کا بڑا قدردان تھا- اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا راجہ کلیان سنگھ ناظم ہوا- یہ خود کئی کتابوں کا مصنف اور شاعر تھا- اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا- اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا راجہ کلیان سنگھ ناظم ہوا، یہ خود کئی کتابوں کا مصنف اور شاعر تھ - اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں زیادہ تر فارسی ادب کی اور کچھ تاریخ کی کتابیں تھیں- زمانہ کے ساتھ ساتھ جس طرح ان کی اولاد فارسی سے نابلد ہوتی گئی اسی طرح آہستہ آہستہ کتب خانہ بھی غفلت کی نذر ہوتا گیا-(۳۶)

صادق پور پٹنہ کے کتب خانے:

مولوی احمد اللہ صاحب بن مولوی الٰہی بخش صاحب جعفری اور مولوی ولایت علی صاحب بن حکیم

ارادت حسین صاحب محلہ صادق پور پٹنہ میں بڑے صاحبِ علم صحاب تھے- ان کے پاس بھی اپنا ذاتی کتب خانہ تھا- غدر ۱۸۵۷ء میں حکومت نے ان کی تمام جائیداد و املاک ضبط کر لی، اسی میں کتب خانہ بھی تھا- اس طرح اس کتب خانہ کا بڑا حصہ تو لندن پہنچ گیا اور کچھ خدا بخش خان کی لائبریری میں آج بھی موجود ہے- بعض کتابیں اعزہ کے پاس بھی ہیں مثلاً شمس العلوم علم لغت میں تبرکاً اس خاندان میں چلی آ رہی ہے-(۳۷)

بہار شریف کے دو درسگاہی کتب خانے:

صنعت کے علاوہ یہ شہر تعلیم کا بھی بڑا مرکز تھا- یہاں کی تعلیم گاہوں میں ''مدرسہ اسلامیہ'' اور ''مدرسہ عزیزیہ'' بہت مشہور ہوئے- ان دونوں مدارس کے ساتھ وسیع کتب خانے بھی ہیں اور مدرسہ اسلامیہ کے کتب خانے میں بعض کتابیں بڑی نادر ہیں- اس مدرسہ کی بانی ایک خاتون ''جبین'' کو بتایا جاتا ہے جس نے تقریباً پچیس ہزار روپیہ کی آمدنی کی جائیداد مدرسے کے لئے وقف کر دی تھی- مدرسہ اسلامیہ کے پہلے مہتمم مولانا حافظ وحید الحق استھانوی تھے-

مولانا صاحب کے متعلق مولوی ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں کہ:

''آپ کے علمی فیوض کی زندہ یادگار مدرسہ اسلامیہ بہار ہے جو آج تک اس دیار و اطراف کے لئے سرچشمہ علوم کا کام دیتا ہے-''(۳۸)

مدرسہ عربیہ خانقاہ کا کتب خانہ:

صوبہ بہار میں سہسرام مشہور جگہ ہے-(۳۹) صوبہ بہار کے شہر سہسرام کے ساتھ شیر شاہ سوری (متوفی ۱۸۴۵ء) کا ذکر بے محل نہ ہوگا اس لئے کہ یہی شہر اس کا مولد و مدفن ہے- شیر شاہ نے اپنی پانچ سالہ حکومت میں بھی مدرسوں اور کتب خانوں کو فراموش نہیں کیا- خود شیر شاہ کے پاس تاریخ کی کتابوں کا نہایت اعلیٰ ذخیرہ ہوگا- اس علم دوست فرمانرواں کو عربی، فارسی، فقہ اور تاریخ میں مہارت حاصل تھی- تاریخ سے اس کو خاص

شغف تھا۔ شیر شاہ نے ''نارنول'' میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی۔

شیر شاہ کے دادا ابراہیم سوری کی قبر نارنول میں ہے۔ ان کے انتقال کے موقع پر کارِ خیر یہ مدرسہ شیر شاہ نے بنوایا تھا اور مقبرہ و مدرسہ کی تعمیر پر ایک لاکھ سے زائد روپیہ صرف کیا تھا۔ (۴۰)

بارہویں صدی کی ابتداء میں ایک بزرگ شاہ کبیر درویش رہتے تھے۔ ۱۲۹ھ میں فرخ سیر بادشاہ نے ایک لاکھ درہم آمدنی کے اٹھارہ موضع شاہ صاحب کو نذر کیے جن پر ان کے جانشین شاہ خلیل اللہ صاحب نے قبضہ کیا۔ اس کے بعد ۱۱۷۵ھ میں شاہ عالم ثانی نے بھی مواضعات التمغاء کے طور پر عنایت کیے۔ اس خانقاہ کے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم ہوا جو آج تک موجود ہے۔ مدرسہ کا نام ''مدرسہ عربیہ خانقاہ'' ہے۔ غالباً خانقاہ کی بنیاد ہی سے اس میں کتب خانہ قائم کیا گیا ہوگا۔ یہ کتب خانہ بہت بڑا اور بیش قیمت تھا۔ مدرسہ کے ساتھ یہ کتب خانہ آج بھی موجود ہے۔ (۴۱)

سہسرام کے دورِ آخر کے نامور عالم اور مصنف مولانا مصلح الدین مؤلف ''تاریخ سہسرام'' کا کتب خانہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال پر کئی کتابیں لکھیں مثلاً ''قرآن اور اقبال'' وغیرہ۔ مولانا نے تفسیر القرآن آسان زبان میں لکھی اور قرآن کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ماہانہ ''ترجمان القرآن'' حیدر آباد دکن سے جاری کیا۔ ان کتب خانوں کی کیفیت پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بہار کی چھوٹی چھوٹی غیر معروف آبادیوں تک یہ کتابیں جمع کرنے کا شوق آج سے برسوں قبل پھیلا ہوا تھا۔ (۴۲)

خانقاہ عباسی کا کتب خانہ:

موجودہ بہار میں بھاگل پور کی خانقاہ عباسی محلہ مشہور خانقاہ ہے۔ یہاں بھی ایک کتب خانہ تھا۔ اسی طرح پھلواری شریف کی خانقاہ بھی قدیم ہے اور ہمیشہ سے اربابِ علم و فضل کا مرکز رہی ہے اور اب تک یہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں بھی کتب خانہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ (۴۳)

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (لہریائے سرائے دربھنگہ) کا کتب خانہ:

دورِ حاضر کی لابدی ضروریات میں سے ایسے عظیم الشان کتب خانوں کا وجود بھی ہے جو نادر اور بیش بہا کتب پر مشتمل ہے کیونکہ اس وقت دنیا کی تمام ترقیات اور نت نئی ایجادات کا انحصار زیادہ تر انہیں بڑے کتب خانوں اور لائبریریوں کا مرہونِ منت ہے۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ بھی زمانے کی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہا ہے۔(۴۴)

دارالعلوم کے مخلص اربابِ نسبت و کشاد نے طلباء واساتذہ کی ضروریات کا لحاظ کر کے مختلف علوم و فنون کی درسی و غیر درسی کتابیں فراہم کر کے تقریباً آٹھ سو کتب سے ایک کتب خانہ کی بنیاد ڈالی۔ دارالعلوم سال بہ سال ترقی کی منازل طے کرتا گیا لیکن کتب خانے کی ترقی کی رفتار سست رہی۔ تقریباً ۱۳۵۰ء میں جناب مولوی حاجی محمد نورالحسن صاحب کے خلف الرشید جناب مولوی محمد عثمانی صاحب چکر ہروی نے اپنے والد بزرگوار کا کتب خانہ، جو تقریباً پانچ سو کتب پر مشتمل تھا، دارالعلوم کے کتب خانہ میں ضم کر دیا، اس طرح ۱۳۵۰ھ میں کتب خانہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ کتب پر حاوی ہو گیا۔

کم و بیش ۱۳۶۰ھ کا زمانہ تھا کہ اس سلسلہ میں اربابِ مدرسہ کی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے پھر بار آور فرمایا۔ ایک باہمت نوجوان جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب آروی، خلف الرشید جناب مولوی حکیم محمد ضمیر الحق صاحب نے اپنے اسلاف کا اندوختہ یعنی اپنا بیش بہا کتب خانہ، جو ایک ہزار سے زیادہ کتب پر مشتمل تھا، دارالعلوم کو عطا کیا۔ اسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد جناب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بندھولوی کی سعی محمود سے بمبئی کے کسی مخلص صاحبِ خیر نے کتب خانہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کی قیمتی مطبوعات عطا فرمائیں۔ اس سلسلہ میں جناب مولانا عبدالغفار صاحب اور بعض دوسرے علم دوست اصحاب شکریہ کے مستحق ہیں۔

جناب ڈاکٹر محمد عزیز صاحب بندھولوی نے اپنے والد محترم جناب مولانا عبدالوہاب صاحب اپنے

بزرگ نانا جناب مولانا محمد صالح صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان کتب خانہ دارالعلوم کو عطا فرما دیا ہے-(۴۵) اس قومی خزینہ گنج ہائے گراں مایہ سے پر کرنے والوں میں جناب حافظ محمد صدیق صاحب، جناب حاجی محمد پلٹ صاحب (رجورا)، جناب عبدالغفار صاحب (پٹنہ)، جناب حاجی عبدالمجید صاحب دیگمرا کے نام نامی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں- وہ مخلصین جنھوں نے وقتی طور پر تھوڑی بہت کتابیں دارالعلوم کے کتب خانہ کو عطا فرما کر ہمارے خزینۂ علم کو مفید بنانے کی سعی کی ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب، مہتمم دارالعلوم، جناب حافظ محمد اسماعیل صاحب دہلوی، جناب حاجی عبداللہ وعبیداللہ صاحبان دہلوی، جناب حاجی عبدالحق صاحب جھوپرا، جناب منشی عبدالکریم صاحب سمیلہ، منشی محمد خان صاحب تاج پور، منشی عبدالعزیز صاحب بنولی، منشی عبدالمجید صاحب روے اور مولانا عبدالسلام صاحب بستوئی، نذیر احمد صاحب کٹکی بازار دربھنگہ، عبدالرحمٰن نشتر سلفی، مسماۃ تقدیراً صاحبہ، مولوی عباس طیاری، ان کے علاوہ بیسیوں ایسے مخلصین ہیں جنھوں نے قرآن کریم یا بعض دوسری چھوٹی چھوٹی کتابوں سے کتب خانہ کو مزین کیا ہے-

اس سلسلہ کی ایک کڑی ان معاونین کی اعنات کی بھی ہے جنھوں نے نقد رقوم سے کتب خانہ کو نوازا اس سلسلہ میں حافظ محمد اسماعیل صاحب دہلوی کا اسمِ گرامی بہت خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ آپ نے کتب خانے کے لئے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی-(۴۶)

تعداد کتب:

اس وقت دارالعلوم کا کتب خانہ کم وبیش پانچ ہزار کتب پر مشتمل ہے- یہ کتابیں متداول وغیر متداول بہت سے علوم وفنون پر حاوی ہیں-

کتابیں:

(الف) کلام اللہ:

کتب خانے میں کلام اللہ کا نادر سے نادر نسخہ، جس سے بہت سے کتب خانے خالی ہیں، موجود ہے- چنانچہ نقل نظامی، مثل نقل نظامی معریٰ اور بہت سے مترجم نسخوں کے علاوہ حضرت............العلام، جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجے خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں-

(ب) علمِ تفسیر:

اس فن میں بہت بڑا سرمایہ موجود ہے- صرف تفسیرِ کبیر اور تفسیر ابن جدید کے نسخوں سے پوری ایک الماری مملو ہے- روح المعانی، جمل، خازن، فتح البیان المنار، اکیسرِ اعظم کشاف اور جلالین خاص طور پر قابل ذکر ہیں- اس کے علاوہ دوسری تفسیروں کے کم وبیش ساڑھے تین سو نسخے موجود ہیں- بدائع الفوائد اور محمد عبدہ، کی المنار موجودہ دور کی ممتاز تفسیروں میں سے ہیں- یہاں تفسیر کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے جو طباعت سے محروم ہے-

(ج) احادیث:

احادیث شروح، احادیث سسمائے الرجال اور فن اصولِ حدیث میں دار العلوم کے کتب خانہ کے اندر بفضلہٖ تعالیٰ اتنے مواد موجود ہیں کہ اس وقت کے بیشتر کتب خانے ایسا ذخیرہ کم ہی پیش کر سکتے ہیں- ایک ایک کتاب کی متعدد شرحیں ہیں- مولانا نواب وحید الزماں خان مرحوم اور نواب صدیق حسن خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ عہدِ سعید میں تراجم اور شروح احادیث وغیرہ کے متعلق جو کوششیں ہوئیں وہ اگر کل نہیں تو زیادہ تر دار العلوم کے کتب خانہ میں موجود ہیں- عون المعبود، تحفتہ الاحوزی وغیرہ، جو ہر اہلِ حدیث کتب کی زینت

ہیں، یہاں بھی ہیں۔ مشکوٰۃ کی شروح میں اشعۃ اللمعات مرقاۃ وغیرہ بھی خدا کے فضل سے ہمارے علم کے لئے کتب خانے میں موجود ہیں۔(۴۷)

کھجوا اور دیسنہ کے کتب خانے:

یہ دونوں مختصر آبادیاں ریلوے اسٹیشن سے دور اور رسل ورسائل کی سہولتوں سے محروم رہی ہیں۔ اس کے باوجود یہاں اعلیٰ درجہ کے کتب خانوں کا قائم ہو جانا صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے بانی عشاقِ کتب کی صف میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

کھجوا (ضلع سارن) کا کتب خانہ:

کھجوا ضلع سارن کے کتب خانہ میں نایاب کتابوں اور قدیم مخطوطات کے علاوہ تصاویر اور وصیلوں کا بھی کافی ذخیرہ تھا۔(۴۸)

یہاں کی کتابوں وغیرہ پر بانی اور واقف کی مہریں لگی ہوئی ہیں، جن کی عبارت سید ناصر علی ۱۲۱۳ھ بتاتی ہے کہ یہ کتب خانہ تقریباً پونے دوسو برس پرانا ہے، مگر اب اس کی حالت بڑی خراب وخستہ ہے، ٹوٹی پھوٹی الماریوں اور ٹوکریوں میں کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے کتب خانے:

پٹنہ میں اس وقت ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں جن کے یہاں عربی کتابوں کے نادر نسخے اب تک ہیں۔(۴۹) اور ان کو اس قدر عزیز ہیں کہ وہ انہیں جدا نہیں کر سکتے۔ راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اس قسم کا نادر کتب خانہ موروثی چلا آتا ہے۔

علمی وتعلیمی ترقیوں کا جو سلسلہ خلجی کی فتح بہار یعنی بارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا تھا، وہ عہدِ مغلیہ تک جاری وساری رہا۔ اس کے بعد برطانوی عہد میں تعلیم کے نظام اور کتب خانوں کے قیام کا ایک نیا

سلسلہ رائج ہوا جو اس زمانے کے سائنٹفک مزاج سے ہم آہنگ ہوسکے لیکن عہدِ رفتہ کی کچھ یادگار خانقاہیں مدرسوں اور کتب خانوں کی شکل میں اب بھی موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر بہار کی گزشتہ علمی عظمت وشوکت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔(۵۰)

حواشی باب اول، فصل چہارم حصہ (ب)

۱- الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی، اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۷

۲- ایضاً، ص ۴۷

۳- ایضاً، ص ۴۸

۴- ایضاً، ص ۵۱

۵- مولوی عبدالرحمٰن سلفی: سہ ماہی الزبیر کتب خانہ (۱۱)، ۱۹۶۷ء، ص ۲۷

۶- ایضاً، ص ۲۹

۷- ایضاً، ص ۳۰

۸- ایضاً، ص ۳۱

۹- الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، اکتوبر ۱۹۷۸ء، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی، ص ۵۶

۱۰- ایضاً، ص ۲۷۲

۱۱- محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، کتب خانہ نمبر، اکتوبر ۱۹۷۸ء، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی، ص ۱۲۴

۱۲- الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ۳۷۷

۱۳- ایضاً، ص ۳۷۸

۱۴- محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، کتب خانہ نمبر، ص ۲۵،

۱۵- الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ۳۷۹

۱۶- ایضاً، ص ۳۸۰

۱۷- ایضاً، ص ۳۸۸

۱۸- ایضاً، ص ۳۸۲

۱۹- محمد حفیظ اللہ پھلواری: کتب خانہ نمبر، ص ۱۲۵

۲۰- ایضاً، ص ۱۲۶

۲۱- ایضاً، ص ۱۳۲

۲۲- جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، طابع ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ص ۱۹۵

۲۳- الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۴

۲۴- محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، ص ۱۲۷

۲۵- ایضاً، ص ۲۷۳

۲۶- ایضاً، ص ۱۲۶

۲۷-ایضاً،ص ۱۲۷

۲۸-ایضاً،ص ۱۲۸

۲۹-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۴

۳۰-محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، ص ۱۲۸

۳۱-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۵

۳۲-محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، ص ۱۲۸

۳۳-ایضاً،ص ۱۲۹

۳۴-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۵

۳۵-محمد حفیظ اللہ پھلواری: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، ص ۱۲۹

۳۶-ظفر صاحب ندوی: ہندوستان کے کتب خانے، معارف نمبر۲، جلد ۶۳، کتب خانے، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء، ص ۲۰۱

۳۷-ایضاً،ص ۲۰۲

۳۸-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۲

۳۹-المعارف نمبر۲، جلد ۶۳، کتب خانے، ص ۲۰۱

۴۰-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۲

۴۱-المعارف نمبر۲، جلد ۶۳، کتب خانے، ص ۲۰۱

۴۲-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۷

۴۳-المعارف نمبر۲، جلد ۶۳، کتب خانے، ص ۲۰۲

۴۴-مولوی عبدالرحمٰن صاحب سلفی: سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، کتب خانہ نمبر، ص ۱۷۸

۴۵-ایضاً،ص ۱۷۹

۴۶-ایضاً،ص ۱۸۰

۴۷-ایضاً،ص ۱۸۱

۴۸-ایضاً،ص ۱۸۲

۴۹-الحاج محمد زبیر: اسلامی کتب خانے، ص ۲۷۸

۵۰-ایضاً،ص ۲۷۹

نوٹ:-اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کی معروف خانقاہیں ملاحظہ ہوں۔

باب اوّل

فصل چہارم، حصہ (ج)

بہار کی معروف خانقاہیں

خانقاہ:

خانقاہ، رباط، زاویہ، کتیہ، رداق، یہ کل ایک ہی چیز ہے۔ فقرائے باکمال، صاحبِ رشد وارشاد جگہ خلق کی ہدایت کرتے ہیں ان کی تربیت میں رہ کر طالبینِ حق جہاں کسب وریاضت وچلہ کشی کرتے ہیں، وہ جگہ ان ہی ناموں سے موسوم ہوتی، سب سے پہلے جس بزرگ سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے اسی کے نام سے وہ جگہ موسوم ہو جاتی ہے مثلاً خانقاہ حضرت........ یا تکیہ مخدوم.......... وغیرہ۔(۱)

اسی طرح مہمان سرا اور مسافر خانہ بھی ہے جو دولتمند اپنی اخروی صلاح وفلاح کے لئے بناتے ہیں اور ان تمام چیزوں کی بنیاد وقف فی سبیل اللہ قائم ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے جب کسی بزرگ کی خانقاہ قائم ہو جاتی ہے تو حکومت بھی اس کو لاخراج چھوڑ دیتی ہے اور کسی قسم کا مطالبہ وقف سمجھتے ہوئے نہیں کرتی ہے۔

ہر زمانہ میں اہلِ دل، صاحبِ طریقت وسلسلۂ بزرگ ہوتے ہیں جو کسی صاحبِ دل درویش کی صحبت میں مدت العمر رہنے کے بعد ریاضیات ومجاہدات میں سعی بلیغ کر کے مدارجِ عالیہ پر پہنچتے ہیں پھر اپنے شیخ کی طرف سے خرقہ مصلا وتسبیح سند ومثال پانے کے بعد ارشاد وہدایت خلق کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ ان کا شیخ ان کو کسی شہر یا دیہات میں بیٹھ کر رشد وہدایت کے لئے حکم دیتا ہے۔ وہ ماذون و مامور انسان اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق اس شہر یا دیہات کے کسی ویرانہ یا مسجد میں اپنا مصلاّ بچھا کر، جو اس کے شیخ سے ملا ہے، رشد و ہدایت کے لئے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے جذبات حقہ اور کششِ صحیح کی وجہ سے خلق کا رجحان اس کی طرف ہوتا ہے، لوگ جوق در جوق اس کی خدمت میں آنے لگتے ہیں اور اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق دینی یا دنیاوی مقاصد میں اس کے فیضِ صحبت سے بہریاب ہوتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد مریدین ومعتقدین اس بزرگ کے قیام کے لئے کوئی عمارت تعمیر کر دیتے ہیں جو خانقاہ یا تکیہ وغیرہ کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے۔ اب یہ

بزرگ شیخ کا عطا کیا ہوا مصلیٰ اسی مکان میں بچھا کر بیٹھ جاتا ہے، باوجودیکہ یہ جگہ اس کو ہبہ کردی جاتی ہے، مگر وہ اس جگہ کو وقف ہی تصور کرتا ہے اور کوئی باضابطہ کارروائی بہ شکل رجسٹری وغیرہ نہیں کرتا، بلکہ خانقاہ کے نام سے کسی صاحبِ سلسلہ بزرگ کی قیام گاہ کا مشہور ہوجانا وقف سمجھا جاتا ہے۔

اگر کسی بزرگ کو اس کے شیخ نے تکمیل طریقت کے بعد خرقۂ خلافت، تسبیح ومصلیٰ وسند ومثال دے کر یہ ہدایت کی کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہ کر رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کرے تو وہ حسبِ ہدایت اپنے وطن ہی کو اختیار کرتا ہے اور اپنے آبائی اور سکونتی مکان کے کسی گوشہ یا کسی خلوت کو اپنے کام کے لئے مخصوص کرلیتا ہے۔ اگر اپنے آبائی مکان میں وسعت نہ ہوئی اور دوسرے شرکاء کی رہائش میں تنگی کا اندیشہ ہوا تو پھر وہ کسی جنگل یا میدان کی طرف چلا جاتا ہے مگر سرزمینِ وطن کی حدود سے باہر نہیں ہوتا۔

خداوند تعالیٰ اپنے کسی باہمت بندہ کے ذریعہ سے اسی جنگل یا میدان میں کوئی اراضی اس بزرگ کی رہائش اور رشد وہدایت کے اجراء کے لئے دلوادیتا ہے تاکہ وہ بغرض خاطر اللہ کی یاد اور ہدایت خلق میں (۲) مصروف رہے اور جب وہ جگہ بھی خانقاہ کے نام سے مشہور ہوجاتی ہے تو لوگ اس کو وقف اللہ ہی تصور کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حکومت بھی اس سے تعرض نہیں کرتی اور لاخراج چھوڑ دیتی ہے، ہاں اگر اس بزرگ کے وصال کے بعد ایسا اندیشہ ہو کہ آئندہ لوگ اس جگہ کو ملک تصور کریں گے تو اس بزرگ کے ورثاء آئندہ کے خرخشہ ومناقشات کے سدباب کے لئے باضابطہ وقف نامہ لکھ دیتے ہیں۔ (۳)

وہ مشہور خانقہ ہیں جن کا اگر تذکرہ نہ کیا جائے تو گستاخی ہوگی، جن کا تذکرہ مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہے:

(الف) اسلامی کتب خانے (ب) اعیانِ وطن (ج) تذکرۂ علمائے بہار (د) تذکرۃ الصالحین (ر) وادیٔ بالان (ز) شرفاء کی نگری (۴)

وہ خانقاہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱-خانقاہ رواق منیر شریف، فردوسیہ وسہروردیہ ۲-خانقاہ حضرت عشق پٹنہ ۳-خانقاہ پیر مجیب قدس سرہٗ پھلواری شریف ۴-خانقاہ فریدی ۵-خانقاہ تاج العارفین ۶-خانقاہ حضرت رکن الدین عشق ۷-خانقاہ جنیدیہ ۸-خانقاہ درگاہ مخدوم شاہ دولت منیری ۹-خانقاہ شہبازیہ بھاگلپور ۱۰-خانقاہ رحمانی مونگیر ۱۱-آستانہ چشتیہ نظامیہ محلہ شاہ ٹولی ۱۲-خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ ۱۳-خانقاہ جعفری ۱۴-خانقاہ طویلہ بخش ۱۵-خانقاہ شطاریہ قصبہ بڑی بلیا ۱۶-خانقاہ فردوسیہ ستمپلور ۱۷-خانقاہ فیضیہ ۱۸-خانقاہ سرائے ستار خان ۱۹-خانقاہ پیر دمڑیا ۲۰-خانقاہ عرفانِ پناہ حضرت مخدوم شاہ برہان الدین ۲۱-خانقاہ سلیمانیہ ۲۲-خانقاہ چشتیہ دانا پور ۲۳-خانقاہ اسلام پور ۲۴-خانقاہ معظم بہار شریف (سلسلہ فردوسیہ) ۲۵-خانقاہ چشتیہ سہروردیہ (جٹلی شریف) ۲۶-خانقاہ زاہدیہ بہار شریف (مخدوم بدر الدین بدر عالم زاہدیؒ) ۲۷-خانقاہ قادریہ (اجھر شریف) ۲۸-خانقاہ چشتیہ سہروردیہ (بیتھو شریف) ۲۹-خانقاہ بدر آباد (اس کے بانی سید وحید الدین چلہ کش مشھدی (فردوسیہ) تھے ۳۰-خانقاہ چشتیہ ارول شریف (حضرت سید مخدوم ثمن اروی) ۳۱-خانقاہ چشتیہ حضرت مخدوم ضیاء الدین چنڈوسی (یہ حضرت ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے، یہ چنڈوس میں آ کر رہے تھے لیکن یہ ہانسی سے آئے تھے)(۵)

حواشی باب اول، فصل چہارم حصہ (ج)

۱- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، طابع و ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ص ۲۶۴

۲- ایضاً، ص ۲۶۵

۳- ایضاً، ص ۲۶۶

۴- بقلم مہر النساء

۵- مندرجہ ذیل کتب میں یہ خانقاہیں موجود ہیں: اعیان وطن، تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، تذکرۃ الصالحین، وادیٔ بالان، شرفاء کی نگری، جلد اول، شرفاء کی نگری، جلد دوم۔

بالمشافہ سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی

نوٹ:- اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کی معروف مساجد اور مقبرے ملاحظہ ہوں۔

باب اوّل

فصل چہارم، حصہ (د)

بہار کی مشہور مساجد

اور

مقبرے

مسجد کی تعریف و تاریخ:

مسجد......سجدہ کرنے کی جگہ، اصطلاحاً مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو کہا جاتا ہے- یہاں پانچوں وقت نماز ادا کی جاتی ہے- ویسے اسلام میں خاص معین جگہ پر مسجد کے لئے پابندی نہیں ہے بلکہ اسلام میں تو اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو سجدے کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے- مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ مسجد مدینہ کی نواحی بستی قباء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنوائی تھی- جب آپؐ مدینہ منورہ کی آبادی میں داخل ہوئے تو وہاں بھی آپؐ نے مسجد قائم کروائی - یہ مسجد اب مسجد نبویؐ کے نام سے مشہور ہے-

ابتداء میں مسجدیں کچی بنائی جاتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ مسجد کی تعمیر مسلمانوں کے لئے ایک فن بن گئی- اس طرح ایک خاص طرزِ تعمیر کا ارتقاء ہوا جس میں محراب، منبر، گنبد، ایوان، صحن اور میناروں کو خاص اہمیت حاصل ہے- مسلمانوں کے ہر دور کے حکمرانوں نے مسجدوں کی تعمیر کی طرف خصوصی توجہ دی- مشہور مساجد میں بیت اللہ، مکہ مکرمہ کی مسجد، مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ، بیت المقدس کی مسجد، قرطبہ، قاہرہ، دمشق، بغداد، سامرہ، استنبول اور قیروان کی مسجدیں ہیں-

برعظیم پاک و ہند کے علاقوں میں مغل بادشاہوں نے مساجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- شاہجہاں، اورنگزیب کے عہد میں آگرہ، دہلی اور لاہور میں مساجد تعمیر ہوئیں- اورنگزیب کے عہد کی قائم کردہ مسجد، جو لاہور میں شاہی مسجد کے نام سے موسوم ہے، اپنی وسعت کی وجہ سے دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے اور اپنے فنِ تعمیر کا بے مثال شاہکار ہے- ٹھٹھہ میں شاہجہاں کی تعمیر کردہ مسجد بھی کافی وسیع اور شاہکار کا نمونہ ہے-

مسجدِ اقصیٰ:

قبلۂ اول اور دنیائے اسلام اور دوسرے مذاہب کی مقدس ترین جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

حدیث میں مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت اس طرح بیان کی ہے:

''مسجد حرام (مکہ مکرمہ)، مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ) کے بعد اگر کوئی تیسرا سفر جائز ہے تو وہ مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔''

اس طرح اس مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب ۲۵ ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ مسجدِ اقصیٰ وہی مسجد ہے جسے سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے بنایا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ کا سات لاکھ مربع گز کا محیط پورا حرم شریف کہلاتا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کی اصل عمارت حرم احاطہ کے جنوبی حصے میں ہے اور اس کا رقبہ تقریباً ۱۵ ہزار مربع گز ہے۔ حرم کے صحن کے باقی حصے میں مختلف یادگاریں ہیں۔ حرم کے دروازوں میں دو دروازے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے نام سے منسوب ہیں۔ ایک دروازہ باب حطہ اور ایک دروازہ باب توبہ کہلاتا ہے، جہاں داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ ان دروازوں کے علاوہ بنی اسرائیل کے بارہ دروازے ہیں۔ محراب مریم بھی حرم کے اندر واقع ہے، جہاں فرشتے حضرت مریمؑ کے لئے گرمیوں میں سردی اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل لایا کرتے تھے۔ اس میں حضرت ذکریا علیہ السلام کی محراب بھی ہے، جہاں فرشتوں نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی۔ ایک محراب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اور ایک کرسی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بھی موجود ہے، جہاں وہ بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مینار بھی موجود ہے جہاں آپؑ اعتکاف کیا کرتے تھے۔

مسجدِ اقصیٰ ہی وہ جگہ ہے جہاں سے نبی کریمؐ معراج پر تشریف لے گئے تھے، قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے:

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) لے گئی......'' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱)

مسلمانوں کے قبضے کے بعد مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر و توسیع اور مرمت کا اعزاز اموی خلیفہ عبدالمالک کو حاصل ہوا۔اس نے مصر کی سات سال کی پوری آمدنی اس کی تعمیر و تکمیل کے لئے وقف کردی تھی۔

مسجد امیر حمزہؓ:

مدینہ منورہ سے تقریباً ۳ میل کے فاصلے پر دامنِ کوہ میں شہدائے اُحد کی قبروں اور حضرت امیر حمزہؓ کی قبر کے قریب یہ مسجد ہے۔جہاں روایات کے مطابق غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جو عزیمت اٹھانا پڑی اس کی بابت سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۴۰ یہاں اتری تھی۔

مسجد جن:

قرآن مجید کی سورۃ جن جس مقام پر نازل ہوئی وہاں اب (مکہ مکرمہ سے منیٰ کے راستے میں) مسجد تعمیر کردی گئی ہے،اسے ''مسجدِ جن'' کہتے ہیں۔

مسجدِ حرام:

مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ کے چاروں طرف کی مسجد کو مسجدِ حرام کہا جاتا ہے۔اس چاردیواری میں چاہ زم زم اور مقام ابراہیمی بھی ہیں۔نبی کریمؐ کی زندگی میں کعبہ کے گرد جگہ بہت کم تھی اور مسجد کی کوئی حد بندی نہ تھی۔فتح مکہ ۸ھ/ ۶۲۹ء کے بعد مسلمانوں نے اس میں با قاعدہ نماز کی ادائیگی شروع کی۔حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اردگرد کے متعدد گھر خرید کر مسجد میں شامل کردیئے۔

حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپؓ نے ۲۶ھ میں اسے مزید وسعت دی۔عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ، جو امیر معاویہؓ کے آخری زمانے میں حرمین کے خودمختار فرمانروا تھے، نے اسے ۶۴ھ میں مزید وسیع کیا۔بعد کی تعمیرات اور اضافے درج ذیل ہیں:(۱)

ولید بن عبدالملک (۸۶ھ/ ۹۶ء) نے مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔منصور عباسی (۱۳۶ھ/ ۱۵۸ھ) نے

کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے۔ مقتدر عباسی (۲۹۵ھ/۳۲۰ھ) نے مسجد کو مزید وسعت دی۔ ۸۰۳ میں مسجد کو سیلاب سے نقصان پہنچا تو مصر کے والی نے اس کی مرمت کروائی، اس کے بعد مصری حکمران مسجد کی تعمیر و توسیع کی طرف خصوصی توجہ دیتے رہے۔ عثمانی خلافت کے دور میں کئی حکمرانوں نے بھی مسجدِ حرام کی تزئین اور تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حجاز مقدس میں سعودی خاندان نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد حرمِ مکہ اور حرمِ مدینہ کی تعمیر و توسیع اور آرائش کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ خصوصی طور پر شاہ فیصل شہید کے دور میں قرب و جوار کی دوکانیں اور مکانات خرید کر انہیں گرا کر مسجد میں اضافہ کیا گیا۔

مسجد میں چاروں طرف ستون ہیں، ان کی تعداد ۵۸۹ بتائی جاتی ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں:

باب السلام، باب النبیؐ، باب العباس، بابِ علی، باب العشرہ، باب الصفا، باب الرحمتہ، باب الشریف، باب ابراہیم، باب العمرہ، باب العتیق، باب الندوہ، باب البغلہ، باب الاجیاد، باب عجلان، باب الوداع، باب العجلہ، باب المدرسہ، باب اُم ہانی۔ (۲)

خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تعمیرِ مسجد کے اجر و ثواب کے خیال سے مسجدیں تعمیر کرائیں جو اب تک مدینہ طیبہ میں مسجدِ ابوبکرؓ، مسجدِ عمرؓ، مسجدِ عثمانؓ، مسجد علیؓ کے نام سے موجود ہیں اور ان خلفائے راشدین کی یادگار ہیں۔ ہر مسجد دوسری مسجد سے قریب بنی ہوئی ہے بلکہ بعض مسجدیں تو اس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں کہ درمیانی فاصلہ بہت مختصر رہ گیا ہے، وہیں پر ایک مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کی بھی تعمیر کردہ ہے۔ (۳)

اس کے علاوہ مدینہ طیب کی ہجرت کے بعد سب سے پہلی مسجد، مسجدِ قبا تھی۔ یہ مسجد اگرچہ اپنی فضیلت

میں مسجد الحرام، مسجد نبویؐ و بیت المقدس کے بعد ہے لیکن اس کو دنیا کی تمام مساجد پر فوقیت وفضیلت ہے-(۴)
اس لئے کہ مسجد حضورؐ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ہی، جب آپؐ شہر سے باہر عمر بن عوف کے محلہ میں ٹھہرے ہوئے
تھے، اسی محلہ میں صحابہؓ نے بنائی تھی-جس کی بنیاد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی اور برابر اسی مسجد
میں نمازیں ادا فرماتے تھے اور آج تک مسجدِ قباء کے نام سے مشہور ہے-پھر بھی جب آپؐ نے مدینہ طیبہ میں
قیام فرمایا تو اپنی قیام گاہ سے قریب تک ایک مسجد تعمیر کرائی جو مسجد نبویؐ کے نام سے مشہور ہے-اس کی تعمیر کے
بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پنجگانہ اسی مسجد میں ادا کرنے لگے اور ہفتہ میں ایک دن مسجدِ قباء میں تشریف لے
جا کر نماز ادا کر لیتے تھے-(۵)

آدابِ مسجد:

قا اللّٰہ تعالیٰ و ان المساجد للّٰہ ولا تدعوامع اللّٰہ احداً-(سورۃ الجن)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ''مسجدیں اللہ کے لئے ہیں لہذا (مسجد میں) خدا کے ساتھ دوسرے کو نہ پکارو-''

اس حکم کے بعد مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسجدوں میں بجز عباداتِ الٰہی، نماز و اذکار، تلاوتِ قرآن،
درود و تسبیح و تہلیل کوئی دوسرا دنیاوی کام نہ کریں-(۶)

بہار کی مساجد اور مقبرے (تعمیرات):

پندرہویں صدی کے آخر تک بہار بنگال کا ہی حصہ رہا ہے لہذا بہار اور بنگال کی بہت سی ثقافتی
سرگرمیاں یکساں ہیں خصوصاً اسلامی طرزِ تعمیر-ہندوستان پر حکومت کرنے والے تقریباً تمام سلاطین جیسے کہ
شارق لودھی اور مغل اپنے مخصوص طرزِ تعمیر کے لئے مشہور ہیں اور ان تمام سلاطین کے ادوار میں ان کے مخصوص
طرزِ تعمیر کا اثر یقیناً اس خطے کی تعمیرات پر بھی پڑا ہوگا-

تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں صدی کی کوئی بھی قابلِ ذکر عمارت بنگال میں باقی نہیں بچی ہاں

البتہ بہار میں چند عمارات ہیں۔(۷) پہلے دور کی کوئی عمارت نہیں بچی ہے، دوسرے دور میں جو بنگالی طرزِ تعمیر کا دور ہے، صرف شاہ نفا کا مقبرہ قابل ذکر ہے جو منگھیار میں واقع ہے۔ بنگالی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ مغلیہ اور سور ادوار کی عمارات سے ہی بہار کے طرزِ تعمیر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہم بہار کے اسلامی طرزِ تعمیر کو پانچ ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور دہلی سلاطین کا طرزِ تعمیر، جو ہمیں بہار شریف میں واقع ملک ابراہیم بیّو کے مقبرے اور چند اور مقبروں میں ملتا ہے۔ دوسرا دور بنگالی طرزِ تعمیر ہے جو شاہ نفا کے مقبرے میں نظر آتا ہے۔ تیسرا سور طرزِ تعمیر اور چوتھا اور پانچواں دور مغلیہ سلطنت کے ابتدائی اور آخری عہد سے تعلق رکھتا ہے۔(۸) تاریخی اہمیت کا حامل ملک ابراہیم بیّو کا مقبرہ بہار شریف میں واقع ہے۔ یہ پہلے دور کی یادگار ہے جو ۱۳۵۳ء میں قائم کی گئی۔ یہ بہار کی صوبائی طرزِ تعمیر کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔(۹)

پہلے ہی دور کی ایک اور اہم عمارت جو خوش قسمتی سے ابھی بھی برقرار ہے وہ چودہویں صدی کے ایک صوفی بزرگ حضرت محمد سوستانی کا مقبرہ ہے اور یہ بہار شریف میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر سے متعلق کوئی تاریخ یقین سے نہیں بتائی جاسکتی مگر اس کے طرزِ تعمیر کو دیکھتے ہوئے (۱۰) اس کو چودہویں صدی کی عمارت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک اور یادگار جس کی تاریخ کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا مگر جو سور عہد سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے وہ ہے ''سنگی مسجد''۔ یہ تلہاڑا میں ضلع پٹنہ میں واقع ہے۔ بہار شریف میں بختیار خلجی کے مقبرے کے قریب دو مقبرے اور واقع ہیں جو کہ تغلق طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں۔(۱۱)

چودہویں صدی کے آخری حصے اور پندرہویں صدی میں قائم ہونے والی عمارتیں اب باقی نہیں بچیں۔ شارقی خاندان، جس نے پندرہویں صدی کے ایک بڑے حصے میں بہار پر حکومت کی، انہوں نے اپنے دور میں یقیناً بہت سی تعمیرات کرائی ہوں گی۔ اس دور کی صرف ایک عمرت جو بہار کے شمال مشرق میں

واقع ہے، یہ عمارت اب بھی ہے اور یہ ہے شاہ نفا کا مقبرہ جو مونگیر کے مقام پر ہے- یہ پندرہویں صدی کے آخر میں مکمل ہوا- یہ مقبرہ بھی بہار کی طرزِ تعمیر میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ بنگالی طرزِ تعمیر کا منہ بولتا نمونہ ہے- یہ مقبرہ ۹۸-۱۴۹۷ میں بنگالی سلطان علاؤ الدین حسین کے دور میں بنوایا تھا- سولہویں صدی کے بعد بنگال کے سلطان نے کئی مساجد بنوائیں جو شمالی بہار سے لے کر سارن ضلع تک اور کچھ جنوبی بہار میں بنوائی گئیں-(۱۲)

ہداف کی جامع مسجد، ایک اور اہم جامع مسجد ہے- یہ ہداف میں راج محل کے نزدیک ضلع سنتھال پرگناس بنگال کی سرحد پر واقع ہے- عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسجد ۱۶۰۰-۱۵۸۰ کے درمیان راجہ مان سنگھ نے بنوائی، جو دورِ اکبری سے متعلق رکھتا تھا-(۱۳)

اس کا انوکھا طرزِ تعمیر نا صرف اس مسجد کو پورے صوبے میں ممتاز کرتا ہے بلکہ یہ اپنی طرز کی ایک مثال ہے جو کہ پورے ہندوستان میں نہیں ملتی- یہ مسجد بنگالی طرزِ تعمیر کی ایک بہترین مثال ہے جو سب سے زیادہ مرقع اور کارگری کا نمونہ ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اب اس مسجد کا صرف آدھا حصہ صحیح حالت میں موجود ہے-(۱۴) ہداف کی جامع مسجد اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی بہار میں تعمیر ہونے والی عمارتیں بنگالی طرزِ تعمیر کا نمونہ تھیں-

بہار میں طرزِ تعمیر کا تیسرا دور شیر شاہ سوری کے عروج کے ساتھ شروع ہوتا ہے جس نے بہار میں اسلامی طرزِ تعمیر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے- ایک عمارت جو سور عہد کے اوائل میں تعمیر ہوئی مگر سوری عہد کے طرزِ تعمیر کی عکاسی نہیں کرتی، یہ شاہ جمن جاٹی کا مقبرہ ہے جو ضلع پٹنہ میں ہلسا کے مقام پر ۱۵۶۳ء میں بنایا گیا-(۱۵)

بہار میں شیر شاہ کے عہد کی مشہور یادگاروں میں سہسرام کے مقبرے اور ایک مقبرہ، جو چین پور میں

واقع ہے، اس عہد کی اور کوئی مشہور عمارت اب صوبے میں باقی نہیں رہی۔

سہسرام کے مقبروں میں حسن سور، شیر شاہ سور اور علاول خان کے مقبرے نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مقبرے عمارات کا مناسب تناسب اور طرزِ تعمیر کی نمایاں خوبیاں رکھتے ہیں۔(۱۶)

چین پور میں بختیار خان کا مقبرہ حسن سور کے مقبرے کی کاپی ہے۔(۱۷) اور عہد کی دوسری یادگاروں میں (جو صفحۂ ہستی پر اب بھی قائم ہیں) ایک جامع مسجد ہے جو روہتاس کے قلعے میں واقع ہے، یہ شیر شاہ کے ابتدائی عہد سے تعلق رکھتی ہے، ۱۵۴۳ء میں تعمیر ہوئی۔(۱۸)

اکبر کے ابتدائی عہد ۱۵۷۰ء میں جو عمارات بہار میں قائم ہوئیں وہ مغلیہ طرزِ تعمیر کی عکاسی نہیں کرتیں۔ ان عمارتوں میں حبش خان کا مقبرہ اور مسجد اور سخی سلطان کا مقبرہ شامل ہے جو ۱۵۷۸ء میں روہتاس گڑھ میں قائم کی گئیں۔ حبش خان کی مسجد قلعے کے غازی دروازے کے قریب واقع ہے۔(۱۹) حبش خان کا مقبرہ مسجد کے عقب میں واقع ہے۔(۲۰)

مسجد حبش خان کی تعمیر کے ایک یا دو عشرے کے اندر اندر روہتاس گڑھ میں بڑی تعداد میں مغلیہ طرز کی عمارتیں بنائی گئیں۔ اس محل کا طرزِ تعمیر دورِ اکبری کے طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے مگر روہتاس گڑھ میں قائم ہونے والی عمارتوں نے بہار میں ایک نیا طرزِ تعمیر متعارف کرایا۔(۲۱)

بہار میں عہدِ اکبری کی دوسری یادگاریں جو مغلیہ دور کی ابتدائی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں، ان میں چھوٹی درگاہ یا مخدوم شاہ دولت کا مقبرہ جو منیر میں واقع ہے، یہ بہار کی سب سے بہترین یادگار کہلا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ عمارت ۱۶۱۶ء میں عہدِ جہانگیری میں بنوائی گئی مگر یہ عہدِ اکبری کے طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے اور فتح پور سیکری کے محل سے بہت مشابہ ہے۔(۲۲)

پھلواری شریف میں پتھر کی ایک مسجد جو ''سنگی مسجد'' کہلاتی ہے، ابتدائی مغلیہ طرز پر تعمیر ہونے والی چند

مسجدوں میں سے ایک ہے۔(۲۳) ابتدائی طرزِ تعمیر کی ایک اور یادگار ناگ پوری دروازہ ہے یا پالا مو قلعے کا ناگ پوری دروازہ کہلاتا ہے اور ضلع چھوٹا ناگ پور میں واقع ہے۔ یہ دروازہ اب تقریباً تباہ ہو چکا ہے۔ پانچویں اور آخری دور کو اگر بنگال میں مغلیہ طرز کی یادگاروں کا دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔(۲۴) مخدوم صاحب کا مقبرہ بھاگلپور کے نزدیک چمپانگر میں واقع ہے۔ یہ ۲۳-۱۶۲۲ء میں تعمیر ہوا۔ اس کو بنگال کے مخصوص طرز پر تعمیر گیا ہے۔

عہدِ ابری کی ایک اور یادگار جس میں بنگالی طرز کی خصوصیات نہیں ملتیں، تین گنبدوں والی جامع مسجد ہے۔ یہ حاجی پور میں واقع ہے۔

پانچویں دور کی عمارات میں ایک یادگار ایسی بھی ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اکبر کے عہد میں کسی وقت تعمیر کی گئی مگر درحقیقت یہ مغلیہ دور کے آخری حصے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ عمارت ''سنگی دالان'' کے نام سے مشہور ہے۔ سنگی دالان دریائے گنگا کے کنارے راج محل پر واقع ہے جو شاہجہاں کے بیٹے شجاع نے بنوایا۔(۲۵)

بھاگلپور اور پٹنہ کی وہ مساجد جن کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

میر صاحب کا ٹولہ (باراری)، شاہ جنگی، مغل پورہ، خلیفہ باغ اور مشائیکا چک طرزِ تعمیر کے لحاظ سے ان مساجد کو سترہویں صدی کے دوسرے حصے سے منسلک کیا جا سکتا ہے۔ ان مساجد میں سے کسی کی صحیح تاریخ معلوم نہیں سوائے باراری مسجد کے، جو ۱۶۵۳ء میں تعمیر کرائی گئی۔(۲۶) مغلیہ طرز پر تعمیر کی جانے والی مساجد میں سے ایک شیر شاہ کی مسجد ہے، جو پٹنہ میں تعمیر کی گئی تھی اور اب تقریباً گر چکی ہے۔ یہ مغلیہ دور کے ابتدائی حصے میں تعمیر کی گئی۔(۲۷) مغلیہ عہد کے ابتدائی حصے میں تعمیر کی جانے والی ایک اور مسجد ''مدرسہ مسجد'' ہے، جو پٹنہ میں مدرسہ گھاٹ پر واقع ہے۔ یہ ۱۶۳۰ء میں تعمیر کی گئی۔(۲۸) ایک اور مسجد جس کا تذکرہ ضروری ہے وہ ہے خواجہ کلاں کا گھاٹ۔ مغلیہ دور کے آخری عہد میں اس صوبے میں جو مساجد تعمیر کی گئیں یہ مسجد بھی اسی طرز پر بنائی

گئی تھی- میر اشرف کی مسجد جو۷۳-۱۷۷۴ء میں تعمیر ہوئی- یہ پٹنہ میں اٹھارہویں صدی کے آخر میں تعمیر کی جانے والی مسجدوں میں سے ایک ہے- طرزِ تعمیر کے اس آخری دور میں مقبروں کی طرزِ تعمیر میں بھی فرق نظر آتا ہے-(۲۹) ان مقبروں میں کچھ مونگیر قلعے میں واقع ہیں- ان میں سے ایک غوث صاحب کی درگاہ، جو کہ فتح پور میں بھاگلپور کے نزدیک واقع ہے-

دوسرے طرز کے مقبروں میں شمشیر خان اور ابراہیم خان کا مقبرہ، جو شمشیر نگر (ضلع گیا) اور بھاگلپور میں واقع ہے، یہ دونوں مقبرے اٹھارہویں صدی کے طرز پر تعمیر کی بہترین مثال ہے-(۳۰) شمالی بہار میں واقع ابراہیم خان کا مقبرہ اسلامی طرزِ تعمیر کی یادگاروں میں نمایاں مقام رکھتا ہے-(۳۱) اسی طرز پر بنائے گئے دو اور مقبرے راج محل کے نزدیک بیگم پور میں واقع ہیں- ان میں سے ایک مقبرہ بخت ہما کا ہے جو مشہور مغل جرنیل کی بیوی تھی-

مقبروں کی تیسری قسم میں ضیا بی بی کا مقبرہ، جو راج محل میں ہے، ملنگی شاہ جو ضلع چمپارن میں سگاردہی کے مقام پر ہے اور ایک سیتا کند قلعے کے اندر واقع ہے- اب دونوں ہی مندر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں-(۳۲) طرزِ تعمیر کے لحاظ سے دیدبان مقبرہ سترہویں صدی کے درمیانی عرصے میں تعمیر ہوا ہوگا-

مقبروں کی تعمیر کی آخری قسم منیر الدولہ کے مقبرے سے تعلق رکھتی ہے جو کہ پٹنہ شہر میں واقع ہے- یہ ۱۷۵۹ء میں تعمیر کرایا گیا-

آخر دور کی عمارتیں جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی سے تعلق رکھتی ہیں، تقریباً اسی طرز پر بنائی گئی ہیں، جس طرز پر مغلیہ دور کے آخری حصے کی تعمیرات بنوائی گئیں- ان کی اپنی کوئی منفرد تعمیراتی خاصیت نہیں ہے- مگر ان میں سے چند عمارات جیسا کہ میر اشرف کی مسجد (۷۴-۱۷۷۳) میں بنائی گئی اور نواب ہیبت جنگ کی مسجد جو پٹنہ میں واقع ہے، ۱۷۴۸ء میں بنائی گئی اور مراد پور محلے کی مسجد جو بہار شریف میں ہے، یہ کسی حد

تک ناظرین کی توجہ حاصل کرنے کے قابل ہیں-(۴۴)

اس کے علاوہ بہار شریف میں اور بہت ساری مساجد اور مقبرے ہیں جو حسب ذیل ناموں سے پکارے جاتے ہیں:

مقبرے:

۱-مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد، بہار شریف ۷۸۲ھ-

۲-شیخ شعیب بن شیخ جلال، موضع شیخو پورہ، پرگنہ مالدہ میں مدفون ہیں-

۳-سید محمد، عظیم آباد میں مدفون ہیں-

۴-شیخ خلیل الدین عرف شیخ منکن و شیخ تاج الدین، عظیم آباد-

۵-سید سلیم، عالم گنج عظیم آباد-

۶-درویش ارزاں، محلّہ درگاہ، عظیم آباد-

۷-شیخ محمد محمود و شیخ عین الدین حسینی مدار، لودی کٹرہ، عظیم آباد-

۸-شیخ شہاب الدین جگجوت، موضع عملہ حویلی بلدہ، عظیم آباد-

۹-شیخ آدم صوفی، موضع جھٹلی عملہ پرگنہ حویلی بلدہ، عظیم آباد-

۱۰-سید محمد، قصبہ بہار-

۱۱-شیخ احمد چرم پوش (۷۷۶ھ میں انتقال ہوا)، قصبہ بہار-

۱۲-شیخ بدر عالم، موضع سوہ، بہار شریف-

۱۳-حسین نوشۂ توحید، حضرت مظفر بلخی کے بھتیجے، مقبرہ قصبہ بہار-

۱۴-شیخ حمید الدین، ولد شیخ آدمی صوفی، قصبہ بہار-

۱۵-سید یٰسین دانشمند، قصبہ بہار۔

۱۶-مولانا حسام الدین، قصبہ بہار۔

۱۷-سید فضل اللہ، قصبہ بہار۔

۱۸-شیخ فرید طویلہ بخش، قصبہ بہار۔

۱۹-تیم اللہ سفید باز، بن شیخ حمید الدین، قصبہ بہار۔

۲۰-شیخ سعادت، قصبہ بہار۔

۲۱-سید عطا، قصبہ بہار۔

۲۲-محمد ابراہیم ولد ابوبکر عرف ملک بیا، ۷۵۳ء قصبہ بہار، پہاڑی پر۔

۲۳-خواجہ اسحاق مغربی، موضوع منوکھر، نزد شیخ پورہ۔

۲۴-شیخ یحییٰ منیری، قصبہ منیر۔

۲۵-شیخ جلال، قصبہ منیر۔

۲۶-حاجی صفی الدین و حاجی نظام الدین، قصبہ منیر۔ پرگنہ شاہ پور۔ (۳۴)

۲۷-شیخ احمد، موضع بیاپور، پرگنہ شاہ پور۔

۲۸-شیخ دولت، قصبہ منیر۔

۲۹-مولانا نور، خواجہ قطب الدین دہلوی کے سگے بھائی، موضع کھکور، پرگنہ سلیم آباد۔

۳۰-شیخ فتو و شیخ برہان، پرگنہ سلیم آباد، سرکار۔

۳۱-سید فخر الدین، موضع اوکہدی عملہ پرگنہ، حولی سرکار۔

۳۲-سید صفی، صفی پور، پرگنہ بہم پور، سرکار۔

۳۳- شیخ داؤد شطاری، قصبہ محبت علی پور، پرگنہ، پرگنہ مصدقہ کار-

۳۴- سید محمد عرف جمن، ۹۲۵ھ، موضع ہلسہ، پرگنہ بلخ سرکار-

۳۵- سید راستی خلیفہ شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری، قصبہ پھلواری، عملہ پرگنہ حویلی سرکار-

۳۶- شیخ ضیاء الدین سہروردی، ۸۲۲ھ، موضع چنڈھوس-

۳۷- شیخ شمس الدین، موضع ثنایاں-

۳۸- شیخ کمال الدین، موضع ثنایاں-

۳۹- سید محمد، پرگنہ کلیر، سرکاری سارن مضاف-

۴۰- سید احمد غازی، موضع امرتھ، پرگنہ بست ہزاری سرکار-

۴۱- سید نوح، ۸۵۷ھ، موضع لوج پور-

۴۲- شیخ سعد، قصبہ ابراہیم پور-(۳۵)

۴۳- حوض رانی، عملہ پرگنہ، حویلی بہار، سرکار، بہتیرے اولیاء مدفون ہیں مثلاً سید علاؤ الدین ہمدانی، سید رکن الدین، سید بے خود، سید موسیٰ، شیخ لدھا، قاضی شمس الدین، حافظ یوسف، سید عالم، سید قطب الدین، سید محمد سعید، سید جہانگیر، سید محمد، شیخ مدد، شیخ ہدیٰ، بی بی مکہ-

۴۴- ادریس نافع ضلع مونگیر سرکار-

۴۵- سید چہاری بدباسی، قصبہ مونگیر

۴۶- شیخ مصطفیٰ، باسدیو پور، مونگیر-

۴۷- سید ابراہیم، قصبہ سورج گڑھا-

۴۸- مولانا شاہباز، بھاگلپور-

۴۹-سید اولیاء، پرگنہ بلیا سرکار-

۵۰-شیخ عبدالحئی، حاجی پور-

۵۱-شیخ محمد معروف بہ شیخ قاضی، موضع بنیا ساڑھ، حاجی پور-

۵۲-شیخ ابوالفتح بن شیخ محمد ۹۴۰ھ، موضع تنکول، حاجی پور-

۵۳-مولانا خواجہ علی، حاجی پور-

۵۴-شیخ برکت اللہ عرف شیخ قوال خلیفہ، سید محمد گیسودراز، قصبہ دربھنگہ-

۵۵-شیخ سلطان حسین، دربھنگہ-

۵۶-شیخ شمس الدین عرف شیخ شمن، دربھنگہ-

۵۷-شیخ ظہور حاجی حمید، موضع رتن سرائے، سارن-

۵۸-شیخ دلاور شیر سوار چابک مارلدوبی، سارن-

۵۹-میر عبدالمالک، بارہ سرکار، سارن-

۶۰-شیخ محمد یوسف، قلعہ رہتاس کلاں-

۶۱-چندتن شہید معروف بہ چندن شہید، شہسرام-

۶۲-شیخ عثمان، حسین پور، رہتاس-

۶۳-شیخ عبدالعلیم، مہسی، چمپارن-

۶۴-سید عمر شہید، آرہ، شاہ آباد-(۲۱)

۶۵-میر اشرف کا مقبرہ-

۶۶-مقبرہ چھوٹی درگاہ-

۶۷-مقبرہ شاہ آیت اللہ-

۶۸-مقبرہ مجیبیہ، ضلع نالندہ-

۶۹-مقبرہ جنیدیہ-

۷۰-مقبرہ شاہ محمد ابو قلندر، جو گھیرہ کے نام سے مشہور ہے-

۷۱-مقبرہ سنگی (۳۷)

مشہور مساجد:

۷۲-مسجد جنیدیہ-

۷۳-مسجد مجیبیہ-(۳۸)

۷۴-مسجد تموہیہ، دیورہ پرگنہ اردل، گیا-

۷۵-مسجد مدرسہ قاسمیہ، گیا-

۷۶- جامع مسجد لہد یا سرائے، دربھنگہ-

۷۷- جامع مسجد سولی اورائی، ضلع مظفر پور-(۳۹)

۷۸-فخر الدولہ مسجد، پٹنہ-(۴۰)

۷۹- حاجی تاتار کی مسجد-

۸۰-مسجد تموہیہ-(۴۱)

۸۱-مسجد سقفی-

۸۲-مسجد گنج شہیداں-

۸۳-شاہی مسجد قلعہ گھاٹ-(۴۲)

حواشی باب اول، فصل چہارم، حصہ (د)

۱- اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۳۵۶

۲- ایضاً، ص ۱۳۵۷

۳- جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواری: آثارات پھلواری شریف، ص ۱۹۸

۴- ایضاً، ص ۱۹۹

۵- ایضاً، ص ۲۰۰

۶- ایضاً، ۲۲۰

۷- Comprehensive History of Bihar, Vol, II, Part-I, Publuished under the patronage of the Govt. of Bihar, Edited by Dr. Syed Hasan Askari and Dr. Qeyamddin Ahmed, Kashi Prasad Jayaswal Research Institute, Patna, 1983, Page No.492

۸- Ibid. p.493.

۹- Ibid. p.494.

۱۰- Ibid.P.495

۱۱- Ibid. p.496

۱۲- Ibid. p.497

۱۳- Ibid. p.498

۱۴- Ibid. P.500

۱۵- Ibid. p.502

۱۶- Ibid. p.503

۱۷- Ibid. P.505

۱۸- Ibid. p.509

۱۹- Ibid. p.510

۲۰- Ibid. p.511

۲۱- Ibid. p.512

۲۲- Ibid. p.516

۲۳- Ibid. P.517

Ibid. p.518-۲۴

Ibid. p.519-۲۵

Ibid. P.521-۲۶

Ibid. p.522-۲۷

Ibid. p.523-۲۸

Ibid. p.524-۲۹

Ibid. P.525-۳۰

Ibid. p.526-۳۱

Ibid. p.527-۳۲

Ibid. P.528-۳۳

۳۴-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک)، ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۸

۳۵-ایضاً، ص ۱۰۹

۳۶-ایضاً، ص ۱۱۰

۳۷-مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، نومبر ۲۰۰۰ء، کراچی، ص ۳۹

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، اشاعت ول ۱۹۹۵ء، دہلی، ص ۸۸، ص ۱۴۱، ص ۲۳۴،

/جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص ۴۵، ص ۵۶، ص ۱۲۱، ص ۱۲۳

۳۸-ایضاً، ص ۴۶، ص ۱۹۷

۳۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، اشاعت اول ۱۹۹۵ء، دہلی، ص ۶۰، ص ۱۳۹، ص ۲۲۸، ص ۳۱۷، ص ۳۳۶

۴۰-مولوی حسیب اللہ مختار: کتاب احوال وآثار، ص ۵۱

۴۱-مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، ص ۳۹

۴۲-آغا عمادالدین احمد: وادیٔ باران المعروف دربھنگہ نامہ، کراچی، سال طباعت ۱۹۹۲ء، کراچی، ص ۹۱، ص ۹۲، ص ۱۰۹

نوٹ: اس تحقیقی مواد کے بعد علمائے بہار کی تفسیر، حدیث واصولِ حدیث میں خدمات ملاحظہ ہوں-

باب دوم

(فصل اول)

علمائے بہار کی تفسیر حدیث واصول حدیث میں خدمات

قرآن مجید:

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی راہ نمائی کے آخری، قطعی، جامع اور کامل ضابطۂ حیات کے طور پر جو کلامِ الٰہی قلب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اسے ہم قرآن کہتے ہیں- سورۃ الشعرآء آیت نمبر۱۹۳تا۱۹۴میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اے محمدؐ اس (کلام) کو جبرئیل امین نے آپ کے قلب پر نازل فرمایا-"

امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآن مجید فلاحِ انسانیت کا پیغام ہے اور انسانیت کا مستقبل اسی کتاب ہدایت کی پیروی سے وابستہ ہے- اس ایمان ویقین کے پیشِ نظر ہر دور میں مسلمان اہلِ علم قرآن مجید کی نشر واشاعت میں مصروف رہے ہیں- قرآن مجید کی تعلیم وتدریس کے لئے جگہ جگہ مکاتب قائم ہوئے، وعظ و ارشاد کی مجلسوں کا اہتمام ہوتا رہا اور اہلِ قلم نے علومِ قرآن پر مختلف زبانوں میں ان گنت کتابیں لکھیں- تبلیغ و اشاعت کے اس سلسلے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے اور کلامِ الٰہی کی تشریح وتفہیم کے لئے تفاسیر لکھی گئیں-(۱)

عہدِ نبوت میں عالمِ عرب سے باہر جن سلیم الفطرت افراد نے اسلام قبول کیا، انہوں نے حسبِ موقع اپنی اپنی زبانوں میں اپنے ہم وطنوں کو حق کی تلقین کی اور قرآن مجید کا مفہوم وترجمہ پیش کیا- دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہدِ نبوت ہی میں قرآن مجید کا ترجمہ اور ترجمانی شروع ہوگئی تھی-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شاہانِ وقت کو اسلام کی دعوت دی تھی ان میں شاہ فارس کسریٰ پرویز بھی شامل تھا، گو بدبخت کسریٰ نے حق سے آنکھیں بند کرتے ہوئے نامہ نبویؐ شہید کر دیا- مگر ایران کی سرزمین دعوتِ حق سے ناآشنا نہ رہی- سلطنتِ ایران اپنے سارے جلال وجبروت اور ساز وسامان کے ساتھ عظمتِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہوگئی اور عہد فاروقی ۲۱ھ/۶۴۲ء میں خطۂ ایران اسلامی مخافت کا جزو بن

گیا-اس کے ساتھ ہی فارسی زبان کے ذریعے اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع ہو گیا تھا-(۲)

علمائے بہار کی تفسیر میں خدمات:

علمائے بہار نے تمام علوم کی طرح تفسیر میں بھی بہت زیادہ خدمات انجام دی ہیں- میری نظر سے "تفسیرِ مطالب القرآن" گزری جسے پڑھ کر اور غور کر کے اندازہ ہوا کہ علمائے بہار تفسیر کے علوم میں بھی ماہر تھے-اس تفسیر کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس جیسی تفسیر شاید پاکستان میں بھی موجود نہ ہو،اس تفسیر کا ایک ایک لفظ دل میں اتر جانے والا ہے،روح کو پر سکون کرنے والا ہے،دماغ کو روشن کرنے والا ہے اور پاکیزگی نفس کی طرف راغب کرنے والا ہے،اس جیسی تفسیر میں نے کبھی نہیں پڑھی جواب میرے پاس موجود ہے-(۳)

مطالبِ القرآن:

مؤلفہ مولوی سید علی حسن صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ وکلکٹر محلہ میرداد،بہار ضلع پٹنہ،اس مبارک نام ہی سے جو زیب عنوان ہے،اس کتاب کی خوبی ظاہر ہے:

آفتاب آمد دلیل آفتاب

مؤلف باتمکین نے جیسی دلسوزی سے کام لیا ہے اور قرآن کے مطالب کو صاف صاف اور واضح واضح بیان کر دیا ہے،اس زمانے کے لحاظ سے غنیمت ہے-عبارت سلیس،بامحاورہ،اردو عام فہم،مضمون مسلسل-ان سب خوبیوں کے ساتھ تالیف کا انداز ایسا دلکش ہے کہ باید وشاید- ہر چند اس کتاب کی غرضِ تالیف استفادۂ عامہ ہے لیکن مخصوص بچوں اور مستورات کے لئے تو نعمت ہی نعمت ہے-

اس کے تین حصے ہیں،ہر حصہ تقریباً دس پاروں کا ہے- اس کتاب میں ذیل کی باتیں ہیں،(۱) سورتوں کی فہرست باعتبار ترتیب قرآنی،(۲) سورتوں کی فہرست باعتبار نزول،(۳) سورتوں کی فہرست بترتیب حروف تہجی،(۴) پاروں کی فہرست سورتوں کے ساتھ،(۵) اصطلاحات شرعیہ کی تعریف،(۶)

مقاصد تنزیل قرآن اور اس کے فضائل و معارف، (۷) ہر رکوع کا خلاصہ، (۸) ہر رکوع کے مطالب، شانِ نزول بہ حسبِ ضرورت متفرق تاویلیں، (۹) نوٹ بہ حسبِ ضرورت، (۱۰) نتائج اور نتیجہ خیز باتیں، (۱۱) مسائلِ فقہی، (۱۲) آخر میں مضامینِ قرآن کی فہرست بترتیب حروف تہجی۔ (۴)

پہلا ضمیمہ:

پیارے لڑکوں اور نیک بی بیو! تمہیں علوم ہے کہ قرآن شریف کونسی کتاب ہے، ''ام الکتاب'' اور مقدس ''کلامِ ربانی'' ہے۔ یہ کتاب لوحِ محفوظ میں لکھی گئی ہے۔ پوری کتاب لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قدر میں لائی گئی، اس کے بعد حسب ضرورت بتدریج پیغمبرؐ پر نازل ہوتی رہی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ شریف جب چالیس برس کا ہوا تو آپؐ کو خلعتِ رسالت اور منصبِ نبوت عطا ہوا۔ ان ایام میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت بابرکت یوں جاری تھی کہ اکثر اوقات غارِ حرا میں مکہ معظمہ کی ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں واقع تھا، تشریف لے جا کر ذکرِ الٰہی میں خلوت گزین رہتے تھے۔

اسی عالمِ مشغولیت اور کیفیتِ محویت میں فیضانِ ربانی اور نزولِ بابرکاتِ رحمانی کا آغاز ہوا۔ اس مبارک زمانہ میں سب سے پہلے سورۂ اقراء کی پہلی تین آیتیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اس کے بعد جیسا وقت کا مقتضا ہوا سلسلۂ تنزیل جاری رہا اور تیئیس (۲۳) برس کی مدت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس نظامِ قدرت اور قرآن کے تدریجاً نازل ہونے میں مصلحتیں تھیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ اس کا پڑھنا اور یاد کر لینا لوگوں کے لئے آسان ہو جیسا کہ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''ویسرنا القرآن للذکر'' ۔یعنی قرآن کو پڑھنے کے لئے ہم نے آسان کر دیا ہے۔

اس کے لانے والے ایک جلیل القدر فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ان ہی کا نام ''روح الامین'' اور ''روح القدس'' ہے۔ (۵) اور ان کے اور بھی نام ہیں۔ نزولِ قرآن کی حالت یہ تھی کہ جب مشیتِ

الٰہی چاہتی تھی متقضائے وقت کے لحاظ سے جس قدر اور جتنے قرآنی احکام آسمان پر سے لاکر مفخرِ عالم سرورِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنا جاتے تھے، کبھی پوری سورۃ، کبھی ایک آیت، کبھی اس سے کم و بیش۔ حضرت جبریلؑ پورا قرآن یا کوئی جزو اس کا لکھا ہوا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ لائے اور نہ یہ کتاب کی صورت میں لکھا ہوا نازل ہوا اور نہ مجموعہ کے طور پر مثلِ تورات و انجیل کے اُترا۔ قرآن مجید ہمیشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر حالتِ خواب میں نازل نہیں ہوا۔

کلامِ ربانی، جسے ہم قرآن کہتے ہیں، کیونکر لکھا گیا اور پھر کیونکر کتاب بن گیا (یہ ضرور تمہیں سمجھنا چاہئے لو سنو) نزول وحی کا اجراء ہمیشہ قوم کی زبان میں منضبط رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی سرزمین میں نہضت بخش بعثت ہوئے اور قوم کی مادری زبان اور روزمرہ کی بول چال عربی تھی۔ پس نا وعلیٰ سبیل الدرام نزولِ وحی آسمانی مبدأ فیوضِ رحمانی زبان عربی ہوئی جیسا کہ فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے:

"وما ارسلنا رسول الابلسان قومه يبيّن لهم۔"

ذات پاک تو کہ در ملک عرب کرد ظہور، زاں سبب آں قرآن بزبانِ عربی۔

اس کے ساتھ ان کا حافظہ بھی بہت درست تھا۔ زمانۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے حفاظ اکثر آیتوں اور سورتوں کے حافظ تھے، کچھ لوگوں نے بہت سی آیتیں اور سورتیں لکھ بھی لی تھیں مگر ترتیب وار نہیں۔ کاغذ کی بھی چنداں فراوانی نہ تھی اس لئے کھجوروں کی پتیاں اور پتھروں کے ٹکڑے اور چمڑے کی جھلیاں کام میں لائی جاتی تھیں۔ آپؐ کے بعد حضرت عمرؓ کو قرآن کے ایک جگہ جمع کر دینے کا خیال پیدا ہوا اور حضرت ابوبکرؓ سے اس امر میں مشورہ فرمایا، حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو، جو ایک مقرب صحابیؓ تھے، اس کام کے لئے منتخب فرمایا چنانچہ زید بن ثابتؓ نے سارا قرآن، جو منتشر حالت میں تھا، جمع کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۲) نے اپنے زمانۂ خلافت میں مزید کوشش کے ساتھ اس کی تصحیح کی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے

کا اہتمام فرمایا- خاص طور سے حفاظ کومختلف مقاموں اور ملکوں میں بھیج کر قرآن پاک کی تعلیم کے لئے مامور فرمایا- جب عشانِ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے پوری سرگرمی کے ساتھ اس کومکمل طور سے جمع فرمایا اور اس کی سات جلدیں مختلف ملکوں میں بھیج دیں- اب قرآن پاک کی پوری تکمیل استحکام کے ساتھ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ''انا لہ لحافظون ''یعنی''اس قرآن کی حفاظت ہم کرنے والے ہیں''، پورا ہو کر رہا- یہ وہی قرآن ہے جو اب تک محفوظ اور ہم میں موجود ہے اور اس طرح قیامت تک محفوظ رہے گا- یہ ترتیب قرآنی بہ اعتبار نزول کے نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ جس واقعہ یا جس امر کے متعلق جو آیتیں ہیں وہ اپنے مناسب موقع پر منضبط ہیں- اس ترتیب میں سلسلۂ کلام اور مناسب مقامات کا لحاظ بھی کامل طور سے کیا گیا ہے- اس قرآن کے تیس پارے ہیں اور اس میں ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں، جن میں سے کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی-

قرآن مجید کی خوبیاں احاطۂ شمار سے باہر ہیں- حق تو یہ ہے کہ اس کے فضائل کی کوئی حد ہی نہیں- عقلِ انسانی اس ادراکِ محاسن ہیں، سراسر عاجز- عرب کے بڑے بڑے فصحا اور بلغائے کفار نے حتی المقدور کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا- خوب ہی ہاتھ پاؤں مارے کہ اس کلام بلاغت نظام کے مقابل کوئی کلام لائیں لیکن منہ کی کھائی- مخالفین کو بھی یہی کہتے بنی کہ اس کی مثال معدوم اور اس کی نظیر پیدا کرنے کی سعی ایک خیال موہوم ہے، نہ تو کوئی کلام اس کی ٹکر میں آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے- یہ ایک بیّن دلیل اس کے اعجاز مطلق اور کلام برحق ہونے کی ہے، جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''فاتوا بسورۃ من مثلہ ''یعنی''اس جیسی ایک سورۃ ہی بنالاؤ تو جانیں-'' (۷)

ہاں اب ذرا ارباب تدبر اور صحاب تشخص کا تو پتہ لگاؤ، تم دیکھو گے کہ فقہائے مبصرین اور علمائے مفسرین کی گنتی بھی پایاں ہی نہیں رکھتی، البتہ اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ شناورانِ معانی اس دریائے ناپیدا کنار میں

مزید ہمت کے ساتھ غور وتعمق کے غوطے لگاتے ہی چلے آئے اور اپنی اپنی بساط بھر گوہرِ مقصود لے نکلے جو آب وتاب کے لحاظ سے اپنی اپنی حالت میں جو ہر فرد ثابت ہوا، جو جس روپ میں اس کے اندر گم ہوا اسی رنگ میں اس کا کھوج پا گیا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

لیکن یہ سلسلہ نہ تو ختم ہوا ہے اور نہ قیامت تک ختم ہوگا، ممکن نہیں کہ کوئی کتاب اس مصحفِ پاک کا آرسی ہوسکے اور اس کی عظمت وجلال کو لگا کھا سکے۔ اخلاق کی درستگی اس کا خاصہ اور ادب آموزی اس کا حصہ ہے۔ یہ صرف نسخۂ کامل ہی نہیں بلکہ جملہ امراضِ جسمانی وروحانی کی دوا اور ہر رنجور مایوس کے لئے آبِ بقا ہے۔ لاکھوں کو اس سے شفاء ہوئی اور کروڑوں نا آشنا اس کے شیدا بن کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، اس سے ساری مرادیں، کیا دینی کیا دنیاوی، سب ہی ملتی ہیں۔

اس کے پڑھنے والے کو اجر، ہمیشہ پڑھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام، اس کی تلاوت کے وقت رحمتِ باری اور ملائکہ کا نزول، یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے قیامت میں شفیع، اس کے پڑھنے والے بھی اپنے دس عزیزوں کے لئے شفیع، اس کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں، اس کے قاری اور عامل کے والدین کو جنت میں تاج، کیوں پیارے ناظرین ہے کوئی کتاب دنیا میں ایسی جامع اور بسیط، سبحان اللہ وبحمدہ۔

اب مزید تشریح اس کی جامعیت کی سنو، سارے کتب سماوی کے نزول کا منشاء اصلاحِ عالم ہے اور اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک اخلاق درست نہ ہوں، پس ضرور ہوا کہ آسمانی کتب میں علے قدر ضرورت اجمالاً یا تفصیلاً ان سب امور کا ذکر اور تعلیم ہو جو لوازمہ اصلاح ہوں۔ یہ ایک بہت بڑی اور مضبوط معیار ہے۔ کلام برحق کی جانچ اور پڑتال کی۔ (۸) تم دیکھ لو کہ یہ قرآن سعادت قرآن ان مقاصد کی تکمیل کس خوبی کے ساتھ کر رہا ہے۔ قرآن پاک میں تمام باتیں موجود ہیں، روز اول سے ابد تک کے حالات اس میں مذکور ہیں۔ اعتقاد،

توحید، تہذیب، اخلاق، وعدہ و وعید، امر و نہی، ذکر و فکر، رحمت و عذاب، نصائح و عبرتیں، اخبار و قصائص وغیرہ تحریر ہیں-غرض کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اس میں اجمالاً یا تفصیلاً نہ ہو- ان میں سے چند باتیں مذکور ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی توحید، ذات وصفات، علم، حلم، عفو و مغفرت، رحمت، قدرت، مِلک، مُلک، خالقیت، ربوبیت، رزاقیت، غنا، احسانات، آزمائش و امتحان مخلوق، معبود برحق ہونے کے دلائل، شرک، وحدانیت کے دلائل، اسماء الحسنٰی-

۲- نعتِ سرور کائنات فخر موجودات جناب حضرت پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول برحق ہونا، اس کا ثبوت، اگلے کتب الٰہی میں آپؐ کی بعثت کی بشارت، آپؐ کا خاتم النبیین ہونا، آپؐ کی تعلیم، آپؐ کا اُمّی ہونا، آپؐ کا شفیع محشر ہونا، حال معراج، آپ کا خلق، حیا، توکل، انکسار، تدبر، بے غرضی، صداقت، مکلف بہ شرع، کفار کی ایذاء رسانی، معاندینِ دین کی سرکشی و ہٹ دھرمی، آپ کو تشفی و تسکین، اہلِ کتاب اور مشرکین کا آپؐ کو صادق جاننا، آپؐ کے بارے میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جواب، آپؐ کو خطابات، آپؐ کا وعظ و نصیحت-

۳- قرآن مجید کے حالات واوصاف، منزل من اللہ ہونے کے دلائل، اس کے نزول کی حالت اور اس میں مصلحتیں، اس کی پیشن گوئیاں-

۴- دیگر کتب سماوی مثلاً زبور، توراۃ، انجیل اور صحفیوں کا ذکر-

۵- صحابہ کی دینداری اور ان کی مدح-

۶- ازواجِ مطہرات، ان کے خاص آداب، ذکر حضرت زینبؓ اور عائشہؓ-

۷- مومنوں کی مدح اور خصلتیں اور ان کا فلاح یافتہ ہونا-

۸- مشرکین، کافرین، فاسقین، فاجرین، منافقین، بنی اسرائیل، یہود و نصاریٰ اور تمام اہلِ ذلال کی

مذمت اوران کا جواب اوران کے خیالات فاسدہ ورسومات ناقصہ کا ذکراوررد۔

۹- قصص ماضیہ واخبار سابقہ میں عبرت۔

۱۰- ابلیس کا ذکر، اس کا راندۂ درگاہ ہونا، اس کا معاملہ ساتھ آدمؑ اور بی بی حواؑ -

۱۱- قصہ ہابیل وقابیل۔

۱۲- ذکر نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، لوط علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، برادرانِ یوسف علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، الیاس علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، ذکر علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، ذوالکفل عیہ السلام، عزیز علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام۔

۱۳- ذکر معجزاتِ پیغمبران۔

۱۴- امتوں کا اپنے اپنے نبی کے ساتھ برتاؤ۔

۱۵- ذکرِ مریم، فرعون کی بیوی، مومن اور سورۃ یٰسین، زلیخا، بلقیس۔

۱۶- ذکرِ پسر نوح علیہ السلام، زوجہ نوح علیہ السلام ولوط علیہ السلام، پدر ابراہیم علیہ السلام، نمرود، قارون، فرعون، ہامان، سامری، ابولہب و دیگر مشرکین عرب، ہاروت و ماروت، جالوت وطالوت، (؟) یاجوج و ماجوج، قوم سبا، قوم لوط، قوم عاد، ثمود، فرعون، قوم شعیب، تبع، اہلِ مدین، اصحاب ایکہ، اصحاب اخدود، کہف، رقیم، رس، فیل، باغ والوں کے دو قصے۔

۱۷- بنی اسرائیل واہلِ کتاب۔

۱۸- فرشتے وملائکہ کا ذکر۔

۱۹- اوامر ونواہی-

۲۰- وعدوعید-

۲۱- اخلاق وحسن معاملات-

۲۲- اخلاقِ حسنہ کی مدحت اوراس کی ترغیب-

۲۳- افعالِ سید کی مذمت اوراس کی ترہیب-

۲۴- ردشرک-

۲۵- ترغیب الی الاسلام ودعوت اسلام-

۲۶- مخالفینِ اسلام پر حجت-

۲۷- عورتوں، غلاموں، ضعیفوں، یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کی رعایت-

۲۸- آدابِ مجلس وملاقات-

۲۹- دوسرے کے گھر میں جانے کے آداب-

۳۰- ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اطاعت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم-

۳۱- پردہ-

۳۲- محرم وغیر محرم-

۳۳- انتظامِ ملکی وسیاست-

۳۴- وعظ ونصیحت ملائمت کے ساتھ-

۳۵- دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب مگر انتظامِ دنیاوی سے سروکار-

۳۶- ادعیہ-

۳۷- ذکرِ الٰہی، تصفیہ وتزکیۂ ظاہرہ باطن-

۳۸- ایمان واسلام-

۳۹- مسلمانوں کی تسکین وتشفی-(۱۰)

۴۰- علم کی فضیلت-

۴۱- بہ حیثیت اسلام، سب کا یکساں ہونا-

۴۲- دین میں آمدنی-

۴۳- رنگِ توحید میں کل انبیاء کا متفق ہونا-

۴۴- تخلیقِ عالم-

۴۵- فطرتِ انسان-

۴۶- مدارجِ انبیاء-

۴۷- جن، شیطان، جادو، جادوگر، دیو-

۴۸- طہارت، غسل، وضو، تیمم، نماز، روزہ، زکوٰۃ، مصارف، اعتکاف، حج، عمرہ، سعی، ہدیٰ، احرام، نذر، جہاد، غزوہ، سریہ، جنگِ بدر، بدرِ صغریٰ، احد، خندق، حدیبیہ، حنین، تبوک، مریسیع، غنیمت، اسیر، کافروں کے ساتھ ربط واتحاد، بیع وتجارت وکسب، حلال وحرام، نکاح، طلاق، رجعت، عدت، مہر، لعان، ایلا، رضاعت، خلع، نفقہ، تبنیٰ، قسم، قسم کا کفارہ، میراث، وصیت، رہن، امانت، قرض، سود، حکم، فیصلہ، گواہی، بیعت، حدود، موافقت-

۴۹- گمان ویقین-

۵۰- کعبہ، قبلہ، تحویلِ قبلہ، مساجد، حرم، شبِ قدر-

۵۱- لوحِ محفوظ، تقدیر-

۵۲- مذمتِ دنیا، تعریفِ آخرت، جزا و سزا، امثال و تشبیہات-

۵۳- عالمِ معاد، مصلحت وقوعِ قیامت، بعثت و نشر کے دلائل، موت، معاملاتِ برزخ، آثارِ قیامت، خروج یاجوج و ماجوج، دابۃ الارض، نزول دُخان، نزول عیسیٰ علیہ السلام، نفخ صور، حیات موتیٰ، حالاتِ قیامت، کربِ اہل محشر، سختی روزِ قیامت، پلِ صراط، راحتِ مومنین، قیامت، مصیبتِ مشرکین و کفار و فجار بروزِ قیامت، حساب و کتاب، اعمال، بیان نامۂ اعمال و جزائے اعمال، دوزخ کی حالت، اعراف، اہلِ اعراف، جنت، جنت کی نعمتیں اور لذتیں، ہمیشگی دوزخ و جنت-

۵۴- مصیبت اور ہلاکت موجبِ گناہ-

۵۵- حسنات کا کفارہ-

۵۶- مغفرت، توبہ، شرائط قبولیتِ توبہ و استغفار-

۵۷- شفاعت بروز قیامت-

۵۸- تحریر اعمال وغیرہ-(۱۱)

دوسرا ضمیمہ:

''تشریح اصطلاحات-'' اس میں تمام الفاظ کی تشریح بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کی گئی ہے، مفہوم صاف اور واضح ہے، قاری کی سمجھ میں جلد آ جاتا ہے، اس کے تحت ''رموز اوقاف'' سمجھائے گئے ہیں یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کہاں ٹھہرنا چاہئے، کہاں مدا کر پڑھنا چاہئے، کہاں پر کم و زیادہ ٹھہرنا چاہئے یا ملانا چاہئے، کہاں پر ٹھہرنے یا ملانے کی رخصت ہے- اس کے بعد چار حصوں میں سورتوں کی فہرست دی گئی ہے-(۱۲)

پہلی فہرست میں سورتوں کا نمبر باعتبار ترتیب قرآنی معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ سورتیں کن کن

پارے میں اور یہ بھی کہ وہ اس مطالب القرآن کے کون سے حصے اور صفحے میں ہیں۔

دوسری فہرست اس فہرست سے سورتوں کی ترتیبِ نزول معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ کونسی سورۃ پہلے اتری اور کونسی بعد میں، بعض سورتوں کی ترتیبِ نزول میں مفسروں کا اختلاف ہے، سہولت کے لئے پہلی فہرست کا ترتیبی نمبر بھی دے دیا گیا ہے۔

تیسری فہرست اس فہرست سے سورتوں کی ترتیب بااعتبار حروفِ تہجی کے معلوم ہوتی ہے۔ مذید سہولت کے لئے سورتوں کا نمبر بہ ترتیبِ قرآنی دے دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ کن کن پاروں میں ہیں اور یہ بھی کہ وہ اس مطالبِ القرآن کے کون سے حصے اور صفحے میں ہیں۔(۳)

مطالبِ القرآن کے بارے میں مختلف علماء کا اظہارِ خیال:

۱۔ تقریظ دلپذیر عمدۃ العارفین زبدۃ السالکین افضل العلماء اکمل الفضلا جناب الحاج مولوی سیّد شاہ محمد علی صاحب کانپوری لا ذالت شموس برکاتہم بازغۃ۔

''اس میں شبہ نہیں کہ عام خیالات کے لحاظ سے یہ تفسیر مفید ہوگی۔''

۲۔ تقریظ دلپذیر عالمِ علومِ حقانی مفسرِ کلامِ ربانی ہادی سالکان طریقت طبیب اُمت جناب مولانا الحاج حافظ قاری مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم اللہ القوی۔

''میں نے متفرق مقامات سے آپ کا رسالہ دیکھا جو مقصود آپ نے اس کی تالیف سے پیشِ نظر رکھا ہے، اس کی تکمیل کے لئے یہ طرزِ موجود میرے خیال میں کافی ووافی ہے۔ اگر کوئی دقیق فروگزاشت ہوئی ہوگی، امید ہے کہ نظر ثانی میں خود آپ اس کو درست فرمالیں گے۔ مجھ کو زیادہ فرصت نہ ہونے سے معذوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول ونافع فرمادے اور آپ کو جزائے خیر بخشے۔''(۱۴)

۳۔ تقریظ دلپذیر فاضل اجل واعظ بے بدل سرمست خمخانۂ عرفاں عاشقِ کلامِ ایزدِ سبحان جناب مولانا

حافظ قاری مولوی سید شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی سلمہم اللہ القوی۔

''ہر مسلمان کو قرآن پڑھنا ضرور ہے، مگر افسوس پڑھتے ہیں تو طوطے کی طرح پڑھتے ہیں، مطالب سے بالکل ناواقف، مضامین سے بالکل ناآشنا، الحمدللہ اب اس طرف توجہ ہوتی جاتی ہے اور انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان خاص کر قرآنی مطالب ومضامین کے سمجھنے کے بے حد شائق پائے جاتے ہیں لیکن کوئی ایسی کتاب اردو زبان میں، جو مطالب قرآن کو کافی طور سے ادا کرے، میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ یہ کتاب ''مطالب القرآن'' پہلی کتاب ہے جو اس وقت میری پیش نظر ہے۔ میں نے کچھ تو مسلسل باقی جابجا سے اس کو پڑھا ہے۔ اس کو مطالب قرآن کہئے یا ترجمہ بتائیے یا تفسیر سمجھئے سب زیبا ہے، کوئی بات اپنی طرف سے نہیں پیدا کی ہے، مفسرین کے اقوال اور انہیں کی تشریح کو اردو زبان میں واضح کر دیا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ ہر مذاق کی تفسیروں سے التقاط کیا گیا ہے، فقہی مسائل بھی اس میں ہیں، آداب اخلاق بھی ہیں، تصوف کے رموز ونکات بھی ہیں:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہاں تنقید روایات واقوال کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی اور یہ علمائے متجرین کے ذمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ ایڈیشن میں مؤلف صاحب اس کمی کو پورا کریں گے۔(۱۵)

۴۔ تقریظ دلپذیر علامۂ زماں فخرِ ہندوستان شمس العلماء مولانا ابوالخیر عبدالوہاب صاحب بہاری سلمہ الباری پروفیسر مدرسۂ عالیہ کلکتہ۔

نفسی الفداء لمفسر القرآن جم الفضائل زینة الاکوان

جمع المحامد جلها وجلیلها بلغ العلی بمراتب الایمان

هو فی الخلیفة والعلی کالروح فی الاعضاء والابدان

نجم القبائل من سلاله احمد | فخر الامثال من بنی عدنان
مولی القضاء علی حسن فخر الوریٰ | اهل الوفاء و معدن الاحسان
سبحان من اعطاك فهما کاملا | فی سائر الآیات با الامعان
کتب الکتاب مفسرا و مفصلا | فیه الشفاء لمفاسد الادیان
هو قداضاء بضوئه بین الوریٰ | نورانی بمطالب القرآن
جمع النتائج کلها بفصاحة | فاز المثنیٰ بلاغة التبیان
فرد الزمان فریده و وحیده | بدر المناصب اوحدا الازمان
هو صنف التفسیر فی تبیانه | روح البیان نتائج الفرقان
بلغ الکمال کتابه بنهایة | وبه الضمحل مکابدالاحذان
مادامت الا فمار فی المعان (۱۶)

ولہ:-

میں نے دیکھا مطالب القرآن شان تفسیر کی ہے اس سے عیاں
آیتوں کا کھچا ہے یہ جوہر ہے فصیح و بلیغ طرزِ بیاں
وہ نتائج لکھے ہیں قرآن کے جس سے غافل تھے سارے اہلِ جہاں
اس زمانے میں جو ضرورت تھی کر دیا اس کو خوب صاف بیاں
مقتضا سے زمانہ ہے یہ کتاب دیکھ لیں اس کو سارے پیر و جواں
یہ کتاب ایسی لاجواب لکھی لائیں ایمان جس پہ خورد و کلاں(۱۷)
حق و باطن کا یہ ممیز ہے ہے وہ کافر کرے جو وہم و گماں

روشنی اس میں نورِ حق کی ہے مومنوں کے لئے ہے روشنداں

نورِ ایماں نصیب ہوگا اُسے جو بصیرت سے دیکھ لے اے جاں

واعظوں کی تو جان ہے یہ کتاب صوفیوں کی ہے دوستِ عرفاں

ساری تفسیریں مثل کوکب ہیں اُن میں روشن ہے یہ جہد تاباں

دہریت اس سے ہوگئی برباد نیم جانوں میں لوٹ آئی جاں

تازگی کیوں نہ روح میں آئے ہیں مؤلف جو عیسیٰؑ دوراں

مولوی علی حسن صاحب سید القوم و صدر عالی شاں

نام روشن ہے ان کا عالم میں فخر اربابِ علم و فیض رساں

نونہال چمن ہے ان کی ذات ان سے تازہ ہے روضۂ امکاں

فیض جاری ہے ان کا عالم میں ابرِ رحمت کے ہیں وہ بحرِ رواں

دُر یکتا ہیں وہ ذکاوت ہیں قدرتِ حق ہے اُن میں صاف عیاں

علمی دنیا میں شور ہے اُن کا گونج اٹھا ان سے سارا کون و مکاں

غور سے جس نے دیکھ لی یہ کتاب بول اٹھا یہ کہ ہیں وہ فخرِ زماں

کیوں نہ ہو اس کے وہ مؤلف ہیں ہے بہار ان کا مسکنِ ذی شاں

یہ زمیں کھیت ہے ذکاوت کا بلبلوں کی زباں پہ ہے یہ بیاں

گلشنِ دہر مین مقامِ بہار مشتہر ہے یہ فخرِ ہندوستان

شرق سے غرب تک ہے دھوم اس کی پھر مؤلف نہ کیوں ہو دُر افشاں

اپنی جہد بلیغ سے واللہ کھول ڈالا تمام راز پنہاں

اس کی توصیف ہو نہیں سکتی اس کی تعریف میں ہے لال زباں

پاٹ اس بحر کا نہیں ملتا ایک قطرہ ہوا ہے نوکِ زباں

اس لئے اب تو ہوگئے خاموش

فاضلِ دہر احسنِ دوراں (۸)

۴۔ تقریظ دلپذیر شاعر بے نظیر جناب مولوی سید محمد نذیر احسن صاحب ابوالعلائی المتخلص بہ نسیم سلمہ الباری

مرحبا وہ سیدِ عالی تبار ہے صفت جن کی کریم ابنِ کریم

ہے علی اسمِ مبارک باحسن ہیں گرامیِ شان و مخدوم و ضخیم

فاضل و کامل یگانہ ہوشمند صاحبِ تدبیر و فرزانہ فہیم

آپ نے لکھی ہے اک نادر کتاب ہے جو بیشک خضر راہِ مستقیم

راہ پہ لاتی ہے یہ گمراہ کو بھاگتا ہے اس سے شیطانِ رجیم

یہ ہدایت ہی ہدایت ہے تمام مانتا ہے اس کو ہر قلبِ سلیم

اس سے قرآں کے مطالب کھل گئے ہے مفتاح در گنج حکیم

دل سے جو اس کو پڑھے ہو کامیاب یا کریمُ یا رَءوفُ یا رحیم

جانفزا ہے اس گلستاں کی ہوا روح پرور اس چمن کی ہے شمیم

کھِل گیا فرطِ طرب سے دل مرا طبع کی تاریخ یوں لکھی نسیمؔ

ہے سرِ بحث آئی لب پہ یہ دعا

آپ کو اللہ دے اجرِ عظیم

۳۱ ۱۳ھ (۹)

مولٰینا حمید الدین:

ولادت:

اعظم گڑھ سے دو واسٹیشن پہلے ''پھریہا'' ایک گاؤں ہے، وہی مولانا کا پدری وطن تھا، اسی پھر یہا کو عربی شکل دے کر مولانا نے اپنے نام کے ساتھ کبھی کبھی فراہی لکھا کرتے تھے، مولانا حمید الدین کے والد مولوی عبدالکریم صاحب مولانا شبلی کے ماموں تھے۔

ولادت:

مولانا حمید الدین صاحب ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔

مولانا کا اصلی نام تو حمید الدین تھا، مگر وہ اس نام کو، جو درحقیقت عربی قاعدہ سے لقب ہے، اپنے لئے معنوی حیثیت سے بلند سمجھتے تھے، اس لئے وہ عربی تصانیف میں اپنا نام عبدالحمید لکھتے تھے اور تمام عالمانہ آداب و القاب کو چھوڑ کر صرف معلم کہلانا پسند فرماتے تھے۔ بنا بریں وہ اپنا نام المعلم عبدالحمید الفراہی، کتابوں کی لوحوں پر لکھا کرتے تھے۔

تعلیم:

مولانا نے پہلے حفظ شروع کیا اور قرآن مجید کے حافظ ہوئے اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اسی ضلع کے ایک دیہات چتارا کے باشندہ مولوی مہدی حسن صاحب سے پڑھیں۔ اس زمانہ میں شرفاء کی تعلیم کا فارسی ادب سے اہم جز و تھا، مولانا کو ادبیات سے فطری لگاؤ تھا چنانچہ فارسی زبان اور فارسی ادب کا ذوق بچپن سے ان میں نمایاں تھا، اس وقت مولانا شبلی مرحوم عربی کی اعلیٰ کتابیں اعظم گڑھ میں مولانا فاروق صاحب (۲۰) چریا کوٹی سے پڑھ رہے تھے۔ مولانا فاروق صاحب اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بھی بہت بڑے ادیب اور استاد تھے، مولانا حمید الدین صاحب کی آمد و رفت یہاں بھی رہا کرتی تھی اور یہ

عالمانہ صحبتیں ان کو ملا کرتی تھیں- ابھی مولانا کی عمر سولہ برس کی تھی کہ فارسی کی سب سے مشکل گو شاعر خاقانی شروانی کے تتبع میں ایک قصیدہ لکھا جس کی ردیف آئینہ اور قافیہ جوہر، کیفر وغیرہ ہے-

۲۸ شعروں کا قصیدہ تھا، لوگوں کو پڑھ کر حیرت ہوئی، یہ فارسی، یہ لطفِ زبان، یہ شیرینی اور یہ شکوہ دیکھ کر سب کو تعجب تھا، مولانا شبلی فرماتے تھے کہ میں نے اس کو لیجا کر مولانا فاروق صاحب کو دکھایا اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ کس کا کلام ہے، انہوں نے فرمایا یہ تو نہیں بتا سکتا، مگر قدما میں سے کسی کا معلوم ہوتا ہے، مولانا شبلی نے فرمایا یہ حمید کا ہے، حیرت ہوگئی-

مولانا حمید الدین صاحب فطرتاً ذہین، نہایت طباع اور نہایت دقیقہ رس تھے، ان کا ذہن نہایت صاف تھا، وہ اول ہی دہلہ میں بے کج و پیچ حقیقت کی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے تھے- ان کا تیر نظر (۳۱) مسائل کی تشریح اور مشکلات کے حل میں ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا تھا- دماغ اتنا سلجھا تھا کہ کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو وہ اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اور اگر وہ مناظرہ پر اتر آتے تو کیسی ہی غلط بات ہو وہ اس کی ایسی عمدہ عمدہ دلیلیں پیش کرتے کہ حریف ساکت ہو جاتا تھا اور سمجھ لیتا تھا کہ مولانا کی اصلی رائے ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکرا کر فرماتے کہ یہ غلط تھا، اصلیت یہ ہے-

فارسی کے بعد مولانا نے عربی کی تعلیم شروع کی اور بھائی (مولانا شبلیؒ) سے عربی پڑھنے لگے- مولانا شبلی جب یہاں سے باہر نکلے تو یہ بھی گئے، لکھنؤ جا کر مولانا حمید الدین صاحب نے فرنگی محل میں مولانا عبدالحیؒ صاحب فرنگی محل سے کچھ پڑھا، اس زمانے میں لکھنؤ میں خواجہ عزیزالدین صاحب عزیز لکھنوی (پروفیسر فارسی کیننگ کالج لکھنؤ و مصنف قیصر نامہ) لکھنؤ میں فارسی کے نہایت مستند استاد اور شاعر تھے، ان کی صحبتوں میں شرکت کا اتفاق ہوتا رہا اور ان دونوں بھائیوں سے خواجہ صاحب کے اسی فارسی کے رشتہ سے تعلقاتِ محبت، عزیزانہ حیثیت تک پہنچ گئے تھے- لکھنؤ کے بعد مولانا نے لاہور جا کر مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری

سے عربی ادب کی کتابیں پڑھیں، اسی زمانہ میں یہاں نیا نیا اورینٹل کالج کھلا تھا، مولانا فیض الحسن صاحب، اپنے عہد کے مشہور ادیب، اس میں مدرس تھے- ان کا نام سن کر دور دور سے طلباء پڑھنے آتے تھے، لیکن مولانا حمید الدین صاحب نے مولانا فیض الحسن صاحب سے خارج میں پڑھا اور یہیں ان کی ملاقات مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی سے ہوئی اور وہ دوستی تک پہنچی جو آخر تک قائم رہی اور اسی دوستی کی کشش تھی کہ مولوی وحید الدین صاحب سلیم جامعہ عثمانیہ حیدر آباد تک پہنچے-

مولانا بیس برس کی عمر میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں عربی تعلیم سے فارغ ہوگئے اور عربی ادب میں بھی وہ کمال حاصل کیا کہ سچ یہ ہے کہ وہ اس میں اپنے استادوں سے بھی گوے سبقت لے گئے، ان کا عربی دیوان اس بیان کا شاہد ہے-

انگریزی تعلیم:

اس زمانہ میں انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا، مگر یہ کفر مولانا نے توڑا- نج کے طور پر انگریزی (۲۲) کچھ پڑھ لینے کے بعد کرنل گنج اسکول الٰہ آباد میں داخل ہوگئے- انٹرنس کا امتحان پرائیویٹ طور پر دے کر ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے، یہ علی گڑھ کالج کے اوجِ شباب کا زمانہ تھا، سر سید اس کے ناظم اعلیٰ، مسٹر آرنلڈ اور بک وغیرہ اس کے پرنسپل اور پروفیسر اور شبلی نعمانی اس کے مدرس، مولانا حالی وہاں کے مقیم و ساکن تھے- ہر وقت علمی مسائل و تحقیقات کے پیچھے رہتے تھے اور ان بزرگوں کی صحبتیں حاصل تھیں جنہیں ہر ہونہار طالب علم کے فطری جوہر کے چمکنے کا موقع حاصل تھا- مسٹر آرنلڈ فلسفہ پڑھاتے تھے، مولانا کو فلسفہ جدید کا ذوق انہیں کی تعلیم سے ہوا-

اس زمانہ میں کالج کے ہر طالب علم کو عربی و فارسی بھی لازماً پڑھنی پڑتی تھی، مگر سر سید نے ان کے متعلق مسٹر بک کو لکھ کر بھیجا کہ حمید الدین عربی و فارسی کے ایسے ہی فاضل ہیں جیسے آپ کے کالج کے استاد اور

پروفیسر ہیں اس لئے ان کو مشرقی علوم کے گھنٹوں سے مستثنٰی کر دیا جائے، چنانچہ وہ مستثنٰی ہو گئے۔

تصنیف وتالیف:

مولانا حمید الدین صاحب کی تالیف وتصنیف کا عہد طالب علمی ہی سے شروع ہو گیا تھا اور خود بزرگوں نے فرمائش کر کے شروع کرایا۔ اسی زمانہ میں علی گڑھ کالج کے دینیات کے لئے سرسید نے مولانا شبلی مرحوم سے عربی میں سیرۃ نبویؐ پر ایک مختصر رسالہ لکھوایا تھا، جس کا نام ''تاریخ بدر الاسلام'' ہے، پھر مولانا حمید الدین صاحب سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ استاد وشاگرد کے یہ دونوں عربی وفارسی رسالے اسی وقت چھپ گئے تھے۔

سرسید کو طبقات ابن سعد کا ایک ٹکڑا وفودِ نبویؐ کے متعلق کہیں سے ہاتھ آیا تھا، اس وقت تک یہ چھپی نہیں تھی، سرسید نے مولانا حمید الدین صاحب سے اس کا فارسی ترجمہ کرا کے چھپوایا، اس کی زبان ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ سامانی کا کوئی نثر نویس لکھ رہا ہے۔

غالباً ۱۸۹۲ء میں یا اس کے پس وپیش الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔

۱۸۹۵ء میں عربی میں ایم اے کا امتحان دینا چاہا تھا مگر نہیں دے سکے، ۱۸۹۶ء میں مدرستہ الاسلام (۲۳) کراچی میں مدرسی کی کوشش کی، سرسید نے سرٹیفکیٹ دیا۔ اسی زمانہ میں مسٹر آرنلڈ انگریزی میں عربی کی ایک مختصر کتاب ترجمہ کرانا چاہتے تھے اس کے لئے مولانا ہی کا نام ان کے ذہن میں تھا۔ بہرحال ۱۸۹۷ء میں وہ مدرستہ الاسلام کراچی میں مدرس مقرر ہو گئے، یہ مسلمان کا ایک انگریزی کا بہت پرانا اسکول ہے، اس کی عمارت بہت شاندار اور اسٹاف اعلیٰ ہے اور سندھ میں کافی شہرت حاصل ہے۔ مولانا اس میں ۱۹۰۶ء تک رہے۔ ۱۹۰۰ء میں امیر عبد الرحمٰن خان والی کابل ایک ترجمہ کا محکمہ قائم کرنا چاہتے تھے اس میں ابن خلدون کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا، اس کے لئے مولانا شبلی نے ان کا انتخاب کیا مگر کسی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ

آسکی اور وہ کراچی میں بدستور رہے اور درس وتدریس کے علاوہ تصنیف کا عمل جاری رکھا، یہیں کے قیام کے زمانہ میں ۱۹۰۳ء میں ان کا فارسی دیوان شائع ہوا اور مولانا شبلی مرحوم کے بار بار کے تقاضے سے توجہ فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ قرآن پاک کے نظم وبلاغت میں انہماک پیدا ہوا اور ''جمہرۃ البلاغۃ'' نام کا رسالہ لکھا، جس کا خلاصہ مولانا شبلی مرحوم نے خود اپنے قلم سے ''الندوہ'' کے دسمبر ۱۹۰۵ء میں شائع کیا۔

اسی زمانہ میں (غالباً ۱۹۰۴ء میں) جب اس وقت وائسرائے لارڈ کرزن نے سواحل عرب خلیج فارس کا سیاسی بحری سفر کیا تھا اور سواحل کے عرب شیوخ اور امراء کو اپنی ملاقات کے لئے طلب کیا تھا تو مولانا ہی کا انتخاب ترجمان کی حیثیت سے ہوا تھا۔ وہ اس سفر میں لارڈ کرزن کے ساتھ تھے۔ عرب سرداروں کے سامنے لارڈ کرزن کی طرف سے جو عربی تقریر پڑھی گئی تھی وہ انہیں کی لکھی ہوئی تھی۔ ۱۹۰۶ء میں گورنمنٹ نے علی گڑھ کالج کو ایک معتدبہ عطیہ عربی تعلیم کے لئے دیا تھا جس کے لئے شرط یہ تھی کہ اس پروفیسر کوئی یورپین ہو، چنانچہ جرمن فاضل یوسف ہارویز کا اس کے لئے انتخاب ہوا(۲۲) ساتھ ہی مولانا کا انتخاب مددگار پروفیسر کی حیثیت سے ہوا اور وہ علی گڑھ چلے آئے علی گڑھ میں بھی وہ زیادہ دن نہیں رہے۔ بہرحال جتنے دن بھی رہے اپنے علمی کاروبار میں مصروف رہے۔ ہارویز صاحب مولانا سے اپنی عربی کی تکمیل کرتے تھے اور مولانا ان سے عبرانی سیکھتے تھے اور ساتھ ہی قرآن پاک کی تفسیر اور تفسیر کے مقدمہ کے اجزاء کی تالیف کا کام جاری تھا۔

مولانا شبلی مرحوم کے تعلق کے سبب پھر خود مولانا حمید الدین صاحب کے ذاتی فضل وکمال کے باعث علی گڑھ کے علمی حلقہ سے ان کے روابط قائم ہو گئے تھے، خصوصاً نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی رئیس حبیب گنج کی ذوق آشنا اور قدرشناس نگاہوں سے وہ کہاں بچ سکتے تھے چنانچہ اکثر آمدورفت رہتی تھی، نواب صاحب ممدوح نے مولانا کی وفات کے بعد جو والا نامہ مجھے لکھا ہے اس میں رقم فرماتے ہیں:

''مجھ کو مولانا سے دیرینہ نیاز حاصل تھا، ابتدائی ملاقات کا ذریعہ علامہ شبلی مرحوم تھے، علی گڑھ

کی پروفیسری کے زمانہ میں ملا پھر حیدر آباد میں...... علی گڑھ کے دور میں بھی قدیم قرآنی کا شغف جاری تھا۔ روزانہ ۳ بجے شب سے صبح کے ۹ بجے تک اس میں وقت صرف کرتے تھے۔ ملاقات کے وقت نتائجِ تحقیق بیان فرماتے۔ اس زمانہ میں دیگر کتب سماوی کا مطالعہ اور اس کی مدد سے مطالب قرآنیہ کا حل خاص کر پیشِ نظر تھا۔ اس حالت میں علی گڑھ چھوڑا۔''

اجزاء جو لکھے جاتے تھے وہ مولانا شبلی مرحوم کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے اور مولانا اس کے متعلق اپنی رائے خطوط میں اور زبانی ظاہر فرماتے تھے۔ شروع شروع میں استاد کو اپنے شاگرد کے اس نظریے سے اختلاف تھا کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی مرتب و منظم ہیں اور وہ مولانا حمید الدین صاحب کی اس کوشش کو رائیگاں سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے ان کی تفسیر کے متعدد اجزاء دیکھے تو قائل ہوتے چلے گئے اور آخر داد دینے لگے اور حوصلہ افزائی کرنے لگے اور آخر میں تو وہ مولانا حمید الدین (۲۵) کی نکتہ دانی کے اس درجہ قائل ہو گئے تھے کہ قرآنی مشکلات کے حل میں وہ ان سے مشورہ لینے لگے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تفسیر ابی لہب'' اور ''جمہرۃ البلاغہ'' کے اجزاء بغور دیکھے، تفسیر پر تم کو مبارکباد دیتا ہوں، تمام مسلمانوں کو تمہارا ممنون ہونا چاہئے، بلاغت کے بعض اجزاء معمولی اور سرسری ہیں، ارسطو کا ردالبتہ قابل قدر ہے۔'' (جون ۱۹۰۵ء)

علی گڑھ کے قیام ہی کے زمانہ میں انہوں نے ''اقسام القرآن'' لکھی یعنی اس مشکل کا حل فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید میں قسمیں کیوں کھائی ہیں، اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے امام رازی نے ''تفسیر کبیر'' میں جستہ جستہ فقرے لکھے تھے، پھر ابن القیم نے ''التبیان فی اقسام القرآن'' لکھی، مگر مولانا مولانا حمید الدین صاحب کی تحقیقات نے اپنی الگ شاہراہ نکالی اور یہ حقیقت ہے کہ اس بارے میں انہوں نے ایسی دادِ تحقیق دی کہ تیرہ سو برس میں اسلام میں کسی نے نہیں دی۔

مولانا شبلی مرحوم نے ان کے اس رسالہ کا خلاصہ نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ الندوہ اپریل ۱۹۰۶ء میں شائع کیا اور عربی رسالہ ''اقسام القرآن'' کے نام سے الگ شائع ہوا- اس کے بعد اس رسالہ کو مزید تحقیقات سے موئید کر کے ''امعان فی اقسام القرآن'' کے نام سے علی گڑھ میں چھپوایا- اس وقت سے آج تک مختلف مدعیانِ تحقیق نے اقسام القرآن پر جو کچھ لکھا ہے وہ تمام تر مولانا کے خوانِ علم کی زلہ ربائی ہے-

اس کے بعد اگست ۱۹۰۶ء میں اقسام القرآن کے علاوہ ''سورہ ابی لہب'' اور ''سورہ قیامتہ'' کی تفسیریں چھپیں اور اہلِ علم نے ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا- علامہ سید رشید رضا صاحب المنار مصر، جو خود تفسیر لکھ رہے تھی، انہوں نے ان پر مداحانہ اور معترفانہ تقریظ لکھی اور تحسین کی-

۱۹۰۴ء کے بعد جب مولانا حمید الدین صاحب کراچی یا علی گڑھ سے وطن آتے جاتے تو لکھنؤ میں (۲۶) میں بھائی کے پاس کچھ دن ٹھہر کر آتے جاتے اور ۱۹۰۵ء سے مولانا خاص طور سے تقاضا کر کے بلواتے اور اپنے پاس ٹھہراتے- مقصود یہ تھا کہ ندوہ کے طلباء ان سے فائدہ اٹھائیں چنانچہ انہیں کے اصرار سے کئی دفعہ وہ ندوہ میں آ کر رہے اور طلباء کو کبھی فلسفہ جدید اور کبھی قرآن کے سبق پڑھائے-

اس زمانہ میں مولانا ابوالکلام صاحب مولانا شبلی صاحب کے پاس ندوہ میں مقیم تھے اور الندوہ کے مددگار ایڈیٹر تھے- وہ مولانا حمید الدین صاحب کی ان صحبتوں سے مستفید ہوتے رہے اور قرآن پاک کے درس ونظر کے نئے راستوں کے نشان پانے لگے اور بالآخر ''الہلال'' کے صفحات میں اس جادہ پیمائی کے مختلف مناظر سب کی نظروں کے سامنے آئے- اسی زمانہ میں ندوۃ العلماء نے ان کو اپنی مجلسِ انتظامی کا رکن بنایا اور آخر زمانہ تک وہ برابر رکن رہے-

مولانا حمید الدین صاحب علی گڑھ میں دو سال کے قریب رہے، اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے- کالج کے درس کے علاوہ بقیہ اوقات وہ تالیف وتصنیف میں صرف

کرتے تھے، یہیں سے انہوں نے ''سورۂ تحریم'' کی تفسیر شائع کی اور خالص فارسی میں یعنی عربی الفاظ کی آمیزش کے بغیر ''حضرت سلیمان علیہ السلام کے واعظ'' کا عبرانی سے فارسی نظم (مثنوی) میں ترجمہ شروع کیا تھا-مولانا کا الٰہ آباد ہی میں قیام تھا کہ اہلِ برادری میں ایک نئے عربی مدرسہ کے قیام کی تحریک پیدا ہوئی، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے اس تحریک کی عنان اپنے ہاتھ میں لی اور ۱۹۱۰ء میں اعظم گڑھ میں مولانا حمید الدین صاحب کے قریہ پھریہا سے ایک اسٹیشن بعد سرائے میر نام مقام میں آبادی سے باہر ایک باغ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی-مولانا شبلی نے اس کی نظامت کا بار مولانا حمید الدین صاحب کے کندھے پر رکھنا چاہا، ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: (۲۷)

> ''کیا تم چند روز سرائے میر کے مدرسے میں قیام کر سکتے ہو، میں بھی شاید آؤں اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے، اس کو گرو کل کے طور پر خالص مذہبی مدرسہ بنانا چاہیئے یعنی سادہ زندگی اور قناعت اور مذہبی خدمت مطمح زندگی ہو-''

اس مدرسے نے رفتہ رفتہ ان دونوں بزرگوں کے زیرِ ہدایت ترقی شروع کی اور یہ لوگ کبھی کبھی اس کو دیکھتے رہے-مولانا ۱۹۱۳ء تک الٰہ آباد میں رہے- حیدر آباد دکن میں دار العلوم کے نام سے ایک قدیم عربی مدرسہ تھا جس نے حیدر آباد کی علمی و تعلیمی ترقی میں کار ہائے نمایاں انجام دیا تھا، اس کا الحاق مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات سے تھا، غالباً ۱۹۰۸ء میں مدراس یونیورسٹی نے اس الحاق کو توڑ دیا، اب ریاست کے تعلیمی محکمہ کے ذمہ دار افسروں کو اس قدیم مدرسہ کے جدید انتظامات و تغیرات کی فکر لاحق ہوئی اور اس کے لئے نواب عماد الملک مرحوم، سابق ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن اور مسٹر الماطلطیفی آئی سی ایس، جو اس وقت ناظم تعلیمات تھے اور مسٹر حیدری وغیرہ نے اہلِ فن کی مجلس بنائی جس کے ایک ممبر مولانا شبلی مرحوم تھے-مولانا نے اس کے لئے ایک اسکیم مرتب کی اور ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کی تجویز پیش کی، یہ تجویز اس وقت نالندہ میں

مولانا نے شائع بھی کردی تھی، مولانا شبلی مرحوم کا اس وقت کا تخیل یہ تھا کہ عربی زبان کی یہ ایک یونیورسٹی ہوگی جس میں جدید علوم کی بقدرِ ضرورت آمیزش ہوگی، یہ اسیم مدت تک زیرِ بحث رہی، اس اسکیم کے مطابق دار العلوم کو چلانے کے لئے مولانا حمید الدین صاحب کا انتخاب ہوا اور وہ اس کے صدر (پرنسپل) بنائے گئے اور ۱۹۱۴ء کے اوائل میں الہٰ آباد سے حیدرآباد چلے گئے۔

حیدرآباد جا کر اس نئی مشرقی یونیورسٹی کے خاکہ بنانے میں مصروف ہوئے۔ درس وتدریس (۲۸) کے علاوہ مدرسہ کی انتظامی نگرانی بھی ان کو کرنی پڑتی تھی۔ انہوں نے رفتہ رفتہ مدرسہ کی ظاہری و باطنی ترقیوں کی کوششیں شروع کیں۔ مسٹر اما لطیفی سے ان کے خیالات کا اتحاد نہ ہوا، بالآخر ایک دو سال کے بعد مسٹر الما لطیفی کی جگہ راس مسعود صاحب نے لی اور انہوں نے ان کے ساتھ مل کر کام شروع کیا۔

مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے نواب عماد الملک مرحوم نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا جو کام شروع کیا تھا، وہ نصف کے قریب انجام پا چکا تھا مگر اس میں جابجا نقائص تھے، نواب صاحب نے مولانا حمید الدین صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور مدت تک یہ شغل جاری رہا۔

مولانا شبلی مرحوم اس وقت سیرۃ النبیؐ کی پہلی جلد لکھ رہے تھے۔ یہود ونصاریٰ اور اہلِ کتاب کے مناظرانہ مسائل اور قرآن پاک کے استدلات میں وہ برابر اپنے بھائی سے مشورے لیتے رہتے تھے، جو مکاتیب (۵۷-۷۳) سے ظاہر ہیں، سیرت جلد اول کے مقدمہ میں حضرت اسماعیلؑ کی سکونت اور قربانی کے متعلق جو باب ہے اس کا مواد مولانا حمید الدین ہی نے بہم پہنچایا تھ، جس کو آئندہ چل کر مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے بڑھا کر اور پھر اور زیادہ استقصاء کر کے ''الرای الصحیح فی من ھوالذبیح'' کے نام سے شائع کر دیا۔ (۲۹)

مولانا حمید الدین صاحب فطرتاً تنہائی پسند، گوشہ نشین اور بڑے لوگوں سے ملنے جلنے سے وہ عموماً

بہت بچتے تھے اس لئے حیدر آباد دکن جا کر بھی، جو ایک عالم کا مرکز اور خوش قسمتوں کا عجائب خانہ ہے، ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، سوا اپنے حلقہ کے خاص لوگوں کے، جن سے ان کو اتحادِ ذوق تھا، اور کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ (۳۰)

۱۹۱۳ء میں مولانا شبلی نے دارالعلوم ندوہ کی معتمدی سے استعفیٰ دیا تو اپنی پرانی تجویز یعنی ایک دارالمصنفین اور **دارالتکمیل** کی بناء ڈالنے کا خیال آیا، مگر یہ خیال ہنوز دل میں تھا یا کاغذ کے صفحہ پر تھا، اس کے لئے لکھنؤ کبھی کسی اور مقام کی فکر تھی، اسی اثناء میں اگست ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی کے عزیز بھائی مولوی اسحٰق صاحب وکیل ہائی کورٹ الٰہ آباد کے انتقال نے ان کو بالکل سرد کر دیا اور لوٹ کر اعظم گڑھ کو اپنا ٹھکانہ بنایا اور اس کے لئے زمین و بنگلہ وقف کیا اور چاہا کہ مدرسہ سرائے میر اور اپنے نیشنل ہائی اسکول (جس کو ۱۸۸۴ء میں یہیں قائم کیا تھا) اور دارالمصنفین کو ملا کر ایک علمی و تعلیمی دائرہ بنالیں، بس عزم و یاس کے عالمِ کشمکش میں مولانا حمید الدین صاحب کو لکھا:

''بھائی اچھا ہونا کیا، دو دن اچھا رہا تو چار دن بیمار رہتا ہوں، لیکن بات چیت کرتا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں کہ کوئی شکایت نہیں، نظامِ جسم برہم ہو چکا، ابھی بھی سردی لگی حالانکہ دو پہر کا وقت ہے۔

افسوس یہ ہے کہ سیرت پوری نہ ہوسکی اور کوئی نظر نہیں آتا کہ اس کام کو پورا کر سکے...... اور اگر دارالمصنفین قائم ہوا تو تمہارے سوائے کون چلائے گا۔''

یہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کا خط ہے، ۲۸ اکتوبر کو لکھا:

''برادرم وقت تو یہ تھا کہ ہم چند لوگ یکجا ہوتے اور کچھ کام کرتے، لیکن میری دنیا طلبی کا یہ حال ہے کہ خود بے نیاز ہو گیا ہوں لیکن عزیزوں کی بے تعلق

شق ہوتی ہے۔سید سلیمان بھی تعلق موجودہ پر راضی نہیں، ذرا اشارہ ہو تو میرے

پاس آ جائیں، میں خود روک رہا ہوں......

مرا گر تو بگذاری اے نفس طامع

بسے بادشاہی کنم گر گدائی۔'' (۲۱)

اس کے تین ہی ہفتہ بعد مولانا شبلی نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال کیا۔مولانا حمید الدین صاحب وفات سے ایک دن اور میں دو دن پہلے پہنچ گیا تھا۔مجھے حکم دیا ''سب کو چھوڑ کر سیرت''۔مولانا حمید الدین صاحب جب پہنچے تو مصنف سیرت کی مقدس زبان خاموش ہو چکی تھی، آنکھیں کھول کر بھائی کی طرف دیکھا اور چپ ہو گئے، اس خاموش نگاہِ حسرت میں وصیتوں اور فرمائشوں کے ہزاروں معنی پوشیدہ تھے جس کو اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

انہوں نے تیسرے دن، اس وقت مولانا شبلی مرحوم کے جو چند تلامذہ جمع ہو گئے تھے، ان کی ایک مختصر سی جماعتِ نعمانیہ بنائی، جس نے اپنا یہ مقصد قرار دیا کہ وہ مولانا شبلی کے ادھورے کاموں کی تکمیل کرے گی۔مدرسہ سرائے میر کی صدارت مدرسین مولانا شبلی صاحب متکلم ندوی کے سپرد ہوئی، اس کی نظامت مولانا مسعود علی ندوی نے اپنے سر لی، دارالمصنفین کی تشکیل اور تاسیس کے لئے اسی جماعت کے ارکان نے ماہوار چندے لکھوائے اور اس کا اہتمام بھی مولینا مسعود علی صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لیا اور سب سے زیادہ یہ کہ شبلی منزل میں ان کاموں کی انجام دہی کی خاطر تنہا قیام گوارا کیا۔

اس کے بعد میں اور وہ دونوں مل کر سرکار عالیہ نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ والیہ، عالیہ بھوپال کی طلبی بھوپال گئے، سرکار عالیہ نے تسلی دی اور سیرۃ کی تصنیف کی رقم کو بدستور ہم دونوں کے نام جاری فرما دیا اور یہی دارالمصنفین کے وجود و نشو و نما کے لئے ابرِ کرم کی پہلی بارش تھی۔حیدر آباد جا کر مولانا نے کوشش فرمائی اور

نواب عمادالملک کی تائید سے وہ کوشش کامیاب ہوئی اور مولانا کا تین سو ماہوار کا وظیفہ دارالمصنفین کے نام منتقل ہوا، یہ دارالمصنفین کی بقاء کی بہترین ضمانت بنی۔ اس کے بعد گو باقاعدہ مجلسِ انتخاب نہیں ہوا تھا، تاہم ان کی حیثیت صدرِ مجلس کی اور میری ناظم کی تھی، بعد کو باقاعدہ تاسیس اور وضعِ دستور العمل کے بعد یہی قانونی شکل (۳۲) بن گئی اور آخر تک دارالمصنفین کی مجلسِ عاملہ کے صدر نشین رہے۔

مولانا شبلی مرحوم نے اپنے دو مذکورۂ بالا آخری خطوط میں جو کچھ لکھا تھا وہ مولانا حمید الدین مرحوم کی آئندہ زندگی کا نصب العین بن گیا۔ گو دارالعلوم حیدرآباد کے تغیر اور جامعہ عثمانیہ کے مفید و مبارک تخیل کی سود مندی کی خاطر انہوں نے چندے حیدرآباد کا قیام گوارا کیا مگر ان کا دل اور کاموں میں لگا تھا۔

مولانا حمید الدین صاحب کے تصور نے مجوزہ درالعلوم کی شکل ہی بدل دی۔ مسلم یونیورسٹی اور ہندو یونیورسٹی کے وجود نے یونیورسٹی کے کنزرویٹو آئیڈیا میں بھی انقلاب پیدا کر دیا۔ مولانا حمید الدین صاحب ہی تھے جنہوں نے عصری علوم و فنون کی اردو زبان میں تعلیم کی تجویز پیش کی اور اس کا خاکہ تیار کیا، ان کا تخیل یہ تھا کہ دینیات کی تعلیم عربی میں ہو اور باقی تمام علوم، یہاں تک کہ اصولِ فقہ بھی اردو میں پڑھایا جائے، لیکن راس مسعود صاحب اور نواب سر حیدر نواز جنگ حیدری صاحب نے ان کی اس تخیل کو کہ علوم کی تعلیم کی زبان اردو ہو، قبول کیا مگر یہ کہ تمام لڑکوں کو دراصل دینیات کی عربی تعلیم دی جائے، قبول نہیں کیا اور یہی درحقیقت حیدرآباد سے ان کی دل برداشتگی کا سبب ہوا، ۱۹۱۷ء سے جامعہ عثمانیہ کی تیاری اور کتابوں کے ترجمہ کا اور اصطلاحات کے وضع کا کام شروع ہوا۔ وہ اس مجلس کے رکن تھے اور وضعِ اصطلاحات میں مفید مشورے دیتے تھے اور جامعہ کے نقشِ تخیل کی رنگ آمیزی میں مصروف تھے، تا آنکہ اگست ۱۹۰۹ء میں باقاعدہ اس کے افتتاح کی نوبت آئی۔

نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمن خان شیروانی، جو اس زمانہ میں صدر الصدور ہو کر حیدرآباد پہنچ

چکے تھے اور وہ جامعہ عثمانیہ کے سب سے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے تھے، وہ اپنے والا نامۂ مذکور میں فرماتے ہیں کہ:

''جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھنے والوں میں مولانا کے ہاتھ بھی تھے۔'' (۳۳)

مگر بعض وجوہ کے باعث یہ ہاتھ فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گیا، گو ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ حیدر آباد کی آب و ہوا مرحوم کو راس نہیں آئی۔

یہاں قیام کے دوران میں ''خود نامہ'' یعنی ''مواعظ سلیمانی'' کی تکمیل کی اور چھپوائی پھر ''اسباق النحو'' کے نام سے عربی صرف و نحو کے آسان صورت میں نئے اصول پر اردو میں دو رسالے مرتب کیئے اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے وہ چھپے، اپنے استاد مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم کا عربی دیوان تصحیح کر کے چھپوایا، ''الرای الصحیح'' تصنیف کی اور تفسیر کے بعض مقدمات لکھے، اسی کے ساتھ درسِ قرآن کا ایک حلقہ قائم کیا، مغرب کے بعد یہ مجلس جمع ہوتی تھی، مولانا تقریر فرماتے تھے، لوگ شکوک پیش کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

مولانا حیدر آباد میں ۱۹۱۹ء تک رہے۔ (۳۴)

اعظم گڑھ واپس آکر مولانا نے اپنے وطن پھریا میں قیام فرمایا، خاندانی موروثی زمینداری کا کچھ کام کبھی کبھی دیکھ لیتے تھے، ایک دو لڑکوں کو کچھ پڑھا دیتے تھے ورنہ زیادہ تر وقت یادالہی، نماز، تلاوت اور قرآن پاک کے غور و فکر میں بسر ہوتا تھا۔ اب وقت آیا کہ مولانا ''مدرستہ الاصلاح سرائمیر'' کی طرف توجہ فرمائیں۔

مدرستہ الاصلاح سرائمیر:

دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا لوگ اس کو حقیقت باور نہیں کرتے، تھوڑے کو بہت کر کے دکھانا اس عالم فریب کا خاصہ ہے، مگر مولانا کی طبیعت کا رنگ الگ تھا، وہ اعلان و تعلّی

سے بہت دور بھاگتے تھے اور بہت کو تھوڑا کہہ کر بھی دکھانا نہیں چاہتے تھے۔

مدرستہ الاصلاح سرائمیر کی بنیاد میں گو بہتوں کا ہاتھ شریک ہو لیکن اس کے تخیل کی تعین اور اس تخیل کے مطابق مدرسہ کو چلانا اس کا نصابِ درس بنانا، مدرسوں کو اپنے انوکھے خیال سے متفق کرنا خاص طلباء کو اپنے مذاق کی تعلیم دینا اور پورے مدرسہ کو اپنے نہج کے مطابق لے چلنا خاص انہیں کا کام تھا۔(۳۵)

اس مدرسہ کی بنیاد محض توکل پر ہے اور مولانا کو اپنے خدا پر یہ اعتماد تھا کہ کبھی مدرسہ کے متعلق ایک دفعہ بھی یہ تصور اپنے دل میں نہیں لائے کہ کل کیا ہوگا، وہ کہتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ خدا دے گا اور ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ ان کا خدا ان کو دیتا تھا۔ انہوں نے کبھی اپنے مدرسے کے لئے چندہ نہیں مانگا۔(۳۶)

مدرسین میں بعض پرانے مدرسوں کے تعلیم یافتہ ہیں، چند دار العلوم ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل ہیں اور بعض خود مدرسے کے پڑھے ہوئے ہیں۔(۳۷) تمام مدرسین مولانا کے زہد و تقویٰ اور فضل و کمال سے ان کے گرویدہ تھے۔ عربی میں صرف و نحو کی تعلیم میں سب سے زیادہ وقت برباد ہوتا تھا، خود مولانا نے صرف و نحو کے دو رسالے لکھے، وہ دونوں رسالے وہاں پڑھائے جاتے تھے۔ قدیم منطق و فلسفہ کی ایک ایک دو دو کتابیں رہنے دی ہیں۔ ادب عربی پر خاص زور دیا، فقہ کی تعلیم، فقہ اسلامی کی حیثیت سے دی جاتی ہے، حدیث کسی عصبیت کے بغیر پڑھائی جاتی ہے اور تعلیم کا اصلی مرکز و محور قرآن مجید کو رکھا گیا ہے۔

مولانا جب تک زندہ رہے خود مدرسین اور اعلیٰ طلباء کا ایک حلقہ بنا کر اس کو پورے قرآن مجید کا درس کئی دفعہ مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیا۔ ساتھ ساتھ جدید فلسفہ کی بعض شاخیں بھی ان طلباء کو خود پڑھائیں۔ مولانا اخیر عمر میں تصنیف و تالیف کے بجائے اپنا تمام تر وقت انہیں طلباء کے غور و پرداخت اور تعلیم و تربیت پر صرف فرماتے تھے اور انہیں کو اپنی زندگی کا ما حصل سمجھتے تھے۔(۳۸)

علمائے بہار کی حدیث واصولِ حدیث میں خدمات:

بعثتِ اسلام سے ہزاروں برس قبل بہار علم ومدنیت کا گہوارہ تھا، دنیا کی دوعظیم الشان مذہبی تحریکیں، بدھ مذہب اور جین مذہب، اسی ارض پاک سے شروع ہوئیں- جین مذہب کے بیس یا انیس ''تری تھنکر وں'' کو یہیں مقام سمیٹہ سکر (ہزاری باغ) پر ''موکش'' (عالم مادی سے نجات) حاصل ہوا، یہیں سے ''گوسالہ'' (مہاجیر جی کے حریف) نے ''اجیویکا'' مذہب کی بنیاد ڈالی جو آگے چل کر وشنو مذہب میں جذب ہوگیا- مشہور ماہرِ فلکیات آر یہ بھٹ، جس کے فلسفہ پر البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں بحث کی ہے، یہیں سے پیدا ہوا، یہیں عظیم آباد میں جین مذہب کے دو فرقوں ''سویتمبر'' اور ''دیگمبر'' میں سمجھوتا ہوا، یہیں مشہور چینی سیاح ''ہین سیانگ'' نے برسوں قیام پذیر رہ کر مذہبی ادبیات کی تحصیل کی، برسوں وہ سیل بھدر کی خانقاہ نزد بیلا اسٹیشن گیا، میں مقیم رہا- بدھ اور جین مذہب کے سینکڑوں آثارِ عتیقہ اس صوبہ کے مختلف اطراف پائے جاتے ہیں- گیا، ہزاری باغ، جہان آباد، بیلہ، بھاگلپور، پٹنہ اوران کے قرب وجوار میں آج بھی قدیم ہندو تمدن کی بے شمار یادگاریں ہمیں ہزاروں برس کے تاریخی واقعات کی یاد دلاتی ہیں- محمد بن بختیار خلجی کی تاخت اور قطب الدین ایبک کی توجہ سے جب بہار پر اہلِ اسلام کا تسلط ہوا تو ہزاروں مسلم گھرانے یہاں آباد ہونے لگے، مسلم فقراء نے تبلیغ وارشاد شروع کیا-(۳۰)

اب یہیں جین اور بدھ مذہب کے صوامع کے بدلے خانوادہ سہروردیہ وچشتیہ کی خانقاہیں بننا شروع ہوئیں- بہت کم لوگوں کو خبر ہے کہ جو ''شاہ ارزانی کی درگاہ'' کے نام سے مشہور ہے وہ اسلام سے قبل مہندر ناتھ کی خانقاہ تھی، چنانچہ محققین اس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آج بھی اس درگاہ کے قریب ''مہندرو'' کے نام سے ایک محلہ واقع ہے، الغرض مسلمان یہاں آباد ہوئے تو اپنے ساتھ مذہب اور سیاست کے علاوہ تصویر وفنونِ لطیفہ، شعر وادب کا بھی کافی ذخیرہ لائے اوران کی اولادنے نسلاً بعدنسل ان کے علوم و

فنون کو بہت بڑا فروغ دیا، بہار نے شعراء وادباء، صوفیہ وفقراء کی طرح محدثین کی بہت بڑی جماعت پیدا کی اوران کی خدمات نے ہماری مذہبی ادبیات میں معلومات (۴۰) کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا- بہار کی سرزمین ہمیشہ خموش علمی خدمات اور پرخلوص مذہبی جد وجہد کا مرکز رہی ہے-قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ منیراور مہدانواں میں پہلے پہل محدثیں وصوفیہ نے علمی وتبلیغ خدمتیں انجام دیں اوراس کے بعد صادق پور، پھلواری، بہار، گیلان وغیرہ سے روشنی پھیلی-

حضرت شاہ ظہورالحق صاحب پھلواروی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۲۳۴ء) بہار کے مشہور محدث گزرے ہیں- آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کوئی چیز آپ کو دے رہے ہیں(۴۱)، دوسرے دن آپ کو حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی کتاب ''عجالہ نافعہ'' ملی- یہ کتاب شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہمارے بہاری محدث کے لئے لکھی تھی- عجالہ نافعہ کا وہ قلمی نسخہ جس میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ظاہر فرمایا تھا کہ یہ کتاب شاہ ظہورالحق صاحب کے لئے لکھی گئی ہے- بروایت شاہ صبیح الحق صاحب دارالمصنفین کے کتب خانہ میں پایا جاتا ہے- پھلواری میں ایک اورجلیل القدر محدث گزرے ہیں، یہ حضرت شاہ آل احمد صاحب قدس سرہٗ کی ذات ہے، آپ نوجوانی میں گھر سے غائب ہو گئے تھے، ایک عرصہ کے بعد بہار کے حجاج نے دیکھا کہ مکہ میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، آپ نے بہت بے تکلف اور سادہ زندگی گزاری، کبھی فرش خاک ہی پر بیٹھ کر درس دیتے، حضرت تمنا پھلواروی مدظلہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ علی حبیب نصر پھلواروی قدس سرہٗ نے آپ سے حدیث پڑھی ہے، اسی طرح مولانا کمال صاحب علی پوری (مضافاتِ بہار) بھی اعلیٰ پایہ کے محدث تھے- حضرت مولانا محمد سعید حسرت (مولود ۱۲۳۱ء متوفی ۱۳۰۴ھ) بھی بہار کے محدثین میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں- مولانا حسرت کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور محدث مرزا احسن علی لکھنوی سے خود عظیم آباد میں ان کو شرف بیعت تھا- بہار کے محدثین میں شاہ ظہور

الحق، شاہ آل محمد، مولانا کمال علی پوری، مولانا حسرت عظیم آبادی کے علاوہ مولانا ولایت علی زبیری صادق پوری (صاحب رسالہ عمل بالحدیث) مولانا فیاض علی جعفری صادق پوری۔ (جن کی تصنیف ''فیض الفیوض'' ۱۲۷۶ھ میں شائع ہوئی) مولانا سید نذیر حسین مونگیری (ثم الدہلوی) جن کی مشہور کتاب ''معیار الحق'' ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا فضل حسین مہدانوی، مولانا عبدالغفار مہدانوی (مترجم ادب المفرد بخاری)، مولانا شہود الحق عظیم آبادی، مصنف ''بحر الذخار'' (۴۲) جو مولانا ارشاد حسین رام پوری کی کتاب ''انتصار الحق'' بہ جواب ''معیار الحق'' کے رد میں ہے، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی (صاحب ''عین المعبود'')، مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (مصنف آثار السنن)، مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (صاحب ''طریق النجاۃ'') وغیرہ بھی بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

مولانا حکیم عبدالروف صاحب دانا پوری (صاحب اصح السیر)، مولانا شاہ عزالدین صاحب (صاحب سیرۃ احمد بن حنبل پھلواری)، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی (صاحب سیرۃ امام مالک)، مولانا مولانا ظفرالدین صاحب (مصنف ''جامع الرضوی'')، مولانا اصغر حسین صاحب (مصنف ''نزل لسوی'') نے بھی حدیث کی موقر خدمتیں انجام دیں۔

شاہ عزالدین صاحب بہار کے ایک صوفی گھرانے کے نوجوان عالم ہیں۔ آپ نے نوجوانی میں پیروں کی طرح روحانی نکتے بیان کیے ہیں۔ آپ کی ''سیرہ امام احمد ابن حنبل'' سے خود آپ کی پاک زندگی کے نقوش نظر آ رہے ہیں، آپ نے یہ کتاب اردو میں لکھی ہے۔ اسلوبِ بیان حد درجہ لطیف و شیریں اور ہر واقعہ محققانہ طرزِ نگارش کا حامل ہے۔ پھلواری کے موجودہ بزرگوں میں سب سے زیادہ آپ کو حدیث کا شغف معلوم ہوتا ہے۔ مولانا اصغر حسین صاحب استاد جامعہ شمس الہدیٰ کی کتاب ''ترمذی شریف'' پر ایک ایسی قلل و دل کتاب ہے جس سے مولانا موصوف کی محدثانہ وسعتِ نظر اور وفورِ علم کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان

میں ہے جس سے ہمارے بہاری محدث کی عربی ادب وانشاء سے واقفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب مذہب حنفی کی تائید میں لکھی گئی ہے۔ (۴۳)

محدثینِ بہار نے خدمت حدیث کے ضمن میں عربی، فارسی اور اردو ادب کی بھی گرانقدر خدمتیں انجام دی ہیں۔ عین المعبود، آثار السنن، جامع الرضوی، نزل السوی، (فقہ حنفی سے روایات ترمذی کی تطبیق) عربی میں لکھی گئی ہیں۔ رسالہ عمل بالحدیث، فیض الفیوض، فارسی میں ہیں۔ معیار الحق، بحر الذخار، سیرۃ امام مالک، سیرۃ امام احمد بن حنبل، طریق النجاۃ، سلیقہ (ترجمہ ادب المفرد) اردو میں ہیں۔ (۴۴)

بہار میں علمِ حدیث کے آغاز کے سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے کہ اس کا آغاز فخر المحدثین سید یاسین گجراتی کے ذریعہ اکبری دور میں ہوا چنانچہ فرماتے ہیں:

''اوپر دورِ اکبری کے محدثین میں سید یاسین گجراتی کا نام گزرا ہے جو عرب جا کر سلسہ (حدیث) سے بہرہ مند ہوئے تھے، واپسی ہوئی تو پانچ دریاؤں والی زمین (پنجاب) کو سیراب کیا۔''

پھر تذکروں میں لکھا ہے کہ:

''وہ اس کے بعد بنگالہ کے ملک کو چلے گئے، اس کے بعد ان کا پتہ نہیں چلتا لیکن خوش قسمتی سے پھلواری شریف سے سند حدیث کا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید موصوف یہاں سے بہار چلے گئے اور وہاں بھی اس فیض کو جاری کیا۔''

غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ بہار کی خانقاہ سے قال الرسول کا ترانہ سمع نواز ہوا۔ اس سلسلۂ سند سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ المحدثین مولینا یاسین کے درس سے وہاں حافظ الوقت مولانا شیخ عبدالرزاق نامی ایک بزرگ

نے فائدہ اٹھایا اور ان سے شیخ الوقت مولینا عبدالنبی نے اور ان سے ان کے صاحبزادہ مولینا مقتدر محدث اور ان سے ان کے بھتیجے اور شاگرد محمد عتیق بن عبدالسمیع بہاری نے اور انہی کی دی ہوئی یہ سند ہے جو پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔(۴۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہار میں اس فن کی اشاعت اور اجازت حدیث کا سلسلہ آٹھویں صدی ہجری میں ''حضرت شیخ شرف الدین احمد مخدوم بہاریؒ'' کی ذاتِ گرامی سے شروع ہو چکا تھا کیونکہ حضرت مخدوم بہاری کی ذاتِ گرامی نہ صرف تصوف و معرفت بلکہ تفسیر و حدیث کے لحاظ سے بھی ممتاز تھی۔ ان کی خانقاہ میں معتبر حدیث کی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا، جن کا وہ خود مطالعہ کرتے اور اپنے خلفاء اور مخصوص مریدین کو مطالعہ کا حکم دیتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں صوفیانہ موضوع کے علاوہ احادیث کی صحت و ضعف کے سلسلے میں سوالات کئے جاتے اور آپ ان کا تشفی بخش اور عالمانہ جواب دیتے تھے، اس کے علاوہ گنج لایغنی میں مختلف مقامات پر آپ نے فنِ حدیث کی تعریف، اقسام اور رداۃ حدیث پر مفصل روشنی ڈالی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی مجلسوں میں حدیث (۴۶) پر بڑے عالمانہ انداز میں گفتگو ہوتی تھی اور اس کا چرچا رہتا تھا۔ جہاں تک اجازتِ حدیث کا سوال ہے تو یہ سلسلہ بھی حضرت مخدوم بہاری کے ہاتھوں شروع ہو گیا تھا چنانچہ ان کے ممتاز خلیفہ مخدوم سید منہاج الدین راستی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کو حضرت مخدوم بہاری نے طریقہ عرفانی کی اجازت دی تو اس کے ساتھ اجازتِ حدیث کی بھی سند دی تھی، اس سلسلے میں مولانا شاہ عزالدین پھلواری لکھتے ہیں:

''اس سرزمین (پھلواری شریف) کی سب سے پہلی باعزت شخصیت
حضرت سید منہاج الدین راستی کی ہے جو ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں
اور حضرت مخدوم بہاری کے خلفاء میں ہیں، حضرت مخدوم بہاری نے آپ کو

اپنے طریقۂ عرفانی کا مجاز بنادیا تھا، جس میں سلسلۂ حدیث کی سند بھی تھی۔''

اس کے علاوہ معدن المعانی میں حضرت مظفر شمس بلخی نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسین معز بلخی مکہ معظمہ میں چار سال رہ کر اور شیخ شمس الدین خوارزمی سے علمی فیض حاصل کر کے واپس آئے تو انہوں نے حضرت مظفر شمس بلخی کو صحیح بخاری و مسلم کی اجازتِ حدیث کی سند بھی دی تھی۔ اصل عبارت ملاحظہ کیجئے:(۴۷)

''حسین مذکور سندِ حدیث برین فقیر صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ و آخرہ لفظاً برین فقیر تحقیق کردہ خدائے تعالیٰ دیرا ذہن صاف وطبیعت فیاض دادہ است وسند دیگر بر خطیب عدن نیز کردہ است از جہت این فقیر در تدریس ایں علمِ مجاز است۔ خدائے تعالیٰ اور انافع مسلمانان گرداند، در این دین و دنیا آمین۔''(۴۸)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اجازتِ حدیث کا سلسلہ حضرت مخدوم بہاری کے علاوہ خود ان کے خلفاء میں بھی شروع ہو چکا تھا تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوبۂ بہار میں حدیث شریف کا باضابطہ تدریسی سلسلہ حضرت سید یاسین گجراتی کی ذاتِ گرامی سے شروع ہوا۔

سید یٰسین گجراتی:

حضرت سید یاسین گجراتی اکبری دور کے مشہور محدث ہیں، انہوں نے اکثر مروجہ کتابیں شیخ وجیہہ الدین سے گجرات میں پڑھیں اور انہی سے مرید ہوئے۔ حرمین شریفین کی زیارت کی، وہاں حدیث کی کتابیں پڑھیں اور اجازتِ حدیث کی سند حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان واپس آئے کچھ دنوں تک لاہور میں قیام کیا پھر سرہند میں تبلیغ واشاعت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد بنگال کے لئے روانہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں بہار میں ایک مدت تک قیام کیا اور حدیث کی تعلیم اور اجازت دی۔ حدیث میں مہارت کی وجہ

سے شیخ المحدثین کے لقب سے مشہور ہوئے-(۴۹)

محمد عتیق محدث بہاری:

ملا محمد عتیق بہاری، عالمگیری عہد کے مشہور فاضل اور محدث ہیں- ۱۰۷۵ھ میں بہار میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی- کچھ کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں- حدیث کی کتابیں خاص طور پر شیخ عبدالمقتدر سے پڑھیں، جن کا سلسلہ حضرت سید یاسین گجراتی تک پہنچتا ہے- اس کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادہ شیخ نورالحق محدث دہلوی اور ان کے شاگرد شیخ جمال الدین سے حدیث کی سند حاصل کی-(۵۰)

تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، خاص طور پر حدیث شریف کی کتابیں پڑھائیں-

ان کے تلامذہ میں شیخ محمد وجیہہ الحق بہاری ایک اہم عالم اور محدث گزرے ہیں-محمد عتیق محدث نے ان کو حدیث کی جو سند دی تھی، وہ آج تک پھلواری شریف میں موجود ہے-

وفات:

ملا محمد عتیق محدث بہاری کی وفات ۱۱۴۹ھ میں ہوئی-(۵۱)

ملا محمد وجیہہ الحق محدث بہاری:

ملا محمد وجیہہ الحق محدث بہاری ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے- ابتدائی کتابیں اپنے برادر بزرگ سے پڑھیں، اسی اثناء میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوگئے، اسی حالت میں اپنے والد محترم سے بیعت ہوئے، جب مرض سے شفایاب ہوئے تو ملا محمد عتیق محدث بہاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بقیہ درسی کتابوں کی تکمیل کی-اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے-۱۱۱۲ھ میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے-

درس وتدریس اور وعظ وتلقین کے علاوہ اپنے تصنیف وتالیف کے ذریعہ علوم وفنون کی خدمت انجام دی- آپ کی تصنیفات میں ''نزہتہ السالکین'' تصوف کے موضوع پر بہترین کتاب ہے، اس کے علاوہ حدیث میں ''شمائل ترمذی'' اور ''تفسیر قرآن'' ان کی اچھی کتابیں ہیں-(۵۲) ان کے تلامذہ میں ملا وحید الحق پھلواروی، مفتی غلام مخدوم اور حضرت شاہ آیت اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں-

وفات:

ان کی وفات ۱۱۵۰ھ میں ہوئی-

ملا وحید الحق پھلواروی:

ملا وحید الحق محدث پھلواروی اپنے دور کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں-۱۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے، پھلواری شریف میں تعلیم وتربیت ہوئی، بعض درسی کتابیں اپنے والد محترم ملا وجیہہ الحق سے اور بقیہ کتابیں اپنے ماموں شیخ مبین جعفری سے پڑھیں، سندِ حدیث اپنے والد محترم سے حاصل کیا-تعلیم سے فراغت کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے-بڑے متقی آدمی تھے-فقراء کا لباس پہنتے اور چٹائی پر بیٹھتے تھے-ان کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی جن میں مولینا احمدی، شیخ علی اکبر، مفی عبدالمغنی، شیخ نور الحق اور شیخ نعمت اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں-

انہوں نے کچھ علمی یادگاریں چھوڑ ہیں جن میں ''ہدایۃ الفقہ''، ''تعلیمات بیضاوی''، ''تحقیق الایمان''، ''زاد الآخرۃ'' اور ''ذکر الصلوٰۃ'' قابلِ ذکر ہیں-حدیث میں ''شمائل ترمذی'' کی تعلیمات اہم ہیں-

ان کی خدماتِ حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں:(۵۳)

> ''شیخ محمد وجیہہ کے شاگرد اور ان کے صاحبزادے ملا وحید الحق محدث پھلواروی ہیں- انہوں نے درس وتدریس اور تحریر وتالیف سے اس فن

(حدیث) کی اشاعت کی لیکن وہ تمام تر شیخ الحق دہلوی کے خوشہ چین تھے۔''

وفات:۔

۱۲۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۵۴)

شاہ ظہور الحق پھلواروی:

شاہ ظہور الحق پھلواروی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد تھے، ان سے حدیث کا درس حاصل کیا اور سندِ حدیث کی سند لے کر واپس ہوئے۔تعلیم سے فراغت کے بعد درس وتدریس میں مصروف ہو گئے۔ حدیث شریف کی طرف خصوصی توجہ دی۔اس فن سے دلچسپی کا یہ حال تھا کہ مسلم شریف، بخاری شریف اور حصن حصین کی ضخیم جلدیں حفظ کر ڈالیں اور غالباً پھلواری شریف کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہاں کے ایک عالم نے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کی اتنی ضخیم کتابیں حفظ کر ڈالیں۔

اس کے علاوہ شیخ ظہور الحق نے ''توہمات الفلاسفہ'' اور ''الاعیان فی المنظور'' جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں۔(۵۵)

شیخ محمد نور علی محدث سہسرامی:

مولانا شیخ نورعلی محدث شہسرامی ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔فارسی اور کچھ دوسری کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔پندرہ برس کی عمر میں تحصیلِ علوم کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔بیس برس کی عمر میں دہلی کا سفر کیا اور شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ سبقاً سبقاً پڑھا اور اس اہتمام سے پڑھا کہ جس قدر پڑھتے جاتے تھے، ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم بھی حاصل کئے۔پورے چودہ برس شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ ہو کر ۱۲۵۰ھ میں گھر واپس ہوئے۔

حضرت شاہ کبیر الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ سہسرام کے ارشاد پر مدرسہ خانقاہ کبیریہ کی ذمہ داری قبول

کی اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے- شیخ کے عہد میں سہسرام میں ایک پورا محلہ شیعوں سے آباد تھا، ان کے اثر سے اہلِ سنت والجماعت شیعت اختیار کرتے جا رہے تھے چنانچہ شیخ محمد نور علی نے اپنے دلائل کے زور اور اثر ورسوخ کی قوت سے اس کا قلع قمع کیا-

شیخ کے فضل وکمال کا شہرہ ہوا تو بہار و بنگال اور بنارس سے طلباء جوق در جوق آنے لگے اور شریکِ درس ہونے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے شاگردوں کی تعداد کافی بڑھ گئی- چند شاگردوں کے نام یہ ہیں: شیخ شاہ محی الدین (سابق سجادہ نشین خانقاہ سہسرام)، حکیم ابراہیم علی خاں سہسرام، مولوی یار محمد (فرزند محدث موصوف)، مولوی محب حسین بہاری، مولوی مرزا بیگ-

تفسیر وحدیث اور فقہ کی جن کتابوں کو آپ نے شاہ محمد اسحاق دہلوی سے (۵۶) سبقاً سبقاً پڑھا تھا اور ان پر حاشیہ لکھا تھا، ان میں بیشتر محفوظ ہیں- ان میں سے چند کتابیں شرح وقایا محشی، ہدایہ آفرین محشی، تفسیر جلالین محشی، فوز الکبیر، فوز الخیر اور مشکوٰۃ شریف محشی، شرح موطا محشی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں- ان سب نسخوں پر اتمامِ درس کی تاریخ بھی دی گئی ہے- اس کے علاوہ صحاح ستہ کی اور کتابیں ہیں جن پر ان کا حاشیہ ہے- شیخ نے پوری عمر درس وتدریس اور اشاعت وتبلیغ میں بسر کی- (۵۷)

وفات:

۱۲۶۲ھ میں وفات پائی- (۵۸)

شمس العلماء شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاری:

تیرہویں صدی میں بہار کے اندر ایک ایسی ہستی کا تولد ہوا جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم، مصر وعراق، افغانستان وترکستان میں اپنے علوم معارف کی ضیاء باریوں سے روشنی پھیلا دی- اس کا سینہ گنجینہ معانی تھا- اس کی روح پرفتوح میں فیوض لدنی اور افادات معنوی کا ایسا جوہر تھا کہ اس نے اپنی آغوشِ

تربیت میں بڑے بڑے نونہالانِ علم وعرفان پیدا کیے- اس کے حلقۂ درس میں ایسے ایسے طلباء حاشیہ نشین ہوئے جنھوں نے اپنے عصر میں عالمگیر شہرت وعزت حاصل کی، ہندوستان علی العموم اور بہار علی الخصوص اس علامہ دہر پر جتنا فخر کرے بجا ہے- مولٰینا سید نذیر حسین صاحب اپنے عہد کے شیخ نجم الدین کبریٰ تھے-(۵۹)

مولٰینا سید نذیر حسین بہاری ہندوستان کے مشہور محدث اور عالمِ دین ہیں- ۱۸۰۵ء میں سورج گڑھ (مونگیر) میں پیدا ہوئے- فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں-(۶۰)

آپ کے اجداد دادھیالی ونھیالی حنفی المذہب تھے- آپ طبقہ اہلِ حدیث اور غیر مقلدوں کے امام تھے- آپ کے تلمیذِ خاص حضرت مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی نے اپنی کتاب ''غایۃ المقصود'' (مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء) میں آپ کا شجرۂ نسب تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''سلسلۂ نسب: سید نذیر حسین بن سید جواد علی بن سید عظمت اللہ بن سید اللہ بخش بن سید محمد بن سید محبوب بن سید قطب الدین بن سید ہاشم بن سید چاند بن سید معروف بن سید بدھن بن سید یونس الحاج بن بزرگ بن سید زیر بن سید رکن الدین بن سید جمال الدین بن سید احمد حاجنیری تا سید ابو الفرح واسطی تا امام حسن عسکری بن امام زین العابدین تا حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم-''

بچپن میں آپ کھیل کود کے بہت شوقین تھے اور تعلیم کی طرف رغبت کم تھی، آپ کے والد کے ایک ہندو برہمن دوست نے کھیل کود، شہسواری، جمناسٹک اور تیراکی کا شوق آپ میں حد سے زیدہ پایا تو بڑے موثر انداز میں نصیحت کی اور تعلیم کی طرف رغبت دلائی- اس طرح آپ میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا جو کچھ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی اس کے بعد مزید تعلیم کا کوئی انتظام گاؤں میں نہ تھا، عمر مبارک سولہ سال کی ہو چکی تھی- وقت گزرتا جارہا تھا، دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی اور تعلیم کا شوق بے چین کیے ہوئے تھا- آخر سترہ سال

کی عمر میں اپنے ہم عمر طالب علم ساتھی مولوی امداد علی کے ساتھ ایک تاریک رات میں گھر میں بغیر کسی کو بتائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور ۱۸۲۱ء کو پٹنہ پہنچے- پٹنہ میں جہادِ تحریک کے خلفیہ اول شاہ محمد حسین ساکن محلہ تموہیہ کے مکان میں فروکش ہوئے-

شہر عظیم آباد (پٹنہ)، جو اس وقت بہار کا مدینۃ العلم تھا، میں چھ ماہ قیام رہا- اس دوران آپ نے علمائے صادقپور و تموہیہ سے ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ کی تعلیم حاصل کی اور لان کے میدان (گاندھی میدان) میں آپ نے سید احمد بریلوی کا وعظ بھی سنا اور ان کی امامت میں نمازیں بھی ادا کیں- بعد چھ ماہ کے آپ پٹنہ سے پا پیادہ دہلی کے لئے روانہ ہوئے، اثنائے راہِ غازی پور میں مولانا احمد علی صاحب اور چھ سات ماہ علمائے الٰہ آباد سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھ ڈالیں- پھر آپ کوڑا من علاقہ فتح پور، فرخ آباد اور کانپور ہوتے ہوئے ۱۸۲۸ء کو دہلی پہنچ گئے-(۶۱)

دہلی میں آپ کا قیام پنجابی کٹرہ کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا- آپ اس مسجد اور اس مدرسہ کے متولی مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم کے درس میں شامل ہوئے- ''کافیہ''، ''قطبی''، ''مختصر معانی''، ''شرح وقایہ''، ''نور الانوار'' اور ''حسامی'' وغیرہ ان سے پڑھیں اور یہیں مولانا اخوند شیر محمد قندھاری سے بھی کچھ ضروری کتابوں کا درس لیا- ''شرح مسلم''، ''حمد اللہ''، ''قاضی مبارک'' اور ''شرح مطالعہ'' حضرت جلال الدین ہروی سے پڑھیں- مولوی کرامت علی اسرائیلی مولف ''سیرۃ احمدیہ'' مولوی محمد بخش عرف تربیت خان، مولانا عبدالقادر رام پوری، مولوی محمد سعید پشاوری اور مولوی حکیم نیاز احمد سہوانی وغیرہم جیسے جید علمائے دہلی سے تین سال میں تمام علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر فاتح فراغ کے بعد تفسیر وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے لئے شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین مولانا شاہ محمد اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں داخل ہوئے اور سترہ سال ان کی خدمت میں رہ کر تمام علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور تفسیر وحدیث اور فتویٰ نویسی میں مہارت حاصل

کر لی- آپ کی ذہانت، شوقِ تعلیم اور فتویٰ نویسی کی رغبت کو دیکھ کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ داد و تحسین سے نوازتے اور ہمت بڑھاتے-

حضرت مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی البہاری قدس سرہٗ العزیز کی طبیعت شروع سے تقلید کی بندش کو ناپسند کرتی تھی- کتاب (قرآن حکیم) وسنت (حدیث نبویؐ) سے براہ راست سیراب ہونے کا جذبہ ابتداء سے آپ میں پایا جاتا تھا- عموماً تمام علومِ اسلامیہ اور خصوصاً قرآن وحدیث پر آپ کی مکمل گرفت تھی اور آپ کی طبیعت کے رجحان سے متاثر ہو کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق نے میاں صاحب کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ ''یہ لڑکا پکا وہابی ہوگا''- زمانۂ طالب علمی سے آپ کو مطالعہ کا از حد شوق تھا- مذہبی درسی کتابوں اور اساتذہ کے درس سے جب بھی فرصت ملتی تو وقت ضائع کئے بغیر مختلف عوم جیسے طب، زبان وادب، شاعری اور تاریخ وفلسفہ کے ماہرِ فن اساتذہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے-

معہذا مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ نے از خود سند لکھ کر میاں صاحب کے حوالے کی- شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث جس زمانہ میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کے درس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اس دوران اپنے استاد اول مولانا عبدالخالق صاحب کی مسجد میں طلباء کو صرف ونحو اور دوسرے علومِ اسلامیہ کا درس خود ہی دیا کرتے تھے-(۶۲)

جب حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ نے مکہ کو ہجرت کی تو میاں صاحب نے باضابطہ دہلی میں اپنا مسندِ درس بچھایا اور کم وبیش سترہ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے- آپ کے درس اور مدرسے کی شہرت چار دانگ عالم تک پہنچی اور ملک ہندوستان کے علاوہ عرب وعجم تک سے طلباء جوق در جوق آپ سے تفسیر و حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے- درس وتدریس اور علمِ دین کے کام کو جو شہرت شہر دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین قدس سرہم سے ملی تھی- میاں صاحب

نے تن تنہا اس معیار کو برقرار رکھتے ہوئے تمام اسلامی علوم، خصوصاً قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ کو عام کرتے رہے چنانچہ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے مصنف مولانا فضل حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں ''مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہٗ العزیز نے ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے ہجرت کی۔ دہلی میں نامور متعدد علماء (جس میں سے اکثر مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے نہ صرف تلمیذ وتربیت یافتہ تھے بلکہ درس وتدریس میں مشغول تھے)...... شاہ صاحب کے بھتیجے مولوی مخصوص اللہ...... عرصہ دراز تک خود بھی درس دیتے رہے تھے ... اور مولانا شاہ محمد اسحاق کے مشاہیر تلامذہ دہلی اور مختلف بلاد اطرافِ ہند میں پھیلے ہوئے وعظ وارشاد ودرس وافتاء وغیرہ خدمتِ دین کو انجام دے رہے تھے بلکہ بعض صاحب سجادہ وطریقہ بھی تھے.... مگر یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ مولانا (شاہ محمد اسحاق) کا واقعی اور حقیقی جانشین اور مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے مسند درس کا مالک باوجود انتہائی مخالفت اور مزاحمت کے مولوی سید محمد نذیر حسین کے سوا اور کوئی نہ ہوسکا، یہاں تک کہ ''میاں صاحب'' کا لقب جو (صرف) مولانا شاہ ولی اللہ کے خاندان کے واسطے مخصوص تھا اور بسلسلۂ جانشینی منتقل ہوتا ہوا مولانا شاہ محمد اسحاق تک پہنچا تھ، وہ ان کے بعد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (البہاری) کے نام کے ساتھ اس طرح چسپاں ہوا کہ اب ''میاں صاحب'' اور مولوی نذیر حسین گویا دو مترادف لفظ ہوگئے۔

حضرت شمس العلماء شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث قدس سرہٗ کی تمام ہی علوم اسلامیہ پر ایسی مضبوط گرفت تھی کہ ہر فقہ وملت کے افراد کے سوالوں کے جوابات اس کے اپنے فقہ اور قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں فی الفور دیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی کیا شان ہے کہ علمِ حدیث کا درس، جس کی ابتداء ہندوستان میں پہلی مرتبہ شرف الدین احمد بن یحییٰ رحمۃ اللہ نے صوبۂ بہار میں بیٹھ کر کی تھی، اس علم کو عام کرنے اور اس کے درس وتدریس کو بامِ عروج

تک پہنچانے (۶۳) میں صوبۂ بہار کے ہی ایک مایہ ناز فرزند نے دہلی میں وہ مقام حاصل کیا جو کسی کے حصہ میں نہ آیا- میاں سید نذیر حسین محدثؒ کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی، جس کا شمار ممکن نہیں- (۶۴) جن میں خاص طور پر مولانا ابراہیم آروی، مولٰینا شمس الحق ڈیانوی، مولٰینا عبدالغفور داناپوری، مولانا محمد سلیمان پھلواروی اور مولٰینا تلطف حسین قابلِ ذکر ہیں- (۶۵)

آپ کے بیشتر شاگرد درجۂ کمال کو پہنچے اور غیر مقلدوں کی بے شمار تعداد تمام صوبہ جات ہند و بیرون ملک میں پیدا کر دی- ہندوستان اور کابل کے علاوہ عرب، یمن، نجد، حجاز، سنوس، جشان، افریقہ، عجم، چین، کوچین اور تبت وغیرہ میں آپ کے شاگرد گروہ در گروہ پائے جاتے ہیں- مختصر یہ کہ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاریؒ نے اپنی زندگی کو درس و تدریس قرآن و حدیث کے لئے وقف کر دیا تھا-

کتابوں میں لکھا ہے کہ آٹھ لاکھ آدمیوں کو عالمِ حدیث بنا کر چھوڑا- ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں پانچ سو جید و مشاہیر شاگردوں کی فہرست دی گئی ہے- آپ ہمیشہ زیرِ تعلیم طلباء کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے- طلباء کی رہائش اور کھانے پینے کی فکر کرتے اکثر کھانے خانپوش گھر سے اٹھا کر خود مدرسہ میں پہنچاتے-

میاں صاحب کثیر الملاقات انسان تھے- دہلی میں اپنے اساتذہ، طلباء، شعراء، اطباء کے علاوہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور ولی عہد مرزا فخر الدین عرف مرزا فخرو سے لے کر ایک موچی تک سے ملتے- حضرت مولانا گنج مرادآبادی کا ہی قول ہے کہ:

> ''مولوی نذیر حسین کو چاہے کوئی کچھ بھی کہے مگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جیسا کہ ان کی ذات سے جاری ہے کسی سے بھی نہ ہوا-''

مختصر یہ کہ میاں صاحب کے درس کا حال، وعظ کی کیفیت، کتابوں کے حوالہ جات کی بھرمار، ان کی سادگی، بوریا نشینی اور حدیث نبویؐ سے پرخلوص لگاؤ اور محبت پر نظر ڈالنے والا ان کو نہ صرف حافظ الحدیث اور

فرقہ اہلِ حدیث کا زبردست امام تسلیم کرنے پر مجبور ہے بلکہ اس کا کانشس (نور ایمان یا قوتِ ممیّزہ) اسلامی دنیا کا ایسا مجتہد مطلق جس نے ہر مسئلہ شرعیہ کو اپنی میزانِ اجتہاد میں جانچا اور جو نہ کسی کی مخالفت کی پرواہ کرتا ہے، نہ کسی کی موافقت کی بلکہ صرف قرآن وحدیث کو نصب العین رکھتا ہے، منوا ہی دیتا ہے۔ (از الحیاۃ بعد المماۃ) ان سبب کے باوجود شہر دہلی میں آپ کے مخالفین کی کمی نہ تھی، جنہوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے خلاف عوام کو بھڑکایا گیا، نام نہاد بادشاہِ ہند اور کمپنی بہادر کے ریذیڈنٹ تک شکایت پہنچائی گئی، کمپنی (انگریزوں) کا دشمن ثابت کرنے (۶۶) کی کوشش کی گئی اور جھوٹی مخبری کی گئی۔ نتیجہ کے طور پر آپ کو کبھی بادشاہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی پڑی اور کبھی مخالف علمائے وقت کے ساتھ دربار میں مناظرے سے دوچار ہونا پڑا۔

وہابی مقدمات کا مقدمہ جب ۱۸۶۴ء میں پٹنہ، دانا پور، راج محل (علاقہ صوبۂ بہار)، میرٹھ اور انبالہ وغیرہ میں چلایا گیا تو جھوٹی مخبری کے نتیجہ میں آپ تقریباً ایک سال راولپنڈی جیل میں نظر بند رہے۔

صوبۂ پنجاب سے قادیانیت کا فتنہ کھڑا ہوا اور مردود لعین مرزا غلام احمد قادیانی نے بتدریج امام، مجدد، مسیح موعود اور پھر نبوت و رسالت کا دعویدار ہوا تو مسلمانوں میں شدید بے چینی اور تردد پیدا ہوئی۔ علماء اور مشائخ وقت نے ہر محاذ پر ڈٹ کر قادیانیوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت نذیر حسین صاحب محدثؒ اور ان کے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالویؒ، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری، حضرت مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری وغیرہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے غلام احمد قادیانی کے کفر کا فتویٰ، جو مولانا محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا، حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدثؒ نے اپنے دستخط سے جاری کیا۔ اس فتویٰ پر تمام علمائے برصغیر پاک و ہند نے اپنے اپنے دستخطوں سے تصدیق کی۔(۶۷)

ردِ تقلید کے سلسلہ میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاریؒ کی تقریر و تحریر اور کثیرتِ تلامذہ نے وہ

کام کیا کہ آج آپ بلاشرکتِ غیر مجدد وقت، امام اہلِ حدیث وغیر مقلدین قرار دیئے جاتے ہیں- آپ ساٹھ ستر سال تک دلی میں حدیث رسولؐ کا درس دیتے رہے، اسی پر آپ کا خاتمہ ہوا- مسلمانوں کو جب پکارا تو حدیثؐ کی جانب پکارا- آٹھ لاکھ آدمیوں کا عامل الحدیث بنا کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا-(۶۸)

درس و تدریس کے علاوہ آپ نے ''تصنیف و تالیف'' کے ذریعے بھی دینی علوم وفنون کی خدمت انجام دی- ان کی چند اہم کتابیں یہ ہیں ''الایمان یذید وینقص''، ''توثیق عبادہ بن صامت رسالہ''، ''درقرأۃ فاتحہ خلف الامام''، ''تراویح سنت موکدہ''، ''تحقیقِ حدیث جابر بن سمرہ درباب رفع یدین''، ''تقویۃ الایمان''، ''معیار الحق''، ''مصرف مالِ زکوٰۃ'' اور'' حدیث شرط ابی داؤد-'' (۶۹)

آپ کی ایک اہم تصنیف معیار الحق ہے- یہ ایک ایسے مقلد عالم کی رد میں ہے جس نے اپنی فرقہ وارانہ عقیدت کیشی کی بناء پر مولٰینا اسماعیل شہید جیسے فاضل عصر اور قامع بدعات پر ردو قدح کی ہے- اس شخص کا نام محمد شاہ پنجابی تھا- اس نے حضرت میاں صاحب سے علمِ دین حاصل کیا، اس کے بعد آپ سے پھر گیا اور حضرت مولٰینا اسماعیل شہید کی کتاب ''ایضاح الحق'' اور ''تنویر العین'' کے مناسب میں ایسی ایسی بے سروپا روایتیں درج کیں کہ علم شرما گیا معیار الحق دوسو چھیالیس صفحات کو محیط ہے- اس میں حدیث وفقہ کے ایسے ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے- تعجب آتا ہے ایک ہی شخص بیک وقت اتنا بڑا محدثِ جلیل بھی ہو اور فقیہہ بے بدل بھی، محدثین اور فقہا کے بے شمار اختلافی مسائل اور خیالات پر عالمانہ تنقیح کی گئی ہے- عز الدین عبد السلام، عبد الوہاب شعرانی، ابن الہمام، علامہ بن امیر حاج ان حاجب، قاضی عضد الدین شافعی، محب اللہ بہاری، مولٰینا بحر العلوم، فاضل قندھاری، شامی، عابد سندی، ابن خرم، شاہ ولی اللہ، شیخ عبد الحق محدث، ملا علی قادری، شیخ الاسلام، عطا ابن حمزہ، امام طرطوسی، قاضی ابو عاصم عامری وغیرہ کی روایتوں سے استدلال کیا گیا ہے- تقلید اوقاتِ نماز، فضائل امام ابوحنیفہ وغیرہ مسائل پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے- اس

سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا بہاری محدث علم کے دریا میں شناوری کر رہا ہے۔(۷۰)

حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاری قدس سرہٗ کو برطانیہ کی انگریز حکومت کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب ملا اس لئے کہ آپ نے ایک انگریز زخمی عورت کو، جسے غدر کے زمانہ میں مجاہدین نے مار کر پھینک دیا تھا، اٹھا کر اپنے گھر لے گئے، گھر کی خواتین نے اس کی خدمت کی اور جان بچائی۔ آپ کے ہم عصر مشاہیر علماء نے شیخ الکل کے لقب سے پکارا اور عام مسلمان میاں صاحب سے مخاطب کرتے تھے اور آج بھی آپ اسی سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ آبائی وطن بہار تھا۔

وفات:

۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کو اس جہانِ فانی سے دنیائے جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ زندگی کے سفر میں بہار اور دہلی جیسے سرائے میں قیام رہا۔ زندگی بھر خاک نشیں رہے اور مرنے کے بعد بھی محلہ شیدی پورہ دہلی میں اپنے صاحبزادے سید شریف حسین مرحوم کے قریب آسودۂ خاک ہیں۔(۷۱)

حضرت مولینا ابومحمد ابراہیم صاحب آروی رحمتہ اللہ:

مولینا ابراہیم آروی صوبۂ بہار کے مشہور عالم اور محدث گزرے ہیں۔ ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند، پھر علی گڑھ چلے گئے جہاں مولینا شیخ یعقوب بن حملوک نانوتوی اور مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد سہارنپور کا سفر کیا اور مولانا احمد علی سہارنپوری سے صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابیں پڑھیں۔(۷۲)

حضرت مولینا ابومحمد ابراہیم صاحب لکی محلہ آرہ کے ایک معزز گھرانہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد جناب ناظر عبدالعلی صاحب بہت بڑے طبیب اور خطاط تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حکیم ظہور الحسن صاحب مشہور طبیب اور ماہر خوشنویس گزرے ہیں۔ حضرت مولینا مرحوم باون برس کی عمر پاکر ۶ ذوالحجہ

۱۳۱۹ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات کی- آپ آرہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تھے-مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک سنن نے بہار پر گہرا اثر ڈالا، اس تحریک کے مرکزی مقامات صادق پور پٹنہ اور ملکی محلہ آرہ ہوئے، حضرت مولٰینا ابراہیم صاحب مرحوم کی زندگی کا نصب العین ترویج وسنت استیصال بدعات، اشاعتِ دین اور نشر علم وادب تھا- آپ نے مذہب اور معاشرت کے متعلق جو کوششیں کی ہیں وہ ہماری تاریخِ اجتماعی کے اہم باب ہیں-

حضرت مولٰینا نے دیوبند اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی، حضرت میاں صاحب کے حلقۂ درس میں حدیث پڑھی، فراغتِ علم کے بعد آپ نے آرہ میں عمل بالحدیث کو رواج دیا، بعض ناخوشگوار اسباب کی بناء پر آپ کو ایک جامع مسجد اور مدرسہ کی بنیاد ڈالنی پڑی- چنانچہ آپ نے بہت بڑے پیمانے پر مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک جامعہ دینیہ کا سنگِ بنیاد رکھا "مطبع خلیلی" کے نام سے ایک بہت بڑا اچھا پریس کھولا، "مذاکرہ اسلامیہ" کے نام سے سالانہ جلسہ قائم کیا، (۷۳) جس میں دور دور سے علمائے محدثین تشریف لاتے تھے- یہ اسی جلسہ کا فیض تھا کہ حضرت میاں صاحب، محسن الملک، علامہ شبلی، مولانا ذکاءاللہ، ڈپٹی نذیر احمد اور دوسرے اکابرِ وطن آرہ میں تشریف لائے- مولٰینا مرحوم نہایت حسین اور وجیہہ شخصیت رکھتے تھے، گورے چٹے اعضاء، تناسب رموز پہلوانی واقف، موسیقی کے ماہر، یک شعلہ بیان خطیب، ایک فصیح و بلیغ شاکر، ایک کہنہ مشق انشاء پرداز، ایک پختہ کار خطاط، محدث، مترجم، عربی، فارسی، اردو زبانوں پر قدرتی، انگریزی سے بقدرِ ضرورت آشنا، یہ تھیں صفات اس بدیعۂ روزگار انسان کی جو پاکبازی کا پیکر اور تقدس و روحانیت کا مجسمہ تھا، جس کی باتیں رفقاء کے لئے دامِ تسخیر اور جس کی زندگی کے کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ ہدایت تھے- اس کی وسیع لائبریری سے علامہ شبلی اور مولٰینا ذکاءاللہ جیسے ادبائے وطن مہینوں آ کر استفادہ کرتے تھے- اس کا مطبخ مہمانوں کے لئے انواع واقسام کا کھانا تیار کرتا تھا لیکن یہ زاہد نفس کش خود اسی معمولی خوراک، موٹے چاول،

کھسارے کی دال اور ساگ، ترکاری پر اکتفا کرتا تھا، جو اس کی روزانہ غذا تھی، وہ اپنے کھانے کا انتظام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کرتا تھا، گھر میں باپ کی دولت موجود تھی لیکن سرمہ دانی بنا کر وہ اپنی محنت اکل حلال حاصل کرتا تھا۔

حضرت مولینا ہمارے بزرگانِ سلف اور صوفیائے کرام کے صحیح نقشِ قدم پر تھے۔ آپ ''گانگی'' سے اپنے دوشِ مبارک پر بالو کے تھیلے لاد کر لاتے تھے، آپ کو بالو کی ضرورت اپنے ہاتھ کی مصنوعات میں لاحق ہوتی تھی۔ مدرسہ احمدیہ سے بڑے بڑے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلے، ان میں اتباع سنت کا بڑا خیال ہوتا تھا۔

مدرسہ میں ہندوستان کے منتخب علماء درس دیتے تھے، حضرت مولینا حافظ عبداللہ صاحبؒ غازیپوری منطقی و محدث، حضرت مولینا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی (بہار) مناظر و خطیب، محدث و مورخ، اس جامعہ دینیہ میں علوم وفنون کے چشمے بہا چکے ہیں۔ حضرت شاہ عین الحق صاحب سجادہ نشین پھلواری قدس سرہٗ جن کو صحیح معنی میں بہار کا ''ابراہیم ابن ادہم'' کہہ سکتے ہیں، اسی مدرسہ میں ایک عرصہ تک علومِ دینیہ کا درس دے چکے ہیں، میرے والد مرحوم حافظ صاحب کے مرید اور حدیث میں شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ (۴۷)

یوں تو حضرت مولینا ابراہیم صاحب مرحوم کی زندگی کے سارے کارنامے درسِ عبرت ہیں لیکن آپ نے اشاعتِ دین، رسوم اور تصنیفات اور تالیفات کے ذریعے قوم کی جو خدمتیں انجام دی ہیں، ان کا اعتراف آپ کے مذہبی مخالفوں کو بھی ہے۔

شبِ قدر:

سب سے پہلے آرہ میں آپ ہی نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شبِ قدر کے لئے بیداری کا اہتمام کیا۔ اس سے قبل لوگ صرف چودہویں شعبان کو رات کے وقت بیدار ہو کر عبادت کیا کرتے

تھے- قدر کی راتوں میں آپ مؤثر وعظ کہتے تھے، اب آرہ کے اندر متعدد مساجد میں اس کا اہتمام ہوتا ہے، آپ ہی کی مؤثر تلقین کا نتیجہ تھا کہ بازاروں میں ترکاری والی عورتیں مصلیٰ بچھا کر نمازیں پڑھا کرتی تھیں-

عقدِ بیوگان:

مولیٰنا مرحوم کا سب سے بڑا حوصلہ آزما اور ہمت طلب کام اسی رسم کی ترویج تھا- آپ کے زمانہ میں مسلمانوں کے گھرانوں میں بیواؤں کے عقدِ ثانی کے متعلق کوئی شخص ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتا تھا، مسلمانوں کو شرافت کے خبط نے حد درجہ مخالف بنا رکھا تھا- مولانا مرحوم نے بڑی جرأت اور خلوص کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا، حقیقت یہ ہے کہ اگر مولانا اپنی زندگی میں صرف یہی ایک کام کر جاتے تو بھی آپ کا نام ہماری تاریخ میں غیر فانی ہو جاتا، عقدِ بیوگان کا مسئلہ آسان، آپ خود ایک معزز خاندان کے فرد تھے- آپ نے اس مسئلہ پر لوگوں کی توجہ مبذول کرنے سے قبل خود اپنی بڑی ہمشیرہ کا عقدِ ثانی کیا- یہ بہت کبر سن اور عابدہ زاہدہ تھیں، آپ نے اپنی لڑکی کا عقدِ ثانی کیا، اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ کو ایک آدمی کے نکاح میں دیا-

خود ایک شریف بیوہ سے عقد کیا، یہ کام انجام دینے کے بعد آپ نے قوم کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا، قوم کے سنجیدہ اصحاب نے خلوص و ہمت کے سامنے سپر ڈال دی اور اس طور سے یہ مبارک رسم ہماری سوسائٹی میں داخل ہوگئی، جس نے نہ صرف ہماری اخلاقیات پر ایک اچھا اثر ڈالا بلکہ بہت سی مظلوم خواتین کی دوبارہ زندگی ہوگئی-

تصنیفات وتالیفات:

آپ نے عربی وفارسی ادبیات پر بہت سی کتابیں لکھیں، عربی صرف ونحو کے متعلق چار کتابیں تصنیف کیں- یہی کتابیں عربی ادب کے لئے کافی تھیں، حدیث میں ''سلیقہ'' اور ''طریق النجاۃ'' شائع کی، ''تفسیر خلیلی'' کے نام سے قرآن مجید کے چند پاروں کی تفسیر لکھی- مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری پر

اردو میں ایک رسالہ لکھوایا، آپ نے تنہا اردو کی جو خدمتیں انجام دیں ہیں وہ بذاتِ خود بہت دقیع ہیں۔ ''طریق النجاۃ'' اور ''سلیقہ'' اردو میں صحیح حدیث کے تراجم ہیں، یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب مولانا وحیدالزماں خان صاحب (نواب وقارنواز جنگ بہادر کی اور آپ کے بڑے بھائی کے اردو تراجم جو صحاح ستہ کے معلق ہیں، ابھی شائع نہیں ہوئے تھے، اس لئے سب سے پہلا (۷۵) شرف بہار، اور بہار میں آرہ کو ہے، کہ اس نے صحیح حدیث کو بامحاورہ اردو میں پیش کیا۔ مولانا نے حدیث، تفسیر، معاشرت، صرف ونحو، تعلیم پر تقریباً بیس کتابیں لکھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طریق النجاۃ (حدیث)، تفسیر خلیلی (الم، سیقول، تبارک الذی، عم پارہ کی تفسیر، سہل اردو میں محدثانہ نظر سے)، تلقین التصریف اور تہذیب التصریف (صرف)، ارشاد الطلب الی علی الادب اور ارشاد الطلاب (نحو)، ترجمہ تفسیر ابنِ کثیر (پارہ اول برحاشیہ نزہت القلوب پارہ اول)، تسہیل التعلیم، طرزِ معاشرت، نیامی، خیر الواظائف، صلوٰۃ النبی، صلاح وتقوی سلیمان بلقیس، اتفاق، بادشاہ مجازی وحقیقی، غنچۂ مراد، قولِ میسور (حیدرآباد میں لیکچر)، فارسی کی پہلی کتاب مدرسہ احمدیہ، فارسی کی دوسری کتاب مدرسہ احمدیہ (۷۶)، فقہ محمدی، ارکانِ اسلام، القول المذید فی احکام التقلید وغیرہ چند اہم کتابیں لکھیں۔

وفات:

اخیر عمر میں عرب گئے اور وہیں ۱۳۱۹ھ میں انتقال کیا۔ (۷۷)

حضرت مولانا شمس الحق محدث رحمتہ اللہ ڈیانوی:

حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب مونگیری (دہلوی) کے بعد اگر کسی بہاری نے حدیث کی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے تو وہ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی کی ذاتِ گرامی ہے۔ ڈیانوان مضافات فتوحہ (عظیم آباد) میں ایک مشہور قریہ ہے۔ مولانا اس بستی کے ایک متمول اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے اوقاتِ عزیز درس وتدریس، تشریح وتشہیرِ حدیث اور کتبِ احادیث کی تصنیف وتالیف میں صرف کیں- آپ طبقہ علمائے مسلک اہلِ حدیث وغیرہ مقلدین میں بڑی نمایاں حیثیت کے مالک تھے- حقیقت تو یہ ہے کہ آپ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث علیہ الرحمہ کے حقیقی جانشین تھے- آپ کی شہرت برصغیر سے نکل کر بلادِ عرب تک پہنچی-

عرب دنیا کے علاوہ ممالکِ افریقہ سے بکثرت طلباء بہار کے دور افتادہ دیہات موضع ڈیانواں پہنچنے لگے، آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، حدیثیں پڑھیں اور سندِ حدیث لے کر اپنے ممالک کو لوٹے- آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مشہور نام درج ذیل ہیں: علامہ شرف الدین محدث دہلوی، علامہ ابوالقاسم بنارسی، قاضی صالح بن عثمان نجدی، مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی، قاضی یوسف حسین خانپوری، مولانا عبدالحمید سوہدروی، شیخ اسماعیل خطیب ازہری، علامہ ابوعبدالرحمٰن، شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی، شیخ عبدالحفیظ الفاسی المراکشی، مولانا فضل اللہ مدراسی اور مولانا نذیر احسن نسیم ہلسوی وغیرہم-

حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی قدس سرہٗ العزیز حضرت شیخ الکل میاں صاحب محدث دہلوی کے برصغیر میں وہ واحد جانشین تھے جنہوں نے میاں صاحب کے مشن کو بڑی کامیابی سے آگے بڑھایا- آپ نے احادیثِ شریفہ کی بکثرت قلمی کتب جو نایاب ونایافت تھیں، کو تلاش کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا- بکثرت کتابیں آپ کے رشحاتِ قلم سے منظرِ شہود پر آئیں اور بکثرت احادیث کی کتابوں پر شروح وحواشی لکھ کر شائع کیں- آپ کی اردو، فارسی اور عربی میں مطبوعہ تصانیف کی تعداد تقریباً بیس بتائی جاتی ہے- غیر مطبوعہ اور نایاب کتب کو شامل کیا جائے تو تعداد تیس سے تجاوز کر جائے گی- (۸۲) آپ کی تصانیف مین سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد: - یہ سنن ابوداؤد کی مبسوط اور جامع شرح ہے- (۸۳)

ایسی غیر فانی خدمت انجام دی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب وعجم میں آپ کو امتیازی شہرت حاصل ہوگئی۔''

حضرت ابو الطیب محمد شمس الحق صدیقی محدث ڈیانوی عظیم آبادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے اساتذۂ کرام میں بھی بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جنہوں نے اپنے خطوط میں آپ کو بڑے بڑے اعلیٰ اور پروقار خطاب سے مخاطب کیا ہے۔

آپ کی چھ اولادیں ہوئیں، بیٹوں میں پسر اول محمد شعیب، پسر دوم مولانا حکیم محمد ادریس، پسر سوم مولانا حافظ محمد ایوب..... حافظ صاحب دختر محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین صادقپوری سے منسوب تھے۔ لڑکیوں میں دختر اول مسماۃ رفیدہ مولانا عبدالستار بن محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین سے منسوب تھیں، دختر دوم مسماۃ سعیدہ اور دختر سوم مسماۃ ذکیہ حضرت محدث ڈیانوی کے پڑپوتے محمد تنزیل بن محمد احسن اللہ بن مولانا حافظ محمد ایوب کراچی میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور بکثرت مضامین تحریر کر چکے ہیں۔(۸۷)

مولوی شمس الحق صاحب نے جدید تعلیم حاصل کی، پہلے پھلواری مڈل اسکول میں ٹیچر مقرر ہوئے پھر محکمۂ ریلوے ڈی ٹی ایس میں کلرک مقرر ہوئے اور اپنے عہد میں ترقی کر کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر پنشن حاصل کی۔(۸۸)

وفات:

۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ بمطابق ۱۵ مارچ ۱۹۱۱ء کو طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور ۶ دن بعد ۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/۱۲ مارچ ۱۹۱۱ء بروز سہ شنبہ وفات پائی۔(۸۹)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین فاضل بہاری:

ولادت:

ملک العلماء محمد ظفر الدین ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء کو موضع رسول پور میجرہ ضلع پٹنہ (عظیم

آباد) میں پیدا ہوئے- آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''ملک العلماء محمد ظفر الدین قادری بن منشی محمد عبدالرزاق بن کرامت علی بن غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک تارتار بن ملک بہاؤ الدین بن محمد اسماعیل بن الہ داد بن غلام محی الدین عرف گدن بن ملک خطاب بن علاؤ الدین علاء الملک بن داور بن ملک حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیو شہید بن حضرت سید ابوبکر بن سید ابوالقاسم عبداللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابو منصور عبدالسلام بن عبدالوہاب بن حضرت الثقلین حضرت سید شیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی-

شوال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں داخل کیے گئے، مولانا معین الدین از ہراور مولانا بدر الدین اشرف اساتذہ مدرسہ نے بڑی دلچسپی لی، متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی مرحوم رئیس لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی کے قائم کردہ ''مدرسہ دارالعلوم حنفیہ'' بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے- ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء تک یہاں تعلیم حاصل کی، پھر حصولِ تعلیم کے لئے کانپور پہنچے اور مولانا احمد حسن کانپوری رحمتہ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی- ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں (۹۰) بریلی پہنچے اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی- (۹۰)

اعلیٰ حضرت شاہ احمد خان بریلوی کے گرویدہ ہوگئے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی تحریک سے وابستہ ہوگئے- اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی اپنی شفقتوں کا وافر حصہ نثار کیا- اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اس وقت تک کسی مدرسے کی بنیاد نہیں ڈالی تھی بلکہ انفرادی حیثیت سے طلباء کو گھر پر ہی تعلیم دیا کرتے تھے- بقول مولانا محمد حسن رضا خاں، حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور آپ کی تجویز و تحریک سے ''مدرسہ منظر الاسلام'' کی ۱۳۲۳ھ میں بنیاد پڑی اور آج اسی بریلوی مکتبۂ فکر نے ملک کے گوشے گوشے میں عیدۂ رسالت اور حضور نبی کریمؐ سے مسلمانوں کی محبت کو فزوں تر

کرنے کے لئے شہر شہر اور قریہ قریہ کا سفر کیا- مختلف مدرسوں میں درس وتدریس کے ذریعہ عقیدہ کی پختگی کا درس دیتے رہے- ''مدرسہ منظر الاسلام'' بریلی ''مدرسہ فیض الغرباء'' آررہ ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' پٹنہ ''مدرسہ خانقاہ کبیریہ'' سہسرام اور ''جامعہ لطیفی بحرالعلوم'' پٹنہ میں استاد رہے- آپ بڑے جامع العلوم تھے- تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ علم ہیئت کے بھی مانے ہوئے استاد تھے- ہزار ہا طلباء نے علمی استفادہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاریؒ کٹر بریلوی تھے، لیکن اس سختی للٰہیت اور ان کا خلوص کارفرما تھا- دیگر مسالک کے علماء سے بھی آپ کے اچھے برادرانہ روابط تھے اور ان علماء کی اقتداء میں آپ اپنی نماز ادا کیا کرتے تھے- اس اچھے عمل میں حضرت مولانا کی تقلید مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم تقاضا ہے-(۹۲)

تصانیف:

''الجامعہ الرضوی'' (۲ جلدوں میں)، ''حیات اعلیٰ حضرت'' (۲ جلد)، ''ظفر الدین الجید'' (مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، ''الحسام المسلول علی منکر علم الرسول'' (مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، ''مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس'' (مرقومہ ۱۳۲۴ھ)، ''مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل مصطفیٰ'' (مرقومہ ۱۳۲۴ھ)، ''التعلیق الضروری علی القدوری'' (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، ''اعلام المساجد بصرف جلو واالاصحیۃ الی المساجد'' (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، ''بسط الراحہ فی الحظر والاباحہ'' (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، ''فیض الرضوی فی تکمیل الحموی'' (مرقومہ ۱۳۶۲ھ)، ''شکست سفاہت'' (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، ''المجمل المعدد تصنیفات المجدد'' (مرقومہ ۱۳۲۷ھ)، ''نجم الکنترہ عی الکلاب الممطرہ'' (مرقومہ ۱۳۲۸ھ)، ''النبراس لدفع ظلام المنحاس'' (مرقومہ ۱۳۲۹ھ)، ''توضیح التوقیت'' (مرقومہ ۱۳۳۰ھ)، ''التعلیق المغنی عن شرح المغنی'' (مرقومہ ۱۳۳۱ھ)، ''رفع الخلاف من بین الاحناف'' (مرقومہ ۱۳۳۲ھ)، ''نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ''

(مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، ''خیر السلوک فی نسب الملوک'' (مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، ''جواہر البیان فی ترجمہ الخیرات الحسان'' (مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، ''القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر'' (مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، ''گنجینہ مناظرہ'' (مرقومہ ۱۳۳۴ھ)، ''کشف الستور عن مناظرہ رام پور'' (مرقومہ ۱۳۳۴ھ)، ''موذن الاوقات'' (مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، ''بدرالاسلام لمیقات'' (مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، ''وافیہ'' (مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، ''تقریب'' (مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، ''تذہیب'' (مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، ''القصر المبنی علی بناء المغنی'' (مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، ''تحفۃ الاحبار فی احوال الاخبار'' (مرقومہ ۱۳۳۷ھ)، ''الاکسیر فی علم التفسیر'' (مرقومہ ۱۳۳۷ھ)، ''تحفۃ الاحباب فی فتح الباب'' (مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، ''نظم السبانی فی حروف المعانی'' (مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، ''سرور المحزون فی صبر عن نور العیون''، (مرقومہ ۱۳۳۸ھ)، ''ھادی الھداۃ ترک الموالات'' (مرقومہ ۱۳۳۹ھ)، ''الاصلاح لاغلاط الایضاح'' (مرقومہ ۱۳۳۹ھ)، ''سلم الافلاک'' (مرقومہ ۱۳۴۰ھ)، ''نصرۃ الاحباب باقسام ایصال الثواب''، (طبع ۱۳۵۴ھ شمسی پریس پٹنہ، ص ۱۶۲)، ''شجم الاکثرہ''، ''المجمل القدر''، ''تنویر السراج'' وغیرہا۔ (۹۳)

سید محمد آل حسن ابراہیمی ''ریاض النعیم'' مؤلفہ ملک محمد نعیم مرحوم کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''جناب محمد اظہار الحق ملک کی شادی جناب مولانا ملک ظفر صاحب ساکن موضع میجرا ضلع پٹنہ کی صاحبزادی سے ہوئی، بریلوی مسلک کے مولانا ظفر اعلیٰ درجہ کے مقرر اور میلا دخواں تھے، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ اظہار الحق صاحب کے سالے جناب ڈاکٹر ملک محمد مختار آرزو علیگ ہیں، وہیں علی گڑھ میں عربی کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ رہے، اب ریٹائر ہو کر علی گڑھ ہی میں بس گئے ہیں۔''

مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا پورا نام ڈاکٹر محمد مختار الدین آرزو ہے، علی گڑھ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ عربی کے تھے، نامور محقق، دانشور، شاعر، ادیب اور ماہرِ تعلیمات ہیں۔

مستقل قیام علی گڑھ میں ہے مولانا کی ایک صاحبزدی کا پتہ چلتا ہے جو جناب محمد اظہار الحق صاحب سے منسوب ہیں۔ مولانا کے داماد محمد اظہار الحق صاحب علی گڑھ یونیورسٹی میں رجسٹرار تھے۔ صاحبِ اولاد ہیں، مستقل رہائش علی گڑھ میں ہے۔(۹۴)

(مولانا ظفر الدین بہاری) آپ کی علمی عظمت اور برتری کی وجہ سے ملک العلماء کا خطاب ملا۔ آپ علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ممتاز عماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے درس و تدریس کے علاوہ کتابیں تصنیف کیں جو علوم نقلیہ، عقلیہ دونوں پر مشتمل ہیں لیکن فنِ حدیث میں ان کا سب سے اہم کارنامہ وہ مجموعۂ احادیث ہے جو ''صحیح البہاری'' کے نام سے معروف ہے اور چھ جلدوں میں ہے۔ جلد اول عقائد، جلد دوم طہارت، جلد سوم زکوٰۃ، روزہ، حج، جلد چہارم نکاح، رضاع، طلاق، ایمان، جلد پنجم بیوع، قضا، شہادت اور جلد ششم مزارعت، جنایات اور رہن پر مشتمل ہے۔(۹۵) ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا۔ محلّہ شاہ گنج عظیم آباد، پٹنہ۔۶ میں آسودۂ خاک ہیں۔ حضرت شاہ محمد ایوب بہاری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا کو شاہ صاحب سے بیعتِ وارادت تھا۔(۹۶)

ملک العشاق حضرت مولانا مظفر شمس بلخی قدس سرہٗ:

نام ونسب:۔ مظفر نام ہے، سلطان شمس الدین بلخی کی نسبت سے شمس اور وطن مالوف بلخ کی نسبت سے بلخی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا خاص بلخ سنہ ولادت صحیح معلوم نہیں گر قیاس ہے کہ ساتویں صدی کے

یا آٹھویں صدی ہجری کے اول میں ولادت ہوئی- سلسلۂ نسب بہ سند صحیح یہ ہے:

''مظفر ابن سلطان شمس الدین بلخی ابن سید علی ابن حمد الدین ابن سراج الدین ابن سید بزرگ ابن محمود ابن سلطان ابراہیم ابن ادھم ابن سلیمان ناصر الدین ابن محمد ابن یعقوب ابن احمد بن اسحاق بن زید ابن محمد ابن قاسم ابن علی، اصغر امام زین العابدین، ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم''-(۹۷)

آپ کا خاندان فقر وغنا دونوں حیثیتوں سے ممتاز اور ممدوحِ خلائق تھا، ایک طرف آپ کے آباؤ اجداد نے بلخ کے تختِ حکومت پر عدل گستری کی اور دوسری طرف فقیری، درویشی کی مسند پر سلوک وعرفان کی وردداری ہے کہ اولیائے کبار اور مشائخ عظام کی خانقاہوں اور خانوادوں میں ان کے نام کا اب تک کلمہ پڑھا جاتا ہے- شیخ العارفین حضرت سلطان ابراہیم ادھم قدس سرہٗ نے، جو آپ کے اجداد میں ہیں، ایک طرف قطب الاقطاب، فضیل بن عیاض اور حضرت اویس قرنی قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت وخرقہ حاصل کیا اور دوسری طرف شمس العارفین تاج الاولیاء حضرت حذیفہ المرعشی اور خواجہ شفیق بلخیؒ نے ان سے اجازت وخلافت حاصل کی ہے-(۹۸)

آپ کا ''مناقب الاصفیا'' سے ترجمہ کیا جاتا ہے:

> ''وہ سلطان جہاں تجدید کے، وہ قہرمان ایوان تفرید کے، وہ آفتاب آسمان درباخت وبرخاست کے، وہ ایسے کے گزری ہوئی ہمت کے ان کے مقام سے درخواست کے، وہ فنا دیکھے ہوئے تجلی ذات کے، وہ بقاء پائے ہوئے بھید میں صفات کے، وہ پاکباز میدان ملک الملکوت کے، وہ شہباز ہوائے جبروت ولاہوت کے، وہ صوفی متکبر ساتھ کبریائے ربانی کے، وہ لاڈلے بارگاہ سبحانی کے، وہ جانِ شیخ جہاں اور رواں معروف کرخی برہان الحق والدین شیخ

مظفر شمس بلخی اجلہ پیرانِ طریقت اور اعزہ اصحاب حقیقت سے تھے۔‘‘(۹۹)

سلطان شمس الدین بلخی کا ورودِ ہند:

آپ کے والد سلطان شمس الدین بلخی نے بلخ کی ریاست وحکومت ترک کر کے اہل وعیال کے ہمراہ شاہانِ ترک کے عہدِ حکومت میں ہندوستان پہنچ کر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ بمقامِ سکونت باغ شہزادہ بلخ کے نام سے مشہور خاص وعام ہوا، کہا جاتا ہے کہ وہ مقام سلطان التمش کے حوض اور مولانا عبدالحق محدث رحمتہ اللہ کے مقبرہ کے متصل تھا۔

بہار کی روانگی:

آپ کے دہلی وارد ہونے کے بعد سلطان محمد تغلق شاہ نے خدمت کی سعادت حاصل کی اور دیوان خانہ میں کوئی منصب تفویض ہوا مگر دربار کے کسی منصب دار کی چشمک کے سبب آپ منصب ترک کر کے پیرِ طریقت کی جستجو میں نکلے، بزرگانِ طریقت سے عقیدت اور ذوقِ تصوف وراثت میں مے تھے، ترکِ وطن اور تارکِ امارت کے بعد زاہدانہ اور درویشانہ رنگ اور گہرا ہوگیا، خانقاہوں کی خاک چھانی مگر کوئی نظروں میں نہ جچا، آخر پیر کی جستجو میں بہار کا رخ کیا۔ حضرت احمد چرم پوش رحمتہ اللہ پہلے سے آگاہ ہو گئے تھے، (۱۰۰) چنانچہ حاشیہ نشینوں سے فرمایا کہ ’’دوستے می آید‘‘ اور اصحابِ طریقت کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے اور نہایت گرمجوشی سے ملے اور خانقاہ میں اپنی نگاہ کے سامنے ٹھہرایا، سلطان موصوف نے قدم بوسی کے بعد ہی یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہو کر روحانی دنیا کی بادشاہت حاصل کی۔

مولانا مظفر کا ربہار روانہ ہونا:

بہار میں قیام کے بعد خادمِ خاص کو دہلی روانہ کیا اور اپنی رفیقۂ حیات کو لکھا کہ میں نے ترکِ دنیا کر کے خانقاہ کی گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے، اگر تم کو رفاقت منظور ہو تو مال ومتاع فرزندوں کو حوالے کر کے بہار چلی

آ ؤ- نیک بی بی نے لائق فرزند سلطان مظفر شمس اور سلطان معز الدین شمس کو واقعہ سے آگاہ کیا، فرزندوں نے کہا کہ پدرِ بزرگوار کی رفاقت کے ہم لوگ زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ تمام خاندان چھوڑ کر کل وابستگان کے ہمراہ بہار کا رخ کیا اور راہ میں ظفر آباد میں ایک مدت قیام کیا اور وہاں سے منزل بہ منزل ٹھہرتے بہار پہنچے-(۱۰۱)

بہار پہنچنے سے پیشتر آپ علم کی تکمیل کر چکے تھے-(۱۰۲) حضرت مولانا نے عبادت و ریاضت، مجاہدہ و نفس کشی میں اتنی محنت کی اور مشقت اٹھائی کہ جسم میں ہڈی، چمڑا اور اس پر چیتھڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا- ایک دن مولانا ہاتھ اٹھائے دہلیز پر کھڑے تھے، مخدوم جہاں کی نظر پڑی، قاضی زاہد کو مخاطب فرمایا اور کہا ''زاہد! دیکھتے ہو یہ ''لانسلم'' کہنے والا سلوک کی منزل کو کتنی تیزی سے طے کر گیا-'' دریائے رحمت کو جوش آیا، شیخ کی محبت امڈ آئی اور نوازشوں کے بند کھل گئے- مولانا کے لئے اچھے کھانے اور کپڑے پیش کرنے کا حکم ہوا، حجرۂ مبارک کو سجایا گیا لیکن مولانا فقر و فاقہ کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے، ہمی اور انانیت ختم ہو چکی تھی، لذیذ کھانوں اور اچھے کپڑوں کی طرف توجہ نہ فرمائی- انہیں شیخ کے علاوہ کچھ نظر ہی نہ آتا تھا- حضرت شیخ حسین نوشہ توحید بلخی سے روایت ہے کہ ''حضرت مخدوم جہاں کے مریدوں کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی- ان میں صرف چالیس واصل بحق کے درجہ پر تھے اور ان چالیس حضرات میں تین بزرگ یعنی مولانا مظفر شمس بلخی اور دوسرے بزرگ بہت اہم تھے- حضرت مولانا کو عشق کی آگ ودیعت ہوئی تھی اور بقیہ دو کو اس کا دھواں-'' حضرت مخدوم جہاں کو اپنے دو خاص مرید اور خلیفہ حضرت مولانا مظفر اور شیخ نصیر الدین جونپوری سے بڑی محبت تھی-

تذکروں میں ہے کہ جب مولانا مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوتے تو مخدوم جہاں دروازہ تک بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور جب شیخ نصر الدین جونپوری آتے تو آپ دو زانوں ہو بیٹھتے- قاضی زاہد نے جب وجہ دریافت کی تو مخدوم جہاں نے فرمایا ''کیا کروں جب حضرت مولانا مظفر آتے ہیں تو دل کہتا ہوا بڑھتا ہے ''ماہ آتا ہے، شاہ آتا ہے'' اور جب نصیر الدین آتے ہیں تو دل کہتا ہے کہ ''مولا آتا ہے-''(۱۰۳)

کرامت و بزرگی:

حضرت شیخ مظفر شمس بلخی قدس سرہ سلوک کے انتہائی مدارج پر فائز ہونے کے باوجود ایک باشرع عالم باعمل تھے اس لئے آپ سے کشف و کرامت اور خوارق عادات کا اظہار بہت کم ہوتا تھا- دوسرے آپ کے پیر و مرشد حضرت مخدوم جہاں اسے ناپسند فرماتے تھے- پھر بھی اکثر طبیعت سے مجبور ہو کر شیخ کی محبت اور جلال کی حالت میں کرامت کا اظہار ہو جاتا- آپ نے اپنے مکتوب میں مخدوم جہاں کو تحریر فرمایا کہ ''میں جس راستہ سے وضو کے لئے جاتا ہوں، درخت مجھ سے باتیں کرتے ہیں، ایک درخت کہتا ہے کہ مجھ سے چاندی بنتی ہے-'' حضرت مخدوم نے جواب میں لکھا کہ ''تجربہ کر کے دیکھئے اگر غلط ہو تو وسوسہ سمجھئے اور لاحول پڑھئے، اگر صحیح ہو تو مجھے دکھایئے-'' مولانا نے اس درخت کے عراق کو تانبے پر ٹپکایا تو واقعی چاندی بن گیا، جس کو آپ نے مخدوم جہاں کی خدمت میں بھجوا دیا- حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاریؒ نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''برادرم! ایسی چیزیں تمہیں بہت دکھائی جائیں گی لیکن تم کو چاہئے کہ ان کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ تمہاری منزل اس سے بہت آگے ہے-''

فیروز شاہ تغلق کو جذام کا مرض لاحق ہو گیا تھا، جب کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو دعا کے لئے حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا، خادم خانقاہ مولانا مظفر بلخیؒ تھے، بادشاہ مہمان بن کر آیا تھا، بادشاہ کی ضیافت کے لئے روٹی اور پرندکا گوشت پیش کیا گیا- بادشاہ کے دل میں خیال گزرا کہ شاید یہاں بھی شفا نہیں اس لئے کہ کھانے میں وہی چیزیں ملی ہیں جو اس مرض میں نقصان دہ ہیں- مولانا بادشاہ کے وسوسہ سے آگاہ ہو گئے اور انہیں جلال آ گیا، پکے ہوئے پرندوں کے گوشت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بادشاہ شکی ہے، نہیں کھائے گا اڑ جاؤ، تمام پرندے اڑ گئے، جب مخدوم جہاں کو خبر ہوئی دوبارہ روٹی اور گوشت بھیجا، بادشاہ نے کھایا اور صحت یاب ہو کر واپس گیا-

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فردوسیؒ اپنی والدہ کی کبیر سنی کی وجہ سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے ارضِ مقدس نہ جا سکے تھے، شیخ منہاج الدین نے سات حج کئے تھے، اکثر وہ مخدوم جہاں کے حج نہ کرنے پر اعتراض کرتے اور مخدوم جہاں سے عذر شرعی بیان کر دیتے، ایک دن شیخ منہاج کے اس اعتراض کے وقت مولانا بھی موجود تھے، انہیں جلال آیا، اپنا ہاتھ بڑھایا(۱۰۴) اور کہا کتنا حج کیجئے گا؟ ان کے غلاموں کی آستین دیکھئے، شیخ منہاج الدین اور وہاں موجود تمام افراد نے مولانا کی آستین میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حرم اور تمام مقامات کی زیارت کی، یہی پہلا موقع تھا کہ مخدوم جہاں نے مولانا مظفر سے انتہائی خفگی کا اظہار فرمایا اور آئندہ کرامات کے اظہار کے لئے منع فرمایا۔

حضرت مخدوم جہاں کے وصال کے موقع پر مولانا مظفر بلخیؒ موجود نہ تھے، جب عدن میں آپ کو اپنے پیر و مرشد کے وصال کی خبر ہوئی تو واپس بہار تشریف لائے، اس وقت یہاں سجادگی کا مسئلہ زیرِ بحث تھا۔ لیکن کسی خلیفہ کے پاس سجادگی کی سند موجود نہ تھی۔ حضرت مولانا نے شیخ حسین سمندر نوشہ توحید بلخی کو مخدوم جہاں کا عطا کردہ اجازت نامہ سجادگی لانے کے لئے کہا، حضرت شیخ حسین ابھی چند ہی قدم گئے تھے، آپ نے انہیں روک دیا اور فرمایا ''میرا پیر و مرشد نہیں۔''

لوگوں سے کہا مزار اقدس پر چل کر خود مخدوم رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم کر لیتے ہیں، حضرت کے حکم سے سجادگی کا مسئلہ حل کر لیا جائے۔ جناب قاضی عالم وہاں موجود تھے، انہوں نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا اور آپ بالاتفاق مخدوم جہاں کے پہلے سجادہ نشین ہوئے اور سجادہ نشینی کا یہ سلسلہ آپ کے خاندان میں تقریباً ایک سو تیس سال باقی رہا۔ آپ کے خاندان کے آخری سجادہ نشین، جو بہار شریف میں خانقاہ مخدوم جہاں کے سجادہ رہے، حضرت شیخ حافظ درویشؒ تھے۔ آپ نے از راہ محبت و احترام مخدوم جہاں کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شاہ محمد بھیکھ فردوسیؒ کو مسند سجادگی پر بٹھا کر خود علیحدہ ہو گئے اور موضع بیور نزد پھلواری شریف

میں سکونت اختیار فرمائی۔

کئی پشتوں کے بعد حضرت سید شاہ برہان الدین بلخیؒ نے موضع فتوحہ ضلع پٹنہ میں ایک خانقاہ فردوسیہ، شرفیہ، بلخیہ کی بنیاد ڈالی، جہاں سے تبلیغِ دین محمدیؐ اور سلسلۂ فردوسیہ کی ظاہری و باطنی تعلیمات کا کام ہنوز جاری وساری ہے۔(۱۰۵)

تصنیف وتالیف:

مخدوم جہاں کے مریدوں کا شمار ایک لاکھ سے زیادہ تھا مگر ان میں کل چالیس وصل ولی اللہ اور چالیس واصلین ہیں، صرف تین مردانِ خدا تھے، اول شیخ مظفر شمس بلخی، دوسرے ملک زادہ فضل اللہ، تیسرے مولانا نظام الدین حصاری اور ان میں سے شیخ مظفر بلخی عاشقِ صادق تھے، جن کی جان وتن میں آتشِ عشق کے شعلے بھڑکتے تھے، اسی شعلۂ عشق کا اثر تھا کہ مولانا کے صلبی اولاد پیدا نہ ہوسکی اور رفیقۂ حیات سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑی۔

آپ کی زندگی چار ادوار پر تقسیم کی جاسکتی ہے، اول تحصیل وتعلم، دوسرے تدریس وتعلیم، تیسرے تذکیۂ نفس وتصفیۂ قلب، چوتھے ہدایت وارشاد۔ دوسرے اور چوتھے دور میں بصیرت اور دوسروں کی فرمائش سے ایک دو رسالے اور صدہا مکتوبات تحریر کئے اور جذباتِ عارفانہ کے اظہار کے لئے شاعری اختیار کی تھی۔(۱۰۶)

آپ کی تصافین میں ۱۲۲ مکاتیب کا مجموعہ، رسالہ ہدایتِ درویشی، شرح عقائد نسفی، شرح مشارق انوار اور ایک دیوان مطبوعہ ہے۔ (۱۰۷) حاجی شرف الدین فردوسی کے اصرار اور فرمائش پر علمِ درویشی میں چند صفحے کا ایک مختصر رسالہ ''ہدایتِ درویشی'' نہایت آسان فارسی میں تحریر کیا تھا جو مطبع خاص شرف پریس بہار شریف میں ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا تھا۔

جب مناظرہ ومباحثہ سے ذوق تھا تو اکثر اوقات زیرِ بحث موضوع پر برجستہ رسالے لکھ کر مقابل علماء کو

پیش کیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں بہاری علماء کے لئے رسالہ ''کلامِ نفسی'' مرتب کیا تھا اور مناظرہ سے پیشتر مخدوم جہاں کی خدمت میں پیش کیا تھا، مخدوم جہاں نے اس کے مضامین سے تو اتفاق کیا مگر وہ علمائے عصر کے فہم وادراک سے باہر تھا اور اس سے فتنہ کا خوف تھا اس لئے رسالہ کو خود چاک کر دیا اور مناظرہ ومباحثہ سے احتراز کرنے کی تاکید کی۔ آپ کی زندہ تصنیف شیخ الاسلام مولینا مخدوم شیخ حسین معز الملقب بہ نوشہ توحید وسمندر توحید کی ذاتِ گرامی تھی جن کی تربیت وتعلیم آپ نے خود کی تھی اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔(۱۰۸)

آپ کے اقوال:

مکتوبات اور مختلف کتابوں میں آپ کے بہت سے عارفانہ اقوال وملفوظات ملتے ہیں جو اس راہ کے سالکین کے لئے درسِ بصیرت ہیں:

۱۔''اے دوست عاقلان قرآن شنیدہ اند وعاشقانِ قرآن۔ دیدہ اند۔ ....شنیدن دیگر بود ودیدن دیگر، ہر عالم را بمی علم با عمل او مقابلہ کن، اگر برابر آید بدانکہ عالم است۔''

۲۔''علم خداشناسی دیگر ست وعلم دین شناسی دیگر۔'' (۱۰۹)

مکتوبات:

مکتوبات حضرت مولانا مظفر بلخیؒ:۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ ۱۸۱ مکاتیب پر مشتمل ہے، اس میں متعدد مکاتیب سلطان غیاث الدین بنگالہ کے نام ہیں۔۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۳، ۱۷۹ ان مکاتیب میں اردو یعنی بھاشا کے چھ دوہرے بھی ہیں جو اردو کی ابتدائی نشوونما کے نقوش ہیں۔(۱۱۰)

آپ کے مکتوباتِ عارفانہ اسرار وحقائق کا خزانہ ہیں۔(۱۱۱)

ذوق ووجد:

مولانا میں ذوق ووجد کا بھی جذبہ تھا، جب مخدوم جہاں راجگیر میں چلہ کش تھے، اسی زمانہ میں آپ

بھی چلہ کشی میں مصروف تھے، ابھی چالیس روز پورے نہ ہوئے تھے کہ میر شیخو نامی قوال نے حجرہ کے سامنے آ کر مندرجہ ذیل اشعار ترنم سے پڑھنا شروع کیے:

کیش مارسم شکستن نہ بود عہدِ وفارا　　　اللہ اللہ تو فراموش کن صحبت مارا

دین دیار گزشتی و سالہا بگذشت　　　ہنوز بوئے می آید از منازلِ ما

انہیں سن کر آپ بیتابانہ حجرہ سے باہر نکل آئے اور نقد وجنس جو کچھ تھا سب قوال کو دے دیا۔ (۱۱۲)

فقر و درویشی:

آپ کی طبیعت میں نفاست کے ساتھ بڑا تکلف تھا، مزاج میں شاہزادگی کا پورا اثر تھا اور ملبوسات، مشروبات اور مرغوبات ہر چیز سے تکلف نمایاں تھا، مگر طریقت میں آنے کے بعد مرشد کی صحبت میں رہنے کے بعد زندگی کی کایا پلٹ گئی، درویشانہ رنگ غالب ہو گیا، صورت سے شانِ درویشانہ ظاہر تھی، مکہ معظمہ اور عدن کے قیام کے زمانہ میں لباس وغذا کی جانب ایسی بے توجہی پیدا ہو گئی تھی کہ ان چیزوں کا احساس ہی نہ رہ گیا تھا۔

سیر چشمی و فیاضی:

سیر چشمی اور فیاضی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، نقد وجنس جو کچھ جمع ہوتا، طالب علموں اور سائلوں میں تقسیم کر دیتے، تقریباً چالیس بار گھر بار راہِ خدا میں لٹا دیا۔ مخدوم شیخ حسین کا بیان ہے کہ جب آپ گھر لٹاتے تھے اس وقت میں بچہ تھا، گھر لٹاتے وقت کبھی ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آتے تھے اور کبھی مجھے بھی بھول جاتے تھے اور دوسرا کوئی شخص گھر سے باہر لاتا تھا، فیاضی کا یہ حال تھا کہ عزیزوں کا مال ومتاع تک سائلوں کو دے دیتے تھے۔ (۱۰)

ازواج واولاد:

اتباع سنت کے خیال سے آپ نے کئی نکاح کیے مگر جب کسی بیوی سے اتنی محبت بڑھ جاتی کہ اس سے عبادت میں خلل پڑتا تو اس سے قطع تعلق کر لیتے، لونڈیاں بکثرت خرید کر آزاد کیں جن کی تعداد ایک سو

کے قریب ہوگی مگر ایک لونڈی بی بی ضیاء کو جب آزاد کرنا چاہا تو انہوں نے قدم پکڑ لئے اور عرض کی کہ مجھے شرفِ خدمت سے محروم نہ کیجئے، چنانچہ وہ خوش بخت آخر حیات تک آپ کے ساتھ رہیں۔(۱۱۴)

حضرت مولانا مظفر شمس بلخیؒ کی کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے اپنے برادر زادہ حضرت شیخ حسین سمندر نوشہ توحید بلخیؒ بن حضرت شیخ معز الدین شمس بلخیؒ کی اپنی نگرانی میں پرورش و پرداخت کی، تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا اور خلافت عطا فرما کر مسند سجادگی پر بٹھایا۔(۱۱۵)

سلسلۂ پیرانِ طریقت اور شجرۂ شیوخ:

مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی (ھو اخذ الطریقۃ) کا مخدوم جہان بندگی حضرت شیخ شرف الحق الشرع والدین احمد یحییٰ منیری، وھو عن خواجہ نجیب الدین فردوسی، وھو عن خواجہ رکن الدین فردوسی، وھو عن خواجہ بدر الدین سمر قندی، وھو عن خواجہ سیف الدین باخرزی، وھو عن خواجہ نجم الدین کبری ولی تراش، وھو عن خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، وھو عن خواجہ وجیہ الدین ابو حفص، وھو خواجہ محمد بن عبد اللہ معروف بعمو یہ، ہو عن خواجہ احمد سیاہ دینوری، وھو عن خواجہ ممشاد علو دینوری، وھو عن خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، وھو عن خواجہ سری مقطی، وھو عن خواجہ معروف کرخی، وھو عن حضرت امام علی موسیٰ رضا، وھو عن حضرت امام موسیٰ کاظم، وھو عن حضرت امام جعفر صادق، وھو عن حضرت امام محمد باقر، وھو عن حضرت سید السجاد امام زین العابدین، وھو عن سید الشہداء امیر المومنین حضرت امام حسینؓ، وھو عن حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، وعن شفیع المذنبین رحمت اللعالمین، غیاث المستغیثین، انیس الغرباء والمساکین صاحبِ قاب قوسین جد الحسن والحسین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واہلبیتہ واصحابہ وبارک وسلم۔(۱۱۶)

تاریخِ وفات و مدفن:

آپ کی وفات عدن میں ۳ رمضان المبارک ۷۸۸ھ کو ہوئی (۱۱۷) اور عدن میں بیرون شہر متصل

ساحلِ سمندر مدفون ہوئے، عالیشان مقبرہ ہنوز موجود اور بوسہ گاہ خلائق ہے، مخدوم جہاں کے بعد کامل چھ سال زندہ رہے، وفات تقریباً ۷۵ یا ۷۶ سال کی عمر تھی۔

آپ کی وفات کے قطعاتِ تاریخ متعدد کتابوں میں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

شد بجت آن مظفر دین مقتد اے شیخ متقی نجمی
محتشم سالِ رحلتش فرما ہم بگو زندہ دل ولی بلخی

روح مولٰینا مظفر کرد چون نقل مکان از عدن در عدن شدِ تاریخ مخدوم زمان

۷۸۸ھ

چشمۂ فیض ذاتِ اوست کزد رفتہ برسوئے جوئبار شرف
سال نقلِ مظفر بلخی جستم دیما فتم بہار شریف(۱۱۸)

۷۸۸ھ

شیخ الاسلام مولانا حسین معز شمس بلخی نوشہ توحید:

شیخ الاسلام مولانا حسین معز شمس بلخی المعروف بہ نوشہ توحید وسمندر توحید عوم و معارف میں یگانۂ روزگار، سلوک وتصوف میں ممتاز اور شریعت وطریقت وحقیقت ومجاز، ظاہر و باطن میں ایک جامع و باکمال بزرگ ہیں، آپ کے مکتوبات ورسائل، علمی وعملی تصوف وسلوک کے اسرار ورموز اور کتاب وسنت کے بصائر د حکم سے معمور ہیں، آپ نے آٹھویں صدی ہجری کے ہند وحجاز کے اکابر علماء سے علوم ومعارف کا درس لیا اور اس دور کے مشاہیر، مشائخ وصوفیاء سے فیضِ باطن حاصل کیا۔

میں اگر ایک طرف مولانا موصوف سے احادیث کا درس لیتے تھے تو دوسری طرف شیخ الدین خوارزمی، شیخ شمس الدین حلوائی سے قرأت سبعہ اور معارف القرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ قیام عدن کے زمانہ میں خطیب عدن سے بھی احادیث کی سند حاصل کی۔ آپ کو مولانا سعد الدین مفتی جونپوری سے بھی تلمذ حاصل ہے۔

کسی مسئلہ میں مفتی صاحب سے آپ کا اختلاف ہو گیا تھا، رفع اختلاف کے لئے آپ جونپور پہنچے مگر مفتی صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی تو آپ نے ایک مکتوب ارسال کیا جس سے اس واقعہ پر روشنی پڑتی ہے:(۱۴۰)

"بہ حکم اخلاص عرضہ اشتہ شد مکلفے دعیارتے نمی کنم شاگرد قدیم عرض او صالح و اموراز شاگرداں شنیع نیست ار جو کہ جرأت راقلم در عفو کشند۔"

سندِ حدیث:

الحمدللّٰه رب العالمین و الصلوٰة علیٰ محمد سید البشر رسول اللّٰه وآله اجمعین۔

امابعد، فقیر حقیر مظفر شمس عامہ مسلمانان را سلام و دعا می رساند و باز نماید، فقیہ حسین معز شمس برادر زادہ ایں فقیر است حق سبحانہٗ وتعالیٰ ویرا گرامی کردہ، فرزند صالح و متقی است، قریب چہار سال در کلہ مبارک بود قرأت قرآن و شاطبی، پیش شمس الدین خوارزمی دردں کعبہ کردہ، قرأت سبعہ پیش شمس الدین حلوائی در مقام ابراہیم پیش در کعبہ گزشتہ و شیخ شمس الدین نہ کور در عصر خود یگانہ روزگار است، در صلب و شام و مصر مدینہ مصطفیٰ ومبارک در علم قرأت ویرا نظیرے نیست و جائے شیخ مجاور حرم است فرزند حسین مذکور سندِ حدیث بریں فقیر کردہ صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ وآخرہ لفظاً و معناً بریں فقیر تحقیق کردہ خدائے تعالیٰ ویرا

ذہن صافی وطبیعت فیاض دادہ است وسند دیگر بر خطیب عدن نیز کردہ است

از جہت ایں فقیر اورا در تدریس ایں علم مجاز است، خدا تعالیٰ اورا نافع مسلمانان

گرداند در دین ایشان ودر دنیا ایشان، آمین۔

درس وتدریس:

ارشاد وہدایت کے ساتھ آپ کا مشغلہ آخر حیات تک درس وتدریس رہا، اکثر وبیشتر تفسیر واحادیث کا درس دیتے تھے۔(۱۲۱) آپ کے حلقۂ درس سے بیرونِ بہار کے طلباء بھی فیضیاب ہوتے تھے چنانچہ مولانا موسیٰ بنارسی ابن شیخ المشائخ حضرت مولانا عزیز اللہ بنارسی یمنی جو حضرت چراغ ہند دہلوی اور شیخ بدیع الدین مدار کے ہمعصر تھے۔ آپ کے درسگاہ دارالمعارف میں پہنچے اور یہاں قیام کر کے معارف وعلوم حاصل کئے، علوم ظاہری کے ساتھ علمِ باطن بھی آپ ہی سے حاصل کیا اور آپ کے مرید اور مجاز وخرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر گھر واپس ہوئے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ایک بزرگ مولانا شیخ مبارک تھے، جو مولانا خواجہ محمد عیسیٰ جونپوری کے مرید اور ایک روشن ضمیر بزرگ تھے، آپ کے حلقۂ درس میں علومِ قرآن کا درس لیا کرتے تھے اور آپ ان کی صلاحیت قلبی کی تعریف کیا کرتے تھے، غرض آپ تفسیر وحدیث، عقائد اور علمِ کلام جملۂ علوم کا درس دیتے تھے۔

ارادت واجازت وسعت وخلافت:

آپ کو حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ سے بلا واسطہ بیعت وارادت اور مخدوم جہاں اور مولانا مظفر شمس بلخی دونوں سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ صاحب کاشف الاسرار لکھتے ہیں کہ:

''مولانا شیخ حسین دست گرفتہ وتربیت یافتہ حضرت مخدوم الملک است

واجازت وخلافت ہم از جناب ایشان وہم از مولانا مظفر دارد۔''

اور نیز مناقب الاصفیا تحریر فرماتے ہیں کہ:

''چوں او (مولانا ظفر) راسفرِ آخرت قریب رسید و علامت غلبہ کرد

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین برادرزادہ خودرا آثارِ رحمت و انواع نعمت خود و

پیرانِ عطا فرمودہ وداع کرد۔''

اجازت نامہ:

فقیہ حسین مذکور مرید بندگی شیخ الاسلام و المسلمین مخدوم شرف الحق و

الدین احمد یحییٰ منیری دست قدس سرۂ العزیز از جہت ایں فقیر توبہ دادن

مسلمانان و بیعت کنانیدن و مقراض راندن مجاز ست تا معلوم عزیزاں باشد

عاقبت ما و ہمہ مسلمانان بخیر باد، (۱۳۲) آمین۔

ان شواہد کے پیش نظر حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی تحریر کہ ''شیخ حسین معزبلخی آنچہ مشہور است او مرید و خلیفہ شیخ مظفر کہ عم حقیقی اوست می دانند اما از اورئے کلام، و چناں ظاہری شود کہ او پیوند ارادت بہ شیخ شرف الدین قدس سرۂ دارد و تربیت و ارشاد و خلافت از شیخ مظفر یافتہ۔'' غیر مستند ہے، اس کے علاوہ خود مولانا حسین معزبلخی دیوان میں لکھتے ہیں کہ ''مقتدائے دین پیرم منیری'' اور فرماتے ہیں کہ:

تعلیم اللہ بہ طفیل شرف الحق امروز   بر طارم گردوں معلازدہ ام

اس لئے آپ مرید ایک کے اور مجاز دونوں بزرگوں کے ہیں۔

پیرانِ طریقت اور شیوخ شجرہ:

پیرانِ طریقت اور شیوخ کا سلسلہ تو وہی ہے جو مولانا مظفر بلخیؒ کا ہے اور ان کا ذکر مولانا مذکور کے تذکروں میں آچکا ہے اور آپ کے نسب کا سلسلہ جس طرح حضرت امام حسین ابن علیؓ سے منتہی ہوتا ہے اسی

طرح شیوخ کا سلسلہ بھی اسی نقطۂ ولایت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

روحانی تربیت:

آپ کی تربیتِ روحانی شروع ہی سے مخدوم الملک اور مولانا مظفر بلخی کی صحبت میں ہوئی۔ (۱۴۳)

بصیرت علمی و مرتبۂ روحانی:

علومِ معقولات و منقولاتِ حقیقت و مجازِ شریعت و طریقت ظاہر و باطن اور علم اسراء کے جامع تھے، فن میں آپ کو دستگاہِ کامل حاصل تھی، منقولاتِ علومِ قرآن اور حدیث دانی کی شہادت اور اودہ فصلی اور مکتوبات سے ملتی ہے، معقولاتِ فلسفہ و کلام و منطق کی شہادت رسائلِ توحید اور رسالہ قضا و قدر سے شریعت و طریقت و حقیقت و معرفتِ علمِ باطن کی شہادت مضامین، رسائل اور مکتوبات سے ملتی ہے۔

مرتب رسائل توحید سلطان الموعدین تاج العارفین قطب الاقطاب مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید قدس سرہٗ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (۱۴۴)

تصنیف و تالیف:

ارشاد و ہدایت، تعلیم و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی تھا، عربی و فارسی میں کئی تصانیف آپ کی یادگار ہیں:

''حضرات خمس عربی، رسالہ قضاء و قدر فارسی، رسالۂ توحیدِ خاص فارسی، رسالہ توحیدِ اخص الخواص فارسی، رسالہ ذکر وجود اول ہدایت آں و بیاں معرفت عالم و نیابت آں فارسی، رسالہ در بیان ہشت چیز ذات و جہت و نفس و صفت و اسماء و افعال و صورت جامعہ و صورت متفرقہ بر سبیل توضیح و تشریح بر اصطلاح موحدان فارسی اور اودہ فصلی عربی و فارسی، گنج لایخفیٰ فارسی، مکتوبات فارسی، اجازت نامہ بنام مولانا شیخ حسن بلخی دیوانِ فارسی، ''حضرات خمس'' چند صفحہ کا ایک عربی رسالہ ہے، اس میں تجلیاتِ باری تعالیٰ کی پانچ صورتیں متعین کر

کے ان کی توضیح کی ہے، اول: احدیتِ حق تعالی، بالفصل اور بالقوہ باعتبارِ ذات وصفات کے یکتا ویگانہ ولاشریک ہے۔

دوم: حضرت المحبوبیۃ بصفت محبوبیت ہر شئے میں وہی متجلی وظاہر ہے۔

سوم: جو شخص جس شئے کا محبّ ہے، وہ بصفت محبوبیت اسی کے تجلی کی ایک صورت ہے۔

چہارم: خلق کو شرک وعصیان سے توحید واطاعت کی طرف دعوت دینا اسی کی تجلی کی ایک صورت ہے لہذا انبیاء ورسل اور خلفاء دعوت الی الحق کے مظاہر ہیں۔

پنجم: اضلال واغوا شیطان کی صفت ہے لہذا نفسِ انسانی بصفت شیطانیت اسی کی تجلی خفی کی ایک صورت ہے یعنی بصورتِ نفس وہی مضل ومغوی ہے، جس طرح بصورتِ نبوت ورسالت وخلافت بصفتِ ہدایت متجلی ہے، اس رسالہ کی شرح آپ کے صاحبزادہ مولانا شیخ حسین بلخی نے فارسی میں کی ہے، جو ''کاشف الاسرار'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شرح طبع ہو چکی ہے، کہا جاتا ہے رسالہ مذکور معاصر علمائے حجاز نے پڑھا اور پڑھ کر تحسین فرمائی۔

''رسالۂ قضاوقدر'' مسئلہ قضاوقدر میں چندورق کا رسالہ ہے اور مخطوط ہی (۲۵) قضا اور قدر کے اسرار وحکم اور خیر وشر کے رموز پانچ تمہیدات میں بسط شرح سے بیان کئے ہیں۔ آیات قرآنی قل کل من عنداللّٰہ وما اصابک من حسنۃ فمن اللّٰہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک۔

دونوں آیات میں بظاہر جو تضاد ہے اور جس کو نہ سمجھنے کی بناء پر مذاہب باطلہ قدریہ جبریہ ومثنویہ پیدا ہو گئے ان کا دل نشیں پیرایہ اور مدلل طریقہ پر رد کیا گیا ہے اور مسئلۂ خاص میں اہلِ سنت والجماعت کے مسلک حق کو آیات ''وھو خالق کل شئی'' اور ''اللّٰہ خلقکم وما تعملون۔'' کی تفسیر سے مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے۔ مسئلہ قضاوقدر پر بصیرت افروز مقالہ ہے، جو کسی سائل کے سوال پر تحریر کیا گیا ہے۔

رسالۂ توحیدِ خاص:

یہ رسالہ بھی کسی سائل کے سوال پر تحریر کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان دلنشین اور موثر ہے۔

توحیدِ اخص الخواص:

اس رسالہ میں بھی آیات و روایات اور نظائر و امثال سے وحدۃ الوجود کو ثابت کیا گیا ہے اور اس پر چھ دلیلیں قائم کی ہیں، ہر ایک دلیل بجائے خود دلنشین اور ایمان افروز ہے، یہ سالہ خواص کے لئے لکھا گیا ہے۔ آٹھ صفحوں کا قلمی رسالہ ہے۔

رسالۂ وجودِ عالم و ہدایت نیابتِ عالم:

صوفیوں کی اصطلاح میں ملک و ملکوت جبروت و لاہوت کی تعریف (۱۲۶) کی ہے۔ صوفیوں کے لئے مضامینِ روح پرور ہیں۔ تمہیدِ کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ ''سخنے چند در معرفت عالم از دانش و فہم خود در قید کتابت آرم بگویم کہ باتفاق جملہ سالکان است وجودِ عالم و ہدایت و نہایت عالم ہمچنین ست کہ در تحریر می آید۔''

(رسالہ مخطولہ ہے۔)

رسالہ در بیان ہشت چیز بر اصطلاح موحداں:

عنوانِ کتاب سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ میں موحدوں کی اصطلاحِ خاص میں ہشتگانہ اشیاء کی تشریح ہے۔ اس تشریح میں توحید و موحد کی تعریف و تقسیم اور الحاد و زندقہ ملحد و زندیق کی تمیز و تفریق پر بحث ہے، اس میں صوفی علماء کے لئے معلومات و دلچسپی کا بڑا سامان ہے۔ رسالہ مخطوطہ ہے، ان کل رسائل کے کاتب مولانا شاہ محمد یحییٰ رضوی حلبی ابو العلائی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۹۰ھ ہے۔

اورادہ فصلی:

اوراد وظائف کا مستند نادر اور قابلِ عمل مجموعہ ہے۔ (۱۲۷) یہ رسالہ ۳۴ صفحات کا ہے اور مخطوطہ ہے۔

کاتب سید ابوالحسن فردوسی بلخی ہیں سنہ کتابت ۱۲۹۱ھ ہے۔

گنج لایغنی:

مخدوم الملک کی جن مجالس میں آپ کی حاضری اور شرکت ہوئی ہے اور ان میں مخدوم کی زبان فیضِ ترجمان سے جو حقائق و معارف سنے ہیں، انہیں گنج لایغنی کے نام سے قلمبند کیا ہے۔غرض ان عنوانات کے فرمودات وملفوظات کو ۵۷ (ستاون) مجالس میں ترتیب دیا ہے۔مخدوم کی حیات ہی میں اس کو مرتب کر لیا تھا۔ کتاب ۱۸۳ صفحات کی مخطوطہ اور کتابت نستعلیق ہے۔ کاتب محمد یعقوب بلخی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۲۱ھ۔ اختتام کتاب کی عبارت یہ ہے ''گنج لایغنی من کلام حضرت ملک المشائخ مولانا حسین معز شمس بلخی قدس سرہٗ''، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب کو غلط فہمی ہوئی ہے، ملفوظات مخدوم الملک کے ہیں، مولانا حسین معز بلخی اس کے کاتب ہیں۔

مکتوبات:

مکتوباتِ تصوف وسلوک معرفت وعرفان کا نادر مجموعہ ہیں، ان کے مطالعہ سے قلب کو سکون، روح کو بالیدگی اور نفس مطمئنہ کو تواجد حاصل ہوتا ہے۔ بیشتر مکتوبات جوابی ہیں۔کل مکتوبات ۱۵۴ ہیں۔ ہر مکتوب میں مکتوبِ الیہ کے نام اور موضوع مکتوب عنوان میں مذکور ہے مثلاً مکتوب اول در توحید و مغنی فناء، مکتوب الیہ مولانا نور الدین، مکتوب بست وسوم درآمدن علم بعمل (۱۲۸) مکتوب الیہ مولانا سعد الدین مفتی جونپوری مکتوب چہلم درکشادہ داشتن دیدہ حق ہیں، مکتوب الیہ ملک القضاۃ مکتوب صد و پنجاہ و چہارم بجانب سلطان ابراہیم خلد اللہ ملکہ وغیرہ۔مکتوبات کے مضامین پانچ حصوں پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں، اول: تربیت وتعلیم اور پند ونصائح، دوم: آیاتِ ورد، آیاتِ اخبار آثار کی تفسیر وتشریح، سوم: بزرگانِ سلف کے ابیات واشعار پر تنقید اور ان کی توضیح، چہارم: مسائل شرعیہ کے حکم ومصالح پنجم: سلوک، تصوف کے اسرار ورموز مکتوب الیہم میں اس عہد کے مشاہیر

قضاۃ وآئمہ ومفتی اور علماء وفضلاء اور صوفیائے کبار ہیں- چند مکتوب حاکمِ وقت اور متوسلینِ حکومت کے نام بھی ہیں مثلاً امام حسام الدین صدر الائمہ، قاضی قمر الدین صدر الائمہ، مولانا سعد الدین مفتی جونپور و پیر طریقت مولانا تاج الدین، خواجہ شہاب الدین، مولانا کبیر الدین، مولانا سماء الدین و مولانا بہاؤ الدین خان اعظم ملک القضاۃ سلطان ابراہیم قاضی احمد حاکم وغیرہم-(۱۲۹)

اجازت نامہ برائے دادن توبہ مسلمان زفرزند مولانا حسن را:

الحمدللّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین-

امابعد، ایں فقیر در توبہ دادن مسمانان از جہت شیخ الاسلام والمسلمین شیخ مظفر برد اللہ مضجعہ مجاز بود فرزند عزیز الوجود مولانا حسن را از جہت خود برائے توبہ دادن مسلمانان مجاز گردانیدہ تا مسلمانان را توبہ وہد و مقراض راند و طاقیہ وہد و دعوی بر صلاح وتقوی کند و خود قدم بر جادہ شرع استوار دارد و در طلب علوم دین باقصی الغایت جد وجہد مصروف دارد والحمدللہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم وکان ذالک فی السادس من ربیع الآخر سنۃ اثنی و اربعین وثمانماۃ ۸۴۲ھ تمام شد-

دیوانِ فارسی:

یہ دیوان آج سے مدتوں پہلے طبع ہو چکا ہے مگر اب کمیاب ہے- زیرِ نظر مطبوعہ دیوان میں ۳۴ غزلیں، ردیف وار چھ سات قطعات، پانچ چھ رباعیات اور گیارہ متفرق اشعار ہیں، ایک قصیدہ بھی باب فقر میں ہے، کہا جاتا ہے کہ آپ مربی وشفیق استاد مولانا مظفر بلخی المتخلص برہان سے مشورۂ سخن کرتے تھے، زبان کی فصاحت، معنی کی بلاغت اور طرز ادا کی خوبی، کلام کی پختگی کی شاہد ہے- پورا کلام عارفانہ اور کیف ومستی سے لبریز ہے- خیالات پر عطار کا گہرا اثر ہے- شوخی کلام پر حافظ شیرازی کا دھوکا ہوتا ہے- (۳۰)

ازدواجی زندگی اوراولاد:

آپ کی دوشادیاں ہوئیں، پہلی شادی آپ کی چچیری بہن یعنی مولانا قمرالدین بلخی کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے صاحبزادہ شاہ حسن بلخیؒ پیدا ہوئے۔(۱۳۱) دوسری خامنپور کھیری میں کسی بزرگ کے یہاں ہوئی تھی جن سے دوصاحبزادے شاہ سلیمان اور شاہ سیف الدین پیدا ہوئے۔مولانا شاہ بلخیؒ اپنے بزرگوار کے تعلیم اور تربیت یافتہ اور بڑے ذکی اور ذی علم تھے۔''حضرات خمس'' کی شرح فارسی ''کاشف الاسرار'' آپ ہی کی ہے، ایک دیوان فارسی بھی ہے۔آپ کی فیاضی اور ایثارِ نفسی کی بڑی حکایتیں ہیں، خود مولانا حسینؒ فرماتے ہیں کہ میاں حسن ایسے فیاض ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو ہمیں بھی کسی کو بخش دیں۔شیخ حسن کی وفات روز دوشنبہ شعبان ۸۵۵ھ میں ہوئی۔

مولانا شیخ حسن کے صاحبزادہ مولانا مخدوم شاہ احمد بلخی لنگر دریا ہیں۔آپ کی تعلیم وتربیت روحانی بھی جدِ محترم ہی کے زیرِ نگرانی ہوئی مگر بیعت واجازت اپنے والد بزرگوار مولانا حسن بلخی سے ہے۔ولادت کے موقع پر ولادت نامہ خود مولانا حسین بلخی ہی نے اپنے قلم سے رقم فرمایا تھا۔(۱۳۲)

خلفاء:

آپ کے خلافاء میں حضرت حسن دائم، حضرت سیف الدین بلخی، حضرت شیخ سلیمان بلخی، حضرت بہرام بہاری، حضرت علم منیری شامل ہیں۔(۱۳۳)

وفات ومدفن:

۵۶ سال رشد وہدایت کے فرائض انجام دے کر ایک سو برس سے زیادہ کی عمر میں روز سہ شنبہ وقت ظہر بماہ ذی الحجہ ۸۴۴ھ دنیا سے رخصت ہوئے۔(۳۴)

شرفاء کی نگری جلد اول کے مطابق حضرت شیخ حسین سمند نوشہ توحید بلخی کا وصال ۲۴ ذی الحجہ ۸۴۴ھ کو

ہوا- تاریخِ وصال گل بہار شریف سے نکلتی ہے-(۱۳۵)

سالِ وفات شہ بلخی حسین شد گل باآب بہار شرف

(۸۴۴ھ)

دل حزیں پے تاریخ نوشہ توحید فزو دہ آہ بگفتا گل بہار شرف

آپ کا مدفن بہار شریف بیرون خانقاہ مقبرۂ بلخیاں ہے-

حضرت مولانا ولایت علی صاحب زبیری، محدث صادق پوری:

بہار کے اندر سادات بن ہاشم کی بعض مشہور بستیاں ہیں، ان میں گیلان استھانواں، دیسنہ، صادق پور، مہدانوں، منیر شریف کو بہت اہمیت حاصل ہے، اسلامی حکومت کے دور میں یہ خاندان عرب، فارس و عراق سے ہندوستان میں آئے، انہیں میں ایک حضرت محمد معروف بہ تاج فقیہہ مدنی الاصل کا گھرانہ تھا، آپ منیر میں آ کر رہ گئے، آپ سے بہار کے اکثر معزز گھرانوں کو وابستگی ہے، چنانچہ مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، حضرت شاہ اکبر دانا پوری اور مولانا ولایت علی صاحب صادق پوری انہیں بزرگ کی اولاد سے گزرے ہیں-(۱۳۶)

نام ونسب:

مولانا ولایت علی کے والد کا نام مولانا فتح علی تھا- آپ کی ولادت ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں ہوئی -(۱۳۷)
مولانا ولایت علی صاحب کا سلسلہ بتیسویں پشت میں حضرت زبیر عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے-
علامہ رفاعی صحاح الاخبار میں حضرت زبیر کے اعقاب کے متعلق لکھتے ہیں:

و زبیر اعقب طاہرہ وام حکیم و صباعہ و عبداللہ-

ترجمہ: اور زبیر بن (عبدالمطلب) سے طاہرہ، اُم حکیم، صباعہ اور عبداللہ ہوئے-

حضرت عبداللہ (صحابیؓ) اسلامی ادبیات ابوذر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بہت بڑے جلیل القدر صحابی تھے، آپ کی نسل سے بڑے بڑے آئمہ دین اور صوفیائے کرام پیدا ہوئے۔ حضرت امام ابوالدین ماہ عالم قدس سرہٗ حضرت امام ابوسہمہ، حضرت امام ابوالدھر، امام ابوالليل، امام ابو اللیث حضرت مخدوم یحییٰ منیری، مخدوم شاہ شرف الدینؒ منیری، مخدوم عزیز الدین لکھپتی، مخدوم شیخ حمید الدین، حاجی الحرمینؒ جیسے اماموں اور بزرگوں نے اپنے کمالات واوصاف سے اس گھرانے کو ایک غیر فانی عزت بخشی، مولانا ولایت علی صاحب عبداللہ ابوذر کی اولاد ہیں۔ (۱۳۸) مولانا ولایت علی علیہ الرحمتہ والغفر ان یحییٰ منیری قدس سرہٗ کے اولاد سے تھے جو قریش اور ہاشمی تھے۔ (۱۳۹)

نسب نامہ جدِ صحیح جناب حضرت مولانا ولایت علی علیہ الرحمتہ:

۱۔ مولانا ولایت علی ومولانا عنایت علی ومولوی فرحت حسین غفر اللہ لھم فرزندان، ۲۔ مولوی فتح علی مرحوم ومغفور، ۳۔ مولوی وارث علی مرحوم، ۴۔ ملا محمد سعید عرف ملا بخشو مرحوم، ۵۔ قاضی احمد اللہ مرحوم قاضی پرگنہ ارول ضلع گیا، ۶۔ ملا حفیظ اللہ مرحوم اور بعض نسخہ میں شکر اللہ پایا گیا، ۷۔ حضرت مولانا محمد عارف قدس سرہٗ، ملقب بہ ابوالفتح، ۸۔ ملا شیخ محمد ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ، ۹۔ ملا شیخ محمد منصورؒ، ۱۰۔ شیخ ابوالحسنؒ، ۱۱۔ حاجی عبداللہ عرف حاجی الحرمین، ۱۲۔ صدر الاتقیا حضرت خواجہ علیؒ، ۱۳۔ سالک طریقت ماہ برج حقیقت حضرت شیخ حمید الدین القدس سرہٗ، ۱۴۔ مظہر عرفاں غازی شہید حضرت مخدوم عزیز الدین پکھیُ قدس سرہٗ، ۱۵۔ حضرت مخدوم خلیل الدین قدس سرہٗ، ۱۶۔ حضرت زبدۃ الواصلین مخدوم یحییٰ منیری قدس سرہٗ، ۱۷۔ حضرت سلطان محمد اسرئیل قدس سرہٗ، ۱۸۔ حضرت محمد معروف امام تاج فقیہ قدس سرہٗ، مدنی الاصل ثم المنیری، ۱۹۔ حضرت امام ابوبکر قدس سرہٗ، ۲۰۔ ابومحمد عرف امام ابوالفتح قدس سرہٗ، ۲۱۔ امام ابو القاسم قدس سرہٗ، ۲۲۔ حضرت امام ابوالصائم قدس سرہٗ، ۲۳۔ حضرت ابوسعید عرف مولانا ابوالدہر قدس سرہٗ،

۲۴-حضرت امام ابوالفتح قدس سرۂ، ۲۵-امام ابواللیث قدس سرۂ، ۲۶-حضرت امام ابواللیل قدس سرۂ، ۲۷-حضرت ابوالدہر قدس سرۂ، ۲۸-حضرت امام ابوسہمہ قدس سرۂ، ۲۹-حضرت امام ابوالدین امام عالم قدس سرۂ، ۳۰-حضرت ابومسعود تابعی رحمتہ اللہ علیہ، ۳۱-حضرت عبداللہ کنیت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ۳۲-حضرت زبیر کنیت ابو وردا، و ابو صعب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳۳-عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۳۴-ہاشم، ۳۵-عبدمناف-(۱۴۰)

حُلیہ مبارک:

میانہ قامت مائل بطول، رنگ سونولا، جسم بلغمی اور پُر گوشت، ابرو پیوستہ، داڑھی اوسط درجہ کی-

تحصیلِ علم:

حسبِ معمول شرفاء ہند چار برس کی عمر میں آپ مکتب میں بٹھائے گئے- ذہانت و ذکاوت وافر سے سات برس کی عمر میں آپ کی استعداد اس حد کو پہنچی کہ مقررہ معلم سے آپ کی تشفی نہ ہونے لگی اور آخر آپ کے والد بزرگوار مولوی فتح علی صاحب نے آپ کا سبق اپنے ذمہ لیا- بارہ برس کی عمر میں جب مختصرات سے فراغت حاصل ہوئی تو ایک نہایت معروف و مشہور استاد معقول مولوی رمضان علی صاحب مجتہد مذہب امامیہ کے پاس آپ کا سبق رجوع کر دیا گیا- پھر بشوق تحصیل مزید علوم مولانا محمد اشرف صاحب استاد معقول و منقول کی خدمت میں لکھنؤ تشریف لے گئے اور تقریباً چار سال ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے-

شباب:

اوائل عمر میں آپ بڑے بانکے تھے- آپ کا لباس و پوشاک لکھنؤ کے بانکوں کا ساتھ کاکولین آہن تاب پشت پر پڑی ہوتیں- اونچی چولی کا انگرکھا مغدق بزر اور چوڑی دار پائجامہ، زری کے کام کا ٹخنے ڈھکے ہوئے پہنا کرتے اور حسب جزادوں کی طرح سونے کی انگوٹھیاں اور چھلے انگلیوں میں ڈالے رکھتے اور خوشبو اور

عطریات سے بسے رہتے کیونکہ آپ کے نانا مولوی رفیع الدین حسین جو آخر ناظم صوبۂ بہار تھے- بڑے متمول وعمائد بہار سے تھے اور جناب اپنے نانا صاحب کے بڑے لاڈلے تھے-

بیعت وتغیرِ کیفیت:

آپ کے قیام لکھنؤ کے عرصہ میں جناب سید احمد صاحب لکھنؤ رونق افروز ہوئے اور ہزار ہا عالم درویش آپ کے ارشادات سے فیضیاب ہونے لگے- یہ دیکھ کر آپ کے استاد مولانا محمد اشرف صاحب کے خیال میں گزرا کہ مولانا عبدالحئ ومولانا محمد اسماعیل (۱۶۱) دہلوی صاحبان نے سید صاحب کو پیر میاں بنا رکھا ہے اس لئے آپ کے استاد نے آپ کو دریافت کیفیت سید صاحب یہ پیغام لے کر بھیجا کہ میں تنہائی میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں- سید صاحب نے فوراً دوسرے روز عصر کا وقت تخلیہ کی ملاقات کے لئے متعین فرمایا چنانچہ دوسرے روز مولوی محمد اشرف صاحب مع اپنے شاگرد رشید مولوی ولایت علی صاحب کے خدمت بابرکت میں تشریف لائے اور مولوی صاحب نے بعد مزاج پرسی وما ارسلناك الا رحمته اللعلمین- کی آپ سے تشریح چاہی-

سید صاحب نے اسی تخلیہ میں دو گھنٹہ کامل اس مؤثر انداز سے وضاحت فرمائی کہ دونوں مولویوں کی روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں اور ملاقات تخلیہ کی بے ادبی کی معذرت کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں- اس دن سے مولانا ولایت علی صاحب کا رنگ بدل گیا اور اپنے مرشد کے ساتھ رہنے لگے- چنانچہ آپ عین قیام بریلی کے حضرت مولانا اسماعیل شہید کی جماعت میں بھرتی تھے اور انہیں سے حدیث بھی پڑھا کرتے تھے اور جب اپنی جماعت کے کام سے فرصت پاتے تو سید صاحب کی صحبت میں جا بیٹھتے یا تنہا نماز ودعا میں مشغول رہتے- مولانا شہید نے اپنی جماعت میں آپ کا اپنا نائب مقرر کردیا تھا، مگر آپ کا اب اسوۂ حسنہ نبوی سے ایسا ذوق حاصل ہوچکا تھا کہ آپ اپنی جماعت والوں کی آپ خدمت کیا کرتے تھے اور جنگل سے لکڑیاں

کاٹ کر اور اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے اور مٹی گارے کا کام خود انجام دیتے چنانچہ اسی زمانے میں آپ کے والدِ ماجد نے ایک خدمت گار کو، جو بچپن سے آپ کی خدمت میں رہتا تھا، چار سو روپے نقد و ملبوسات بیش بہا لے کر آپ کے پاس روانہ کیا، ملازم نے بریلی پہنچ کر سید صاحب کے قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کنارے وہ مٹی کا کام کر رہے ہیں، دریا کے کنارے بہت سے لوگ تعمیرِ مسجد و مکانِ قافلہ میں مصروف تھے۔

مولانا بھی ایک موٹا سیاہ تہبند باندھے ہوئے گارے میں لتھڑے ہوئے کام میں مشغول تھے۔ آپ کی صورت ایسی متغیر ہوگئی تھی کہ یہ قدیم ملازم وہاں پہنچ کر اور آپ سے ہمکلام ہو کر بھی آپ کو نہ پہچان سکا بلکہ مولوی ولایت علی صاحب کے خود اقرار کرنے پر اس کو تمسخر پر محمول کیا اور سخت ناراض ہوا، آخرش آپ نے فرمایا اچھا پھر جا کر قافلہ میں تلاش کرو۔ (۱۴۲)

جب وہ قافلہ میں واپس آیا تو لوگوں نے اس کو یقین دلایا کہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی وہی شخص ہیں جن سے تم دریا کنارے بات کر آئے ہو، تب وہ دوبارہ آپ کے پاس آ کر اپنی جسارت پر نادم و پشیمان ہوا اور آپ سے معافی چاہی، آپ نے اس کو گلے سے لگا لیا اور بہت اخلاق و تواضع سے پیش آئے۔ اس ملازم نے نقد و ملبوسات پیش کر کے ان کے استعمال کی آرزو ظاہر کی اور کیفیت دیکھ کر آپ کی زار زار رونے لگا مگر آپ نے اسی روز رات آتے ہی نقد و ملبوسات جیسے بندھے ہوئے تھے، سید صاحب کے حضور میں رکھ کر خاموش چلے آئے اور واپس آ کر آپ کے بزرگوں سے ساری کیفیت بیان کی، اس کیفیت کو سن کر آپ کے والدِ ماجد اپنے فرزند مولوی فرحت حسین کے ہمراہ بریلی پہنچے اور سید صاحب کی صحبت بیش بہا سے فیضیاب ہوتے رہے (آپ کو اور آپ کے صاحبزادوں کو سید صاحب سے شرف بیعت وطن ہی میں حاصل ہو چکی تھی)۔

ترغیبِ اقرباء:

جب سید صاحب نے ارادۂ حج بیت اللہ کا اظہار فرمایا تو مولانا نے مقام لکھنؤ سے برائے بیعت آپ کے مناقب اور بزرگی اپنے والد بزرگوار اور عزیزوں کو لکھ بھیجا اور تاکید کی کہ آپ سب لوگ اس بابرکت شخص سے بیعت حاصل کر لیں چنانچہ جب سید صاحب باارادہ حج پٹنہ رونق افروز ہوئے تو آپ کے والدِ ماجد و جناب شاہ محمد حسین صاحب جناب سید صاحب سے ملاقی ہوئے لیکن بوجہ سید صاحب کے پٹنہ سے جلد تشریف لے جانے کے یہ لوگ بیعت سے مشرف نہ ہو سکے۔ مولوی ولایت علی صاحب اپنے خاندان کی بیعت سے محرومی سن کر غایت طول ہوئے اور جب مولانا لکھنؤ سے مکان تشریف لائے تو سید صاحب کی ساری کیفیت اور کرامات جو لکھنؤ میں آپ نے خود مشاہدہ کی تھی، لوگوں سے بیان کیں، عرصہ کے بعد جب سید صاحب حج سے واپسی میں دوبارہ پٹنہ رونق افروز ہوئے تو مولوی ولایت علی صاحب اور شاہ محمد حسین صاحب شہر مونگیر تک آپ کی پیشوائی کو تشریف لے گئے اور مولوی ولایت علی صاحب نے سید صاحب کی مع سارے قافلہ کے اپنے گھر پر دعوت دی اور اپنے خاندان کے مرد و زن اور بچوں کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرا دی اور دوسرے روز شاہ محمد حسین (۱۴۳) نے اسی طرح دعوت دے کر اپنے خویش و اقارب کی بیعت آپ سے کرا دی اور سید صاحب نے شاہ صاحب کو خلافت عطا کر کے بیعت لینے کی اجازت دی تیسرے روز مولوی الٰہی بخش صاحب نے اپنے صاحبزادے مولوی احمد اللہ صاحب کے تقریب عقدِ نکاح میں آپ کے سارے قافلہ کی دعوت دی اور آپ کا وعظ کرایا اور آپ ہی سے خطبۂ نکاح بھی پڑھایا اور آپ کے صاحبزادہ ولی اللہ نے جو مولوی احمد اللہ صاحب سے چھوٹے تھے۔ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب سید صاحب پٹنہ سے اپنے وطن کو روانہ ہوئے تو مولانا ولایت علی، مولوی عنایت علی اور مولوی طالب علیہم الرحمتہ تینوں حقیقی بھائی اور مولوی باقر علی چچازاد بھائی، یہ چاروں ہمرکاب سید صاحب کے ہوئے اور دنیائے ناپائیدار اور اس کے عیش و عشرت پر لات

مار گئے اور تھوڑے عرصہ بعد میر عثمان علی بن قاضی رجب علی ساکن گھوڑی گھاٹ پرگنہ کندہ ہزاری باغ، جن کی شادی مسماۃ امتن خواہر عمائی مولوی ولایت علی صاحب سے ہوئی تھی، اور مولوی قمر الدین صاحب بن شیخ رکن الدین حسین صاحب مغلپورہ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

ابتداء واعظ:

جب سید صاحبؒ حج کو تشریف لے گئے تو جناب مولانا وطن واپس آ کر وانذر عشیرتک الاقربین کے تعمیل اور اصلاحِ مسلمین میں مصروف رہے اور جماعت جمعہ کی پابندی قائم کی۔ آپ ہی کے نصائح اور ترغیب کا نتیجہ تھا کہ آپ کا خاندان اور انبوہ کثیر بیک دل گرویدہ سید صاحب ہو گیا۔

سفارت:

جب رنجیت سنگھ سے جہاد اور مقابلہ کی غرض سے سید صاحب ملک خراسان کو روانہ ہوئے تو مولوی فتح علی صاحب کو بوجہ کبر سنی اور مولوی فرحت حسین صاحب کو بوجہ صغر سنی خلافت اور اجازت بیعت عطا کر کے پٹنہ واپس کر دیا اور یاغستان پہنچ کر سید صاحب نے ہر ایک نواب و خوانین کے پاس اپنے سفیر مع مراسلات و ہدایت آیات کے روانہ کیے، منجملہ ان کے مولانا ولایت علی صاحب کو شاہ زماں والی کابل اور اس کے وزیر دوست محمد خاں کے پاس مع مراسلات کے بھیجا۔ شاہ زماں اور جملہ امراء کابل نہایت تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آئے اور شاہی مکان میں جناب کو اتارا۔ آپ تقریباً ڈیڑھ ماہ رہ کر روزانہ (۱۴۴) وعظ و نصیحت توحید و اتباع سنت اور تحریص علی الجہاد کرتے رہے اور مسلمان رعایائے پنجاب پر جو ظالم سکھوں کے ہو رہے تھے، ان کی وضاحت کر کے حمیت و غیرت اسلامی دلایا۔ ایک روز اثنائے وعظ میں ردشرک پر ایک برجستہ فارسی نظم پڑھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

فرمود رسول آشکارا من نیز برادرم شمارا

(یہ نظم رسالہ ہدایۃ التوحید کے اخیر میں طبع ہو چکی ہے) اور آپ کامیاب واپس آئے۔

خلافت:

سید صاحب نے ترویج دینِ حق کے خیال سے مولوی سید محمد علی صاحب رامپوری اور مولوی ولایت علی صاحب کا انتخاب فرمایا اور ان دونوں بزرگوں کو خلافت دے کر جنوبِ ہند کے ہدایت کے لئے مامور کیا۔ اگر چہ ان دونوں بزرگوں نے بہت معذرت پیش کی اور خدمت سے معافی چاہی مگر سید صاحب نے منظور نہیں فرمایا بلکہ مولانا ولایت علی صاحب کو یہ بھی فرمایا کہ مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں (معنی یہ تھے کہ آخری تخم سے بہت سے پودے پیدا ہو کر یہ باغ ہرا ابھرا رہے گا) ناچار یہ دونوں بزرگ بچشم گریاں و دل بریاں بجا آوری حکم مرشد کو فرض اور ضروری جان کر ہندوستان کو واپس آئے اور یہاں پہنچ کر ان دونوں بزرگوں نے باہم مشاورت کر کے مولوی محمد علی صاحب مدارس روانہ ہوئے اور مولانا ولایت علی صاحب بمبئی اور حیدر آباد دکن کی طرف راہ گیر ہوئے جب حیدر آباد کے ہر گلی کوچہ میں آپ کو وعظ کا شہرہ ہوا تو نواب مبارز الدولہ برادر حقیقی نواب ناصر الدولہ والی حیدر آباد نے چند عالموں کو دریافت حقیقت کے لئے آپ کے پاس روانہ کیا۔ مگر ان لوگوں نے جناب سے اپنے سوالات کے جواب باصواب پا کر آپ سے شرف بیعت حاصل کر لی اور نواب صاحب سے جا کر کل کیفیت بیان کی۔ نواب صاحب نے دوسرے روز دربار کے دو نہایت معزز اور علم میں مفضل عالموں کو یعنی مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس صاحبان کو آپ کے خدمت میں روانہ کیا۔ ان حضرات پر بھی حقیقت منکشف ہو گئی اور بیعت سے مشرف ہوئے اور نواب صاحب سے آپ کی حالت اور اثر و وعظ کو بیان کیا۔ تب نواب صاحب نے نہایت اشتیاق کے ساتھ آپ کو مدعو کر کے خود اپنی تشفی کی اور بعد وعظ آپ کے بیعت سے مشرف ہوئے (۱۷۵) مولانا نے ان کو ترک محرمات اور پابندیٔ شریعت کی تاکید فرمائی۔ مولانا کے وعظ و پند اور صحبتوں کا یہ اثر ہوا کہ نواب صاحب قوانین شرعیہ کے پابند ہو گئے اور چار سے

زیادہ بیبیوں کو طلاق دے کر اپنے مصاحبوں سے ان کے عقد کرا دیئے۔ مولانا ایک عرصہ تک اس اطراف میں توحید و سنت کی تعلیم دیتے رہے اور لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہوئے مگر بعض زود پسندوں نے مبارز الدولہ کو اپنے بھائی کے خلاف اُبھارا۔ مولانا اس خبر سے سخت رنجیدہ ہوئے اور بد اندیشوں کو بہت منع کیا مگر جب مولانا دل برخاستہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو لوگوں نے آپ کی نصیحت سے اعراض کیا اور اس سازش نے کچھ عرصہ بعد زور پکڑا اور طشت از بام ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مبارز الدولہ نظر بند کر دیئے گئے اور دیگر حضرات جلا وطن کر دیئے گئے۔ ابھی مولانا دکن کے دورو سیر میں تھے کہ ''معرکۂ بالاکوٹ'' میں سید صاحب کے شہید ہونے کی خبر گوش ہوئی اور اسی عرصہ میں آپ کے والدِ ماجد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس لئے جبلپور، برہان پور، نرسنگ پور اور سیونی چھپارہ وغیرہ کا دور سیر کرتے ہوئے وطن عظیم آباد کو مراجعت فرمایا۔

قیامِ وطن اور نظمِ تبلیغ:

سید صاحب کی خبر شہادت سے دفعتاً بارِ عظیم آپ پر پڑ گیا کیونکہ جناب سید صاحب کے خلفاء عظام سے ہند میں صرف آپ کا اور مولوی سید محمد علیؒ رامپوری کا وجود مغتنم باقی رہ گیا تھا۔ تمام اقطاعِ ہند میں انتشار اور پژمردگی چھا گئی تھی۔ جناب مولوی محمد علیؒ اس وقت اہلِ مدراس کی ہدایات اور ارشاد میں مصروف تھے۔ آپ نے وطن پہنچ کر سید صاحب کے مسلک اور ہدایات کے مطابق کارہائے تبلیغ و تعلیم شروع فرمایا اور لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ شاہ محمد حسین صاحب کو جامع مسجد تموہیہ کا امام اور چھپرہ، مظفر پور، ترہت اور اطراف پٹنہ کے تلقینِ ہدایت کے لئے متعین کیا۔ مولوی عنایت علیؒ کو ارشاد و ہدایات اہلِ بنگال کے لئے روانہ کیا۔ مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس حیدر آبادی کو خلعتِ خلافت عطا فرما کر اڑیسہ اور صوبہ الہ آباد وغیرہ کی طرف بغرضِ تبلیغ انام بھیجا۔

شہر پٹنہ میں نواب فخر الدولہ کی مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کیا جہاں ہر جمعہ کو جناب کا وعظ ہوتا اور جناب

کے بعد آپ کے خلیفہ مولوی ارادت حسین صاحب وہاں نماز جمعہ پڑھایا کرتے - آپ کے پٹنہ دو برس کے قیام میں ہزار ہا خلقت نے فیض و ہدایات (۱۴۶) حاصل کی - مذکور الصدر بزرگوں کے علاوہ دیگر حضرات کو بھی سلیقۂ ہدایت تعلیم فرما کر قریے اور قصبات کے لوگوں کی ہدایات کے لئے آپ روانہ فرماتے - آپ کی اشاعتِ دین میں انتھک کوشش غرب و مشرق، شمال و جنوب کل کو محیط تھی - مجمع اور میلوں (مثلاً بہار کا چراغاں) میں بھی بغرض تبلیغ و پند پہنچتے، کسانوں کو ان کے کھیتوں پر پہنچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانیوں اور غصوں کو شربت کی طرح نوش کر جاتے -

آپ اپنے دور و سیر میں قریہ بقریہ فروکش ہوتے جاتے اور اللہ کی باتیں پہنچاتے جاتے اس لئے اپنے مخصوص مقامات تک پہنچنے میں مہینوں اور برسوں کی آپ کو دیر لگتی - دینیات کی تعلیم کے لئے مکان پر بعد نماز ظہر تا نماز عصر قرآن و حدیث کا درس دیتے - مولوی عبداللہ آپ کے خلف اکبر قاری ہوتے - دوسرے علماء ایک تفسیر ہاتھ میں لے بیٹھتے - علماء کے علاوہ مریدوں کی بڑی بھاری صف ہوتی - قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے تا کہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (امر و نہی) سے آگاہ ہو جائیں - ان پڑھ بھی نمازوں میں اپنے پڑھنے کی سورتوں اور دعاؤں کے معانی ور مطالب سے خوب آگاہ ہوتے (عام واقفیت کے لئے سوائے ترجمہ کے دوسری سبیل نہیں) جناب نے شاہ محمد اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نبیرہ، مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ دہلوی کی خدمت میں ترجمۂ قرآن از شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور رسائل مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ارسال کی درخواست کی اور جناب شاہ صاحبؒ کے ارسال فرمانے پر پہلے مطبع حسینی لکھنؤ میں ان کے طبع کرانے کی سعی فرمایا، بعد انکار صاحب مطبع آپ نے زمانہ دور سیر بنگال کے اس خدمتِ طبع کو اپنے خلیفہ مولوی بدیع الزماں صاحب بردوانی کے حوالہ فرمایا - چنانچہ مولوی صاحب نے ایک ٹائپ پریس قیمتی دس ہزار خرید کر کے بہ کرات مرات تعمیل ارشاد کیا - پھر تو دیگر مطبعِ ہند نے بھی بغرض تحصیل زر

وماں کتبِ دینی کے طبع کی طرف توجہ کی- آپ نے جہاں جیسی ضرورت دیکھی یا لوگوں نے مسائل دریافت کیے، محض تفہیم کی غرض سے مختصر اور عام فہم رسائل قلمبند فرما کر لوگوں کے حوالہ کیے- ایسے رسائل کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی مگر اس وقت صرف چند دستیاب ہو سکے جو مجموعۂ رسائل تسعہ میں شامل ہو سکے- قریہ بقریہ جماعت اور امامت اور واعظین بھی مقرر کیے-(۱۴۷)

مسلک اور ایثار:

آپ نے تزکیۂ نفس اور جلاء قلب کی غرض سے مراقبہ اور اشغال صوفیہ نقشبندیہ کے بعض مشاغل بعد ترمیم غیر مشروع وفواضل جاری رکھتے تھے تاہم ان کے شرط لزوم کو بدعت تصور فرماتے- مگر جناب کی صحبت کیمیاء اثر اور تربیت مخصوصہ دراصل تزکیہ کی روح رواں تھی- بعد نماز صبح لوگوں کو توجہ دیتے اور نو آموزوں کو مولوی فیاض علی ومولوی یحییٰ علی اور مولوی اکبر علی علیہم الرحمۃ قواعد وآداب، نشست مراقبہ ومواقع لطائف اور ان پر دھیان کرنا تعلیم کرتے، خصوصاً مولانا یحییٰ علیؒ سے وعظ ودرسِ قرآن اپنے سامنے دلاتے- آنحضرت نے اور مولوی احمد اللہ صاحب نے مولانا کے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ہی ۱۲۵۵ھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی- آپ کی ترغیب تحصیلِ قرآن واحادیث اور وعظ ونصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچہ ہوا اور تقلید وتعصب کی بنا کمزور ومضمحل ہونے لگی کیونکہ قرآن وحدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کردیا جاء الحق وزھق الباطل -آپ اور آپ کے مریدان مسائلِ حنفیہ پر جب تک وہ کسی حدیث صریح غیر منسوخ کے مخالف نہ ہوتے، عمل کرتے کیونکہ سارے عمل کا خلاصہ اللہ کی خوشنودی کا ڈھونڈھنا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنا- اگر یہ غرض پیشِ نظر رہے تو بیخ اختلاف خود مشک اور ڈھیلی پڑ جائے- اللہ کے بندوں، اس کے اولیاء اور اس کے خدمت گزار آئمہ کی دل میں آپ محبت اور احترام رکھتے- آپ کی رہائش ایسی سادہ تھی اور نفس پر اس قدر قابو تھا کہ ان کی نظیر اصحابِ رسول اللہ یا تابعین میں ملتی ہے- آپ کے پاس بیٹھنے سے

دل دنیا سے سرد ہوجاتا اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا- ایک مرتبہ کسی رئیس کے یہاں تقریب میں مولانا بھی مدعو تھے، وہاں فانوس وقندیل ایک شمع سے روشن کئے جارہے تھے، قندیلوں کے روشن کرنے کے بعد وہ شمع گل کردی گئی، اس کیفیت سے آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مجھ سے ہزاروں کو روشنیٔ ایمان ملی ہے مگر معلوم نہیں خود میرا اس شمع کا سا تو حال نہیں ہے، آپ زار زار دیر تک روتے رہے، اندازہ کرسکتے ہیں کہ حاضرین کی کیا کیفیت ہوگی-(۴۸)

آپ کے چہرۂ مبارک سے غربت ومسکینی، خضوع وخشوع صاف نمایاں تھی اور روئے مبارک سے حزن وملال اور فکر ہمہ وقت متراداش ہوتا- رات کو اکثر زیر سماء کھڑے ہوکر ہاتھ کو بلند کر کے دعا کرتے اور کبھی دن کو دوپہر کے وقت بھی اسی کیفیت سے دعا کرتے- آپ کا لباس اکثر موٹا ہوا کرتا، غذا بھی موٹی، باسی، ہر طرح کے مساکین کے ساتھ نوش فرماتے اور انہیں کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور آپ کے گھر والے بھی ایسے ہی سادہ زندگی گزارتے اور اپنی کل آمدنی بیت المال میں داخل فرماتے اور جو کچھ ہدیے آپ کو ملتے ان کو جماعتِ مساکین اور مولفۃ القلوب پر صرف کرتے-

تربیت:

لوگوں کو دنیا سے بے رغبتی اور انکساری کی تعلیم دیتے اور نفس پر قابو حاصل کرنے اور امتیاز نفس دور کرنے کے لئے مختلف عنوان سے ان سے عمداً انکساری کراتے تاکہ شریفوں سے فخر انساب، عالموں سے امتیاز، عابدوں سے اپنی عبادت پر بھول اور بھروسہ، دولتمندوں سے کبر ونخوت، محدثوں سے شدت دور ہو اور ان میں بغیر حصہ نفس کے حق کی تلاش وجستجو ہو، وہ مسکینوں اور نیچوں سے محبت کریں، ناخواندوں کے عمل کی قدر کریں اور فاسق وفاجر کے اعمال بد سے ان کے دل میں ٹیس اٹھے اور انہیں ہم آغوش کر کے ان کی طہارت کے لئے سعی کریں-

مساکین جو عباد اللہ ہیں، ان کے پھٹے پرانے کپڑے ان کی موٹی غذائیں اور ان کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے ان کے دل میں شکر و احسان پیدا کریں اور فروعی مسائل میں مخالفت (جو شقاق و نفاق پیدا کر کے تباہی و بربادی لاتی ہے) کے عوض رواداری پیدا ہو۔ جماعتِ مساکین، جو قافلہ کے نام سے مشہور تھی، اس کے اپنے مکان پر رکھنے میں ایک مصلحت تربیت مریدان و اصحاب بھی مضمر تھی۔ ہر کام میں خود پیش پیش ہوتے اور ہر موقع کے لحاظ سے ملفوظات طیبہ فرماتے جو بجلی کی طرح لوگوں کے دلوں میں تیر جاتے آپ لوگوں کو دعا و عبادت خصوصاً تہجد کی ترغیب دیتے۔

صحبت یافتہ:

آپ کے صحبت یافتہ میں دعا اور تہجد کی غایت پابندی تھی اور ان کی دعاؤں اور ملفوظات میں عجیب حلاوت و اثر تھے کہ علماء و مشائخ بھی سن کر متحیر ہوتے۔ آپ کے صحبت و تعلیم یافتہ نہایت پختہ وضع تھے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔(۱۴۹)

مناظرہ:

سید صاحب کی بیعت و صحبت نے آپ کا رنگ کچھ ایسا متغیر کر دیا تھا کہ اب آپ میں عالمانہ انداز باقی نہیں رہا تھا۔ شاعری کی حالت یہ رہ گئی تھی کہ کبھی ارشاد و وعظ میں جذبات ابھر آتے اور کچھ برجستہ فرما دیتے، کجا منطق و فلسفہ اور کجا ذوقِ مناظرہ۔ اس ملت حقہ کی روز افزوں ترقی اور اشاعت میں قرآن واحادیث دیکھ کر کوتاہ بیں لوگوں نے مولوی محمد فصیح صاحب غازیپوری کو دو ہزار انعام کے وعدہ پر علمائے حق سے مناظرہ کرنے کے لئے مدعو کیا۔ مناظرہ کے دن مولوی ولایت علی صاحب نے محمد فصیح کی مع ان کے ہمراہیوں کے دعوت کی، بہت سے علماء اور فضلاء اور خاص و عام جمع ہوئے مگر مولانا نے مولوی محمد فصیح صاحب کو علیحدہ کمرے میں لے جا کر بحاضری چند اشخاص ان سے فرمایا کہ میں حنفی المذہب ہوں اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، اگر کوحنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر کسی مسئلہ فقہی کے خلاف عمل کرے تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا

بفحوائے قول امام علیہ الرحمۃ اترکوا قولی بخبر الرسول (میرے قول کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ترک کردو) یہ کلیہ مناظر صاحب کے فہم عالی میں آ گیا اور انہوں نے حق کی طرفداری کرتے ہوئے مجمع عام میں باآواز بلند فرمایا کہ یہ جماعت حق پر ہے۔ احادیث الرسول پر عامل ہونے سے کوئی شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوتا، ہمارا اور ان کا مسلک ایک ہے۔ اس روز جلسہ برخواست ہو گیا مگر جناب مناظرہ صاحب اپنی قیام گاہ محلہ لوہکٹرہ واپس گئے تو ان کے مریدوں اور جن لوگوں نے ان کو دعوت دی تھی سخت خجل اور شرمندہ کیا اور آپ کو دوبارہ برسر عام بحث کرنے پر مجبور کیا اور چند دیگر علماء خصوصاً مولوی واعظ الحق صاحب کو ان کی تائید کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ مولوی محمد فصیح صاحب مع معاونین بحث کے لئے مولوی الٰہی بخش صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ مولانا ولایت علی صاحب نے بحث کے لئے مولوی فیاض علی صاحب کو اور ان کی اعانت کے لئے مولوی حکیم ارادت حسین صاحب کو بھیج دیا۔ حکیم صاحب کتابیں کھول کھول کر مقامات مبحوث عنہ دکھاتے جاتے (۱۵۰) اس مرتبہ بھی مولوی محمد فصیح صاحب نے اعترافِ حق کیا مگر اس بار ضرورتاً مباحث بالاختصار قلمبند کر کے مناظرہ مولوی محمد فصیح صاحب غازی پوری سے اقرارِ دستخطی کرا لئے گئے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ پابند مذہب حنفی اگر بوجہ ترجیح بالدلیل کسی حدیث صحیح غیر منسوخ پر مثل رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ کے عمل کرے تو وہ اپنے امام کے اتباع سے خارج نہیں ہوتا۔ مولانا نے اس مناظرہ میں پہلے اعراض کر کے صرف تفہیم سے کام لیا، مگر جب کور چشموں نے اس کے لئے آپ کو مجبور کیا تو اس کام کو آپ نے خلفاء کے سپرد کر کے خود علیحدہ ہو گئے کیونکہ عموماً مباحثہ کا نتیجہ عناد ہوتا ہے۔ البتہ تفہیم و پابند نرم کے ذریعۂ حق کو گوش گزار کر دینا امید نیک سے عموماً خالی نہیں ہوتا۔

احیاء السنن:

معلوم نہیں آپ کی ذاتِ بابرکت سے کتنی سنتیں جگائیں مگر زمانہ کے تشدد کے لحاظ سے اور صرف وہ جن کے گھر پر برتنے کا موقع ملا قلمبند کی جاتی ہیں۔

مولوی اکبر علی صاحب کی سعی بلیغ سے مولوی الٰہی بخش صاحب بھی مولانا کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ آپ نے خیال لومۃ لائم کو پسِ پشت ڈال کر اپنی صبیہ جمیلۃ النساء بیوہ کا نکاح ثانی مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کر دیا۔ اس صوبہ بہار و بنگال میں یہ پہلا نکاح ثانی تھا، اس لئے اس کا خوب شور و غل مچا، اس کے بعد مولانا نے اس سنت کی خوب ترویج کی، اس کے کچھ عرصہ بعد مولوی اکبر علی صاحب نے فرزند اصغر مولوی الٰہی بخش صاحب نے ہیضہ میں انتقال کیا۔ ان کی بیوہ اہلیہ (بنت شاہ محمد حسین صاحب) کا بعد انقضائے ایام عدت مولوی عنایت علی صاحب سے جو اس وقت ملک بنگال میں تھے، خود مولانا نے نیابتاً ایجاب وقبول کر کے عقدِ ثانی کر دیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ حبش نے حضرت ام المومنین ام حبیبہ بنت ابو سفیان کا نکاح ساتھ جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کر کے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ اسی طرح مولانا نے بھی بعد نکاح اس بزرگ نیک بی بی کو مولوی عنایت علی صاحب کے پاس بنگال بھیج دیا۔ مولانا نے اسی تقریب سعید میں اپنے تمام اہلِ برادری و جملہ مریدان کو دعوت دے کر اس سنت مرحومہ کی ترغیب دی۔ ایک شخص عبد الغنی نگرنہسوی جو زمرۂ مساکین میں سے تھے، ان کا عقد ایک بیوہ عورت سے تعلیم قرآن مہر قرار دے کر کر دیا۔ یہاں کے شریفوں میں زوجہ اولیٰ کے رہتے ہوئے برابر کی جوڑ میں دوسرا عقد کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یعنی تعدد ازدواج بنظر کراہیت دیکھی جاتی تھی۔ (۱۵۱) اس لئے آپ نے مسماۃ رشیدن بنت حکیم احمد علی از محل اولیٰ کا عقد مولوی فرحت حسین غفر اللہٗ سے بموجودگی ان کی زوجۂ اولیٰ کے کر دیا اور اسی طرح حکیم صاحب کی دوسری لڑکی از محل ثانی کا عقد حکیم ارادت حسین صاحب سے بموجودگی زوجۂ اولیٰ ان کے کر دیا اور ان دونوں تقریبوں میں بھی تمام برادری و مریدان کو دعوت دے کر اس سنت کی ترغیب دی۔

سبق آموز تقریریں:

آپ نے اپنے دو صاحبزادوں مولوی عبد اللہ و ہدایت اللہ صاحبان کی اپنے چھوٹے بھائی مولوی

فرحت حسینؒ کی دولڑکیوں کے ساتھ عقد اس سادگی کے ساتھ انجام دیا کہ گھر کے موجودہ کپڑے وہ بھی پیوند لگے ہوئے پہنادیے۔ کوئی نیا کپڑا دولہا دولہن کے لئے تیار نہیں کرایا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تقریب نکاح کیا تھا۔ آپ نے اس سنت کو بھی تقریباً پانچ ہزار کے مجمع میں ادا کیا اور ایک وسیع پیمانہ پر عنایت سادگی کے ساتھ دعوت ولیمہ انجام دیا۔

وعظ یہاں پر آپ کے ان سلسلۂ وعظ کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا قیام وطن میں معمول تھا۔ آپ ہر ہفتہ شبِ سہ شنبہ کو بعد نماز مغرب اپنے مکان میں وعظ فرماتے۔ کمرہ میں ایک جانب پانچ چھ سو عورتیں جمع ہوتیں اور دوسری جانب پانچ چھ ہزار مرد ہوتے، جن میں علماء وفضلاء شامل رہتے۔ آپ کا وعظ عجب پر تاثیر ہوتا کہ لوگوں کا حال دگرگوں ہوجاتا مثلاً قیامت کا بیان ہوتا تو اس کی تصویر سامعین کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی۔

رمضان اور تراویح:

نمازِ تراویح اول دو عشروں تک اول شب میں مسجد میں ہوتی اور عشرہ اخیر کے اخیر شب میں آپ کے مکان کے ایک کمرہ میں ہوتی، ایک طرف مرد اور دوسری طرف (۱۵۲) عورتیں جمع ہوتیں۔ رمضان کی دعا اور تراویح کی شرکت کے واسطے صدہا مرد، عورت دور دراز دیہاتوں سے آتے اور پورے ماہ رمضان یہاں قیام کرتے اور ان کا دو وقتہ کھانا یہیں سے انجام پاتا اور تمام رمضان بوقت افطار بآواز بلند دیر تک دعا ہوتی۔

دورو سیر بغرض تبلیغ:

پٹنہ میں دو برس قیام کے بعد خود لوگوں کی ہدایت کے لئے آپ نے عزم سفر بنگال کیا اور دوران سفر میں قصبات وقریے میں بغرض ہدایت نزول واقامت فرماتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور مولوی بدیع الزماں صاحب بردوانی کو اپنی خلافت عطا کر کے مصری گنج کی مسجد کا امام مقرر کیا اور وہاں سے چل کر دیگر اطراف بنگال میں کچھ عرصہ تک خلق اللہ کی ہدایت میں مشغول رہے۔ اس دورِ سفر میں جب آپ سورج گڑھ میں فروکش ہوئے

تھے، مولانا سید نذیر حسن صاحب دہلوی آپ کے پند ونصائح سے متاثر ہوکر عاشقِ حصولِ علم دینی ہوئے اور جناب شاہ محمد صاحب تموہیہ کی خدمت میں کافیہ مشکوٰۃ اور ترجمہ قرآن پڑھنے کے بعد الٰہ آباد ہوتے ہوئے مولانا شاہ اسحاق صاحب کی خدمت میں دہلی پہنچے اور جہاز پرسوار ہوکر اثناء راہ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نزول فرماتے ہوئے بمبئی پہنچے اور وہاں دو ماہ تک ارشاد و ہدایت میں مشغول رہ کر مولوی عنایت علی صاحب کو وہاں کی خلافت عنایت کر کے جہاز پر سوئے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے اور حسبِ دستور جہاں جہاں جہاز قیام کرتا اتر کر لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہو جاتے چنانچہ ہزارہا عرب آپ کے بیعت سے مشرف ہوئے- مکہ معظمہ پہنچ کر آپ نے عبداللہ سراج محدث سے سندِ حدیث حاصل کی- عبداللہ سراج فرماتے تھے کہ مولانا نے حدیث کے لفظوں کی سند مجھ سے لی اور معانی کی سند میں نے مولانا سے حاصل کی- بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، اسیر، مسقط، حضرموت، بخارا، حدیدہ میں دورسیر کرتے رہے اور قاضی علی شوکانی سے بھی، جن کی ولادت ۱۱۷۷ھ اور وفات ۱۲۵۵ھ میں واقع ہے، سندِ حدیث حاصل کی اور ان کی چند تصنیفات ورۃ البیہہ دغیرہ ان سے لیں اور ملک عرب سے سواری جہاز مراجعت کر کے کلکتہ پہنچے اور پھر بنگال کے دورسیر کرتے ہوئے اور اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت علیؒ کو وہاں سے (۱۵۳) اپنے ہمراہ لے کر عظیم آباد پہنچے-

سرحدی زندگی:

مولانا کے وطن پہنچنے کے بعد سید ضامن شاہ نے مقام بالاکوٹ سے آپ کے پاس لکھا کہ ان دنوں گلاب سنگھ والی کشمیر انہیں سخت پریشان کررہا ہے، آپ خود بوجہ مقامی ضرورتوں کے اس وقت تشریف نہیں لے جا سکے اور ملک بنگال وصوبہ بہار کے لوگوں کی ہدایت میں مصروف رہے اس لئے آپ نے مولوی عنایت علی صاحب کو اس مہم پر بالاکوٹ روانہ کیا اور دو سال بعد آپ بمعیت مولوی فیاض علی، مولوی یحییٰ علی و مولوی اکبر علی و صاحبزادہ کلاں مولوی عبداللہ بارادۂ تائید ونصرت ضامن شاہ بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے

چھوٹے بھائی مولوی فرحت حسین کو یہاں پٹنہ میں اپنا جانشین مقرر کر گئے اور اپنے سب عیال واطفال کو یہیں چھوڑ گئے۔ مقام بالاکوٹ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب تک مولوی عنایت صاحب کارزار میں مصروف ہیں۔

غرض مولانا کے وہاں پہنچتے ہی کل کارخہ مولوی عنایت علی صاحب نے آپ کے سپرد کر دیا اور جملہ مجاہدین نے مولانا کے ہاتھ پر بیعت امارت کر لی۔ غرض آپ ڈیڑھ دو برس تک گلاب سنگھ سے مقابلہ میں مصروف رہے اور گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضہ میں آ گیا۔ اگر چہ اسی کو شکست ہوتی رہی تاہم شروط مصالحت جو مولانا پیش فرماتے تھے، اپنے تعصب وکوتاہ بینی اور غداری کی بناء پر تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ حکومتِ برطانیہ کا اقتدار وتسلط نہایت سرعت کے ساتھ پنجاب میں ہو رہا ہے، چنانچہ جب پنجاب، حکومتِ برطانیہ کے تصرف میں آ گیا تو سرکار انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔

حکومتِ ہند نے مولانا کے پاس خط لکھا کہ گلاب سنگھ سے حکومتِ ہند کا معاہدہ ہے اور اس کی حمایت میں آ گیا ہے۔ لہذا اب اس سے برسر پیکار رہنا حکومتِ ہند سے مقابلہ کرنا ہے اس لئے آپ کنارہ کش ہو گئے۔ بہر کیف شروط صلح یہ تھے ''اگر تو اسلام قبول کرے تو سارے مقبوضات مفتوحہ تجھے واپس اور تیری حمایت میں ہم لوگ حاضر ہیں، ورنہ کم سے کم سرکار انگریزی کے راج کی طرح تو بھی مسلمان رعایا کو شعارِ اسلامی کے ادا کاری میں آزادی دے اور ان پر ظلم کرنے سے باز آ۔'' (۱۵۴)

واپسی اس تحریر کے تھوڑے عرصہ بعد دو افسران مسٹر انگیو اور مسٹر لمبزن تھوڑی فوج کے ساتھ وہاں پہنچ کر ملکیوں کو مجاہدین سے برگشتہ کر دیا اور ایک روز مقرر کر کے سارے مقبوضات مفتوحہ میں غدر کر دیا اور اعمال و اہالیان پولیس نے مجاہدین کا قتل عام کر دیا اور سید ضامن شاہ بھی، جس کی املاک مجاہدین کی برکت وسعی سے واپس مل چکے تھے، بیوفا ہو گیا۔ ناچار آپ حضرات نے ملک سوات سید اکبر شاہ کے پاس جانا چاہا چونکہ راستہ میں انگریزی عملداری پڑتی تھی اس لئے آپ حضرات نے افسران فوج سے راہ داری چاہی اور افسران نے

انگریزی عملداری سے بامن وآمان گزرنے کی تحریری اجازت بھی بھیج دیا مگر جب یہ حضرات مع مجاہدین ولشکر روہیلہ سرکاری عملداری میں پہنچے تو انگریزی افواج نے اس بناء اس کا محاصرہ کرلیا کہ ان افسران کا عہد و پیثار کرنا حکومتِ برطانیہ کی منظوری سے نہ تھا اور وہ تبدیل بھی کر دیئے گئے- آپ حضرات نے اطاعت افسران قبول کرلی اور مع مجاہدین ورہلہ فوج لاہور کی طرف روانہ کر دیئے گئے مگر اثناء راہ میں ایک کثیر تعداد مجاہدین کی خفیہ طور پر فرار ہوگئی اور ملک سوات پہنچ کر مع میر اولاد علی صاحب (امیر وافسر) مجاہدین کی جماعت میں مقام تھانہ جا ملی- مگر آپ دونوں بھائی مع مجاہدین ولشکر و توپ خانہ وسامان جنگ لاہور پہنچے- جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے دو منزل آگے جا کر آپ لوگوں کا اہتمام اور گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور فوج انگریزی کے ہمراہ لاہور لایا اور آپ کی دادِ شجاعت دی اور اندازِ اطاعت ودانشمندی کی خوب تعریف کی اور ضامن شاہ کی حرکتِ بے وفائی پر سخت نفریں ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ کل اسلحہ مع توپخانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے روہلہ فوج کی تنخواہ ادا کر دی جائے اور یہ برخواست کر دی جائیں اور بقیہ پانچ سو ہندی مجاہدین کے آپ دونوں بھائی وطن کو مراجعت کریں- آپ حضرات نے اسے بھی منظور فرمایا- چیف کمشنر نے ایک روز آپ حضرات کی مع مجاہدین کے حکومت کی طرف سے دوسرے روز اپنی طرف سے دعوت کی- تیسرے دن مولوی رجب علی صاحب میر منشی چیف کمشنر پنجاب نے آپ سب لوگوں کی دعوت کی- اس کے بعد اس نے حکومت کے خرچ سے با اہتمام واکرام آپ لوگوں کو مع بقیہ مجاہدین کے پٹنہ تک پہنچا دیا- (۱۵۵)

یہ لوگ پٹنہ پہنچ کر اول کمشنر صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے- کمشنر صاحب نے بڑے تپاک و گرمجوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا اور اندر لے جا کر آپ سے فرمایا کہ گورنمنٹ آپ دونوں بھائیوں سے دو برس کے لئے مچلکہ دو دو سو روپیہ کا چاہتی ہے، آپ لوگوں نے حسب فرمان مچلکہ پر دستخط کر دیئے اور وہاں سے رخصت ہو کر مکان تشریف لائے- اس روز آپ کی زیارت کے لئے تمام شہر بیتاب کمشنر صاحب کی کوٹھی پر قبل

سے حاضر تھا۔(۱۵۶)

تائید غیبی:

آپ کے ہر کام میں آپ کے مرشد سید احمد صاحب کی طرح اللہ کی تائید معلوم ہوتی تھی۔ آپ لوگوں کے زندگی کی غرض وغایت توحید فی الاہیت وتوحید فی الرسالت یعنی لا الہ الا اللہ محمد اعبدہ ورسولہ کی سچی تلقین اور اسی کے تحت میں شعائر اسلام کی عزت وحفاظت تھی۔ آپ نے صرف قادرِ مطلق کے بھروسہ پر ایسی عظیم الشان اور مشکل واہم کام کو اپنے سر لیا تھا جس کا ایک ایک مد خرچ لاکھوں روپے کا محتاج تھا۔ مگر صرف مولانا اور مولانا کے اقرباء کی محدود آمدنی اور لوگوں کے عطیات سارے اخراجات انتظام کی کفیل ہو جاتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ فصل کے وقت غلہ خرید کر کوٹھیوں میں بھر دیتے اور برکت کی دعا فرماتے اور ایسے ہی جب کھانا پک کر تیار ہوتا تو قبل از تقسیم آپ تشریف لا کر(۱۵۷) دیگوں کو اپنے ہاتھ سے کھولتے اور ذرہ ذرہ اس میں سے چکھ کر پس خوردہ کو دیگ میں ڈال کر دیگ کے منہ کو چھپا دیتے اور برکت کی دعا کرتے اور لوگوں کو دیگوں کے منہ کھلا رہنے سے منع کر دیتے، پھر عجیب برکت ظہور میں آتی رہتی۔ آپ کے قافلہ والے بھی اصحاب صفہ کے نمونہ تھے، وہ بھی صابر وشاکر اور ہر حال میں آسودہ نظر آتے کیونکہ سوائے اللہ کی خوشنودی کے دوسری بات پیش نظر نہ تھی۔(۱۵۸)

تصنیف وتالیف:

آپ تصانیف میں ہدایۃ التوحید، رسائل تسعہ (اردو)، رسالہ شجرہ باثمرہ (اردو)، رسالہ دعوت (اردو)، بیان الشرک (اردو)، رسالہ ردِ شرک (فارسی)، رسالہ عمل باالحدیث (فارسی) (۱۵۹) اربعین فی المھدین، رسالہ دعوت، تیسرا الصلوٰۃ وغیرہ۔ آپ ایک مستند اور بلند پایہ محدث تھے۔ مولانا اسماعیل شہید کی رفاقت اور سید احمد صاحب کے فیوض نے خدا کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دیوانہ بنا دیا

تھا۔ ''رسالہ عمل بالحدیث'' سے آپ کی حدیث دانی اور اتباع سنت کا پتہ چلتا ہے۔فرماتے ہیں:

''چوں کثرت سوال یاراں در اتباع احادیث وفقہ بریں فقیر واردمی گشت به دل گفتم که مختصرے یکبار تحریر نمایم وپیش ہر سائلے عرض دارم۔''

یہ رسالہ تین فصلوں میں ہے، پہلی فصل میں فقہ کی تعریف ومحاسن مذکور ہیں، دوسری فصل میں تقلید کے محل جواز وعدم جواز پر مختصر مگر جامع بحث ہے، تیسری فصل میں قرآن وحدیث کی تسہیل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقلدین کا اعتقاد ہے کہ حدیث پر غور وخوض کے بجائے یہی ضروری ہے کہ امام کے قول پر عمل کیا جائے۔اس سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں:

''حالا فن حدیث در تسہیل مثل کتب فقہ شدہ ہر مسئلہ کہ پیش آید در باب آں ملاحظہ مرضی رسول مقبولؐ ظاہر خواہد شد بلکہ از فقہ ہم آسان تر است چرا کہ کتب فقہ بیشمار اند و عالمان مصنفاں ہزار، یک امر اگر در کتابے جائز مافیتہ شود ظن غالب است کہ بہ کتابے دیگر ناجائز نوشتہ باشند، پس بہ گفتہ کدام کس عمل نمودہ آید۔''

اس کے بعد مولانا نے احادیث ناسخ ومنسوخ کی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اول تو ائمہ حدیث نے ناسخ ومنسوخ کی حدیثیں پہلو بہ پہلو جمع کردی ہیں، جس سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ کس حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور بالفرض اگر حدیث ناسخ کا پتہ نہ چلے تو تو بھی منسوخ حدیثیں ایسے آدمی کے نزدیک نسخ کا حکم نہیں رکھتی ہیں۔

آخر میں مولانا نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہوسکتا ہے کہ علمائے اصول نے حدیث کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں۔صحیح وحسن، واحسن، وغریب وموقوف ومرسل، ومقطوع وغیرہ ان تمام اقسام کی تمیز اور شناخت ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔یہ دقت مولانا نے نہایت آسان کردی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ انسان

جہاں تک قیود بڑھاتا جائے گا مشکلات کا سامنا ہوگا، انسان کی بہت سی قسمیں ہوسکتی ہیں لیکن چاہیں تو (۱۶۰) سارے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی سیاہ و سفید اسی طرح حدیث پر عمل کرنے کے لئے سہل تقسیم ہوسکتی ہے یعنی تمام غیر موضوع حدیثیں دو قسم کی ہوسکتی ہیں، قوی و ضعیف، ضعیف وہ ہے جس کے زاویوں کا سلسلہ تو کم نہ ہوا ہو لیکن ان زاویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا حال محفوظ نہ ہو اور قوی وہ ہے کہ رواۃ کم نہ ہوں اور ان کی ثقاہت بھی ثابت ہو، اب قوی کی بھی دو قسمیں ہوسکتی ہیں، اگر حدیث یا اس کے مضمون کو رسول اللہؐ سے چند آدمیوں نے روایت کیا ہو تو متواتر کہیں گے ورنہ غیر متواتر، حدیث متواتر تو نص کلی ہے لیکن غیر متواتر میں صدق کا گمان غالب ہے، ضعیف میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے- اگر ایک مضمون کی تین ضعیف حدیثیں مل جائیں تو وہ منزل قوی کے ہیں، اسی طرح متواتر حدیث سے غیر متواتر کو منسوخ کر سکتے ہیں لیکن حدیث قوی غیر متواتر کے موافق عمل کرنا واجب اور اس کا منکر کافر ہے- (۱۶۱)

وفات:

ماہ محرم ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں وفات پائی اور مقام تھانہ میں مدفون ہوئے- (۱۶۲) زبدۃ الکاملین، قدوۃ العارفین، شمس العلماء حضرت مولانا شاہ محمد سعید محدث عظیم آبادی قدس سرہٗ ساکن محلہ مغلپورہ پٹنہ عربی میں قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے درج ذیل ہے:

ولایت علی العالم المتورع توفی با لمجدۃ للدین ناصر

وھذی الذی قد طالب حیا و میتا فارغ قلبی طاب غاز مھاجر

۶۹ ۱۲ (۱۶۳)

مولانا ظہیر احسن شوق نیموی:

حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیموی اپنے وقت کے جید عالم دین، محدث وقت، میدان شعر و سخن کے

استاد، اردو زبان وادب کے بے مثال مصنف اور فارسی وعربی نظم ونثر کی دنیا کے مانے ہوئے شہسوار تھے۔ آپ کا پیشہ طبابت تھا اور اسی سے روزی کماتے تھے لیکن خدمت دین اسلام اور زبان وادب سے جذباتی لگاؤ تھا کہ دنیا اور حصول دنیا سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ چوالیس سال کی مختصر زندگی کو اسلامی علوم اور اردو، فارسی وعربی زبان وادب کی خدمت میں صرف کر دی اور مختصر سی پر شباب زندگی میں وہ علمی وادبی کام کر دکھایا جو اپنی مثال آپ ہے۔

صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں ایک بستی نیمی ہے جس کو عرف عام میں نیمی سالار پور کہتے ہیں۔ دراصل نیمی اور سالا پور دو مختلف بستیاں قریب قریب واقع ہیں اور ان دونوں بستیوں کے رہنے والے اپنے آپ کو نیمی سالار پور کا باسی بتاتے ہیں۔ موضع نیمی ایک خوبصورت اور پر فضا مقام ہے۔ یہاں ایک بڑا تالاب ہے جس کے ایک کنارے پر نیمی آباد ہے اور دوسرے کنارے پر موضع ممن پور (مومن پور) اور میاں چک دو اور بستیاں ہیں جو دراصل نیمی کے محلے ہیں۔ یہ تینوں بستیاں یار غار رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلفیہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے آباد ہیں۔

یہاں کے مسلمان اپنے آپ کو شیخ صدیقی کہلاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہاں کئی مایہ ناز اور صاحب کشف وکرامات بزرگوں کے مزارات ہیں جن میں حضرت سید شاہ اکبر علیؒ، حضرت مخدوم شہید بخشؒ، حضرت مخدوم پیر از غیبؒ اور حضرت مخدوم شیخ ابوالبرکات وغیرہم ہیں۔ حضرت سید شاہ اکبر علی کے ذریعے نیمی میں بیعت وارشاد کا سلسلہ کافی زمانہ تک جاری رہا۔ نیمی میں بڑے بڑے علمائے وقت اور فضلاء بھی پیدا ہوئے۔ (۱۶۴)

ولادت:

مولانا ظہیر احسن بن شیخ سبحان علی بن شیخ دھومن ۴ جمادی الاولیٰ بروز بدھ ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء کو صالح پور

ضلع پٹنہ، موجودہ ضلع نالندہ میں اپنی خالہ کے یہاں پیدا ہوئے- آپ کی کنیت ابوالخیر اور ظہیر الاسلام مادہ تاریخ قرار پایا ہے اور شوق تخلص تھا- آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے-(١٦٥)

سلسلۂ نسب:

علامہ شوق نیموی کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، انہوں نے اپنا شجرۂ نسب اس طرح تحریر کیا ہے:

''محمد ظہیر احسن بن شیخ سبحان علی بن شیخ دھومن بن شیخ فتح علی بن شیخ محمد وزیر بن شیخ محمد ولی بن شیخ غلام بدر بن شیخ عبدالہادی بن شیخ نصیر بن شیخ محمد صالح بن شیخ ضیاء اللہ بن شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ عبداللہ بن شیخ نوراللہ بن شیخ محمد زاہد قدس سرہٗ-(١٦٦) بن شیخ محمد عابد صدیقی بن شیخ اسماعیل بن شیخ ابراہیم بن عبدالسلام بن عبدالغفار بن عبدالرزاق بن عبدالعزیز بن عثمان بن سالم بن سعید بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدالحمید بن جعفر بن یحییٰ بن عبداللہ بن عیسیٰ بن خلیل بن عاصم بن قاسم بن علی بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم-''(١٦٧)

ابتدائی تعلیم وتربیت:

علامہ نیموی کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہوئی، پانچ چھ برس کے ہوئے تو بسم اللہ شروع ہوئی اور مکتب میں بٹھائے گئے، فارسی کی دو چار کتابوں کے بعد عربی شروع کر دی، مختلف معلمین نے انہیں پڑھایا لیکن کسی معلم سے مار کھانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ بچپن ہی سے نہایت محنتی، مہذب اور تربیت یافتہ تھے-

شعری ذوق:

قدرت نے علامہ شوق نیموی کو شعری ذوق فطری طور پر ودیعت کی تھی- ابھی وہ نہایت کم سن تھے کہ فی البدیہہ اشعار موزوں کر لیتے تھے- اردو اور فارسی کے سینکڑوں اشعار انہیں زبانی یاد تھے-(١٦٨)

پٹنہ اور غازی پور کا تعلیمی سفر:

فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد علامہ نیموی کو شوق ہوا کہ اب دوسرے علمی مراکز میں پہنچ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی جائے اور علم کی تشنگی بجھائی جائے چنانچہ اس غرض سے سب سے پہلے وہ پٹنہ (عظیم آباد) پہنچے اور شمس العلماء مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے بھی ہونہار طالب علم کی عزت افزائی کی (۱۶۹) اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ علامہ نیموی وہاں کئی سال رہے، کچھ کتابیں مولانا حسرت عظیم آبادی سے اور کچھ کتابیں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں لیکن ان کی سیری یہاں بھی نہ ہوئی اور پھر کسی دوسرے بڑے علمی مرکز میں جانے کا ارادہ کیا چنانچہ اس کے بعد غازی پور گئے جہاں مولانا مفتی محمد فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۵ھ) نے مدرسہ چشمۂ رحمت قائم کیا تھا اور پورے ملک میں ان کے علم و فضل کا شہرہ تھا۔ ان کے یہاں دو چار روز قیام کیا۔ اس کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت میں داخلہ لے لیا۔ (۱۷۰)

شوق تخلص:

جن دنوں علامہ شوق نیموی غازی پور میں زیر تعلیم تھے اسی زمانے میں منشی سید محمد شفیع سے ان کی دوستی ہوگئی تھی جو استھانواں (ضلع پٹنہ) کے باشندے تھے، موج تخلص کرتے تھے، نوآموز شاعر تھے اور مولانا شمشاد لکھنوی سے اپنے کلام کی اصلاح لیتے تھے، اسی زمانے میں میرزا کرحسین ہنر غازی پور نے یہ طرح دی:

جامہ ہستی میرے تن پر بہت بوسیدہ ہے

اور اس زمین میں شعر کہنے کی ہدایت کی چنانچہ سید محمد شفیع موج نے غزل کہنی شروع کی اور علامہ نیموی سے اصرار کیا کہ وہ بھی کوئی غزل کہیں چنانچہ علامہ نیموی نے اپنا تخلص شوق رکھ کر اس زمین میں غزل کہی۔ (۱۷۱)

شمشاد لکھنوی کی شاگردی:

علامہ نیموی نے یہ غزل:

سوز غم آبلہ اپنا دل تفتیدہ ہے　　اور سارا جسم شکل موئے آتش دیدہ ہے

کہہ کر اپنے احباب کو سنائی، جنہوں نے اس کی نہایت تعریف کی- ۱۵ شوال المکرّم ۱۲۹۶ھ کو غازی پور میں ایک مشاعرہ ہونے والا تھا، سید محمد شفیع موج نے علامہ نیموی کو مشاعرہ میں شریک ہونے اور مذکورہ غزل پڑھنے کی درخواست کی لیکن مولانا نیموی نے چونکہ اس وقت تک کسی استاد کو اپنا کلام (۱۷۲) نہیں دکھایا تھا اور نہ اصلاح لی تھی اس لئے معذرت کی اور اصلاح کے بغیر اپنی غزل سنانا مناسب نہیں سمجھا-

موج نے حضرت شمشاد لکھنوی سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا چنانچہ انہیں کے مشورہ پر علامہ نیموی اپنی یہ غزل لے کر شمشاد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصلاح کی درخواست کی، حضرت شمشاد لکھنوی نے کمال شفقت کے ساتھ ان کی غزل دیکھی اور اصلاح کر کے واپس کر دی- اس سے علامہ نیموی کی نہایت ہمت افزائی ہوئی اور اس طرح وہ شعر گوئی میں حضرت شمشاد لکھنوی کے باضابطہ شاگرد ہو گئے-

ادبی ذوق مطالعہ:

علامہ نیموی بچپن سے لکھنے پڑھنے کے نہایت شوقین تھے- عربی، فارسی، اردو کی جو کتاب ہاتھ آ جاتی اس کا نہایت انہماک اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے، کبھی کبھی دو دو بجے رات تک کتب بینی میں مصروف ہوتے-(۱۷۳)

حضرت تسلیم لکھنوی کی شاگردی:

حضرت تسلیم لکھنوی کی ایک مثنوی ''شام غریباں'' علامہ نیموی کی نظر سے گزری، اس کے طرز ادا اور اسلوب بیان سے علامہ نیموی نہایت (۱۷۴) متاثر ہوئے، پھر ان کے ایک دوسرے کے یہاں حضرت تسلیم

کی کلیات مل گئی، اس کا بغائر مطالعہ کیا اور ان کی شعر وادبی خوبی کے قائل ہو گئے۔ ارادہ کیا ان کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو جائیں چنانچہ ان کا پتا معلوم کر کے ان کی خدمت میں اپنی چند غزلیں اصلاح کے لئے بھیجیں، حضرت تسلیم نے وہ غزلیں دیکھیں اور اصلاح کر کے واپس کر دیں، اس روز سے علامہ نیموی حضرت تسلیم لکھنوی کے باضابطہ شاگرد ہو گئے۔

نکاح:

علامہ شوق نیموی ابھی غازی پور میں زیر تعلیم ہی تھے کہ ان کی شادی کا دن مقرر ہو گیا اور بالآخر ۱۲ جمادی الآمر ۱۳۰۰ھ کو علامہ نیموی کے خالو شیخ بشارت علی کی بڑی لڑکی سے عقد ہو گیا، شمس العلماء حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی نے اس موقع کی مناسبت سے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا:

مشفق مولوی ظہیر احسن کتخدا گشت چون بفضل خدا
سال تاریخ شد بروئے جمیل ازدواج ظہیر احسن ما

لکھنؤ تعلیمی سفر:

جب علامہ شوق نیموی کو غازی پور کی تعلیم سے کچھ سیری ہوئی تو ارادہ کیا کہ اب لکھنؤ چلنا چاہیے اور وہاں کے اجلۂ اساتذہ سے مستفید ہونا چاہیے۔ چنانچہ ۱۳۰۰ھ کے کسی مہینہ میں گھر سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر ہندوستان کے مشہور عالم حدیث مولانا عبدالحیٔ فرنگی ۱۳۰۴ھ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان کی خدمت میں (۵۷۱) رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل میں مصروف ہو گئے، اس کے علاوہ فن طباعت سے بھی دلچسپی تھی اس لئے اس کی تعلیم حکیم سید باقر حسین ساکن محلہ پاٹا نالہ سے حاصل کرنے لگے۔ تقریباً چار پانچ برس تک لکھنؤ میں مقیم رہے اور وہاں کے اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوئے۔ اختتام تعلیم کے بعد نہایت کامیابی کے ساتھ گھر واپس ہوئے۔

اولاد:

علامہ شوق نیموی نے دوشادیاں کی تھیں، پہلی شادی ان کی خالہ زاد بہن سے ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ میں ہوئی تھی جن کا نام غالباً مخدومن تھا، ان سے دو اولاد پیدا ہوئی تھیں، ایک لڑکی جس کا نام کسی کو معلوم نہ ہوسکا اور دوسرے مولانا عبدالرشید فوقانی، دوسری شادی ان کی چچازاد بہن سے ہوئی تھی، جو بیوہ ہوچکی تھیں، ان سے ایک لڑکا عبدالسلام نامی پیدا ہوا تھا، جو زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکا۔(۷۶)

شاعری میں آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں اختر، بسمل، بشیر، خیر، نظیر، تفسیر، راغب، شاغل، شفق، طالب، عرشی، کامل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تصنیف وتالیف:

مولانا کو زمانہ طالب علمی ہی سے تصنیف وتالیف سے دلچسپی رہی چنانچہ ازاحۃ الاغلاط، اصلاح اور نغمۂ راز زمانہ طالب علمی کی یادگاریں ہیں۔فراغت کے بعد جو کتابیں تصنیف کیں ان میں سرمۂ تحقیق، دیوان شوق، مثنوی سوز وگداز، یادگار وطن، سیر بنگال، ادب میں اوشحۃ المجید فی اثبات التقلید، حبل المتین، ردا السالکین، جلاء العینین فی رفع الیدین، جامع الاثار فی صلوٰۃ الجمعۃ فی القری، لامع الانوار فی نظر المختار، مقالہ کاملہ، المجلی فی رد قول المحلی، وسیلۃ العقبی، تبیان التحقیق، آثار السنن، مذہبیات میں اور التعلیق الحسن، تعلیق التطیق، الاتحاف، لمذہب الاحناف، القول الحسن، شروح وحواشی قابل ذکر ہیں۔(۷۷)

اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید:

یہ کتاب قومی پریس لکھنؤ سے چھپی جو ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ دراصل فقہ اسلامی کی مختصر تاریخ ہے چونکہ غیر مقلدین علمائے آئمہ اربعہ کی تقلید کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کی تقلید کو ضلالت اور گمراہی قرار دے رہے تھے اور ان کی علمی ودینی مقام کہاں تک اعلیٰ وارفع ہے چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر علامہ نیموی نے اوشحۃ

الجید فی ثبات التقلید نامی کتاب لکھی-(۱۷۸)

(ا) اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید:-مطبوعہ مطبع قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء، تعداد صفحات ۱۱۰اور سائز ۲۳x۱۵ سینٹی میٹر-موضوع نام سے ظاہر ہے، تقلید کے جواز میں کتاب وسنت اور فقہا کے اقوال سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں-(۱۷۹)

(ب) الحبل المتین فی الاخفاء بآئین:-ایک فقہی مسئلہ ہے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد باآواز بلند آمین کہے یا آہستہ-امام شافعی اور علمائے اہل حدیث کے یہاں آمین باآواز بلند کہنا چاہئے لیکن امام ابوحنیفہ کے یہاں آہستہ کہنا زیادہ بہتر ہے-یہ کتاب امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید میں لکھی گئی ہے اور اس کے لئے احادیث صحیحہ آثار صحابہ اور علماء کے اقوال وافعال پیش کئے گئے ہیں اور اپنی بات نہایت مدلل اور محققانہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے- اس موضوع پر یہ نہایت مفید اور معلومات کتاب ہے-(۱۸۰) الحبل المتین فی الاخفاء بآئین مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، تعداد صفحات ۲۷ (ناقص الآخر) اور سائز ۲۴x۱۵ سینٹی میٹر، موضوع: احادیث کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اخفائے آمین مستحب ہے-(۱۸۱)

(پ) ردالسکین:- حبل المتین نامی کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو احناف کے حلقہ میں اس کی کافی پذیرائی ہوئی لیکن اہل حدیث طبقہ میں کافی برہمی اور بے چینی کا اضہار کیا گیا-

چنانچہ مولانا محمد سعید بنارسی نے اس کی رد میں سکین نامی ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے مختلف اعتراضات کئے اور حب المتین کے بعد حوالوں کو غلط قرار دیا-احناف کی طرف سے اس کا جواب دینا اور اس کے حوالہ جات کو صحیح ثابت کرنا نہایت ضروری تھا چنانچہ علامہ نیموی نے خود ہی اس کے جواب کے لئے قلم اٹھایا اور نہایت فاضلانہ اور محققانہ انداز میں اس کا جواب دیا، اس کا نام ردالسکین رکھا-(۱۸۲)

ردالسکین مطبوعہ قومی پریس لکھنو، سنہ طبع ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، تعداد صفحات ۱۸، سائز ۱/۲ ۲۲x۵ سینٹی میٹر، موضوع رسالہ حبل المتین کے جواب میں مولوی سعید صاحب بناری نے ایک رسالہ بنام السکین لکھا تھا، اسی کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور اخفائے آمین کی تائید میں مزید دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔(۱۸۳)

(ت) جلاء العین مع الدة الغره فی وضع الیدین علیٰ الصدرد و تحت السره :- فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ حالت نماز میں رکوع اور قیام کے وقت ہاتھ اٹھایا جائے یا نہیں شوافع اور علمائے اہل حدیث کے نزدیک ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ یہ رسالہ احناف کی تائید میں لکھا گیا ہے اور مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ ہاتھ اٹھانا ہی مستحب ہے، اس کے لئے احادیث، آثار صحابہ اور علماء کے اقوال واعمال پیش کئے گئے ہیں۔(۱۸۴) جلاء العین مع الدة الغرفه فی وضع الیدین علیٰ الصدرد و تحت السره۔ مطبوعہ جدید پریس گزری پٹنہ سیٹی باردوم، تعداد صفحات ۳۶ اور سائز ۲۴x۱۵ سینٹی میٹر، سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن بقول مولینا فوقانی نیموی پہلی بار یہ رسالہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں چھپا تھا۔ موضوع، کتاب وسنت کی روشنی میں ترک رفع یدین کو صحیح اور جائز ثابت کیا گیا ہے۔(۱۸۵)

(ٹ) مقالہ کاملہ :- مقالہ کاملہ مطبوعہ قومی پریس لکھنو، سنہ طبع ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء، تعداد صفحات ۲۷ اور سائز ۱/۲ ۲۳x۱۵ سینٹی میٹر،(۱۸۶)، موضوع، یہ رسالہ الاجوبة الفاخرة الفاضلہ مصنفہ حکیم محمد علی اعظمی کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ حکیم محمد علی نے اپنی کتاب میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی پر کچھ اعتراضات کئے تھے اور اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ پر بھی تنقید کی تھی، چونکہ علامہ نیموی حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج کے مرید خاص اور معتقد تھے(۱۸۷) اس لئے انہوں نے الاجوبة الفاخرہ کا جواب لکھا اور المقالة الكاملہ اس کا نام رکھا۔ اس رسالے میں انہوں نے نہ صرف معترض کے اعتراضات کے جوابات دیئے بلکہ اس ضمن میں بہت سارے علمی مباحث بھی پیش کئے ہیں، خاص طور پر بیعت وارادت تصور

شیخ کرامت اور کشف وغیرہ کے متعلق مفید معلومات تحریر کیں ہیں- احادیث، آثار صحابہ اور علماء کے افعال و اعمال بیان کر کے اپنی باتوں کو مدلل طور پر پیش کیا ہے- امام ابو حنیفہؒ کے سلسلے میں جو اعتراضات کئے گئے ان کا بھی مدلل جواب دیا ہے-(۱۸۸)

(ث) وسیلۃ العقبیٰ :- یہ فارسی زبان میں ایک رسالہ ہے جس میں مرض اور موت سے متعلق ضروری باتیں تحریر کی گئی ہیں- مرض سے متعلق جو احادیث ہیں اور جن متعدی امراض سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے وہ سب احادیث پیش کی گئی ہیں- اس کے علاوہ موت کیا ہے، شرعی لحاظ سے اس کا مقام کیا ہے، روزانہ موت کو یاد کرنے سے دل پر کیا اثر پڑتا ہے اور شرعی لحاظ سے اس کا کتنا ثواب ہے، قرآن نے موت کی غرض و غایت کیا بتائی ہے، یہ تمام امور زیر بحث لائے گئے ہیں اور پوری تفصیل کے ساتھ ان تمام امور پر روشنی ڈالی گئی ہے-(۱۸۹)

(ج) تبصرۃ الانظار فی رد تنویر الابصار :- مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء، تعداد صفحات تین اور سائز- ۲۳۰x۱۴ اسینٹی میٹر، موضوع، ایک رسالہ تنویر الابصار کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور اس کی اشاعت مولانا کے سفر نامۂ بنگال بہ نام سیر بنگال کے ساتھ ہوئی ہے-(۱۹۰)

(چ) تبیان التحقیق :- یہ رسالہ ضخامت کے لحاظ سے علامہ نیموی کی تصانیف میں سب سے کم یعنی ۹ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن قدر و قیمت اور اہمیت کے لحاظ سے پچھلی تمام تصانیف میں سے زیادہ گرانقدر اور اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آثار السنن میں بعض احادیث کے سلسلہ میں علامہ نیموی کی جو منفرد اور نادر تحقیقات ملتی ہیں ان میں سے زیادہ تحقیقات اس مختصر رسالے میں جمع کر دی گئی ہیں-(۱۹۱)

(ح) آثار السنن :- علامہ شوق نیموی فقہ کے ساتھ فن حدیث کے بھی بہت بڑے عالم

تھے-اس فن میں ایک الگ کتاب مرتب کی جو آثار السنن کے نام سے مشہور ہے اور ان کی تمام مذہبی تصنیفات میں سب سے زیادہ اہم اور قابل قدر ہے چونکہ فن حدیث میں اس کتاب کو نہایت اونچا مقام حاصل ہے اور علامہ نیموی کی شاہکار تالیف ہے-

آثار السنن دراصل احادیث کا ایک مجموعہ ہے جن میں ایسی صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں جو مسلک احناف کی موئد ہیں- یہ کتاب قومی پریس لکھنؤ سے ۱۳۱۸ھ میں چھپی جو ۳۱۱ صفحات پر مشتمل ہے-(۱۹۲)

علامہ شوق نیموی کا خاص فن علم حدیث ہے جس میں انہیں شہرت حاصل ہے-(۱۹۳)

(خ) تزئیل دربیان تقبیل:- یہ تین صفحات کا مختصر رسالہ مقالہ کاملہ کے ساتھ شائع ہوا ہے-(۱۹۴) اس میں بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز میں کتاب وسنت اور فقہا کے اقوال سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں-

(د) تــــردیــد السیف :-مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، تعداد صفحات ۱۸ اور سائز ۲۴x۱۵ سینٹی میٹر، موضوع، رد السکین کی تردید میں مولوی محمد سعید صاحب بنارسی نے ایک رسالہ ''سیف الوجدین علے غسق رد السکین'' کے نام سے شائع کیا، اس کے جواب میں مولانا نے یہ رسالہ لکھ کر اپنے ایک شاگرد بسمل عظیم آبادی کے نام سے چھپوایا، اس رسالے کا پورا نام تردید السیف الی راس اہل الحیف ہے-(۱۹۵)

(ڈ) الـمـجلّٰے فـی رد الـقـوال الـمـجلّٰے :- مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء، تعداد صفحات ۲۶ اور سائز ۲۴x۱۵ سینٹی میٹر، موضوع، جلاء العین کے جواب میں مولوی محمد علی ساکن موضوع اعظم گڑھ نے ایک رسالہ بنام القول المجتٰے بکل زین لکھ کر چھپوایا- یہ رسالہ اسی کی تردید میں لکھا گیا ہے اور ترک رفع یدین کی تائید میں مزید دلیلیں پیش کی گئیں-

(ذ) ضیاء العین فی رد ازالۃ الشین :- یہ آٹھ صفحات کا رسالہ المجلّٰی کے ساتھ ہی چھپا ہے- دراصل القول المجلّٰی کے ساتھ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی کا ایک مختصر سا رسالہ جلاء العین کے جواب میں ازالۃ الشین کے نام سے چھپا تھا، اسی کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا-

(س) الکلام المستحسن فی رد التعقب الحسن :- مولیٰنا شوق نیموی نے رسالہ جلاء العین کے ساتھ ایک مختصر عربی رسالہ بنام تبیان التحقیق شائع کیا تھا جس میں بقول خود مختلف مباحث مفیدہ درج کئے تھے- اس کے جواب میں بھی مولف القوال المجلّٰی نے ایک رسالہ بنام التعقب الحسن علی المولوی ظہیر احسن کے نام سے لکھ کر القول المجلّٰی ہے کے ساتھ شائع کیا تھا- مولیٰنا نے اس کے جواب میں یہ پانچ صفحات کا رسالہ لکھا ہے اور اسے المجلّٰی کے ساتھ ہی شائع کیا-

(ش) جامع الآثار فی اختصاص الجمعہ بالامصار:- مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سن طبع ۱۳۱۵ھ/۱۹۰۰ء، تعداد صفحات ۱۶، سائز ۲/۱، ۸۲۳، ۲/۱، ۱۵ سینٹی میٹر، موضوع معتبر احادیث اور فقہائے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ قصبات میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، کتاب کے آخر میں اس دور کے متعدد علمائے اہل سنت والجماعت کے تائیدی بیانات درج ہیں-

(ص) لامع الانوار :- مطبوعہ احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء، ایک رسالہ مذہب المختار کے نام سے شائع ہوا تھا، اسی کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور جامع الآثار کی تائید میں مزید دلیلیں فراہم کی گئی ہیں-(۱۹۶)

وفات:

علامہ شوق نیموی کی چوالیس سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ بمطابق ۲۵ نومبر ۱۹۰۴ء میں وفات ہوئی- وفات شاہ کی املی پٹنہ سٹی میں ہوئی، نعش وطن نیمی لے جائی گئی اور وہیں سنیچر کے دن دفن کئے گئے-(۱۹۷)

مولانا احمد اللہ صادق پوری:-

مولانا احمد اللہ کا سابق نام احمد بخش تھا- آپ مولوی الٰہی بخش جعفری کے صاحبزادے تھے- آپ کی ولادت ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں ہوئی- والد نے آپ کا نام احمد بخش اور آپ کے بھائی کا نام ولی بخش رکھا، جب حضرت سید احمد شہید بریلویؒ پٹنہ تشریف لائے تو آپ کے والد نے حضرت سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے مکان پر مدعو کیا، تو آپ نے دونوں کا نام بدل کر احمد اللہ اور ولی اللہ رکھ دیا- (۱۹۸)

آپ کی شادی ساتھ مسماۃ بصیرن صبیہ کلاں حضرت جناب شاہ محمد حسین قدس سرہٗ ساکن محلّہ تموہیہ کے ہوئی اور اس نکاح کو حضرت سید احمد صاحب قدس سرہٗ نے پڑھایا- آپ نے ابتدائی کتب صرف ونحو جناب مولانا ولایت علی علیہ الرحمتہ سے پڑھیں، مولانا جب واسطے تکمیل علم کے لکھنؤ تشریف لے گئے تب آپ نے جناب منور علی صاحب ساکن آرہ شاہ آباد سے پڑھا، بعد اس کے ایک اور عالم سے جو عظیم آباد میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فراغ حاصل کیا، بعد اس کے درس وتدریس میں مصروف ہوئے، آپ کے برادران مولانا فیاض علی ومولانا یحیٰی علی ومولانا اکبر علی علیہم الرحمتہ نے آپ ہی سے پڑھا اور جناب حکیم مولوی ارادت حسین و جناب حکیم مولوی وجاہت حسین مرحوم نے بھی درسی کتابیں آپ ہی سے ختم کیں- جناب اخی الاعظم حضرت استادی حکیم مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم، جو آپ کے خلف اکبر تھے، انہوں نے بھی آپ ہی سے فراغ حاصل کیا-

آپ نے سند حدیث کی جانب مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ سے لی، آپ جامع، معقول ونقول تھے اور نہایت ذہین و ذکی اور بہت عقیل ولبیب- ایک زمانہ آپ کی فہم وفراست وکیاست کا قائل تھا، آپ روسائے عظام میں سے عظیم آباد کے تھے- ساتھ ہی اس کے نہایت منکسر المزاج وغریب پرور اور کنبہ پرور تھے- عزیزوں کی تعلیم وتربیت اور نظم مواضعات ومعاش کا بار گراں نہایت فراخدلی اور خلوص کے ساتھ

برداشت کرتے ۔صاحب خلق عظیم، ہردلعزیز، ذی مروت وسخاوت تھے۔ہمت ودلیری وحمیت وہمدردی قومی وحب وطن یہ خاص آپ کا حصہ تھا۔(۱۹۹)

انسان کو بحیثیت انسانی جو کچھ اوصاف چاہئیں ان کا مجموعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنایا تھا۔حق پسندی و بہی خواہی عامہ بنی آدم خاص آپ کا شیوہ تھا۔ بہبودی خلائق و رفاہ عام میں آپ جان و مال سے دریغ نہ فرماتے، تمام شہر آپ کو اپنا بہی خواہ وسرپرست سمجھتا اور آپ سے تمام جزئی وکلی امور میں مشورہ لیتا۔آپ الولد سر لابیہ کے پورے مصداق تھے بلکہ بدر جہا زیادہ۔آپ کی عقل ودانش کا اس قدر شہرہ تھا کہ حکومت برطانیہ بھی آپ سے اکثر رفاہ عامہ کے باب میں مشورہ لیا کرتی۔آپ ممبر کمیٹی برابر رہا کرتے تھے، آپ حکام رس تھے اور جلسہ وائسرائے بہادر میں درجۂ اول شمار ہوتے تھے۔

اکثر وہ مقدمات جو رعایا و گورنمنٹ کے مابین بابت تکرار کسی اراضی کے ہوتا یعنی وہ اراضی جو گورنمنٹ کو رعیت سے خریدنی منظور ہوتی اس کی قیمت کا فیصلہ آپ ہی کے سپرد ہوتا اور آپ اس خوبی سے فیصلہ فرماتے کہ حاکم ومحکوم دونوں رضامند ہو جاتے۔جب انکم ٹیکس کا نیا نیا بندوبست حکومت کی طرف سے شروع ہوا، اس وقت چار اسیر دو ہندو اور دو مسلمان نہایت امانتدار و دیانتدار منتخب کر کے سرکار کی طرف سے اس میں مقرر کئے گئے، آپ کا اس میں نمبر اول تھا۔آپ کی ہرگز خواہش نہ تھی کہ اس نوکری کو قبول کریں مگر حکام کے اصرار اور احبہ واعزہ کی فہمائش سے آپ نے چار و ناچار قبول کیا اور اس خوبی سے آپ نے اس کو انجام دیا کہ حکام و رعیت دونوں آپ کے ثناء خواں رہے۔آپ مقدمات دورہ میں جب کبھی بلائے جاتے اور اختلاف رائے جج سے اگر آپ کو ہو جاتا تو آپ ہی کی رائے پر مقدمہ صدر سے فیصلہ ہوتا۔آپ کی تحریر ان مقدمات کے فیصلہ میں ایسی مدلل اور زور دار آور ہوتی کہ حکومت اس کو بخوشی قبول کرتی۔انہیں وجوہات سے بعض نو دولت رئیس شہر آپ سے حسد وعناد رکھتے تھے کیونکہ آپ کی موجودگی میں ان ناتعلیم یافتہ اشخاص کی کوئی بات گورنمنٹ کے

سامنے پیش رفت نہ پاتی اور مثل مار و پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے۔(۲۰۰) لیکن پھر بھی مانند کژدم......شعر:

نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این است

جب کسی حاکم کو سیدھا سادا پاتے نیش زنی اور جھوٹ چغلی سے باز نہیں آتے، آپ کو آخر عمر میں بوجہ معذوری حضرت جناب مولوی الٰہی بخش مرحوم کے امور خانہ داری و کثرت ارباب ملاقات وانجام دہی امور مفوضہ گورنمنٹ سے فرصت نہ ملنے لگی، تب آپ نے درس و تدریس کا شغل ترک کیا، اس کو حوالہ اپنے برادران وفرزندان کے کیا۔ آپ کے اخلاق حمیدہ ایسے عام تھے کہ ہر خرد و کلاں ہندو مسلمان، سنی و شیعہ مثل پروانہ آپ کے ساتھ محبت والفت و جاں نثاری کا دم بھرتا، چنانچہ جناب سید لطف علی خاں صاحب مرحوم رئیس پٹنہ و جناب نواب محمد تقی خاں صاحب رئیس مظفر پور و جناب مولوی سید اعظم الدین حسین خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر وغیرہ صاحبان باوجود مذہب شیعہ ہونے کے آپ کے ساتھ محبت قلبی والفت ولی رکھتے تھے مگر وہی چند نو دولت، بے علم، جاہل کہ جن کی جبلت میں شر و فساد تھا اور جن کی آنکھیں مانند موشکِ کور کے شعاع شمس سے چندھیاتی تھیں اور نور بصیرت سے محض بے بہرہ تھیں، وہ ہمیشہ اپنے فکر میں درپئے آزار آپ کے رہے اور جب کبھی کسی حاکم کو کن پتلا پایا اپنی نیشن زنی سے باز نہ آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جبکہ ہندوستان میں غدر ہوا، اس وقت پٹنہ میں ولیم ٹیلر صاحب بہادر کمشنر تھے، صاحب موصوف کا مزاج ہندوستان کے غدر کے حالات اور بگڑی ہوئی پلٹنوں کے سپاہیوں کی تعدی وظلم و نمک حرامی کی کیفیت سن سن کر نہایت محل برافروختہ ہو رہا تھا، ایسی حالت میں ان رئیسوں نے جو بظاہر جامۂ انسانی میں تھے اور باطن میں سخت خونخوار درندہ تھے، موقع پا کر صاحب موصوف کو بہکایا اور ورغلا کر اور کذب و دروغ باتیں پہنچا کر جناب ممدوح کی طرف سے بدظن کر دیا اور ادھر راجہ کنور سنگھ ساکن جگدیش پور ضلع شاہ آباد نے بھی بغاوت اختیار کی۔

وہابی تحریک کے سلسلے میں آپ (مولانا احمد اللہ) بھی تین ماہ تک نظر بند رہے اور رہائی ملی، پھر

۱۲۸۱ھ میں دوبارہ گرفتار ہوئے اور جزیدہ انڈیمان کالا پانی میں حبس دوام کا حکم ہوا، اس کے باوجود مولانا احمد اللہ نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے اس کو قبول کیا، بالآخر قید کر کے پورٹ بلیر انڈیمان بھیج دیئے گئے۔

وفات:

اٹھارہ برس تکلیف ومصیبت میں زندگی بسر کر کے قید خانہ میں ہی ۲۸ ذی الحجہ ھ/۱۸۸۰ء میں وفات پائی۔(۲۰۱) تاریخ وفات از نتائج فکر جناب مولانا محمد سعید قدس سرہٗ

بتاریخ فوتش ندا کرد ہاتف رہا گشتنِ مومن از سجن دنیا

۱۲۸۹ھ (۲۰۲)

مولانا آل احمد پھلواروی:

شیخ عالم محدث آل احمد بن امام بن نعمت اللہ بن مجیب اللہ جعفری پھلواروی، پھلواری شریف میں ۷ رمضان المبارک ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد سے علم حاصل کیا۔(۲۰۳)

اپنے جد امجد شیخ العالمین شاہ محمد نعمت اللہ قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بستم جمادی الثانی ۱۲۴۰ھ میں بیعت کی۔ شیوخ حرمین شریفین سے تحصیل علم حدیث کا ذوق پیدا ہوا اور یہ جذبہ لے کر ۱۳ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ میں بلا اطلاع پوشیدہ طریقہ پر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور سیدھے کلکتہ پہنچے، ایک سال کلکتہ میں مقیم رہنے کے بعد ۲۷ رجب ۱۲۴۴ھ میں جہاز پر سوار ہو کو عازم حجاز ہوئے اور کامل تین سال حرمین شریفین میں مقیم رہ کر شیوخ حرمین سے سند حدیث حاصل کی۔

شیوخ حدیث:

آپ کے شیوخ حدیث میں، حضرت شیخ محمد یحییٰ الشنقیطی و شیخ عبد الجلیل بن عبد السلام برادہ و علامہ سید احمد زینی وحلان، وعلامہ ارتضٰی گو پاموئی، و دیگر شیوخ حرمین شریفین ہیں۔ ۱۲۴۷ھ میں آپ نے پھر

ہندوستان کا قصد کیا اور حیدرآباد پہنچ کر مولانا شجاع الدین صاحب کے مدرسہ میں مدرس ہوئے اور چار سال تک درس دیتے رہے۔

مولانا شجاع الدین حضرت محمد ابن حنفیہؓ کی اولاد سے تھے اور مولانا رفیع الدین قندھاری کے شاگرد تھے۔

حضرت فرد قدس سرہٗ سے غائبانہ مراسم بذریعہ مراسلات تھے، مولانا آل احمد نے ان سے بھی حدیث کی سند لی ہے۔ چار سال حیدرآباد میں قیام کرنے کے بعد ۱۲۵۱ھ میں آپ پھلواری شریف واپس تشریف لائے اور اپنے عم محترم حضرت فرد قدس سرہٗ سے استفاضۂ باطنی کرتے رہے۔ کامل ایک سال پھلواری میں قیام کرنے کے بعد ۲۴ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں آپ نے بنارس کا قصد کیا، کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعد جابجا شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے بھاگلپور پہنچے، وہاں پہنچنے کے بعد تمام ہندوستان کی سیاحت کا شوق پیدا ہوا، کاکوری، لاہرپور، سلون لکھنؤ، دہلی، کچھوچھہ، اجمیر شریف، تونسہ وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے جونپور پہنچے وہاں مولانا ہدایت اللہ جونپوری علیہ الرحمتہ نے (۲۰۰) آپ سے سند حاصل کی تھی اور کاکوری میں مولانا اکبر علی قلندر اور کانپور میں مولانا محمد علی رحمانی مونگیری نے بخاری پڑھ کر آپ سے سند حدیث حاصل کی۔ پھر دس برس اسی طرح مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے ۱۲۶۲ھ میں دوبارہ پھلواری تشریف لائے اور اپنے منجھلے چچا مولانا ابوتراب قدس سرہٗ کی صحبت سے استفاضۂ باطنی کرتے رہے۔

۱۲۶۴ھ میں آپ نے دوبارہ عرب کا قصد کیا اور وطن سے براہ بھاگلپور کلکتہ تشریف لے گئے اور کلکتہ سے براہ کراچی مسقط پہنچے۔ وہاں سے بغداد شریف، کاظمین، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ وغیرہ کی زیارت کر کے دوبارہ مسقط واپس لاکر عازم حجاز ہوئے، اتفاقاً ہوا کہ مخالفت سے بادبانی جہاز بھٹکنے لگا، بالآخر بہزار دقت و دشواری ناخدا نے جہاز کو کراچی بندرگاہ پہنچایا، تمام مسافر جہاز سے اتار دیئے گئے، ان اترنے والوں میں سے

ایک آپ بھی تھے- حج کا زمانہ نکل گیا تھا اور عرب جانے کی فوری کوئی سبیل بھی نہ تھی اس لئے ملک سندھ کے اطراف میں سیاحت کرتے ہوئے شہر لوہری پہنچے جو سندھ کا مشہور شہر ہے- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے جو اس دیار میں بہت مستند مانے جاتے ہیں- اسی شہر کے قریب ایک گاؤں ''شیخ دھن'' کے نام سے مشہور تھا، یہاں حضورؑ کے جبہ مبارک کی زیارت کی، اسی اطراف میں ایک گاؤں ''قریہ نعلین'' کے نام سے مشہور تھا، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کی زیارت کی، اسی طرح مختلف ملکوں کی سیاحت کرتے ہوئے برہما پہنچے، پھر کابل و فارس ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے-

مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ آئے، یہ واقعہ ۱۲۷۲ھ کا ہے، اس کے بعد سے ۱۲۸۵ھ تک برابر آپ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہ کر درس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے-

۱۲۸۵ھ میں حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو تحصیل علم حدیث کی غرض پھلواری بلایا اور سبقاً سبقاً آپ سے تمام کتب صحاح ستہ و مسانید پڑھ کر حدیث و دیگر مرویات کی سند حاصل کی- ۱۲۸۸ھ میں حضرت ممدوح مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لے گئے اور بقیہ عمر روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت میں بسر فرما کر ۲۶ رمضان ۱۲۹۵ھ میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے-(۲۰۵) تذکرہ علمائے بہار میں تاریخ وفات ۱۰ شعبان ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء درج ہے-(۲۰۶)

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ندوی:

مولانا شاہ جعفر، مولانا سید شاہ سلیمان پھلواروی کے صاحبزادہ تھے- آپ کی ولادت ۱۳۳۰ھ/۱۹۰۲ء میں ہوئی-(۲۰۷) مولانا کا خاندان صدیوں سے علوم و معارف سے بہرہ مند رہا اور عوام کی اصلاح ان کا اولین مقصد تھا- ایسے خانوادہ سے نسبتی تعلق نے مولانا کے ذوق علم کو ابتداء ہی سے بیدار کر دیا

تھا-ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی شروع کی مگر تحریک ترک موالات کے زمانہ میں تحصیل علوم عربیہ کے خیال سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، جہاں سے درسیات کی تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی-آپ علوم اسلامی اور عربی ادب میں کافی مہارت رکھتے تھے-اردو عربی تحریر وتقریر کے میدان میں اپنے ہم سن علماء میں ممتاز رہے، اپنے منجھلے بھائی شاہ حسین کے انتقال کے بعد والد کے جانشین ہوئے، تقریباً سترہ سال ریاست کپورتھلہ کی جامع مسجد میں خطابت وامامت کے فرائض انجام دیتے رہے-

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان چلے آئے-(۲۰۸) اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے اور ادارۂ ثقافت اسلامی سے منسلک ہو کر دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے-آپ نے بیعت وخلافت اپنے والد بزرگوار مولانا شاہ سلیمان قادری سے پائی تھی، آپ کا دلچسپ مشغلہ تصنیف وتالیف رہا-چند کتابیں یہ ہیں:

''کتب:- ریاض السنہ، گلستان حدیث، مجمع البحرین، زیر دستوں کی آقائی، باطل شکن، مسئلہ شخصی ملکیت اور اسلام، مقام سنت، ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز، اسلام اور موسیقی-(۲۰۹) ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء میں کراچی میں انتقال ہوا اور پاکستان گلشن اقبال (ملک پلانٹ کا قبرستان) کراچی پاکستان میں مدفون ہوئے-(۲۱۰)

مولانا عبدالغفار نشتر مہدانوی:

مولانا عبدالغفار نشتر کا وطن مہدانواں تھا-یہ عظیم آباد کا ایک مشہور ومعروف قصبہ ہے، منیر شریف سے متصل جناب مشرق میں واقع ہے-پٹنہ آرہ شاہراہ پر منیر شریف سے دو کلو میٹر پورب سڑک کے دکھن جانب دور تک پھیلا ہوا ہے-

مولانا عبدالغفار نشتر مہدانوی بہار کے ایک جلیل القدر محدث تھے-۱۲۷۱ھ/۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے-آپ حضرت شیخ نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور مدرسہ آریہ کے مخلص، پر جوش کارکن

تھے-مولانا ابراہیم صاحب کی فرمائش اور اصرار پر امام بخاریؒ کی معتبر و معروف کتاب ''الادب المفرد'' کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''سلیقہ'' رکھا- یہ کتاب ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں مرتب ہوئی اور مطبع خلیلی آرہ سے طبع ہوئی-

''سلقیہ'' پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے ترجمہ میں متقدمین کا اسلوب بالکل ترک کر دیا- ان کی عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے- سلیقہ سے ترجمہ کا سلیقہ عیاں ہے-(۲۱۱)

اس میں تیرہ سو اٹھائیس (۱۳۲۸) حدیثیں ہیں، پوری کتاب تین حصوں میں ختم ہوئی ہے- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے پچاس سال قبل بہار نے نہ صرف حدیث بلکہ ضمن حدیث میں اردو کی کیسی گرانقدر خدمت انجام دی-(۲۱۲)

مولانا چھپرہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے- مولانا کی وفات ۱۸۹۷ء میں ہوئی-(۲۱۳)

مولانا حافظ عبدالعزیز رحیم آبادی:

مولانا حافظ عبدالعزیز رحیم آبادی (المتوفی ۱۳۳۶ھ) اپنے وقت کے متبحر عالم دین اور مستند محدث تھے- آپ ضلع کے مشہور رئیسوں میں بھی شامل تھے- مسلک اہل حدیث کی عالمی شہرت کی دینی درسگاہوں، جامعہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے، دربھنگہ، مدرسہ اسلامیہ، رگھونگر، بھوراہ ضلع مدنی، مدرسہ عربیہ (عالیہ)، رہیکا، مدھونی اور مدرسہ اصلاح المسلمین، پٹنہ (قائم شدہ ۱۳۰۸ھ) کی تاسیس آپ کے مبارک ہاتھوں عمل میں آئی جبکہ مدرسہ محمدیہ، محمد پور، کواری ضلع دربھنگہ کے بانیوں میں آپ شامل ہیں-

صاحب آئینہ ترہت نے آپ کی علمی فضیلت اور آپ کے والد جناب احمد اللہ کی رئیسانہ شان و شوکت کی بڑی تعریف کی ہے-(۲۱۴)

مولانا عبدالعزیز کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مذہبی ادبیات کے تمام شعبوں میں بہت وسیع

النظر اور کثیر المطالعہ تھے، حدیث وفقہ، ادب ومعانی، اصول وتفسیر، رجال وسیر، تاریخ وکلام میں آپ کو پوری قدرت حاصل تھی، قرآن مجید کے حافظ اور اردو کے انشاء پرداز تھے، مناظرہ میں بے مثل تھے، جس میدان میں جاتے بڑے بڑے علماء لرزہ براندام ہوجاتے تھے۔

مولانا ابراہیم صاحب کی طریق النجاۃ کے طرز پر آپ نے بھی اردو میں حدیثیں جمع کی تھیں، آپ کی کتب مضافات ترہت میں بہت پھیلی۔(۲۱۵)

تصانیف:

شرح احادیث پر آپ کی مہتم بالشان تصنیف ''سواء الطریق'' ہے جو عربی زبان میں ہے اور چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح صحیحین کی مرویات کا مجموعہ ہے۔ آپ نے سیرۃ النعمان (شبلی) کے بعض مقامات کے جواب میں حسن البیان نامی ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔(۲۱۶)

طریقۃ النجات ترجمہ مشکوٰۃ شریف مترجم مولینا عبدالعزیز رحیم آبادی اس کتاب کا ذکر سفرنامۂ مظہری، مؤلفہ مظہر علیم انصاری سفیر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس وانجمن ترقی اردو ہند میں ملتا ہے، لکھتے ہیں:

''مولینا عبدالعزیز رحیم آبادی نے موضع رحیم آباد من مواضع بھگوانی نزد سمتی پور ضلع دربھنگہ کے رہنے والے اور بڑے پایہ کے عالم تھے، مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اردو میں فرمایا جس کا نام طریقۃ النجات ہے۔''(۲۱۷)

مولانا فضل حسین مہدانوی ثم مظفر پوری:

شیخ فاضل فضل حسین بن فرخ حسین بن واحد علی مہدانوی منیری مشہور عالم تھے، ۲۷ محرم ۱۲۷۱ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ ملا محمد عارف پشاوری اور مولانا عبدالحمید بہاری سے علم حاصل کیا، پھر دہلی کا سفر کیا اور حدیث کی تعلیم شیخ نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی اور حکیم عبدالحمید بن محمود شریفی دہلوی سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی فقہ وحدیث میں کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ''رسالہ قنوت نازلہ''،

''تمدن عرب''، ''حدیث افک''، ''الکحل'' اور ''الحیات بعد الممات'' قابل ذکر ہیں۔

آپ نے مظفر پور کے محلہ پکی سرائے میں سکونت اختیار کر لی اس لئے مظفر پوری کے ساتھ مشہور ہوئے۔مولانا فضل حسین حضرت شیخ نذیر حسین محدث دہلوی کے عزیز شاگرد اور ان کے واحد سوانح نگار تھے۔

۱۹۰۸ء میں سفر دہلی سے واپسی پر لکھنؤ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔(۲۱۸)

مولانا رحیم اللہ عظیم آبادی:

شیخ فاضل مرزا رحیم اللہ شافعی عظیم آبادی مشہور بدرویش محمد سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ تھے۔شیخ غلام علی دہلوی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور بخارا کا سفر کیا اور مشائخ سے ملاقات کی، حرمین شریف پہنچے اور حج وزیارت کی اور ماوراء النہر لوٹے اور سبزوار میں اقامت اختیار کی۔

آپ بڑے عالم تھے، فقہ، اصولِ فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔آخری عمر میں شافعی ہوئے۔سبزوار میں ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں قتل کر دیئے گئے۔(۲۱۹)

مولانا شعیب الحق بہاری:

آپ مولانا شاہ احمد عبدالحیؒ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا شاہ مجیب اللہ کے پوتے تھے۔آپ کی پیدائش ۱۱۶۳ھ/۱۲۵۰ء میں ہوئی۔ابتدائی درسیات اور فن شاعری میں مولانا شاہ محمد نور الحق سے تلمذ حاصل تھا۔درسیات کی تکمیل ملا وحید الحق ابدالؒ سے کی، بیعت، تعلیم وتربیت واجازت وخلافت کل حضرت مولانا شاہ مجیب اللہ سے حاصل تھی، رشد وہدایت کے سلسلہ میں کلکتہ میں قیام رہا اور وہیں ۱۳ شعبان ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں وفات پائی۔آپ کا مزار کلکتہ مصری گنج میں ایک مسجد کے حجرہ میں ہے۔(۲۲۰)

مولانا شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی:

مولانا اپنے دور کے ایک معروف عالم، مبلغ، مناظر اور شاعر تھے۔آپ کو تحریری وتقریری مناظرے

سے خاص شغف تھا چنانچہ آپ نے کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہیں- آپ نے اپنے حالات کے متعلق اپنی مختلف تصانیف میں جابجا اشارے کئے ہیں اور دوورق کا ایک مختصر رسالہ بھی لکھا ہے- ان ہی کی مدد سے آپ کی سوانح حیات ذیل میں قلمبند کی جاتی ہے:

پیدائش:

آپ اپنے آبائی وطن مخدوم پور ناحیہ نگر ضلع پٹنہ میں تقریباً ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے- والد کا نام مولوی احسان احمد ہے- آپ اپنے پدری و مادری نسب کے اعتبار سے زبیری الہاشمی ہیں-

تعلیم:

آپ نے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی- ابتدائی تعلیم فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محل سے حاصل کی، اس کے بعد معقولات ومنقولات کی مزید (۲۲۱) تحصیل مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے ہوئی لیکن منقولات خصوصاً صحاح ستہ کی تکمیل مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے ہوئی- مزید برآں آپ نے مولانا تلطف حسین صدیقی عظیم آبادی ثم الدہلوی اور مولانا محمد رشید الحق صاحب سجادہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سے بھی علمی استفادہ کیا ہے، اس کے علاوہ آپ نے عرفان وسلوک کی منزلیں بھی طے کی ہیں اور مختلف اوقات میں آپ نے سلوک وتصوف کی تعلیم علی الترتیب داتا نورالدین شاہ بانکی پور پٹنہ، حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا نورالحلیم کاشغری مقیم دربھنگہ اور مولانا فدا عبدالکریم سمرقندی بخاری مقیم دربھنگہ سے حاصل کی، اس کے بعد کاشتکاری، ملازمت اور دعوت وتبلیغ میں زندگی گزاری-

زیادہ قیام داناپور پٹنہ میں رہا آپ نے ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں انتقال کیا-

داناپور میں آپ نے ''دارالعلوم نعمانی توحیدیہ'' کے نام سے ایک درسگاہ بھی قائم کی تھی، اس طرح آپ ایک صاحب شریعت وطریقت عالم تھے- آپ کی تصانیف کا تعلق مذہبی مناظرے سے ہے، ان میں

''ردِ شیعت''، ''ردِعیسائیت''، ''ردِوہابیت'' میں لکھی گئی کتابیں زیادہ ہیں- یہاں صرف ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق ردِوہابیت اور ردِعدم تقلید سے ہے- اس سلسلہ میں آپ کا مسلک یہ تھا کہ ترکِ تقلید عام مسلمانوں کے لئے ایک خطرناک رجحان ہے لکھتے ہیں:

''اگر کوئی جاہل حنفی یا وہابی کہے کہ مولانا سید نذیر حسین تو غیر مقلد تھے، جواب دوں گا کہ مولانا سید محمد نذیر حسین کو مقلد و غیر مقلد سے کیا تعلق ہے، وہ محدث تھے، لاکھوں احادیث کے محدث تھے، ۷۵ برس خدمتِ حدیث کی ۱۹ ہزار علماء کو اجازت دی، پڑھانے میں آپ کو قوتِ تمیز ناسخ و منسوخ عام خاص مطلق مفید مجمل بین کے رکھتے تھے اور حدیث کے جمیع اقسام کو جانتے تھے اور راویوں کے حالات سے واقف تھے- فقہہ کو حدیث سے، حدیث کو قرآن سے تطبیق دیتے تھے، ان کے لئے تقلید امام ہم لوگوں کے ایسی تقلید واجب نہیں تھی، وہ مخیّر تھے اور ہم مجبور ہیں-''

چنانچہ ان کے نام کے ساتھ مولانا ہمیشہ ''اہلحدیث نعمانی'' لکھتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہلحدیث تو ہیں لیکن غیر مقلد نہیں بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کے قائل- آپ کی تصانیف نثر کا ذکر درج ذیل ہے:

مطبوعات:-

۱- اہلحدیث کا کچا چھٹا:- مطبوعہ مطبع اخبار الپنچ بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء، سائز ۲۶x۱۷ سینٹی میٹر کے ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے- اس میں مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر رسالہ اہلحدیث کے ایک مضمون کی تردید کی گئی ہے-

۲- درالمنثور فی زیارت القبور:- مطبوعہ مطبع یونین گورہٹہ، عظیم آباد، سنہ طبع ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء

سائز۲/۱ ۲۰×۱۷ سینٹی میٹر کے ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے- اس رسالہ میں ایک سائل کے جواب میں طواف قبر کو احادیث اور ائمہ ومجتہدین کے اقوال سے بدعت اور شرک قرار دیا ہے- (۲۲۲)

۳- انتصار الکلام فی تردید تنزیہ المرام:- نسخۂ قلمی بخط مصنف پیش نظر ہے جو ۲۹×۲/۱ ۲۰ سینٹی میٹر کے سائز کے ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے- مرقومہ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء، موضوع، شاہ عین الحق پھلواروی نے اپنے ایک وعظ میں ایک حدیث غلط طور پر پیش کی تھی، مولانا نے اس کی تنبیہ کے لئے ایک رسالہ تمیز الکلام کے نام سے لکھا، اس کے جواب میں شاہ عین الحق صاحب کے ایک شاگرد حکیم محمد حسن صاحب گھگولی نے ایک رسالہ تنزیہ المرام فی تردید تمیز الکلام لکھا، اسی رسالے کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور جملہ اہلِ حدیث کے عقائد پر تنقید کی گئی ہے-

۴- بادۂ توحید:- مطبوعہ الپنچ اخبار بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء-

۵- القبس اللّٰہیت فی ردِ رسالہ اہلحدیث:- مطبوعہ مطبع سیدی گورہٹہ، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲۳×۱۵ سینٹی میٹر، موضوع، مولانا کے رسالہ نغمۂ توحیدیہ مع تاریخ وہابیہ پر رسالہ اہلحدیث امرتسر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تبصرہ کیا اور (۲۲۳) اس کی ترید میں بیان دیا- مولانا نے ردِ تردید کے طور پر یہ رسالہ قلم بند کیا ہے اور تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے-

۶- الصلوٰۃ فی الخطبہ یوم الجمعہ:- مطبوعہ مطبع سیدی گورہٹہ، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۴ اور سائز ۲۳×۱۵ سینٹی میٹر، موضوع، جمعہ کی نماز میں بوقت خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے-

۷- نغمۂ توحیدیہ مع تاریخ وہابیہ:- مطبوعہ مطبع اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۳۴ اور سائز ۲۶×۱۷ سینٹی میٹر، موضوع، سید احمد شہید اور صادق پور کے علماء کی تحریک کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کا سلسلہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک سے ملایا گیا ہے اور ان کے عقائد کی تردید کی گئی ہے-

۸- اجتہاد الوہابیہ من کیر اللہ فالیہ:- مطبوعہ اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۱۸ اور سائز ۲/۱ ۲۵x۱۷ سینٹی میٹر، موضوع، داناپور کے کسی وہابی عالم نے گھوڑے کو حلال قرار دے کر ذبح کیا تھا، اس کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور اس کی حرمت ثابت کی گئی ہے۔

۹- نصیحت توحیدیہ فی سنت احمدیہ:- مطبوعہ مطبوعہ اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء، اس کتاب کا قلمی نسخہ بخط مصنف ہے، تعداد صفحات ۴۸ اور سائز ۲/۱ ۲۵x۱۷ سینٹی میٹر، موضوع، زندگی کے ہر شعبے میں سنت نبویؐ پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۱۰- زاد السعید فی اثبات التوحید:- مطبوعہ مطبع سیدی، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء، اس کتاب کا قلمی نسخہ بخط مصنف ہے، تعداد صفحات ۲۶ اور سائز ۲۷x۱۸ سینٹی میٹر، موضوع، مولانا عبدالحکیم صادق پوری نے اپنے وعظ میں یہ تلقین کی تھی کہ مسلمانوں کو مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بجائے صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھنا چاہئے، اس کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور یہ تلقین کی گئی ہے کہ مرنے کے وقت پورا کلمۂ طیبہ پڑھنا چاہئے۔ (۲۲۴)

۱۱- فتح المغیث علیٰ اخبار اہلحدیث:- مطبوعہ الپنچ اخبار بانکی پور، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء، رسالے کا قلمی نسخہ بخط مصنف ہے، تعداد صفحات ۱۳ اور سائز ۲۶x۱۸ سینٹی میٹر کے ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، موضوع، مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اس فتوے کے خلاف یہ رسالہ لکھا گیا ہے جس میں شادی بیاہ کے موقع پر باجے گاجے کو جائز قرار دیا گیا تھا۔

۱۲- مطالب توحیدیہ فی ترغیب مذاہب تربیعہ:- مطبوعہ مطبع اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء، اس کتاب کا قلمی نسخہ بخط مصنف پیش نظر ہے، تعداد صفحات ۲۶ اور سائز ۲/۱ ۲۶x۱۸ سینٹی میٹر، موضوع، مذاہب امام اربعہ کی تائید اور عدم تقلید کی تردید کی گئی ہے، اس کے علاوہ توحید و رسالت کا بیان بھی ہے۔

۱۳- تحقیق السدید فی بین التقلید:- مطبوعہ مطبع راجنیت، صدر گلی، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۱۵ء، تعداد صفحات ۴۴ اور سائز ۲۵x۱۷ اسینٹی میٹر، موضوع، تقلید کے جواز میں کتاب وسنت سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں اور علمائے غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے-

۱۴- التقبیل در جواز دست و پا بوسی بزرگانِ دین:- نسخۂ قلمی بخط مصنف پیش نظر ہے، ۲۴x۱۵ سینٹی میٹر سائز کے ۴ صفحات پر مشتمل ہے، سنہ تصنیف درج نہیں ہے، موضوع، بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنے کا جواز حدیث سے پیش کیا گیا ہے-

ان رسائل کی زبان صاف، سادہ اور عام فہم ہے، عبارت میں جا بجا ظرافت کے نمونے بھی ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مولٰینا ایک شگفتہ مزاج بزرگ تھے، نمونہ ملاحظہ ہو:

۱- ''ثمر ترکِ تقلید:- اس زمانے میں جو لوگ تقلید مذہب معین سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو صرف اہلِ حدیث یا عامل الحدیث یا عامل السنّت یا وہابی یا محمدی یا قادیانی یا مسلمان جو پسند کرتے مشہور کرتے ہیں، وہ لوگ رفتہ رفتہ بڑے بڑے فتنہ وفساد میں اور مصیبت میں مبتلا (۲۲۵) ہو جاتے ہیں بعض تو مذہب اربعہ سے روگردان ہو کر حقیقت سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور مذہب کو بدعت اور مقلد کو بدعتی کہتے ہیں اور بعض تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہتے ہیں- بعض حضرات امام ابوحنیفہؒ کی توہین میں پرچہ رسالہ لکھتے، خود بھی گمراہ بنتے اور عوام کو بھی گمراہ بناتے، گویا شیعہ غالی اور رافضی تبرائی بنے، بعض خود مجتہدین بن کر اجتہاد کرتے اور عوام کو اپنے اجتہاد پر لاتے ہیں-''

۲- ''سابق زمانہ میں مغلیے جو ہندوستان آئے اور میوہ کٹھل تناول فرمایا لعاب دار شیرۂ کٹھل نے ریش مبارک کو خاک آلود کر دیا، آخر کسی نے مذاقاً کہا کہ آغا صاحب اب بے منڈوائے صفائی نہیں ہوتی- مغلا نے ریش فیش کو مونڈ ڈالا، جب بازار آیا تو ہنود کو بھی دیکھا ڈاڑھی مونڈی ہوئی تو مغلا

اپنی زبان میں کہتا ہے (او بائی شما ہم کٹہل خوردی) یہی کیفیت ہمارے جدیدہ اہلحدیث کی ہے کہ یہ باعثِ مشارکتِ اسمی پرچہ مذہبی تصور کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ جدت ہمارے دوست پنجابی کی ہے، بہر حال فقیر نے اس کا جواب عون المغیث فی ردِ رسالہ اہلحدیث شائع کیا تھا، قوم نے دیکھا ہے، مردے از غیب بون آید وکارے بکند۔" (۲۲۶)

۱۵- تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ در ردِ شیعہ:- مولفہ مولٰینا شاہ محمد توحید زبیر الہاشمی مطبوعہ مطبع توحیدیہ پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء قلمی نسخہ ہے جو ۳۴x۲۲ سینٹی میٹر سائز کے ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے، موضوع، خلفائے راشدین کی ترتیب کے متعلق اہلِ تشیع کے خیالات کی تردید مدلل طور پر کی گئی ہے۔

۱۶- تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ فیصلۂ توحیدیہ فی وراثت فاطمہؓ:- مولفہ مولٰینا شاہ محمد زبیری الہاشمی مطبوعہ الپنچ، بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۲۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء (۲۲۷) خطی نسخہ بخط مصنف ہے جو ۲۶x۱۷ سینٹی میٹر سائز کے ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، موضوع، حضرات شیعہ کا یہ اعتراض حضرت ابوبکرؓ پر ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ کو وراثتِ پدری سے محروم کر دیا، اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ خود حضور اکرمؐ نے بوقتِ وصال اپنے مال و اسباب کو صدقہ فرمایا اس لئے کہ انبیاء کی وراثت ان کی اولاد اور دیگر ورثاء پر منتقل نہیں ہوتی۔

۱۷- کحل العینین فی مرثیہ الحسنین:- مولفہ مولانا شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی مطبوعہ مطبع اخلاقی واقع بانکی پور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲/۱ ۲۵x۱۷ سینٹی میٹر، موضوع، ماہِ محرم کی مرثیہ خوانی کو اہلِ تشیع کے علماء اور مجتہدین مثلاً علامہ طبری کے اقوال سے ناجائز ثابت کیا ہے۔

۱۸- تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ:- مولفہ مولانا شاہ محمد توحید زبیر الہاشمی مطبوعہ الپنچ بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، خطی نسخہ، ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء ہے جو ۲۶x۱۷ سینٹی میٹر سائز کے ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے،

مولانا محمد حسن پٹنوی:

پٹنہ ضلع میں داناپور اسٹیشن سے متصل دکھن جانب کی آبادی گھگول کہلاتی ہے، عرصۂ دراز سے وہ مسلم شرفاء کا گہوارہ ہے- یہاں ایک اہل حدیث خاندان کئی پشتوں سے آباد تھا جو اپنی مذہبی اور علمی خصوصیات کی وجہ سے دور دور مشہور تھا- مولانا محمد حسن کا تعلق اس خاندان سے تھا- آپ کے والد کا نام حافظ پیر محمد تھا- آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اعلیٰ عربی تعلیم مدرسہ احمدیہ آرہ میں حاصل کی، وہاں مولانا محمد ابراہیمؒ اور دیگر اساتذہ کے علاوہ ہندوستان کے مشہور و معروف محدث مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ (۲۲۹) کے سامنے زانوائے ادب تہہ کیا- درسیات کی تکمیل کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے اور طب کی تعلیم مکمل کی، مولانا محمد حسن حکیم کے ساتھ ایک مستند جید عالم تھے- قرآن، حدیث، فقہ و عربی ادب پر آپ کی بڑی اچھی نظر تھی- تعلیم و تدریس سے اچھا شغف تھا- آپ کا مطب مذہبی معلومات اور علم و ادب کا سرچشمہ تھا- فارسی، عربی، تفسیر، حدیث اور طب پڑھنے والے برابر آپ کے درس میں رہتے تھے-

وفات:

۱۱ جنوری ۱۹۶۱ء میں وفات پائی اور گھگول کے قبرستان میں دفن کئے گئے- (۲۳۰)

مولانا عبدالحکیم صاحب صادقپوری:

مولانا عبدالحکیم صادقپوری، مولانا احمداللہ صادقپوریؒ کے پانچویں صاحبزادے ہیں- (۲۳۱)

پیدائش:

آپ کی ولادت غالباً ۱۲۶۱ھ میں ہوئی تھی-

حُلیہ:

پست قامت، نازک، نحیف، رنگ گوراصاف، کتابی چہرہ، خوبرو، پست آواز۔

بچپن:

مذہبی تخیل اسی وقت سے تھا، اسی لئے آپ سے لوگوں کو خاص امیدیں وابستہ تھیں اور آپ کے مداح تھے۔ اگرچہ اس کا اثر آپ کی محض سادہ طبیعت پر ضرور پڑتا تھا لیکن اللہ نے خاص دستگیری فرمائی۔

تعلیم:

آپ نے درسی کتابیں و نیز فن طب اپنے برادر معظم حکیم مولوی عبدالحمید صاحب سے پڑھیں اور سندِ حدیث شریف و خلافت اپنے عم و مکرم و مرشد جناب مولانا یحییٰ علی صاحب سے لی تھی اگرچہ بوجہ ذہانت معقولات سے طبیعت کو خاص مناسبت تھی لیکن رجحان و مشغلہ قرآن و حدیث ہی کے ساتھ تادمِ مرگ رہا، آپ کے خط نسخ و نستعلیق دونوں نہایت پاکیزہ تھے۔ (۲۳۲)

اخلاق و مزاج:

اتباع سنت و تبلیغ احکامِ الٰہی کے شیدائی اور حق پسند تھے۔ آپ کے ماننے والے آپ کی غلطیوں پر بے باکی سے متنبہ کرتے اور آپ بسر و چشم تسلیم کرتے اور واقعات صحیح سے آگاہی کی خواہش ظاہر فرماتے۔

آپ صاف گوئی میں عنایت بے باک کی برہنہ شمشیر تھے۔ لوگوں کی غیبت نہ کرتے بلکہ علانیہ سختی کے ساتھ اس پر نقد کرتے، اگر کسی مسئلہ میں آپ کی رائے غلط ہوتی تو آگاہی کے بعد نہایت آزادی کے ساتھ صاف صاف لفظوں میں برسر جلسہ اعتراف فرماتے۔ مداہنت یا عزت و جاہ طلبی کو راہ نہ دیتے، یہی وجہ تھی کہ علمائے حق کے دلوں میں آپ کا خاص وزن اور لحاظ تھا بلکہ مخالف بھی آپ کے لسان چہارم کی ہزار شکایت کے ساتھ بالآمر آپ کے جوہر عالی کا معترف ہوتا۔ حق کی اشاعت کے مقابل میں گراں بہا (بیرونی) فیسوں کی

مطلق پرواہ نہ کرتے- آپ کی ساری تکلیف وتکان صرف ایک جملہ سے رفع ہو جاتی، لوگ آپ کے وعظ سے غایت متاثر تھے-

غایت بے تکلف، شان وشوکت سے دور غرباء کے یہاں پیادہ پا جاتے، غرباو ہم جماعت سے فیس کی پرواہ نہ رکھتے- گنواروں کے یہاں بلا تکلف و اکراہ بدطعم غذا تک تناول فرماتے حالانکہ آپ خوش غذا تھے- فرش کی قید نہ تھی- معمولی چٹائی یا زمین پر بیٹھ جاتے، سفر وعظ میں سواری کی پرواہ نہ کرتے، کوسوں پیدل چلتے، آپ نے مولانا فیاض الدین صاحب کے مدرسہ کی برابر اعانت فرمائی- مزاج نہایت سادہ مہک اور عملاً منکسر، اس پر گھر کی تربیت سونے پر سہاگہ تھی اور آزادانہ تھا- تند مزاج، مگر حق کے سامنے سرنگوں اور راضی، طبیعت کمزور، مگر گفتار حق میں غضنفر، وعظ یا دیگر اظہار حق کے مواقع میں اس متنی پیکر میں وہ بے باکی اور مردانگی آ جاتی اور ایسے بیان برسر عام فرماتے کہ علماء ان کے زبان پر لانے سے کانپتے، زود رنج مگر فریق مخالف کے میدان پر جلد طبیعت صاف کرنے والے-(۲۲۳)

عام لوگ کیا اقرباء تک آپ سے گفتگو کرنے میں نہایت پس و پیش کرتے لیکن مریدوں کے ساتھ آپ کا حال جدا تھا- وہ شوخی کے ساتھ آپ سے گفتگو کرتے اور نہایت بے باکی سے آپ جرح کرتے- بعض اوقات تقاریر میں پریشان کر دیتے- آپ مطلع رنج نہ رکھتے- لباس ورہائش میں پرانی روش کی سختی سے پابندی فرماتے-

مشاغل:

ا- طبابت:- طبابت علاج میں اصول وضوابط کی سخت پابندی رکھتے تھے- آپ کے نسخے مختصر ہوتے اور طوالت ناپسند کرتے- اختصار کی غایت ایک جزو تک پہنچتی، انتقال ذہنی خوب تھ، تشخیص اعلیٰ تھی، امراض بطون وصدر کے علاج میں خاص ملکہ تھا، معالجہ میں منفرد رہنا اور اظہار رائے ومشورہ سے احتراز رکھنا

پسند کرتے - ایک عرصہ تک آپ کے مطب کی خوب رونق تھی، دو جگہ مطب فرماتے (صادقپور اور مراد پور) لیکن ایلو پیتھک کی عام مقبولیت ورواج اور خاص انہماک دوعظ وتذ کیر کی وجہ سے یہ رنگ قائم نہ رہ سکا-

۲-تدریس:- علماء صادقپور کا مشغلہ تدریس بھی تھا، آپ نے اس میں بھی زیادہ حصہ لیا، اکثر اہلِ قرابت آپ کے شاگرد ہیں، یہ مشغلہ کم وبیش تمام عمر رہا، البتہ تبدیل مذاق زمانہ اور اپنی عدیم الفرصتی سے بہت کم ہو گیا تھا-

۳-چونکہ دینی شوق کے ساتھ آپ ثقاہت اور مقامی احوال سے آگاہی بھی رکھتے تھے اس لئے شہر و دیگر مقام کے فتویٰ اور مناسخے بھی خصوصیت کے ساتھ آپ کے پاس رجوع ہوتے تھے مگر لوگ آپ کی سادہ نیک مزاجی سے غلط فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کرتے-

۴-تصنیف وتالیف:- آپ نے بعض کتابیں مبتدیوں کی تعلیم کی غرض سے تالیف فرمائی تھیں ۱-سورۃ فاتحہ،۲-سورۃ بقر،۳-تبارک الذی،۴-عم پارہ وغیرہ کی تفسیر،۵-مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ،۶-ایک خاص تصنیف آپ کے خطب تھے، جن کی ان گنت جلدیں تھیں-

۵-کتابت:- آپ کو مطبوعہ کتابوں پر بھروسہ نہ تھا اور کتابت سے خاص شغف تھا، مطب میں مریض آتے، ان کا نسخہ ترتیب دے کر پھر کتابت میں مشغول ہو جاتے، تاہم قلم اور روشنائی کی نفاست (۲۲۴) کا اہتمام نہ رکھتے - طلباء کو کتابیں اکثر خود نقل کر کے دیتے، فرصت کے اوقات میں مشکوٰۃ کی مختلف ترتیب دیا کرتے اور نمبر دیتے جاتے-

وعظ:

آپ ہر ہفتہ صلوٰۃ جمعہ پڑھانے کی غرض سے مراد پور تشریف لے جاتے اور ایک عرصہ صدید تک تموہیہ کی جامع مسجد میں بھی جمعہ کی امامت فرماتے - بعد مغرب تقریباً ایک گھنٹہ یا بیش بیان کرتے - صادقپور

عالم گنج خان، مرزا محلہ شاہ گنج، مراد پور دانا پور وغیرہ میں وعظ کے لئے مقرر تھے۔

جناب کا بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہوتا۔ گنوار سے گنوار بھی سمجھتا اور مستفید ہوتا۔ یہی حالت آپ کی تحریر کی بھی تھی، اگر چہ کبھی کبھی ادبی نکات بھی بیان فرماتے۔ قرآن مجید کی آیتیں اور مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں یا صرف قرآن (دیکھ کر یا لکھ کر) بیان فرماتے۔ جمعہ یا دیگر بیان کے لئے خطبے تحریر فرماتے۔ آپ زبان بیان ناگہانی فرماتے۔ وعظ میں اکثر اوقات اور قصے بھی بیان کرتے۔ آپ کا وعظ نہایت پر جوش ہوتا (یا سادہ) باوجود پیشہ طبابت کے درخواست وعظ سے کبھی اغماض نہ کرتے بلکہ شاداں وفرحاں قبول فرماتے، اس کے لئے طبیعت کی معمولی ناسازی کی پرواہ نہ کرتے، لوگوں کے یہاں جا کر اجتماع کے انتظار میں خاموش بیٹھے رہتے، اس تقریب سعید کے لئے کبھی لوگ سواریاں بھیج دیتے مگر عموماً خود معمولی مشترکہ سواری (یکہ) پر پہنچتے اور صرف میونسپل مقرر کرایہ قبول فرماتے۔ فاضل کرایہ اپنی جیب سے ادا کرتے۔ اس کے لئے نہ دھوپ کی پرواہ تھی، نہ بارش کی۔ وعظ کے لئے دور دراز سفر کرتے اور ہفتوں گزار دیتے، ایسے سفر میں نہ مناسب غذا کی پرواہ ہوتی (حالانکہ ضعف معدہ سے برابر پریشان رہتے)، نہ نفاست سواری کی، تیسرے درجہ میں بھی سفر کرتے۔ اگر روپیہ خرچ سفر سے زیادہ پیش کیا جاتا تو سختی کے ساتھ واپس کرتے، ورنہ آپ کی جیب ہی متحمل ہوتی اور ریل سے اتر کر کوسوں پیدل بھی چلتے جارا نہ سفر حضر میں بحیثیت طبیب اپنی پوری داشت کا لحاظ رکھتے۔ آپ عرصۂ دراز تک انجمن اسلامیہ بانکی پور کے خاص واعظ رہے اور سونپور کے میلہ (چھتر) میں انجمن کی جانب سے برسوں تشریف لے گئے لیکن کبھی نہ فیس لی، نہ ڈبل خرچ سفر، نہ غذا اور رہائش کی فرمائش کی۔ (۲۳۵)

نہ تکالیف کی شکایت، پھر بھی آپ کی صاف گوئی سے لوگ ناراں ہو کر آپ کی دعوت بند کر دیتے اور پھر قحط علماء سے مجبور ہو کر اس حق گو مفت واعظ کو مدعو کرتے۔ لوگ علاج کی غرض سے لے جاتے اور وعظ کے بہانے ہفتہ عشرہ مفت روک لیتے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ وعظ کا عوام پر عمدہ اثر پڑا تو سمجھتے کہ بس بھر پایا،

نہایت مسرور ومحظوظ ہوتے، یہی آپ کی غذائے روح تھی، اگرچہ جناب کے روکنے کی غرض سے بھی ایسی باتیں مبالغہ کے ساتھ لوگ بیان کردیتے (عجیب سادہ طبیعت تھی)۔

شرک وبدعت:

شرِ نفس، رسومات (کبھی) تصوف مروجہ کی خوب خبر لیتے۔ مطب پر بھی اکثر مراسم بدعات وشرک کا تذکرہ آجاتا تو ساری توجہ اسی کی جانب مبذول ہوجاتی، نہایت جوش کے ساتھ تقریر فرماتے رہتے اور مریض سنتے رہتے، اس طرح اکثر اپنے خیال کا بھی علاج اور اصلاح کرالیتے۔ آپ نے وعظ وتبلیغ کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔ آپ وعظ وارشاد کے لئے صالح، متقی، متین اور معمر شخص کو پسند کرتے اور اپنے ارادتمندوں کو آپ ایسے شخص کی جانب میلان وبیعت کی ترغیب واجازت بھی فرماتے۔

احیاءِ سنت:

پٹنہ میں صلوٰۃ عیدین مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں۔کوئی مصلے (۲۳۶) مطابق سنت کے نہ تھا۔ جماعت اہلِ حدیث بھی اس جانب سے غافل تھی، آپ نے سعیِ بلیغ سے مصلّٰی قائم کیا اور مخالفتوں کا مقابلہ کیا، اب تک سنت جاری ہے۔ اللہ استقامت بخشے آمین۔ جناب مصلّٰی ہی میں قربانی بھی فرماتے۔ آپ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں عرصہ مدید قیام کے باعث مسلمانوں سے تعدادِ ازواج متروک ہی نہیں بلکہ وہ مکروہ سمجھنے لگے ہیں چنانچہ بیک زمانہ جناب کی تین ازواج تھیں۔

مرید:

آپ کے مریدوں کی تعداد ماشاء اللہ کثیر ہے۔بعض محلے اور بعض بستی کے کل مسلمان آپ ہی کے مرید ہیں بلکہ صوبۂ بہار کے اہلِ حدیث بعض غذائیت اور اکثر ارادت آپ کے ساتھ رکھتے تھے، آپ کے مریدوں کی روش مقلدانہ نہیں ہے۔

خاتمہ:- مولانا مرحوم کی زندگی اور علماء اور واعظین کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے- آپ نے میدانِ تبلیغ حق میں رزق، عزوجاہ، راحت وآرام کو پسِ پشت کرڈالا- سفر وحضر میں اپنی فرمائشات اور اپنی شخصیت سے کسی میزبان کو تکلیف نہ پہنچنے دی- باوجود کمزور صحت کے (۲۳۷) اظہار حق میں مداہنت کو مطلق کبھی راہ نہ دی- یہ سب ایثار صرف اس لئے کہ حزب اللہ کی بڑھتی ہو، کلمۃ اللہ ہی العلیا کی عام گونج بلند ہو، عبادالرحمٰن میں استقامت آئے اور طاغوت کے پرستار اللہ کے پرستار بنیں اور اسی آرزو کے ساتھ دنیا سے چل بسے، سبحان اللہ والحمد والثناء-

وفات:

دو ماہ سے زائد علیل رہ کر بوقت مغرب بروز سہ شنبہ ۱۵ محرم ۱۳۳۷ھ میں انتقال فرمایا- (۲۳۸) تذکرۂ علمائے بہار، ص ۱۵۴ میں آپ کی وفات ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء درج ہے جبکہ اردو نثر کا ارتقاء ص ۶۱ پر ۱۳۴۱ھ/ بمطابق ۲۵ جولائی ۱۹۲۳ء درج ہے-(۲۳۹)

تمو ہیہ مقبرۂ خاص کے شمالی بالائی حصہ کے زیر شجر پر پشت مسجد مدفون ہوئے-

اولاد واحفاد:

آپ نے چار عقد کیئے تھے ۱- محل اولیٰ مسماۃ شاکرہ بنت مولانا ولایت علیؒ، ان سے دو اولاد ہوئیں، عبدالحلیم، جو دو برس کے ہو کر گزر گئے، ۲- مسماۃ ذاکرہ مرحومہ زوجہ مولوی شیخ عبدالرحیم آروی، انہوں نے لاولد قضا کیا، ۳- محل ثانیہ مسماۃ رحمت بن مؤلف ان سے چند اولادیں ہوئیں- (۱) عبدالقدیم، عربی وانگریزی دونوں سے آگاہی رکھتے ہیں، شاعری کا بھی ذوق ہے، ان کی شادی مسماۃ عائشہ مرحومہ بنت ڈاکٹر آیت اللہ صاحب سے ہوئی تھی، (۲) مسماۃ آسیہ مرحومہ زوجہ سید محمد یوسف مدعمرہ، سورج گڑھی، (۳) حکیم مولوی عبدالخبیر صاحب سلمہ اللہ فی طاعتہ -(۲۴۰)

مولانا یحییٰ علی:

مولانا یحییٰ علی کے والد کا نام مولوی محمد الٰہی بخش تھا- آپ مولانا احمد اللہ و مولانا فیاض علی کے بھائی تھے- مولانا فیاض علی سے تقریباً دس برس چھوٹے تھے، اس طرح آپ کی پیدائش ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء میں ہوئی ہوگی- آپ نے درسیات مولانا فیاض علیؒ سے پڑھی، پھر اپنے بڑے بھائی مولانا احمد اللہ سے مکمل کی اور سند حدیث مولانا ولایت علیؒ (۲۴۱) سے حاصل کی، خلافت بھی مولانا ولایت علی سے حاصل ہوئی- مولانا ولایت علی کے خلیفہ بھی تھے- شب و روز اپنے مرشد کی خدمت میں رہے، آپ ایک جید عالم تھے- مسائل جزئیہ، فقہیہ، بھی نیز حدیث پر آپ کی گہری نظر تھی، مناسخہ میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی- (۲۴۲)

آپ کی شادی اول مسماۃ حمیدہ بنت شاہ محمد حسین قدس سرہٗ ساکن محلہ تموہیہ سے ہوئی، بعد وفات ان کے مسماۃ فاطمہ بنت حضرت مولانا فرحت حسین عرف چھوٹے حضرت قدس سرہٗ سے ہوئی- (۲۴۳)

آپ اپنے پیر و مرشد کے اعظم خلفاء میں ہیں- آپ نے جس روز سے بیعت حاصل کی، شب و روز سفر و حضر میں برابر حاضر باش خدمتِ پیر و مرشد اپنے رہے، کبھی ان سے جدا نہیں رہتے- آپ کو خدمت وعظ ہمیشہ سپرد رہتی- آپ نے مراقبہ و مشاہدہ وغیرہ بھی علی وجہ الکمال اپنے مرشد جناب بڑے حضرت علیہ الرحمتہ کی صحبت میں حاصل کیا- فیض باطنی بھی علیٰ وجہ الاتم آپ نے پایا- آپ بڑے صاحب کمال، عابد، زاہد، متقی تھے- آپ کے مراقبہ کی یہ کیفیت تھی کہ جب کبھی آپ چادر اوڑھ کر بیٹھ جاتے فی الفور آپ کو مراقبہ کھل جاتا، انبیاء و اولیاء کی زیارت ہوتی، ان سے گفتگو ہوتی، ان سے حل مطالب فرماتے- کشف قبور میں بھی آپ کو ملکہ تام تھ- آپ جب بڑے حضرت کے ہمراہ غازی پور گئے، جناب مولانا محمد فصیح رحمتہ اللہ علیہ نے سب کو اپنا مہمان کیا-

تذکرہ میں مولانا ممدوح کو معلوم ہوا کہ آپ کو کشف قبور میں بہت عمدہ دخل ہے، مولانا نے خواہش

ظاہر کی کہ ہمارے والد ماجد کی قبر پر چل کر مراقبہ کیجئے، چنانچہ بڑے حضرت مع حضرت مولانا یحییٰ علیؒ و دیگر رفقاء کے وہاں مقبرہ میں گئے اور مولانا محمد فصیح صاحب کے والد ماجد کی قبر پر مراقبہ کیا، آپ کو ان کی زیارت ہوئی، بہت خوش پایا- انہوں نے فرمایا کہ محمد فصیح سے کہہ دو کہ فلاں کتاب، جس کی تلاش میں وہ بہت دنوں سے ہیں، وہ کتاب مکان میں فلاں جگہ رکھی ہے، چنانچہ جب آپ مراقبہ سے بیدار ہوئے، کل کیفیت مراقبہ کی مع حلیہ وغیرہ بتادیا، مولانا محمد فصیح صاحب، جو ایک مدت سے متلاشی اس کتاب کے تھے اور وہ کتاب نہیں ملتی تھی، فی الفور مکان میں تشریف لے گئے اور اس جائے نشان دادہ کو دیکھا اور کتاب کو لئے ہوئے نہایت محظوظ باہر تشریف لائے، اس وقت مجمع عام تھا ہر کہ جہد کو آپ سے عقیدت پیدا ہوئی، الغرض اس قسم کے مراقبے و مشاہدے آپ کے صدہا ہیں، جن کا احاطہ واحصار غیر ممکن ہے-

آپ نہایت سیدھے سادھے بمُوائے حدیث شریف المومن عزیز کریم تھے- امور دنیاوی میں آپ نہایت بھولے بھالے تھے مگر امر دین میں نہایت مضبوط و استوار و چست و چالاک تھے- فتاویٰ جو بڑے حضرت کے زمانہ میں یا اس کے بعد جب کبھی جہاں کہیں سے آتا، اس کا جواب لکھنا آپ ہی کا کام تھا- آپ اس کا جواب تیار کرتے تب دوسرے لوگ اس پر مہر کرتے، مسائل جزئیہ، فقیہہ و نیز حدیثیں آپ کو خوب مستحضر تھیں- مناسخہ لگانے میں بھی آپ کو مہارت تھی، وعظ آپ کا نہایت عمدہ، سلیس، (۲۴۴) مضمون عام فہم، پر تاثیر ہوتا- آپ کو شب و روز تدریس کا شغل تھا، کثرت سے طلباء آپ کے اردگرد رہتے، آپ نہایت رحیم اور صاحب خلق عظیم تھے باوجود اس کے دلیر اور بہادر، بڑے حضرت نے جب پہلا سفر پکھلی ملک افغانستان کا کیا، اس وقت آپ بھی ساتھ تھے اور وہ لڑائیاں جو گلاب سنگھ سکھ والیٔ کشمیر سے ہوئیں، اس میں آپ بھی شریک تھے- اس میں نہایت بہادرانہ و دلیرانہ کارروائی آپ نے کی- اکثر ایسا ہوا کہ جب آپ میدان جنگ سے اپنے ڈیرے پر آئے اور عمامہ اور دگلہ اتارا تو اس میں متعدد گولیاں پائی گئیں کہ وہ آ کر اس میں سرد ہو کر رہ

گئیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا، پھر آپ بہ معیت بڑے حضرت ہندوستان کو تشریف لائے۔

بڑے حضرت تخمیناً عرصہ دو سال اپنے مکان، محلہ صادقپور میں مقیم رہے، آپ بھی یہیں رہے اور حسب دستور درس و تدریس، وعظ و نصیحت، مراقبہ و مشاہدہ میں مشغول رہے۔ پھر جب بڑے حضرت دوباہ ملک افغانستان کو تشریف لے گئے، آپ بھی ان کے ہمراہ ہوئے اور ان سب سفروں میں انواع قسم کی تکلفیں اور مصیبتیں آپ نے جھیلیں۔ بہت دفعہ دو دو تین تین روز تک فاقہ کشی کی بھی نوبت آ پہنچی اور ان پہاڑوں میں اکثر آپ کو پیادہ پا بھی چلنا پڑا کہ تمام پاؤں میں آبلے پڑ گئے مگر آپ نے دل نہ ہارا اور ہر تکلیف و مصیبت، جو آپ کو خدا کی راہ میں پہنچتی، نہایت صبر و استقلال کے ساتھ شاداں و فرحاں اس میں رہتے۔ بعد انتقال بڑے حضرت بھی چندے آپ وہاں رہے، بعد اس کے وہاں سے بلائے گئے اور یہاں خدمت مبارک میں حضرت والد ماجدم چھوٹے حضرت حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے اسی خلوص و عقیدت کے ساتھ رہتے اور چھوٹے حضرت کے حکم سے ہر جگہ وعظ و نصیحت و ہدایت و تلقین بھی فرماتے اور درستگی استفتاء و مناسخہ وغیرہ بھی آپ کرتے، بعد اس کے جب جناب حضرت شاہ محمد حسین قدس سرہٗ ساکن محلہ تموہیہ کا انتقال ہوا تب وہاں کی گدی پر بھی آپ ہی مقرر ہوئے، معمول یوں رہا کہ بروز جمعہ علی الصباح صادقپور سے آپ تموہیہ تشریف لاتے اور جمعہ مسجد میں آپ نماز پڑھاتے، بعد نماز آپ کا وعظ ہوتا عصر تک بعد عصر آپ یہیں تموہیہ پر ٹھہرے رہتے اور مستفیدین و مسترشدین (۲۴۵) کا ہجوم رہتا، بعد نماز مغرب آپ کا وعظِ زنانہ مکان میں ہوتا اور صدہا عورتیں از بانکی پور تا پورب دروازہ جمع ہوتیں۔ عشاء تک آپ کا وعظ ہوتا اور جس عورت کو مرید ہونا ہوتا یا کچھ مسئلہ پوچھنا ہوتا اس کو بھی آپ انجام کرتے۔

بعد نماز عشاء اپنے مکان صادقپور کو آتے اور منگل کے روز و شب کو چھوٹے حضرت علیہ الرحمتہ کے مکان میں آپ کا وعظ ہوتا، کمرہ میں ایک طرف عورتیں اور ایک طرف مرد جمع ہوتے، ہزاروں مرد و عورت

آپ کا وعظ نہایت شوق و ذوق سے سنتے اور مستفید ہوتے- الغرض دونوں جگہوں کے وعظ وارشاد وتلقین کی خدمت انجام دیتے- ملک بنگال و ہندوستان وغیرہ سے صدہا طالب علم واسطے اکتساب علم دین کے آپ کے پاس آتے اور ہر ایک موافق اپنے حوصلہ کے حاصل کر کے جاتا، اکثر درس آپ کا قرآن وحدیث وفقہ واصول فقہ ہوتا-

مگر اگر کوئی طالب علم نا آموز آتا اور کہتا کہ میں میزان ومنشعب یا کریما یا بوستان آپ ہی سے پڑھوں گا تو آپ ایسے کریم النفس تھے کہ اس کو بھی محروم نہیں پھیرتے- آپ کے اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ اس قدر ہیں کہ جو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے -(۲۴۶)

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں گرفتار کر کے انبالہ جیل بھیج دیئے گئے، پہلے آپ کو پھانسی کا حکم ہوا، پھر منسوخ کرر کے کالا پانی میں حبس دوام کا حکم ہوا-

وفات:

۲۰ فروری ۱۸۶۸ء میں جزیرۂ انڈمان میں وفات پائی اور وہیں کے قبرستان میں مدفون ہوئے -(۲۴۷)

مولانا عبدالقیوم صادقپوری:

مولانا عبدالقیوم کے والد کا نام مولانا یحییٰ علی تھا-

ولادت:

پیدائش ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں ہوئی -(۲۴۸)

تعلیم:

آپ نے درسیات مولوی احمد اللہ صاحب، مولوی حکیم عبدالحمید صاحب مرحوم سے پڑھی تھی- آپ کی طبیعت منطق وفلسفہ سے مطلق مناسبت نہیں رکھتی تھی اس لئے (۲۴۹) جناب حکیم صاحب مرحوم نے آپ

سے معقولات چھوڑا دیا تھا یہاں تک کہ شرح جامی کے عوض رضی شرح کافیہ پڑھایا- ادب میں آپ کو فہم و صلاحیت دانی تھی اور تواریخ و اشعار سے خاص ذوق تھا- جناب نے سندِ حدیث قدرے مولوی فیاض علیؒ اور زیادہ تر آپ نے اپنے والد ماجد مولانا یحییٰ علی سے حاصل کی تھی- جناب کو قرآن و احادیث اور دیگر کتب مذاہب کے مطالعہ کا ازبس شوق تھا اور کامل بصیرت تھی- یہاں تک کہ باوجود عسرت کے اکثر کتابیں خرید فرماتے، آپ کو ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ کی تصانیف سے خاص ذوق تھا- اخبار اہلحدیث امرتسر کے مستقل خریدار رہے اور اس کے قبل اخبار وکیل امرتسر خرید فرماتے- اہل صادقپور میں غالباً جناب کو اور مولوی عبدالرحیم صاحب کو حدیث میں کافی بصیرت تھی اور کتب حدیث رکھتے بھی تھے- ترمذی، دار قطنی، مسند احمد، تیسیر الوصول، موطا امام محمد وغیرہ- ابن قتیبہ مجد الدین صاحب قاموس کی تصانیف بھی رکھتے تھے- مطالعہ کتب سے خاص ذوق تھا-

اخلاق:

آپ سیدھے سادے المومن غیر کریم کے مظہر اتم تھے- آپ کی طبیعت کو امور تمدنی سے چنداں مناسبت نہیں تھی- محبت وملنساری، علم وانکساری، نرم گفتاری، سادہ مزاجی، دنیا و مافیہا سے بے خبری میں عجیب کیفیت رکھتے تھے- نہایت عبادات گزار اور متقی تھے- جناب نے ادائے فریضہ حج بیت اللہ بھی کیا تھا- غیرت مذہب وملت آپ کا خاص حصہ تھا- وضع کے نہایت پابند تھے- ہمسایہ کا خاص خیال رکھتے تھے- آپ کی مخصوص نشستگاہیں تھیں جہاں جناب کو جانا اور کچھ دیر بیٹھنا ضروری تھا-

آپ اخلاقاً جب کبھی مخلصین کے یہاں جاتے تو قبل ہی سے کھانے کی خود ایسی فرمائش کر دیتے کہ میزبان تکلف سے قاصر رہتا- آپ تلخ اور پھیکے کی کبھی شکایت نہیں کرتے- بچوں کی جانب سے آپ کو عام التفات تھا- غرض آپ نہایت خوش خلق، صاحب مروت اور ہر دلعزیز تھے- بے ریا بالنفس تھے- آپ کا وعظ

نہایت عمدہ پرتاثیر، عام فہم اور مختصر ہوتا تھا- آپ فحوای الولد سر لابیہ کے پورے مصداق تھے- لوگوں ں کے نزاع نہایت سہولت اور (۲۵۰) عمدہ اسلوب سے طے فرماتے تھے مگر بوجہ ضعف پیری تبلیغ وغیرہ کے کاموں سے معذور ہو گئے- جناب کے دعا کا انداز ایسا خوب تھا کہ سامعین پر عجیب اثر پڑتا تھا اور وہ قرآن وحدیث کے مضامین سے پر ہوتے تھے، اکثر اپنی ہی زبان میں آواز بلند فرماتے تھے- آپ اپنے والد ماجد کے خلیفہ بھی تھے- بیعت ارشاد بھی لیتے تھے-

زندگی:

آپ محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ میں علم دینیات کے معلم رہے- اسکول کے فاضل اوقات میں مکان پر لوگوں کو پڑھاتے- بچوں کو پڑھانے کا از بس شوق تھا- آپ بعد انتقال محمد حسن صاحب کے صادقپور کی مسجد میں تاقوت مغرب وعشاء اور جمعہ کی امامت فرماتے رہے-

آپ مراسم بدعات سے خوب واقف تھے کیونکہ مجالس اور مختلف سوسائٹیوں کی سیر کئے ہوئے تھے- شرک وبدعت کی خوب دھجی اڑاتے-

شادی:

آپ کی شادی مسماۃ تسلیمن عرف منیرن بنت میر مظہر علی صاحب ساکن باڑھ سے ہوئی تھی جنہوں نے لاولد قضا کیا- اس کے بعد آپ نے کوئی شادی نہیں کی- جناب کی عمر ۸۲ سے کچھ تجاوز تھی- (۲۵۱)

وفات:

ماہ صفر ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۲ء میں وفات پائی- (۲۵۲)

مولانا ابوالحسنات سید طٰہٰ کمال ندوی:

ولادت:

مولانا سید طٰہٰ کمال ندوی ۱۰ جنوری ۱۹۱۰ء کو موضوع اٹوا بی پیر بیگھہ نزد موضوع بھدیا بودھ گیا میں پیدا ہوئے- آپ کے والد کا نام سید عبد السبحان فریدی مشہدی وارثی تھا- آپ کے والد نے تاریخی نام سید خیرات حسن مشہدی رکھا، آپ کا وطن مالوف محلہ آبگلہ بلاک مانپور ڈاکخانہ بنیاد گنج ضلع'' گیا تھا-

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی، پھر مدرسہ محبت السلام آبگلہ گیا، مدرسہ انوار العلوم گیا، مدرسہ اسلامیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے حاصل کرنے کے بعد ثانوی تعلیم مدرسہ قادریہ دیوہ شریف بارہ بنکی، مدرسہ اسلامیہ و مدرسہ عزیزیہ بہار شریف سے حاصل کیا- اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ''فن حدیث'' اور ''عربی'' میں گولڈ میڈل حاصل کیا-

مولانا نے علامہ شیخ تقی الدین الہلالی مراکشی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی، مولانا ابوالخیر فضل الرحمن گیاوی، مولانا سجادؒ بانی امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وغیرہ جید علماء سے تعلیم حاصل کی- ۱۹۵۶ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحالی ہوئی، درس و تدریس کے بعد مولانا کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا- شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی، عربی میں اشعار کہتے، عربی میں شعری مجموعہ ''رائعات طیبات'' اور ''مراءۃ الکمال'' ہیں-

فن عروض میں ''عروض کمال'' اور ''راہ سلوک''، ''ام القرآن'' وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں-

وفات:

آپ کی وفات ۷ انومبر ۱۹۸۴ء کو ہوئی اور آبگلہ میں دفن کئے گئے- (۲۵۳)

مولانا ابوالقاسم فیضی امگاوی:

مولانا ابوالقاسم فیضی کا وطن موضوع امگاؤں ضلع مدھوبنی تھا- ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں داخلہ لیا (۲۵۴) اور اسی مدرسہ سے فراغت حاصل کی- فراغت کے

بعد چند سال اس میں درس دیتے رہے۔

اس کے بعد دیگرے بعد دیگر فتح پوری مسجد دہلی اور دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں کئی سال تدریسی خدمات کے بعد صدر مدرس و شیخ الحدیث کی حیثیت سے مدرسہ اسلامیہ بھوارہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

اپنے گاؤں موضع امگاؤں میں المعہد الاسلامی قائم کیا۔ اس کے نگراں اور اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

مولانا جید عالم، متقی و پرہیزگار، تصنع سے دور اور سیدھی سادی زندگی کے حامل تھے۔

مولانا کا فیض عام ہوا، بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ معقولات و منقولات کے جامع تھے۔

وفات:

مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء بروز سوموار سوا بارہ بجے دن تقریباً ۶۵ سال کی عمر پا کر معمولی حالت (بلڈ پریشر) کے بعد وفات پائی اور اپنے گاؤں میں مدفون ہوئے۔ (۲۵۵)

مولانا عبدالرشید فوقانی:

مولانا عبدالرشید فوقانی، حضرت شیخ علامہ شوق نیموی کے صاحبزادے تھے۔ وہ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں بامقام نیمی پیدا ہوئے، عبدالرشید نام اور تاریخی نام محمد مظفر رکھا گیا، ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔

علامہ شوق نیموی سے درسی کتابیں پڑھیں، تکمیل درس کے بعد عام طور پر گھر پر رہے، کبھی کبھی پٹنہ چلے جاتے تھے۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں جب نیمی پر حملہ ہوا تو اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور پٹنہ میں سکونت اختیار کر

لی- کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ گئے اور وہاں ٹیلہ والی میں مقیم رہے-

شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور فوقانی تخلص کرتے تھے- مولانا فوقانیؒ صاحب تصانیف اور جید عالم تھے- ان کی تصنیفات حدیث، فقہ، عروض اور ادب کے (۲۵۶) موضوع پر مبنی ہیں-

تصنیفات:

ان کی تصنیفات میں القول الحسن فی الرد علی ابکار المنن ضمیمہ، وسیلۃ العقبیٰ، تذکار الشوق، نالہ فوقانی، افکار فوقانی قابل ذکر ہیں-

وفات:

اپریل ۱۹۷۱ء میں وفات پائی، لاش محمد صائم باغ کالو خان کے گھر لائی گئی اور تجہیز و تکفین کے بعد شیخ کے روضہ پٹنہ سیٹی میں دفن کئے گئے- (۲۵۷)

مولانا شاہ نصیر الحق محدث عظیم آبادی:

مولانا شاہ نصیر الحق، مولانا شاہ ظہور الحق کے صاحبزادے تھے، ۳ جمادی الآخر ۱۲۱۹ھ/۱۸۱۴ء کو پیدا ہوئے- ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں- والد کے وصال کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے اور بقیہ درسی کتابیں مفتی ظہور اللہ فرنگی محلی اور مرزا حسن علی لکھنوی سے سند حدیث کے ساتھ تمام کیں- (۲۵۸)

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جب میں پانچ برس کا تھا تو حضرت پیر دستگیر سر آمد اولیاء عصرے بے نظیر مولانا و مرشدنا و سیدنا والا بزرگوار جناب مولانا حافظ شاہ ظہور الحق غوث الدہر قدس سرہٗ اپنے حلقۂ مرشدین میں مجھ کو بٹھاتے تھے اور نور ایمان وضیائے ایقان وتخم عقل ونکتہ دل امداد فرماتے تھے- بعد چندے حلقہ سے اٹھا لیا اور بارہ برس کی عمر تک مرشدان عالی کے حلقے میں شریک نہ ہوا- اسی اثناء میں چند کلمات میرے حق میں وارد ہوئے، از آں جملہ یہ کہ بہ زمانہ قیام قصبہ ناجیہ پھلواری کہ اس زمانے میں حضرت استاذی بھائی مولوی محمد

صفی صاحب نور اللہ مرقدہ بہ باعث علالت اندر حویلی بارہ دری میں قیام فرماتے تھے کہ حضرت پیر دستگیر بھائی صاحب کے دیکھنے کو تشریف لائے اور میں کھیل میں مشغول تھا۔حضرت مولانا ومرشد نے بھائی صاحب سے فرمایا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ محمد نصیر الحق کو کل کتابیں دھوکر پلا دوں اور جب ہمارا سن بارہ برس کا ہوا ایک رات بعد نماز مغرب معمولات سے فراغت کر کے مجھ کو اور جناب ماموں سید آل یاسین صاحب کو حضرت امجد قدس سرہٗ کی خلوت نے طلب فرمایا کہ میں شروع طفلی سے تا سن بلوغ (۲۵۹) حضرت پیران پیر اعلی جد امجد قدس سرہٗ کے حضور میں ہمہ دم حاضر رہتا تھا چنانچہ جس وقت طلب فرمایا تھا، اس وقت بھی مطالعہ میں مصروف تھا، جب حضرت مولانا کی صدائے طلب ہم لوگوں کے کان میں پہنچی تو حضرت جد امجد قدس سرہٗ سے عرض کر کے حضرت پیر ومرشد کے حضور میں حاضر ہوئے، فرمایا کہ ان حلقہ نشینوں کے ساتھ بیٹھو، فوراً حکم بجالایا آخر اس زمانہ سے تا حیات شریف حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ کے حلقے میں بیٹھا کیا اور ترقیات روز افزوں یوماً فیوماً حاصل ہوتی رہی اور شب دوازدہم ربیع الاول ۱۲۳۲ھ ہماری بیعت بروز عرس حضرت سرور کائنات مظہر موجودات سید الانبیاء سید الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت پیر دستگیر قدس اللہ سرہ العزیز نے لیا اور اجازت جمیع اعمال و افکار و اشغال و اذکار عنایت فرمایا۔" (۲۶۰)

تربیت باطنی کا موقع نہ مل سکا اس لئے علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد آپ مولوی محمد صفی بن شاہ وجیہ اللہ علیہما الرحمۃ (نواسہ حضرت شاہ احمد عبدالحق قدس سرہٗ) کی طرف رجوع کیا اور ان ہی سے باطنی تربیت ہوئی۔

اپنے والد کے وصال کے بعد سجادہ عمادیہ پر جانشین کئے گئے۔حضرت شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ کی اچانک وفات کی وجہ سے تھوڑی مدت کے لئے خانقاہ عمادیہ میں جو بے کیفی پیدا ہوگئی تھی، آپ کے صاحب علم وفضل ہو جانے کے بعد دور ہوگئی۔آپ نے آبائے کرام کی روش کے مطابق درس وتدریس ورشد و ہدایت کا

سلسلہ دوبارہ قائم کیا-صدہا آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے-

وفات:

۲۸ شوال ۱۲۶۰ھ میں رحلت فرمائی اور پھلواری میں حضرت شاہ غلام نقشبند قدس سرہٗ کے پائیں مزار مدفون ہوئے، چونکہ کوئی اولاد ذکور نہ تھی، اس لئے آپ کے بعد آپ کے تیسرے بھائی مولانا شاہ علی امیر الحقؒ قدس سرہٗ جانشین کئے گئے-(۲۶۱)

مولانا عبید الرحمٰن عاقل رحمانی......(۱۹۱۰-۱۹۸۴ء):

آپ کا مولد و مسکن موضوع پیغمبر پور ضلع دربھنگہ ہے- آپ عصر حاضر کے مانے ہوئے عالم، مفسر، محدث، فلسفی، مدرس اور شاعر ہیں- آپ جامعہ دار السلام، عمر آباد مدارس کے پرنسپل رہے اور بعد میں جامعہ احمد یہ سلفیہ، لہریائے سرائے، دربھنگہ میں مدرس اول مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اسی درسگاہ کی آبیاری کرتے رہے-

آپ بہت سی قدیم عربی اور فارسی کتب کے مترجم ہیں اور خود بھی کئی قیمتی کتب کے مصنف ہیں- آپ کی نادر روزگار قلمی کاوشوں میں علامہ طنطاوی مصری کی تفسیر جوہر کا اردو ترجمہ ہے اور دار المصنفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام دو جلدوں میں شائع ہو کر خراج عقیدت وصول کر چکا ہے- فلسفہ جدید پر عربی زبان میں آپ کی کتاب النوامیس الالٰہیہ بھی بڑی مشہور ہوئی- (۲۶۲)

تفسیر جوہر (جز اول) یعنی علامہ شیخ طنطاوی جوہری مصری کی شہرہ آفاق عربی تفسیر کا اردو ترجمہ، از مولانا عبید الرحمٰن صاحب رحمانی، استاد جامعہ عربیہ دار السلام، عمر آباد، جس کو عالی جناب ساہوکار کے حاجی محمد ابراہیم نے بااہتمام مولوی مسعود علی ندوی صاحب معارف پریس اعظم گڑھ میں چھپوا کر عمر آباد مدارس سے شائع کیا، طبع اول ایک ہزار، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء، کل صفحات ۲۶۹، اس کتاب میں سور الفاتحہ، بقرہ، ارکان

اسلام، ایلا و طلاق اور سود، مجلس شوریٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ (۲۶۳)

مولانا سید محمد علی مونگیری:

مولانا سید محمد علی علی بن سید عبد العلی بن سید غوث علی کا تعلق سادات بارہ سے تھا جو تقریباً تین سو برس پہلے ملتان سے آئے تھے اور مظفر نگر کے قصبہ کھتولی کے قریب قیام فرمایا۔ حضرت مولانا کے جد امجد سید شاہ غوث علی مظفر نگر سے کانپور تشریف لے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔

ولادت:

۳ شعبان ۱۲۶۲ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۸۴۶ء کو مولانا سید محمد علی کی ولادت ہوئی۔ دو سال بعد والد سید عبد العلی کا انتقال ہو گیا۔ (۲۶۴) اس لئے ابتدائی زمانہ آپ کے جد امجد سید شاہ غوث علیؒ کے ساتھ گزرا۔ قرآن مجید اپنے چچا سید ظہور علی سے پڑھا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سید عبد الواحد بلگرامی سے (۲۶۵) درسیات کی تکمیل استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مفتی عنایت احمدؒ کاکوروی سے کی۔ بیشتر کتابیں مولانا لطف اللہ سے پڑھیں۔ (۲۶۶)

مدرسۂ فیض عام کا پہلا طالب علم:

حافظ امام الدین صاحب نے، جو سید غوث علیؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے، سب سے پہلے آپ کو عربی تعلیم کی ترغیب دی۔ دوسری طرف والدہ ماجدہ برابر ہمت افزائی فرماتی رہیں۔

۱۲۷۷ء میں جو طلباء سے پہلے مدرسۂ فیض عام میں داخل ہوئے ان میں سر فہرست مولانا محمد علی مونگیری بھی تھے۔

انہوں نے دو سال درسیات کی تکمیل میں صرف کئے۔ مفتی عنایت احمد کی مشہور کتاب علم الصیغہ انہوں نے خود مفتی صاحب سے پڑھی۔ (۲۶۷)

دو سال کے بعد مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی ہوئے چنانچہ مولانا کا تعلیمی سلسلہ پوری پابندی، انہماک اور ذوق وشوق سے جاری رہا، کافیہ، شرح مصباح، شرح مُلّا جامی اور منطق کی بعض کتابیں مولانا سید حسین شاہ سے پڑھیں اور بقیہ کتابیں مولانا لطف اللہ سے۔

ذوقِ علم اور ذہانت:

اسی زمانہ میں ان کی والدہ صاحبہ کو خیال ہوا کہ ان کا نکاح کر دیا جائے، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی چنانچہ مظفر نگر روانہ ہوئے اور کھتولی سے دو میل کے فاصلے پر محی الدین پور، جہاں آخر میں ان کے اجداد منتقل ہو گئے تھے، شادی کی اور دو سال قیام کیا۔ اس عرصہ میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی کانپور سے علی گڑھ منتقل ہو گئے اور تدریس کا سلسلہ وہاں سے جاری ہوا۔ یہ مدرسہ جامع مسجد علی گڑھ میں تھا (۲۶۸) اور اس کو مولانا لطف اللہ کے استاذ الاستاد مولانا بزرگ علیؒ نے، جو اپنے وقت کے ممتاز اور نامور عالم تھے، قائم کیا تھا۔ (۲۶۹)

بہر حال معقول کی کتابیں مولانا لطف اللہ صاحب سے ختم کرنے کے بعد ان ہی سے صحاح ستہ بہت اہتمام سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ مولانا کو ''علمِ حدیث'' سے خاص رغبت تھی۔ (۲۷۰)

آغاز جوانی ہی میں ان کی ملاقات ایک صاحب حال بزرگ حافظ محمد صاحب سے ہوئی، انہوں نے مولانا کو اسم ذات کی تعلیم دی، اس شغل سے مولانا میں استغراقی کیفیت اور قلب میں گرمی پیدا ہو گئی، نماز وں میں بے حد لطف آنے لگا اور دنیا سے طبیعت بالکل سرد اور بیزار ہو گئی، بعد میں چند دوستوں کے مشورہ سے انہوں نے یہ شغل ترک کر دیا، اس کے بعد انہوں نے مولانا کرامت علی قادری کا دامن پکڑا، ان کو مولانا سے بڑا فیض حاصل ہوا۔ (۲۷۱)

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں:

مولانا شاہ کرامت علیؒ کے بعد ان کو دوسرے مرشد اور رہنما کی تلاش ہوئی۔ جذبۂ اخلاص اور طلب

صادق نے ان کو جلد ہی ایک ایسے مرشد تک پہنچا دیا (۲۷۲) جس کی نگاہ تربیت نے ان کو روحانی بلندی اور کمال کے اس مرتبہ تک پہنچایا جو بعض اوقات طویل مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ (۲۷۳)

مشہور و نامور محدث مولانا احمد علیؒ سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے پاس گیارہ مہینے قیام کر کے صحاح ستہ، موطا امام محمد اور موطا امام مالک پڑھی اور اول ذکر دو چیزوں کی سند بھی حاصل کی۔ (۲۷۴) مولانا احمد علی رحمتہ اللہ نے ان کی بڑی عزت اور قدر کی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ بصیرت اور فراست ایمانی نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ مولانا کے اندر کیا جوہر قابل پوشیدہ ہے:

بالائے سرش زہو شمندی می تافت ستارۂ بلندی

مولانا اپنے شاگرد کا ایسا احترام کرتے تھے جیسا کہ ایک شاگرد کسی استاد کا۔ (۲۷۵)

اجازت و خلافت:

اسی زمانے میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے بیعت کی اجازت بھی دی، وہ بھی عجیب اور سادہ طریقہ سے ''ارشادِ رحمانی'' میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''جب میں رخصت ہونے کی غرض سے حضرت کے ہمراہ مسجد کے اندر سے صحنِ مسجد میں آیا تو حضرت قبلہؒ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے اندر داہنے گوشہ میں لے گئے اور اکڑو بیٹھ کر ارشاد فرمایا ''جو کوئی تمہارے پاس آ کر بیعت کی درخواست کرے تو خاندانِ نقشبندیہ اور قادریہ میں مرید کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں ہوں! ارشاد ہوا کہ تمہیں اس سے کیا بحث ہے، جو ہم کہتے ہیں وہ کرو۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس بوجھ کو حضور ہی سنبھالیں اور خیال رکھیں، فرمایا ہاں۔'' (۲۷۶)

تدریسی خدمات:

گنج مراد آباد سے واپسی کے بعد دلاری مسجد (کانپور) میں درس دینا شروع کیا- ایک سال تک مولانا احمد علی کی صحبت اور درس حدیث نے اور مولانا فضل رحمٰن کی صحبت و بیعت نے جو اثر پیدا کیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں سے زائد ملنا جلنا ترک ہوگیا، دن رات کا بیشتر حصہ درس حدیث میں گزرتا، طلباء کے ہجوم اور ذوق طلب میں برابر اضافہ ہو رہا تھا-

مدرسۂ فیض عام کے مہتمم نے جب درس و تدریس کا یہ نقشہ دیکھا تو اس بات کی کوشش کی کہ مولانا مدرسہ میں درس دیا کریں-(۲۷۷)

انجمن تہذیب کا قیام:

ایک انجمن ''انجمن تہذیب'' کے نام سے مولانا نے کانپور میں قائم کی- اس کا مقصد علماء جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں صحیح اسلامی افکار کی اشاعت و ترجمانی اور ان کے درمیان باہمی اتحاد اور اخوت پیدا کرنا تھا-(۲۷۸)

فقہ پر گہری نظر:

مولانا کی فقہی آراء کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہوگیا تھا جو ''کتاب المسئلۃ'' کے نام سے خانقاہ رحمانی میں مشہور ہے-(۲۷۹)

مولانا کا کتب خانہ:

سہارنپور سے واپسی کے بعد کتابوں کے حصول پر خاص توجہ کی، رفتہ رفتہ ایک بڑا کتب خانہ تیار ہوگیا-

کانپور میں یتیم خانہ:

مولانا نے کانپور میں، جہاں اس زمانہ میں عیسائی مشن کام کر رہے تھے، یتیم خانہ اسلامیہ کی سنگِ بنیاد

رکھی، جس میں مسلمان بچوں کو تعلیم کے ساتھ صنعت وحرفت سکھانے کا بھی انتظام تھا۔(۲۸۰)

تصانیف:

مولانا کی تصنیفات ردِ عیسائیت میں:- عیسائیوں کے رد میں غالباً مولانا کی سب سے پہلی تصنیف ''مراۃ الیقین'' ہے۔ پادری عمادالدین نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اعجاز عیسوی'' کے رد میں ''ہدایت المسلمین'' لکھی اور آدھی یا تہائی کتاب کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ ''اعجاز عیسوی'' جس وقت لکھی گئی، اس وقت مشہور پادری فنڈ موجود تھے، لیکن وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔(۲۸)

آئینۂ اسلام:- مولانا کی دوسری تصنیف آئینۂ اسلام ہے۔ یہ کتاب مولانا نے حیدرآباد دکن کے دوران قیام میں ۱۲۹۷ھ میں تصنیف فرمائی اور اس میں منشی صفدر علی کی کتاب ''نیاز نامہ'' کا جواب لکھا۔(۲۸۲)

ترانۂ حجازی اور دفع التلبیسات:- مولانا کی ایک اور کتاب، جو عمادالدین کے جواب میں ہے، ''ترانۂ حجازی'' ہے، یہ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

پیغامِ محمدیؐ:- مولانا کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآرا تصنیف جس کو مولانا رحمت اللہ کی ''اظہار الحق'' یا ''اعجاز عیسوی'' سے تشبیہہ دی جاتی ہے، ''پیغامِ محمدیؐ'' ہے۔ یہ کتاب مولانا نے صفدر علی کے ''نیاز نامہ'' اور پادری ٹھاکر داس کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب میں لکھی۔(۲۸۳)

فیصلۂ آسمانی:- مولانا کی سب سے اچھی تصنیف فیصلۂ آسمانی ہے، جو قادیانیوں کے حق میں واقعی فیصلۂ آسمانی ثابت ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کے تین ایڈیشن مولانا کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے لیکن کسی قادیانی کو اس کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ مولانا کی وفات کے بعد بھی کسی قادیانی

نے اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کی۔(۲۸۴)

ارشادِ رحمانی:۔مولانا کی مختصر لیکن اہم تصنیف ''ارشادِ رحمانی'' ہے، جو سلوک و آدابِ طریقت کے موضوع پر ہے اور اس میں آج بھی وہ تاثیر باقی ہے کہ پڑھنے والے کا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اس کے قلب پر مصنف کے اخلاص وللّٰہیت کا عکس پڑتا ہے۔یہ کتاب کا سب سے بڑا اور بنیادی وصف ہے۔(۲۸۵)

مولانا کی دوسری تصنیفات پر ایک نظر:۔

اس کے علاوہ مولانا کی جو تصنیفات ردقادیانیت میں ہیں ان میں چشمۂ ہدایت، چیلنج محمدیہؐ، معیار صداقت، معیار المسیح، تنزیہ ربانی، آئینۂ کمالات مرزا، نامۂ حقانی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔کل کتابوں کی تعداد (دوسری تصنیفات میں) ۵۰ کے قریب ہے، اس کے علاوہ بہت سے ایسے رسائل بھی ہیں جو پہلے چھپے تھے، اس کے بعد ختم ہو گئے۔رسالہ ''چیلنج محمدیہ'' عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا اور اس کی خوب اشاعت ہوئی۔

ندوۃ العلماء کا قیام:

علماء کی باہمی کشمکش، فقہی اختلافات کی شدت، حقیقی مسائل سے پہلوتہی اور وقتی یا مصنوعی مسائل پر زور آزمائی، مناظروں کی گرم بازاری اور تکفیر کا رواج، نئے فتنوں کی طرف سے غفلت اور غیر ضروری چیزوں پر اصرار، یہ وہ حوصلہ شکن حالات تھے جس میں مولانا محمد علیؒ نے ندوۃ العلماء کا تخیل اسلام ہند کے سامنے پیش کیا۔

۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر علماء کی ایک مجلسِ مشاورت نے اتفاقِ رائے سے یہ بات طے کی کہ علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے اور آئندہ سال دستار بندی کے موقع پر اس کا پہلا عام جلسہ منعقد کیا جائے اور ہندوستان کے تمام علماء کو اس میں شرکت

کی دعوت دی جائے۔(۲۸۶)

اس مجلس میں انجمن کا نام ''ندوۃ العلماء'' تجویز ہوا اور مولانا سید محمد علی مونگیری اس کے ناظم اول مقرر ہوئے اور ان سب حضرات نے جو جلسہ میں شریک تھے، اس اسکیم پر تائیدی دستخط کیے۔(۲۸۷)

یتیم خانہ کانپور:

یتیم خانہ کانپور، جو ندوۃ العلماء کی نگرانی میں چل رہا ہے، اس میں اس وقت ۴۳ بچے، جن میں ۲۵ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں ہیں، ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اتالیق اور مدرس مقرر ہیں اور صنعت و حرفت سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ بعض بچوں کو چمڑے کا کام بھی سکھایا جاتا ہے اور بعض کو پریس کا۔(۲۸۸)

اولاد:

مولانا نے تین شادیاں کیں، پہلی شادی محی الدین پور (مظفرنگر) کے میر امان علی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی، اس وقت مولانا کی عمر ۲۲ سال تھی، ان سے دو لڑکیاں اور تین لڑکے تولد ہوئے، سید احمد علی، سید محبوب علی اور سید معصوم علی، موخر الذکر دونوں لڑکے کمسنی ہی میں انتقال کر گئے۔(۲۸۹)

دوسری شادی کانپور میں ایک بیوہ سے مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے اشارہ سے ہوئی، ان سے کوئی اولاد نہ تھی، تیسری شادی سیکری (مظفرنگر) میں ہوئی، ان سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ سب سے پہلے صاحبزادے کا نام عتیق اللہ تھا۔(۲۹۰)

وفات:

۹ ربیع الاول سہ شنبہ ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۲۷ء کو زوال آفتاب کے وقت ظہر کی نماز کے بعد ۲ بجے دن اللہ اللہ کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کی اور اپنی خانقاہ کے احاطے میں مدفون ہوئے۔(۲۹۱)

حواشی باب دوم، فصل اول

۱-بقلم مہر النساء

۲-پروفیسر اختر راہی: المعارف، جلد۱۶، شمارہ اول، ص۳

۳-بقلم مہر النساء

۴-سید محمد علی حسن صاحب: مطالب القرآن، المشتہر، ص۶

۵-ایضاً، ص۱۱

۶-ایضاً، ص۱۲

۷-ایضاً، ص۱۳

۸-ایضاً، ص۱۴

۹-ایضاً، ص۱۵

۱۰-ایضاً، ص۱۶

۱۱-ایضاً، ص۱۷

۱۲-بقلم مہر النساء

۱۳-مطالب القران، ص۱، ص۳، ص۵

۱۴-ایضاً، ص۱

۱۵-ایضاً، ص۲

۱۶-ایضاً، ص۳

۱۷-ایضاً، ص۴

۱۸-ایضاً، ص۵

۱۹-ایضاً، ص۱۱

۲۰-سید سلیمان ندوی ''مولینا حمید الدین'': معارف نمبر۲، جلد۲۷، ماہ جنوری، ۱۹۳۱ء، شعبان ۱۳۴۹ھ، ص۸

۲۱-ایضاً، ص۹

۲۲-ایضاً، ص۱۰

۲۳-ایضاً، ص۱۱

/ مکاتب شبلی، جلد دوم، بنام مولانا حمید الدین، خط نمبر۱

۲۴-معارف نمبر۲، جلد۲۷، ۱۹۳۱ء، ص۱۲

۲۵-ایضاً، ص۱۳

۵۳-ایضاً،ص ۲۶

۵۴-سالم قدوائی: ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسریں، معارف جلد۲۲،شمارہ۶، کوہ نور پرنٹنگ پریس، دہلی،ص ۳۳۰

۵۵-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات وخدمات، ص ۲۷

۵۶-ایضاً، ص ۲۸

۵۷-ایضاً،ص ۲۹

۵۸-معارف، جلد ۲۹، شمارہ ۲۵

۵۹-جامعہ، اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ماہوار رسالہ، مطبع جامعہ دہلی، ال ۱۸۹۲،ء، ص ۲۹۹

۶۰-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات وخدمات، ص ۲۹

۶۱-سید قیام الدین نظامی الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۱۹۷

۶۲-ایضاً، ص ۱۹۸

۶۳-ایضاً، ص ۱۹۹

۶۴-ایضاً، ص ۲۰۰

۶۵-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات وخدمات، ص ۳۰

۶۶-سید قیام الدین نظامی الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۰۰

۶۷-ایضاً، ص ۲۰۱

۶۸-ایضاً، ص ۲۰۲

۶۹-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات وخدمات، ص ۳۰

۷۰-جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ، ص ۳۰۱

۷۱-سید قیام الدین نظامی الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم ص ۲۰۴

۷۲-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات وخدمات، ص ۳۰

۷۳-جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ص ۳۲۰

۷۴-ایضاً، ص ۳۲۱

۷۵-ایضاً، ص ۳۲۲

۷۶-ایضاً، ص ۳۲۳

۷۷-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات وخدمات، ص ۳۱

۷۸-جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ص ۳۰۶

۷۹-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات وخدمات، ص ۳۱

۸۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۲۴

۸۱-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۱۵

۸۲-ایضاً، ص ۲۱۶

۸۳- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ناشر شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ قاسمیہ بالا ساتھ، سیتامڑھی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۴

۸۴- ایضاً، ص ۱۲۵

۸۵- جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہوار رسالہ، ص ۳۰۶

۸۶- شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۱۶

۸۷- ایضاً، ص ۲۱۷

۸۸- حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، طابع و ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ص ۳۴۴

۸۹- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۳۵

۹۰- ایضاً، ص ۱۳۲

۹۱- ایضاً، ص ۱۳۴

۹۲- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۴۹

۹۳- ایضاً، ص ۲۵۰

۹۴- ایضاً، ص ۲۵۱

۹۵- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات و خدمات، ص ۳۲-۳۳

۹۶- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۵۱

۹۷- مولانا عبدالرؤف اورنگ آبادی: معارف ۳، جلد ۷۰، مولانا مظفر شمس بلخی اور سندِ حدیث، ماہ ستمبر ۱۹۵۳ء، ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ، ص ۲۰۹

۹۸- ایضاً، ص ۲۱۰

۹۹- ابومحمد حسین عرف سید شاہ فرزند علی: وسیلۂ شرف و ذریعۂ دولت، ص ۹۷

۱۰۰- مولانا عبدالرؤف اورنگ آبادی: معارف ۳، جلد ۷۰، مولانا مظفر شمس بلخی اور سندِ حدیث، ص ۲۱۱

۱۰۱- ایضاً، ص ۲۱۲

۱۰۲- ایضاً، ص ۲۱۳

۱۰۳- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۹۷

۱۰۴- ایضاً، ص ۹۸

۱۰۵- ایضاً، ص ۹۹

۱۰۶- معارف نمبر ۴، جلد ۷۰، ص ۲۸۷

۱۰۷- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۰

۱۰۸- معارف نمبر ۴، جلد ۷۰، ص ۲۸۸

۱۰۹- ایضاً، ص ۲۸۹

۱۱۰- محمد طیب ابدالی: وسیلۂ شرف و ذریعہ دوت، ص ۹۹

۱۱۱- معارف نمبر۴، جلد ۷۰، ص ۲۹۰

۱۱۲- ایضاً، ص ۲۹۵

۱۱۳- ایضاً، ص ۲۹۷

۱۱۴- ایضاً، ص ۲۹۸

۱۱۵- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۰

۱۱۶- معارف ۴، جلد ۷۰، ص ۳۰۰ تا ۳۰۱

۱۱۷- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۴۴

۱۱۸- معارف ۴، جلد ۷۰، ص ۳۰۳

۱۱۹- مولانا سید عبدالروف صاحب اورنگ آبادی: مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، معارف نمبر۳، جلد ۷۷، مارچ ۱۹۵۶ء، رجب المرجب، ۱۳۷۵ھ، ص ۲۱۱، نوشۂ توحید

۱۲۰- معارف ۳، جلد ۷۷، ص ۲۱۲

۱۲۱- ایضاً، ص ۲۱۳

۱۲۲- ایضاً، ص ۲۱۴

۱۲۳- ایضاً، ص ۲۱۵

۱۲۴- ایضاً، ص ۲۱۶

۱۲۵- ایضاً، ص ۲۱۷

۱۲۶- ایضاً، ص ۲۱۸

۱۲۷- ایضاً، ص ۲۱۹

۱۲۸- ایضاً، ص ۲۲۰

۱۲۹- ایضاً، ص ۲۲۱

۱۳۰- ایضاً، ص ۲۲۲

۱۳۱- ایضاً، ص ۲۹۱

۱۳۲- ایضاً، ص ۲۹۲

۱۳۳- محمد طیب ابدالی: وسیلۂ شرف و ذریعۂ دولت، ص ۱۰۷، حاشیہ

۱۳۴- معارف نمبر۳، جلد ۷۷، نوشۂ توحید، ص ۲۹۲ تا ۲۹۳

۱۳۵- سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۱

۱۳۶- جامعہ: اردو اکادمی جامعہ اسلامیہ دہلی کا ماہوار رسالہ، ص ۲۹۳

۱۳۷- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۱۴

۱۳۸- جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ص ۲۹۴

۱۳۹- مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدرر المنثور فی تراجم اھل صادقفور معروف بہ تذکرہ صادقہ، ص ۴

۱۴۰-ایضاً،ص۶ تاص ۷

۱۴۱-ایضاً،ص۱۴۸

۱۴۲-ایضاً،ص۱۴۹

۱۴۳-ایضاً،ص۱۵۰

۱۴۴-ایضاً،ص۱۵۱

۱۴۵-ایضاً،ص۱۵۲

۱۴۶-ایضاً،ص۱۵۳

۱۴۷-ایضاً،ص۱۵۴

۱۴۸-ایضاً،ص۱۵۵

۱۴۹-ایضاً،ص۱۵۶

۱۵۰-ایضاً،ص۱۵۷

۱۵۱-ایضاً،ص ۱۵۸

۱۵۲-ایضاً،ص۱۵۹

۱۵۳-ایضاً،ص۱۶۰

۱۵۴-ایضاً،ص۱۶۱

۱۵۵-ایضاً،ص۱۶۲

۱۵۶-ایضاً،ص۱۶۳

۱۵۷-ایضاً،ص۱۶۶

۱۵۸-ایضاً،ص۱۶۷

۱۵۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی :شرفاء کی نگری،حصہ دوم،ص ۱۸۵

۱۶۰- جامعہ:اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،ص ۲۹۵

۱۶۱-ایضاً،ص۲۹۶

۱۶۲-تذکرہ علمائے بہار،جلد اول،ص ۴۱۵

۱۶۳-شرفاء کی نگری،حصہ دوم،ص ۱۸۴

۱۶۴-ایضاً،ص ۲۰۷

۱۶۵-تذکرہ علمائے بہار،جلد اول،ص ۱۳۰

۱۶۶-ڈاکٹر عتیق الرحمٰن :علامہ شوق نیموی،حیات و خدمات،ص۴۹/یادگار وطن،ص ۱۵۶

۱۶۷-یادگار وطن،جلد ا،ص ۱۵۶

/ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی:علامہ شوق نیموی،حیات و خدمات،ص ۴۹ تاص ۵۰

۱۶۸-ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی:علامہ شوق نیموی،حیات و خدمات،ص ۵۰

۱۶۹- ایضاً،ص۵۲

۱۷۰- ایضاً،ص۵۲تاص۵۳

۱۷۱- ایضاً،ص۵۵

۱۷۲- ایضاً،ص۵۶

۱۷۳- ایضاً،ص۵۷

۱۷۴- ایضاً،ص۶۳

۱۷۵- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات و خدمات،ص۶۴/یادگار وطن،ص۵۸

۱۷۶- ایضاً،ص۶۵/ایضاً ص۵۹

۱۷۷- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۱۳۲

۱۷۸- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات و خدمات،ص۲۲۸ تاص۲۲۹

۱۷۹- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۷۷

۱۸۰- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات و خدمات،ص۲۳۲

۱۸۱- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۷۸

۱۸۲- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی، حیات و خدمات،ص۲۳۲

۱۸۳- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء(۱۸۵۷ء سے۱۹۱۴ء تک)،ص۷۸

۱۸۴- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات و خدمات،ص۲۳۵

۱۸۵- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۷۸

۱۸۶- ایضاً،ص۷۷

۱۸۷- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات و خدمات،ص۲۳۸

۱۸۸- ایضاً،ص۲۳۹

۱۸۹- ایضاً،ص۲۴۳

۱۹۰- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات و خدمات،ص۲۴۳

/ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۸۰

۱۹۱- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی: علامہ شوق نیموی حیات و خدمات،ص۲۴۲

۱۹۲- ایضاً،ص۲۴۳

۱۹۳- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۱۳۲

۱۹۴- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۷۷

۱۹۵- ایضاً،ص۷۸

۱۹۶- ایضاً،ص۷۹

۱۹۷- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۱۳۳

۱۹۸-ایضاً،ص ۳۶

۱۹۹-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدُّررُالمنثور فی تراجم اہل صادقفور،ص ۴۳

۲۰۰-ایضاً،ص ۴۴

۲۰۱-ایضاً،ص ۴۵

۲۰۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۳۶

۲۰۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۳۵/عبدالحیٔ: نزھۃ الخواطر جلد ۷،ص ۲

۲۰۴-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن،ص ۲۸۵

۲۰۵-ایضاً،ص ۲۸۶

۲۰۶-بقلم مہرالنساء

۲۰۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۷۵

۲۰۸-ڈاکٹر فضل احمد: برصغیر پاک وہند کے اردو ذخیرۂ احادیث کا مطالعاتی جائزہ، ۱۹۹۹ء، پہلا ایڈیشن جون ۲۰۰۱ء، ناشر رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی،ص ۹۱

/رفیق علمائے بہار نمبر،ص ۱۵۸

۲۰۹-ڈاکٹر فضل احمد: برصغیر پاک وہند کے اردو ذخیرۂ احادیث کا مطالعاتی جائزہ،ص ۹۲

۲۱۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۱۴۳

/رفیق علمائے بہار نمبر،ص ۲۲

۲۱۱-جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ماہوار رسالہ،ص ۳۲۳ تا ص ۳۲۴

۲۱۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۱۴۳

۲۱۳-آغا عمادالدین احمد: وادیٔ بالان،ص ۹۸

۲۱۴-جامعہ: اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،ص ۳۰۱

۲۱۵-آغا عمادالدین احمد: وادیٔ بالان،ص ۹۸

۲۱۶-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص ۷۳

۲۱۷-ابوالکلام عباسی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۲۲۴/عبدالحیٔ: نزھۃ الخواطر، جلد ۵،ص ۳۶۰

۲۱۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۹۶/عبدالحیٔ: نزھۃ الخواطر، جلد ۷،ص ۴۷

۲۱۹-ایضاً،ص ۱۲۲/ایضاً،ص ۲۱۳

۲۲۰-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص ۸۴

۲۲۱-ایضاً،ص ۸۵/تحقیق السدید فی بیان التقلید،ص ۱۵

۲۲۲-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص ۸۶

۲۲۳-ایضاً،ص ۸۷

۲۲۴-ایضاً،ص ۸۸

۲۲۵-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ص ۸۹/ القبیس اللّٰہیت، ص ۳

۲۲۶-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ص ۱۲۷

۲۲۷-ایضاً، ص ۱۲۸

۲۲۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۱۹

/ حکیم اسرار الحق: تاریخ اطبائے بہار، جلد دوم، ص ۸۵

۲۲۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، ص ۳۲۰

۲۳۰-ایضاً، ص ۱۵۴

۲۳۱-مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدُّرُ المنشور فی تراجم اهل صادقفور، ص ۹۷

۲۳۲-ایضاً، ص ۹۸

۲۳۳-ایضاً، ص ۹۹

۲۳۴-ایضاً، ص ۱۰۰

۲۳۵-ایضاً، ص ۱۰۱

۲۳۶-ایضاً، ص ۱۰۲

۲۳۷-ایضاً، ص ۱۰۳

۲۳۸-بقلم مہر النساء

۲۳۹-مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدُّرُ المنشور فی تراجم اهل صادقفور، ص ۱۰۳

۲۴۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۲۲

/ حدیقۃ الازہار، ص ۱۱۴

۲۴۱-مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدُّرُ المنشور فی تراجم اهل صادقفور، ص ۶۳

۲۴۲-ایضاً، ص ۶۲

۲۴۳-ایضاً، ص ۶۳

۲۴۴-ایضاً، ص ۶۴

۲۴۵-ایضاً، ص ۶۵

۲۴۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ عمائے بہار، جلد اول، ص ۴۲۳

۲۴۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہ ر، جلد اول، ص ۱۵۴

/ حدیقۃ الازہار، جلد ۲، ص ۱۱۷

۲۴۸-مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدُّرُ المنشور فی تراجم اهل صادقفور، ص ۱۱۵

۱۴۹-ایضاً، ص ۱۱۶

۱۵۰-ایضاً، ص ۱۱۷

۲۵۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۵۵

۲۵۲-ایضاً،ص۵۴

۲۵۳-ایضاً،ص۵۳

۲۵۴-ایضاً،ص۵۴

۲۵۵-ایضاً،ص۱۸۳

۲۵۶-ایضاً،ص۱۸۴

۲۵۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۴۰۰

/سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص۳۰۲

/مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: نذھۃ الخواطر، جلد ۷، ص۵۰۱

۲۵۸-مولوی حسیب اللہ مختار: انوار الاولیاء (سلسلہ عمادیہ) سال طباعت ۱۴۲۰ھ بہ مطابق جنوری ۲۰۰۰ء، ناشر بساط ادب پاکستان، کراچی، ص۱۰۹

۲۵۹-ایضاً، ص۱۱۰

۲۶۰-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص۳۰۲

۲۶۱-آغا عمادالدین احمد: وادیٔ بالان، ص ۹۷/

شاداں فاروقی: تذکرہ بزم شمال، جلد اول، ص۵۲۰ تا ص۵۲۲

۲۶۲-بقلم مہرالنساء

۲۶۳-تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۸۹

/تذکرہ مولانا محمد عثمان، ص ۴۱۸

/سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص ۸

/نقیب، ۲۵اپریل، ص۸۸

۲۶۴-سید محمد الحسنی، رہنمائی ونگرانی مولانا ابوالحسن ندوی: سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص ۷

۲۶۵-ایضاً، ص۸

۲۶۶-ایضاً، ص۱۲

۲۶۷-ایضاً، ص۱۵

۲۶۸-ایضاً، ص۱۶

۲۶۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۹۰

۲۷۰-سید محمد الحسنی، رہنمائی ونگرانی مولانا ابوالحسن ندوی: سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص۱۸

۲۷۱-ایضاً، ص۱۹

۲۷۲-ایضاً، ص۲۰

۲۷۳-ایضاً، ص ۲۶

/تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۹۰ تا ص۲۹۱

۲۷۴-ایضاً،ص۲۶

۲۷۵-سید محمد الحسنی رہنمائی ونگرانی،مولانا سید ابوالحسن ندوی: سیرت مولینا سید محمد علی مونگیری، ۱۹۷۸ء، ناشر،مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،ص۲۸

۲۷۶-ایضاً،ص۲۹

۲۷۷-ایضاً،ص۳۱

۲۷۸-ایضاً،ص۳۴

۲۷۹-ایضاً،ص۲۸

۲۸۰-ایضاً،ص۵۸

۲۸۱-ایضاً،ص۵۹

۲۸۲-ایضاً،ص۶۳

۲۸۳-ایضاً،ص۳۰۸

۲۸۴-ایضاً،ص۳۱۹

۲۸۵-ایضاً،ص۱۱۵

۲۸۶-ایضاً،ص۱۱۷

۲۸۷-ایضاً،ص۱۸۸

۲۸۸-ایضاً،ص۴۱۸

۲۸۹-ایضاً،ص۴۱۹

۲۹۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار،جلد اول،ص۲۹۰

۲۹۱-سیرت مولانا محمد علی مونگیری،ص۱۸۸

/ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۹۷

باب دوم

(فصل دوم)

علمائے بہار کی فقہ واصول فقہ میں خدمات

فقیہہ:

فقیہہ کے معنیٰ دین کی سمجھ رکھنے والا فقہ کے معنیٰ ''فہم'' - قرآن حکیم قانون زندگی ہے (Code of Life) یہ ایسا قانون زندگی ہے جو قانون فطرت کا ترجمان ہے - فطرت انسانی کے تقاضوں کی ترتیب و تنظیم کے لئے جن قوانین فطرت کی ضرورت ہے اس کی طرف قرآن حکیم اشارہ کرتا ہے - قرآن حکیم کے احکام کو، اس کے اشاروں کو، اس کی حکمت بالغہ کو سمجھنے کا نام فقہ ہے اور یہی علم دین ہے - (۱)

عام معنوں میں کسی شئے کا علم و فہم رکھنے والے شخص کو فقیہہ کہتے ہیں - فقہ کے باقاعدہ علم کی شکل اختیار کرنے سے اس لفظ کا استعمال دین کے عالم، شریعت اسلامی کا فہم رکھنے والے افراد کے لئے مخصوص کر دیا گیا - (۲)

فقیہہ کا ذہن بہت ہی ذود فہم ہوتا ہے، اس میں بڑی جدت طرازی ہوتی ہے، قانونی سوجھ بوجھ اس میں موجود ہوتی ہے اور نکتہ رس اس کی طبیعت ہوتی ہے اس لئے قانون زندگی کی صحیح ترجمانی وہی کر سکتا ہے - ایک فقیہہ کے پاس بڑا وسیع علم ہوتا ہے، جب تک اس کے پاس وسیع علم نہیں ہوگا وہ قانون فطرت کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں پیش ہی نہیں کر سکتا - ہر کس و ناکس کا فقیہہ ہونا بہت مشکل ہے - فقیہہ کا ذہن مسلسل کدو کاوش سے اور مسلسل قانون فطرت کے تجزیئے سے مرتب ہوتا ہے - ایک شاعر، ایک انشاء پرداز، ایک ادیب، ایک فلسفی کا ذہن فقیہہ کا ذہن نہیں ہوتا لیکن ایک فقیہہ شاعر بھی ہو سکتا ہے، انشاء پرداز، ادیب بھی اور فلسفی بھی، جغرافیہ داں اور معاشرت و معیشت کا ماہر بھی، قانونی زندگی اپنانے سے اور مختلف شعبۂ حیات پر قانون کو چسپاں کرنے سے اور ان کے نتائج پر نظر رکھنے سے قانونی فہم کا پیدا ہونا ممکن ہے، اسی لئے فقیہہ کا سب سے زیادہ بلند مقام ہوتا ہے، وہ قانون کی مہارت اور احادیث اور درائت سے حقائق کا انکشاف کر سکتا ہے - (۳) مسلمانوں کے معاشرے میں ابتدائی صدیوں میں فقہ کا ارتقاء ہوا اور وہ ایک متحرک (Dynamic) علم ہے لیکن چند صدیوں کے بعد فقہی ذہن جامد ہو گیا، لوگ لکیر کے فقیر ہو گئے - قیام پاکستان سے مدتوں قبل

درمند علمائے اسلام نے، جو فکر ونظر کی بلندی پر تھے، اس کی ضرورت محسوس کی تھی اور ۱۸۵۵ء میں مجلس ندوۃ العلماء نے یہ ذمہ داری مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی یکے از بانیان مجلس ندوۃ العلماء کے سپرد کی تھی کہ اس کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں اس عنوان پر تقریر کر کے لوگوں کو متوجہ کریں چنانچہ انہوں نے فرائض علماء کے نام سے تدوین فقہ جدید پر نہایت اہم تقریر کی تھی۔ وہ تقریر آج بھی موجود ہے اور غالباً ۱۹۲۷ء کا اجلاس تھا جس میں علامہ سید سلیمان ندوی نے فقہ اسلامی کی تدوین نو کی یاد دہانی کرائی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی اور سید حسن مثنیٰ ندوی نے مضامین لکھ کر ایک سنی اسلامی مملکت کے ماحول میں اس کی ضرورت کی جانب قوم کو متوجہ کیا تھا۔

ایک مدت بعد آج سے بیس سال قبل مملکت سعودیہ میں فقہ اسلامی کی تدوین نو کے لئے ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے نام سے ایک مجلس کی بنیاد پڑی۔ قانون قرآنی کی تشریحات کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی قسم کے معنی ومطالب (۴) ساری دنیا میں تسلیم کئے جائیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک فقہ کے احکامات دوسری فقہ کے احکامات سے براہ راست ٹکراتے رہیں۔ اس سے قرآن حکیم کی عظمت پر حرف آتا ہے۔

دنیائے اسلام اس حقیقت سے واقف ہے کہ مختلف فقہوں میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو نص قرآنی کے خلاف ہیں لیکن کسی فقیہہ میں اتنی جرأت موجود نہیں کہ وہ برسر ممبر کھڑا ہو کر واضح الفاظ میں یہ بیان کر دے کہ فلاں فقیہہ کا یہ حکم نص قرآنی کے خلاف ہے۔(۵)

علم حدیث کے متعلق سنی مسلمانوں میں کبھی اختلاف رائے نہیں رہا اور اگر کوئی اختلاف ہوا بھی تو نہایت خفیف سا اور مسلمانوں میں سنی ہمیشہ عظیم اکثریت میں رہے ہیں لیکن فقہ کی بناء پر سنی مسلمان چار مسلکوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور برعظیم پاک وہند کے مسمانوں میں حنفی یعنی امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہمیشہ اکثریت میں رہے ہیں۔(۶)

آئمہ اہل سنت والجماعت چار ہیں، جن میں سے کسی ایک کی تقلید ہمارے لئے واجب ہے:

۱-امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

۲-حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

۳-حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

۴-حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ،(۷)

بہار شریف کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ وہاں بڑے بڑے فقیہہ جو علم فقہ واصول فقہ پر دسترس رکھتے تھے-جلوہ افروز ہوئے،ان میں سب سے پہلے فقیہہ امام محمد تاج فقیہہ قدس سرہٗ ہیں-(۸)

حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس العزیز:

حضرت امام محمد تاج فقیہہ بیت المقدس کے ایک قصبہ الخلیل (Habroon) کے رہنے والے تھے- آپ کا سلسلۂ نسب حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب (عم رسولؐ) تک پہنچتا ہے- آپ بوجہ تبحر علم فقہ،فقیہہ کے لقب سے مشہور تھے- آپ کی بزرگی اور تبحر علمی کا شہرہ تمام سرزمین عرب میں تھا- آپ حضرت امام محمد غزالی کے پیر بھائی تھے-حضرت امام محمد تاج فقیہہ امام محمد غزالی اپنے پیر کی حکم پر اپنے وطن سے اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے تھے-(۹)

حضرت تاج فقیہہ نے سلطنت منیر کو فتح کر کے تاریخ بہار کو ایک نیا روپ اور نئی روح بخشی-پیغمبروں کے شہر الخلیل والوں نے اسی مے کے سرور میں منیر شریف کے میخانہ الہام کی بنیاد ڈالی اور اس خمیر سے چھ سو سال تک ان گنت ولی،درویش،قطب اور ابدال پیدا ہوئے-(۱۰)

شیخ ابوتراب پھلواروی:

شیخ ابوتراب بن نعمت اللہ بن مجیب اللہ جعفری پھلواروی فقہ وتصوف میں مشہور تھے-(۱۱) شیخ العالمین

قدس سرہٗ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔(۲) ۳ شوال ۱۱۹۲ھ/ ۱۷۷۹ء میں پھلواری میں پیدا ہوئے (۱۳) اور مولانا احمدی بن وحید الحق پھلواروی (متوفی غرہ شعبان ۱۲۵۲ھ) سے کسب علم کیا اور اپنے والد مولانا نعمت اللہ پھلواروی (متوفی ۲۹ شعبان ۱۲۴۷ھ) سے طریقت وتصوف کا درس لیا اور طویل مدت تک ان سے منسلک رہے (۱۴) مسائل فقہیہ پر عبور تام رکھتے تھے، اس لئے آپ کے معاصر آپ کو ابو یوسف کہا کرتے تھے۔

تصنیفات یہ ہیں: ''تعلیم اطہارت''، فقہ میں رسالہ تعدیہ بلوغ، رسالہ حلت نان پاؤ۔

بیعت اجازت وخلافت تعلیم وتربیت روحانی سب کچھ اپنے والد سے حاصل کی۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۱۶ھ میں مرید ہوئے اور ریاضت ومجاہدات کے بعد جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت سے شرف یاب ہوئے۔ آپ نے بڑی سخت ریاضتیں کی ہیں، شاعرانہ طبیعت بھی پائی تھی، آشنا تخلص کرتے تھے، فن تاریخ گوئی سے خاص مناسبت تھی۔

آپ کی شادی بی بی ولیہ بنت شاہ وعدہ اللہ قدس سرہٗ سے ہوئی تھی، ان سے ایک صاحبزادہ مولوی شاہ علی کریم مرحوم تھے، جو جوانی میں لاولد فوت ہوگئے۔ اب آپ کی نسل منقطع ہے، مگر روحانی سلسلہ حضرت نصر قدس سرہٗ کے اور جب تک حضرت نصر قدس سرہٗ کا سسلہ جاری رہے گا، آپ کی روحانی اولاد باقی رہے گی۔

وفات:

۷ ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی اور مقبرہ مجیبیہ پھلواری میں مدفون ہوئے۔

مجازین وخلفاء:

مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر، مولوی قاضی مخدوم عالم، مولوی سید جان علی بن میر فیض علی، مولوی سید رعایت علی بن مولوی، عنایت علی پھلواروی، مولانا شاہ محمد صفت اللہ بن شاہ احمد اصطفی، مولانا شاہ آل احمد بن مولانا محمد امام، مولانا شاہ محمد یحییٰ بن مولانا ابوالحیوۃ، شاہ غلام محی الدین عرف شاہ لدن بن لعل محمد بن غلام یحییٰ

(ساکن کندوئی)، شاہ آل یاسین بن میر عنایت علی، مولوی احمد ظہیر الحق بن مولانا محمد ظہور الحق، مولوی فضل علی بن مولوی دلاور علی، مولوی آل حسنین بن مولوی فضل علی، مولوی سید آل علی بن میر باقر علی، مولوی جواد علی بن مولوی باقر علی، داروغہ مظہر نبی (شہباز پوری)، مولوی قطب الاولیاء بن مولانا محمد علی، مولوی قاضی علی اشرف، مولوی وصی احمد بن مولانا ابوالقاسم قدست اسرارہم۔(۱۵)

شیخ مولانا ابوالحیات پھلواروی:

شیخ صالح ابوالحیاۃ بن نعمت اللہ بن مجیب اللہ ہاشمی جعفری پھلواروی فقہ وتصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ ذی قعدہ ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا ابوالحیات بن نعمت اللہ بن مجیب اللہ ہاشمی جعفری پھلواروی شیخ ابوتراب پھلواروی کے بھائی تھے،(۱۶) اپنے عہد کے بڑے عالم وعارف تھے۔ آپ کی مختلف علمی یادگار اب تک موجود ہیں، اکثر وبیشتر وقت مطالعہ کتب وتصنیف وتالیف، درس وتدریس میں بسر ہوتا، آپ کی تصنیفات سے ''تذکرۃ الکرام'' بزرگان پھلواری کے احوال میں بہت مشہور کتاب ہے۔ گرچہ اس کے مطبوعہ نسخے اب دستیاب نہیں ہوتے ہیں، مگر ہندوستان کے مشہور کتب خانوں میں (۱۷) مثلاً خدا بخش لائبریری پٹنہ وامپریل لائبریری کلکتہ اور پھلواری کے کتب خانوں میں اس کے مطبوعہ وقلمی نسخے موجود ہیں۔ اس مطبوعہ نسخہ کے علاوہ اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی تھا جس میں آپ نے اپنے معاصر کے احوال لکھے تھے، مگر یہ نسخہ اس وقت اس لئے شائع نہیں کیا گیا کہ تمام لوگ بقید حیات تھے اور اکثر مستور الحال رہنا پسند کرتے تھے، ان کی طرف سے اشاعت کی اجازت نہ تھی، اس نسخہ کے ناتمام ضائع شدہ کچھ اوراق موجود ہیں اوراق مصنف کے دست خاص کے لکھے ہوئے ہیں۔ گیارہ ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ میں اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور کسب سلوک کے بعد تمام سلاسل مجیبیہ کے مجاز ہوئے۔ کچھ دنوں مہاراجہ بتیا نے اردو، فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے خیال سے آپ کو اپنے ہاں ملازم رکھا تھا مگر ۱۲۳۸ھ سے آپ نے یہ خدمت ترک کردی۔

۲۶ رمضان ۱۲۷۶ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ مجیبہ میں مدفون ہوئے۔

آپ کی شادی مولانا احمدی قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے دو صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ و مولوی وارث محی الدین ہوئے، مولوی وارث محی الدین لاولد فوت ہوئے۔(۱۸)

مفتی احسان علی پھلواروی:

مفتی احسان علی بن امان علی پھلواروی، فقہائے حنفیہ میں سے تھے، مولانا احمدی بن وحید الحق جعفری پھلواروی کے شاگرد تھے۔ خاصی مدت ان کی خدمت میں رہے اور تحصیل علم کی۔ فراغت کے بعد خود مسند درس بچھائی اور افتا کا سلسلہ شروع کیا۔ بہت سے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا۔(۱۹)

آپ کی شادی موضع حسینا ضلع مظفر پور میں بی بی حمیدہ بند سید لطف علی بن سید غلام جعفر سے ہوئی۔ ان سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹے مولوی عبدالسلام عرف بستان علی تھے، ایک بیٹی موضع حسینا میں شیخ واعظ علی بن شیخ حیدر علی فاروقی سے بیاہی گئی تھیں، ان سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹے شیخ غلام حیدر فاروقی تھے، ان کے دو صاحبزادے، شیخ ظہیر حسن، جو اپنی آبائی جائیداد کے نگراں ہیں اور مولوی فضل الرحمٰن ہیڈ مولوی ایچ آئی اسکول بھگوان پور کے حی القائم ہیں۔

مولوی احسان علی کی دوسری بیٹی حکیم یحییٰ بن حکیم واعظ اللہ بن حکیم محبوب عالم عرف حکیم باسو علیہ الرحمۃ سے بیاہی گئیں، ان سے ایک بیٹے حکیم ادریس جو قاضی علی اشرف جعفری علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی سے بیاہے گئے مگر لاولد گئے۔

وفات:

۱۵ رمضان المبارک ۱۲۲۷ھ میں مولوی احسان علی علیہ الرحمۃ نے رحلت فرمائی اور مقبرہ شاہ آیت اللہ قدس سرہٗ میں مدفون ہوئے۔ مولوی عبدالرحمٰن بن مولوی امان علی حضرت فرد اولیاء کے مرید ذی علم تھے۔۲۴

ربیع الثانی ۱۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا- لاولد گئے-(۲۰)

شیخ احمد بن محمد بہاری:

الشیخ العالم الفقیہہ احمد بن محمد بن طیب حنفی ابہاری، جو اپنے دور کے مشہور فقیہہ تھے، بہار کے ایک حوالی قریہ میں پیدا ہوئے- انہوں نے اپنے والد سے علم حاصل کیا، جن کی خدمت میں برسوں رہے- ان کے والد مشہور اساتذہ تھے، جو بڈھا طیب کے لقب سے مشہور تھے-(۲۱)

سرزمین ہند کے دسویں صدی ہجری کے اس فقیہہ کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چل سکا معلوم ہوتا ہے یہ مصنف نہ تھے بلکہ مسائل فقہ پر عبور رکھتے تھے اور طلباء کو اس کی تعلیم دیتے تھے-(۲۲)

مفتی احمد بن محمد حسینی علوی بہاری:

مفتی احمد بن محمد حسنی علوی بہاری احمد سعید بن محمد سعید کے نام سے معروف تھے- علاقۂ بہار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے- ان کے والد شیخ محمد بہاری اپنے دور کے صاحب علم وفضل بزرگ تھے- انہوں نے اپنے اس بیٹے کو خود ہی علوم وفنون کی تعلیم دی اور بہترین انداز سے اس کی تربیت کی یہاں تک کہ یہ منزل فضیلت پر فائز ہوئے- درس وافتاد کی مسند کو زینت بخشی، علم فقہ اور دیگر علوم میں کمال مہارت پیدا کی اور دیار ہند کے کبار فقہائے حنفیہ میں سے گردانے گئے-

ہندوستان کے مغل حکمران شاہ جہاں نے ان کے علم وفضل سے متاثر ہو کر انہیں مفتی عساکر مقرر کر دیا تھا- طویل عرصہ تک اس منصب پر متعین رہے اور نہایت حسن وخوبی سے یہ فرائض انجام دیئے- واقعہ یہ ہے کہ مفتی احمد بہاری علوم عربیہ فقہ واصول معرفت مذاہب، فہم دین اور فراست وزیرکی میں دیگر علمائے عصر سے منفرد حیثیت کے مالک تھے- ان کی گوناگوں خوبیوں کی بناء پر اپنے آخری ایام حکومت میں شاہ جہاں نے ان کو ترکی کی دولت عثمانیہ اور حرمین شریفین میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور اس منصب کی ذمہ داریوں کو انہوں نے

بڑی قابلیت کے ساتھ انجام دیا-اس اثناء میں حج بیت اللہ بھی کیا-واپس آئے تو شاہ جہاں معزول ہو چکا تھا اور تاج شاہی اس کے بیٹے عالمگیر کے سر کی زینت بنا ہوا تھا-عالمگیر نے ان کی انتہائی تکریم کی اور بدرجۂ غایت عزت واحترام سے پیش آیا-ایک ہزاری منصب سے نوازا اور اپنی بہن جہاں آراء بیگم کا دیوان مقرر کیا-اس عالم دین نے ۱۰۸۷ھ میں وفات پائی-(۲۳)

مولانا ارادت حسین صدیقی عظیم آبادی:

عظیم آباد (پٹنہ) ہندوستان کے صوبۂ بہار کا وہ شہر ہے جس میں متعدد ایسے خاندان آباد تھے جو فضل و کمال، تدریس وتصنیف اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے-ان حضرات کی بے مثال قربانیوں کی داستان تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے-ان بزرگان عالی مقام میں سے ایک بزرگ مولانا ارادت حسین عظیم آبادی تھے جو وہاں کے صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے-ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: ''ارادت حسین بن اولیاء علی بن رضی الدین بن رفیع الدین بن روح الدین صدیقی-''

مولانا ارادت حسین صدیقی نے اپنے شہر عظیم آباد (پٹنہ) کے ان دو عظیم القدر علمائے دین سے تحصیل کی، جو فضیلت علمی کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے مرتبۂ عالی پر فائز ہوئے-

ان میں سے ایک بزرگ کا اسم گرامی مولانا احمد اللہ اور دوسرے کا مولانا ولایت علی ہے-سند حدیث مولانا ولایت علی سے ہوئی-(۲۴) طب کی کتابیں اپنے چچا احمد علی سے پڑھیں اور حدیث وفقہ، فرائض میراث، حساب وریاضی طب اور دیگر علوم متداولہ میں مرتبۂ کمال کو پہنچے-

مولانا ارادت حسین نہایت متواضع، پاک باز، منکسر المزاج تھے-لباس اور اکل وشرب میں بہت محتاط اور میانہ رو تھے-۱۲۷۶ھ میں حج کیا، پھر واپس آ کر درس وتدریس میں مصروف ہو گئے-بعد ازاں ۱۲۸۱ھ میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے-(۲۵)

وفات:

آپ کا انتقال مکہ معظمہ میں ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۴ء میں چھپن برس کی عمر میں ہوا اور جنت المعلیٰ میں آپ کی قبر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے دائیں جانب واقع ہے۔(۲۶)

مفتی انور علی آروی:

ہندوستان کے صوبۂ بہار میں ایک شہر ''آرہ'' ہے، جس کو بہت عرصے تک علماء وصلحا کے گہوارے کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں آرہ میں جو علمائے کرام پیدا ہوئے اور علم کے مختلف میدانوں میں شہرت پائی، ان میں مفتی انور علی کا نام نامی بھی شامل ہے۔(۲۷) مفتی انور علی شیخ محمد حیات کے فرزند تھے اور شہر آرہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ماہ تاریخ ولادت چراغ ہے۔(۲۸) مفتی انور علی حنفی المسلک تھے اور اپنے علاقے علمائے مشاہیر میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ متداول درسی کتابیں اپنے بڑے بھائیوں کرامت علی اور احمد علی سے پڑھیں۔ پھر عازم کلکتہ ہوئے اور قاضی عباس علی (متوفی ۲۳ رمضان المبارک ۱۲۲۰ھ) کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے باقی کتب درسیہ پڑھیں۔ قاضی عباس علی کلکتہ اور اس کے مشرقی شہروں کے قاضی القضاۃ تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد مفتی انور علی آروی کا شمار تیرہویں صدی ہجری کے اونچے درجے کے ہندی علماء میں ہونے لگا اور اپنے دور کے شیخ وفاضل اور فقیہہ گردانے گئے۔ ان کی قابلیت کی بناء پر انہیں منصب افتا پر فائز کیا گیا، جس پر وہ عرصے تک فائز رہے۔ پھر ان کو قاضی کا عہدہ عطا کیا گیا۔ قضا کے سلسلے میں انہوں نے قابل قدر(۲۹) خدمات انجام دیں اور ہر لحاظ سے عزت واحترام کے مستحق قرار پائے۔ وہ دو اہم مناصب، منصب افتا اور منصب قضا پر مامور رہے۔ یہ دونوں انتہائی نازک اور ذمہ دارانہ منصب ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے درس وافادۂ طلباء کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ باقاعدہ فرائض تدریس انجام دیتے اور طلبائے علم کو

پڑھاتے رہے۔ اس طرح بیک وقت تین عظیم الشان خدمات میں مصروف رہے اور ان میں سے ہر خدمت اپنی جگہ بہ درجہ غایت اہمیت کی حامل تھی۔ بطور مدرس اور معلم کے انہوں نے بہت کام کیا اور متعدد علماء وطلباء نے ان سے استفادہ کیا۔(۳۰)

شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور یاسؔ تخلص کرتے تھے۔ مفتی انور علی نے ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ/۱۸۶۵ء میں وفات پائی اور شہر عظیم آباد (پٹنہ) مدفون ہوئے۔(۳۱)

فقیہہ اعظم مولانا مفتی محمد امیر علی خاں قدس سرہٗ:

حضرت مولانا مفتی محمد امیر علی خاں ابن دلاور حسین خاں (پٹھان) ساکن موضع سکھ ڈیرہ تحصیل شاہ آباد ضلع گیا (صوبہٗ بہار) تقریباً ۱۳۱۰ھ/۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ آباد میں میٹرک کیا اور ڈاکخانہ میں کلرک ہوگئے۔ پھر کسی صاحب دل کی تاثیر صحبت سے علوم دینیہ کا شوق پیدا ہوا، مولانا محمد رسول خاں ہزاروی صدر مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ سے تعلیم حاصل کی، متوسط کتابیں جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں مولانا محمد امین الدین سے پڑھیں، آخر میں مدرسہ عالیہ رامپور میں مولانا فضل حق رامپوری، مولانا وزیر محمد اور مولانا منور علی سے تکمیل علوم کی، مولانا قاری محمد عبدالرحمٰن پانی پتی سے تجوید و قرأت کی مشق کی۔ بعض مسائل کی تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔

۱۹۴۶ء میں غزالیٔ زماں علامہ احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی دعوت پر بحیثیت مفتی و مدرس انوار العلوم ملتان تشریف لائے اور تاحیات وہیں رہے۔ مفتی صاحب حضرت مولانا سید محمد خلیل محدث امروہوی قدس سرہٗ کے ساتھ بعض اسباق میں شریک بھی رہے۔ مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے:

''میں خوانین ثلاثہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی اور مولانا ریاست علی خاں شاہجہانپوری (قدست اسرارہم) میں سے

ایک (آخرالذکر) کا شاگرد اور تینوں کا فیض یافتہ ہوں۔''

آپ بلند اخلاق، جامع علوم اور بے مثال مدرس تھے، جود وسخا میں بے نظیر تھے، ان گنت علماء نے آپ سے کسب فیض کیا۔ تصانیف میں سے ایک رسالہ القول الصحیح فی اثبات حیات المسیح ۱۹۵۳ء میں مدرسہ انوار العلوم سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ پسماندگان میں ایک صاحبزادہ، ایک صاحبزادی اور ایک بھائی چھوڑے، مولانا حبیب احمد افق نے درج ذیل تاریخ وصال کہی:

بعد از دعائے مغفرت، تاریخ نقلش گو افق

شد و اصل حق مفتی امید علی والا مکاں

۱۳۸۳ھ (۳۲)

مولانا امیر الحق عظیم آبادی:

شیخ عالم فقیہہ امیر الحق بن ظہور الحق بن نور الحق بن عبدالحق بن مجیب اللہ جعفری عظیم آبادی مشہور بزرگ تھے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اور مولانا نصیر الحق سے تعلیم حاصل کی اور انہیں سے طریقت بھی حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں تفسیر قرآن اور معارف صوفیہ کا بیان زیادہ کرتے تھے۔ ان سے ان کے لڑکے شاہ رشید الحق نے تعلیم حاصل کی۔

وفات:

۱۵ محرم الحرام ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں عظیم آباد میں وفات پائی اور اپنے اسلاف کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۳۳)

مولانا حسن پھلواروی:

شیخ حسن سلیمان بن داؤد پھلواروی جید عالم تھے، پھلواری میں پیدا ولادت ۱۳۰۶ھ میں ہوئی (۳۴)

ہوئے اور وہیں پرورش پائی- پھر لکھنؤ آئے اور بعض درسی کتابیں مولانا فاروق چڑیا کوٹی اور دوسرے علماء سے پڑھیں، پھر اپنے وطن لوٹ گئے اور شیخ علی نعمت پھلواروی سے علوم کی تکمیل کی- اپنے والد سے بھی علم حاصل کیا اور فقہ میں مہارت حاصل کی- طریقت کی تعلیم شیخ بدرالدین سے حاصل کی، ذکر واذکار میں مشغول رہے-

میلاد رسول، حب رسول، سید حضرت فاطمہؓ کی سوانح اور ان کے علاوہ ان کی مفصل کتاب شیخ ابو نجیب سہروردی کا تذکرہ قابل ذکر ہیں- جوانی میں ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں وفات پائی- (۳۵) کم عمری میں تقریباً چوبیس پچیس کتابیں تصنیف کیں-

آپ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی سے کوئی اولاد نہ تھی- دوسری شادی میر عبدالحسن مرحوم (ساکن کاراضلع گیا) کی صاحبزادی سے ہوئی، ان سے ایک لڑکے مولوی حسن مثنیٰ سلمہٗ ہوئے- مولوی حسن مثنیٰ کی ولادت ۹ صفر ۱۳۳۱ھ میں ہوئی- (۳۶)

مولانا خواجہ بہاری:

مولانا خواجہ بہاری عالم علوم فقہ، حدیث، تفسیر اور واقف اسرار حقانی تھے- اوائل میں اپنے شہر حاجی پور سے نکل کر تحصیل علوم کے لئے قصبہ کوہ پور میں آئے- (۳۷) وہاں شیخ جمال الاولیاء کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے کچھ علوم حاصل کئے، اس کے بعد عازم لاہور- اس عہد میں مولانا محمد فاضل بدخشی لاہوری (متوفی ۱۰۵۰ھ) کے غلغلۂ تدریس سے گونج رہا تھا- خواجہ بہاری بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے- (۳۸) پھر لاہور میں آ کر ملا محمد فاضل لاہور سے فضیلت کی دستار باندھی اور انہیں کے گھر میں سکونت اختیار کی، آخر میں حضرت میاں پیر کے مرید ہو کر ان کے اعظم خلفاء میں سے ہوئے- آپ کی وفات ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں ہوئی اور لاہور میں دفن کئے گئے- معدن تاریخ وفات ہے- (۳۹)

حضرت ملا خواجہ قادری بہاری لاہوری قدس سرہٗ کو جو کچھ علوم ظاہری اور روحانی مدارج حاصل ہوئے

وہ سب کچھ شہر لاہور میں حضرت ملا محمد فاضل لاہور اور حضرت میاں میر قادری کی صحبت بابرکت کا نتیجہ تھا- آپ کی بلندی علم اور روحانی مقام کا ذکر دارالشکوہ نے بھی (۴۰) بڑی عقیدت اور احترام سے کیا ہے- حضرت میوں میر قادریؒ کے خلفاء میں آپ کا درجہ سب سے اعلیٰ وارفع تھا- پیر و مرشد کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند درس و تدریس اور رشد و ہدایت خلق پر رونق افروز ہوئے- طالبان علم اور متلاشی سلوک کی ایک بڑی تعداد آپ سے مستفیض ہوئی- حضرت خواجہ بہاری لاہوری قدس سرہٗ نے ایک مدرسہ دہلی دروازہ میں قائم کیا تھا- آپ نے انکساری اور فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا:

''باوجودیکہ مجھ میں اتنی علمیت تو نہیں، لیکن سب کا مطلب بیان کر سکتا ہوں
اور ایک شعر کے متعدد معنی پیش کر سکتا ہوں، جو چاہے پوچھ کر آزمائش کر لے-''

حضرت ملا خواجہ قادری بہاری لاہور قدس سرہٗ اولیاء پنجاب میں مشہور و معروف صوفی تھی- آپ سلطان شہاب الدین شاہجہاں کے ہم عصر تھے- سلاطین و شاہزادگان مغلیہ آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے- شاہزادہ دارالشکوہ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا- اس نے اپنی کتاب ''سفینۃ اولیاء'' میں آپ کی کرامتوں کا ذکر کیا ہے- جب سلطان شہاب الدین شاہجہاں آپ سے ملنے آیا تو آپ چھپ گئے اور بادشاہ سے ملاقات نہیں کی- (۴۱)

آپ اپنے پیر حضرت میاں میر قدری رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرہ کے غربی جانب آسودۂ خاک ہیں- تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار اقدس ایک چبوترے پر ایک گنبد کے اندر تھ- پورا مزار سنگ سرخ اور قیمتی پتھروں سے مزین تھا- سکھوں نے اپنے دور حکومت میں ان قیمتی پتھروں کو اتار لیا- (۴۲)

حضرت مولانا مرزا رحیم اللہ بیگ عظیم آبادی:

شیخ فاضل مرزا رحیم اللہ بیگ شافعی عظیم آبادی مشہور بدرویش محمد سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ

تھے- شیخ غلام علی دہلویؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور بخارا کا سفر کیا-(۴۳) اسلامی تصوف نے ہندوستان میں ایک خاص قالب، عہد اکبری کے فتنہ کے ردعمل کے بعد جو اختیار کیا یعنی سسلہ مجددیہ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج اسلامی تصوف کے اس ہندی قالب کو تقریباً اکثر اسلامی ممالک میں غیر معمولی حسن قبول حاصل ہوا- روس کے ایک مسلمان عالم ملا مراد نے مکہ معظمہ میں حضرت مجدد کے مکاتیب کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا-(۴۴) حرمین شریفین پہنچے اور حج و زیارت کی اور ماوراءالنہر لوٹے اور سبزوار میں اقامت اختیار کر لی-

آپ بڑے عالم تھے- فقہ، اصول حدیث میں مہارت رکھتے تھے- آخری عمر میں شافعی ہوئے- سبزوار میں ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۳ء میں قتل کر دیئے گئے-(۴۵) بعض ترکستانی حکام نے خفیہ طور پر حضرت شیخ رحمتہ اللہ (مرزا رحیم اللہ بیگ) کو شہید کروا دیا کیونکہ ان حکمرانوں کو والیٔ شہر سبزوار سے سخت عناد تھا- حضرت کی دعا و امداد کی وجہ سے وہ لوگ والیٔ شہر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، آپ نے شربت شہادت نوش کیا-

افسوس آج مسلمانان ہند اور خصوصاً مسلمانان بہار اس گوہر تابدار اور سرزمین بہار کے در نایاب کو فراموش کر چکے ہیں- بہار کے مسلمانوں میں خود فراموشی اور برادر کشی عام ہے- یہ اگر اپنی اس کمزوری پر قابو پالیں تو دنیائے اسلام کو بہت کچھ فراہم کر سکتے ہیں-(۴۶)

سید ظریف حسینی عظیم آبادی:

ہندوستان کے صوبۂ بہار میں ایک شہر برصغیر کی قدیم تاریخ میں عظیم آباد کے نام سے معروف تھا- یہ شہر اس وقت پٹنہ کے نام سے موسوم ہے اور صوبۂ باہر کا دارالخلافہ ہے- یہ شہر کسی زمانے میں علم و فضل کا منبع، تصوف و طریقت کا مرکز اور تحقیق و تدقیق کا گہوارہ تھا- اس میں بے شمار علماء پیدا ہوئے اور لاتعداد اصحاب فضل نے درس و تدریس کی شمع روشن کی، ان میں بارہویں(۴۷) صدی ہجری کے ایک عالی قدر عالم سید ظریف حسینی عظیم آبادی بھی تھے، جو شیخ وقت اور علامہ عصر تھے- فقہ، اصول فقہ اور کلام میں انہیں کا دست رس حاصل

تھی- شیخ نظام الدین انصاری سہالوی متوفی ۱۱۶۱ھ کے ارشد تلازمہ میں سے تھے-

فارغ التحصیل ہونے کے بعد سید ظریف عظیم آبادی اپنے شہر عظیم آباد میں سرگرم تدریس وافادہ ہوئے اور مدرسہ سیف خاں میں مسند درس آراستہ کی- اپنے استاذ گرامی شیخ نظام الدین انصاری سہالوی سے انہیں شدید محبت وعقیدت اور قلبی تعلق تھا- اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی موت کی خبر پہنچی تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور شدت غم سے روتے روتے آنکھیں ضائع ہوگئیں لیکن بعد میں پتا چلا کہ شیخ زندہ ہیں اور انتقال کی خبر غلط تھی لیکن اس اثناء میں لائق شاگرد کی بصارت ختم ہوچکی تھی- منقول ہے کہ سید ظریف حسنی متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے مگر ان کی تصنیفات کا علم نہیں ہوسکا- ان سے علماء وطلباء کی بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا- ان کی کئی تصانیف ہیں، ان سے اسد اللہ جہانگیری اور دوسرے علماء نے فیض حاصل کیا جیسا کہ رسالہ قطبیہ میں مذکور ہے-(۴۸)

مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہٗ:

تاریخ ولادت ۲۷ جمادی الآخر یوم یکشنبہ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء ہے- درسیات اپنے والد مولانا شاہ شرف الدین اور اپنے پیر و مرشد مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر قدس سرہٗ سے تمام کیں-(۴۹) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء کو حضرت نصر سے بیعت ہوئے (۵۰) اور ۲۳ ذیعقدہ ۱۲۹۰ھ میں تکمیل طریقہ کے بعد اپنے شیخ کی طرف سے جمیع سلاسل مجیبیہ کی اجازت وخلافت سے فیضیاب ہوئے-

حضرت نصر نے اپنے مریدین ومسترشدین کی تعلیم وتلقین وتصحیح اذکار اور واردین وصادرین خانقاہ کی خدمت آپ کی سپرد کردی تھی، اس خدمت کو آپ برابر انجام دیتے رہے-(۵)

فقہی تحقیقات:

مولانا کی فقہی تحقیقات، ارباب علم وافتاء کے لئے بصیرت افروز ہوتی تھیں- ان تحقیقات میں

اسباب وعلل کی مجتہدانہ بحث اور اسرار ومناط کے تجزیہ سے فکر ونظر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں اور سنت نبویؐ کی حقیقی معنویت، منفرد فقیہانہ لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں علمائے ہند اس کے روادار نہ تھے کہ خطبۂ جمعہ کی ضروری باتوں کا ترجمہ اثنائے خطبہ میں پڑھ دیا جائے۔ وہ عربی خطبہ میں کسی غیر زبان کی آمیزش گناہ اور عمل سلف کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ نے ۱۹۲۱ء میں سب سے پہلے اس مسئلہ پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی اور ایک مدلل و مبسوط مقالے میں زیر بحث مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا استقصاء کر کے اپنی تحقیق پیش کی، اگرچہ یہ رائے عام علماء کے مسلک کے خلاف تھی مگر اس کے اظہار میں آپ کو بالکل تامل نہ ہوا، اپنی تحقیق کی صحت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔(۵۲) ذیل میں آپ کی تحریر ملاحظہ ہو:

''خطبۂ جمعہ کا ہو یا عیدین، یا کسوف وخسوف یا استقاء کا، عربی زبان میں پڑھنا درست ہے اور دوسری کسی زبان میں پڑھنا خلاف سنت ہے۔

فقہا نے ایسا ہی لکھا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے ہر موقع اور ہر موسم کے احادیث کی کتب میں منقول ہیں۔ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی عربی زبان میں خطبے پڑھاتے تھے، حالانکہ اشاعت اسلام کے لئے یہ بزرگوار شام، مصر، فارس بلکہ افریقہ کے بعض حصوں تک پہنچ گئے تھے لیکن ہر ملک، ہر شہر اور ہر قریہ میں اپنی ہی زبان، عربی میں خطبے پڑھتے رہے۔ یہ دلیل ہے عربی میں خطبہ پڑھنے کے سنت متوارثہ ہونے کی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خطبہ کس غرض سے پڑھنا مقرر کیا گیا ہے، اس کا فائدہ خطبہ پڑھنے والے کے لئے مخصوص اسی کی ذات تک محدود ہے یا سننے والوں کے لئے مخصوص، یا دونوں کا نفع اس میں ہے، ظاہر ہے کہ نفع دونوں کا ہے لیکن پڑھنے والے کی غرض یہی ہونی چاہئے کہ سننے والوں کو اس خطبہ سے نفع پہنچے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو حکم الہٰی تھا، وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا - (اے خاتم النبین آپ ان کو نصیحت کریں اور ایسی بات کہیں جو ان کے دلوں میں اثر کرنے والی ہو-) اس جہت سے آپ کے خطبے لوگوں کی حالت کے موافق، ان کے ادراک اور سمجھ کے مطابق اور مواقع اور موسم کے مناسب ہوتے تھے، خود آپ اور آپ کے اصحاب کی زبان عربی تھی تو عربی میں خطبہ کا ہونا لازم تھا- آج کل بھی اگر اسی (۵۳) مناسبت سے سننے والوں کی حالت اور سمجھ کی رعایت کر کے سننے والوں کی زبان میں خطبے پڑھے جائیں تو گویا زمین کی حیثیت سے وہ خطبہ سنت نہ ہو لیکن معنیٰ اور مفاد کی حیثیت سے وہ خطبہ سنت سے خارج نہ ہوگا اور معنی میں سنت بھی ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین کی متحد زبان میں خطبہ کہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کے حکم و قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً کی تعمیل کرنے والا بہ نیابت حضرت رسولؐ کے ہوگا، اس کے خلاف میں ہرگز یہ ادائے نیابت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسم کی اس سے نہ ہوگی،

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اصحاب رسول نے نومسلموں کی ریاعت سے ان کی زبان میں خطبہ کیوں نہ پڑھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم دوسری زبان نہ جانتے تھے، ایک ملک میں انہیں قرار بھی نہ تھا، کبھی شام میں، تو کبھی مصر میں، ...... کبھی فارس میں اور حاضر کی زبان میں کوئی آدمی اگر وعظ کہنا چاہے تو جب تک اس زبان میں پوری مہارت حاصل نہ کر لے وعظ نہیں کہہ سکتا، اس لئے اصحاب مجبور تھے کہ اپنی ہی زبان میں وعظ کہیں-

دوسرے یہ کہ جس قدر لوگ مسلمان ہوئے تھے، احکام شریعت کی تعلیم انہی اصحاب سے پاتے رہتے اور بیشتر اوقات ان کی ہم جلیس رہنے کے سبب سے کچھ کچھ عربی سمجھ لیتے تھے-

تیسرے یہ کہ عام دستور ہے کہ فاتحین اپنی زبان کی ترویج چاہتے ہیں- (۵۴) مواقع وعظ میں کچھ کہنا ہوتا ہے، اپنی ہی زبان میں کہتے ہیں- بہ نسبت مفتوح کی زبان کے، اس لئے اصحاب برابر اپنی زبان ہی میں

خطبے پڑھتے رہے۔

عجمی جو اس وقت اسلام میں داخل ہوئے، اہل عرب فاتحین کے تتبع عربی زبان میں خطبہ پڑھنا ان کا فخر تھا، اس طرح عموماً عربی خطبہ تمام عجم میں رائج ہوگیا، دوسری زبان کا خطبہ شاذ و نادر ہی کوئی دیکھا اور سنا جاتا ہے۔

دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے والوں نے فقہاء کی رخصت سے فائدہ اٹھایا ہے یعنی امام محمد، امام ابو سف اور امام زمزر حمہم اللہ نے اس شرط پر فارسی زبان میں خطبہ پڑھنے کی اجازت دی ہے کہ عربی عبارت پڑھنے سے وہ عاجز ہوں اور امام اعظمؒ نے بلاشرط، اس کی علت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی حکم نہ فرمایا تو کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا گناہ نہیں ہے۔سنت فعلی کے خلاف ہے۔اگر ایسی صورت نکالی جائے کہ خطبہ کی ضروری چیزوں میں سے وہ جس کو عوام بھی عربی الفاظ میں پڑھنا پڑھانا دینی بات جانتے ہوں مثلاً ابتدائی کلمات، جو اکثر حدیثیہ خطبوں میں ہیں اور حمد و نعت اور درود و کلمۂ تشہد و قرآن مجید کی آیات اپنے حال پہ عربی میں رہیں۔باقی وعظ و پند کے کلمات سننے والوں کے لئے مناسب حال ان کی زبان میں ہوں تو ایسا خطبہ بھی سنت کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ اس میں خطبات حدیثیہ کے کلمات ضروریہ عربی میں پڑھے جائیں گے اور پند و نصیحت (۵۵) اور ضروری احکام شریعت سننے والوں کی زبان میں جو ان کے حق میں مفید ہوں گے، خطبہ کا مقصد یہی ہے، کل خطبوں میں جو مضمون ضروری اور مشترک ہے وہ باری تعالی کی حمد ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و تشہد کا کلمہ اور کم سے کم ایک آیت شریف قرآن مجید کی ہے اور پند و نصائح کے بیانات کلام اللہ سے یا احادیث سے ہوں، خطبات نبویہ کے ہر خطبے میں یہی ہے اور اس قدر عربی میں پڑھنے سے ادائے سنت ہو جاتی ہے اور خطیب اپنی طرف سے حسب ضرورت سامعین اور ان کی حالت کے جو کچھ چاہیں کہیں، آخر میں درود و حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر اور دعائے

نصرت دین اسلام اور مغفرت مومنین و مسلمین ہو-''

خطبہ کے مشترک اور غیر مشترک مضامین کی وضاحت کے بعد مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''عربی خطبہ پڑھنے سے خطیب نے ادائے سنت ضرور کر لی لیکن عربی نہ جاننے والوں کو مفید نہ ہونے کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو غرض خطبہ فرمانے سے تھی، وہ یہاں پوری نہیں ہوتی، حاجت ہے کہ خطبوں کی قدر مشترک چیزیں تو عربی میں پڑھی جائیں، اس طرح عربی میں خطبہ پڑھنے کی سنت ادا کی جائے، باقی پند ونصائح واحکام وغیرہ اور خاص خاص مہینوں کے متعلق مضامین کو خطبہ سننے والوں کی زبان میں پڑھیں، اس نیت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین ہی کی زبان میں انہیں احکام بتائے ہیں، وعظ و پند فرمائے ہیں، میں بھی سامعین ہی کی زبان میں وعظ و پند کرتا ہوں، دین کے احکام بتاتا ہوں، اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ فرمانے کا مفاد بھی پورا کرتا ہوں، عرب تو آپ ہی کی زبان جانتے تھے-(۵۶)

غیر عرب کے بعض سوال کا جواب اسی کی زبان میں آپ نے دیا- ایمان و اسلام کی تلقین بھی اسی کی زبان میں کی ہے، خطبہ کے متعلق امام اعظمؒ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف اور ان کی دلیلیں، جو بالتصریح لکھی گئیں، پورا خطبہ غیر عربی زبان میں پڑھنے کے متعلق ہیں اور فقہا نے اس کو جائز کہہ کر خلاف سنت متوارثہ ہونے کے سبب سے اس کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے لیکن خطبہ میں کلمات مسنونہ اور ماثورہ ضرور پڑھ لینے کے بعد اگر عیدین اور صیام وغیرہم کے احکام اور پند و نصائح بھی عربی میں پڑھے جا چکے ہوں یا نہ پڑھے گئے ہوں، وہ سب عوام کو مطلع کرنے کی غرض سے فارسی یا اردو میں سنا دیئے جائیں تو ایسے خطبے پر مکروہ تنزیہی ہونے کا بار بھی نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ خطیب خطبہ کے کلمات مسنونہ کو پڑھ کر ادائے سنت متوارثہ کے فرض سے فارغ ہو چکا ہے-''(۵۷)

خطاب شمس العلماء اور اس کی واپسی:

۱۹۱۵ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عنایت ہوا۔ (۵۸) گرچہ وقتی طور پر بعض اسباب و وجوہات کی بناء پر آپ نے اس خطاب کو قبول فرمالیا تھا لیکن واپسی کا خیال ہمیشہ دل میں جاگزیں تھا، سوچتے تھے کسی مناسب موقع سے واپس کر دوں، اسی اثناء میں انگریزوں اور ترکوں کے درمیان جنگ ملتوی ہوئی اور شرائط صلح درپیش ہوئیں، اسی وقت آپ نے یہ ارادہ کرلیا کہ اگر ترکوں کے خاطر خواہ شرائط منظور نہ ہوئیں تو میں اظہار رنج وغم میں حکومت کے دیئے ہوئے اس اعزاز کو واپس کر دوں گا۔

انگریزوں نے نہایت سخت شرائط پر صلح کی جس سے تمام عالم اسلام کو سخت صدمہ پہنچا، آپ نے اپنے ارادہ کے مطابق بتاریخ ۵ اذیقعدہ ۱۳۳۸ھ ماہ یکم اگست شنبہ ۱۹۱۹ء میں خلعت وتمغہ کمشنر ضلع کے پاس اس خط کے ساتھ واپس کردیا:

''جناب کمشنر صاحب!

وزرائے سلطنت برطانیہ کی طرف سے ہم مسلمانوں کی مکرر عرض داشتوں کے خلاف اسلامی سلطنت ٹرک کے ساتھ جس قدر سخت سے سخت شرائط صلح مقرر کی گئیں اور ان شرائط کے منوانے کے لئے جتنے ناگوار خاطر طریقے اختیار کئے گئے اس سے ہم لوگوں کے دلوں کو بے حد رنج وصدمہ پہنچا ہے۔

میں اپنے دلی رنج اور غم کا اظہار اسی میں سمجھتا ہوں کہ اپنے خطاب شمس العلماء اور خلعت اور تمغہ عطیۂ سلطنت برطانیہ کو واپس کر دوں تا کہ اراکین سلطنت ہم لوگوں کے لئے بے انتہا رنج وغم کا اس سے اندازہ کرلیں کہ بغیر سخت

سے سخت رنج وغم سلطنت کی طرف سے پہنچے ہوئے، جو عزت افزائی سلطنت
نے پہلے کی ہو واپس نہیں ہوسکتی۔

آپ اس خطاب اور خلعت اور تمغہ کو میری اس رنج وغم والی عرضداشت کے ساتھ
گورنمنٹ میں بھیج دیں۔''

(محمد بدرالدین)

امیر شریعت:

اس دنیاوی اعزاز کی واپسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد خدائے تعالیٰ نے قوم وملت کی طرف سے آپ کو امیر شریعت کا خطاب عطا فرمایا۔ تحریک ترک موالات کے زمانہ میں علمائے صوبۂ بہار واڑیسہ نے امارت شرعیہ کے قیام (۵۹) کی ضرورت محسوس کی اور اس غرض سے ایک جلسہ ۱۹ شوال ۱۳۳۹ھ میں بمقام پٹنہ محلّہ سنگی مسجد میں منعقد ہوا اور باتفاق رائے تمام علمائے کرام نے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا اور کل حاضرین نے سمع وطاعت کی بیعت کی۔ (۶۰)

سیرت کی ممتاز خصوصیات:

علم وعرفاں کی اس جامعیت کے باوجود فخر وادعاء، کبر واعجاب، ریاء سمعہ سے بالکل پاک تھے، آپ کی سیرت کی جو ممتاز خصوصیت سب سے زیادہ پر کشش تھی، وہ آپ کی بے نفسی تھی جس کی شہادت علماء، مشائخ اور خدام کے علاوہ آپ کی تصانیف بھی دیتی ہیں۔ آپ کے عہد کے مشائخ میں بہار شریف کے ایک ممتاز بزرگ نے آپ کی برگزیدگی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میں نے اپنی اس عمر میں بڑے بڑے عرفاء کو دیکھا، بڑے بڑے خدا رسیدہ (۶۱) اور بہت سے صاحب سجادہ اور پیرزادوں کو دیکھا مگر حق یہ ہے کہ ایسا

بے نفس بزرگ میری نظر سے تو نہ گزرا۔'' (۶۲)

ورع وتقویٰ:

آپ کی سیرت کا اہم ترین پہلو اس بے نفسی اور انکسار کے ساتھ وہ کمال ورع وتقویٰ ہے جس نے آپ کی ذات میں تقدس و پاکیزگی پیدا کر دی تھی، اسی لئے آپ کے آستانہ پر ہدیۂ دل و جان پیش کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا اور علماء ومشائخ سے لے کر عوام تک اپنے دلوں میں شیفتگی اور گرویدگی محسوس کرتے تھے۔ مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے ایک مرتبہ آپ کے منجھلے فرزند مولانا شاہ قمر الدین امیر شریعت ثالث سے پوچھا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد کی طرف لوگوں کے قلوب کیوں اس قدر کھنچے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا، شاہ صاحب نے فرمایا ''ان کا اخلاص اور کمال تقوی ہے جو سب کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے۔'' (۶۳)

حق مزدور خدمت:

آپ جب بھی کسی سے کوئی خدمت لیتے تو اس کے معیار سے زیادہ اس کی اجرت مرحمت فرماتے۔

حاجت مندوں کی پوشیدہ امداد:

حاجت مندوں اور سائلوں کا سوال کبھی رد نہ فرماتے۔

خود تو اسباب معاش سے بے نیاز، خالص متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے مگر آپ کے آستانہ پر سائلوں کا ہجوم ہوتا تھا اور آپ برابر ان کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے۔ آپ کی خوان کرم سے بے شمار یتیموں اور ناداروں کی پرورش ہوتی تھی، اہل قرابت اور غیر اہل قرابت، متوسلین اور غیر متوسلین میں بے شمار غرباء اور مساکین ایسے تھے جن کی آپ مالی امداد و اعانت اس طرح فرماتے کہ اعزہ اور خدام خاص میں سے کسی کو علم نہ ہوتا، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اس فیاضی کا اعتراف متعدد حضرات نے کیا۔

عسر میں خندہ جبینی:

عسر و یسر دونوں حالتوں میں آپ کے معمولات، عبادات و ریاضات، مشاغل و اوراد خلق ظاہر و باطن میں کبھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، فیاضانہ وضع داری ہمیشہ قائم رہی، معاشی اعتبار سے ایسے نامساعد حالات بھی پیش آئے کہ خود آپ اور آپ کے خانوادے کے تمام حضرات نے ابالے ہوئے چنے، ہفتہ دو ہفتہ نہیں، عرصۂ دراز تک کھائے مگر آپ کی خندہ جبینی اور لینت برقرار رہی۔(۶۴)

غیبت سے نفرت:

آپ کبھی کسی کے پس پشت اس کو برا نہ کہتے اور کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرے، یہ خصوصیت صرف تقریر کی حد تک نہ تھی، تحریر میں بھی آپ اس درجہ محتاط تھے کہ علمی، فکری ہر طرح کے مسائل میں اپنے اختلافات تو بیبا کانہ طور پر ظاہر فرما دیتے مگر کسی کے علم وفضل کی توہین یا اس پر ذاتی حملہ کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

تحریک خلافت اور تحریک موالات کا عہد نہایت پرشور و پرآشوب تھا، افکار و آراء کا تصادم رزم و پیکار کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا، اس عہد میں بھی آپ کے مضامین ذاتی مناقشات سے پاک، اعلیٰ درجہ کی متانت کا نمونہ ہوتے تھے، دوسروں کو بھی اسی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

صدق وامانت:

راست گفتاری اور امانت آپ کی طینت میں تھی، آپ کبھی کذب وخیانت کے قریب بھی نہ گئے، عہد طفولیت سے صادق وامین تھے، مذاق ومزاح میں بھی خلاف واقعہ کہنے کو آپ گناہ تصور فرماتے تھے۔ آپ کے زمانۂ طفولیت میں کسی نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص سے مذاق میں فلاں بات کہہ دو، آپ نے فرمایا ''یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا، والد صاحب نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔''(۶۵)

علماء ومشائخ سے تعلقات:

آپ کی ذات میں علم وعرفاں کی اعلیٰ خصوصیات جمع ہوگئی تھیں، اس لئے آپ اپنے عہد میں ارباب فضل وکمال اور اساطین فقر وتصوف دونوں کے مرجع تھے لیکن بایں ہمہ آپ سب کی تکریم کرتے تھے، علمائے کرام خواہ آپ کے متوسلین ومسترشدین میں کیوں نہ ہوں، ان کا احترام ملحوظ رکھتے، قدیم بزرگوں کی خانقاہوں کے سجادہ نشین آتے تو آپ تکریماً فرش کے کنارے تک تشریف لاکر ان کا خیر مقدم کرتے، اکثر خانقاہوں اور درگاہوں کے مشائخ آپ کے جامع السلاسل ہونے کی بناء پر آپ سے استفاضہ کرتے، خواجہ حسن نظامی، شاہ التفات احمد رودلوی اور دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے مشائخ نے آپ سے بعض چیزوں کی اجازت حاصل کی تھی۔

بہار کی اکثر خانقاہوں کے پیرزادوں اور مشائخ نے بھی آپ سے استفاضہ کیا تھا، آپ کے علمی کمالات اور زہد وتقویٰ کی اعلیٰ صفات کی بناء پر پٹنہ، گیا، آرہ، مونگیر، بہار شریف کے علماء ومدرسین کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے اکابر علم وفضل سب آپ کے گرویدہ تھے۔ علمائے فرنگی محل میں مولانا عبدالباری رحمتہ اللہ علیہ سے خصوصی تعلقات تھے، وہ آپ کے علم وعرفاں کے بے حد مداح تھے۔ مولانا فتح محمد تائب آپ کی ذات ستودہ صفات سے بے حد گرویدگی رکھتے تھے، مفتی کفایت اللہ دہلوی آپ کے تبحر علمی کے ثنا خواں تھے، علمائے کرام کی جتنی تعداد آپ کے گرد جمع ہوگئی تھی، اس کی مثال بمشکل کہیں اور مل سکے گی، صاحب نزہۃ الخواطر مولانا حکیم عبدالحئی ناظم ندوۃ العلماء نے پھلواری آکر آپ سے ملاقات کی، انہوں نے آپ کے متعلق جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان سے اس عہد کے تمام اکابر علماء کے محسوسات کی ترجمانی ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

''شیخ، عالم فقیہہ، زاہد جناب شاہ بدرالدین ابن شرف الدین ابن ہادی ابن احمد حنفی (۶۶) جعفری اپنے

عہد کے کبار مشائخ میں سے ہیں، صوبۂ بہار میں آپ کو عظیم ترین مقبولیت حاصل ہے، ملک کے اطراف و اکناف سے طالبین حق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں، آپ کے علم، زہد، تقدس اور جرأت حق نیز درمندیٔ ملت کی شہرت ہمہ گیر ہے۔ بہار کے مسلمانوں نے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا تو آپ نے صدق واخلاص کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح وفلاح پر استقامت اختیار فرمائی، یہاں تک واصل بہ حق ہوئے۔ میں پھلواری ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں نے ان کو شیخ کامل صاحب محبت، کریم الاخلاق، فیاض اور صاحب اتحاف پایا ہے، آپ نہایت حسین وجمیل، سخت ترین عبادت وریاضت کرنے والے، ہمیشہ مطالعۂ کتب میں مشغول رہنے والے ایسے بزرگ ہیں جن کی پیشانی پر قبول وتوفیق کے انوار چمکتے ہیں۔''

ذوق مطالعہ:

آپ کے معمولات میں ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ مطالعۂ کتب کو بھی بڑی اہمیت (۶۷) حاصل تھی۔

ادارہائے طبع وتصنیف کی سرپرستی:

خصوصی ذوق مطالعہ کی بناء پر ملک کے تمام اہم تصنیفی اداروں سے سرپرستی یا رکنیت کا تعلق تھا، دار المصنفین اور دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی مطبوعات آپ کی خدمت میں برابر آتیں اور آپ انہیں پسند فرماتے، نئی کتابیں اس کثرت کے ساتھ آئیں کہ ان کی جلد سازی کے لئے ایک دفتری کے باقاعدہ تقرر کی ضرورت محسوس ہوئی۔

علمی کتابوں کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ آپ کی بین الاقوامی (۶۸) معلومات کا دائرہ بھی وسیع تھا، دنیا کے تمام اہم واقعات پر نظر رکھتے تھے۔

ذوق طاعت ومجاہدہ:

کسب سلوک، عبادت وریاضت، طاعت ومجاہدہ کا ذوق موروثی تھا۔ آپ کے والد ماجد شاہ شرف

الدین اپنی یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''درعمر ہفت سالگی بحمد اللہ از ضروری مسائل وضو ونماز واقف گردید، نماز

برخود لازم گرفت وبہر پنج وقت در جماعت شریک می شود۔''

مولوی شاہ محمد یحییٰ نے ایک بار فرمایا کہ میں آج کل خانقاہ میں ایسی روحانی تاثیر محسوس کر رہا ہوں جیسی شیخ العالمین شاہ نعمت اللہ کے زمانہ میں تھی۔(۶۹)

آپ کے سلاسل:

آپ کے سلاسل روحانی کی فہرست طویل ہے، ان چند سلاسل کا تذکرہ جو آپ کو شیوخ حرمین سے پہنچے:

سلسلۂ قادریہ بہ واسطہ شیوخ شاذلیہ، سلسلۂ چشتیہ صابریہ، سلسلۂ نقشبندیہ، (۷۰) سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ، سلسلۂ خضریہ، سلسلۂ رفاعیہ، سلسلۂ قشیریہ، سلسلۂ احمد بدویہ، سلسلۂ مدنیہ مغربیہ، سلسلۂ رتنیہ، سلسلۂ عیدروسیہ، سلسلۂ شاذلیہ، سلسلۂ قادریہ بواسطہ حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن سلیمان جزولی مصنف دلائل الخیرات۔

معمولات شب وروز:

ارشاد وتلقین، تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت، تدریس اور اشغال اوراد کے اوقات مقرر تھے اور آپ اپنے تمام معمولات کے ہمیشہ پابند تھے۔(۷۱)

اولاد:

آپ کے چار صاحبزادے تھے جن میں مولانا شاہ محی الدین اور شاہ قمر الدین وفات پا چکے ہیں اور مولانا شاہ نظام الدین اور شاہ شہاب الدین موجود ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بڑے صاحبزادے مولانا شاہ محی الدین خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ شاہ امان اللہ ان کے جانشین ہیں۔(۷۲)

خلفاء ومجازین:

آپ کے خلفاء ومجازین کی فہرست طویل ہے، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحق خلف و جانشین، حضرت مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر قدس سرہٗ بتاریخ سلخ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں جمیع سلاسل مجیبیہ کے مجاز کیے گئے، حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قدس سرہٗ خلف وخیلفہ وجانشین ماہ شوال ۱۳۲۸ھ مجاز جملہ سلاسل طریقت وجمیع مرویات حدیث، مولانا شاہ محمد قمرالدین صاحب، مولانا شاہ محمد نظام الدین صاحب، مولانا شاہ حافظ محمد شہاب الدین صاحب، فرزندان حضور پیر ومرشد قدس سرہٗ جملہ سلاسل طریقت وجمیع مرویات حدیث کے مجاز کیے گئے ۱۳۲۸ھ، مولوی حاجی سید عبدالرحمٰن بن مولوی ریاعت علی جعفری پھلواروی، حضرت نصر سے چند سلاسل کے مجاز تھے، سلاسل مع سند حدیث ۱۳۰۷ھ، مولوی شاہ محمد عبداللہ بن مولانا شاہ محمد علی سجاد قادری قدس سرہٗ مجاز جملہ سلاسل ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ، مولوی محمد معشوق کشش بن حضرت مولانا علی سجاد قادری قدس سرہٗ جملہ سلاسل، مولوی حمید الحق بن مولانا محمد عارف بن حضرت مولانا احمدیؒ مجاز جملہ سلاسل، مولوی شاہ حکیم محمد اسد اللہ بن مولانا محمد عارف، مجاز جملہ سلاسل، مولوی حکیم اویس رسول بن مولانا محمد عارف قدس سرہٗ، مجاز جملہ سلاسل، مولانا شاہ محمد انس بن مولانا نور احمد بن مولانا محمد اقام قدس سرہٗ، مجاز جملہ سلاسل، مولوی غلام دستگیر (ساکن گھگھٹہ)(۷۳)، حضرت نصر سے چند سلاسل کے مجاز، آپ کے جملہ سلاسل وسند حدیث، مولوی شاہ امین الدین احمد پھلواروی، مجاز جملہ سلاسل ۲۶ رجب ۱۳۱۶ھ، شاہ عزیز الدین احمد بن شاہ امین الدین احمد پھلواروی، مجاز جملہ سلاسل، شاہ فدا حسین جعفری پھلواروی، چھ سلسلوں میں مجاز ہوئے، شاہ ضامن علی خویش مولانا فضل اللہ علیہ الرحمۃ مجاز جملہ سلاسل، مولوی محمد ایوب برادر حقیقی مولانا شاہ سلیمان علیہ الرحمۃ، مجاز جملہ سلاسل، مولوی شاہ حسن میاں خلف کلانی مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب، مجاز جملہ سلاسل مع اباس خرقہ ۱۳۲۸ھ، مولوی شاہ حسین میاں خلف روئمی مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب مجاز جملہ سلاسل، مولوی محی

الدین تمنا عمادی مجاز جملہ سلاسل، حافظ سید خلیل الدین احمد بن مولوی سید محی الدین احمد رضوی مجاز جملہ سلاسل، کاتب الحروف محمد شعیب بن مولوی سید محی الدین احمد رضوی مجاز جملہ سلاسل وسند حدیث ۱۳۲۸ھ، خواجہ سید حسین لکھنوی آروی مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل باخرقہ خلافت، مولوی حاجی اقبال علی بحر بہاری مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل، حاجی شاہ عبدالحفیظ آروی مرید وخلیفہ حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل، سید امجد حسین بہاری آروی، مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل، منشی انوار کریم صاحب (ساکن ڈیانواں) مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل، میر عبدالحق صاحب (ساکن بیتھو) مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز چند سلاسل، شیخ لطائف حسین (ساکن امرتی ضلع مظفر پور)، مجاز سسلہ قادریہ وارثیہ، قاضی محمد امیر معصوم پوری (ضلع بلیا)، مرید حضرت نصر قدس سرۂ، مجاز چند سلاسل، شیخ علی سرد بن شیخ علی احمد چشتی (ساکن کبیر پور)، چشتیہ سلسلہ میں کسی دوسرے بزرگ کے مرید تھے، آپ کے جملہ سلاسل کی اجازت وسند لی، مولوی محمد بادشاہ بنگالی (ساکن نواکھالی) مدرسہ خانقاہ میں علوم درسیہ کی تکمیل کی، فاتح تواریخ کے بعد نقشبندیہ سلسلہ میں مرید ہوئے اور جملہ سلاسل وسند حدیث کی اجازت لی، سید مجیب الحق صاحب (ساکن بشارت پور) مجاز جملہ سلاسل، مولوی محمد حسین خاں صاحب (ساکن منورا متصل کاڑا ضلع گیا)، مرید مجاز جملہ سلاسل، منشی خیر الدین صاحب بدایونی مرید حضرت شاہ عبدالحق قدس سرۂ، مجاز جملہ سلاسل، حاجی ظہور الحسن صاحب ابوالعلائی مرید منشی عنایت حسین صاحب مونگیری مرید مولانا عبدالغنی پھلواروی مجاز قادریہ وارثیہ، مولوی محمد رضا صاحب سہسرامی مرید جناب شاہ محمد میاں جان صاحب قدس سرۂ مجاز طریقۃ قادریہ شمسیہ، مولوی شاہ شمس الحسن صاحب آگرہ مرید مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرۂ، مجاز چند سلاسل مع اذکار، شاہ عبدالحق صاحب گورکھپوری، مجاز چند سلاسل، علامہ شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر مدنی، حضرت پیر ومرشد کے شیخ الحدیث تھے اور طریقۃ شاذلیہ کی اجازت نے ان سے لی ہے مگر ممدوح نے طریقۃ قادریہ وارثیہ ادلیہ وذکر

قدوسی کی اجازت آپ سے لی ۱۳۰۵ھ مدینہ طیبہ، شاہ زاہد حسین بن شاہ راحت حسین (ساکن شکری چھپرہ)، مجاز چند سلاسل خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے جملہ سلاسل کی اجازت مع سند حدیث واجازت حزب البحر آپ سے حاصل کی اور خرقۂ خلافت مع دستار نظامی حضرت مولانا شاہ محی الدین قدس سرہٗ سے پہنا، حکیم سید شاہ محمد زہیر حسن بن حکیم سید شاہ امیر اکبر ساکن ہلسہ نے تعلیم وتربیت کل حضرت سے حاصل کرنے کے بعد جملہ سلاسل کی اجازت مع سند حدیث حاصل کی- یہ بزرگ حضرت شاہ عطا حسین قدس سرہٗ کے مرید تھے اور وہ حضرت شاہ غلام حسین داناپوری کے اور وہ حضرت مخدوم منعم پاک عظیم آبادی قدس سرہٗ کے مرید تھے، مولانا سید شاہ عبداللہ قادری سجادہ نشین خانقاہ سری نگر کشمیر نے بذریعہ خط تمام سلاسل کی اجازت مع سند حدیث آپ سے لی، مولوی غلام محمد پنجابی مرید مولوی شاہ حفیظ الدین ابوالعلائی (ساکن پورنیہ) مجاز جملہ سلاسل ۱۳۲۷ھ، مولوی سید حکیم ابوالحسن صاحب (ساکن دیسنہ)، والد مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرید حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری دمسترشد حضرت نصر قدس سرہٗ، مجاز جملہ سلاسل، شاہ محمد یاسین صاحب (ساکن چوسہ ضلع آرہ) مرید مولانا شاہ فضل الرحمٰن قدس سرہٗ، شاگرد حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کاکوری علیہ الرحمۃ مجاز جملہ سلاسل، اخی مولوی شاہ مجیب الحق سجادہ نشین خانقاہ سملہ ضلع گیا (نواسہ حضرت مولانا شاہ محمد ہادیؒ پھلواردی) مجاز چند سلاسل، عزیز الوجود مولوی شاہ محمد قاسم (پسر اخی مولوی شاہ مجیب الحق سیملوی)، مجاز جملہ سلاسل، شاہ احسان احمد (ساکن بڑوسر گیا)، اپنے بھائی شاہ سخاوت حسین صاحب کے مرید اور وہ حضرت شاہ قیام اصدق قدس سرہٗ کے مرید تھے، مجاز جملہ سلاسل، شاہ احسان احمد (ساکن ضلع گیا) مجاز سلسلۂ قادریہ وارثیہ، قاضی عزیز الاسلام مرید حضرت شاہ ابوالحسین مارہروی، مجاز قادریہ جمالیہ جنیدیہ، مولوی محمد اسحاق قادری (ساکن کٹک) مجاز قادریہ وارثیہ، حافظ عبدالغنی مدرس مدرسہ مسجد پٹنہ، مرید مولانا شاہ سلیمان علیہ الرحمۃ مجاز چند سلاسل، مولوی وزیر احمد صاحب رحمانی مجاز سلسلۂ قادریہ وارثیہ وقادریہ عمدیہ، مولوی شیخ سلیمان صاحب قادری مجاز چند

سلاسل، مولوی حافظ اعظم صاحب (ساکن اعظم گڑھ)، مجاز چند سلاسل مع سند حدیث-(۷۴)

تصانیف:

کسی موضوع پر کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے مگر موضوعات علمیہ، تصوف وفقہ و دیگر مسائل جزئیہ فقہیہ و حدیثیہ وسیاسیہ کے متعلق جب کبھی کسی مسائل کے جواب میں کوئی مقالہ سپرد قلم کیا گیا تو وسعت تحقیقات عقلیہ ونقلیہ کی وجہ سے ہر ایک جواب مستقل رسالہ کی صورت میں مدون ہوگیا- کاتب الحروف نے ان تمام اجوبہ کو جمع کر کے اس کا نام ''لمعات بدر'' رکھا، اس مجموعہ کے تقریباً بارہ سوصفحات ہوں گے- یہ مکاتیب کئی جلدوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں- از انجملہ ایک حصہ ''آثار الرسول'' کے نام سے موسوم ہے- اس میں تمام آثارات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب حدیث سے ملتقط کر کے جمع کئے گئے ہیں، یہ رسالہ طبع ہوگیا تھا مگر اب اس کی مطبوعہ جلدیں باقی نہیں رہیں-

دوسرا حصہ ''المکاتیب النادرہ فیما یتعلق بالمسائل الحاضرہ'' ترک موالات و دیگر سیاسی مضامین کا مجموعہ ہے، طبع ہو چکا ہے-

تیسرا حصہ ''مسئلہ گاؤکشی وقربانی'' مطبوعہ ہے-

چوتھا حصہ ''اجوبہ اسئلۂ مشکلہ'' مطبوعہ ہے، اس پر صوبۂ بہار کے مستند علماء وصوفیاء کے دستخط ہیں-

پانچواں حصہ ''اجوبہ اسئلۂ خمسہ'' غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ ''لمعات بدریہ'' کا بقیہ حصہ جس میں تحقیقات عملہ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اب تک غیر مطبوعہ ہے-

''بیان المعانی'' تفسیر اردو ناتمام- ''تذکرۂ انساب خاندان امیر عطاء اللہ'' قلمی غیر مطبوعہ ''رد اعتراض عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب'' مصنف عمدۃ المطالب نے غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نسب سیادت پر ایک رکیک شبہ کیا تھا، آپ نے اس کا مدلل جواب لکھا مگر ناتمام ہے، آخری کچھ جزو باقی رہ گیا ہے-

''رسالۂ طاعون'' اس میں طاعون کی مذہبی حقیقت اور اس سے بچنے کی دعائیں مرقوم ہیں۔(۷۵)

''الوسیلہ'' نام ہی موضوع کا پتہ دے رہا ہے، مطبوعہ ہے مگر اب جلدیں نایاب ہیں۔

''رویت ہلال'' اختلاف مطالعہ پر نہایت مدلل بحث کی گئی ہے، مطبوعہ ہے مگر نایاب۔

وفات:

کامل ۳۳ سال سریر آرائے سجادہ رہنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۱۶ صفر ۱۳۴۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور مقبرہ مجیبیہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مزار مبارک پر ایک خوشنما بارہ دری ۱۳۴۹ھ میں تعمیر کی گئی۔(۷۶)

شیخ حبیب اللہ بہاری:

شیخ فقیہہ حبیب اللہ بن ذکر الدین حنفی بہاری، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی اولاد (ذریات) سے تھے۔ بہار میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پر پرورش ہوئی۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، پھر جونپور آ گئے۔(۷۷) وہاں شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری کے بیٹے شیخ محمد ارشد جون پوری کا ہنگامۂ درس جاری تھا، اس میں شامل ہو گئے اور عرصے تک ان کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ مختلف علوم وفنون اور فقہ میں کمال حاصل کیا پھر واپس اپنے شہر بہار تشریف لے گئے اور اپنے اسلاف کی مسند مشیخت کو زینت بخشی، تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ ''ہدیۃ السالکین'' اور ''تحفۃ الذاکرین'' کے نام سے دو کتابیں تصنیف کیں۔(۷۸)

جمعرات روز ۵ ربیع الاول ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ء میں وفات پائی اور شیخ محمد شرف الدین احمدؒ کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔(۷۹)

مولانا شرف الدین پھلواروی:

ہندوستان کے شہر پھلواروی میں بے شمار علماء وفقہا اور صوفیاء واولیاء پیدا ہوئے، ان بزرگان عالی قدر میں مولانا شرف الدین پھلواروی کا نام نامی بھی شامل ہے، ان کے والد کا نام ہادی اور دادا کا احمدی تھا۔ نسلاً ہاشمی جعفری تھے۔ اپنے زمانے کے فاضل اور شیخ تھے۔ فقہ اور تصوف میں دسترس حاصل تھی۔ مولانا شرف الدین پھلواروی ۵ رجب ۱۲۴۵ھ کو پھلواروی میں پیدا ہوئے، شعور کی آنکھ کھولی تو گھر میں علم وفضل کی نہر جاری تھی اور ۱۲۶۴ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

انہوں نے تہذیب المنطق کی بسیط ومفصل شرح سپرد قلم کی۔ بہت سے لوگوں کو مستفید فرمایا، فقہی فتوے لکھے اور درس وتدریس کے ذریعے خدمت دین انجام دی۔ پھلواری میں، جس کو کئی سو سال سے علم وعلماء کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے، مولانا شرف الدین کی خدمات نوع بنوع کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

اس عالم دین نے چون برس عمر پائی اور ۳ ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ کو انتقال کیا۔ (۸۰)

تاج العارفین شیخ مجیب اللہ پھلواروی:

شیخ عالم فقیہہ مجیب اللہ بن ظہور اللہ بن کبیر الدین جعفری پھلوارویؒ اپنے وقت کے مشہور عالم اور بزرگ تھے۔ وہ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ کی نسل سے تھے۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۶۸۷ء بروز شنبہ آپ کی ولادت ہوئی۔ (۸۱)

اکتساب علوم درسیہ:

ابتدائی کتابیں قاعدہ قرآن مجید اور فارسی کی چند ابتدائی کتابیں (اپنے پھوپھا) حضرت شاہ برہان الدین عرف لعل میاں قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ پھر ۱۱۰۵ھ سے ۱۱۱۵ھ تک اپنے پھوپھی زاد بھائی و پیر ومرشد حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں رہے۔ اس اثناء میں علوم صرف ونحو، بلاغت و

معانی، فقہ و فرائض، کلام و منطق و فلسفہ کی متوسطات تمام کیں، مگر حضرت خواجہ کی کثرت مشاغل نیز اوراد و اشکال اور اربعینات کی وجہ سے اسباق ناغہ ہونے لگے تو حضرت خواجہ کی اجازت سے حضرت شاہ محمد مخدوم بن شاہ محمد امان اللہ بن شاہ محمد امین ابن شاہ شمس الدین جنید ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ بنارس تشریف لے گئے اور حضرت قطب الاقطاب صاحب نسبۃ اویسیہ نبویہ مولانا سید محمد وارث رسولنما بنارسی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں زانوائے ادب کیا اور بقیہ درسیات کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔

اکتساب طریقت:

حضرت مولانا رسولنما قدس سرہٗ جس طرح علوم ظاہریہ میں بے نظیر شخصیت رکھتے تھے، مرتبہ عرفاں میں درجۂ قطب الاقطاب پر فائز تھے۔ اس کے ساتھ منصب رسولنمائی بھی بارگاہ نبویہ سے عطا ہوا تھا اور سلوک کا خاص طریقہ درودیہ بھی بارگاہ نبویہ سے آپ کو تلقین فرمایا گیا تھا۔

تاج العارفین قدس سرہٗ کو حصول زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے طریقۂ درودیہ کے اکتساب کا شوق پیدا ہوا، حضرت خواجہ کی اجازت سے مولانا رسولنما قدس سرہٗ سے رجوع کیا اور تعلیم علوم ظاہرہ کے ساتھ مشق سلوک کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ پھر مولانا رسولنما قدس سرہٗ کے حسب الحکم تعطیل کے زمانہ میں جب وطن تشریف لاتے تو حضرت خواجہ سے سلوک طریقۂ قلندریہ کی تعلیم حاصل فرماتے، اس طرح تکمیل درسیات کے ساتھ ساتھ طریقۂ درودیہ اور طریقۂ قلندریہ کے سلوک کی بھی تکمیل ہوگئی۔

۸ رمضان ۱۱۴۲ھ میں بحکم بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریقۂ قادریہ مجائیہ میں حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی، حضرت خواجہ نے آپ کو کامل و مکمل پایا اور دونور کی روشنی آپ میں محسوس کی، اسی وقت اپنی طرف سے جمیع سلاسل کی اجازت و خلافت دے کر ارشاد و ہدایت خلق کے لئے مامور فرمایا۔ نیز مریدین و معتقدین کی تعلیم و تربیت اور بیعت لینے کی خدمت بھی آپ کے سپرد کر دی۔ (۸۲)

حضرت خواجہ عمادالدین کی وفات کے بعد اپنے وطن پھلواری میں مستقل اقامت اختیار کرنی پڑی، پھر آپ نے خانقاہ کی بنیاد ڈالی جو ''خانقاہ مجیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے- آپ کے خلفاء کی طویل فہرست ہے-

حضرت تاج العارفین نے اپنی تمام زندگی متوکلانہ بسر کی، کبھی حصول معاش کی طرف توجہ نہ کی-

آپ کی وفات ۲۰ جمادی الاخر ۱۱۹۱ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۷۷۷ء بروز سہ شنبہ کو ۹۳ سال کی عمر میں ہوئی اور خانقاہ مجیبیہ کے دکھن جانب ایک حظیرہ میں مدفون ہوئے-

شیخ محمد جعفر حسینی پٹنوی:

فقیہہ محمد جعفر بن ابوالحسن بن باقی بن مبارز بن ابراہیم حسینی پٹنوی فقہ، اصول اور عربی میں مہارت تامہ رکھتے تھے- آپ کے والد آپ کی کمسنی میں ہی وفات پا گئے- دادا جان نے آپ کی پرورش کی اور سلسلۂ چشتیہ میں مرید کر کے خرقۂ خلافت عطا کیا اور اپنا جانشین مقرر کیا- ابتدائی تعلیم دادا جان کی سرپرستی میں ہوئی، جب سن شعور کو پہنچے تو جونپور تشریف لے گئے اور شیخ محمد رشید بانی خانقاہ رشیدیہ جونپور کے مدرسہ میں مقیم ہوئے اور شیخ محمد رشید سے تعلیم وتربیت شروع کی اور انہیں سے تعلیم کی تکمیل بھی کی-

تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ کی اجازت سے مختلف مقامات پر مامور ہوتے رہے چونکہ کمسنی ہی میں سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہو چکے تھے، پہلی بیعت یاد نہ رہی اس لئے قطب الاقطاب شیخ محمد رشید سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کیا اور انہیں کی خدمت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے، بعد میں آپ نے سلسلۂ سہروردیہ، فردوسیہ اور مداریہ کی خلافت واجازت حاصل کی-

مولانا محمد جعفر ایک مدت تک اپنے شیخ کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ اپنے بڑھاپے کو پہنچ گئے تو شیخ محمد رشید نے انہیں شادی کرنے اور اپنے شہر لوٹنے کا حکم دیا چنانچہ سنت کی اتباع میں اپنے شیخ کے حکم کو قبول کیا اور اپنے شہر کو لوٹے اور پٹنہ آ کر مستقل قیام اختیار کیا- آپ کی شادی حضرت قطب بینا دل قلندر کی نواسی اور

حضرت سید نورالدین کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے چار لڑکے ہوئے، سبھی مادرزادولی تھے، ان میں سے دو کی وفات آپ کی زندگی میں ہوگئی، باقی دو میر باقی (۸۳) اور میر محمد اسلم آپ کے وصال کے بعد تک زندہ رہے۔

مولانا محمد جعفرؒ نے پٹنہ پہنچ کر ایک مسجد میں قیام کیا اور کافی دنوں تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ وصال سے تقریباً بیس سال قبل مولانا کو پٹنہ میں خانقاہ قائم کرنے کا خیال ہوا مگر آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، شادی کے بعد گھریلو اخراجات اور مہمانوں کی خاطر تواضع میں ہی دشواری ہوتی تھی، ایک مرید نے گزر اوقات کے لئے ایک موضع دینا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ کیا، جب مرید نے کافی اصرار کیا تو آپ چند بیگھ زمین لینے پر راضی ہوئے اور اسی کا نام شریعت آباد رکھا اور یہیں خانقاہ کی بنیاد رکھی، جو ''خانقاہ جعفری'' کے نام سے مشہور ہوئی اور قریب ڈھائی سو سال تک آپ کے جانشین یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوتے رہے لیکن خانقاہ رشیدیہ جونپور کے بزرگان یہاں تشریف لائے اور لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔

شریعت آباد نام کا کوئی محلہ موجودہ پٹنہ میں نہیں ہے۔ موجودہ محلہ کا نام سرست آباد ہے جو شریعت آباد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ محلہ گردنی باغ (پٹنہ) سے تقریباً ایک کلومیٹر پورب کی جانب واقع ہے۔

۳ رمضان المبارک ۱۱۰۵ء بروز پنج شنبہ کو وفات ہوئی اور شریعت آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۸۴)

مولانا شاہ محمد مخدوم پھلواروی:

شیخ عالم فقیہہ محمد مخدوم بن امان اللہ بن محمد امین بن جنید ہاشمی جعفری پھلواروی ایک جید علمائے صالحین میں سے تھے۔ (۸۵) آپ کی ولادت ۱۰۹۲ھ میں ہوئی، ابتدائی درسیات ملا فصیح الدین جعفری سے پڑھیں، مگر اس زمانہ میں حضرت مولانا سید وارث رسولنما بناری قدس سرہٗ کے علم کا شہرہ تھا، آپ اور حضرت تاج العارفین

شاہ محمد مجیب اللہ قدس سرہٗ دونوں مقدس بزرگ ہمسفر ہوئے، حضرت مولانا کی خدمت میں حاظر ہوئے اور عرصہ تک بنارس میں مقیم رہ کر بالا ستیعاب درسیات تمام کیں اور شاہ محمد مخدوم حضرت مولانا قدس سرہٗ کے دست حق پر بیعت کر کے اکتساب طریقۂ درودیہ میں مشغول ہوئے اور مرتبہ حضوری بارگاہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فائز ہوکر اجازت وخلافت سے شرف اندوز ہوئے اور وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔

آبائی طریقہ کی اجازت اپنے والد سے حاصل کی، آپ کامل ومکمل وصاحب رشد وہدایت ہونے کے ساتھ بھی پیری مریدی کے تعلقات میں مشغول ہونا پسند نہ فرماتے تھے اور اپنے تمام اوقات کو خالصتاً یاد خدا کے لئے فارغ رکھنا چاہتے تھے، اسی لئے لوگوں کی بیعت نہیں لیتے تھے، جب کبھی کوئی ارادتمند حاضر ہوتا تو اس کو حضرت تاج العارفین سے بیعت حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے، ہاں بدرجۂ مجبوری اگر طلب کا اصرار ہوتا تو بیعت قبول کر لیتے۔ اپنے لئے سجادگی بھی پسند نہ تھی چنانچہ جب آپ کے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کی عمر آخر ہوئی اور مرض موت میں مبتلا ہوئے، حالت یاس افزا ہونے لگی تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ وفات کے بعد سجادگی کے لئے لوگ مجبور کریں گے اس لئے بذریعہ بی بی ولیہ (جو آپ کی اہلیہ تھیں) بارگاہ غوثیہ سے استفسار کرایا کہ سجادگی کے لئے کس کو حکم فرماتے ہیں، بارگاہ سے جواب ملا کہ ان کے سوا سجادگی کے لائق کون ہے؟ سجادہ نشین ہونا پڑے گا، چنانچہ اس واقعہ کو بذریعہ خط حضرت مولانا (۸۶) رسولنما قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا گیا، وہاں بھی یہی حکم ہوا، ناچار انتقال کے بعد بروز چہارم آپ نے خرقہ پہنا اور ''سجادہ جنیدیہ'' پر متمکن ہوئے مگر کچھ عرصہ کے بعد اپنے برادرزادہ مولانا شاہ وحید الحق قدس سرہٗ کو جانشین کر کے مسجد ومدرسہ و خانقاہ کی تولیت سپرد کر دی اور خود علیحدہ خانقاہ بنا کر اجرائے سلسلۂ قادریہ وارثیہ میں مشغول ہوئے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی بی بی ولیہ بنت سید شاہ عزیز الدین بن سید شاہ حبیب اللہ بن سید شاہ محی الدین مجھری قدس سرہٗ سے ہوئی تھی، ان سے صرف ایک صاحبزادہ حضرت شاہ آیت اللہ قدس سرہٗ ہوئے۔

دوسری شادی بی بی نجیبہ بنت شاہ پیر محمد (ساکن گھسرہ داناپور) قدس سرہٗ سے ہوئی تھی، ان سے دو صاحبزادیاں ایک شاہ محمد منعم بن قاضی حیات مزید کی محل اولی لاولد، دوسری حضرت شاہ احمد عبدالحیٰ قدس سرہٗ سے بیاہی تھیں، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ شمس الدین ابوالفرح قدس سرہٗ تھے اور چند صاحبزادے بھی تھے جن کی اولاد اب نہیں ہے۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ حضرت جنید ثانی قدس سرہٗ میں مدفون ہوئے۔ بی بی ولیہ اہلیہ شاہ محمد مخدوم قدس سرہٗ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھیں، وطن اچھپر ضلع گیا تھا اور حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھیں۔ (۸۷)

شمس العلماء مولوی محمد حسن مرحوم ذبیح:

مولانا محمد حسن صادق پوری، مولانا ولایت علی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۲۴۶ھ/۱۸۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں مولانا اشرف علیؒ سے پڑھیں، اس کے بعد حکیم مولوی عبدالحمید سے فراغت حاصل کی اور طب بھی انہیں سے پڑھی اور حدیث کی سند اپنے ماموں مولانا یحییٰ علیؒ سے حاصل کی، مسائل فقہی، اصول اور حدیث نہایت عمدہ جانتے تھے۔ (۸۸)

آپ کی عمر پانچ برس کی تھی جب آپ اپنے والد ماجد جناب مولانا ولایت علی کے ہمراہ دہلی آئے (۸۹) تھے۔ اس وقت شاہ ظفر بہادر شاہ ظفر بہادر شاہ دہلی نے جناب مولانا ولایت علیؒ کی دعوت کی تھی۔ بادشاہ نے اس وقت مولوی محمد حسن مرحوم کو اپنی گود میں بٹھالیا اور پوچھا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ قرآن شریف بامعنی پڑھتا ہوں، بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا کہ اتنا چھوٹا لڑکا قرآن شریف بامعنی پڑھتا ہے، بادشاہ نے فرمایا کہ کچھ سناؤ، اس وقت ہزار ہا آدمی کا مجمع تھا، آپ نے فی البدیہہ بے خوف ورعب ایک رکوع سورۂ بقر کا پڑھا اور اس کا ترجمہ عمدگی و شائستگی سے سنایا، بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا۔ غرض آپ اپنے والد کے ہمراہ ملک سوات افغانستان کو گئے، عمر آپ کی آٹھ برس ہوئی تھی کہ آپ کے والد ماجد اس دنیا کو چھوڑ کر داخل

خمد بریں ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی جناب مولوی عبداللہ مرحوم کی نگرانی میں تعلیم پائی اور ان کے ساتھ ہندوستان آئے اور اپنے چھوٹے چچا جناب مولانا فرحت حسینؒ کے زیر کفالت تعلیم پاتے رہے۔ بعد انتقال چھوٹے چچا کے زیر کفالت فقیر عبدالرحیم مؤلفہ اوراق ہذا کے تعلیم پائی۔ ۱۸۶۴ھ میں جب مقدمۂ بغاوت اس فقیر پر قائم کیا گیا و گرفتار ہو کر جیل خانہ بھیجا گیا، اس وقت آپ کی عمر تخمیناً سترہ برس کی تھی، اس وقت تک یا تو آپ پڑھنے لکھنے میں مشغول رہتے تھے یا کھیل کود میں، جو تقاضائے عمر طفویت ہے۔ اس وقت تک اس خاندان کا عروج جو سلطنت مغلیہ سے برابر چلا آتا تھا، ختم ہوا اور یہ خاندان بالکل تباہ ہو گیا۔ جائیداد ضبط ہو گئی، مکانات توڑ دیئے گئے، اسباب چھین لئے گئے، گھر کے بزرگ اور والی دریائے شور بھیج دیئے گئے، الغرض فقیر عبدالرحیم جب گرفتار ہوا، میں نے کہا میں اب جاتا ہوں، لو اب گھر بار کی تم خبر گیری کرو۔ یہ سن کر مولوی محمد حسن مرحوم کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا، نطاق ہمت اور کمر کو چست باندھا اور وہ کارروائیاں کر دکھائیں جو پچاس سال کی عمر والے اور تجربہ کار شخصوں سے بھی ظہور میں آنا مشکل ہے، سترہ برس کی عمر اور ان جانفشانیوں کو دیکھئے، مقدمہ کورٹ انبالہ پنجاب میں دائر تھا اور مدعا علیہم پٹنہ کے رہنے والے، پٹنہ کی ہائی کورٹ کلکتہ میں تھی، الغرض چند برسوں تک مرحوم مغفور نے اس مقدمہ کی پیروی میں اس طور پر گزارا کہ آج انبالہ میں ہیں تو کل پٹنہ میں اور پرسوں کلکتہ میں (۹۰) اور ولایت سے بیرسٹروں اور کونسلوں کو بلوانا اور مقدمہ بھی ایسا نازک اور خطرناک جس میں خود سرکار ساتھ اس کے خاندان کے کل چھوٹوں بڑوں کی خبر گیری کرنی جو بالکل بے خانما ہو گئے تھے، وہ جن کے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی اور نہ کمانے کی کوئی چیز، ایسی حالت میں آپ نے نہایت ہوش و گوش سے کل کارروائی کی کہ بڑے بڑے دانشمند اور تجربہ کار لوگ ان باتوں کو سن کر حیران رہ جاتے ہیں، باوجود خبر گیری معاش و جمیع خاندان و خبر گیری مقدمہ و تکمیل تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ مطب وغیرہ آپ نے جناب

حکیم مولوی عبدالحمید صاحب سے فراغ حاصل کیا۔کل امور خانہ داری وخبر گیری مقدمہ اس قدر کمیٹی میں ایسی خوبی وہوشیاری سے انجام دیئے کہ اس سے حیرت ہوتی ہے اور باوجود کثرت مشاغل کے، شغل درس وتدریس بھی جاری رکھا اور بطور خود کتب بینی بھی ہمیشہ کی اور تصانیف قاضی شوکانی وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے آپ کو خاصتاً جستاً دلچسپی تھی اور علوم معقول میں آپ کو نہایت عمدہ دخل تھا، بڑی مشکل اور ادق سوال کا جواب فی الفور دیتے اور مسائل مختلف فیہ میں نہایت عمدہ قول فیصل فرماتے، علم تاریخ اور سیر میں بھی آپ کو کمال مذاق تھا، علم وادب میں مہارت تام رکھتے تھے، ریاضی سے خاص دلچسپی تھی، الغرض جتنی علوم مشرقی مسلمانوں میں جاری ہیں، ان میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، اگرچہ انگریزی زبان میں مہارت نہ تھی، مگر علوم مغربی سے بھی بہت شوق تھا، جو کتابیں علوم مغربی کی اردو میں ترجمہ ہوگئی ہیں ان کا مطالعہ کیا کرتے، جب آپ کو مقدمہ اور تحصیل علوم سے فرصت ہوتی تمام مسلمانوں اور خاصتاً اپنے خاندان کی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کو دو مشکلوں سے سامنا پڑا، ایک تو گورنمنٹ بدظنی تمام مسلمانوں سے عموماً اور اس خاندان سے خصوصاً اور دوسرے اس باقی ماندہ لوگوں کے تمام فرقۂ اہل حدیث کے متعصبانہ حالات اس لئے مولوی صاحب مرحوم نے یکم مارچ ۱۸۸۴ء ایک اسکول محمڈن اینگلو عربک کے نام سے جس میں انگریزی، عربی اور دینیات دونوں کی تعلیم دی جائے، قائم کیا تاکہ مسلمان علوم مغربیہ سے اپنے دماغوں کو روشن کریں اور ان کے متعصبانہ خیلات دفع ہوں اور علوم دینیہ سے اپنے مذہبی امور کی پابندی میں مستحکم رہیں جو ان کے لئے ایک ناگزیر اور ضروری چیز ہے اور مولوی صاحب مرحوم نے (۹۱) جولائی ۱۸۸۴ء میں ایک اخبار پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری کیا تاکہ گورنمنٹ کو اپنے اغراض سے آگاہ کیا کریں اور اس کے مفید آرٹیکلوں سے لوگوں کے خیلات کی تہذیب ودرستگی کریں، اسکول مذکورہ گورنمنٹ میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس نے علاوہ میونسپلٹی کی امداد سو روپیہ ماہانہ کے اور سو روپیہ ماہوار سے مدد کی اور وہابی فنڈ سے پندرہ ہزار روپے دیئے اور پانچ ہزار تعمیر مکان کے لئے علیحدہ رکھے اور مسٹر

اسپورٹ بیلی صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر بنگالہ ایک بار ۱۸۸۷ء میں اسکول کے لڑکوں کو اپنے ہاتھ سے انعام کتابیں تقسیم کیں۔ مولوی صاحب کا قصد تھا کہ اس اسکول کو ترقی دے کر کالج تک پہنچائیں اور اس کے متعلق ایک وسیع اور باآسائش دارالقامہ بنوائیں مگر افسوس کہ موت نے ان کی کل آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

گورنمنٹ نے ان کی خدمات کی قدر کر کے ان کے صلہ میں ۱۸۸۸ء میں آپ کو خطاب "شمس العلماء" مع خلعت کی عطا فرمایا اور علاوہ پبلک کاموں کے آپ نے اپنے خاص خاندان کو جس کے لوگ بالکل فقیر ومحتاج ہو گئے تھے، ایسی ترقی بخشی کہ اتنے دنوں میں ایک کارخانہ تجارت کلکتہ میں قائم کیا کہ جس کا سرمایہ تخمیناً پچاس ہزار روپیہ تھا اور دو لڑکوں کو اپنے خلف اکبر محمود حسن اور دوسرے اپنے بھتیجے آیت اللہ کو لندن پڑھنے کے لئے بھیجا، جس میں چالیس پچاس ہزار روپے سے کم خرچ نہ ہوا ہوگا۔ آپ نے مولوی محمد یوسف جعفری اور مولوی محمد مبین کو تعلیم دلانے کی غرض سے انگلینڈ جانے کی منظوری دلائی تھی، مگر نوید اجل نے (۹۲) فرصت نہ دی۔ حلم اور خوش خلقی ان میں اس درجہ کی تھی کہ بدی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتے۔ ترجمۂ حدیث مرویہ بخاری شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر پر آپ کا پورا احمال تھ:

بدی رابدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اسا

برادر پروری وغریب نوازی وصلۂ رحمی میں ہو تو خاص ان کا حصہ تھا۔ آپ کے تمام اوقات عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں صرف ہوتے۔ شہر میں مجالس درس قرآن وحدیث اور انجمن قائم کرنے کی ترغیب دی۔ خود وعظ بہت کم بیان فرماتے اور وہ بھی مختصر اور اس کام کو آپ اپنا بہت بڑا منصبی سمجھتے تھے۔ اپنے خاندان کے سردار وسرپرست سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے خاندان کے وہ لوگ جو آپ سے سن میں بڑے تھے، آپ کو اپنا بزرگ وسردار سمجھتے اور ان کی اطاعت دل وجان سے کرتے، گویا یہ اپنے خاندان کی گاڑی کے انجن تھے۔ علاوہ خاندان والوں کے تمام چھوٹے بڑے شہر کے لوگ انہیں اپنا سچا دوست وخیر خواہ جانتے۔ گورنمنٹ

شیخ عبدالشکور منیری:

شیخ عالم فقہ عبدالشکور منیری بہاری فقہ، اصول فقہ اور عربی ادب میں مہارت رکھتے تھے، منیر میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی، پھر جون پور تشریف لے گئے اور شیخ محمد رشید بن مصطفی جون پوریؒ اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی، پھر علم طریقت بھی انہیں سے تحصیل کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ ارشاد کے مرتبہ تک پہنچ گئے اور شیخ نے اپنا خلیفہ بنالیا اور انہیں خلافت عطا کی، تو اپنے شہر واپس لوٹے اور درس و تدریس اور افادہ کا کام شروع کیا۔

آپ عالم، فقیہ اور قانع و متوکل تھے۔ مالداری کے چکر میں نہیں رہتے تھے اور نہ دنیا اور دنیاداری سے کوئی تعلق رکھتے تھے۔ یکم جمادی الآخر ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے جیسا کہ گنج ارشدی میں ہے۔(۹۹)

شیخ معین الدین منیری:

شیخ عالم صالح معین الدین عثمانی ایک مشہور فقیہ اور صوفی تھے، ان کے آباؤ اجداد مدھورہ گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مدھورہ میں منتقل ہو کر منیر شریف چلے آئے اور اپنے دادا کے گھر میں، جو انہوں نے ان کے والد کو دیا تھا، سکونت اختیار کر لی، تحصیل علم کے لئے جونپور کا سفر کیا اور وہاں جو علماء تھے ان سے درسی کتابیں پڑھیں اور طریقت کا علم شیخ محمد رشیدؒ سے، پھر ان کے صاحبزادے محمد ارشد جونپوریؒ سے حاصل کیا۔ ان دونوں کے ساتھ بہت دنوں تک رہے، پھر منیر واپس ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، بہت سے علماء نے ان سے استفادہ کیا۔ شیخ غلام رشید جونپوری نے منیر شریف میں ان سے ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں ملاقات کی اور ان کو چشتی سلسلہ کا خرقہ پہنایا اور گنج ارشدی میں تذکرہ کیا۔

۵ شعبان ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء میں منیر میں وفات پائی اور شیخ یحیٰی منیریؒ کے (۱۰۰) قبرستان میں دفن کئے گئے۔(۱۰۱)

مولانا عبدالمقتدر بہاری:

مولانا عبدالمقتدر بن عبدالنبی بہاری علوم حدیث وفقہ میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے اور اپنے عصر کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے، ان کے والد مولانا عبدالنبی بہاری بھی صاحب فضل وکمال تھے- لائق بیٹے نے والد مکرم سے علم حاصل کیا، حدیث بھی انہیں سے پڑھی-(۱۰۲)

سید عبدالمغنی پھلواروی:

پھلواری کے علمائے نامدار اور فقہائے ذی اکرام میں سید عبدالمغنی بن معین الدین ہاشمی جعفری پھلواروی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے- یہ اس نواح کے شیخ وعالم اور فقیہہ ومفتی تھے- پھلواری میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی- شیخ وحید الحق پھلواروی سے علم حاصل کیا اور شیخ مجیب اللہ جعفری سے تصوف وطریقت کا درس لیا-

فقہ واصول اور عالم کتاب وسنت ہونے کی وجہ سے مدت دراز تک پھلواری کے عہدہ افتا پر متعین رہے- اپنے دور کے جلیل القدر فاضل اور پرہیزگار عالم تھے- اپنے مفوضہ فرائض کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے اور حتی الامکان کسی کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا- بلند اخلاق اور عالی کردار عالم تھے- انتہائی سوچ بچار اور غور وفکر کے بعد فتویٰ جاری کرتے-(۱۰۳)

بیعت آپ کو حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ قدس سرہٗ سے ۱۱۷۳ھ میں ہوئی اور تعلیم وتربیت سلوک طریقہ مجیبیہ کی اپنے شیخ سے مکمل کر کے خرقۂ خلافت سے بہرہ اندوز ہوئے اور طریقہ ابو العلائیہ کا اکتساب حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہٗ سے ۱۱۸۰ھ میں کیا اور اجازت وخلافت پائی، پھر اجازت تبرک سے اپنے شیخ کے جانشین وصاحبزادہ حضرت شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ سے لی اور طریقۂ جنیدیہ کی اجازت اپنے والد ملا معین سے اور اپنے ماموں مولوی قادر بن مولوی محمد حسین جنیدی جعفری سے حاصل کی، آپ

نہایت مرتاض، پابند اوقات اور عبادت گزار صاحب تصرف وکمالات تھے- باوجودیکہ آپ کو بہت سے شیوخ سے اجازت حاصل تھی مگر آپ نے کسی کی (۱۰۴) بیعت نہیں لی، صرف تین آدمی کو شدید اصرار پر آپ نے مرید کیا ہے، ایک صاحبزادہ مولانا رحم علی کو، دوسرے نواسے مولوی حکیم محمد وجیہہ کو اور ایک خادم کو، بس اس سے زیادہ لوگوں کی بیعت لینے کی جرأت نہیں کی- ۱۸ سال تک علاقہ بردوان، بنگال میں مفتیٔ عدالت رہے اور نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا، پھر کبیر سنی کی وجہ سے ترک ملازمت کر کے خانہ نشیں ہوئے، آپ کی شادی بی بی واسعہ بنت ملا محمد مبین جعفری سے ہوئی، ان سے چھ بیٹے ہوئے، مولوی نثار علی، مولوی رحم علی، مولوی لطف علی، مولوی محمد یوسف، مولوی امین اللہ اور مولانا حافظ شاہ عبدالغنی اور پانچ بیٹیاں- (۱۰۵)

وفات:

پھلواری کے اس نامور عالم وفقیہہ نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء کو اپنے وطن پھلواری میں وفات پائی اور مسجد سنگی پھلواری کے مشرقی دروازہ پر مدفون ہوئے- (۱۰۶)

سید علی اعظم پھلواروی:

پھلواری ہندوستان کے صوبۂ بہار کا ایک مردم خیز شہر ہے- تیرہویں صدی ہجری میں اس شہر میں جن ارباب علم اور اصحاب فقہ نے جنم لیا ان میں سید علی اعظم بن سید افضل حسینی پھلواروی کا اسم گرامی بھی شامل ہے- یہ حنفی المسلک فقیہہ تھے اور اپنے وقت کے شیخ وفاضل بزرگ تھے- زہد وعبادت اور تقویٰ وتدوین میں یکتائے عصر تھے- (۱۰۷)

ولادت:

ولادت ۱۲۳۶ھ میں ہوئی-

درسیات مولانا عبدالغنی قدس سرہٗ سے پڑھیں، ۱۰ رمضان ۱۲۶۴ھ میں سنگی مسجد میں آپ کی دستار بندی کا جلسہ ہوا، جس میں اس دور کے مقتدر علماء شریک تھے، ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ میں حضرت مولانا شاہ ابوالحسن فرد قدس سرہٗ سے مرید ہوئے- نہایت بالغ الاستعداد اور وسیع النظر، صاحب تصنیف و تالیف کثیر التلامذہ بزرگ تھے- قدرت نے اپنے خزانہ فیض سے علم و دولت دونوں ہی نعمت عطا فرمائی تھیں، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا- آپ کا مکان مستقل مدرسہ تھا، طلباء کی کثیر جماعت ہمیشہ زیر تعلیم رہا کرتی تھی، غیر مستطیع طلباء کی رہائش اور ان کے خورد و نوش کا سامان اپنے پاس سے کرتے تھے- غرباء پروری اور مہمان نوازی کا خاص جذبہ تھا، علماء، فضلاء کی خدمت کرتے، مشاہیر علماء جب کبھی پھلواری آتے ان کو اپنا مہمان بناتے اور پوری طرح ان کی تواضع مدارات کرتے- آپ کا تمام وقت اہل علم کی معیت اور علمی مشاغل میں بسر ہوتا تھا- غرض یہ کہ نواب صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال کی طرح آپ نے بھی دولت کا صحیح مصرف لیا اور حسن اتفاق یہ کہ دونوں کا شجرۂ نسب اور زمانہ بھی ایک ہی ہے-

جس زمانہ میں حضرت نصر قدس سرہٗ پھلواری میں تفضیلیت کی بیخ کنی فرما رہے تھے اور حضرت نصر قدس سرہٗ نے رد تفضیلیت میں ایک مبسوط کتاب ''اسوۂ حسنہ'' لکھی، اس زمانہ میں آپ نے بھی فضل شیخین میں ایک مبسوط رسالہ ''معیار المذاہب'' تالیف فرمایا- اسوۂ حسنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپ کر شائع ہوئی اور آپ کا رسالہ ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوا- (۱۰۸)

آپ کی شادی موضع کرائی میں میر ہمت علی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے دو صاحبزادے مولوی عالم صاحب اور مولوی سید موسیٰ رضا صاحب تھے اور چھ صاحبزادیاں تھیں، باستثنیٰ دو لڑکیوں کے کل صاحب اولاد تھیں، ایک صاحبزادی کے نواسے مولوی سید علی اکبر بن سید علی ضامن قادری ہیں، آپ حضرت پیر و مرشد قدس سرہٗ کے مرید ہیں- درسیات بھی پڑھی ہے، پابند اوقات اور بزرگوں کے

اصول پر گامزن ہیں۔

مولوی سید علی اعظم علیہ الرحمۃ کی ایک صاحبزادی کے لڑکے مولوی جمال الدین بن میر ولی حسین تھے، جن کے منجھلے داماد سید نجم التوحید ہیں، حجرہ معین پورہ ضلع پٹنہ کے رہنے والے ہیں۔ حضرت پیر و مرشد قدس سرہٗ کے مرید ہیں، عبادت وطاعات میں مصروف رہتے ہیں۔ فی الحال سید علی ابر اور سید نجم التوحید ہنگامۂ ۱۹۴۷ء کے بعد کرائی وحجرہ معین پورہ سے ہجرت کر کے پھلواری میں اپنے پیر کے سایہ میں مقیم ہو گئے ہیں۔(۱۰۹)

وفات:

مولوی علی اعظم کی وفات بعارضۂ نفرس باقر گنج میں ۲۷ جمادی الاول ۱۱۸۹ھ میں ہوئی اور پھلواری میں باغ مجیبی میں مدفون ہوئے۔(۱۱۰)

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری:

سید عنایت اللہ صاحب، خاص سورج گڑھ، محلّہ چک مسکن ضلع مونگیر میں ۱۰۵۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اسی جگہ پڑھیں۔ ان کے والد ماجد قاضی سید عبدالنبی قصبہ سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے اور گو برائے نام سہی مگر اس وقت تک اس خاندان میں قضاءت چلی آتی ہے۔ غرض اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجہ کی تعلیم حاصل کر کے وہ دہلی پہنچے، شام کا وقت تھا، ایک شخص کے مکان پر شب باشی کی اجازت مانگی اور اس نے ان کا حال سن کر اجازت دے دی اور کھانا بھی کھلایا، رات جب زیادہ ہوئی تو مالک مکان چراغ گل کر کے اندر جانے لگا، سید صاحب نے کہا مجھے کچھ قرآن پڑھنا ہے، میں سوتے وقت چراغ گل کر دوں گا، وہ اندر چلا گیا اور سید صاحب دیر تک قرآن مجید پڑھتے رہے، یہاں تک کہ کوتوال شہر گشت کرتا ہوا آنکلا، چونکہ سید صاحب بہت ہی خوش الحان تھے، اس لئے وہ دیر تک کھڑا استتار رہا، پھر سامنے آ کر اس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی، صبح کوتوال نے سید صاحب کو طلب کر کے ان سے مزید

معلومات حاصل کیں اور جب اس کو ان کے علمی ذوق کا یقین آ گیا تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسہ میں داخل کرا دیا- اختتام تعلیم کے بعد ان کی علمی استعداد کی بناء پر اسی مدرسہ میں ان کو معلم کے عہدہ پر متعین کیا گیا، کچھ عرصہ بعد ان کے علم وفضل کا چرچا ہوا تو ان کو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں شامل کر لیا گیا اور غالباً آخر تک یعنی ۱۰۸۶ھ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے کیونکہ اس کے بعد وہ پھر شاہی مدرسہ کے مدرس ہو گئے اور ۱۰۹۹ھ تک اس پر مامور رہے-

اسی اثناء میں ان کے والد سید عبدالنبی صاحب کا، جو سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے، انتقال ہو گیا- کچھ عرصہ یہ جگہ خالی رہی پھر شرفاء نے سورج گڑھ کی درخواست پر سید عنایت اللہ صاحب کو ان کے پدر بزرگ وار کی جگہ قاضی بنا کر بھیج دیا اور محکمۂ قضاء کی سند عطا کرتے وقت شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی(۱۱۱) دو عدد حمائل (قرآن مجید) قاضی صاحب کو عنایت فرمائی، جس کے اوراق ناسا عدت زمانہ سے منتشر ہو گئے- قاضی صاحب اپنی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے اور سورج گڑھ چک مسکن ہی میں وفات پائی- ان کا پختہ مزار آج تک موجود ہے-(۱۱۲)

سید علی حبیب ہاشمی پھلواروی:

ہندوستان کے صوبۂ بہار میں بے شمار اصحاب علم اور ارباب فضل پیدا ہوئے- اس صوبے کے شہر، قصبے اور قریے علمی لحاظ سے نہایت زرخیز تھے- جگہ جگہ علماء کا بسیرا تھا اور گاؤں گاؤں میں مدرسے قائم تھے- ان مراکز علم میں ایک قابل ذکر مرکز پھلواری تھا- یہ شہر صحیح معنوں میں تصوف وطریقت کا گلستان اور علم ومعرفت کا مہکتا ہوا باغ تھا- تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں اس جنت علم میں جن حضرات نے جنم لیا ان میں مولانا سید علی حبیب بن ابوالحسن بن نعمت اللہ ہاشمی جعفری کا اسم گرامی لائق ذکر ہے- وہ اپنے وقت کے شیخ وفاضل اور صالح عالم دین تھے-

ولادت:

۲۵ رمضان ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے، عمر کی چند منزلیں طے کیں تو حصول علم میں مشغول ہو گئے- خاندان کے تمام افراد میدان علم کے شہسوار تھے اور ماحول نہایت صاف ستھرا تھا- بعض ابتدائی امر وجہ کتابیں اپنے والد مکرم سید ابوالحسن سے پڑھیں، بڑی کتابوں کے لئے اپنے بھائی نور العین اور چچا ابو تراب اور محمد حسین کے (۱۱۳) حلقۂ درس میں شامل ہوئے- یہ تمام حضرات مولانا احمدی پھلواروی کے تلامذہ میں سے تھے-

اس زمانے میں ان کے بھتیجے سید آل احمد پھلواروی، جو جید عالم تھے، مدینہ طیبہ میں فروکش تھے- وہ مدینہ منورہ سے پھلواری آئے اور مسند درس آراستہ کی- بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا- استفادہ کرنے والوں کی وسیع فہرست میں صاحب ترجمہ سید علی حبیب پھلواروی کا نام نامی بھی شامل ہے- انہوں نے سید آل احمد سے پوری صحاح ستہ پڑھی اور سند و اجازہ سے سعادت اندوز ہوئے- سید علی حبیب پھلواروی تیرہویں صدی ہجری میں ارض ہند کے نامور عالم اور فقیہہ تھے- ان کو کتابیں جمع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا بے حد شوق تھا- مسائل فقہ پر کامل عبور تھا- سنت رسولؐ کے شیدائی اور عمل بالحدیث میں انتہائی حریص تھے-

بہت بڑے مبلغ اور متبع کتاب وسنت تھے- بدعات ومحدثات کے شدید مخالف تھے- بزرگان دین کی قبروں پر حصول برکت کے لئے حاضری دینے، اصحاب قبور سے مرادیں مانگنے، نذر و نیاز دینے، قبروں پر چراغ جلانے اور مجالس عرس منعقد کرنے کی سختی سے تردید کرتے اور اسے خلاف قرآن وحدیث قرار دیتے تھے-

ابتلا کے وقت نماز فجر میں دعائے قنوت کو جائز ٹھہراتے، تشہد میں رفع سبابہ کے قائل اور سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے- بعد از رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان ادعیۂ ماثورہ خود

بھی پڑھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے، ارکان نماز نہایت اعتدال سے ادا کرتے اور اول وقت میں نماز پڑھتے۔

سید علی حبیب پھلواروی متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو فقہ و عقائد سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں:

تصانیف:

''النعمۃ العظمیٰ'': یہ ان کی پہلی تصنیف ہے جو بعض مسائل شرعیہ سے متعلق ہے۔ اس میں چند مسائل جو حدیث کے خلاف ہیں، ان سے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔(۱۱۴)

''شواہد الجمعہ'': اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے لوگوں پر جمع پڑھنا فرض ہے۔ فرضیت جمعہ کے سلسلے میں فقہائے حنفیہ نے جو شرائط بیان کی ہیں، حدیث کی رو سے انہیں غلط قرار دیا ہے۔

''الاسوۃ الحسنہ'': خلفائے راشدین کی فضیلت سے متعلق ہے۔

''صلاۃ المعبین''۔

''فارسی اشعار کا دیوان'': سید علی حبیب جعفری پھلواروی شاعر بھی تھے، ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔ نصر تخلص کرتے تھے۔

ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ فقہ حنفیہ کے مسائل پر گہری اور وسیع نظر رکھتے تھے، ان کا حدیث صحیحہ سے موازنہ کرتے، جو مسئلہ حدیث کے مطابق ہوتا اس پر عمل کرتے اور جو حدیث سے ہم آہنگ نہ ہوتا اسے بلا تامل ترک کر دیتے۔

وفات:

پھلواری کے اس ممتاز عالم و فقیہ نے دوشنبہ کے روز ۲۷ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی۔(۱۱۵)

سید علی سجاد جعفری پھلواروی:

برصغیر پاک وہند اس عالم آب وگال کا وہ خطہ ہے جس کے تمام بلاد وامصادر، قصبات ودیہات میں اصحاب معرفت وادراک نے جنم لیا اور ہر جگہ علم وعرفان کی شمعیں روشن ہوئیں۔ بعض علاقوں میں تو اس کثرت سے علماء پیدا ہوئے کہ اس کو حدود وشمار کے دائرے میں لانا اگر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دور تک نظر دوڑا کر دیکھئے اہل علم کے خیمے گڑے ہوئے دکھائی دیں گے اور ان سے قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صدائیں بلند ہو کر بار بار پردۂ سماع سے ٹکرائیں گی۔ بالخصوص (۱۱۶) یوپی اور بہار میں تو گاؤں کے گاؤں اصحاب تصوف اور اہل علم سے بھرے پڑے تھے۔ ان مقامات میں صوبۂ بہار کے قصبہ پھلواری کو ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے، یہ قصبہ صحیح معنوں میں علم پرور اور علما آفرین تھا، صدیوں سے علم کی نہریں جاری اور معرفت کے چشمے رواں ہیں، یہاں کے تیرہویں صدی ہجری کے علماء کی وسعت پذیر فہرست میں جن حضرات کو نمایاں مقام حاصل ہے، ان میں سید علی سجاد جعفری پھلواری کا نام نامی لائق تذکرہ ہے۔ ان کے والد کا اسم گرامی سید نعمت اللہ اور دادا کا مجیب اللہ ہاشمی جعفری پھلواروی تھا۔ اس خاندان کے سب افراد عالی مرتبے کے حامل تھے اور ہر شخص میدان کمالات میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔

تاریخ ولادت:

سید علی سجاد کی تاریخ ولادت ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۹۹ھ ہے۔ پھلواری کے اس نونہال نے مولانا احمدی بن وحید الحق ہاشمی جعفری سے حصول علم کیا، جو اپنے علاقے اور عہد کے جید عالم اور نامور مدرس تھے۔ (۱۷)

تعلیم وتربیت:

درسیات اپنے بھائی مولانا محمد قادری کی معیت میں مولانا احمد قدس سرہٗ سے ۱۲۲۲ھ میں تمام کیں۔ ۱۲۱۷ھ میں اپنے والد ماجد سے مرید ہوئے اور تعلیم وتربیت اجازت وخلافت کل اپنے والد سے پائی۔

صاحب تصانیف ہیں، رشد و ہدایت، درس و تدریس آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، آپ کے دریائے علم سے بہت لوگ سیراب ہوئے، مولوی مصطفیٰ، مولوی مسرف علی، مولوی حسین مرحومین کے نام معلوم ہیں-فقر و عرفاں میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے، آپ کا سلسلہ مولانا اشرف مجیب علیہ الرحمۃ کے واسطہ سے اس وقت جاری ہے-(۱۱۸)

سلوک و تصوف کی روح پرورداری سے بھی بہت سے لوگوں کو روشناس کرایا-غرض ہر مقام علم پر رسائی حاصل کی اور ہر باب خیر پر دستک دی- ان کی تصانیف میں درج ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں:

تصانیف:

''فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم''، ''صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، ''رسالہ در فقہ حنفی''، ''دیوان شعری، فارسی''-(۱۱۹)

شادی:

آپ کی شادی حکیم ابوالمظفر صاحب گھگھہ ضلع چھپرہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے چار صاحبزادے مولوی محمد عمر دراز، مولوی عبداللہ، مولوی ظہور محی الدین، مولوی محمد معشوق کشش تھے اور ایک صاحبزادی والدہ حکیم ابوالفتح صاحب مرحوم ساکن گھگھہ تھیں-(۱۲۰)

وفات:

سید علی سجاد ہاشمی جعفری پھلواروی نے ۱۸ رمضان ۱۲۷۱ھ کو اس دنیائے فانی سے منہ موڑا اور عالم آخرت کی راہ لی-(۱۲۱)

مولانا عنایت علی عظیم آبادی:

مولانا عنایت علی عظیم آبادی کا شمار برصغیر پاک و ہند کے نہایت جری، شجاع اور مجاہد علماء وفقہا کی

جماعت میں ہوتا ہے- ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: عنایت علی بن فتح علی بن وارث علی ہاشمی صادق پوری عظیم آبادی-

عظیم آباد اس زمانے میں صوبۂ بہار کے دارالخلافہ پٹنہ کا نام تھا اور صادق پور اس کا ایک محلّہ تھا- مولانا عنایت علی کے اعزہ و اقارب اسی محلے میں رہتے تھے- وہ ایک باا ثر اور معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے- ان کے اسلاف میں ایک بزرگ احمد علی تھے جو ضلع گیا کے ایک قصبہ ''ارول'' کے جج تھے- اس خدمت کے صلے میں مغل حکومت کی طرف سے ان کو بہت بڑی جاگیر عطا ہوئی تھی- ان کے نانا رفیع الحسن خاں تھے جو صوبۂ بہار کے ایک دولت مند اور معزز رئیس تھے، بلکہ مولانا عبدالرحیم ''الدرالمنثور فی احوال اھلصادقفور'' میں لکھتے ہیں کہ وہ مغل دور میں صوبۂ بہار کے آخری ناظم تھے-

مولانا عنایت علی کے خاندان کے تمام افراد علم و فضل کے زیور سے آراستہ تھے اور اپنے علاقے اور عہد میں دینی اور دنیاوی اعتبار سے مرجع خلائق تھے-

مولانا ممدوح نے ہوش سنبھالا تو خاندانی روایت کے مطابق حصول علم میں مشغول ہو گئے اور اپنے زمانے کے متعدد علماء سے تحصیل کی- ان کے بڑے بھائی مولانا ولایت علی تھے- مولانا ولایت علی نے سید احمد شہید (۱۳۲) کی بیعت کی تو یہ بھی ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہو گئے- سید صاحب جہاد کے لئے سرحد پار گئے تو یہ بھی ساتھ تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد سید صاحب نے انہیں وطن واپس بھیج دیا تھا اور دعوت و تبلیغ کے لئے بنگال میں متعین کر دیا تھا- یہ بنگال ہی میں تھے کہ بالاکوٹ میں سید صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آیا لیکن مولانا عنایت علی اس کے بعد بھی بنگال میں فریضۂ دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے- جب مجاہدین کی تنظیم کا سلسلہ معرض خطر میں پڑ گیا تو مولانا ولایت علی نے اس چھوٹے بھائی (مولانا عنایت علی) کو سرحد بھیج دیا- کچھ عرصہ بعد مولانا ولایت علی خود بھی مستقلاً وطن سے ہجرت کر کے سرحد پار پہنچ گئے اور مجاہدین نے ان کو اپنا امیر

مقرر کرلیا- اس اثناء میں طریقۂ کار کے سلسلے میں دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا اور مولانا عنایت علی منگل تھانہ چلے گئے- مولانا عنایت علی کی مقصد سے محبت اور جذبۂ جہاد سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ وطن میں لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑی، آرام و آسائش کی زندگی کو ترک کیا، دنیوی نعمتوں سے منہ پھیرا اور خطروں سے پر انداز زیست اختیار کیا- ان کی زندگی سراپا جہاد اور سراسر جہد و امتحان کی زندگی تھی-

پہلے مولانا ولایت علی مجاہدین کے امیر تھے، وہ ۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ بمطابق ۵ نومبر ۱۸۵۲ء کو فوت ہوئے تو یہ ذمہ داری مولانا عنایت علی کے سپرد ہوئی- انہوں نے اس عظیم ذمہ داری کو نہایت ہمت اور استقلال کے ساتھ نبھایا- ان کے زمانۂ امارت میں بہت سے مشکل ترین مراحل پیش آئے لیکن وہ ہر موقع پر ثابت قدم رہے اور تمام امور انتہائی حسن وخوبی سے انجام دیئے-

مولانا عنایت علی نے اپنے علم و مطالعہ کی بناء پر مسلمانوں کی زندگی کا جو نقشہ مرتب کیا تھا وہ اس طرح تھا:

۱- جس ملک پر کافروں کا تسلط ہو جائے، وہاں کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متحد ہو کر کافروں سے جنگ کریں-

۲- جو لوگ کافروں سے جنگ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ ہجرت کر کے کسی آزاد ملک میں چلے جائیں-

۳- وہ اپنے زمانے میں ہجرت کو فرض قرار دیتے تھے، جو لوگ ہجرت کی راہ میں رکاوٹ (۱۳۳) پیدا کرنے کی کوشش کرتے، ان کے نزدیک وہ منافق قرار پاتے تھے-

۴- مولانا ممدوح دیانتداری سے یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ہجرت بھی نہ کرسکیں اور کافروں کی حکومت سے قطع تعلق کرلیں یعنی نہ کسی معاملے میں کافر حکومت کی مدد کریں اور نہ اس کی عدالتوں میں جائیں،

اگران میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اس کو نمٹانے کے لئے اپنی پنچائتیں اور کمیٹیاں بنالیں جو اچھے اور دیانتدار افراد پر مشتمل ہوں۔

انہوں نے اس قسم کے کئی اعلامئے جاری کئے تھے اور بنگال میں جب وہ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے تھے تو مسجدوں کی تعمیر اور آبادی کا بھی انتظام کرتے تھے۔

پھر فصل خصومات کے لئے وہ پنچائتیں اور کمیٹیاں بناتے تھے۔مجاہدین کے زمانۂ امارت میں انہوں نے اس قسم کے متعدد اعلامیے ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بھیجے تھے۔مولانا کی پہلی شادی سید محمد مسافر کی صاحبزادی سیدہ آمنہ سے ہوئی تھی۔

بہار کے ایک مسلمان خاندان میں یہ پہلی شادی جو انتہائی سادگی سے شریعت کے مطابق ہوئی۔سیدہ آمنہ سے حافظ عبدالمجید پیدا ہوئے۔کچھ مدت بعد اس خاتون کا انتقال ہو گیا تو مولانا کا نکاح ثانی شاہ محمد حسین کی صاحبزادی سے ہوا جو بیوہ تھیں،ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہاجرہ تھا۔

حافظ عبدالمجید نے اپنے چچا مولانا فرحت حسین سے تعلیم پائی،اس کے بعد اپنے والد کے ساتھ سرحد چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔مولانا عمر بھر تبلیغ دین واشاعت اسلام میں مصروف رہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی صرف کردی،ظاہر ہے اس اثناء میں انہوں نے تبلیغ واشاعت سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں اور رسالے بھی لکھے ہوں گے لیکن ان کے صرف ایک چھوٹے سے رسالے کا پتہ چلتا ہے،جس کا نام ''بت شکن'' ہے۔یہ رسالہ مجموعہ رسائل میں شائع ہوا تھا جو مولانا عبدالرحیم نے ''رسائل تسعہ'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اہل بیعت کے مصائب مؤثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں ساتھ ہی تعذیہ داری کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔مولانا نے فارسی میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی،جس میں جہاد کے احکام بیان کئے گئے تھے اور لکھا تھا کہ ہماری جنگ انگریز سے تھی۔۔ ''کہ ایں جنگ ما با فرنگی بود۔''

بلاشبہ مولانا عنایت علی ایک پر جوش اور باحمیت عالم تھے- انہوں نے ہر موقع پر اللہ کی راہ میں انتہائی عزیمت واستقامت کا مظاہرہ کیا- ان کی تمام زندگی امور دینیہ کے لئے وقف رہی- انہوں نے بنگال اور ملک کے دوسرے حصوں میں بے حد محنت اور عزم و استقلال سے تبلیغ اسلام کی- اس زمانے میں سکھ اور انگریز دونوں مسلمانوں کے دشمن تھے- مولانا اپنی استطاعت کے مطابق دونوں سے نبرد آزما ہوئے- انہوں نے اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں لٹا دی- جب ملک میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا اس وقت مجاہدین کی زمام امارت انہی کے ہاتھ میں تھی اور یہ ان کی تاریخ کا بہت ہی نازک موڑ تھا جو کامیابی سے طے ہوا- مجاہدین کو جو مسائل پیش آئے ان کے فیصلے یہی کرتے اور یہی مرکز سے فتوے جاری فرماتے-

مولانا موصوف علاقہ سرحد میں جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ان پر بخار کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ بے ہوشی طاری ہوگئی- (۱۲۴) اس وقت وہ غالباً پرگنہ منصور جدون کے مقام نوبانڈہ میں تھے، وہاں سے لوگوں نے ان کی چارپائی اٹھائی اور چنئی کی جانب روانہ ہوئے، کوہ چنئی کی چڑھائی پر بخار بہت تیز ہوگیا اور مولانا نے کاغذ اور قلم دوات طلب کی لیکن اسی لمحے سکرات موت کا عالم طاری ہوگیا اور کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ لکھنے کی سکت نہ رہی- ان کے بیٹے حافظ عبدالمجید نے پوچھا کہ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں اور آپ کے بعد امیر کون ہو......؟ اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی- (۱۲۵)

وفات:

۶ شعبان ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں ہوئی - ان کا حادثۂ موت انگریز کے پنجتار جنگی منگل تھانہ اور ستھانہ پر حملے سے پہلے پیش آیا- (۱۲۶)

قاضی علی اشرف عظیم آبادی:

قاضی علی اشرف بن علی ابر بن وحید الحق جعفری پھلواروی فاضل فقہائے حنفیہ میں سے تھے، ۵ ربیع

الثانی ۱۲۱۴ھ کو قصبہ پھلواری میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی - اپنے والد قاضی علی اکبر سے کسب علم کیا اور اخذ طریقت کے لئے شیخ نعمت اللہ اور ان کے فرزند ابو تراب کی خدمت میں حاضری دی، پھر بہار چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی-

درس وافادۂ طلباء ان کا اصل مشغلہ تھا، بہت سے علماء نے ان سے استفادہ کیا - (۱۲۷)

ایک مدت تک بہار میں منصف رہے، پھر قاضی شہر مقرر ہوئے -

شادی قرابت ہی میں ہوئی تھی جن سے ایک بیٹی بی بی کنیز رسول تھیں جو لا ولد وفات کر گئیں - (۱۲۸)

وفات:

۲۴ ربیع الاول روز دوشنبہ ۱۲۹۲ھ کو وفات پائی - (۱۲۹)

مولانا عبدالحفیظ ململی:

مولانا عبدالحفیظ حافظ بہار کی مشہور مردم خیز بستی ململ ضلع مدھوبنی میں پیدا ہوئے - عربی تعلیم مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں حاصل کی، جونپور کے ممتاز عالم مولانا دین محمدؒ سے مزید تعلیم کے لئے رجوع کیا، تعلیم کی تکمیل اور فراغت مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے کی، پھر ۱۹۳۲ء میں پرتاب گڑھ بستی میں قائم مدرسہ کافیۃ الاسلام کی ذمہ داری سنبھالی، جو مولانا عبدالکافی کی یاد میں نیا نیا قائم ہوا تھا - مولانا نے مدرسہ کو ترقی دی، حفظ و عربی کی تعلیم کے لئے بنگال، بہار اور یوپی کے مختلف مقامات سے بڑی تعداد میں طلباء آیا کرتے تھے - پرتاب گڑھ کے زمانۂ قیام میں ہی ۱۹۳۴ء میں مشہور عالم ربانی مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ سے وابستہ ہو گئے، آٹھ سال تک وابستگی قائم رہی -

مولانا پرتاب گڑھی کے وصال کے بعد پرتاب گڑھ کے دیہاتوں کا بار بار دورہ کیا اور اصلاح و دعوت میں اہم کردار ادا کیا - پرتاب گڑھ کا پورا زمانہ قیام ۱۹۲۲ء تا ۱۹۴۷ء ایثار و قربانی سے گزرا، آخر عمر میں مدرسہ

چھوڑ کر اپنے وطن ململ چلے آئے اور علاقہ کی بستیوں کو مستفیض کرنے لگے۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی اور مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ سے خاص تعلق تھا۔ مولانا کو فقہ ونحو میں بڑی مہارت تھی۔ برسوں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ اس کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے، اپنے کلام کا اچھا اور منتخب ذخیرہ چھوڑا ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

وفات:

۱۳ جنوری ۱۹۹۲ء کو شب میں سوا آٹھ بجے پچاسی سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ء کو نماز جنازہ ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں ململ میں مدفون ہوئے۔ (۱۳۰)

مولانا عبدالصمد رحمانی مونگیری:

مولانا عبدالصمد رحمانی صوبۂ بہار کے مشہور عالم، محقق اور فقیہہ تھے۔ موضع مانڈر ضلع مونگیر آپ کا وطن تھا۔

ولادت:

۱۳۰۰ فصلی میں باڑھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت مولانا ابوالحاسن محمد سجادؒ وغیرہ اکابر علماء سے علم حاصل کیا۔ قومی، ملی خدمات کی تربیت بھی مولانا موصوف سے پائی۔ متجر عالم دین تھے۔ اسلام کے اجتماعی نظام اور فقہ کے اصول پر آپ کی نگاہ بڑی گہری تھی۔ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری سے بیعت تھے۔ فقہ اسلامی پر عبور کامل کے لحاظ سے ہندوستان کے علمی ودینی حلقوں میں ہمیشہ آپ کا منفرد وممتاز مقام رہا ہے۔

بہار میں جب فتنۂ قادیانیت کا ہنگامہ بپا ہوا اور عیسائیوں اور آریہ سماجیوں نے اپنی تحریک تیز کردی، تو آپ نے حضرت مولانا مونگیری کی زیر نگرانی ان تینوں تحریکوں کے خلاف تحریری وتقریری جہاد میں حصہ لیا۔

مولانا مونگیریؒ کا ۱۹۲۷ء میں وصال ہوگیا، اس کے بعد آپ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی دعوت پر خانقاہ رحمانی سے منتقل ہو گئے اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے دفتری امور کے نگراں مقرر ہوئے-امارت شرعیہ کو زیادہ منظم اور فعال بنانے کے لئے آپ نے اکثر علاقوں کا دورہ کیا اور اسے مؤثر بنانے کے لئے آپ نے اکثر کتابیں، مقالات اور مضامین لکھے-جب جمعیۃ علمائے ہند نے سول نافرمانی کی تجویز پیش کی اور اکابر علماء گرفتار کر لئے گئے تو ۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اور مرکزی دفتر کے ذمہ دار اعلیٰ مقرر کئے گئے-۱۹۳۷ء(۱۳۱) میں صوبۂ بہار کی حکمراں جماعت مسلم انڈیپینڈنٹ پارٹی کے دفتر کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے-حضرت مولانا محمد سجاد کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء تک امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے نائب امیر شریعت رہے-سیاسی زندگی کی ہماہمی کے باوجود آپ نے ہمیشہ علمی مشغلہ جاری رکھا-

ایک عرصہ تک خانقاہ رحمانی مونگیر سے شائع ہونے والے علمی ماہنامہ 'الجامعہ' کے مدیر رہے-

تصانیف:

تصانیف کی تعداد ساٹھ سے زاید ہے، ان میں سے ''ہندوستان اور مسئلہ امارت''، ''قرآن محکم''، ''کتاب العشر ولذکوٰۃ''، ''تاریخ امارت''، ''کتاب القضاء''، ''حیات سجادؒ''، ''تیسیر القرآن''، ''غیر مسلموں کے جان و مال کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر''، ''پیغمبر عالم'' قابل ذکر ہیں-آپ کی تصنیفات وتالیفات میں تحقیق کا رنگ جھلکتا ہے-

وفات:

۱۴ مئی ۱۹۷۳ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ روز دوشنبہ کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں وفات پائی-(۱۳۲)

مولانا عبدالباری عظیم آبادی:

شیخ فاضل عبدالباری بن تلطف حسین بن روشن علی بن حسین علی بن طف علی نگرنہسوی عظیم آبادی علوم

فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔نگرنہسہ سابق ضلع پٹنہ حال ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔آپ کا گھرانا علمی گھرانا تھا۔مختصرات تک اپنے وطن میں تعلیم حاصل کی، پھر لکھنؤ آئے اور دوسری کتابیں علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم انصاری لکھنویؒ سے پڑھیں۔نہایت ہی ذکی وفطین تھے۔حکمت وفلسفہ میں اپنے ساتھیوں پر سبقت لے گئے اور پوری مہارت حاصل کی، پھر دہلی کا سفر کیا اور شیخ نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے وطن واپس لوٹے اور عظیم آباد میں مطب شروع کیا اور طب میں خوب شہرت حاصل کی۔وہ مغرب کے بعد قرآن کا درس دیا کرتے تھے یہاں تک کہ استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔جب قریب الموت ہوئے تو مولانا محمد علی بن عبدالعلی کانپوریؒ سے عظیم آباد آنے کی درخواست کی، وہ اس وقت لکھنؤ میں تھے، چنانچہ مولانا عظیم آباد تشریف لائے اور ان کو طریقت میں شامل کرلیا۔انہوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور دین کی طرف مائل ہوئے۔

وفات:

ان کی وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ہوئی۔(۱۳۳)

مولانا عبداللہ بایزید پوری گیاوی:

شیخ عالم فقیہہ عبداللہ بن فرزند علی صدیقی بایزید پوری ایک جید عالم تھے، بایزید پور ضلع گیا میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش وپرداخت ہوئی، علم کے لئے سفر کیا، مولانا نورالحسن بن ابوالحسن کاندھلویؒ اور مفتی صدر الدین دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر شیخ نذیر حسین محدث دہلویؒ سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ میں مہارت حاصل کی پھر حجاز کا سفر کیا، حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور حدیث وتجوید احمد بن عفیف بن اسعد الدھان المخصوص سے حاصل کیا۔مکہ میں دوسال سے زیادہ قیام کیا اور تین مرتبہ حج کرنے کی سعادت حاصل کی، پھر ہندوستان واپس آئے اور اپنے وطن میں مدرسہ تجوید القرآن کی بنیاد ڈالی۔وہ کسی مسلک معین کے

التزام نہیں کرتے تھے بلکہ ظاہری نصوص پر عمل کرتے تھے اس لئے گاؤں کے لوگوں نے ان کو بہت تکلیف دی چنانچہ گاؤں سے نکل گئے اور دوسری جگہ اقامت اختیار کرلی اور اس مدرسہ کے نام اپنی زمین وقف کردی۔

وفات:

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔(۱۳۴)

ملا فصیح الدین پھلواروی:

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں ہندوستان کے صوبۂ بہار کے مشہور قصبہ پھلواری کے ایک اہل علم بھی شامل تھے جن کا نام ملا فصیح الدین ہے۔(۱۳۵) شیخ عالم فقیہہ فصیح الدین بن ابو یزید بن محمد فرید محمد حسین بن عطاء اللہ ہاشمی، جعفری پھلواروی فقہائے حنفیہ میں سے تھے، ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا۔ وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پڑپوتے تھے۔تحصیل علم کے لئے دہلی گئے۔(۱۳۶) آپ ملا عوض وجیہہ دہلوی کے شاگرد بڑے عالم تبحر تھے۔عہد عالمگیری میں برابر دہلی رہے اور فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وجمع میں شریک رہے۔سلطان اورنگزیب عالمگیر نے آپ کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کرتے ہوئے مدد معاش میں ایک سوبیس بیگھ اراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ روزمرہ کے لئے دیا تھا۔(۱۳۷)

مولانا سید غلام حسنین شاہ ندوی پھلواروی لکھتے ہیں:

''حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاویٰ عالمگیری میں ہونا، یہاں خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر میں بھی آئی تو بہت بعد میں۔(۱۳۸) ان کے ہم عصروں میں سے یا ان کے متصل مؤلفین میں سے کسی کا رشتہ موجود نہیں ہے، اس زمانے کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکروں میں بزرگوں کے

محض کشف وکرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے۔''

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان میں جو روایت مسلسل چلی آ رہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر دقیع نہیں ہو سکتی۔ اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنی سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

''اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و ابری میں
یہاں آ کر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی میں
سے تھے، لیکن وہاں ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی۔''

ابوالفضل کے اکبر نامہ میں بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے۔ خدا بخش خاں صاحب مرحوم کی لائبریری میں شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل میں موجود ہے۔ شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے راج گیر تک، پٹنہ کے جنوب میں بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیئے تھے تا کہ پٹھانوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیں، اسی زمانے میں خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہاں آئے۔

یہ عبداللہ ابن جعفر طیارؓ کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے۔ امیر عطاء اللہ نے یہاں سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے۔ اسی مسجد میں ملا فصیح الدین درس افتا کا مشغلہ رکھتے تھے (۱۳۹) اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان تجربہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی د بمہر ''اخلاص خاں'' ملا صاحب موصوف کے فرزندوں کو ملا تھا۔ اسی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

''ملا مذکور شاگرد اُخوند ملا عوض وجیہہ۔۔۔ متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است

نیم روپیہ و بست بیگہ زمین مدد معاش از سابق دارد بخرچ وقائمی کند امیدوار از تفصیلات...... و یومیہ مسجد بآں قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگہ زمین مذروئ اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ ودانستہ۔''

اس فرمان سے ظاہر ہے کہ ملا فصیح الدین، شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعدرف تھے۔(۱۴۰)

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا۔(۱۴۱)

تلامذہ:

آپ کے چاروں صاحبزادگان اور داماد قاضی حیات مزید و ملا غلام شرف الدین بن مولوی عبدالغفور بن مولوی ابوالفضل جعفری ارشد تلامذہ سے ہیں۔ بڑے بیٹے ملا صبیح الدین آپ کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت لوگوں نے ان سے علمی فیض حاصل کیا۔

مسجد و مدرسہ اور خانقاہ کا یہ حصہ برابر علماء وفضلاء کی درسگاہ رہا ہے۔

وفات:

ملا فصیح الدینؒ نے ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی(۱۴۲) اور اسی سنگی مسجد کے مشرقی جانب مقبرہ میں مدفون ہوئے۔(۱۴۳)

مولانا فضل اللہ بہاری:

شیخ فضل اللہ بن ابوالفضل حنفی بہاری فقہ و اصول فقہ اور علوم عربیہ کے جید علماء میں سے تھے۔ عالم شباب میں بہار سے فرخ آباد چلے گئے تھے۔ بعض کتب درسیہ قاضی محمد مربی حسینی بھانوی سے پڑھیں پھر بعض دیگر بلاد (شہروں) کے سفر کو نکلے اور علامہ محمد حسین بن غلام مصطفیٰ لکھنوی (متوفی صفر ۱۱۹۹ھ) کے درس میں شریک ہوئے اور باقی درسی کتابوں کی تکمیل کے حصول کے علم کے بعد فرخ آباد کا رخ کیا(۱۴۴) اور شیخ کرامت

اللہ واعظ دہلوی کی لڑکی سے شادی کی- وہ نہایت ہی قانع اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے (۱۴۵) تاریخ فرخ آباد کے مصنف ولی اللہ بن احمد علی حسینی کہتے ہیں کہ:

''میں نے ان سے متوسطات کتب درسیہ میں سے بعض کتابیں پڑھیں-'' (۱۴۶)

وفات:

شیخ فضل اللہ بہاری نے ۱۱۸۲ھ/ ۱۷۶۸ء میں فرخ آباد میں وفات پائی اور وہیں فرخ آباد کے مشہور تاجر امام خاں کے باغ میں دفن کیے گئے- (۱۴۷)

مولانا فدا حسین دربھنگوی:

شیخ عالم فقیہہ فدا حسین دربھنگوی ایک مشہور عالم تھے- آپ برونی ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے اور موضع محی الدین نگر ضلع دربھنگہ میں اقامت پذیر ہوئے- ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی، اکثر درسی کتابیں مولانا لطف اللہ کوئلیؒ سے پڑھیں اور فنون ریاضیہ کی بعض کتابیں مفتی نعمت اللہ لکھنویؒ سے پڑھیں- اصول فقہ، شرح چغمنی اور ہدایت الفقہ جلد چہارم حضرت مولانا عبدالحیؒ بن عبدالحلیم لکھنویؒ سے پڑھیں، توضیح تلویح، سنن ترمذی اور کچھ ہدایہ شیخ محمد قاسم نانا تویؒ سے پڑھی، حدیث کی تعلیم مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے حاصل کی اور طریقت کی تعلیم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے حاصل کی، پھر درس وتدریس شروع کیا-

اکبر آباد، آرہ، پٹنہ، رسول پور اور دوسرے شہروں میں تدریسی خدمات انجام دیں- ان سے بہت سے علماء نے علم حاصل کیا- (۱۴۸)

محبّ اللہ بہاری بحیثیت فقیہہ:

قاضی محبّ اللہ عثمانی صدیقی صوبۂ بہار کے ملک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، والد کا نام عبدالشکور

تھا- ولادت ضلع نالندہ کے کڑاہ گاؤں میں ہوئی-(۱۴۹) ان کے آباؤ اجداد باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے- ابتدائی تعلیم مولانا قطب الدین انصاری سے حاصل کی تھی اور کچھ کتابیں قطب الدین شمس آبادی سے پڑھیں، تعلیم سے فارغ ہوکر دکن چلے گئے- اس زمانے میں اورنگزیب دکن کے مقامی حکمرانوں سے معرکہ آرائی میں مصروف تھا- اورنگزیب نے مولانا محبّ اللہ بہاری کی علمی لیاقت اور خصوصاً فقہ کی مہارت سے متاثر ہوکر انہیں لکھنؤ کا قاضی مقرر کیا-

۱۰۹۷ھ/ ۸۷-۱۶۸۶ء میں انہیں حیدرآباد کا قاضی بنایا اور اس کے بعد اورنگزیب کے پوتے رفیع القدر کا استاد مقرر کیا گیا، جب شاہ عالم کو صوبہ کابل کا صوبیدار مقرر کیا گیا تو محبت اللہ بھی کابل چلے گئے- ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۶ء میں جب بہادر شاہ اول کے لقب سے تخت پر بیٹھا تو اس نے انہیں قاضی القضاء کا عہدہ دیا اور فاضل خاں کے لقب سے نوازا- اس کے تھوڑی مدت بعد ان کا انتقال ہوگیا-(۱۵۰)

مسلم الثبوت:

قاضی محبّ اللہ بہاری کی یہ کتاب اصول فقہ سے تعلق رکھتی ہے-(۱۵۱) مسلم الثبوت ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء میں لکھی گئی تھی اور خود اس کے نام سے یہ تاریخ نکلتی ہے- اس موضوع پر ہند میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں یہ ایک ایسی تصنیف ہے جو دوسری مشہور نصابی کتب کی طرح بہت سی شرحوں کی بنیاد بنائی گئی- اس کے مصنف محبّ اللہ بہاری ہند کے ایک نامور فلسفی اور اہل قلم ہیں- اصول فقہ کی نصابی کتب میں اس کو ہمیشہ ایک امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے-(۱۵۲)

ابتداء میں علم الفقہ اور علم اصول الفقہ ایک ہی چیز تھے لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے دو جداگانہ علوم کی شکل اختیار کر لی- احکام مستخرجہ کو فقہ کہا جانے لگا اور احکام مستخرجہ جن اصولوں کے تابع کئے گئے ہیں ان کو علوم الفقہ کا نام دیا گیا- اس موضوع پر سب سے پہلے امام شافعی نے ایک کتاب لکھی تھی- ان دونوں علوم کے درمیان وہی

تعلق ہے جو عقائد اور علم الکلام میں ہے یعنی جس طرح علم الکلام کا مقصد عقائد کو عقلی یا استدلالی بنانا ہے اسی طرح علم اصول الفقہ ایسے اصولوں کو متعین کرنا ہے جن کے مطابق عقلی طور پر منطقی نتائج اخذ کئے جا سکیں۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ کا نام ''مبادی'' ہے اور دوسرے کا ''مقاصد'' اور آخر میں ایک صفحہ بھی ہے۔ مقدمہ میں اس علم تعریف وسعت اور مقصد پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ یہ ان اصول و دلائل کا مختصر بیان ہے جن کی ایک فقیہہ کو تفصیلی نتائج اخذ کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے، مثال کے طور پر یہ علم ایسے اصول سے بحث کرتا ہے جو قرآنی آیت ''اتوالذکوۃ'' سے استخراج کرنے میں مدد دے۔ منطق اور اصول فقہ میں یہ فرق ہے کہ منطق کا تعلق طریق استدلال اور انداز فکر سے ہے اور نتائج کی صداقت یا عدم صداقت سے اس کو کوئی سروکار نہیں لیکن اصول الفقہ میں ان دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اصول الفقہ کا اصل موضوع قانون سازی کے چار ماخذ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے استخراج کرنا ہے اور اس کا مقصد دینی احکام کا علم حاصل کرنا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ یعنی مبادی تین مقالات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مقالہ منطقی مسائل سے متعلق ہے اور اس کو منطق پر ایک باب کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا مقالہ حام یعنی نیک و بد کا تعین کرنے والے مقتدر اعلیٰ سے متعلق ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ حقیقی مقتدر اعلیٰ متفقہ طور پر اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اشاعرہ کے نزدیک نیکی اور بدی دینی (۱۵۳) فیصلے ہیں یعنی مذہب نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے وہ نیکی ہیں اور جن باتوں سے منع کیا ہے وہ بدی ہیں۔ اس کے برعکس حنفی اور معتزلی اس نظریہ کے قائل ہیں کہ دینی اوامر و نواہی سے قطع نظر کرتے ہوئے نیکی اور بدی بجائے خود اعمال میں موجود ہے۔ اس مسئلہ پر مصنف نے تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیوں اور معتزلیوں میں اختلاف کو واضح کیا ہے۔

دوسرے مقالے کے باب دوم میں حکم کی نوعیت اور اس کی مختلف اقسام مثلاً فرض، واجب، مستحب، مندوب، جائز، مکروہ اور حرام پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں مذہبی ذمہ داریوں کے معاملے میں انسان کی استطاعت اور عدم استطاعت کے موضوع پر اور اور چوتھے باب میں مذہبی پابندیوں پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے مقالے میں نحوی اور لسانی باریکیوں اور نکات کی وضاحت کی گئی ہے جن سے واقفیت قرآن پاک کی زبان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

مقاصد والا حصہ چار ابواب پر مشتمل ہے جن کا نام اصول رکھا گیا ہے۔ یہ چار ابواب اسلامی فقہ کے چاروں مآخذ سے متعلق ہیں۔

یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ اپنے زمانے کے ایک مشہور عالم امان اللہ بہاری، محب اللہ کے ہم عصر تھے اور یہ دونوں اصول فقہ پر مناظر کیا کرتے تھے، محب اللہ نے اپنی کتاب میں امان اللہ بہاری کا اکثر ذکر کیا ہے اور ان کے نظریات کی تردید کی ہے۔

درسی کتاب کی حیثیت سے مسلم الثبوت نہ صرف پاک و ہند بلکہ مصر میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے مصنف درسی کتابیں لکھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ان کی تصانیف کے متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں مگر یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ کتب اور ان کی شرحیں لکھنے کا یہ طریقہ تحصیل علم کے نقطۂ نظر سے نقصان رسا ثابت ہوا ہے کیونکہ کتابیں لکھنے کی ان دونوں شکلوں کو انتہا تک پہنچا دیا گیا۔ درسی کتابوں میں اس قدر اختصار سے کام لیا گیا ہے کہ وہ بالکل مبہم بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگئی ہیں اور ان کی شرحیں بہت طویل اور اکتا دینے والی ہوتی ہیں اور ان میں غیر ضروری اور (۱۵۴) دور از کار باتیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ ذہن طالب علم کے لئے بھی اصل بحث کے صحیح رخ کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن ہم محب اللہ کو اس نقص کے لئے مورد الزام قرار

نہیں دے سکتے کیونکہ اس زمانے میں درسی کتابیں لکھنے کا یہی انداز تھا جو مدتوں سے رائج تھا اور اس طریقہ کو مسلمہ اور قابل تعریف سمجھا جاتا تھا- درسی کتاب کی حیثیت سے اس تصنیف کو اس زمانہ کے معیار سے جانچنا چاہئے نہ کہ موجودہ زمانہ کے معیار سے جبکہ درسی کتب کی یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے یہ سادہ اور واضح انداز میں لکھی جائیں-(۱۵۵)

اس کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

ملا نظام الدین السہالوی (۱۱۶۱ھ)(۱۵۶)، شیخ احمد عبدالحق فرنگی محلی (۱۱۸۷ھ)، ملا حسن فرنگی محلی (۱۱۹۹ھ)، بحرالعلوم عبدالعلی (۱۲۲۵ھ)، ملا مبین (۱۲۲۵ھ)، امین اللہ فرنگی محلی (۱۲۵۳ھ)، ولی اللہ لکھنوی (۱۲۷۱ھ)، محمد برکت الہ آبادی-

محب اللہ بہاری کی کتاب پر شروح لکھ کر بعض شارحین نے خود کو (۱۵۷) زندہ جاوید بنالیا ہے-(۱۵۸)

مسلم الثبوت نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جملہ علوم نقلی و عقلی، حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ بغیر اصول فقہ کے ہرگز نہیں آسکتے-(۱۵۹)

وفات:

آپ کی وفات ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں ہوئی اور بہار شریف میں مدفون ہوئے- (۶۰)

حواشی باب دوم، فصل دوم

۱-محمد انیس الرحمٰن انیس: مولانا عبدالقدوس ہاشمی (ندوی)، دور حاضر کا ایک عظیم فقیہہ، ص ۲۷-۲۸

۲-اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۱۷۲

۳-محمد انیس الرحمٰن انیس: مولانا عبدالقدوس ہاشمی (ندوی)، دور حاضر کا ایک عظیم فقیہہ، ص ۲۸

۴-ایضاً، ص ۲۹

۵-ایضاً، ص ۳۰-۳۱

۶-ڈاکٹر زبیر احمد، ترجمہ شاہد حسین رزاقی: عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، بار اول ۱۹۷۳ء، بار دوم ۱۹۸۷ء، ص ۸۳

۷-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، تاریخ اشاعت اول ۲۰۰۴ء، ص ۳۶

۸-بقلم خود مہر النساء

۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۴۲

۱۰-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم): تاریخ کے گمشدہ اوراق، اشاعت اول جنوری ۲۰۰۲ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ، ص ۱۰۴

۱۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۱

۱۲-جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۸۳

۱۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۱

۱۴-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد اول، (تیرہویں صدی ہجری)، بار اول ۱۹۸۲ء، ص ۵۲

۱۵-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۸۳

/سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۹، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی

۱۶-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد اول، (تیرہویں صدی ہجری)، ص ۵۳

/سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۱۳/ تذکرہ علمائے بہار، ص ۲۹۰

۱۷-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، ص ۲۹۰

۱۸-ایضاً، ص ۲۹۱

۱۹-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد اول، (تیرہویں صدی ہجری)، ص ۶۳/ نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۲۰

۲۰-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، ص ۱۱۸

۲۱-سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد چہارم، (دسویں صدی ہجری)، ص ۴۵

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۵۷

۲۲-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد سوم، ص ۱۲۲

۲۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد چہارم، ص ۲۷

/نزہۃ الخواطر، جلد چہارم، ص ۲۶

/فقہائے ہند، جلد چہارم، ص ۲۷

۲۴-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، (تیرہویں صدی ہجری)، جلد اول، ص ۹۲

۲۵-ایضاً ص ۹۳

۲۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۵۰

۲۷-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد اول، (تیرہویں صدی ہجری)، ص ۱۰۸

۲۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۰

/ پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد ۵، ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۶

۲۹-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد اول، (تیرہویں صدی ہجری)، ص ۱۰۸

۳۰-ایضاً، ص ۱۰۹

۳۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۱

۳۲-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ۱۹۹۳ء، فیصل آباد، پاکستان، ص ۹۴

۳۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۶-۳۷

/ مولانا سید عبدالحیؒ: مترجم ابویحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۵۷

۳۴-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، ص ۲۷۳

۳۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۸۰

۳۶-آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۷۳

۳۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۸۶

/ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، فارسی، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، ص ۵۸

۳۸-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، جلد چہارم، ص ۱۶۱

۳۹-مولوی فقیر محمد جہلمی: حدائق حنفیہ، لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ، ۱۹۰۲ء، ص ۴۳۲

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۸۶

/ فقہائے ہند، جلد چہارم، ص ۱۶۱

۴۰-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۱۱۹

۴۱-ایضاً، ص ۱۲۰

۴۲-ایضاً، ص ۱۲۱

۴۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۹۶

۴۴-سید علی مرتضی پرویز: ''تاریخ کے گمشدہ اوراق''، جنوری ۲۰۰۰ء، ۱۴۲۰ھ، ص ۲۰

۴۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۹۶

/ سید سید عبدالحی بریلوی لکھنوی، (مترجم ابویحییٰ امام خاں نوشہروی): نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۴۷۱

۴۶-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۱۴۸

۴۷-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، جلد پنجم، حصہ اول، (بارہویں صدی ہجری)، ص ۲۰۳

۴۸-ایضاً،ص۲۰۳

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۱۳۴

۴۹-ایضاً،ص۶۴

/حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء،ص ۶۸

۵۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۶۴

۵۱-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن،ص ۶۸

۵۲-شاہ بدرالدین: المعارف جلد ۱۲۱، اکتوبر ۷۷ء،ص ۲۸۵

۵۳-ایضاً،ص۲۸۶

۵۴-ایضاً،ص۲۸۷

۵۵-ایضاً،ص۲۸۸

۵۶-ایضاً،ص۲۸۹

۵۷-ایضاً،ص۲۹۰

۵۸-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن،ص۹۲

۵۹-ایضاً،ص۹۴

۶۰-ایضاً،ص۹۵

۶۱-شاہ بدرالدین: المعارف، جلد ۱۲۱،ص۲۹۳

۶۲-ایضاً،ص۲۹۴

۶۳-ایضاً،ص۲۹۷

۶۴-ایضاً،ص۳۰۰

۶۵-ایضاً،ص۳۰۱

۶۶-المعارف جلد ۱۲۱،ص۳۰۲،ص۳۰۳

۶۷-ایضاً،ص۳۰۴

۶۸-ایضاً،ص۳۰۵

۶۹-ایضاً،ص۳۴۵

۷۰-ایضاً،ص۳۴۷

۷۱-ایضاً،ص۳۴۸

۷۲ ایضاً،ص۳۵۷

۷۳-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن،ص۹۶

۷۴-ایضاً،ص۹۷

۷۵-ایضاً،ص۹۵

۷۶-ایضاً،ص۹۶

۷۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۷۷

/محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد پنجم، حصہ اول، (بارہویں صدی ہجری)،ص۱۲۳

۷۸- ایضاً،ص۱۲۳

۷۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۷۷

۸۰-سید سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی: نزہتہ الخواطر، جلد۷،ص۲۰۷

/محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلداول،ص۸۸

۸۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۲۵۶

/عبدالحیٔ: نزہتہ الخواطر، جلد۶،ص۲۴۹

۸۲-آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن،ص۱۲۵

۸۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۲۵۷

۸۴-ایضاً،ص۲۴۸

۸۵-ایضاً،ص۲۵۵

۸۶-حکیم سید شاہ محمد شعیب: اعیان وطن،ص۵۸

۸۷-ایضاً،ص۵۹

۸۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۲۷۴

/سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی، مترجم ابویحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہتہ الخواطر،ص۴۲۱

/مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اھل صادقفور،ص۳۰۹

۸۹-ایضاً،ص۳۰۹

۹۰-ایضاً،ص۲۱۰

۹-ایضاً،ص۲۱۱

۹۲-ایضاً،ص۲۱۲

۹۳-ایضاً،ص۲۱۳

۹۴-ایضاً،ص۲۱۷

۹۵-ایضاً،ص۲۱۳

۹۶-ایضاً،ص۲۱۴

۹۷-سید عبدالحیٔ بریلوی، لکھنوی، مترجم ابویحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہتہ الخواطر، جلد۸،ص۴۲۱

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۲۷۵

۹۸-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اھل صادقفور،ص۲۱۲

۹۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلداول،ص۱۳۶

/سید عبدالحیٔ بریلوی لکھنوی، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہۃ الخواطر، جلد ۵، ص ۳۲۶

/حدیقۃ الازہار، ص ۴۳

۱۰۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۵۱

۱۰۱-ایضاً، ص ۲۵۲

۱۰۲-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد پنجم، حصہ اول، (بارہویں صدی ہجری) ص ۲۴۲

۱۰۳-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، (تیرہویں صدی ہجری) ص ۲۲۱

۱۰۴-اعیان وطن، ص ۳۷

۱۰۵-ایضاً، ص ۳۸

۱۰۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۳۹

/محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص ۲۲۱

/اعیان وطن، ص ۳۸/نزہۃ الخواطر، جل ۷، ص ۳۱۱

۱۰۷-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، (تیرہویں صدی ہجری) ص ۲۲۸

۱۰۸-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۸۱

۱۰۹-ایضاً، ص ۳۸۲

۱۱۰-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، (تیرہویں صدی ہجری) ص ۲۲۹

/حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۸۲

/سید عبدالحیٔ بریلوی لکھنوی، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۳۲۷، ۳۲۸، بحوالہ تاریخ کملا

۱۱۱-مولانا محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، بار اول، جون ۱۹۷۳ء، ص ۳۳۵

۱۱۲-ایضاً، ص ۳۳۶

۱۱۳-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، (تیرہویں صدی ہجری) ص ۲۲۹

۱۱۴-ایضاً، ص ۲۳۰

۱۱۵-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص ۲۳۱

/سید عبدالحیٔ بریلوی لکھنوی، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۳۳۱، ۳۳۲

/رحمان علی، ترجمہ و حواشی ڈاکٹر محمد ایوب قادری: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۲ میں صرف یہ لفظ مرقوم ہیں: ''مولوی علی حبیب سجادہ نشین پھلواری۔''

۱۱۶-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، (تیرہویں صدی ہجری) ص ۲۳۱

۱۱۷-ایضاً، ص ۲۳۲

۱۱۸-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۹۴

۱۱۹-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص ۲۳۲

۱۲۰-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۹۴

۱۲۱-ایضاً، ص۲۹۴

/محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص۲۳۲

/نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص۲۳۲، بحوالہ شجرہ شیخ بدرالدین

۱۲۲-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص ۲۴۸

۱۲۳-ایضاً، ص۲۴۹

۱۲۴-ایضاً، ص۲۵۰

۱۲۵-ایضاً، ص۲۵۱

۱۲۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، ص۱۴۱

/مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اھل صادقفور، ص۱۸۵

/مولانا محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد۳، صفحہ۶۱ تا ۷۰

۱۲۷-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد چہارم، (تیرہویں صدی ہجری)، ص۲۶۵

۱۲۸-حکیم سید شاہ محمد شعیب: اعیان وطن، ص۱۰۹

۱۲۹-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد دوم، ص۲۶۵

/حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص۱۰۹

/سید عبدالحئ بریلوی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص۳۲۷، بحوالہ شجرۂ شیخ بدرالدین

۱۳۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۰۲

/نقیب ۱۰ فروری ۱۹۹۲ء

۱۳۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۱۸۴

۱۳۲-ایضاً، ص۱۸۵

/تذکرہ مولانا محمد عثمان: رفیق علمائے بہار نمبر، ص۴۲۴

۱۳۳/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ عمائے بہار، جلد اول، ص۱۴۴

/سید عبدالحئ بریلوی، لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ۸، ص۲۱۳

۱۳۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۱۴۷

۱۳۵-مولانا محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص۳۳۰

۱۳۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۲۲

/محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص۳۴۴

۱۳۷-ایضاً، ص۳۳۰

۱۳۸-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص۱۱۰

۱۳۹-معارف نمبر۴، جلد ۵۹، فروری تا اکتوبر ۱۹۴۷ء، اعظم گڑھ، ص۲۹۶

/مولانا محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص۳۳۲-۳۳۳

۱۴۰-معارف نمبر۴، جلد ۵۹، فروری تا اکتوبر ۱۹۴۷ء، اعظم گڑھ، ص ۲۹۷

/ مولانا محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۳۳۲

۱۴۱-معارف نمبر۴، جلد ۵۹، ۱۹۴۷ء، اعظم گڑھ، ص ۲۹۷

۱۴۲-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۱۱۰

/ مولانا محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۳۳۱

۱۴۳-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۱۱۱

۱۴۴-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے پاک و ہند، جلد پنجم، جلد اول، (بارہویں صدی ہجری) ص ۲۴۲

۱۴۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۲۲

۱۴۶-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، جلد پنجم، ص ۲۴۲

۱۴۷-ایضاً، ص ۲۴۲

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۲۲

۱۴۸-ایضاً، ص ۲۲۹

/ سید عبدالحئی بریلوی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ۸، ص ۳۵۹

/ حاجی امداداللہ اوران کے خلفاء، ص ۱۲۷

۱۴۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۵۰

۱۵۰-اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۳۹۷

۱۵۱-تراجم الفضلاء، ص ۴۸

۱۵۲-ڈاکٹر زبیر احمد: عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، باراول ۱۹۷۳ء، باردوم ۱۹۸۷ء، لاہور، ص ۸۶

۱۵۳-ایضاً، ص ۸۷

۱۵۴-ایضاً، ص ۸۸

۱۵۵-ایضاً، ص ۸۹

۱۵۶-شبلی نعمانی: مقالات شبلی، جلد ۳، اعظم گڑھ، ص ۱۲۲

/ ڈاکٹر ماہر ملک (مرحوم): مجلّہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ ۲۰۰۱ء، ص ۳۴

۱۵۷-ڈاکٹر جمیل احمد: حرکت استالیف باللغۃ العربیۃ، ص ۱۷

۱۵۸-آزاد بلگرامی: ماثر الکرام، (اردو ترجمہ)، شاہ محمد میاں فاخری، دائرۃ المصنفین، کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۱-۲۹۲

۱۵۹-مولوی فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۲ء، ص ۴۳۱-۴۳۲

۱۶۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۵۱

/ ڈاکٹر جمیل احمد: حرکت التالیف باللغۃ العربیہ، ص ۱۷

/ مولوی فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، ص ۴۳۱

نوٹ: اس تحقیقی مواد کے بعد علمائے بہار کی دیگر علوم قدیمہ اور جدیدہ میں خدمات کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب دوم

(فصل سوم)

علمائے بہار کی دیگر علوم قدیمہ وجدیدہ میں خدمات

۱۔فنِ منطق......

فن منطق کی مختصر تاریخ:

قطب شیرازی:

قطب الدین شیرازی بھی اپنے عہد کے بہت بڑے منطقی تھے۔ ''حکمت العین'' کا جو نجم الدین کا بتی (تلمیذ طوسی) کی تصنیف تھی، نہایت معرکۃ الآ راء حاشیہ لکھا، شمس الدین محمد مبارک شاہ بخاری عرف میرک نے جب حکمۃ العین کی شرح کی تو اس حاشیہ کی مختصر شرح ''حکمۃ الاشراق'' جو شہاب الدین مقتول کی مشہور تصنیف ہے، اس کی بھی نہایت مفید شرح لکھی، بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں بعض باتیں شرع کے خلاف ہیں۔تطبیق وتوفیق منطقیوں کا خاص فن ہے، کیا ضروری ہے کہ جو چیز معترض کے نزدیک موافق نہیں شارح کے نزدیک بھی مطابق نہ ہو۔

قاضی عضد:

قطب الدین شیرازی کے بعد قاضی عضد الدین ایجی (المتوفی ۷۵۶ھ) منطق کی کافی خدمت کی، ان کی ایک تصنیف جس کا نام ''مطالع'' ہے نویں صدی کی ابتداء ہی سے منطق کی انتہائی کتاب سمجھی گئی ہے۔کتاب کی شان وعظمت اس سے ظاہر ہے کہ لوگ اس کی شرحیں اور حاشیے لکھنے پر آمادہ ہوئے چنانچہ سید شریف جرجانی اس فن میں یکتائے روزگار تھے، اس کا حاشیہ لکھا تھا۔(۱)

قطب رازی:

علامہ قطب الدین رازی (المتوفی ۷۶۶ھ) کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں، ان کی بہت سی کتابیں درس میں داخل ہیں۔منجملہ ان کے شمسیہ کی کہ وہ شمع ہی ہے جسے قطبی کے نام سے شہرت حاصل ہے اور طلباء میں اب تک متداول ہے۔

سعدالدین:

سعدالدین تفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ نے تہذیب المنطق وکلام کے ذریعے سے اس فن پر خاص احسان کیا ہے- علامہ موصوف کو منطق سے جو قدرتی مناسبت تھی اس کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ کتاب متن ہونے کے باوجود نہایت مقبول ہوئی، صاحب کشفی الظنون لکھتے ہیں:

''چونکہ منطق کی تمام کتابوں سے بہتر تھی اس لئے آفاق عالم میں پھیل گئی-''

اس کتاب کے دو حصے تھے، پہلے میں منطق اور دوسرے میں علم کلام کا بیان تھا-

سید شریف:

نویں صدی ہجری میں سید شریف جرجانی پیدا ہوئے، جنہوں نے اس فن کو اس قدر پھیلایا کہ مرجع عام بن گئے اور آج بھی ہندوستان اور ایران کے اکثر منطقیوں کا سلسلہ انہیں کی ذات پر منتہی ہوتا ہے، سید شریف اگر چہ زبان اور قلم دونوں کے مالک تھے لیکن زبان زیادہ فصیح پائی تھی-(۲) یہی وجہ ہے کہ شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع ہوا، مگر تصنیفات اس قدر وسعت نہ پاسکیں- سید شریف کی منطقی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

حواشی محاکمات، حواشی شرح حکمۃ العین، تصریف، فارسی میں ہے، ایک اور رسالہ یہ بھی فارسی میں ہے، حاشیہ شرح مطالع الانوار، یہ ایام طالب علم میں لکھا تھا، جب وہ مبارک شاہ منطقی سے شرح مطالع پڑھتے تھے، ان کتابوں کو اس زمانہ میں بے حد مقبولیت ہوئی اور متعدد شروح اور حاشیے ان پر لکھے گئے-

مولانا لطفی:

مولانا لطفی بھی اس صدی کے آخر میں بڑے پایہ کے شخص گزرے ہیں، انہوں نے ''مطالع الانوار'' کا نہایت نفیس حاشیہ لکھا تھا، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

''یعنی انہوں نے ایسی نادر تحقیقات پیش کی ہیں جس سے قدما کی (۳)

کتابیں خالی ہیں اور اس کو پڑھ کر مصنف فضل وکمال کا اندازہ ہوتا ہے۔''

محقق دانی:

دسویں صدی میں اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا ہر صوبہ منطق کی صدائے بازگشت سے گونج رہا تھا، تاہم دوانی سے زیادہ کوئی شخص منطق کا ماہر نہ تھا، دوانی کا نام جلال الدین محمد بن اسد صدیقی ہے، اپنے والد سے تعلیم پائی جو سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید تھے۔ دوانی کو فنون حکمت میں جو تبحر اور کمال حاصل ہوا، اس کی تطہیر سے تاریخ کے ہزاروں صفحے خالی ہیں۔ مولانا ابوالخیر فرماتے ہیں:

> ''معلوم ہونا چاہئے کہ نظر کا بھی ایک درجہ ہے جو تصنیف قلب کے قریب ہوتا ہے اور جو دونوں کی حدیں متصل کر دیتا ہے، اس کو لوگ حکمتہ ذوقیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اس رتبہ پر سلف میں شہاب الدین سہروردی اور متاخرین میں مولانا شمس الدین فناری اور مولانا جلال الدین دوانی پہنچ سکے ہیں۔''

دوانی نے مختلف کتابوں کے حاشیے اور شرحیں لکھیں جو تقریباً بہت سے علوم پر حاوی تھیں، بعض کتابوں میں صرف مباحث تھے۔ چنانچہ طبقات الجلالیہ اسی طرز پر تھی جو میر صدرالدین شیرازی کے جواب میں تھی۔ اس صدی کے وسط اور اخیر میں حبیب اللہ مرزا جان (المتوفی ۹۹۴ھ) سے، جو شیراز کے باشندے تھے، دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے، نہایت شہرت حاصل کی اور بہت سی شرحیں اور حاشیے لکھے، مرزا جان کے علاوہ اس زمانہ میں منطقیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جن میں مشاہیر کی فہرست یہ ہے، مولیٰ عبدالکریم، فصیح الدین محمد نظامی، شیخ محمد بدخشی، شجاع الدین، الیاس رومی، لطف اللہ، بن الیاس رومی، علاؤالدین علی بن محمد المعروف بہ مصنفک فارسی، میر مرتضیٰ شیرازی، احمد بن سلیمان ابن کمال پاشا، (۲) محمود بن محمود المغلوی الوفائی، شیخ

عبدالرحمٰن بن محمد صغیر (۹۴۱ء میں ایسا فوجی کو نظم کیا، اسلم المنورق ان کی کتاب کا نام ہے)، مولیٰ مصلح الدین محمد بن صلاح لاری (منصور الحکماء کے شاگرد تھے)، برہان الدین محمد بن محمد تقی (درود تسلسل پر ایک رسالہ لکھا)۔

دسویں صدی میں منطق کا سبزہ زار جس درجہ پر نغمہ تھا، گیارہویں صدی میں اسی طرح سکوت طاری رہا، مرغان چمن ایک ایک کر کے خاموش ہو گئے، صرف ابراہیم بن حسام (المتوفی ۱۰۱۶ھ) کی موزون المیز ان (ایسا فوجی کی نظم) نے فضاء میں کسی قدر جنبش پیدا کی لیکن پھر سکون عود کر آیا، خاک ایران کے کچھ ذرے ہندوستان پہنچ چکے تھے، فصل بہار آنے پر ان میں ایک نئی روح پیدا ہوئی جس سے طائران خوش الحا پھر قفس درا جی اٹھے۔

ہندوستان اور فن منطق:

بد قسمتی سے ہندوستان میں علوم حکمیہ نے اس وقت رواج پایا جب ان پر انحطاط کا دور جاری ہو چکا تھا اور لوگوں سے نقد و جرح اور تحقیق و تفتیش کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔ یہ وقت اگر چہ ابن سینا کے بعد ہی آ گیا تھا تاہم امام رازی اور شیخ الاشراق وغیرہ کی وجہ سے کسی قدر جان باقی تھی، ان لوگوں کے بعد پھر میدان صاف تھا، جس طرح بنوامیہ تاج اورنگ کے مالک ہو کر خلیفۂ رسول اللہؐ تھے، حریم منطق کا ہر شاہد بے نقاب ارسطو کا قائم مقام تھا۔

ہمارے ملک میں تاریخ منطق کی ابتداء ساتویں صدی سے ہوتی ہے، جس زمانہ میں مزمت پرست فتح ہو کر دہلی بنا اور مسلمان آباد ہوئے تو ان کے ساتھ غیر ملکیوں کے جہاں اور تحفے تھے (د) وہاں ایک یہ بھی تھا جس کو انہوں نے ارسطو کے بہترین خلف بن کر یونان کی کوٹھڑیوں سے حاصل کیا تھ۔ غیاث الدین بلبن کے عہد میں علماء ہر طرف سے دہلی میں آ آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان میں علامہ شمس الدین قوشجی بھی تھے، جن کی بدولت منطق کا نام گوش آشنائے ہند ہوا۔ چونکہ یہ اس فن کا ابتدائی دور تھا اس لئے محض شرح شمسیہ کی تعلیم منتہا

سے قابلیت سمجھی جاتی تھی۔

سکندر لودھی کے زمانہ میں ہندوستان کے اور مقامات میں بھی اس فن کی روشنی پھیل چکی تھی، چنانچہ ملتان بھی انہیں میں تھا، یہاں مولانا عبداللہ (المتوفی ۹۲۲ھ) اور شیخ عزیز اللہ کے بدولت اس فن کا خوب چرچا تھا۔

۹۰۰ء کے آخر میں ملتان میں شورش ہوئی تو یہ دونوں بزرگ ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ شیخ عبداللہ دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ سنبھل میں مقیم ہوئے۔ بادشاہ نے کچھ ذوق علمی اور کچھ قدر دانی کے خیال سے شیخ عبداللہ کے حلقۂ درس میں شرکت کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف شیخ عبداللہ کا شہرہ ہو گیا اور طلباء دور دراز مقامات سے جوق در جوق پہنچنے لگے۔ اب شیخ موصوف کو اصلاح تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے قاضی عضد کی مطالع درس میں داخل کی۔ ملا عبدالقادر منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ:

''داز جملہ علمائے کبار درزمان سلطان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی شیخ عزیز اللہ طلنبی در سنبھل بودند او این ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیا۔ رواج دادندا وقبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق وکلام ور ہند شائع بنود۔''

اسی زمانہ میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی نے جو محقق دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے، متاخرین کی تصنیفات ہندوستان میں رائج کیں۔ شیخ موصوف کا دریائے فیض گجرات سے روانہ ہو کر ہندوستان کے درمیانی حصوں تک پہنچا تھا، چنانچہ قاضی ضیاء الدین، جو قصبہ نیوتنی (۶) کے باشندے تھے، انہیں متلاطم امواج کی ایک لہر تھے۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں جب ہندوستان دنیائے علم کا عالم اصغر بنا تو منطق کی درسگاہ بھی یونان کی

اکیڈمی سے ہمسری کرنے لگی۔ عضد الملک شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی منطق کے قالب میں ایک تازہ روح پیدا ہوئی اور اس کا نصاب ترقی کر کے بہت سی کتابوں پر حاوی ہو گیا چنانچہ اس عہد میں محقق دوانی، میر صدر الدین، میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان شیرازی کی تصنیفات اچھی طرح رواج پائیں۔ مولانا غلام علی آزاد ماثر الکرام میں لکھتے ہیں:

''......واز ان عہد معقولات را واجے دیگر پیدا شد۔''

ملا محمود:

گیارہویں صدی (عہد شاہ جہاں و عالمگیر) میں اس فن نے جو ترقی کی تھی اس کا اثر ملا محمود جونپوری کی شکل میں نمایاں ہوا۔ ملا صاحب کو علوم حکمت درک تھا اس کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تمام عمر میں کبھی کسی قول سے رجوع نہیں کیا۔ سبحۃ المرجان میں مولانا آزاد نے، جہاں ان کا تذکرہ لکھا ہے، یہ تحریر کیا ہے:

''یعنی ہندوستان میں ان کے برابر شیخ احمد سرہندی کے سوا کوئی نہ تھا۔''

ملا صاحب نے ۱۰۶۲ء میں انتقال کیا اور حسب ذیل تصنیفات چھوڑیں، رسالۂ فی الکلی والجزئی، رسالۃ فی تحقیق، اجتماع النقیضین وارتفاعہما، ان کتابوں کا تذکرہ اگرچہ آزاد نے نہیں کیا ہے لیکن مولوی عبدالحیؒ صاحب ان کو ملا صاحب کی تصنیف بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں آزاد کو ان کی اطلاع نہ تھی۔

میر زاہد:

اسی عہد میں میر زاہد پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ تعلیم انہیں پر منتہی ہوتا ہے۔

اسی زمانے میں مفتی عبدالسلام منطق کے نہایت جید عالم تھے اور دارالامارت لاہور میں (۷) درس دیتے تھے، مولانا عبدالسلام دیوہ اور شیخ محب اللہ الٰہ آبادی انہیں کے تلمذ سے شرف یاب تھے، مولانا عبدالسلام نے دیوہ میں منطق کو جو رونق بخشی اس کی جگمگاہٹ خاک ہند کے ہر ذرہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، مولانا قطب

الدین سہالوی نے اسی درسگاہ میں تعلیم پائی - بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے شرح حکمۃ العین کا حاشیہ مولانا بحر العلوم کے کتب خانہ میں تھا، چنانچہ مولوی عبدالاعلیٰ نے رسالہ قطبیہ میں اس کی تشریح کی ہے-

ملا نظام الدین:

مولانا قطب الدین کا وجود اگرچہ علم وفن کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ اور اپنی بقاء کا آپ ضامن تھا، لیکن قدرت نے ان کی بقاء کے لئے کچھ اور سامان بہم پہنچائے تھے چنانچہ بارہویں صدی میں ان کے صاحبزادے مولانا نظام الدین نے علمی دنیا پر وہ عظیم الشان احسانات کئے جن کو اسلامی ہندوستان کا متخیلہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا، مولانا نے تصنیفات کے ساتھ ساتھ اصلاح تعلیم کا جو بیڑا اٹھایا تھا- اس کا سب سے درخشاں منظر وہ نصاب درس تھا جو آج امتداد زمانہ کے باوجود اپنی اسی آب وتاب اور اسی عظمت وجلالت پر قائم ہے اور تمام علماء کا خضر راہ ہے-مولانا نے منطق میں جو کتابیں اضافہ کیں وہ حسب ذیل ہیں:

صغریٰ کبریٰ، ایسا غوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم-

تعلیم وتعلم کا جو سلسلہ مولانا سے قائم ہوا، وہ تمام ہندوستان کا محور بنا، آج ہندوستان کے اکثر علماء علوم عقلیہ میں اسی خرمن کمال کے خوشہ چیں ہیں-

مولانا نظام الدین کے علاوہ ملا قطب الدین کے اور شاگرد بھی نامور ہوئے، مولوی امان اللہ بنارسی، مولوی قطب الدین شمس آبادی اور ملا محمد رضا، ان میں سے اخیر بزرگ ملا قطب الدین کے صاحبزادے بھی تھے، قطب الدین شمس آبادی آسمان علم وفضل کے قطب تھے، ان کے حلقہ سے بہار کا وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا جس کو دنیا محب اللہ کے نام سے پکارتی ہے-(۸)

محب اللہ بہاری:

مولانا محب اللہ بہاری کا نام تاریخ منطق میں ہمیشہ خصوصیت سے لیا جاتا ہے- منطق کا فن اگرچہ

ہزاروں برس پہلے سے موجود تھا لیکن وہ اپنی اصلی سادگی اور ہدایت پر تھا یعنی اس میں کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محبّ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن کا عام انداز بدلا اور اس میں فلسفہ کے مسائل ملائے- ان کی تصنیفات میں سلم اور مسلم، اسی کوشش کا نتیجہ ہیں- یہ کتابیں جس درجہ کی ہیں، اس کا یہ حال ہے کہ آج ہمارے علماء کا تمام تر کمال ان کے شروح وحواشی کے سمجھنے میں مضمر ہے، چنانچہ سلم کی تین شرحیں درس میں داخل ہیں- ملا محبّ اللہ بہاری کے بعد فرنگی محل میں اس یگانۂ روزگار نے جنم لیا جس کو بحر العلوم کے لقب سے شہرت حاصل ہے- مولانا کا نام عبد العلی تھا، ملا نظام الدین کے فرزند ارجمند تھے اور زانوئے تلمذ بھی انہیں کے سامنے تہ کیا- ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت دقیق اور معرکۃ الآرا مسائل کو سہل اور آسان مسائل کو نہایت سہل اور آسان پیرایہ میں بیان کرتے ہیں جس سے اس مسئلہ کا رگ وریشہ تک نظر آجاتا ہے حالانکہ اکثر منطقیوں کا دستور ہے کہ وہ بالعموم مسائل کو نہایت پیچیدہ طریقہ سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والے کو ایک معما معلوم ہو اور فن کی شوکت وعظمت برقرار رہے- اسی طرح ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے (اور شاید یہ امام رازی کے زمانہ کے بعد کسی منطقی کو میسر نہیں) کہ وہ اپنی (۹) طرف سے دعوی کرتے ہیں، دلیل لاتے ہیں، قدما کی غلطیاں نکالتے ہیں اور متاخرین کی لغزشوں کو سنبھالتے ہیں، حالانکہ دور آخر کے منطقی صرف متقدمین کی مضامین کے تلخیص واختصار ہی پر قناعت کرتے تھے، شرح سلم اور حاشیہ میر زاہد جلالی سے ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہوجاتی ہے-

متاخرین لکھنؤ:

رتبۂ بحر العلوم سے کم نسبتاً برابر ملا کمال الدین سہالوی تھے- یہ ملا نظام الدین کے ارشد تلامذہ میں تھے، انہیں سے وہ سلسلہ چلا جس میں ایک واسطہ کے بعد غلام یحییٰ بہاری جیسا فاضل پیدا ہوا، جس کا حاشیہ نہایت معرکۃ الآرا خیال کیا جاتا ہے، اسی سلسلے میں مولوی مبین شارح مسلم صاحب سندیلوی بھی ہیں، جن کی

کتاب حمداللہ عرب وعجم میں مقبول ہے- مولوی مبین، مولوی برکت اور مولوی محمد حسن صاحب، ملاحسن بھی اسی گلستاں کے برگ وبار ہیں، مولوی برکت، عبدالحکیم اور مولوی عبدالحیٔ باداللہ، مولوی فضل امام، مولوی فضل حق، مولوی عبدالحق خیرآبادی، مولوی عبدالحلیم وذہانت، مبد، فیاض صاحب بھی اسی سے متعلق ہیں- مولوی عبدالحیٔ صاحب کو جو ریر معمولی جودت و ذہانت عطا ہوئی تھی اس کا ظہور علم وفن کی شاخ میں تھا، چنانچہ وہ جس طرح دقیق سے دقیق مسائل کو اپنی کتابوں میں حل کرتے ہیں، انصاف یہ ہے کہ وہ آسان کام نہیں، فن منطق پر ان کے متعدد رسائل اور حواشی ہیں اور اپنے باب میں نہایت بہتر ثابت ہوئے ہیں-

لیکن ان تمام بزرگوں کے حاشیوں اور شرحوں میں محب اللہ بہاری کا رنگ موجود ہے- ملاحسن، احمد اللہ اور قاضی مبین منطق سے زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل میں جعل بسیط، جعل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج کیا- ان میں ایک مسئلہ بھی ارسطو کی کتاب الفص میں ہے-(۱۰)

قاضی محبّ اللہ بہاری (بحیثیت منطقی):

صوبۂ بہار ایک مردم خیز صوبہ ہے، اس صوبہ میں بڑے بڑے صوفیاء، علماء ومشائخ، حکماء، دانشور، فلاسفہ، ادیب، شاعر اور منطقی پیدا ہوئے، ان میں سے کچھ اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے گمنامی کی زندگی بسر کی اور کچھ اشخاص ایسے ہیں جو تاریخ کا حصہ بنے-(۱۱)

بختیار خلجی نہ صرف ایک فاتح تھا بلکہ علم پرور اور علم دوست تھا- اس نے بہار کے مختلف علاقوں میں بہت سے مدارس قائم کئے اور خصوصاً بہار شریف میں جو اس وقت ایک اہم فوجی مرکز تھا- ترک افغان عہد اور اس کے بعد کے زمانہ میں جو مدارس مشہور تھے- ان میں مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری، احمد چرم پوش، شیخ بدھ صوفی، ملک العلماء شیخ عبدالنبی، قاضی عبدالشکور (منیر شریف)، بہار کے شریف کے محلّہ مردار میں قاضی ضیاء اللہ کا مدرسہ شمس الحق المعروف بہ بدھا حقانی کا بازد پور (نزد باڑھ)، ملا عبدالصمد (راجگیر) کا مدرسہ پھلواری

شریف میں، میر عطاء اللہ کا مدرسہ ہیں۔ (۱۲)

قاضی محبّ اللہ بہاری کی ولادت:

قاضی محب اللہ عثمانی صدیقی صوبۂ بہار کے ملک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، والد کا نام عبد الشکور تھا، ولادت ضلع نالندہ کے کڑاہ گاؤں میں ہوئی، یہ راجگیر کے راستہ میں بہار شریف سے ۱۵ کلومیٹر کی دوری پر واقعہ ہے اور آج کل حیدر گنج کڑاہ کے نام سے مشہور ہے۔ (۱۳) اگر ایک طرف علمی میدان میں اس وقت کے علماء میں امتیاز رکھتے ہیں تو دوسری طرف دنیاوی اعتبار سے بھی امتیاز کے اعلیٰ عہدہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ کی پیدائش کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی، لیکن خارجی شہادت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۰۵٦ھ/ ۱٦۴٦ء میں ہوئی ہوگی۔ (۱۴)

سوانح نگاروں کے مطابق ابتدائی تعلیم کے بعد اس زمانہ کے دستور کے مطابق تعلیمی سفر اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں علامہ قطب الدین شمس آبادی (۱۰۵۱-۱۱۲۱ھ) سے کچھ کتابیں پڑھیں (۱۵) اور بعد ازاں قطب الدین شہید سہالوی (۱۰۴۰-۱۱۰۳ھ) سے بعض کتابیں پڑھیں۔ (۱٦)

تعلیم مکمل کرنے کے بعد بہار واپس ہوئے اور درس وتدریس شروع کی (۱۷) اگرچہ محبّ اللہ البہاری نے بعد میں حکومتی عہدہ اختیار کیا لیکن ان کا قائم کردہ مدرسہ تقریباً تین پشتوں تک قائم رہا۔ (۱۸) حکومتی عہدہ اختیار کرنے کی غرض سے وہ دکن روانہ ہوئے جہاں اورنگزیب مقیم تھا، عالمگیر دکن میں ۱۰۹۲ء سے ۱۱۱۹ء تک رہا۔ (محبّ اللہ البہاری کو) عالمگیر نے ان کی علمی لیاقت ومخصوص فقہی مہارت سے متاثر ہوکر لکھنؤ کا قاضی مقرر کردیا جہاں ان کی ہم درس عبداللہ بنارسی (۱۱۳۳ھ) اہم عہدہ صدارت پر فائز تھے۔ ان دونوں کے درمیان علمی مباحثے ومناظرے ہوا کرتے تھے۔ حدائق الحنفیہ ۴۲۹، فقہائے ہند (۱۱۱، ۱۱۲)۔ ملا محبّ اللہ البہاری علمی اعتبار سے اس مقام پر فائز تھے، جس نے ان کو محسود اقرآن بنادیا تھا اور حاسدوں کی اسی فکر نے

محب اللہ البہاری کو لکھنؤ کے عہدۂ قضا سے محروم کر دیا چنانچہ البہاری پھر دکن پہنچ گئے اور ۱۰۹۷ھ میں عالمگیر سے ملاقات کی۔ عالمگیر اتنا متاثر ہوا کہ انہیں دکن میں حیدر آباد کا قاضی مقرر کر دیا لیکن یہاں بھی ان کے حاسدوں کی سازش کامیاب ہوئی اور عالمگیر نے پھر (۱۹) معذول کر دیا۔ حکومتی عہدہ وہی تھا جس نے ان کے خلاف حاسدوں کی ایک جماعت پیدا کر دی تھی اور دو دفعہ ان کی معذولی کا واقعہ پیش آیا۔ عالمگیر جو خود بھی صاحب علم تھا، قدر رے گوہر شاہ داند یا بداند جوہری کے مصداق محب اللہ کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے شاہی خاندان کا جز بنا لیا اور اس نے اپنے پوتے رفیع القدر (ابن معظم شاہ جو شاہ عالم کے نام سے ہندوستان کا حکمراں بنا) کا اتالیق مقرر کر دیا۔

اور جب ۱۰۹۱ھ میں معظم شاہ کابل کا صوبیدار بن کر وہاں منتقل ہو گیا تو محب اللہ البہاری بھی اپنے شاگرد کے ساتھ کابل پہنچ گئے۔ شاہ عالم (معظم شاہ) جب عالمگیر کے بعد بادشاہ بنا تو اس نے محبّ اللہ البہاری کو پوری مملکت کا قاضی القضاء مقرر کیا اور فاضل خاں کا خطاب دیا۔ (۲۰) محبّ اللہ البہاری کی علمی عظمت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بادشاہ وقت عالمگیر نے ان کو دو مرتبہ حکومتی منصب قضا سے معذول تو کیا لیکن آخرکار اپنے پوتے کا اتالیق مقرر کیا۔

بقول میر غلام علی آزاد بلگرامی:

''بحرے است از علوم و بدر است بین النجوم۔''

(یعنی اگر علوم کے دریا جاری ہوں تو قاضی محب اللہ کی حیثیت علم کے تیز دریا اور ستاروں کے درمیان بدر کامل کی تھی) (۲۱)

محبّ اللہ البہاری نے اپنی کتاب ''سلم العلوم'' کے مقدمہ میں اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری یہ کتاب کتب درسیہ میں اس طرح چمکے کہ جس طرح ستاروں میں چاند چمکتا ہے۔ ایسا ہی ہوا اور

ان کی زندگی ہی میں ان کی یہ تمنا پوری ہوگئی تھی-(۲۲)

تصانیف:

محب اللہ بہاری مندرجہ ذیل کتب کے مصنف تھے:

سلم العلوم، مسلم الثبوت، الجوہر الفرد (الجزء الذی لا تیجزی)، رسالۃ المغالطۃ العامۃ الورود، رسالۃ فی اثبات ان مذہب الحقیۃ ابعدعن الرائی من مذہب الشافیہ-(۲۳)

سلم العلوم:

یہ کتاب تاریخی اعتبار سے دوسری مگر اہمیت کے لحاظ سے سب سے اول ہے- بیرون ہند منطق پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے وہ شہرت ومقبولیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں-(۲۴)

الجواہر الفرد:

یہ بھی منطق کی کتاب ہے اور جزو لا تیجزی کے بارے میں ہے- یہ بھی مدارس کے نصاب میں شامل ہے-(۲۵)

محب اللہ البہاری کی اولاد کی جو تفصیل ملتی ہے ان کا ایک لڑکا تھا، اس کا نام بدر اسلام تھا جس کے ایک بیٹے کا نام ملک درویش تھا جن کے پاس پرگنہ پلیچ کے علاقہ کا محکمہ قضا، احتساب اور خطابت کا عہدہ تھا-(۲۶)

قاضی محب اللہ بہاری کا تعلق جس دور سے ہے اس دور پر معقولات کی گہری چھاپ تھی- وقت کے تقاضے کے زیر اثر معقولات کی طرف توجہ دینا ناگزیر تھا- انہوں نے اس جانب توجہ کی اور منطق وفلسفہ کی باریکیوں کا بہتر قریب سے جائزہ لیا- علم منطق میں سلم العلوم ایک زندہ شاہکار ہے- یہ ایسی کتاب ہے جو پوری دنیا میں اپنی حیثیت قبول کرا چکی ہے- سلم العلوم کی طرح مسلم الثبوت بھی ایک نہایت ہی اہم کتاب ہے اور ان دونوں کتابوں نے محب اللہ بہاری کی شخصیت کو زندہ جاوید بنا دیا ہے-

وفات:

آپ کی وفات ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں ہوئی اور بہار شریف میں مدفون ہوئے۔(۲۷)

مولانا امین اللہ عظیم آبادی:

شیخ فاضل کبیر امین اللہ بن سلیم اللہ بن علیہم اللہ انصاری نگر نہسوی ایک مشہور عالم تھے۔ منطق، فلسفہ اور ادب میں مہارت حاصل تھی۔ نگر نہسہ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے علم حاصل کیا، پھر الہ آباد کا سفر کیا اور شیخ محمد قاسم الہ آبادی سے منطق وحکمت کی تعلیم حاصل کی، پھر دہلی کا سفر کیا اور شیخ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے تحصیل علم کیا، پھر اپنے واطن واپس لوٹے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی خدمت انجام دی اور آپ سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

تصانیف:

آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں، ان میں سے تفسیر میں ایک رسالہ ہے،(۲۸) جو ولـکـم فـی القصاص حیوۃ کی تفسیر ہے، العقیدۃ العظمیٰ فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم، میرزاہد پر حاشیہ، میرزاہد علی شرح المواقف پر حاشیہ، مسلم الثبوت پر حاشیہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کا فارسی دیوان بھی ہے۔

وفات:

۳ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں کلکتہ میں وفات پائی۔ جیسے کہ تذکرۃ الںبلاء میں ہے۔(۲۹)

مولانا جان علی عظیم آبادی:

شیخ فاضل جان علی عظیم آبادی اپنے شہر کے ایک مشہور عالم تھے۔ انہیں منطق وفلسفہ میں مہارت تھی۔ انہوں نے پوری عمر درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان سے بہت سے علماء نے علم

حاصل کیا۔

وفات:

۱۲ جمادی الاول ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء میں گیا میں وفات پائی۔ (۳۰)

مولانا حکیم عبداللطیف سہسرامی:

مولانا عبداللطیف کے والد کا نام مولوی امیر علی مرحوم تھا۔ محلّہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ مولوی حکیم سراج الدین کے بیاض کے مطابق مولانا عبداللطیف نے کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ بعد اختتام کتب فارسی، عربی شروع کی۔ جناب مولانا شاہ محمد قادر بخش سے صرف، نحو اور منطق پڑھیں۔ پھر الٰہ آباد تشریف لے گئے، وہاں سے بھوپال، سورت، بمبئی اور امروہہ، غرضیکہ مختلف جگہوں میں عربی، منطق، ریاضی، کلام، حدیث اور تفسیر تمام کیں۔ مدرسہ عالیہ رامپور (۳۱) سے درس نظامیہ کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ منطق وفلسفہ میں شہرت رکھتے تھے۔ بڑے قانع اور متوکل تھے۔

چالیس سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفیظ کیا۔ مولانا سید محمد خشی رام پوری سے بیعت تھے۔ طب کی تعلیم مولانا محمد قادر بخش سے حاصل کی۔ آپ رامپور کے مدرسہ میں مدرس اور امام مسجد تھے۔ درس و تدریس میں زندگی بسر کی۔

وفات:

تقریباً ۱۹۲۶ء میں وفات پائی۔ (۳۲)

سید کمال الدین عظیم آبادی:

شیخ فاضل علامہ کمال الدین چشتی عظیم آبادی منطق وفلسفہ میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ نظام الدین بن قطب الدین سہالویؒ سے علم حاصل کیا اور ان کے ساتھ ایک مدت تک رہے اور ان سے درس

کتابیں پڑھیں- پھر فتح پور میں درس وتدریس شروع کیا اور وہاں ایک زمانہ تک درس دیا جیسا کہ اعمان الانساب میں ہے پھر نواب سیف خاں کے مدرسہ میں، جو عظیم آباد میں تھا، استاد مقرر کیے گئے، ان سے شیخ کمال الدین فتح پوری، مولانا اسد اللہ جہانگیر نگریؒ اور دوسرے علماء نے علم حاصل کیا- انہیں اپنے شیخ نظام الدینؒ سے محبت تھی جیسا کہ رسالہ قطبیہ میں ہے-(۳۳)

مولانا شاہ محمد ظہور الحق:

تاریخ ولادت:

تاریخ ولادت ۱۱۸۴ھ ہے-

ابتدائی کتابیں ملا وحید الحق ابدال اور مولانا احمدی قدس سرہٗ اور اپنے والد ماجد قدس سرہٗ سے پڑھیں، بقیہ کتب درسیہ ۱۲۰۰ھ میں ملا جمال الدین ڈھبری سے تمام کیں اور سند حدیث بذریعہ مکاتبہ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی، تکمیل علم ظاہری کے بعد ۱۲۰۰ھ میں اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور مشق سلوک کی طرف متوجہ ہوئے، تکمیل کے بعد آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ۱۲۱۱ھ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے الباس خرقہ کر کے سجادۂ مجیبیہ پر جانشین کر دیا-

آپ اپنے عہد میں بڑے عالم متبحر اور بالغ الاستعداد بزرگ ہوئے، حافظ قرآن اور حافظ صحیحین تھے، خانقاہداری کے تمام لوازم کے ساتھ تمام عمر درس وتدریس کا مشغلہ رہا، ہمیشہ طلباء کی کثیر تعداد زیر تعلیم رہی-

سلاسل مجیبیہ کی اجازت آپ کو اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت ملا وحید الحق ابدال قدس سرہٗ سے بھی تھی اور حضرت ملا کی ایک صاحبزادی بھی آپ سے منسوب تھیں مگر ان سے نسل جاری نہیں ہوئی- طریقۂ منعمیہ اور طریقۂ زاہدیہ کی اجازت حضرت شاہ علی حسین رائے پوری قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی-

تصانیف:

آپ کی تصنیفات سے کئی کتابیں ابھی موجود ہیں:

اعیان علم منطق میں، تسویلات الفلاسفہ، فیض کبیر، فیض صغیر، تنویرات، نہی عن المنکر، اثبات ایجاد الخیر عن الحق، کسب النبی، اوامر ونواہی، (۴۴) مائۃ ایمان، معاصم الماٰثم، فیوضات الہامیہ، نصح النصیح، تائید الحق و ردشیعہ۔

آپ کی دوسری شادی میر عزت علی شہباز پوری علیہ الرحمۃ کی صاجزادی سے ہوئی جو حضرت شاہ آیت اللہ قدس سرہٗ کی نواسی تھیں، ان سے پانچ صاحبزادگان ہوئے، مورا ناشاہ نصیر الحق، مولانا شاہ ظہیر الحق، مولانا شاہ علی امیر الحق، مولانا شاہ محمد سفیر الحق، مولانا شاہ محمد فقیر الحق رحمۃ اللہ علیہ اور دو صاجزادیاں بی بی زوجہ مولوی محمد عیسیٰ بن مولوی عبدالعلی بن ملا مبین جعفری، دوسری بی بی محفوظہ زوجہ سید مظہر نبی بن سید عصمت علی بن سید شاہ فضل اللہ عرف شاہ کالن شہباز پوری۔

آپ نے تمام عمر درس وتدریس اور رشد وہدایت خلق میں بسر فرمائی۔ آخر عمر میں اہل عظیم آباد کی خواہش سے پھلواری کا قیام ترک کر کے پٹنہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ حضرت مولانا شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ کا یہ خیال بھی تھا کہ جو نعمت علمی وعرفانی مجھے خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہے، اس کی پوری طرح اشاعت کروں اور یہ قصبہ چھوٹا تھا اور مدرسین بھی زیادہ تھے، پٹنہ گرچہ بڑا شہر تھا اور مدرسین بھی کثرت سے تھے مگر ایسے مدرس کا جو علوم ظاہری کے ساتھ روحانیت کا بھی معلم ہو، تقریباً فقدان تھ اور اہل عظیم آباد کی دلی خواہش تھی کہ آپ پھلواری سے پٹنہ تشریف لائیں اور سلسلۂ درس کی توسیع فرمائیں چنانچہ بتاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۳۰ھ بمطابق ۵ پھاگن ۱۲۲۲ ،جلوس اکبر ثانی میں اجرائے سلسلۂ خیر کی نیت سے ترک وطن کر کے پٹنہ تشریف لے گئے۔ چونکہ فوری طور پر کوئی مکان اپنا ذاتی موجود نہ تھا، اس لئے ابتداً میر اشرف کشمیری کے

مقبرہ میں قیام فرمایا، اس مقبرہ کے اردگرد مکانات بنے ہوئے تھے اور اس کے متولی سے تاج العارفین قدس سرہٗ کے عہد سے تعلقات تھے اسی تعلق کی بناء پر تاج العارفین قدس سرہٗ برگیوں کی آمد کے موقع پر جبکہ لٹیرے قصبات و دیہات کی طرف رخ کرتے تھے، اپنے اہل و عیال کو لے کر اسی مقبرہ میں چلے آتے تھے پھر جب امن ہو جاتا تو مکان پر واپس تشریف لاتے۔

مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد محلہ شیخ مٹھا کی گڑھی جو اب منگل تالاب کے نام سے مشہور ہے، حضرت شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ نے کچھ اراضی حاصل کر کے خانقاہ عمادیہ کی بنیاد رکھی جو بحمد للہ اب تک اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ قائم اور مرجع خلائق ہے۔ مگر افسوس کہ کل چار سال آپ کا قیام پٹنہ میں رہا۔ ۱۲۳۰ھ میں تشریف لے گئے۔ (۳۵)

وفات:

۱۶ ذیقعدہ ۱۲۳۴ھ میں رحلت فرمائی۔ جنازہ پٹنہ سے پھلواری لایا گیا اور اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ (۳۶)

مولانا شعیب الحق بہاری:

شیخ فاضل محدث شعیب الحق بہاری ایک مشہور عالم تھے جن کو مولانا مسافر کہا جاتا تھا۔ بہار شریف میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پرورش ہوئی۔ علم کے لئے سفر کیا، منطق اور حکمت کی تعلیم مولانا محمد قاسم الٰہ آبادی سے حاصل کی پھر دہلی کا سفر کیا اور شیخ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور ان کے ساتھ بہت زمانے تک رہے پھر اپنے وطن واپس ہوئے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے علم و فضل حاصل کیا۔

وفات:

۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء میں وفات پائی اور عظیم آباد میں مدفون ہوئے۔ (۳۷)

شیخ غلام یحییٰ بہاری:

شیخ عالم کبیر یحییٰ بن نجم الدین باڑھوی بہاری منطق وحکمت میں مہارت تامہ رکھتے تھے- باڑھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش ہوئی-علم کے لئے سفر کیا تو سندیلہ آئے اور کتب درسیہ کو مدرسہ منصوریہ میں مولانا باب اللہ جونپوریؒ سے پڑھی پھر طریقت کو شیخ بدر عالم ساداموی سے حاصل کیا-لکھنؤ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور میر زاہد رسالہ پر نہایت ہی عمدہ دقیق حاشیہ لکھا اور اس کا نام ''لواء الہدی فی اللیل و الدجیٰ'' رکھا-اس حاشیہ نے بہت مقبولیت حاصل کی، اس کو نصاب تعلیم میں شامل کرلیا گیا- مولانا لکھنؤ میں بہت دنوں درس وتدریس سے منسلک رہے، پھر دہلی تشریف لے گئے اور طریقۂ نقشبندیہ کو شیخ مظہر جانجاناں علوی دہلوی سے حاصل کیا اور ان کی خدمت میں پانچ برسوں تک رہے پھر لکھنؤ لوٹے اور شیخ پیر محمد لکھنوی کی خانقاہ میں شیخ محمد قلندر کی مسجد کے قریب اقامت اختیار کرلی-(۳۸)

تصانیف:

آپ کی مصنفات میں شرح السلم، کلمۃ الحق اور ایک رسالہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں ہے-

وفات:

ذی قعدہ ۱۱۸۰ھ/ ۱۷۶۶ء لکھنؤ اور شیخ پیر محمد کی خانقاہ میں دفن کئے گئے-(۳۹)

مولوی شاہ محمد ہادی قدس سرہٗ:

آپ مولانا احمدی قدس سرہٗ کے صاحبزادے تھے-

ولادت:

ولادت ۶ شوال ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۷۵ء میں ہوئی-(۴۰)

آپ نے علم ظاہری اپنے والد سے پڑھا اور بیعت طریقت بھی اپنے والد کے ہاتھ پر کی اور تعلیم

باطنی اپنے والد اور حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ سے ہوئی اور بعد تکمیل باطنی و اجازت و خلافت حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ نے جمیع سلاسل مجیبیہ کی اور مولانا احمدی قدس سرہٗ نے سلسلۂ آبائیہ جنیدیہ کی آپ کو عنایت فرمائی۔

بیان و قایق و معارف میں بے مثال تھے۔ بعد وصال اپنے والد کے سجادہ جنیدیہ کے جانشین ہوئے۔ آپ کی تصانیف سے فن منطق میں چند رسالے یادگار ہیں۔(۴۱)

تصانیف:

آپ کی تصنیفات سے حاشیہ فصوص الحکم، حاشیہ تہذیب، شرح مطول بحث ما انا قلت، حاشیہ خلاصۃ الحساب، ترجمہ منظوم قصیدہ بردہ، حاشیہ مناظرہ رشیدیہ، رسالہ طہر متخلل۔

آپ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی بی بی شرف النساء بنت شیخ العالمین سے ہوئی۔ ان سے چار صاحبزادے مولوی شاہ محمد فضل اللہ، مولوی شاہ محمد شرف الدین، مولوی شاہ محمدی، مولوی شاہ محمد امین ہوئے۔

دوسری شادی بی بی شمس النساء بنت میر واصل علی ساکن روہائی ضلع گیا سے ہوئی، ان سے ایک بیٹے مولوی فضل احمدی اور ایک بیٹی بی بی وصیت النساء زوجہ شاہ ابوالحسن فردوسی ہوئیں۔

وفات:

تاریخ وفات ۱۵ شوال ۱۲۷۱ھ مقبرہ مجیبیہ میں اپنے والد کے پہلو میں پورب جانب مدفون ہیں۔(۴۲)

مولانا عبدالوہاب سربہدوی بہاری:

شیخ فاضل عبدالوہاب بن احسان علی سربہدی اپنے زمانہ کے مشہور عالم تھے۔

ولادت:

سربہدہ گاؤں ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔

اپنے گاؤں کے اساتذۂ کرام سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ گئے اور علامہ عبدالحیؒ بن عبدالحلیم انصاری لکھنوی سے تعلیم حاصل کی اور فراغت کے بعد کانپور میں درس وتدریس شروع کیا- پھر حیدرآباد چلے گئے- پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے-

منطق وفلسفہ میں مہارت رکھتے تھے- ان سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا- ان کی کئی تصنیفات ہیں-

تصانیف:

الصحیفۃ الملکوتیہ، حاشیہ میرزاہد رسالہ اور شرح ہدایۃ، الحکمۃ قابل ذکر ہیں-

وفات:

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء-(۴۳)

مولانا شاہ محمد نذیر الحق قدس سرہٗ:

مولانا شاہ محمد نذیر الحق کے والد کا نام شاہ سفیر الحق اور دادا کا نام شاہ محمد ظہور الحق تھا- آپ کی ولادت ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء میں ہوئی- ابتدائی کتابیں نانا قاضی سید مخدوم عالم اور اپنے والد سے پڑھیں، بقیہ درسیات اپنے چچا مولانا شاہ محمد علی امیر الحق سے پڑھیں- بیعت واجازت وخلافت مولانا شاہ عبدالغنیؒ سے تھی اور اپنے چچا مولانا شاہ محمد علی امیر الحق کی طرف سے بھی مجاز سلاسل تھے- شاعری کا ذوق رکھتے تھے-(۴۴)

شاعری کی ابتداء میں آپ اپنے نانا قاضی صاحب ممدوح کو اپنا کلام دکھاتے تھے مگر ذکاوت طبع و ذہانت فطری نے آپ کو اس قدر معراج ترقی پر پہنچا دیا کہ شاگرد اور استاد کے کلام میں استاد شاگرد کا فرق امتیاز کرنا مشکل تھا- آپ کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ اکثر کتابوں کے صفحے کے صفحے اور عبارت زبانی یاد تھی- عنفوان شباب سے آخر تک آپ کو درس وتدریس کا شوق رہا اور گھر بیٹھے مفت لوگوں کو پڑھاتے تھے- آپ

کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے۔کم از کم پچاس برسوں تک آپ یونہی لوگوں کو پڑھاتے رہے۔

صرف ونحو میں تو عام علمائے عصر وفضلائے قرب وجوار آپ کالوہا مانتے تھے ہی منطق وفلسفہ میں بھی آپ کونہایت مہارت تھی۔(۴۵) علم اصول یگانہ عصر تھے۔فن مناظرہ میں آپ کا حصہ خاص تھا۔ طبابت اور ہومیو پیتھک میں آپ کونہایت اچھی دسترس تھی، فقہ وتفسیر میں بھی آپ اچھی دسترس رکھتے تھے۔علم رمل وجعفر ونجوم وحساب وہندسہ میں آپ کوایک خاص مہارت تھی۔ فارسی زبان دانی میں آپ صوبۂ بہار میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ ہزاروں اور لاکھوں محاورے آپ کو برزباں یاد تھے۔ فارسی کلام آپ کا نہایت ہی فصیح وبلیغ ہوتا تھا۔ایک ضخیم دیوان آپ کا ضائع ہوگیا، دوسرا دیوان آپ کے دست خاص کا لکھا ہوا موجود ہے۔

تصانیف:

خزائن المنطق، بطور رسالہ کبریٰ در منطق بزبان فارسی، مواہب الشفاء، در طب، اعجاز الرمل، درفن رمل رسالہ حمیات، منظومہ اس رسالہ میں تمام حمیات کومع اسباب وعلامات ومعالجات اردو میں نظم کیا ہے، المیقات، اس رسالے میں اوقات پر مدلل بحث کی ہے اور اختلاف الرائے آئمہ ومحدثین لکھ کر اپنا قول فیصل لکھا ہے، التمہید فی القرآت والتجوید، قند پارس، اس رسالے میں فارسی کے اکثر محاورات کی تصحیح اور اس کے متعلق نہایت قابل قدر بحث کی ہے اور ان کتابوں کے علاوہ بھی اکثر چھوٹے بڑے رسالے آپ کی تصانیف سے ہیں جو اپنے قابل قدر ہونے کی آپ ہی دلیل ہیں۔فن تکسیر میں آپ کوایسی اچھی مہارت تھی کہ اپنے وقت میں تو صوبۂ بہار میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا تخلص فائزؔ تھا۔

بیعت آپ کی حضرت مولانا حافظ عبدالغنی منعمی پھلواروی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر طریقۂ منعمیہ فردوسیہ میں چودہ برس کے سن میں ہوئی تھی۔ اس وقت آپ شرح وقایہ اور شرح تہذیب پڑھتے تھے۔ مولانا ممدوح قدس سرہٗ نے آپ کو اپنے تمام طرق کی اجازت وخلافت بھی اسی وقت دے دی تھی کیونکہ مولانا کا وہ آخر وقت

تھا، دیکھا کہ نہ معلوم پھر موقع ملے نہ ملے چنانچہ اس کے دو ہی تین برسوں کے بعد مولانا کا وصال ہو گیا۔ پھر جب آپ کو تحصیل علوم ظاہریہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے اپنے عم محترم حضرت امیر الاولیاء مولانا حافظ حاجی سید شاہ علی امیر الحق قدس سرۂ سے رجوع کیا چنانچہ آپ نے حضرت(۴۶) الاولیاء مولانا حافظ حاجی علی امیر الحق ہی سے تحصیل علوم باطنیہ فرمائی اور تکمیل مدارج حضرت ہی کے ذریعے سے ہوئی چنانچہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ آپ کی تعلیم و تکمیل کس سے ہوئی تو آپ حضرت امیر الاولیاء قدس سرۂ کا نام نامی لے کر فرماتے تھے ''آنچہ دارم ہمہ عنایت اوست''۔

آخر الامر جب آپ کی تکمیل مدارج ہو چکی تو ۱۲۹۶ھ/۱۹۷۸ء آپ کو اور آپ کے اخ عمزاد اور مرشد زادہ حضرت زبدۃ العارفین وقدوۃ الکاملین مولانا حاجی سید شاہ محمد رشید الحق قدس سرۂ کو حضرت امیر الاولیاء قدس سرۂ نے ساتھ ساتھ اجازت وخلافت دے کر اپنا خلیفہ کل اور مجاز اتم بنا دیا اور دونوں کے نام سے ایک ہی اجازت نامہ لکھ کر دونوں کو دے دیا۔(۴۷)

وفات:

آپ کی بتاریخ ۱۳ محرم بروز دوشنبہ بوقت عصر ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء آرہ بعارضہ طاعون ہوئی۔(۴۸) مزار آپ کا پھلواری میں حضرت شمس العارفین قدس سرۂ کے چبوترہ پر حضرت امیر الاولیاء قدس سرۂ کے مزار کے سامنے بجانب پورب کنارے پر ہے۔

حضرت مولانا نذیر الحق قدس سرۂ کی وفات سے کئی برسوں کے بعد جب مولانا تمنا سلمہ اللہ تعالیٰ بالغ ہوئے تو بتاریخ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء بروز عرس حضرت مخدوم سید راستی قدس سرۂ، مولوی تمنا سلمہ اللہ تعالیٰ کو بہ اجماع جمیع اراکین قصبہ پھلواری حضرت حاجی مولانا سید شاہ محمد بدر الدین رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین پھلواری اور چچیرے بھائی حضرت مولانا حافظ سید شاہ محمد حبیب الحق صاحب سجادہ نشین سجادہ عمادیہ پٹنہ مولوی

سید شاہ محمد وجیہ الحق مرحوم نے خرقۂ تبارک حضرت مخدوم راستی قدس سرہٗ کا پہنایا۔

خلفاء:

آپ کے صاحبزادے مولانا تمنا عمادی مجیبی، مولوی سید شاہ محمد وجیہ الحق اور مولوی سید شاہ محمد ریاض الحق بن حضرت مولانا حافظ شاہ احمد ظہیر الحق قدس سرہٗ اور شاہ واعظ حسین مرحوم شملوی وغیرہم تھے اور ہیں۔ آپ کا فارسی کلام کو ''دیوان فائز'' کے نام سے ڈاکٹر خواجہ افضل امام نے ۱۹۶۴ء میں شائع کرایا۔(۴۹)

مولانا عبدالحمید مظفر پوری:

مولانا عبدالحمید بن عبدالوحید کی پیدائش ۱۵ فروری ۱۹۲۰ء کو موضع ماہ بیگ پور (نرکٹیہ) پوسٹ کفین ضلع مظفر پور میں ہوئی۔ آپ مولانا محمد سلیمان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم گلستاں بوستاں وغیرہ تک اپنے بڑے بھائی مولانا محمد سلیمان سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں داخلہ لیا اور فن حدیث کی سند حاصل کی لیکن آپ کا فطری رجحان منطق کی طرف تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سے مولانا جمیل احمد نالندویؒ اور مولانا قمر توحید موضع بند پورا کٹرہ ضلع مظفر پور قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں تک سرکاری ملازمت میں رہے لیکن طبع (۵۰) آزاد پر یہ پابندی گراں گزری اور جلد ہی مستعفی ہو گئے۔ تجارت کرنا چاہتے تھے کہ صرف بتیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ مولانا کے زمانہ میں آریہ سماج کی شدھی تحریک نے ارتداد کی لہر پیدا کر دی تھی، ایسے موقع پر علمائے کرام نے اپنی ذمہ داری سنبھالی، ان حالات میں مولانا عبدالحمید مرحوم نے علاقہ کے مسلمانوں کی مذہبی قیادت کی۔ آپ نے نہ صرف مسلمانوں کی رہبری اور فتنہ ارتداد کی مزاحمت کی بلکہ اسلام کے کام کو بھی آگے بڑھایا۔ اس طرح شدھی تحریک کا زور ٹوٹا اور مسلم و غیر مسلم دونوں ہی کو مولانا سے فائدہ پہنچا۔

وفات:

مولانا کی وفات صرف بتیس سال کی عمر میں ۱۷ مارچ ۱۹۵۲ء کو ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں میں مدفون ہوئے۔(۵۱)

مولانا عبدالوہاب آروی:

مولانا عبدالوہاب کا وطن الٰہ آباد تھا۔ مدرسہ حنفیہ آرہ میں تعلیم وتدریس کے لئے تشریف لائے اور آرہ ہی میں اقامت اختیار کرلی، عالم دین کے ساتھ حاذق طبیب بھی تھے۔ منطق وفلسفہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مولانا نے آرہ میں درس وتدریس کی خدمت کی اور ساتھ مطب بھی کیا۔ آپ کے مطب کی شہرت ہر جگہ پھیل گئی۔

مولانا عبدالوہاب نے آرہ میں رہ کر بڑے جید علماء اور بڑے بڑے طبیب حاذق پیدا کئے۔

مولانا کی شہر میں بڑی عزت تھی۔ پالکی پر چلتے تھے، جس طرف سے آپ کی پالکی گزرتی لوگ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلام کرتے تھے۔ آرہ شہر میں یہ عزت کسی کو نصیب نہ تھی۔(۵۲)

ملا محمد مبین نقشبندی پھلواروی:

ملا محمد مبین قاضی حیات مرید کے صاحبزادے تھے، گیارہویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں پڑھیں بقیہ کتب درسیہ ملا برہان الدین حقانیؒ سے، جو حضرت ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی لکھنویؒ کے شاگرد تھے، تمام کیں۔ آپ ماہر علوم وفنون تھے خصوصاً منطق، فلسفہ، ریاضی، ہندسہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ تحصیل فراغ کے بعد وطن تشریف لائے اور مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اور صدہا طالبین وشائقین علم آپ سے سیراب ہوئے۔

تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی تھا، منطق میں آپ نے ایک رسالہ تصنیف کیا مگر اب موجود نہیں ہے۔

بیعت آپ کو نقشبندیہ طریقہ میں اپنے استاد ملا برہان الدین حقانی سے تھی۔

وفات:

۴ رمضان ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۱ء میں وفات ہوئی اور سنگی مسجد کے مشرقی دروازہ پر مدفون ہوئے۔ (۵۳)

ملا محمد رکن الدین دانا سہسرامی:

مولانا حکیم محمد رکن الدین کے والد کا نام مولوی عبدالحافظ تھا، آپ سہسرام ضلع شاہ آباد (موجودہ ضلع رہتاس) کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر سہسرام کے شاہی مدرسہ خانقاہ میں ہوئی۔ ۱۳۱۸ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ (۵۴) مسلسل چھ سال وہیں رہ کر درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں ندوۃ کا آخری امتحان ہوا، جس میں اول آئے۔ دارالعلوم میں آپ نے مولانا محمد فاروق چریاکوٹیؒ اور مولانا مفتی عبداللطیف سنبھلیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ آخر میں آپ نے مولانا حفیظ اللہ تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی سے تعلیم حاصل کی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں مدرس مقرر ہوگئے۔ انہیں ایام میں طب کی تعلیم حاصل کی اور طب کے مختلف امتحانات پاس کیئے اور سند حاصل کی پھر وہاں سے وطن واپس آئے اور قصبہ بھبھوا ضلع شاہ آباد میں مطب کیا پھر کلکتہ تشریف لے گئے، کچھ دنوں کے بعد کشن گنج پورنیہ میں مطب کھولا اور طبابت کے سلسلہ میں کشن گنج میں مقیم ہوگئے اور وہاں کی ادبی سرگرمیوں میں چہل پہل پیدا کر دی، ایک انجمن ترقی اردو قائم کی۔ مولوی سلیمان وکیل کو انجمن کا سیکریٹری بنایا اور مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور داناؔ تخلص کرتے تھے۔

تصانیف:

آپ کی متعدد تصانیف ہیں: منطق و فلسفہ میں دو رسالے، المنطق و فلسفہ اور الفلسہ عام طور پر مقبول

ہوئے، تحفۂ احسان میں پورنیہ کے شعراء کے حالات ہیں- ۱۹۵۵ء میں ان کی عمر ستر سال تھی- وفات کا سال معلوم نہ ہوسکا-(۵۵)

مولانا محمود علی پھلواروی:

مولانا محمود علی کے والد کا نام مولانا محمد عیسیٰ پھلواروی ہے-

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء میں پھلواروی میں ہوئی-

آپ بچپن سے نہایت ذکی ذہن تھے، علم کا شوق بہت تھا- ابتدائی کتابیں وطن میں پڑھیں- جب آپ کے والد الہٰ آباد تشریف لے گئے تو آپ کو اپنے ساتھ لے گئے- دولت کی کمی نہیں تھی- آپ کی تعلیم کے لئے جید عالم مولوی ریاض علی ساکن کوڑا جہاں آباد ضلع الہٰ آباد کو متعین کیا-

قلیل عرصہ میں آپ نے تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی، نہایت خوشخط تھے- نسخ ونستعلیق و شفیعہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے-

تصانیف:

آپ کی تصنیفات سے ادب ومنطق میں تین کتابیں ہیں اور تینوں آپ کے دست خاص سے لکھی ہوئی کتب خانہ مجیبیہ پھلواری میں موجود ہیں-

الہٰ آباد کے قیام میں اس وقت بہتیرے اہل فن سے آپ کی ملاقاتیں رہیں اور تبادلۂ خیال کرتے رہے- فراغت کے بعد آپ نے درس دینا شروع کیا، اتفاقاً علامہ محدث عبدالحسن بن علامہ طاہر مدنی سے ملاقات ہوگئی- علامہ نے آپ کی قابلیت کا اندازہ کیا اور آپ کی تصانیف میں دو رسالہ منطق ونحو پر علامہ نے تقریظ لکھی-

طبیعت نہایت موزوں تھی، شعروسخن کا ذوق بھی تھا- ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے- قیصر تخلص کرتے تھے-حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحسن فرد سے بیعت تھے-

وفات:

۱۵رجب ۱۲۶۳ھ/۱۹۴۷ء میں انتقال کیا- مزار باغ مجیبی میں حضرت فرد کے چبوترہ کے بائیں واقع ہے-(۵۶)

مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی:

مولانا مقبول احمد خاں کے والد کا نام محبوب علی خاں مختار تھا- مولانا گوراکسنی سمری ضلع دربھنگہ اپنے آبائی گاؤں میں پیدا ہوئے-

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں داخل ہوئے پھر استادالاساتذہ حضرت مولانا سید برکات احمد سے ٹونک میں تعلیم حاصل کی-لاہور سے فراغت حاصل کی- ریاست ٹونک میں منطق وفلسفہ کے استاذ مقرر ہوئے، والد نے ملازمت پسند نہ کی-۱۹۰۱ھ میں گھر آکر والد کی مرضی کے مطابق خدمت دینی میں مشغول ہوگئے پھر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے وابستہ رہے، وہاں سے علیحدہ ہوکر گھر آئے-مولانا عبدالحمید ساکن راجو دربھنگہ نے مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں قائم کیا تو ان کی درخواست پر ناظم اعلیٰ ہوئے-۱۹۷۴ء میں وہاں سے بھی کنارہ کش ہوگئے-

مولانا ایک جید عالم اور معقولات کے ماہر تھے-(۵۷) آپ کو قدیم منطق پر عبور حاصل تھا-عربی زبان میں علم منطق پر آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف، جامعہ الازہر قاہرہ، مصر میں آج بھی شامل نصاب ہے-آپ کا شمار دربھنگہ کے زمینداروں میں بھی ہوتا تھا-

شاگرد:

آپ کے قابل فخر اور مایہ ناز شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ، امیر شریعت (۵۸) ثالث صوبۂ بہار واڑیسہ (المتوفی ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ) اور حضرت مولینا سید شاہ نظام الدین قادری پھلواروی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ) شامل ہیں۔ آپ کے لائق پوتے ڈاکٹر مطلوب احمد خان (مقیم نیویارک) کا شمار ملک کے کامیاب سرجنوں میں ہوتا ہے، اسی طرح مولینا کے لائق و فائق نواسہ جعفر علی خان امریکہ کے نامور انجینئر ہیں اور بیگم عشرت علی خان کا شمار امریکہ کی ممتاز خاتون سرجنوں میں ہوتا ہے۔(۵۹)

وفات:

۱۹۷۹ء میں وفات ہوئی۔(۶۰)

مولوی حکیم سید محمد مرشد:

مولوی حکیم سید محمد مرشد حسن کامل ولد سید طالب حسین، ساکن دھرم پور، پرگنہ سریسا، سمتی پور ضلع در بھنگہ، صاحب آئینہ ترہت کے الفاظ میں حضرت کامل دھرم پوری شرفاء اہل اسلام سے ہیں۔ شریف و نجیب عالی خاندان، ذی عزت و جلیل المرتبت ہیں۔ سلسلۂ نسب آبائی حضرت امام زین العابدینؓ ابن شہید کربلا حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے اور سلسلۂ نسب نانہالی غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شاہ شہاب الدین سہروردی پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت کامل دھرم پوری عالم محقق علوم معقولات اور فاضل مدقق علوم منقولات ہیں۔ علوم عربیہ کی بھاری بھاری کتابیں اپنے شاگردوں کو پڑھاتے ہیں۔ صرف ونحو، منطق، حکمت وفلسفہ، فقہ، حدیث وتفسیر، علم فرائض واصول، حساب وریاضی اور علم طب کے اپنے زمانے کے تبحر عالم ہیں۔ دست شفاء میں، فارسی نثر

نویسی میں ان کو بڑی قوت حاصل ہے۔مولوی صاحب اردو کے ایک شاعر بے نظیر ہیں۔

تصنیفات:

فارسی قواعد میں ''مخزن التفہیم''، اردو قواعد میں ''اصول کامل''، فن طبابت میں ''معالجات کامل''، میلاد شریف میں ''رحمت کامل''، عربی، فارسی اور اردو نعت میں ''انیس الطالبین''، شاعری میں غزلوں کا ایک دیوان اور قصائد کا مجموعہ ان کی یادگار روزگار ہیں۔(۶۱)

اجداد سے ان کے مولٰینا قطب الدین، شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں منصب ہفت ہزاری پر سرفراز تھے۔(۶۲)

علم صرف ونحو کی تعریف:

پرانے زمانے سے ہی قواعد کی دو شاخوں یعنی Morphology (صرف) اور Syntax (نحو) میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے۔ہمارے ہاں ''صرف'' قواعد کی اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں لفظ اور اس کی ساخت سے بحث کی جاتی ہے اور ''نحو'' اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں مرکبات سے بحث کی جاتی ہے۔(۶۳)

صرف ونحو میں علمائے کرام کا کردار

مولانا ابو محمد ابراہیم آروی:

مولانا ابو محمد ابراہیم آروی مکی محلّہ آرہ کے ایک معزز گھرانے میں ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔(۶۴)

آپ کے والد جناب ناظر عبدالعلی بڑے طبیب اور خطاط تھے۔مولانا نے ابتدائی تعیم اپنے گھر پر حاصل کی پھر دیوبند اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔حضرت مولانا نذیر حسین کے حلقہ درس میں حدیث پڑھی۔

فراغ کے بعد اپنے وطن واپس آئے اور مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک بڑے مدرسے کی بنیاد ڈالی۔

مطبع خلیلی کے نام سے ایک بڑا چھاپہ خانہ کھولا۔

مدرسہ احمدیہ میں ہندوستان کے منتخب علماء درس دیتے تھے۔حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بہاری جیسے علماء اس مدرسہ(۶۵) میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

تصانیف:

آپ نے عربی وفارسی ادبیات پر بہت سی کتابیں لکھیں، عربی صرف ونحو کے متعلق چار کتابیں تصنیف کی ہیں۔حدیث میں معلقہ اور طریق النجاۃ شائع کی، تفسیر خلیلی کے نام سے قرآن مجید کے چند پاروں کی تفسیر لکھی۔مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے منطق پر اردو میں ایک رسالہ لکھوایا۔

آپ نے تقریباً بیس کتابیں لکھیں جن میں طریق النجاۃ (حدیث)، تفسیر خلیلی، ترجمہ تفسیر ابن کثیر، تسہیل التعلیم، تلقین الصرف، ارشاد الطب الی علم الادب، مشہور ہیں۔

وفات:

آخر عمر میں عرب گئے اور وہیں ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں انتقال کیا۔(۶۶)

مولانا اصغر حسین بہاری:

مولانا اصغر حسین کی پیدائش اپنے آبائی وطن محلہ بنولیہ بہار شریف میں شعبان ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم مدرسہ نثر ظہوری میں ختم کر کے مولوی محمد رفیع الدین زمیندار موضع شکرواں کی خدمت میں حاضر ہوکر نحو وصرف کی تعلیم حاصل کی اور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ لیا۔رسالہ میر زاہد تک تعلیم یہیں حاصل کی، پھر الہ آباد چلے گئے اور وہاں ایک سال مدرسہ سبحانیہ میں رہ کر

مدرسہ احیاء العلوم تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا منیر الدین ناردی الہ آبادیؒ مدرس اول تھے- آپ ملا چک محلہ میں بحیثیت مدرس تشریف لے گئے اور ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد طبیعت خراب ہوئی، مکان واپس آئے، پھر رجب المرجب ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مدرس اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں (۶۷) مدرس مقرر ہوئے- ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء سے ۴ نومبر ۱۹۳۴ء تک چار ماہ دو دن مدرسہ کے ایکٹنگ پرنسپل رہے، پھر مولانا معین الدین ندوی پرنسپل مدرسہ کے وصال کے بعد دوبارہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۱ء سے ۲۴ دسمبر ۱۹۴۱ء تک ایکٹنگ پرنسپل رہ کر یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے-

تصنیف:

آپ کی تصنیف نزل الثوی شرح ترمذی عربی زبان میں ہے اور نہایت ہی عمدہ کتاب ہے-(۶۸)

وفات:

آپ کی وفات ۱۹۴۸ء میں ہوئی اور بنولیہ بہار شریف میں مدفون ہوئے-(۶۹)

مولانا محمد حمید عظیم آبادی:

مولانا حمید کے والد کا نام منشی واعظ تھا- آپ مولانا محمد سعید عظیم آبادی کے چھوٹے بھائی تھے-

ولادت:

آپ کی پیدائش ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں ہوئی-(۷۰) آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی اور پھر متعدد علماء سے آپ نے تحصیل علم کی- پھر آپ نے اپنے برادر معظم جناب مولانا محمد سعید قدس سرہٗ سے بھی تلمذ حاصل کی- آپ از بسکہ ذہین وذکی تھے اور فہم وفراست خداداد رکھتے تھے مگر افسوس کہ آپ نے عمر بہت

تھوڑی پائی - اسی تھوڑی عمر میں بہت کچھ آپ نے قوت علمیہ حاصل کی اور بہت سی کتابیں عربی و فارسی میں ادب و فلسفہ و شعر و سخن میں آپ نے تصنیف کیں جو آپ کی یادگار موجود ہیں -(۷۱) ان میں سے ایک کتاب ''تقریب النحو'' ہے - اگر چہ وہ فارسی زبان میں ہے مگر اس کے دیکھنے سے آپ کا تبحر علمی کا شمس فی نصف النہار ظاہر ہوتا ہے - یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت قل و دل ہے، گویا دریا کو کوزے میں بند کیا ہے -(۷۲) اس کو کافیہ زبان فارسی کی کہیں تو بجا ہے اور آپ از بسکہ متقی و پرہیز گار و ذی مروت و قوت و سخاوت و صاحب جہد و حلیم و سلیم تھے - عین عنفوان جوانی میں جو کچھ آپ نے اوصاف حمیدہ و خصائل ستو وہ دکھائے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر آپ عمر پا دیں گے تو وہ جوہر دکھائیں گے جو باعث فخر و عزت و خلف آپ کے خاندان کا ہوگا لیکن واحسر تا کہ وہ سب آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں -(۷۳)

وفات:

۲ رجب ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء میں وفات پائی -(۷۴) آپ کی شادی ساتھ مسماۃ زہرا بنت جناب مولوی محمد فرید بن مفتی محمد مبین ابن مفتی محمد افضل بن مولوی مرحوم بن ملا امان اللہ جعفری مرحوم پھلواروی کے ہوئی - آپ کے ایک بیٹے مولوی عبدالغفور مرحوم تھے، جنہوں نے عین شباب میں اٹھارہ انیس برس کی عمر بتاریخ بست و پنجم صفر روز شنبہ وقت ظہر ۱۲۷۸ھ میں لا ولد جان شیریں بجان آفریں سپرد کی -

اور دو بیٹیاں آپ کے ہوئیں - مسماۃ منیبہ النساء مرحومہ، زوجہ میر تجمل حسین مرحوم، ضلع پٹنہ و مسماۃ حفیظ النساء مرحومہ، زوجہ مولوی واعظ الدین صاحب مرحوم ساکن نگرنہسہ -

تاریخ انتقال جناب مولانا محمد حمید مرحوم منقول از قسطاس البلاغۃ -

مرا بود است یک زیبا برادر گزیں دار فنا رخت سفر بست

نوشتم سال فوتش از سر آہ فلک بازوئے من دردا کہ بشکست

حواشی باب دوم، فصل سوم

۱-معارف نمبر۲، جلد۲، اگست ۱۹۱۷ء، ماہ شوال، ۱۳۳۵ھ، عدد دوم، ص۲۴/کشف الظنون، جلد۲، ص۴۵۳

۲-کشف الظنون، جلد اول، ص۶۹/معارف نمبر۲، جلد۲، ص۲۴

۳-معارف نمبر۲، جلد۲، اگست ۱۹۱۷ء، ص۲۵

۴-معارف نمبر۲، جلد۲، ص۲۶/کشف الظنون، جلد اول، ص۱۴۶

۵-معارف نمبر۲، جلد۲، ص۲۷

۶-ایضاً، ص۲۸

۷-ایضاً، ص۲۹

۸-ایضاً، ص۳۰

۹-ایضاً، ص۳۱

۱۰-ایضاً، ص۳۲

۱۱-بقلم مہر النساء

۱۲- Bihar Trough the Ages. R.R. Diwakar orient Lanugmans Calculte-1859-p.435.

۱۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، طباعت، انیس آفسیٹ پریس، دریا گنج، دہلی۲، اشاعت اول۱۹۹۵ء، ص۲۵۰

۱۴-ڈاکٹر محمد طاہر ملک مرحوم: مجلہ، معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ۲۰۰۱ء، ص۳۱

۱۵-غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان، ص۷۷، ص۲۵۱/تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ)، ۱۹۶۱ء، ص۴۰۵

۱۶-سید عبدالحیؒ لکھنوی: نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء، ص۲۵۰

۱۷-مقالات شبلی، ۳، ص۹۸

۱۸-ایضاً، ص۱۲۲

۱۹-سید غلام علی آزاد بلگرامی. سبحۃ المرجان، ص۱۳۰۳ھ، ص۷۷/دائرہ معارف اسلامیہ، ۵، ص۱۱۸

۲۰-سید غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، طبع بمبئی، ۱۳۰۳ھ

۲۱-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، جلد۵، حصہ اول، ص۹۹، ۱۹۷۹ء، لاہور/رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص۴۰۵، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

۲۲-ڈاکٹر محمد طاہر ملک مرحوم: مجلہ، معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ۲۰۰۱ء، ص۳۴/دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۵، ص۱۱۸، لاہور/سید غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، طبع بمبئی، ۱۳۰۳ھ، ص۷۷

۲۳-مقدمہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۹۳۷

۲۴-ڈاکٹر زبیر احمد: عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، بار اول، ۱۹۷۳ء، بار دوم ۱۹۸۷ء، لاہور، ص۱۵۹

۲۵-محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، جلد۵، ص۱۰۳

۲۶-عبدالحلیم خواجہ پوری: ص۲۰-۲۱، یہ حکم نامہ محمد شاہ کی طرف سے ہے جس کا تاریخ اجراء ۶ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ کا ہے

۲۷- ڈاکٹر جمیل احمد: حرکۃ التالیف باللغۃ العربیۃ، ص۲۰/ ڈاکٹر محمد طاہر ملک مرحوم، مجلہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ ۲۰۰۱ء،
ص ۳۲

۲۸- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۶-

۲۹- ایضاً ص ۲۷

۳۰- ایضاً ص ۴۷

۳۱- ایضاً ص ۱۵۶

۳۲- ایضاً ص ۱۵۷

۳۳- ایضاً ص ۲۳۸

۳۴- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۰۰

۳۵- ایضاً ص ۳۰۱

۳۶- ایضاً ص ۳۰۲

۳۷- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۲۲

۳۸- ایضاً ص ۲۱۴

۳۹- ایضاً ص ۲۱۵

۴۰- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: اعیان وطن، ص ۶۵/ مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، شعبان ۱۴۲۰ھ/ نومبر ۲۰۰۰ء، ناشر، بساط ادب پاکستان، کراچی، ص ۱۰۱

۴۱- مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، ص ۱۰۱

۴۲- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: اعیان وطن، ص ۶۵

۴۳- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۵۱

۴۴- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۰۴/ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۰۵

۴۵- مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، ص ۱۹۷

۴۶- ایضاً ص ۱۹۸

۴۷- ایضاً ص ۱۹۹

۴۸- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۰۵/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۰۴/ مولوی حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، ص ۱۹۹

۴۹- ایضاً ص ۱۹۹

۵۰- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۶۷

۵۱- ایضاً ص ۱۶۸

۵۲- ایضاً ص ۲۰۴/ حکیم اسرار الحق: تاریخ اطبائے بہار، جلد دوم، ۱۹۸۴ء، پٹنہ، ص ۲۷۲

۵۳-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص۳۲/سید عبدالحیٔ بریلوی لکھنوی: نزہتہ الخواطر، جلد ۷، ص۴۰۳، دائرۂ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن (بھارت)/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۵۳

۵۴-ایضاً، ص۳۸۳

۵۵-ایضاً، ص۳۸۴/حکیم اسرارالحق: تاریخ اطبائے بہار، جلد اول، ۱۹۸۰ء، ص۱۴۶

۵۶-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص۳۶/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۶۴

۵۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۴۴/تذکرہ محمد عثمان، ص۴۲۹

۵۸-آغا عمادالدین: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ، ص۹۸

۵۹-ایضاً، ص۹۸

۶۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۴۴/تذکرہ محمد عثمان، ص۴۲۹

۶۱-آغا عمادالدین: وادیٔ بالان، ص۱۰۰

۶۲-منشی بہاری لال، تواریخ الفطرت معروف بہ آئینہ ترہت، مطبع بہار کشمیر، لکھنؤ ۱۸۸۳ء، ص۱۰۱ تا ۱۰۲

۶۳-ڈاکٹر عبدالسلام: عمومی لسانیات ایک تعارف، ۱۹۹۳ء، طابع لاریٹ پیکیجز، ص۱۷۳

۶۴-ماہنامہ ''رفیق''، پٹنہ علمائے بہار نمبر، جنوری/فروری ۱۹۸۱ء، ص۲۳/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۹

۶۵-ایضاً، ص۳۹

۶۶-ایضاً، ص۴۰/رفیق علمائے بہار نمبر، ص۲۳، ۱۹۸۱ء/سید عبدالحیٔ لکھنوی: نزہتہ الخواطر، جلد ۸، ص۴

۶۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۴۵

۶۸-ایضاً، ص۴۶

۶۹-الشمس ۵۱/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۴۶

۷۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۹۷/مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدُّرر المنثور فی تراجم اھلصادقفور، ص۳۶۷

۷۱-ایضاً، ص۳۶۷

۷۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۹۷

۷۳-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدُّرر المنثور فی تراجم اھلصادقفور، ص۳۶۷

۷۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۹۷

۷۵-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدُّرر المنثور فی تراجم اھلصادقفور، ص۳۶۸

۷۶-ایضاً، ص۱۴۱/تذکرہ بزم شاں، ص۱۲۲ /ابوالکلام قاسمی شمسی: علمائے بہار، جلد اول، ص۱۴۲

۷۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۵۶

باب سوم

(فصل اول)

علمائے بہار کی تبلیغی و دینی خدمات

۱۹۴۷ء سے قبل

باب سوم (فصل اول)

"علمائے بہار کی تبلیغی و دینی خدمات" (۱۹۴۷ء سے قبل)

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل دوم)

''علمائے بہار کی تدریسی خدمات''

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل سوم)

"علمائے بہار کی علمی وادبی خدمات"

صفحہ نمبر

باب سوم (فصل چہارم)

''علمائے بہار کی تصنیفی خدمات''

باب چہارم (فصل اول)

''عہد حاضر کے علمائے بہار اوران کی علمی ودینی خدمات''

باب پنجم (فصل اول)

''بہار کے معروف ادباء، شعراء وصوفیاء اوران کے دیوان''

صفحہ نمبر

معروف ادباء

معروف شعراء ۷۳۶

صفحہ نمبر

بہار کے صوفیائے کرام

باب پنجم (فصل دوم)

علمائے بہار کی دینی وتبلیغی خدمات

صوبۂ بہار کے مسلمان خالص مذہبی جذبات وخیال کے حامل ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف جب بھی انہیں آواز دی گئی تو نتائج کی فکر سے بالاتر ہوکر دوڑ پڑے۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک جہاد پر لبیک کہا اور جانی و مالی قربانی کی انمٹ مثال قائم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہراول دستے میں نظر آئے، ریشمی رومال کی تحریک ہو یا خلاف تحریک مسلمانان ہند کے شانہ بشانہ صف آراء ہوئے۔(۱)

تحریک امارت شرعیہ کی بنیاد صوبۂ بہار میں ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد قدس سرہٗ نے رکھی اور بہار میں اس کے پہلے امیر شریعت شاہ بدرالدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ہوئے۔ بہار میں آج تک امارت شرعیہ کامیابی سے چل رہا ہے۔(۲)

حضرت شاہ محمد بدرالدین قادری مجیبی پھلواریؒ:

تاریخ ولادت:

۲۷ جمادی الاخری، یوم یکشنبہ ۱۲۶۸ھ۔

درسیات اپنے والد مولانا شاہ شرف الدین اور اپنے پیرومرشد مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر قدس سرہما سے تمام کیں، دہم ربیع الاول ۱۲۸۳ھ میں حضرت نصر قدس سرہما کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ۲۳ ذیعقدہ ۱۲۹۰ھ میں تکمیل طریقہ کے بعد اپنے شیخ کی طرف سے جمیع سلاسل مجیبیہ وجنیدیہ کی اجازت وخلافت سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت نصر قدس سرہٗ نے اپنے مریدین ومسترشدین کی تعلیم وتلقین وتصحیح اذکار اور واردین وصادرین خانقاہ کی خدمت آپ کے سپرد کردی تھی۔ اس خدمت کو آپ برابر انجام دیتے رہے۔

شیوخ حدیث:

آپ کے شیوخ طریقۃ اور شیوخ حدیث کی تعداد بہت کثیر ہے۔ بخاری شریف کی سب سے پہلی

سند سماعت وقرأت کے بعد حضرت نصر قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی- پھر ۱۲۷۷ھ میں ''حصن حصین'' و دیگر کتب حدیث کی سند مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی بن مولانا محمد امام بن شیخ العالمین شاہ محمد نعمت اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ سے حاصل کی-

علاوہ ازیں ۱۳۰۴ھ میں سفر حج کے موقع پر حرمین شریفین کے مستند شیوخ سے فن حدیث، دلائل الخیرات، حذب الاعظم، حصن حصین، حذب البحر اور مختلف سلاسل صوفیہ کی سند دوسرے طریق سے حاصل فرمائی- ہر چند کے ان کی اجازتیں اور سندیں حضرت نصر قدس سرہٗ اور مولانا فضل اللہ قدس سرہٗ سے حاصل ہوچکی تھیں- حرمین شریفین میں جن بزرگوں سے سندیں و اجازتیں حاصل ہوئیں ان میں حضرت شیخ عبداللہ صالح سناری، سید محمد امین بن سید احمد بن رضوان، شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر مدنی ہیں اور دلائل الخیرات کی سند شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی، وسید محمد امین بن احمد بن رضوان، وسید محمد بن علی حریری، وسید محمد سعید بن سید محمد مغربی سے حاصل فرمائی-

حذب البحر کی اجازت حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صابری مہاجر مکی قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی پھر مراجعت وطن کے بعد بذریعہ مکاتبہ شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برادہ، و شیخ محمد فالح ظاہری، و شیخ عبدالحیٔ کتانی(۲) و شیخ سلیمان حسب اللہ و دیگر شیوخ حرمین و مصر و شام و بیروت نے اجازت و سند حدیث عطا فرمائی-

سلاسل طریقہ:

سند حدیث کی طرح سند صوفیہ بھی آپ کو مختلف شیوخ سے پہنچی ہے-

سلاسل جنیدیہ ومجیبیہ:

سب سے پہلی اجازت سجادہ جنیدیہ کی جانشینی کے وقت حضرت شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے ۱۲۸۹ھ

میں عنایت فرمائی، حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اور تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قدس سرہٗ تک سند اس طرح منتہی ہوتی ہے:

حضرت پیرو مرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہٗ کو اپنے عم محترم شاہ فضل اللہ قادری سے، ان کو اپنے والد مولانا شاہ محمد ہادی سے، ان کو اپنے والد مولانا شاہ احمدی سے، ان کو اپنے والد ملا وحید الحق ابدال سے، ان کو اپنے عم محترم شاہ محمد مخدوم سے، ان کو اپنے والد شاہ محمد امان اللہ سے، ان کو اپنے والد شاہ محمد امین سے، ان کو اپنے والد حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی سے۔

نسبت ثالثہ:

حضرت شاہ محمد مخدوم قدس سرہٗ کو حضرت صاحب النسبۃ الا دیستیہ مولانا سید شاہ محمد وارث رسولنما بنارسی قدس سرہٗ سے۔

نسبت ثالثہ:

ملا وحید الحق ابدال قدس سرہٗ کو حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ سے۔

سلاسل جنیدیہ و مجیبیہ کی دوسری اجازت ۱۲۹۰ھ میں آپ کے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر قدس سرہٗ نے بلا طلب وسفارش اپنی خوشی سے عنایت فرمائی۔

حضرت پیرو مرشد مولانا شاہ بدرالدین قدس سرہٗ کو اپنے پیرو مرشد حضرت نصر قدس سرہٗ سے، ان کو اپنے والد حضرت فرد اولیاء مولانا شاہ ابوالحسن فرد قدس سرہٗ سے، ان کو اپنے والد حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری سے، ان کو اپنے والد تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ سے۔(۲)

سلسلۂ قادریہ شمسیہ:

اس سلسلہ کی اجازت ۱۲۹۳ھ میں مولانا شاہ وصی احمد پھلواروی قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی۔ اس

سلسلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت پیر ومرشد قدس سرہٗ اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تک کل سات واسطے ہیں۔ اس سلسلہ کی اجازت حضرت شاہ شمس الدین ابوالفرح مجیبی قدس سرہٗ کو راجگیر کے پہاڑ پر شاہ شرف الدین حسن عرف شاہ یتیم اللہ قدس سرہٗ سے ملی تھی، یہ بہت معمر بزرگ تھے۔ حضرت غوث الثقلین کے پوتے حضرت شاہ معین الدین قادری قدس سرہٗ کی انہوں نے صحبت پائی تھی اور ان سے سلسلہ کی اجازت لی تھی، کئی سو برس تک زندہ رہے یہاں تک کہ تیرہویں صدی میں ان کی ملاقات حضرت شمس الدین ابوالفرح مجیبی قدس سرہٗ سے راجگیر کے پہاڑ پر ہوئی پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ سلسلہ اس طرح ہے:

حضرت پیر ومرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہٗ کو مولانا وصی احمد قادری سے، ان کو اپنے والد شاہ مصطفیٰ ابوالقاسم سے، ان کو اپنے والد شاہ شمس الدین ابوالفرح مجیبی سے، ان کو شاہ شرف الدین حسن معروف شاہ یتیم اللہ متوفی ۲۷ ذیعقدہ سے، ان کو شاہ معین الدین قادری سے، ان کو اپنے جد امجد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

قادریہ بدریہ:

اس سلسلہ کی اجازت مولوی محمد یحییٰ بن شاہ محمد ابوالحیوٰۃ قادری قدس سرہٗ سے ۱۳۱۲ھ میں حاصل فرمائی۔ یہ سلسلہ حضرت مخدوم بدر عالم قادری قمیصی شہباز پوری قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

مولانا شاہ محمد بدر الدین قدس سرہٗ کے وہ سلاسل جو شیوخ حرمین سے حاصل ہوئے:

پیر ومرشد قدس سرہٗ کو سلاسل مجیبیہ، جنیدیہ، بدریہ اور شمسیہ کے علاوہ اکثر سلاسل کی اجازت شیوخ حرمین سے پہنچی ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں جب آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور مناسک حج زیارت سے فارغ ہوئے تو شیوخ حرمین سے بھی شرف صحبت حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے علامہ شیخ نورالدین نہاری سے ملے،

یہ بزرگ مکہ معظمہ میں باب السلام پر کتب فروشی کرتے تھے، علامہ شیخ عبداللہ صالح سناری عدوی سائقی کے شاگرد تھے، ان سے حدیث مسلسل بالادلیۃ کی اجازت لی اور ان کے واسطہ سے ان کے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے مسلسل بالادلیۃ ودیگر کتب حدیث وصحاح ستہ کی سند حاصل کرنے کے بعد سسلہ شاذلیہ خالص اور سلسلہ قادریہ بواسطہ شیوخ شاذلیہ کی اجازت حاصل کی۔

قادریہ بواسطہ شیوخ شاذلیہ:

پیرومرشد کو علامہ شیخ عبداللہ صالح سناری سے، ان کو سید احمد بن ادریس سے، ان کو شیخ ابوالقاسم وزیر سے، ان کو شیخ علی بن عبداللہ سے، ان کو شیخ احمد بن یونس سے، ان کو شیخ احمد بن عقبہ حضرمی سے، ان کو شیخ یحییٰ قادری سے، ان کو شیخ ابوالعباس مرسی سے، ان کو شیخ ابوالحسن شاذلی سے، ان کو شیخ عبدالسلام بن میشش یا بشیش سے، ان کو شیخ عبدالرحمٰن مدنی سے، ان کو شیخ احمد منبہ (۵) سے، ان کو قطب الاقطاب ابومدین شعیب مغربی سے، ان کو حضرت غوث الثقلینؒ سے۔

نسبت ثانیہ:

اسی سلسلہ کی اجازت پیرومرشد قدس سرہٗ کو مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر محدث مدنی سے حاصل ہوئی، ان کو شیخ خلیل القادقجی اطرابلسی سے، ان کو شیخ عابد سندی سے، ان کو احمد بن ادریس سے، آخر نسبت تک جواوپر گزری۔

نسبت ثالثہ:

عابد سندی کو یوسف مزجاجی سے، ان کو علاؤ الدین محمد مزجاجی سے، ان کو یحییٰ بن عمر مقبول الاہدل سے، ان کو ابوبکر بن علی البطاح الاہدل سے، ان کو ان کے چچا یوسف بن محمد البطاح الاہدل سے، ان کو طاہر بن حسین الاہدل سے، ان کو حافظ عبدالرحمٰن الزبیح سے، ان کو شیخ زین الدین احمد بن احمد بن عبدلطیف اشرجی

سے، ان کو شیخ حسین بن احمد مکی حنفی سے، ان کو عفیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی سے، ان کو شیخ نجم الدین اصفہانی سے، ان کو شیخ ابوالعباس مرسی سے، ان کو شیخ ابوالحسن شاذلی سے، ان کو شیخ عبدالسلام مشیش سے، آخر نسبت تک جو مذکور ہوئی۔

نسبت رابعہ:

عابد سندی کو شیخ محمد صالح فلانی سے، ان کو سعید سفر سے، ان کو شیخ ابوطاہر کردی مدنی سے، ان کو اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے، ان کو شیخ صفی الدین احمد قشاشی سے، ان کو اپنے والد محمد بن یوسف ملقب بعبد النبی سے، ان کو شیخ بدر الدین عمر عادل سے، ان کو سید عبداللطیف سے، ان کو سید بدر الدین عالی سے، ان کو ابو العباس حریتی سے، ان کو علی بن جلیل المرصفی سے، ان کو محمد بن شعیب المغربی سے، ان کو سید محمد بن عبدالرائم سے، ان کو بدرالدین محمد طوسی سے، ان کو شیخ نورالدین عبدالصمد نطنزی سے، ان کو نجیب الدین علی بن بزغش الشیرازی سے، ان کو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے، ان کو ابونجیب عبدالقاہر سہروردی سے، ان کو حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

نسبت خامسہ:

صفی الدین احمد قشاشی کو امام ابوالمواہب احمد بن علی شنّوی سے، ان کو سید صبغت اللہ سے، ان کو شیخ وجیہ الدین گجراتی سے، ان کو سید محمد غوث گوالیری سے، ان کو حاجی حضور سے، ان کو شیخ ابوالفتح ہدیۃ اللہ سرمست سے، ان کو شیخ فیض اللہ محمد قاضن بن علاؤ الدین منیری بہاری شیطاری سے، ان کو شیخ عبدالوہاب بن عبدالرحم بن جمال الدین صدیقی سے، ان کو شیخ عبدالرؤف بن علی بن عمر الشاذلی (؟) الحسنی القادری سے، ان کو شیخ محمود قادری سے، ان کو شیخ عبدالغفار صدیقی سے، ان کو محمود قادری سے، ان کو شیخ علی حسینی سے، ان کو شیخ جعفر بن احمد الحسینی سے، ان کو شیخ ابراہیم حسینی سے، ان کو شیخ عبدالقادر سے، ان کو سید عبدالرزاق سے، ان کو غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

نسبت سادسہ:

صفی الدین احمد قشاشی کو اپنے والد شیخ محمد قشاشی مدنی سے، ان کو شیخ امین بن صدیق سے، ان کو شیخ سراج الدین عمر جبرئیل سے، ان کو عبدالقادر بن جنید مشرع سے، ان کو جنید بن احمد بن موسیٰ مشرع سے، ان کو احمد بن موسیٰ مشرع یمنی سے، ان کو اسماعیل بن صدیقی الیمنی الجبرتی سے، ان کو شیخ محمد مرجاجی سے، ان کو شیخ اسماعیل بن ابراہیم جبرتی یمنی سے، ان کو سراج الدین محمد سلامی سے، ان کو شیخ محی الدین احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن یوسف الاسدی سے، ان کو شیخ فخر الدین ابوبکر محمد بن علی بن نعیم سے، ان کو شیخ احمد بن محمد بن عبداللہ بن یوسف الاسدی سے، ان کو شیخ ابو محمد بن احمد بن عبداللہ الاسدی سے، ان کو شیخ عبداللہ بن قاسم بن دربہ سے، ان کو ابو محمد عبداللہ بن علی الاسدی ایمنی سے، ان کو حضرت غوث الثقلین رضی اللہ سے۔

نسبت سابعہ...... بواسطہ جلال الدین سیوطی وصاحب حصن حصین محمد جذری الشافعی وشیخ اکبر محی الدین بن عربی:

شیخ صفی الدین احمد قشاشی کو شیخ ابوالمواہب احمد بن علی الشناوی سے، ان کو شیخ علی بن عبدالقدوس سے، ان کو شیخ الامام عبدالوہاب شعرانی سے، ان کو حافظ ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی سے، انہوں نے مصر میں ۱۲ ربیع الاول ۹۱۱ھ میں شیخ کمال الدین محمد بن عبدالرحمٰن شافعی سے خرقہ پہنا اور اجازت لی، شیخ کمال الدین امام الکلیہ کی لقب سے مشہور تھے، انہوں نے شیخ محدث مشہور محمد بن محمد جذری الشافعی صاحب حصن حصین سے مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے سامنے شوال کے مہینے میں ۸۶۹ھ میں خرقہ پہنا اور اجازت لی، انہوں نے زین الدین ابوالحفص عمر بن الحسین بن یزید بن امیر المراغی سے خرقہ پہنا اور اجازت لی، انہوں نے شیخ امام محی الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد بن العربی حاتمی طائی اندلس سے بیت اللہ کے سامنے رکن یمانی کے قریب ۵۹۹ھ میں خرقہ پہنا اور اجازت لی، انہوں نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

نسبت ثامنہ:

شیخ ابو طاہر کردی المدنی کو شیخ عبداللہ بن سعد اللہ لاہوری سے، ان کو ایک معمر بزرگ سید عبدالشکور سے، ان کو سید منصور استقرائی سے، ان کو جعفر احمد حسینی سے، ان کو سید ابراہیم حسینی سے، ان کو سید عبداللہ الحسینی سے، ان کو سید عبدالرزاق سے، ان کو سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

نسبت دیگر:

(۱) ابو طاہر مدنی کو ابراہیم حسن کردی سے، ان کو صفی الدین احمد قشاشی (۷) سے، (۲) ابو طاہر مدنی کو عبداللہ سالم بصری سے، ان کو ابراہیم حسن کردی سے، (۳) ابو طاہر مدنی کو عبداللہ سالم بصری سے، ان کو عبداللہ بن سعد اللہ لاہوری سے، (۴) ابو طاہر مدنی کو احمد نخلی سے، ان کو تین شیوخ سے، ابراہیم حسن کردی، عبداللہ بن سعد اللہ لاہوری اور سید محمد بن سید عمر بن سید یحییٰ ردینی شافعی سے، ان کو صفی الدین احمد قشاشی سے، آخر نسبت جو مذکور ہوئی۔

نسبت تاسعہ:

ابو طاہر مدنی کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی جملہ تصانیف و احادیث وسلاسل کی اجازت عبداللہ لبیب سے پہنچی ہے، عبداللہ لبیب کو عبدالحکیم سیالکوٹی سے، ان کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے۔

سلسلۂ قادریہ...... بواسطہ حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن سید سلیمان جزولی، مصنف دلائل الخیرات:

مولانا شاہ محمد بدر الدین کو شیخ الدلائل سید محمد ابن بن معید احمد بن رضوان سے، ان کو شیخ یوسف بن عثمان خرتونی سے، ان کو شیخ فتح اللہ سمیدیسی سے، ان کو سید محمد بن محمد بن امیر کبیر سے، ان کو شیخ شہاب الدین جویری سے، ان کو قطب وقت مولی طیب سے، ان کو ان کے والد قطب وقت مولی عبداللہ الشریف سے

(قطبانیہ کے متولی ۲۲ برس تک رہے تھے)، ان کو قطب وقت سید علی الجوازی سے، ان کو قطب وقت عیسیٰ بن سید حسن مصباحی سے، ان کو قطب وقت سید محمد طالب سے، ان کو قطب وقت کبیر سید عبداللہ قزانی سے، ان کو قطب وقت سید عبدالعزیز تباع سے، ان کو قطب وقت سید محمد امغار دفین بلاد آموز سے، ان کو قطب وقت سید ابوعثمان سعید ہنتانی سے، ان کو قطب وقت سید عبدالرحمٰن رجراج سے، ان کو قطب وقت سید ابوالفضل ہندی سے، ان کو قطب وقت سید عنوس البدوی سے، ان کو قطب وقت قزانی سے، ان کو قطب وقت ابوعبداللہ المغربی سے، ان کو قطب وقت سید ابوالحسن شاذلی سے، ان کو قطب وقت سید عبدالسلام بن مشیش سے، ان کو قطب وقت عبدالرحمٰن سے، ان کو قطب وقت احمد منیہ سے، ان کو قطب وقت شیخ ابومدین شعیب الغربی سے، ان کو قطب الاقطاب غوث الاغواث سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے۔

سلسلۂ شاذلیہ:

اس سلسلہ کی اجازت پیر و مرشد قدس سرہ کو چھ شیوخ سے پہنچی ہے، شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر مدنی، شیخ عبداللہ صالح سناری مکی، شیخ نورالدین نہاری مکی، شیخ محمد صالح ظاہری مہنوی، سید امین بن احمد بن رضوان مدنی، شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برادہ۔(۸)

سلسلۂ خضریہ:

یہ سلسلہ حضرت خضر علیہ اسلام کی طرف منسوب ہے۔ بزرگوں کی سیرتوں میں ایسے واقعات بہت ملتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان سے فیوضات حاصل ہوئے۔

نسبت اولیٰ:

حضرت پیر و مرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہٗ کو اپنے شیخ الحدیث والطریقت عبداللہ صالح سناری سے، ان کو سید احمد بن ادریس شافعی سے، ان کو شیخ عبدالوہاب تازی سے، ان کو شیخ عبدالعزیز دباغ

سے، ان کو سیدنا ابو العباس خضر علیہ السلام سے، ان کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے- سید احمد بن ادریس شفاعی کو ان شیوخ کے بلاواسطہ بھی حضرت خضر علیہ السلام سے فیض پہنچا ہے-

نسبت ثانیہ:

حضرت پیرومرشد مولانا شاہ محمد بدر الدین قدس سرہٗ کو سید حبیب حسین بن محمد بن الحسین حبشی سے، ان کو شریف محمد بن ناصر حسنی سے، ان کو شیخ محمد بن علی العمرانی سے، ان کو شیخ احمد بن محمد قاطس سے، ان کو شیخ محمد بن طیب مغربی سے، ان کو سیدی یحییٰ بن عمر مقبول الاہدل سے، ان کو عبدالخالق بن زین الدین مزجاجی سے، ان کو شیخ حسن بن علی عجمی سے، ان کو شیخ احمد بن محمد العجل سے، ان کو قطب الدین محمد بن احمد ہزوالی سے، ان کو شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد التوبری مکی سے، ان کو ان کے نانا تقی الدین محمد بن محمد بن فہد المکی سے، ان کو شیخ شرف الدین عبدالرحیم بن عبدالکریم جرجی سے، ان کو شیخ علی بن مبارک شاہ امام الدین سے، ان کو شیخ ال سلام ابو المکارم رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی بیابانکی سے، ان کو ابو العباس خضرت علیہ السلام سے، ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے-

سلسلہ رتنیہٗ:

یہ سلسلہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو الرضاء رتن بن نصر ہندی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے- ان کا مزار علاقہ پنجاب میں بھنڈہ میں ہے- پیرومرشد کو اس سلسمہ کی اجازت بھی حضرت ابو المکارم رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی تک وہی شیوخ ہیں جن کا ذکر سسلۂ خضریہ میں ہوا ہے- رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی بیابانکی کو شیخ ابو الفتح موسیٰ بن محلی صوفی سے، ان کو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو الرضا رتن بن نصر ہندی سے، ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے-(۹)

سلسلہ نقشبندیہ:

پیرومرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہٗ کواس سلسلہ کی اجازت اپنے شیخ حضرت نصر قدس سرہٗ اور اپنے خاندان کے دوسرے شیوخ کے علاوہ شیوخ حرمین کے واسطہ سے بھی پہنچی ہے۔(۱۰)

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ:

پیرومرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہٗ کواپنے شیخ سید محمد امین بن سید احمد بن سید رضوان مدنی سے، ان کوسید عبدالغنی نقشبندی سے، ان کواپنے والد ابوسعید نقشبندی سے، ان کوسید غلام علی عبداللہ دہلوی سے، ان کومیرزا مظہر جانجاناں شہید دہلوی سے، ان کوشیخ نور محمد بدایونی سے، ان کوشیخ سیف الدین سے، ان کوشیخ محمد معصوم سے، ان کواپنے والد مجدد الف ثانی سے، ان کوشیخ محمد زاہد سے، ان کوخواجہ عبیداللہ احرار سے، ان کو یعقوب چرخی سے، ان کوخواجہ بہاؤ الدین نقشبند سے، ان کوامیر سید کُلال سے، ان کوخواجہ محی الدین بابا سماسی سے، ان کوخواجہ علی رامیتنی سے، ان کوخواجہ عزیزان رامیتنی سے، ان کومحمود الخیر فغنونی سے، ان کوخواجہ عارف یوگری سے، ان کوخواجہ عبدالخالق غجدوانی سے، ان کوخواجہ یوسف ہمدانی سے، ان کوشیخ ابوعلی فارمدی سے، ان کو ابوالقاسم گرگانی سے، ان کوخواجہ ابوالحسن خرقانی سے، ان کوخواجہ ابویزید بسطامی سے، ان کوامام جعفر صادق سے، ان کوامام محمد قاسم سے، ان کوحضرت سلمان فارسی سے، ان کوامیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے، ان کوحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ:

اس سلسلہ کی اجازت مکہ معظمہ میں شیخ الحرم عارف باللہ الحاج شاہ امداداللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی۔(۱۱)

سلسلۂ احمدیہ بدویہ:

یہ سلسلہ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر مدنی سے حاصل ہوا۔(۲)

عیدروسیہ:

پیرومرشد قدس سرۂ کو اس سلسلہ کی اجازت شیخ عبدالرحمٰن ابوخضیر مدنی، شیخ عبدالحیؒ کتانی، سید امین بن محمد بن رضوان سے پہنچی ہے۔(۱۳)

قشیریہ:

اس سلسلہ کی اجازت پیرومرشد کو اپنے شیوخ حدیث کی اجازت عامہ کے تحت میں، جوانہوں نے اپنے اثبات شیوخ اور مسلسلات حدیث کی دی ہے، پہنچی ہے، ان کو تمام شیوخ کے جملہ سلاسل و روایات حدیث کو اگر تفصیلی طریقہ پر لکھا جائے تو ایک ضخیم کتب سلاسل کی اور ایک ضخیم کتاب رواۃ حدیث کی مرتب ہوسکتی ہے۔(۱۴)

مدنیہ مغربیہ:

اس سلسلہ کی اجازت جملہ شیوخ حدیث کی اجازت عامہ کے تحت میں پیرومرشد قدس سرۂ کو پہنچی ہے۔(۱۵)

فقہی تحقیقات:

مولانا کو فقہی تحقیقات، ارباب علم و افتاء کے لئے بصیرت افروز ہوتی تھیں، ان تحقیقات میں اسباب وعلل کی مجتہدانہ بحث اور اسرار و مناظر کے تجزیہ سے فکر ونظر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں اور سنت نبویؐ کی حقیقی معنویت، منفرد فقیہانہ لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں علمائے ہند اس کے روادار نہ تھے کہ خطبۂ جمعہ کی ضروری باتوں کا ترجمہ

اثنائے خطبہ میں پڑھ دیا جائے، وہ عربی خطبہ میں کسی غیر زبان کی آمیزش گناہ اور عمل سلف کے خلاف سمجھتے تھے۔

آپ نے ۱۹۲۱ء میں سب سے پہلے اس مسئلہ پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی اور ایک مدلل و مبسوط مقالے میں زیر بحث مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا استقصار کر کے اپنی تحقیق پیش کی، اگر چہ یہ رائے عام علماء کے مسلک کے خلاف تھی مگر اس کے اظہار میں آپ کو بالکل تامل نہ ہوا، اپنی تحقیق کی صحت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔(۱۶)

سجادہ جنیدیہ:

پیر و مرشد قدس سرہٗ کے دادا مولانا ہادی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے (۷) صاحبزادے مولوی شاہ فضل احمدی قدس سرہٗ جانشین کیے گئے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائیوں کی حیات ہی میں انتقال فرمایا۔ ان کو اولاد مذکور بھی نہ تھی اس لیے ان کے بڑے بھائی شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ جانشین کیے گئے لیکن آپ کا قیام زیادہ تر وطن سے باہر رہتا تھا اس لیے حضرت نصر قدس سرہٗ کو خانقاہ جنیدیہ کی تنہائی پسند نہ آئی۔ آپ نے شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ سے فرمایا ''شرف الدین بھائی صاحب کو پھلواری میں جانشین کر دیجئے تا کہ سجادہ جنیدیہ کی مرکزیت قائم رہے۔'' چنانچہ شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ میں اپنے منجھلے بھائی مولانا شاہ شرف الدین قدس سرہٗ کو سجادہ جنیدیہ پر جانشین کر دیا۔ عجب اتفاق کہ شاہ شرف الدین قدس سرہٗ نے بھی اپنے بڑے بھائی شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ کی موجودگی میں ۳ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ میں رحلت فرمائی۔ اب شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ کو دوبارہ سجادہ جنیدیہ کی خدمت اپنے ذمہ لینا پڑی۔ شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے حضرت نصر قدس سرہٗ کے مشورہ سے اپنے بھتیجے یعنی مولانا شاہ محمد بدر الدین قدس سرہٗ کو ان کے والد مولانا شاہ شرف الدین قدس سرہٗ کے فاتحۂ چہارم کے الباس خرقہ کر کے سجادہ جنیدیہ پر جانشین کر دیا اور اسی وقت سند و

اجازت لکھ کر عنایت فرمادی - الباس خرقہ کے وقت تبرکات خود حضرت نصر قدس سرہٗ نے اپنے دست مبارک سے پہنائے تھے (۱۸) ہفتم ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ میں آپ سجادہ مجیبیہ پر جانشین ہوئے اور ۳۳ برس تک سجادہ نشین رہے - آپ کے عہد میمنت میں اکثر و بیشتر مفید کام انجام پائے - علمی و عرفانی خدمات کے علاوہ بہتیری تعمیری خدمات بھی سرانجام پائیں -

خانقاہ مجیبیہ کا قدیم سماع خانہ سنگی ستون پر پختہ بنایا گیا، مقبرہ مجیبیہ کی بلند و مکمل چہار دیوار ۱۳۳۳ھ میں بنائی گئی، اس کے ساتھ ہی مقبرۂ جنیدیہ کی چہار دیواری بھی کھنچوائی گئی -

مسجد مجیبیہ بہت تنگ تھی، گرمیوں میں معتکفین کو سخت تکلیف ہوتی تھی اس لئے آپ نے اس مسجد میں تھوڑی اراضی کا اضافہ کر کے اس کو وسیع کر دیا - خانقاہ کے اندرونی و بیرونی مہمان خانے جو قدامت کی وجہ سے کہنہ و شکستہ ہو رہے تھے، از سر نو تعمیر کئے گئے -

بنارس میں حضرت مولانا رسولنما قدس کے آستانہ کے اردگرد زمین خرید کر خانقاہ تعمیر کرائی جس میں اب مجلس سماع منعقد ہوتی ہے -

سلسلۂ مجیبیہ آپ کے واسطہ سے شام و عراق، عرب و حبش و افغانستان تک پہنچا - غزنین کے سینکڑوں باشندے آپ کے مرید تھے - آپ کے زمانہ میں خانقاہ مجیبیہ کو غیر معمولی ترقی ہوئی - حاجتمندوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا اور ہر شخص کی حاجت آری فرماتے تھے -

خطاب شمس العلماء اور اس کی واپسی :

۱۹۱۵ء میں حکومت برطانیہ کی جانب سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عنایت ہوا (۱۹) جس وقت آپ کو یہ خطاب ملا اس وقت آپ نے اس خطاب کو واپس کر دینے کا ارادہ کیا لیکن بعض مخلصین، جن کا حکومت میں بہت رسوخ تھا، نے اس ارادہ سے آپ کو روکا، بالآخر یکم اگست ۱۹۲۱ء میں اس کو واپس کر دیا - (۲۰)

امیر شریعت:

اس دنیاوی اعزاز کی واپسی کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خدائے تعالیٰ نے قوم وملت کی طرف سے آپ کو امیر شریعت کا خطاب عطا فرمایا-تحریک ترک موالات کے زمانہ میں علمائے صوبۂ و بہار واڑیسہ نے امارت شرعیہ کے قیام(۲۱) کی ضرورت محسوس کی اور اس غرض سے ایک جلسہ ۱۹ شوال ۱۳۲۹ھ میں بمقام پٹنہ محلّہ سنگی مسجد میں منعقد ہوا اور اتفاق رائے تمام علمائے کرام نے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا اور کل حاضرین نے سمع وطاعت کی بیعت کی-(۲۲)

مجلس میں ہر مسلک وخیال کے علماء شریک تھے، بحث وکلام کے بعد تمام لوگوں نے بالاتفاق حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلواریؒ کو امیر شریعت اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کو نائب امیر شریعت منتخب کیا-(۲۳)''امارت شرعیہ'' کے باضابطہ قیام اور امیر شریعت کے انتخاب کے بعد مسلمانان بہار واڑیسہ میں اسلامی زندگی کی لہر دوڑ گئی جس نے ان کی ملی اور اجتماعی روح کو بیدا کر دیا اور امیر شریعت کی نگرانی میں بیت المال، دارالقضاء، دارالافتاوہ، تحفظ مسلمین، تبلیغ اسلام اور دوسرے دینی شعبے اور محکمے باضابطہ وجود میں آ گئے اور کام کرنے لگے-(۲۴)

حق مزدور خدمت:

آپ جب بھی کسی سے کوئی خدمت لیتے تو اس کے معیار سے زیادہ اس کی اجرت مرحمت فرماتے-

حاجت مندوں کی پوشیدہ امداد:

حاجت مندوں اور سائلوں کا سوال کبھی رد نہ فرماتے، خود تو اسباب معاش سے بے نیاز، خالص متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے مگر آپ کے آستانہ پر سائلوں کا ہجوم ہوتا تھا اور آپ برابر ان کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے-آپ کے خوان کرم سے بے شمار یتیموں اور ناداروں کی پرورش ہوتی تھی، اہل قرابت اور

غیر اہل قرابت، متوسلین اور غیر متوسلین میں بے شمار غرباء اور مساکین ایسے تھے جن کی آپ مالی امداد و اعانت اس طرح فرماتے کہ اعزہ اور خدام خاص میں سے کسی کو علم نہ ہوتا، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اس فیاضی کا اعتراف متعدد حضرات نے کیا-

عسر میں خندہ جبینی:

عسر و یسر دونوں حالتوں میں آپ کے معمولات، عبادات و ریاضات، مشاغل و اوراد اور خلق ظاہر و باطن میں کبھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، فیاضانہ وضع داری ہمیشہ قائم رہی- (۲۵)

غیبت سے نفرت:

آپ کبھی کسی کے پس پشت اس کو برا نہ کہتے اور کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرے-

صدق و امانت:

راست گفتاری اور امانت آپ کی طبیعت میں تھی، آپ کبھی کذب و خیانت کے قریب بھی نہ گئے، عہد طفولیت سے صادق و امین تھے- (۲۶)

تصانیف:

کسی موضوع پر کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے مگر موضوعات علمیہ، تصوف و فقہ و دیگر مسائل جزئیہ فقہیہ و حدیثیہ و سیاسیہ کے متعلق کبھی کسی سائل کے جواب میں کوئی مقالہ سپرد قلم کیا گیا تو وسعت تحقیقات عقلیہ و نقلیہ کی وجہ سے ہر ایک جواب مستقل رسالہ کی صورت میں مدون ہو گیا- کاتب الحروف نے ان تمام اجوبہ کو جمع کر کے اس کا نام ''لمعات بدریہ'' رکھا- اس مجموعہ کے تقریباً بارہ سو صفحات ہوں گے- یہ مکاتیب کئی جلدوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں- از انجملہ ایک حصہ ''آثار الرسول'' کے نام سے موسوم ہے اس میں تمام آثارات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب حدیث سے ملتقط کر کے جمع کئے گئے ہیں، یہ رسالہ طبع ہوگیا تھا مگر اب اس کی مطبوعہ جلدیں باقی نہیں ہیں۔

دوسرا حصہ ''المکاتیب النادرہ فیما یتعلق بالمسائل الحاضرہ'' ترک موالات ودیگر سیاسی مضامین کا مجموعہ ہے، طبع ہو چکا ہے۔

تیسرا حصہ ''مسئلہ گاؤ کشی وقربانی'' مطبوعہ ہے۔

چوتھا حصہ ''اجوبہ اسئلہ، مشکلہ'' مطبوعہ ہے، اس پر صوبۂ بہار کے مستند علماء وصوفیاء کے دستخط ہیں۔

پانچواں حصہ ''اجوبہ اسئلہ خمسہ'' غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ ''لمعات بدریہ'' کا بقیہ حصہ جس میں تحقیقات عملیہ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اب تک غیر مطبوعہ ہے۔

''بیان المعانی'' تفسیر اردو نا تمام۔ ''تذکرۂ انساب خاندان امیر عطاء اللہ'' قلمی غیر مطبوعہ، ''رد اعتراض عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب'' مصنف عمدۃ المطالب نے غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نسب سیادت پر ایک رکیک شبہ کیا تھ، آپ نے اس کا مدلل جواب لکھا مگر نا تمام ہے، آخری کچھ جزد باقی رہ گیا ہے۔''رسالۂ طاعون'' اس میں طاعون کی مذہبی حقیقت اور اس سے بچنے کی دعائیں مرقوم ہیں۔''الوسیلہ'' نام ہی موضوع کا پتہ دے رہا ہے، مگر اب جلدیں نایاب ہیں۔''رویت ہلال'' اختلاف مطالعہ پر نہایت مدلل بحث کی گئی ہے، مطبوعہ ہے مگر نایاب۔(۲۷)

اولاد:

آپ کے چار صاحبزادے تھے جن میں مولانا شاہ محی الدین اور شاہ قمر الدین وفات پا چکے ہیں اور مولانا شاہ نظام الدین اور شاہ شہاب الدین اس وقت موجود ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بڑے صاحبزادے

مولانا شاہ محی الدینؒ خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ شاہ امان اللہ ان کے جانشین ہیں۔(۲۸)

وفات:

کامل ۳۳ سال سریر آرائے سجادہ رہنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۱۶ صفر ۱۳۴۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور مقبرۂ مجیبیہ میں اپنے پیر و مرشد سے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے مزار مبارک پر ایک خوشنما بارہ دری ۱۳۴۹ھ میں تعمیر کی گئی۔(۲۹)

حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد محی الدین قادری امیر شریعت ثانی صوبۂ بہار قدس سرہٗ:

تاریخ ولادت:

۳۰ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ۔ فن تجوید اور ابتدائی درسیات والد ماجد سے پڑھیں اور فارسی مولوی محمد کامل صاحب پھلواروی سے، بقیہ درسیات مولانا عارف پھلواروی علیہ الرحمۃ اور مولانا محمد عبداللہ نقشبندی رامپوری سے پڑھیں اور فارغ التحصیل مولانا عبدالرحمٰن ناصر گنجی (تلمیذ ارشد مولانا عبدالعزیز امروہوی سے ہوا)، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ، بعد نماز ظہر فاتح فراغ ہوا، جس میں دستار فضیلت باندھی گئی، مولانا عبداللہ رامپوری، مولانا منیر الدین الہ آبادی، مولانا عبدالوہاب الہ آبادی، مولانا عبدالحمید عظیم آبادی، مولانا شاہ صفت اللہ پھلواروی، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے شرکت کی اور سند پر دستخط فرمایا۔

سند حدیث وسلسلۂ طریقت:

اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد بدر الدین قدس سرہٗ اور اپنے استاد درس مولانا عبدالرحمن ناصری گنج سے، ان کی جمیع مرویات حدیث کی سند لی اور حضرت شیخ احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے اسانید حدیث

حاصل کیے- بہت سے علماء حرمین شریفین نے بھی آپ کو سند حدیث عنایت فرمائی جن میں سے بعض نے بطریق مکاتبہ عنایت فرمائی- اپنے والد ماجد کے بعض شیوخ سے بھی آپ کو حدیث کی سند ملی ہے-

بیعت آپ نے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد بدر الدین قدس سرہٗ سے کی اور ایک طویل عرصہ تک مشق سلوک اور تکمیل طریقت میں مصروف رہے- باطنی تکمیل کے بعد ۱۳۲۸ھ میں پیر و مرشد نے آپ کو تلقین صوفیاء کی سند دی اور اپنے تمام سلاسل کا مجاز مطلق بنایا-(۳۰)

جانشینی:

۱۹ صفر ۱۳۴۳ھ، جمعہ کو حضرت پیر و مرشد قدس سرہٗ کے فاتحہ چہارم کے دن آپ جانشین کیے گئے اور سجادۂ مجیبیہ و جنیدیہ کی زینت بنے-(۳۱)

امیر شریعت:

سجادگی بعد ہمہ تن ریاضت و مجاہدات کی طرف متوجہ ہو گئے- ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء کو آپ بالاتفاق امیر شریعت صوبۂ بہار اڑیسہ منتخب ہوئے-(۳۲) چار ہزار افراد نے اس وقت سمع و طاعت کی بیعت کی-

علم طب:

ہنگام تعلیم ہی میں آپ نے مولوی حکیم محمد وارث حسنین منیری علیہ الرحمۃ سے علم طب کی تکمیل کی اور جناب ممدوح کے ساتھ مطب میں بیٹھے اور نسخہ نویسی کے فن میں بھی مشق بہم پہنچائی لیکن دینی و قومی مشغولیت کی وجہ سے باقاعدہ مطب کرنے کا موقع نہ مل سکا-

خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین کی حیثیت سے آپ مسلمانان ہند کے مذہبی و روحانی مقتدا تھے اور امیر شریعت کی حیثیت سے مسلمانان بہار کی دینی و دنیاوی تنظیم کے ذمہ دار- چنانچہ ۲۳ سال تک مسند سجادگی سے

تصوف وطریقت کی (۴۳) اشاعت کرتے رہے اور منصب امیر شریعت سے قوم وملت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کی شخصیت فقر وعرفان اور ریاضت ومجاہدات میں اس دور میں بے مثال تھی۔

تصانیف:

آپ نے عربی میں نہایت بلیغ وفصیح چار خطبے لکھے ہیں۔

تعمیرات:

آپ کے عہد میں خانقاہ میں تعمیری کام بھی ہوئے۔ خانقاہ کی بعض تعمیرات تو از سرنو ہوئیں اور بعض وہ کام، جو پیرو مرشد قدس سرہٗ کے وقت ناتمام رہ گئے تھے، ان کو آپ نے مکمل فرمایا۔ ۱۳۵۲ھ میں مسجد جنیدیہ سنگ بنیاد سے مکمل نئی بنوادی۔

۱۹۳۴ء کے زلزلہ سے خانقاہ کی عمارتوں کو شدید صدمہ پہنچی چنانچہ موئے مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گنبد بھی ہر چہار طرف سے شق ہوگیا، جس کو آپ نے بہت مستعدی سے جلد سے جلد از سرنو تعمیر کرایا۔

مقبرۂ جنیدیہ، جس میں آپ کے خاندان کے اکابر مدفون ہیں، ان کے مزارات شکستہ ہوگئے تھے، ان کی مرمت کروا کرا کثر مزارات پر کتبے لگادیے گئے۔

مسجد جنیدی سے متصل آپ کا آبائی مکان بھی ہے جس کو آپ نے اور آپ کے بھائیوں نے اپنے چھوٹے بھائی حافظ شہاب الدین سلمہٗ کو بذریعہ رجسٹری ہبہ کر دیا ہے اور وہ مع اہل وعیال اسی مکان میں مقیم ہیں۔

مسجد سے متصل جو مکانات ہیں، اس میں اعراس کے زمانہ میں مہمان فروکش ہوتے ہیں۔ مسجد جنیدیہ کی موجودہ تعمیر ۱۳۵۲ھ میں ہوئی اور ۱۳۵۵ھ میں مکانات متعلقہ مدرسہ ومسجد تعمیر کئے گئے۔ تعمیر جدید کی بنیاد ۱۳۴۵ھ میں رکھی گئی۔ (۴۴)

وفات:

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء بروز سہ شنبہ آپ کا انتقال ہوا اور خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۳۵)

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:

سید عطاء اللہ شاہ بخاری، جو بعد میں امیر شریعت، معجز بیان خطیب اور امیر احرار کے القاب سے مشہور و معروف ہوئے، ۳۰ ستمبر ۱۸۹۱ء کو پٹنہ، صوبۂ بہار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ننھیال کی طرف سے سید شرف الدین احمد اور ددھیال کی طرف سید عطاء اللہ رکھا گیا۔

آپ کا سلسلۂ نسب ۳۶ ویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے نانا سے حاصل کی اور قرآن کریم بھی ان ہی سے حفظ کیا، قرأت قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی۔ پٹنہ (بہار) سے پنجاب منتقل ہوئے تو راجووال میں قاضی عطا محمد کے مدرسے میں پڑھتے رہے۔

۱۹۱۴ء میں امرتسر آ گئے اور وہاں نور احمد امرتسری سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے اور حدیث کی تعلیم مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے حاصل کی۔ روحانی تربیت کے لئے پیر سید مہر علی شاہ گولڑوشریف کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا تو ہندوستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اسی غم و غصہ کا نتیجہ جلیانوالہ باغ کے حادثے کی شکل میں رونما ہوا، ان حالات نے علامہ بخاری کو سیاست میں لا کھڑا کیا۔ جب برصغیر پاک و ہند میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو آپ بھی اس تحریک سے وابستہ ہو گئے اور

اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔تحریک عدم تعاون نے جب شدت اختیار کی تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے برصغیر کے کونے کونے میں اپنی سحر انگیز خطابت کے موتی بکھیر دیئے۔ یہ آپ ہی کی خطابت کا کمال تھا کہ انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو رلا دیتے تھے۔ حاضر جوابی، برجستہ گوئی اور اشعار و لطائف کا ایسا برمحل استعمال کرتے کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاید یہ اسی موقع کے لئے کہے گئے تھے۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ساری زندگی انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند رکھا۔ ۱۹۲۹ء میں ''مجلس احرار اسلام'' کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی اور کئی سال تک اس کے صدر رہے۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدین، لاہور کے زیر اہتمام ایک جلسے میں علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے ان کو ''امیر شریعت'' کا خطاب دیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور پھر پانچ سو کے قریب علماء نے آپ کی بیعت کی۔ قیام پاکستان کے بعد امیر شریعت ملتان میں مقیم ہوئے تھے۔آپ نے مسلمانوں کے استحکام و استقلال کے لئے جو کارنامے انجام دیئے اس سے شاید ہی کوئی اہل قلم و اہل نظر لاعلم ہو۔

۱۹۹۲ء کے وسط میں جب سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ اپنے پیر و مرشد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے ملنے گئے تو پیر و مرشد کافی متفکر نظر آئے۔ امیر شریعت نے وجہ دریافت کی تو حضرت نے فرمایا ''بخاری! مرزائیت کافی فروغ حاصل کر رہی ہے اس لئے طبیعت پریشان ہے۔'' پھر حضرت نے امیر شریعت کی اس طرف توجہ دلائی۔ ان حالات میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے لئے خود اور اپنے نمائندوں کے ذریعے دیگر مسلمان علماء اور رہنماؤں سے مشورہ کیا اور پھر آپ کی انتھک محنت و جدوجہد سے تھوڑے دنوں کے بعد ایک عوامی تحریک عمل میں آ گئی۔ اس تحریک میں ملک کی تمام مذہبی و سیاسی جماعتیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہمنوا ہوگئیں۔ امیر شریعت اکثر کہا کرتے تھے کہ ''دنیا میں جس ایک چیز سے محبت کرتا ہوں، وہ ہے قرآن، مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔'' ان کی کسی ایسی تقریر کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا جو کہ قرآن

مجید کی تلاوت کے بغیر ختم ہوئی ہو- ایک دفعہ عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا ''میں تو قرآن کا مبلغ ہوں، میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن مجید کی وجہ سے ہے، جو چیز مجھے قرآن سے الگ کرے میں اسے آگ لگادوں گا-'' بہت سے ہندو، سکھ اور عیسائی آپ کے جلسے میں صرف قرآن سننے کے لئے آتے اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے واپس جاتے تھے-

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایک اچھے شاعر بھی تھے اور ندیؔم تخلص کرتے تھے- آپ کا مجموعۂ کلام ''سواطع الالہام'' کے نام سے شائع ہوا تھا- ان کا یہ شعری مجموعہ آج بھی اہل علم وفکر کو دعوت عمل دیتا ہے- وفات سے تین سال قبل امیر شریعت فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے- سابق صدر مملکت محمد ایوب خان کو جب آپ کی بیماری کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے علاج کے لئے حکومت کی خدمات پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر شاہ صاحب منظور کریں تو ان کی خدمت میں ماہانہ بھی پیش کیا جائے مگر امیر شریعت نے اپنی عادت کے مطابق حکومت کی طرف سے نقدی وصول کرنے سے انکار کر دیا- تین سال تک فالج میں مبتلا رہنے کے بعد مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۱ اور ۲۲ اگست ۱۹۶۱ء کی درمیانی شب ملتان میں وفات پائی- آپ کی نماز جنازہ مولانا سید ابوذر حسن بخاری نے پڑھائی، جس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی-(۳۶) شاہ جی کے مداحوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ہر طبقۂ زندگی سے متعلق ہیں اور برملا شاہ جی کی تعریف وتوصیف کرتے تھے- ان کا احاطہ ممکن تو نہیں تاہم شاہ جی اور ان کی خطابت کے بارے میں بعض حضرات کی رائے درج ذیل ہے، جس سے شاہ جی کے اصلی جوہر کا اندازہ ہوتا ہے-

ڈاکٹر اقبال...... ''شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں-'' (۳۷)

مولانا محمد علی جوہر...... ''مقرر نہیں ساحر ہیں-''

مولانا شوکت علی...... ''وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں-''

مولانا ابوالکلام آزاد...... ''ملک وقوم کا ہر گوشہ ان کا شکر گزار ہے۔''

خواجہ حسن نظامی...... ''انہیں دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خان...... ''بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں۔''

مولانا اشرف علی تھانوی...... ''ان کی باتیں عطا الٰہی ہوتی ہیں۔''

مولانا حسین احمد مدنی...... ''ان کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے۔'' (۳۸)

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی...... ''شاہ جی نے انگریزوں کے خلاف اتنا جہاد کیا ہے کہ کئی انسانوں کا مجموعہ بھی یہ نہیں کرسکتا۔'' (۳۹)

حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواری:

حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواری اپنے عہد میں ایک امتیازی حیثیت اور غیر معمولی جامعیت کے قدسی نفس بزرگ تھے۔ شریعت اور طریقت دونوں کے امام، اسلامی سیاست کے مقتدر رہنما، سحر البیان خطیب، بذلہ سنج ادیب، مجسمہ علم وعمل، ساری عمر اسلامی سیاست سے گہری دلچسپی لیتے رہنے کے باوجود تمام پارٹیوں اور جماعتوں کے یکساں معتمد علیہ رہے۔ ان کی شخصیت مسلمانان برعظیم کے لئے دینی پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی ساری زندگی ملک وملت کی خدمت وتعمیر میں بسر ہوئی۔ پچپن ساٹھ سال تک برعظیم کا گوشہ گوشہ ان کے دلگداز وعظ سے گونجتا رہا۔ ان کی زندگی ۱۸۵۷ء تک کے سارے مد وجزر، ساری قومی وملی جدوجہد، جملہ مسائل ومہمات اور مراحل ومقامات کی مستقل تاریخ ہے۔

۱۸۵۷ء انقلاب مسلمانان برعظیم کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ (۴۰) اسی دور میں جب قتل و غارتگری عام تھی، حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اسی عہد انقلاب میں پیدا ہوئے۔ یہ اس دادا کے پوتے تھے جو مجاہد اعظم نواب میر قاسم بنگالہ کا معتمد علیہ تھا، اس باپ کے بیٹے تھے جو سید احمد اللہ شاہ مدراسی کے

رفقاء میں سے تھا، اس گھرانے کے فرزند تھے جس کا مقصد حیات ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ رہا ہے- مولانا حکیم شاہ محمد محبوب عالم قادری ان کے دادا تھے اور مولانا حکیم شاہ محمد داؤد ان کے والد، جو فیض آباد میں طبیب شاہی تھے- ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کو جب سید احمد اللہ شاہ مدراسی دھوکے سے شہید کر دیئے گئے اور اکثر مجاہدین، جیسے ڈاکٹر وزیر خان، سید رحمت اللہ اور حضرت حاجی امداد اللہ چھپ چھپا کر راجپوتانہ کے راستے بمبئی سے حجاز چلے گئے، تو یہ بھی روپوش ہو گئے اور پھر اسی روپوشی کے عالم میں گورکھپور ہوتے ہوئے پھلواری پہنچے جہاں باون سال کی عمر میں انتقال ہوا-

پھلواری عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک بستی ہے جس کی خاک سے ہر دور میں علماء و مشائخ اور شعراء پیدا ہوتے رہتے ہیں- حضرت قبلہ کا گھرانہ اسی پھلواری کا ممتاز اہل علم صوفی گھرانہ تھا- انہوں نے اسی سرزمین میں آنکھ کھولی تھی، قمری حساب سے پیدائش کا مہینہ بھی محرم تھا، وہ دسویں تاریخ دن گزار کر شب کو پیدا ہوئے تھے- انہوں نے جس زمانے اور جس فضا میں پہلی سانس لی، جس گھرانے میں پیدا ہوئے اور جن روایات و ماحول میں پرورش پائی اس کا تقاضا اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ ان کی زندگی اسلام کے لئے اور ملک و ملت کی سربلندی کے لئے وقف ہو جائے- جہاد قومی کی لگن ان کو ورثے میں ملی تھی- (۴)

برعظیم کے قدیم علمی گھرانوں اور ممتاز مشائخ و صوفیہ کے خاندانوں سے پہلی آواز جو سرسید کی تعلیمی تحریک و تنظیم کی حمایت میں بلند ہوئی، وہ حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی آواز تھی- ہندو قوم ۱۸۱۶ء ہی سے اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کر رہی تھی، اس کے علاوہ حضرت قبلہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد علماء و مشائخ پر اور رؤسا پر، جو ایک جمود طاری ہو گیا تھا، اس کو توڑا جائے- ان مسائل پر ان کے مضامین اودھ اخبار لکھنؤ وغیرہ میں طالب علمی کے زمانے ہی سے چھپا کرتے تھے- حضرت قبلہ عمر میں سرسید سے چھوٹے تھے مگر سرسید کے دل میں ان کا بڑا احترام تھا- وہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے- سرسید نے اپنے رسالہ تہذیب

الاخلاق میں ان کا تذکرہ بڑے اہتمام سے کیا ہے۔(۴۲) اجازت وخلافت انہیں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی حاصل تھی نیز تصوف کے وہ تمام سلسلے جو برعظیم میں اور برعظیم سے باہر رائج ہیں، انہوں نے اکابر شیوخ سے حاصل کئے تھے۔ اس طرح وہ علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں لحاظ سے جامعیت کے مالک تھے۔

یہ علم وعمل عالم بے مثال: بہ صدق وصفا فردے اشتباہ۔

سحر البیان خطیب: وہ اپنی بے مثال خطابت اور روح پرور وعظ وپند کے اعتبار سے سارے برعظیم میں یگانۂ عصر تھے۔ ان کی سحر البیانی ضرب المثل بن گئی تھی۔(۴۳)

ندوۃ العلماء: یہی وہ تذکیر تھی جس نے ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، یہی وہ تلقین امداد اللٰہی تھی جس نے مجلس ندوہ کا روپ اختیار کیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی کے خلیفہ وعجاز مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا شاہ محمد علی مونگیری نے سر جوڑا اور پھر اپنے ہم مشرب مولانا محمد احسن کانپوری شارح مثنوی مولانا روم سے سرگوشیاں کیں۔(۴۴) تینوں کا گڑھ کانپور تھا اور مدرسۂ فیض عام کانپور ان کا اپنا ہی مدرسہ تھا اور ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں مجلس ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ہوا۔ مجلس ندوۃ ایک مستقل تحریک تھی اور گہری تحریک تھی، فکرونگاہ قومی کے ساتھ ملک میں ایک انقلاب عظیم برپا کرنے والی، قدیم وجدید کے فرق واتمیاز اور تعصبات کو مٹانے والی، ملت کے اس پراگندہ شیرازے کو از سر نو سمیٹ کر تعمیر جدید کرنے والے جو ۱۸۵۷ء میں بکھر گیا تھا۔ "باب العلم" اور "مدینۃ العلم" کی ڈگر پر لگانے اور لے جانے والی، ہر سال کسی نہ کسی شہر میں اس کا سالانہ اجلاس دھوم دھام سے ہونے لگا۔

فقہ اسلامی کی تدوین: ندوۃ العلماء کے اجلاس دوم میں حضرت قبلہ نے تدوین فقہ جدید کی ضرورت پر زبردست تقریر کی تھی اور پھر علمائے امت وزعمائے ملک نے اس مسئلے پر صرف بحث ہی نہیں کی بلکہ یہ مرحلہ

جانگداز طے بھی ہو گیا کہ تدوین فقہ جدید ضروری ہے۔

ایجوکیشنل کانفرنس: سرسید کی تعلیمی تحریک کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لئے یہ کانفرنس ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی۔(۴۵) حضرت قبلہ نے کانفرنس کے لئے ندوۃ العلماء کے لئے علی گڑھ کالج کے لئے اور پھر علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی کے درجے تک پہنچانے کے لئے سارے برعظیم کا بار بار دورہ کیا اور پشاور سے رنگون تک کی فضا میں ان کی آواز برسوں گونجتی رہی۔

ماہر تعلیم: حضرت قبلہ ایک وسیع النظر عالم، روشن ضمیر صوفی اور مقتدر رہنمائے ملت ہی نہیں تھے بلکہ ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی ان کا مقام بلند تھا۔ وہ کلکتہ یونیورسٹی سینیٹ کے رکن بھی تھے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مدرسہ کمیٹی اور نصاب کمیٹی کے رکن بھی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کرنے کی جدوجہد میں بھی نواب سلیم اللہ کے معین و مددگار رہے اور پھر اس کی گورننگ کمیٹی کے بھی رکن منتخب ہوئے۔ علی گڑھ ایم اے او کالج کے بھی ٹرسٹی تھے اور مجلس ندوۃ کے قائم کردہ دارالعلوم کے بھی معتمد تعلیم رہے، اس کے علاوہ اسلامیہ کالج لاہور، انبالہ، مسلم ہائی اسکول، مسلم کالج پشاور، حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور، یتیم خانہ اسلامیہ کلکتہ، مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسۂ امداد دربھنگہ، مدرسۂ وحیدیہ اور مدرسۂ حنفیہ آرہ وغیرہ کتنے ہی چھوٹے بڑے مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں کے قیام واستحکام میں شریک و دخیل رہے۔

اسی طرح انجمن حمایت اسلام لاہور، مدرسۂ خیریہ نظامیہ سہسرام، مدرسہ انوار الاسلام گیا، مدرسۂ تکمیل العلوم کانپور، انجمن ترقی تعلیم امرتسر، انجمن اسلامیہ پٹنہ، مرکزی جمعیۃ تبلیغ انبالہ، طبیہ وباجیہ کالج لکھنؤ اور طبی کانفرنس اور زنانہ تعلیم وغیرہ اداروں اور تعلیم گاہوں سے ہمیشہ گہری دلچسپی لیتے رہے۔

اسلامی ریاست کے رہنما: سیاسی زندگی، وجود ملی کی حفاظت و بقاء، طلب حقوق اور اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد جو کچھ بھی ہوئی، وہ سب میں شریک و سہیم رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی تو

اس کے ساتھ تھے اور عہد خلافت تک اس آل انڈیا کونسل کے رکن رہے۔ جمعیۃ العلماء سب سے پہلے صوبۂ بہار میں خود انہیں کی صدارت میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے بعد جمعیۃ العلمائے ہند کی بنیاد پڑی تو اس کے بھی حامی و مددگار اور رکن رکین رہے۔ (۴۶)

خلاف اسلامیہ: برعظیم کی خلافت کمیٹی نے انگریزوں سے ترک موالات کا فیصلہ کیا تو خلافت اسلامیہ اور ترکوں کی حمایت میں حضرت قبلہ نے پرجوش تقریریں کیں۔ ۱۹۲۲ء میں اتفاق سے کانگریس جمعیۃ العلماء اور خلافت کمیٹی سب کے اجلاس ایک ساتھ، ایک ہی جگہ ''گیا'' میں ہو رہے تھے، خبر آئی کہ توازن کانفرنس ٹوٹ گئی اور اب انگریزی غازی مصطفیٰ کمال کی فتحمند فوج کے خلاف اعلان جنگ کرنے والے ہیں تو اس خبر کو سنتے ہی مسلمانوں میں ایک آگ سی لگ گئی، شدید ہیجان برپا ہوا اور بی اماں کی صدارت میں فوراً ایک جلسۂ عام ہوا جس میں حضرت قبلہ نے شعلہ بار تقریر کی۔ جب انہوں نے کہ ''میں تو حسینؓ شہید کربلا کی اولاد ہوں اور اسلام اور امت کی راہ میں قربان ہو جانا تو ہمارے دادا کی عین سنت ہے، چاہے کوئی مسلمان اسلام کے لئے اس نازک ترین موقع امتحان پر اپنے آپ کو پیش کرے یا نہ کرے، میں تو اپنی ساری ضعیفی، ساری کمزوری اور ساری ناتوانی کے باوجود خلافت ترکیہ اور اسلام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں'' تو یہ سن کر سارا مجمع بے اختیار چیخ پڑا اور پھر ایک ایک مسلمان نے مر مٹنے کی قسم کھائی۔ (۴۷)

صوفیہ کی اصلاح: حضرت قبلہ کو صوفیوں اور مشائخ زادوں کی اصلاح کی فکر بھی شروع سے تھی، وہ ان کو رسومات واہیہ کے گورکھ دھندوں سے نکال کر ملک وملت کے لئے مفید کارآمد بنانا چاہتے تھے۔ صوفیوں کو منظم کرنے کی کوششیں بھی کئی مرتبہ ہوئیں۔ پہلا اجتماع ردولی (یوپی) میں ہوا تھا جس میں حضرت قبلہ کے ساتھ مولانا محمد حسین الٰہ آبادی، شاہ صوفی، جان صاحب میرٹھی اور شاہ التفات احمد صاحب ردولوی بڑے سرگرم ارکان تھے۔ یہ اجتماع غالباً اوئل ۱۹۰۰ء یا اس کے لگ بھگ ہوا تھا، پھر ایک عرصہ بعد خواجہ حسن نظامی

صاحب دہلوی نے "حلقہ المشائخ" قائم کیا تو حضرت قبلہ نے اس کی بھی سرپرستی کی اور حضرت قبلہ کے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ حسن میاں نے خانقاہوں کی تنظیم کے سلسلے میں خواجہ صاحب کے ساتھ سارے صوبۂ بہار کا دورہ کیا اور رسالہ "نظام المشائخ" میں مضامین لکھے اور سلسلۂ قادریہ نجیبیہ سہروردیہ عظیم المرتبت بزرگ شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی سوانح حیات بڑی محنت اور نئے انداز سے لکھی، پھر تیسری کوشش مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی نے کی اور بزم صوفیہ قائم کی۔ اس بزم صوفیہ کا ایک آل انڈیا اجلاس انہوں نے حضرت قبلہ کی صدارت میں اجمیر شریف میں منعقد کیا اور ایک مدرسۂ تصوف کے قیام کی تحریک پیش کرتے ہوئے حضرت قبلہ سے استدعا کی کہ اس تحریک کو آپ ہی دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے، دوبارہ اس لئے کہ یہ تجویز اصل میں مولانا محمد حسین الہ آبادی کی تھی اور کئی سال قبل ردولی کے اجتماع میں زیر غور رہ چکی تھی۔ (۴۸) لیکن یہ اسکیم بھی روبۂ عمل نہ آسکی۔ حضرت قبلہ کی ذات گرامی بجائے خود ایک ادارۂ طریقت اور درسگاہ تصوف تھی۔ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک انہوں نے ملک وملت کی خدمت میں ہمہ تن مصروف و منہمک رہ کر عملاً یہ بتا دیا کہ ایک سرخیل تصوف کی اور ایک عام طریقت اور اہل طریقت کی زندگی کیسی اور کیا ہونی چاہئے۔

وفات:

۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو جمعہ کے دن صبح کی نماز کے وقت "مخدوم زمانہ" نے رحلت کی۔ ان کی ساری زندگی ایک نمونہ تھی، تمام علماء کے لئے بھی اور صوفیاء کے لئے بھی۔ انہوں نے ترک دنیا کبھی نہیں کیا۔ (۴۹)

بیان سیرت:

تحریک سیرت کی بنیاد مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں رکھی تھی۔ (۵۰) ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں چاندرات سے بارہویں تک ہر روز بعد نماز عشاء قرآن مجید کی روشنی میں احادیث

روایات اور تاریخ معاذی سے سیرت نبویؐ بیان کرتے تھے۔(۵۱)

نکتۂ آفرینی:

حضرت قبلہ کسی بات کو بیان کرنا چاہتے تھے تو انداز بیان اتنا سادہ اور انوکھا اختیار کرتے تھے کہ آدمی متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔علم کی فضیلت اور حصول علم کی اہمیت ہمیشہ ہی بیان کی جاتی ری ہے اور سبھی بیان کرتے رہے ہیں مگر دلائل و براہین کی پشتاروں کے عوض چند سادہ لفظوں میں جو باتیں انہوں نے ایک جلسے میں کہیں وہ ایسی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سننے والے کے ذہن وفکر پر مرتسم ہوکر رہ جائیں۔

شگفتہ مزاجی:

وہ جس طرح کسی اہم اور سنجیدہ بات کو دلنشین کروانے کے لئے کوئی انوکھا انداز بیان اختیار کرتے تھے اسی طرح کسی بڑی الجھن کی ابتلا سے جلسۂ عام کو نکالنے کے لئے صبر وتحمل،خوش فکری وشگفتہ بیانی میں ڈھل جاتا تھا۔(۵۲)

شیوخ طریقت:

حضرت قبلہ کے پیر بیعت آپ کے خسر و مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلواروی قدس سرہٗ تھے،جن کے دست حق پرست پر سولہ سال کی عمر میں طریقۂ عالیہ قادریہ میں حضرت کی بیعت ہوئی۔ پیر بیعت کے علاوہ حضرت کے شیوخ ارشاد کی فہرست طویل ہے۔(۵۳)

شاہ سلیمان پھلواروی کے خلفاء

مولانا شاہ حسن میاںؒ:

حضرت قبلہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے-۱۳۰۶ھ میں ولادت ہوئی اور صرف پچیس سال کی عمر پاکر ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا-

مولانا شاہ حسین میاں:

حضرت قبلہ شاہ حسین میاںؒ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے- اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۱۳۵۴ھ میں سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ ہوئے-(۵۴) ۱۳۶۶ھ کو ۵۴ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے کوچ فرمایا- آپ سے سلسلۂ سلیمانیہ کی اشاعت بالخصوص صوبۂ بہار کے مختلف اضلاع میں بہت کافی ہوئی- آپ کو بیعت تعلیم، اجازت وخلافت سب حضرت قبلہؒ سے تھی-(۵۵)

مولانا شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی:

حضرت قبلہ (مولانا شاہ سیمان پھلواروی) کے تیسرے فرزند ہیں- سال ولادت ۱۳۱۷ھ ہے- ۱۹۱۹ء میں بی اے میں پڑھتے تھے- اپنے والد بزرگوار کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں-عربی وانگریزی دونوں علوم کا مجموعہ ہیں-تحریر وتقریر میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں-حضرت قبلہ کی سوانح ''خاتم سلیمانی'' کے نام سے پانچ سو صفحات پر مشتمل لکھ کر شائع کی-(۵۶)

مولانا شاہ محمد جعفر صاحب ندوی:

حضرت قبلہ (مولانا شاہ سلیمان پھلواروی) کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں-۱۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۹ء میں یہ سلسلۂ ترک موالات انگریزی تعلیم ترک کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے اور اس کے بعد سے برابر تبلیغی وعلمی خدمتوں میں منہمک رہے- ایک

بلند پایہ خطیب وادیب ہیں- اردو اور عربی میں یکساں عبور رکھتے ہیں-

سابق مہاراجہ کپورتھلہ آنجہانی نے انہیں اپنی تاریخی شاہی مسجد کا خطیب وامام مقرر کیا تھا- جب تقسیم پنجاب کے بعد قتل عام شروع ہوا تو کسی طرح جان سلامت لے کر لاہور پہنچے اور وہیں مستقل اقامت اختیار فرمالی- اس وقت مرکزی حکومت پاکستان کی معاونت سے تصنیف وتالیف کا جو آزاد ادارہ ''ثقافت اسلامیہ'' کے نام سے قائم ہے اس کے رکن رکین ہیں- ان کی پانچ بلند پایہ تصانیف ہیں:

(۱) ریاض السنۃ (۲) الدین یسر (۳) مقام سنت (۴) ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز (۵) اسلام اور موسیقی-

اس ادارہ کی جانب سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں- متعدد تصانیف اس سے پہلے کی بھی ہیں اور کئی زیر طبع ہیں- ان کتابوں کے مطالعہ سے ایک بے تعصب قاری یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ شاہ جعفر کا شمار اس دور کے علمائے مفکرین میں ہے اور مسائل اسلامیہ پر ان کی نگاہ مجتہدانہ پڑتی ہے-(۵۷)

مولانا شاہ احمد حبیب ندوی (مرحوم):

آپ حضرت قبلہ (شاہ محمد سلیمان پھلواروی) کے بھتیجے یعنی حضرت کے خسر اور پیر بیعت حضور شاہ علی حبیب نصر پھلواروی کے اکلوتے پوتے اور حضرت شاہ عین الحق پھلواروی کے سجادہ نشین کے صاحبزادے تھے- عالم، واعظ، متقی اور مذہبی تحریکات کے سرگرم کارکن تھے- تحریک خلافت کے سلسلے میں قید وبند کی سزائیں بھی برداشت کیں- پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا-(۵۸)

مولانا شاہ نور الحسن پھلواروی:

حضرت قبلہ کے بھانجے اور قریب ترین اعزہ تھے- فقہ، تفسیر، حدیث پر وسیع نظر رکھتے تھے- فرائض کے بڑے ماہر تھے- تقویٰ، کسر نفسی، خوش خلقی اور دریا دلی کا نمونہ تھے- اتباع سنت کا بہت زیادہ خاطر رکھتے تھے

اور ہر طبقے میں محبوب و معزز تھے۔ ۱۳۷۵ھ کو ستر سال سے زیادہ کی عمر پا کر اپنے وطن مالوف پھلواری شریف میں وفات پائی۔(۵۹)

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی:

اپنے عہد کے مشہور و معارف صوفی، ادیب و خطیب اور مصنف و صحافی، ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور اسی سال کی عمر پا کر ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت قبلہ سے ان کے خصوصی روابط تھے۔(۶۰)

مولانا منظور الحق کلیم:

بی بی پور اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ حضرت قبلہ کے مقرب مریدوں اور اجل خلفاء میں ہیں۔ حضرت قبلہ کے مکتوبات ''شمس المعارف'' کا دوسرا ایڈیشن چار جلدوں میں چھپوایا۔ حضرت کے اوراد و اشغال کا ایک مختصر مجموعہ ''لمعات سلیمانی'' کے نام سے اور حضرت کے فارسی وار دو اور کچھ عربی کلام کا ایک مجموعہ ''الہامات سلیمانی'' کے نام سے اور حضرت کی ایک مختصر سوانح حیات ''مہر سلیمانی'' کے نام سے شائع کرائی۔ ایک ہفتہ وار پرچہ ''مرشد'' نامی ایک عرصے تک نکالتے رہے۔ ان کے فارسی وار دو کلام کے چند مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کے ساتھ دلی اعتقاد رکھتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں۔(۶۱)

خان بہادر مولوی بشیر الدین احمد زبیری (البشیر اٹاوہ):

۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۶ء میں وفات پائی۔ میرٹھ کے مشہور خاندان کمبوہ سے تھے۔ ایک عرصے تک مشہور اخبار ''نجم الاخبار'' اٹاوہ کے ایڈیٹر رہے۔ پھر اپنا اخبار ''البشیر'' نکالا۔ حضرت قبلہ ان کو البشیر ہی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ وہ اپنے عہد کی پوری تاریخ تھے اور حضرت قبلہ سے خاص ارادت رکھتے تھے۔ حضرت قبلہ کی وہ تقریر جو ندوۃ العلماء کے اجلاس لکھنؤ میں ہوئی

تھی اور جس پر بعض علماء سخت برہم تھے، نجم الاخبار میں آب وتاب کے ساتھ انہوں نے شائع کی تھی۔(۶۲)

مولوی حکیم سید عبدالحیؒ صاحب (ناظم ندوۃ العلماء):

حضرت قبلہ کے ساتھ حکیم صاحب کے گھرانے کے روابط تھے۔حکیم صاحب پہلے تو ندوۃ العلماء کے مددگار ناظم ہوئے اور پھر بعد کو ناظم ہوئے۔(۶۳)

نواب وقارالملک:

نواب مشتاق حسین کا نام تھا مگر مشہور وقار الملک کے نام سے ہوئے۔علی گڑھ تحریک کے دوست تھے۔ایک طرف محسن الملک نواب مہدی علی خان، دوسری طرف وقار الملک نواب مشتاق حسین امروہہ کے رہنے والے تھے اور حضرت قبلہ سے روابط عقیدت مندانہ رکھتے تھے۔علی گڑھ کالج کی ترقی کی خاطر حضرت قبلہ نے نواب محسن الملک کے ساتھ سارے ہندوستان کا دورہ کیا اس سے ظاہر ہے کہ نواب وقار الملک سے ان کے روابط کتنے قریبی رہے ہوں گے۔(۶۴)

حافظ عبدالغنی صاحب عظیم آبادی (مرحوم):

آپ عرصۂ دراز تک مدرسۂ قاسمیہ (کلکتہ) میں مدرس رہے۔اصل میں آپ میں عظیم آباد پٹنہ کے باشندے تھے۔اہل علم اور شاعر تھے اور بہت مستند حافظ مانے جاتے تھے۔بنگال و بہار کے بہت سے مشہور حافظ آپ کے شاگرد تھے، جن کا سلسلۂ تلمذ بحمداللہ اب تک جاری ہے۔ کلکتہ چھوڑ کر اپنے شہر عظیم آباد کی جامع مسجد (واقع محلہ مدرسہ) کے خطیب وامام ہوئے اور آخر وقت تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔(۶۵)

حاجی عبدالشکور اورنگ آبادی:

شہر اورنگ آباد ضلع گیا (بہار) کے رہنے والے تھے۔ایک کامیاب مختار تھے۔ہندوستان کی ''منصوری'' برادری کے ایک ممتاز رہنما تھے۔(۶۶)

مولوی حاجی شاہ شریف اعظم (مرحوم):

قصبہ لکھمینہ ضلع مونگیر (بہار) کے رہنے والے تھے۔عنفوان شباب میں شاہ شریف اعظم صاحب حضرت قبلہ سے بیعت ہوئے اور پھر عمر بھر حضرت کی خدمت میں رہے اور جہاں کہیں رہے حضرت کے حکم سے رہے۔پوری تعلیم روحانی حضرت قبلہ سے پائی اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

حضرت کے حکم سے شاہ شریف اعظم صاحب مرحوم ۲۵ سال بنگلور میں مقیم رہے۔حضرت کے تمام شجروں کو ایک جگہ مجتمع کر کے ضروری تشریحات کے ساتھ "سلسلۃ الذہب" کے نام سے شائع کیا۔اسی طرح "کبریت احمر" کے نام سے جمیع اعمال حذب البحر کو تمام ضروری فوائد ونکات کے ساتھ ایک کتابی شکل میں شائع کیا نیز اور بھی متعدد کتابچے اس سلسلے کے مختلف اوراد و وظائف پر شائع کیے۔ستر سال سے زیادہ کی عمر پا کر اپنے وطن لکھمینہ میں انتقال کیا۔(۶۷)

مولانا حاجی صوفی وصی الدین صاحب:

لکھمینہ ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے۔مخدوم حسام الدین فاروقی چشتی مانکپوری کی اولاد سے ہیں۔ حضرت قبلہ سے طریقۂ صابریہ میں بیعت ہوئے۔کتب بینی کا اچھا ذوق ہے۔متعدد رسائل مختلف مذہبی مسائل پر ان کی تالیف سے ہیں، جن میں سے بعض شائع بھی ہوئے لیکن زیادہ تر ذخیرہ مسودات کی شکل میں ہے۔نہایت رقیق القلب واقع ہوئے ہیں، ذکر جہری کا ہمیشہ ذوق رہا۔(۶۹)

حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قدس سرہٗ:

مولانا شاہ محمد نعمت اللہ پھلواروی، حضرت مولانا شیخ مجیب اللہ پھلواروئیؒ کے صاحبزادے تھے۔

تاریخ ولادت:

۴ محرم ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء میں ولادت ہوئی۔ ۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۳ء میں بتاریخ ۲۹ رمضان اپنے والد

حضرت تاج العارفین شیخ مجیب اللہ پھلواروی ؒ سے بیعت ہوئے-(۷۹)

اجازت وخلافت:

تاج العارفین قدس سرہٗ کا یہ معمول تھا کہ جب اپنے کسی عزیز خاص کی تعلیم وتربیت شروع فرماتے تو اکثر قبل تکمیل ہی اذکار واعمال اوراد واشغال کی اجازت عطا فرمادیتے تھے کہ اگر قبول تکمیل میں دنیا سے چلا جاؤں تو اجازت سے محروم نہ رہ جائیں، میرے واسطہ سے اجرائے سلسلہ کرسکیں- اگر بعض اعمال واشغال کی تکمیل باقی رہ گئی ہوتو خلفاء سے بھی حاصل کرسکتے ہیں-

چنانچہ اس غرض سے ملفوظ حضرت مولانا رسولنما قدس سرہٗ ودیگر رسائل اذکار واشغال قلندریہ اوراوراد ووظائف واعمال کے طریقے جو اپنے شیوخ کے واسطہ سے حضرت کو پہنچے تھے، ان سب کو ایک کتاب کی صورت میں نقل فرمادیتے تھے اوراس میں جمیع سلاسل کے شجرے بھی جمع کردیتے، پھر جس عزیز کو عنایت کرنا ہوتا اس مجموعہ پر اجازت نامہ لکھ کراوراپنے دستخط سے مزین فرماکر تکمیل کے بعد حوالہ فرمادیتے- اجازت نامہ کا مفہوم یہ ہوتا تھا:

"یہ مجموعہ میں نے نور چشم... سلمہٗ کے لئے لکھا ہے، اس کتاب میں جو
کچھ اذکار واعمال اشغال واوراد ووظائف اور سلاسل طریقہ کے شجرے ہیں،
سب کی اجازت میں نے نور چشم .... سلمہٗ کو دی-"

ایسے چار مجموعے دست خاص سے تحریر فرمائے تھے، جن میں سے ایک جلد بڑے صاحبزادے حضرت شاہ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کو عنایت فرمائی جو خانقاہ عمادیہ منگل تالاب میں موجود ہے- دوسری جلد منجھلے صاحبزادہ حضرت شاہ عبدالحی ُقدس سرہٗ کو عنایت فرمائی جو کتب خانہ مجیبیہ پھلواری میں موجود ہے اور تیسرا مجموعہ جس میں ملفوظ حضرت مولانا رسولنما اور رسائل "اذکار قلندریہ" دست خاص سے تحریر فرمائے تھے اوراوراد و

اعمال کا مجموعہ حضرت شاہ غلام نقشبند قدس سرہٗ کے ہاتھ سے نقل کرایا تھا- اجازت نامہ اور دستخط سے مزین فرما کر حضرت شیخ العالمین شاہ محمد نعمت اللہ قدس سرہٗ کو ہبہ فرمایا-(۷۰)

جانشین تاج العارفین کا احترام:

تمام اہل قرابت ومحبان ومرید وغیر مرید خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین کا بہت احترام ملحوظ رکھتے ہیں، جب وہ کسی موقع سے ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی نشست کے لئے جاءنماز بچھا کر تکیہ رکھ دیتے ہیں، پھر جب صاحب سجادہ ان کے مکان آجاتے ہیں تو وہ استقبال کر کے اسی جاءنماز پر بٹھاتے ہیں- یہ احترام تاج العارفین کی محترم شخصیت کی نسبت کی وجہ سے میزبان کے جذبۂ ادب کے ماتحت ہے-

الحاصل شیخ العالمین قدس سرہٗ نے تاج العارفینؒ کی تمام وصیتوں پر پوری طرح عمل کیا اور تمام شرائط و قیود سجادگی پر سختی سے کاربند رہے، جو دستور و رسوم کہ عہد تاج العارفین سے چلے آئے تھے، ان کو مزید ترقی کے ساتھ جاری رکھا-

ریاضت ومجاہدات:

تذکرۃ الکرام میں بروایت سید العلماء مولانا احمدی قدس سرہٗ مروی ہے، تاج العارفین قدس سرہٗ کے عہد میں باوجود مشاغل نظم ونسق خانقاہ دمشغولی اورادواذکار جن اہم ریاضات کو شیخ اعالمین نے اختیار کیا تھا اس میں ایک سکوت بھی تھا کہ آپ ساڑھے تین سال تک خاموش رہے، اتنے دنوں میں کسی سے کلام نہ کیا، کسی کو کسی کام کے لئے نہ کہا، سارا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے، کنویں سے اگر پانی نکالنا ہوتا تو خود آب کشی کرتے، اگر کوئی دیکھ لیتا تو حصول سعادت کی غرض سے دوڑ کر ہاتھ سے ڈول لے لیتا اور لوٹا یا گھڑا بھر کر نشستگاہ تک پہنچا دیتا، آپ کی نشست عہد تاج العارفین میں خلوت کے دروازے کی کوٹھری میں رہتی تھی، زائرین وحاجتمند آتے تو اسی کوٹھری میں آپ سے ملتے تھے، آپ کی وساطت سے حضرت تاج العارفین کی

خدمت میں حاجتمندوں کی رسائی ہوتی تھی، آپ سجادگی سے پہلے برابر صوم وصال رکھتے تھے- شام کو صرف پانی یا لوگ یا چنے کے چند دانوں سے گزارہ کرلیا کرتے تھے، اس کے بعد غذا کی ایک قلیل مقدار شبانہ یوم کے لئے مقرر کرلی تھی- آخر عمر میں ایک چھٹانک سے زیادہ تناول نہیں فرماتے تھے- ربیع الاول اور ربیع الثانی کے عرض کے موقع پر دسویں تاریخ سے تیرہ تک مطلق غذا نہیں کھاتے تھے، صرف چائے پر اکتفا کرتے تھے- تین شبانہ یوم دہم یازدہم و دوازدہم تا شب سیزدہم اوراد و اشغال و اذکار میں اور دیگر امور اعراس میں مشغول رہتے اور مطلقاً نہیں سوتے تھے، مگر روحانی قوت کا یہ عالم تھا، ہجوم مرد ماں اور افاضل (۷۱) مستفیضان و وجد وصال کے باوجود چہرۂ مبارک پر کچھ بھی آثار تکان نمودار نہیں ہوتے تھے- ہر روز ساٹھ رکعت نماز علاوہ مشغولی و مراقبہ و اذکار و تہجد و اشراق و چاشت ادا فرماتے تھے- اس کے علاوہ نوافل ماہانہ نہایت پابندی سے ادا فرماتے تھے- مراقبۂ معمولی فجر، ظہر و عصر و مغرب و عشاء کبھی فوت نہ ہوا- (۷۲)

مقبولیت شیخ العالمین قدس سرہٗ:

شیخ العالمین قدس سرہٗ کی شخصیت اخلاص عمل، ورع و تقویٰ، صلۂ رحمی، برادر نوازی اور اخلاق محمدیہ کی وجہ سے اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ کے معاصر قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اہل قرابت و دیگر ساکنین قصبہ و اطراف و جوار کے تمام لوگ آپ کو اپنا امام و پیشوا سمجھتے تھے، آپ کے حکم سے کسی کو سرتابی کی جرأت نہ تھی، آپ ہر شخص سے بطور خادم ملتے، کبھی کسی کے مقابلہ میں آپ نے اعزاز و وقار کو ترجیح نہ دی، اگر کسی خادم سے بھی کوئی لغزش سرزد ہو جاتی تو کبھی اس کو حاکمانہ تنبیہ نہیں کرتے تھے بلکہ نرمی و آشتی سے اس کو سمجھا دیتے اور آپ کے اسی طرز نے آپ کو لوگوں کی نظروں میں محبوب بنا دیا تھا- معمول تھا کہ ہر جمعہ کو نماز و اوراد و وظیفہ سے فرصت کر کے اعزہ کے گھروں پر تشریف لے جاتے اور خیریت (۷۳) دریافت فرماتے- آپ کے معاصر محی السالکین مولانا شاہ محمد نور الحق تپاں قدس سرہٗ جانشین سجادہ قلندریہ، گرچہ رشتہ میں شیخ العالمین قدس سرہٗ کے

حقیقی بھتیجے تھے مگر اپنے زمانہ میں بڑی شخصیت کے مالک اور صاحب خانقاہ بزرگ تھے، شیخ العالمینؒ قدس سرہٗ کو حضرت تاج العارفینؒ کا قائم مقام سمجھتے تھے۔(۷۴)

یادگاریں...... باغ، تالاب، مقبرہ:

خانقانہ مجیبیہ کا باغ، جس کی اراضی اب مقبرہ کے مصرف میں آ گئی ہے، اس راضی کو شیخ العالمین قدس سرہٗ نے خریدا تھا اور اس میں ایک خوشنما باغ لگایا تھا مگر جب سے حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ اس میں مدفون ہوئے، یہ اراضی قبرستان کے مصرف میں آ گئی، اس مقبرہ میں خاندان مجیبیہ کے مردے دفن ہوتے ہیں، عام مریدین خانقاہ مجیبیہ بھی اگر چاہیں دفن ہو سکتے ہیں، یہ مقبرہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہے، گور غریباں نہیں ہے۔ اس مقبرہ میں صدہا علماء و مشائخ و مشاہیر قصبہ مدفون ہیں۔

یہ باغ خانقاہ سے جنوب میں سڑک کے بعد واقع ہے۔ اس کی اراضی ۱۴ بیگھے تھی اور باغ انبہ دیکھی، و نیزہ بانس وغیرہ کی اراضی جو اسی باغ کے دکھن مخلوط الرقبہ ہے، تقریباً انیس بیگھے ہے۔ کل اراضی ۳۲ بیگھے ہوتی ہے۔

اس باغ میں مختلف قسم کے میوہ جات نصب تھے، مگر اب صرف آم کے درخت اور کثرت سے املی کے درخت رہ گئے ہیں اور بانس کی کوٹھیاں بھی ہیں، جن کے بانس مُردوں کے پٹون یا خانقاہ کی عمارت میں صرف کئے جاتے ہیں یا قصبہ کے حاجتمندوں کو مکان تعمیر کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

اس باغ کی کوئی چیز از قسم درخت یا اثمار فروخت نہیں ہوتی، پھل پکنے کے بعد توڑ کر کچھ خانقاہ میں صرف ہوتا ہے اور کچھ تقسیم کر دیا جاتا ہے(۷۵)

تالاب:

اس باغ میں قبرستان سے پچھم اور باغ انبہ سے اتر ایک تالاب ہے، جس کو شیخ العالمین نے ۱۲۴۲ھ

میں کھدوایا تھا، جس خلوص اور ذوق وشوق سے اس تالاب کو آپ نے کندہ کرایا تھا اور بنوایا تھا، اس کا پتہ شیخ طالب علی مرحوم کے ملفوظات سے چلتا ہے کہ تالاب کے ہنگام تیاری میں تقریباً روز حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ بعد فاتحہ خوانی مزار حضرت تاج العارفین عصر کے وقت سے مغرب تک تالاب کے کنارے تشریف رکھتے تھے، پہلے سے فرش بچھا دیا جاتا تھا، فاتحہ کے بعد آپ بیٹھ جاتے، آپ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے بہت لوگ آ جاتے تھے اور خاصہ پھر چھا مجمع ہو جاتا تھا، چائے کا دور چلتا تھا، اذان مغرب سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے تھے، پھر نماز کے بعد معمولات میں مشغول ہو جاتے- یہ صورت تقریباً تیاری تالاب تک قائم رہی-(۷۶)

کنواں:

اس باغ میں حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ نے ۱۲۳۰ھ میں رفاہ عام کی غرض سے ایک کنواں کھدوادیا تھا جو اب تک موجود ہے-

چنوٹی کنواں:

خانقاہ سے پچھم کچھ آبادی کے بعد موجودہ تھانہ اور ڈاکخانہ سے متصل ایک بہت بڑا پختہ کنواں ہے جو چنوٹی کنواں کے نام سے مشہور ہے- ۱۳۰۸ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ نے رفاہ عام کی غرض سے کھدوایا تھا، مگر ایک عرصہ تک خام رہا، پھر شیخ العالمین قدس سرہٗ نے (۷۷) استحکام کے خیال سے ۱۲۱۸ھ بمطابق ۱۸۰۳ء میں اس کو اور وسیع کروا کر پختہ بنوادیا، یہ یادگار اب تک موجود ہے-

پشتہ سنگی مسجد:

سنگی مسجد کی مغربی دیوار اور اس کا مستحکم پشتہ، جو اس وقت موجود ہے، شیخ العالمین قدس سرہٗ ہی کا بنوایا ہوا ہے-

الغرض شیخ العالمین قدس سرہٗ نے اپنے عہد میں رفاہ عام کے بہت کام کئے ہیں، الحمدللہ کہ یہ چند یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

ممتاز خلفاء ومجازین:

آپ کے ساتوں صاحبزادگان اور تین بھانجے مولانا احمدی ومولانا علی اکبر وشاہ محمد وعداللہ بن شاہ سعداللہ اور شاہ اولیا علی نوآبادی، مولانا ہادی بن مولانا احمدی، مولانا حاجی احمد ابراہیم بن مولانا احمدی، قاضی علی اشرف بن مولانا علی اکبر، شاہ شمس الدین احمد، مولانا عبدالمغنی قدس سرہٗ نے بھی اجازت تبرک لی تھی مگر یہ اجازت تبرک تھی، کیونکہ آپ کو تاج العارفین قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت حاصل تھی، شاہ ابراہیم علی بن شاہ فصیح الدین بیتھوی راسہ سید شاہ بدیع الزماں بیتھوی۔

شادی واولاد:

شیخ العالمین قدس سرہٗ کی شادی چھپرہ محلہ کریم چک میں حکیم محبوب عالم عرف حکیم باسو علیہ الرحمہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔(۷۸)

وفات:

کامل پچپن سال منصب سجادگی اور خدمت خلق انجام دینے کے بعد ۸۸ (اٹھاسی) اس ال کی عمر میں ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء میں رحلت فرمائی اور اپنے والد حضرت تاج العارفین شیخ شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے مزار کے پائیں میں مدفون ہوئے۔(۷۹) آپ کی تدفین کے بعد اس جگہ ایک وسیع چبوترہ تعمیر کر دیا گیا اور اس چبوترہ سے دکھن جانب زمین دوز دو تہ خانے تعمیر کئے گئے، جس میں ذاکرین وشاغلین چلہ کش کرتے تھے، سابق چبوترہ کی تعمیر ۸ رجب ۱۲۴۸ھ میں ہوئی تھی اور شوال ۱۲۴۸ھ میں تمام ہوئی۔(۸۰)

مولانا محمد علی مونگیری کی دینی خدمات:

مولانا محمد علی مونگیری انیسویں صدی کے ان نامور بزرگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اس دور انحطاط میں اسلام کی مدافعت اور اس کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کے سلسلے میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسری حیثیتوں سے بھی آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔ آپ نہ صرف ایک جید عالم دین تھے بلکہ ایک عظیم مبلغ اور مصلح قوم بھی تھے۔ رد عیسائیت اور قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کے کارنامے تجدیدی شان رکھتے ہیں۔ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ نے ہزاروں بندگان خدا کو فائدہ پہنچایا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے آپ نے ایسی گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑیں جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔(۸۱)

ولادت:

۳ شعبان ۱۲۶۲ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۸۴۶ء کو مولانا سید محمد علی کی ولادت ہوئی۔(۸۲)

مولانا محمد علی کا ایک اہم کارنامہ ردعیسائیت کا اہم فریضہ انجام دینا ہے۔ ۱۸۱۳ء میں جب ہاؤس آف کامنس سے یہ بل پاس ہوا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے اگر پادری ہندوستان جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ اس بل کے پاس ہوتے ہی یورپ کے عیسائی مشنریاں ہندوستان آنے لگیں، ان مشنریوں نے حکومت کے تعاون سے ہندوستان میں تعلیم و ترقی کے نام پر اپنا جال پھیلانا شروع کردیا۔ یہ مشنریاں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئیں اور اس طرح کام کرنا شروع کردیا گویا یہ تمام باشندگان ملک کو عیسائی بنا کر ہی دم لیں گی۔ انہوں نے اپنے تبلیغی پروگرام میں مثبت طریقے کے بجائے منفی رویہ اختیار کیا یعنی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی طرف سے شک وشبہ اور غلط فہمی میں مبتلا کرنا اور مسلمانوں کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، ان خیالات کی اشاعت اس قدر زور و شور سے ہوئی تھی کہ مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ احساس کمتری کا شکار

ہوگیا- ایسے نازک وقت میں مستشرقین اور عیسائی پادریوں کے اعتراضات کا عملی جواب تحقیق کی روشنی میں اور میدان خطابت میں خطیبانہ زور بیان کے ساتھ جن لوگوں نے دیا، ان میں مولانا محمد علی مونگیری کی ذاتی نہایت اہم ہے-(۸۳)

مولانا نے ردعیسائیت اور قادیانیت میں گرانقدر خدمات انجام دیں- ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں اس مقصد کے لئے کانپور میں ایک اخبار منشور محمدی جاری کرایا- اس میں عیسائیت کی تردید اوران کے عقائد کے اشکال میں مضامین شائع کرنا شروع کیا اور عیسائیت پر کتابیں تصنیف کیں، ان میں مراۃ الیقین اور آئینۂ اسلام قابل ذکر ہیں-(۸۴)

انجمن تہذیب کا قیام:

ایک انجمن ''انجمن تہذیب'' کے نام سے مولانا نے کانپور میں قائم کی- اس کا مقصد علماء جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں صحیح اسلامی افکار کی اشاعت وترجمانی اوران کے درمیان باہمی اتحاد اوراخوت پیدا کرنا تھا-(۸۵)

مولانا کا کتب خانہ:

سہارنپور سے واپسی کے بعد کتابوں کے حصول پر خاص توجہ کی رفتہ رفتہ ایک بڑا کتب خانہ تیار ہوگیا- مولانا رحمانی اس کتب خانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عربی علوم وفنون کی شاید ہی کوئی قابل ذکر کتاب ہوگی جو اس کتب خانہ میں موجود نہ ہو، یہی حال زبان فارسی کے سلسلہ میں ہے، ان باکمال علماء کی رائے ہے، جنہوں نے اس کتب خانہ سے استفادہ کیا ہے کہ علوم اسلامیہ پر(۸۶) بڑے سے بڑا کام اس کتب خانہ میں بیٹھ کر کیا جاسکتا ہے اور آج بھی علماء آتے ہیں اوراس کتب خانہ میں بیٹھ کراپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں- اس کتب خانے کے متعلق اتنی بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کم ازکم ہندوستان کے مشرقی حصے لکھنؤ سے لے کر بنگال کی آخری سرحد تک خدابخش لائبریری (پٹنہ) اور کتب خانہ ندوۃ العلماء کے سوا اتنا بڑا کتب خانہ موجود نہیں،

جو تشنگان علوم کو سیراب کر سکتا ہو-(۸۷)

کانپور میں یتیم خانہ کا قیام:

مولانا نے کانپور میں جہاں اس زمانہ میں متعدد عیسائی مشن کام کر رہے تھے، یتیم خانہ اسلامیہ کی سنگ بنیاد رکھی، جس میں مسلمان بچوں کو تعلیم کے ساتھ صنعت وحرفت سکھانے کا بھی انتظام تھا-

ندوۃ العلماء کا قیام:

علماء کی باہمی کشمکش، فقہی اختلافات کی شدت، حقیقی مسائل سے پہلوتہی اور وقتی یا مصنوعی مسائل پر زور آزمائی، مناظروں کی گرم بازاری اور تکفیر کا رواج، نئے فتنوں کی طرف سے غفلت اور غیر ضروری چیزوں پر اصرار یہ وہ حوصلہ شکن حالات تھے جس میں مولانا محمد علیؒ نے ندوۃ العلماء کا تخیل اسلامی ہند کے سامنے پیش کیا-

۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے اور آئندہ سال دستار بندی کے موقع پر اس کا پہلا عام جلسہ منعقد کیا جائے اور ہندوستان کے تمام ممتاز علماء کو اس میں شرکت کی دعوت دی جائے- اس مجلس میں انجمن کا نام ''ندوۃ العلماء'' تجویز ہوا اور مولانا سید محمد علی مونگیری اس کے ناظم اول مقرر ہوئے اور ان سب حضرات نے، جو شریک جلسہ تھے، اس اسکیم پر تائیدی دستخط کیے، (۸۸) اس لحاظ سے وہ (مولانا محمد علی مونگیری) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانی بھی ہیں-(۸۹)

مولانا محمد علی کا ایک اہم کارنامہ قادیانیت کا مقابلہ اور اس فتنہ کا سدباب ہے- مولانا نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف کیے ہیں- ان کی کوششوں سے بہار، جس پر قادیانیوں نے اس (۹۰) زمانہ میں بھرپور حملہ کیا تھا، اس خطرہ سے محفوظ ہو گیا اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی

قادیانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور ہزاروں مسلمان اس فتنہ سے محفوظ ہوگئے۔ مولانا نے خانقاہ میں ایک پریس بھی قائم کیا جہاں سے سو سے زائد کتابیں شائع کیں۔(۹۱)

تصانیف:

مولانا کی تصنیفات ردعیسائیت میں:

۱۔ عیسائیوں کے رد میں غالباً مولانا کی سب سے پہلی تصنیف ''مراۃ الیقین'' ہے، پادری عماد الدین نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اعجاز عیسوی'' کے رد میں ''ہدایت المسلمین'' لکھی اور آدھی یا تہائی کتاب کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ ''اعجاز عیسوی'' جس وقت لکھی گئی اس وقت مشہور پادری فنڈ موجود تھے لیکن وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔(۹۲)

۲۔ ''آئینۂ اسلام'' مولانا کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ کتاب مولانا نے حیدرآباد کے دوران قیام میں ۱۲۹۷ھ میں تصنیف فرمائی اور اس میں منشی صفدر علی کی کتاب ''نیاز نامہ'' کا جواب لکھا ہے۔(۹۳)

۳۔ ''ترجمۂ حجازی اور دفع التلبیسات'' مولانا کی ایک اور کتاب ہے، جو عماد الدین کی کتاب ''ترانۂ حجازی'' کے جواب میں ہے۔ یہ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

۴۔ ''پیغام محمدیؐ'' مولانا کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے جس کو مولانا رحمت اللہ کی ''اظہار الحق'' یا ''اعجاز عیسوی'' سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب مولانا نے صفدر علی کے ''نیاز نامہ'' اور پادری ٹھاکر داس کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب میں لکھی ہے۔

۵۔ ''فیصلہ آسمانی'' مولانا کی سب سے اچھی تصنیف ہے جو قادیانیوں کے حق میں واقعی فیصلۂ آسمانی ثابت ہوئی، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اس کے تین ایڈیشن مولانا کی زندگی ہی میں شائع ہوگئے لیکن کسی قادیانی کو اس کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ مولانا کی وفات کے بعد بھی کسی قادیانی نے

اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کی-(۹۴)

۶- ''ارشاد رحمانی'' مولانا کی مختصر لیکن اہم تصنیف ہے، جو سلوک و آداب طریقت کے موضوع پر ہے اور اس میں آج بھی وہ تاثیر باقی ہے کہ پڑھنے والے کا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اس کے قلب پر مصنف کے اخلاص وللّٰہیت کا عکس پڑتا ہے- یہ کتاب کا سب سے بڑا اور بنیادی وصف ہے-(۹۵)

مولانا کی دوسری تصنیفیات پر ایک نظر:

ان کے علاوہ مولانا کی جو تصنیفات ردقادیانیت میں ہیں ان میں ''چشمۂ ہدایت''، ''چیلنج محمدیہ''، ''معیار صداقت''، ''معیار المسیح''، ''حقیقت المسیح''، ''تنزیہ ربانی''، ''آئینۂ کمالات مرزا''، ''نامۂ حقانی'' زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں-کل کتابوں کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے- اس کے علاوہ بہت سے ایسے رسائل بھی ہیں جو پہلے چھپے تھے، اس کے بعد ختم ہو گئے- رسالہ ''چیلنج محمدیہ'' عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا اور اس کی خوب اشاعت ہوئی-(۹۶)

وفات:

۹ ربیع الاول سہ شنبہ ۱۳۴۶ھ/۱۳ستمبر ۱۹۲۷ء کو بعد نماز ظہر انتقال فرمایا اور خانقاہ رحمانی میں مدفون ہوئے-(۹۷)

(باقی تفصیل علمائے بہار کی حدیث میں خدمات میں موجود ہے)-

مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوری:

مولانا محمد عارف کے والد کا نام شیخ بلاغت حسین تھا- سعدی پور، سمتی پور میں نانا قاضی عصمت اللہ کے گھر شعبان کے درمیانی تاریخ میں جمعہ کی شب ۱۲۴۲ فصلی وتقریباً ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے- ابتدائی تعلیم

والد سے اور فارسی و عربی حضرت مولانا عبدالواسع سعدی پوریؒ صاحب مناجات مقبول سے پڑھی اور متوسطات تک (۹۸) کچھ کتابیں مدرسہ فیض عام کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور فقہ اور نحو کے ماہر مولانا خیر الدین سے پڑھیں- اس کے بعد باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادیؒ سے بیعت ہوئے- اس کے بعد بقیہ کتب حدیث حضرت مولانا عبدالکریم سے پڑھیں-

حضرت مولانا رحمٰن گنج مراد آبادی کے وصال کے بعد ان کے خلفاء حضرت احمد میاں اور مولانا عبدالکریم سے راہ سلوک طے کی، پھر حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی خدمت میں تیس سال گزار کر معراج کمال کو پہنچے، ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور وہاں کے شیوخ کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے- تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک درس و تدریس کا مشغلہ قائم رکھا- اسی دوران مدرسہ رحمانیہ سوپول میں عربی علوم کی ابتداء اور ان کی ترویج و بقاء کی بے مثل خدمت انجام دی پھر تدریس ترک کر دی اور اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا، حضرت مولانا کی زندگی بے حد سادہ تھی، صداقت و راستبازی، حق گوئی اور انکساری بچپن ہی سے ان کی امتیازی شان رہی، آپ کی مکمل سوانح ''کلید معارف'' ہے-

وفات:

۹ صفر ۱۳۱۳ھ بمطابق ۴ فروری ۱۹۴۴ء بروز جمعہ انتقال ہوا اور ہرسنگھ پور میں مدفون ہوئے- ۷۹ سال کی عمر پائی- (۹۹)

مولانا محمد ایوب شکروی:

مولانا محمد ایوب کے والد کا نام محمد خلیل تھا- آپ کے اجداد کرا الہ آباد سے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد منتقل ہو کر شکری ضلع مدھوبنی میں آباد ہو گئے تھے- آپ کے والد علاقہ کے مشہور زمینداروں میں سے ایک تھے اور اطراف میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے- مولانا محمد ایوب کی ولادت ۱۸۹۵ء میں ہوئی- شکری

راجہ شنکر دیو سنگھ کا دارالخلافہ تھا- آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں ہوئی- آپ کے استادمیں مولانا عبدالوہاب بلاسیوریؒ شامل تھے- کچھ دنوں تک آپ نے مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں تعلیم حاصل کی، جہاں آپ نے مولانا مقبول احمد خانؒ اور مولانا عبدالحمیدؒ سے اکتساب فیض کیا، کچھ دنوں کے لئے آپ بریلی شریف تشریف لے گئے اور وہاں بھی تعلیم حاصل کی- آخر میں اپ نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی علمی پیاس کو بجھایا اور ۱۹۱۰ء میں فراغت حاصل کی، دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور اس وقت کے مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی- حضرت مولانا قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ کے ساتھیوں میں سے تھے-

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں شنکری میں واقع مدرسہ قدرتیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، کچھ دنوں بعد آپ مدرسہ فرقانیہ بکھیلا گھاٹ منتقل ہوگئے اور وہاں تدریسی خدمت شروع کی- تقریباً پانچ سال تک وہاں درس وتدریس کی خدمت انجام دے کر طلباء کی تربیت، پھر آپ نے محسوس کیا کہ ایک مدرستہ تک اپنے آپ کو محدود رکھنا مناسب نہیں- اس فیصلے کے بعد آپ مدرسہ چھوڑ کر اصلاح کا کام کرنے لگے-

آپ کی اصلاحی تحریک کی وجہ سے شنکر واطراف میں جہالت کو دور کرنے میں بڑی مدد ملی اور ایک بڑی تعداد (۱۰۰) تعلیم کی طرف مائل ہوئی، اس کے نتیجے میں ایک نسل تعلیم سے فیضیاب ہوسکی، اللہ نے آپ کو ظریف الطبع بنایا تھا- اپنی باتوں سے لوگوں کو مسحور کر دیتے تھے- باتوں سے باتیں پیدا کرنا آپ کی انفرادیت تھی- مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور کثرت سے مطالعہ کرتے تھے، مرتے دم تک یہ شوق باقی رہا، آپ کی آنکھ نے ہمیشہ ساتھ دیا اور بینائی آخر تک باقی رہی- آپ نے اپنے پیچھے بے انتہا شاگردوں کو چھوڑا، ان میں مولانا عبدالقدوس مدرس مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوام، حکیم نور شنکروی، مولانا زین العابدین قابل ذکر ہیں-

آپ کو شاعری کا بھی ذوق تھا اور عالیؔ تخلص کرتے تھے- زیادہ تر نعتیہ اشعار کہتے تھے- آپ کے ہم عصر شعراء میں حاجی مدنی نوری، محمد صوفی قادری، حافظ محمد محمود، مولانا عبدالرحمٰن، مولوی حامد حسین جوش، عبدالعلام ہوش قابل ذکر ہیں- ان ہی بزرگوں کے طفیل موجودہ نسل میں اب تک ادب و شاعری کا ذوق پایا جاتا ہے-

آپ نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جو طبع نہ ہوسکی اور اب مسودہ بھی ضائع ہو چکا ہے-

وفات:

۱۹۶۵ء میں شکری میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے- (۱۰۱)

مولانا قاری محمد عثمان بریلوی دربھنگوی:

مولانا قاری محمد عثمان کے والد کا نام محمد شہادت علی تھا- ان کی پیدائش دربھنگہ ضلع کے موضع بریول میں ایک متوسط مومن خاندان میں ہوئی- موضع بریلول دربھنگہ شہر سے پانچ کلومیٹر پچھم پر واقع ہے-

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور موضع دیگھیا رتھانہ کیوٹی ضلع دربھنگہ میں حاصل کی- تقریباً سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے کے لئے مدرسہ چشمۂ فیض مل تشریف لے گئے، حفظ سے فارغ ہو کر میرٹھ تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے عالم اور فاضل کی سند حاصل کی- ۱۹۲۲ء میں حکمت کی سند طبی کالج لکھنؤ سے حاصل کی-

مولانا قاری محمد عثمان صوبۂ بہار کے مشہور عالم تھے- شیریں بیانی اور سحر انگیز قرأت کے سبب طوطی بہار کے لقب سے نوازے گئے- فراغت کے بعد ابتداء میں طبابت کا پیشہ اختیار کیا جس سے لوگوں کو بہت

فائدہ پہنچا لیکن وعظ ونصیحت اور سیاسی مشاغل کی وجہ سے طبابت کے لئے وقت نہیں بچتا تھا اس لئے اسے ترک کرنا پڑا۔

مولانا سیاست سے بھی شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم پر ہمیشہ قائم رہے۔

قاری محمد عثمان کے ایماء پر ہی آل انڈیا مومن کانفرنس کا جلسہ ۱۹۳۶ء میں ضلع اسکول دربھنگہ سے پورب جانب منعقد ہوا جس کی صدارت جناب خان بہادر مسٹر جلیل ایڈووکیٹ نے کی، اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے قاری صاحب نے بہت کوشش کی، دربھنگہ ضلع کے بہت سے گاؤں کا دورہ کیا۔ قاری صاحب کی اپیل پر بہت سے لوگوں نے مومن کانفرنس میں شرکت کی اور اسی کے نتیجہ میں جمعیۃ علماء نے دربھنگہ الیکشن میں کامیابی حاصل کی۔

قاری صاحب عمر کے آخری حصہ میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ (۱۰۲)

مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیری:

مولانا سید منت اللہ رحمانی مشہور معروف علمی خانوادے سے وابستہ تھے۔ حضرت مولانا محمد علی، مونگیری جو عمی میں مشہور ہیں، وہ آپ کے والد ماجد تھے۔ مولانا ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔

آپ نے اپنا علمی سفر مونگیر سے شروع کیا۔ چار سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رہے پھر دارالعلوم دیوبند گئے، دارالعلوم دیوبند سے تعلیم کی تکمیل کی۔

اللہ نے کام کا شعور روز اول سے ہی عطا فرمایا تھا چنانچہ علماء دیوبند کی قیادت میں آزادی ملک کی

تحریک میں آپ بھی دیگر علماء کے دوش بدوش چلتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں گرفتاری بھی دی اور جیل بھی گئے-۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغ حاصل کی-۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علماء بہار کے سیکریٹری منتخب ہوئے-۱۹۳۶ء میں بہار اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہوئے لیکن اس کے ساتھ طریقت کی طرف سے بھی بے اعتنائی نہیں برتی اور اپنے والد حضرت مولانا محمد علی مونگیری سے بیعت بھی ہوئے لیکن اس راہ میں تکمیل آپ کو مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوریؒ سے حاصل ہوئی-آپ کے بڑے بھائی مولانا سید شاہ لطف اللہ کا انتقال ہوا تو آپ خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین مقرر ہوئے-۱۹۴۵ء میں جامعہ رحمانی کے نام سے بند مدرسہ کا احیاء کیا-۱۹۵۵ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا-

۱۹۷۲ء میں آپ کی مساعی جمیلہ کے بدولت بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کنونشن منعقد ہوا اور پھر ۱۹۷۲ء میں حیدرآباد میں بورڈ کا اجلاس ہوا، جس میں آپ کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا، آپ نے آخر دم تک اس پلیٹ فارم سے مسلم مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی جو قابل قدر اور قابل تحسین ہے-

امیر شریعت:

۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں آپ امیر شریعت منتخب کئے گئے-آپ کے زمانہ میں امارت شرعیہ نے کافی ترقی کی-(۱۰۳)مولانا جید عالم اور صاحب فہم وفراست کے حامل قائد تھے-آپ کی علمی یادگاریں مندرجہ ذیل اہم کتابیں ہیں:

تصانیف:

مکاتیب گیلانی، یونیفارم سول کوڈ، مسلم پرسنل لاء، قانون شریعت کے مقاصد، متبنیٰ بل کی کہانی، فیملی پلاننگ، ایڈپشن آف چلڈرن بل اور دی پلان آف نیشنس سیکورٹی-آپ کی مفصل سوانح بھی طبع ہوچکی ہے-

وفات:

مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء کی شب میں نماز تراویح کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے اچانک انتقال ہوگیا۔ مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے جوار میں مدفون ہوئے۔ (۱۰۴)

مولانا حافظ محمد طیب کستواوی:

مخدوم بہار مولانا حافظ محمد حبیب کی پیدائش کا سال ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۰۱ء، جائے ولادت قصبہ کہنواں ضلع سیتامڑھی ہے۔ آپ کی نانیہال ضلع سیتامڑھی ہے۔

ابتداء میں والد نے تعلیم کے لئے اسکول میں بھیجا، چند سال آمدورفت کا سلسلہ رہا مگر خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آیا تو گاؤں کے محمد علی میاں جی کے پاس دینی تعیم کا آغاز ہوا۔ حضرت شاہ حافظ محمد عیسی سے ناظرہ اور حفظ قرآن پاک کی تکمیل فرمائی۔ پھر (۱۰۵) ابتدائی فارسی حضرت مولانا جمال احمد کمیاویؒ سے اور بعد قیام مدرسہ اشرف العلوم حضرت مولانا صوفی رمضان علی سے پڑھا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتی سے پڑھا، مختصر المعانی تک تعلیم مدرسہ اشرف العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ حنفیہ آرہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا محمد مسلم جونپوریؒ شیخ الحدیث تھے، وہیں سے ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں فراغت پائی۔

اللہ نے آپ کو عمر طویل نصیب فرمائی اس لئے آپ کی خدمت کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ مجموعی طور پر پچاس سال تدریس ونظامت کی خدمت مدرسہ اشرف العلوم کہنواں ضلع سیتامڑھی میں انجام دیا اور تقریباً دس سال رامپور بیریا کیسریہ چمپارن میں قیام فرمایا۔ بہت سے مدارس اور مساجد آپ کے دست مبارک سے قائم ہوئے۔ علاقہ کے اصلاحی کام اور اسلامی بیداری میں بھی پیش پیش رہے۔

آپ کی مکمل سوانح حیات ''طیبہ وارواج حیبہ'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ ۱۴۰۴ھ میں آپ پر

فالج کا حملہ ہوا جو مرض الوفات ثابت ہوا۔

وفات:

۸ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء کو شب جمعہ میں برین ہیمبرج ہوگیا۔ غشی کی حالت رہا کرتی تھی۔ ۱۴ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء بروز بدھ وفات پائی۔ ۱۵ جمادی الآخری ۱۴۱۱ھ بمطابق ۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ اشرف العلوم کنہواں کے مخصوص قبرستان مزار طیبی میں دفن کئے گئے۔(۱۰۶)

مولانا محمد قاسم سوپولوی در بھنگوی:

حضرت مولانا محمد قاسم سوپول ضلع در بھنگہ کے محلہ شیخ پورہ میں پیدا ہوئے۔ جب مدرسہ رحمانیہ سوپول کا افتتاح محلہ شیخ پورہ میں ہوا اور علوم عربیہ کے مایہ ناز استاذ عارف باللہ، حضرت مولانا عارف ہرسنگھ پوریؒ مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تو حضرت مولانا محمد قاسم کو عربی علوم کے طالب علم کی حیثیت سے سب سے پہلے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ انہوں نے یہاں کافیہ تک تعلیم حاصل کی پھر بعض سہولتوں کی بناء پر(۱۰۷) حضرت مولانا ادریس کے مدرسہ محمود العلوم موضع دملہ ضلع مدھوبنی میں تعلیم حاصل کرنے لگے اور وہاں سے مدرسہ امدادیہ در بھنگہ میں داخل ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالوہابؒ، حضرت مولانا عبدالرحیمؒ اور حضرت مولانا عبدالودودؒ سے علمی استفادہ کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ رحمانیہ سوپول کی خدمت میں مشغول ہوگئے ساتھ ہی سوپول کے مڈل اسکول میں تعلیمی خدمت پیش کیں۔ بعد میں اسکول سے درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور مدرسہ رحمانیہ کی خدمت اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے خاص ہو کر رہ گئے۔ مولانا تحریک آزادی کے ایک سرگرم مجاہد تھے، کئی مرتبہ جیل گئے، پہلی مرتبہ میں تین سال تک جیل میں زندگی گزاری۔ مولانا محمد قاسم ایک عرصہ تک مدرسہ رحمانیہ کے

سیکریٹری اور صدر مدرس بھی رہے- آپ نے حضرت مولانا عثمان کو مدرسۂ رحمانیہ سوپول کی خدمت کے لئے بلایا-

وفات:

مولانا ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو پانچ بج کر دس منٹ پر مغرب کی اذان سے کچھ پہلے وفات پائی- حضرت مولانا محمد شمس الہدیٰ مہتمم مدرسۂ رحمانیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سوپول میں دفن کئے گئے-(۱۰۸)

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری:

ولادت:

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری ۱۸۵۶ء کے قریب داناپور محلّہ شاہ ٹولی میں پیدا ہوئے- ان کا آبائی مکان داناپور گھوسرہ ضلع پٹنہ میں تھا بلکہ اب تک ہے- آپ کی ابتدائی تعلیم داناپور اور آگرہ میں ہوئی اور لکھنؤ وحیدرآباد میں تکمیل کو(۱۰۹) پہنچے، آپ کے والد کا نام عبدالقادر تھا جو ایک صاحب علم کی حیثیت سے مشہور تھے- مولانا عبدالرؤف عالم دین کی حیثیت سے چیدہ چیدہ علماء میں سے تھے- مولانا کے تبحر علمی کا اعتراف مولانا آزادؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن وغیرہ نے کیا ہے-

مولانا عبدالرؤف کی مہتمم بالشان تصنیف اصح السیر ہے- یہ دو جلدوں میں ہے- مولانا عبدالماجد دریابادی اور دیگر علماء نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے

مولانا عبدالرؤف داناپوری انگریزی سامراجیت کے سخت مخالف تھے- ۱۹۱۶ء سے برابر انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں شریک رہے- ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد، سبھاش چندر بوس اور مولانا داناپوری

دوسرے لیڈروں کے ساتھ گرفتار ہوئے اور چھ ماہ قید رہے۔

مولانا طب میں مہارت رکھتے تھے۔ کلکتہ میں انجمن طلباء قائم ہوئی تو مولانا اس کے صدر منتخب کئے گئے۔ اس عہدہ پر برسوں تک رہے۔ مولانا ہی کی کوشش سے حکومت بنگال نے انجمن طلباء کے بورڈ آف فیکلٹی کو تسلیم کرلیا تھا۔ بہار میں جب طبی کالج کا قیام عمل میں آیا تو پرنسپل کے عہدہ کے لئے پیشکش ہوئی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔

آپ ملازمت کے قائل نہیں تھے۔ گیا میں جب کانگریس میں خلافت اور جمیۃ العلمائے ہند کا اجلاس ایک ہی وقت میں الگ الگ منعقد ہوا تو مولانا کو جمیۃ العلمائے ہند کی مجلس استقبالیہ کا صدر چنا گیا۔

وفات:

۱۹۴۸ء میں ۲۰/ ۲۱ فروری کی درمیانی شب کو ۱۲ بجے کلکتہ میں وفات پائی اور وہیں مانک تلہ پشاوری قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۱۱۰)

مولانا حکیم سید برکات احمد:

ولادت:

ریاست ٹونک میں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ نام برکات احمد رکھا گیا، کنیت ابو محمد اختیار فرمائی۔

ابتدائی تعلیم:

قرآن کریم حافظ عبداللہ ماڑوواڑی سے اور فارسی کا نصاب مولوی عبدالمجید (پرانے ٹونک والے) سے مکمل کیا۔ عربی صرف ونحو، فقہ، منطق، فلسفہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد نے خود ہی دی پھر بہار سے اپنے ایک رفیق درس مولوی لطف علی کو اسی مقصد کے لئے ٹونک بلایا اور فرزند عزیز کی تعلیم میں ان کو بھی شریک کیا۔ ٹونک

ہی میں مولانا صدرالدین آزردہ کے شاگرد مولانا محمد حسن خان مقیم تھے، ان ہی سے ہدایہ پڑھی۔ والد ماجد سے شرح وقایہ (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۶ء میں) اور مولوی لطف علی بہاری سے شرح مسلم(۱۱) بحر العلوم (۱۲۹۶ھ/۹-۱۸۷۸ء میں) شروع کی تھی کہ علامہ عبدالحق خیرآبادی والیٔ ٹونک کی دعوت پر ٹونک تشریف لائے۔ حکیم دائم علی صاحب علامہ فضل حق سے تلمذ کی بناء پر علامہ عبدالحق کے خواجہ تاش تھے اور یہ دعوت بھی حکیم صاحب ہی کے ایماء وخواہش پر دی گئی تھی۔ مولانا برکات احمد علامہ کے سامنے پیش کئے گئے، علامہ نے امتحان لیا اور گویا جوہری نے جوہر قابل کو پرکھ لیا:

''علامہ نے حکیم دائم علی صاحب سے فرزند کی سلامت طبع، ذہانت اور محنت وریاضت کا ذکر کیا تو حکیم صاحب نے جواب دیا کہ اب تک جو کچھ محنت اس پر کی ہے، وہ صرف اسی لئے کی ہے کہ آپ سے براہ راست استفادے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔''

یہ کہہ کر سعید ورشید بیٹے کا ہاتھ علامہ کے ہاتھ میں دے دیا۔(۱۲) مولانا نے رام پور اور خیرآباد میں پندرہ سال علامہ کے دامن سے رہ کر اس شان سے تحصیل علوم کی طلب علم کا حق ادا کر دیا۔(۱۳) پندرہ سال میں درسیات کی نصابی اور غیر نصابی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں سفر علم کے جس مرحلے کا آغاز ہوا تھا، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں رہ اختتام کو پہنچا۔(۱۴)

مدرسۂ خلیلیہ:

مولانا نے تدریس کا آغاز اس وقت کر دیا تھا جب متوسطات تک پہنچے تھے، فرماتے تھے کہ جب میں میرزاہد ملا جلال اور شرح سلم بحر العلوم پڑھ رہا تھا تو اس وقت سے شرح جامی اور شرح تہذیب پڑھانا شروع کر دی تھی۔(۱۵)

مولانا نے اپنے اور اپنے معاون معلمین کی اس درسگاہ کو ایک مدرسے کی شکل دے دی، والیٔ ریاست

نواب محمد ابراہیم علی خان کے تخلص خلیل کی نسبت سے خلیلیہ نام رکھ دیا گیا- والیٔ ریاست کے چچا اور نائب الریاست صاحبزادہ عبیداللہ خان بہادر نے حافظ محمود خاں سے ایک وسیع حویلی مرید کر مدرسے کے لئے وقف کردی-(۱۱۶)

انجمن علوم:

دارالعلوم کے آغاز کے ساتھ ہی آپ نے ''انجمن علوم'' کے نام سے ایک ادارے کی تاسیس بھی کی تھی جس کا مقصد طلباء اور علماء میں ذوق تحریر پیدا کرنا اور دینی و عقلی علوم پر اردو زبان میں تصنیف و تالیف کی تربیت دینا تھا- اس انجمن کی نشستیں ہر ہفتے ہوتی تھیں اور ان میں مقالات پڑھے جاتے تھے- ایسے مقالات کا ایک مجموعہ نتائج المجالس کے نام سے مرتب کر کے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں شائع کیا گیا تھا-(۱۱۷)

شیوخ واساتذہ سے عقیدت:

مولانا اپنے اساتذہ سے شیفتگی کی حد تک محبت کرتے تھے اور ان کی ہر ہر ادا سے پیار کرتے تھے خصوصاً علامہ عبدالحق سے ان کی عقیدت ایک شان امتیازی رکھتی تھی- خود علامہ آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اور مشہور عالم ملا برکت الہ آبادی کے نام کی مناسبت سے آپ کو ملا برکت کہا کرتے تھے-(۱۱۸)

طلباء کی خدمت:

ابتداء بیرونی طلباء آپ کے ذاتی مہمان ہوتے تھے، آپ ہی کے حکمت کدے میں مقیم اور آپ کے شریک طعام ہوتے تھے، آپ بالالتزام ہر دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے پوچھ لیتے تھے کہ سب طلباء کو کھانا چلا گیا، آپ تک بعض طلبا کی شوخیوں، بعض کی نازک مزاجیوں کی اطلاعات پہنچتی تھیں مگر انہیں سن کر کبھی مسکرا دیا کرتے تھے اور یوں شکایت کرنے والا مایوس ہو جاتا کہ حضرت تو شکایت سن کر اثر لینے کے بجائے الٹا لطف لیتے ہیں-(۱۱۹)

قناعت واستغناء:

مولانا جس طرح شہرت ونا موری سے گریزاں اور دامن کشاں رہے اسی طرح دولت دنیا کی طلب اور ہوس بھی آپ کے حریم قلب میں بار نہ پاسکی- دولت کو آپ نے ہمیشہ ٹھکرایا اگر چہ وہ ہمیشہ گرد سفر کی طرح وابستۂ دامن رہی- عبادات وطاعات اور تدریس وتحریری مشاغل کے لئے جس سکون خاطر کی ضرورت تھی وہ آپ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا، اسی لئے ایک چھوٹی سی ریاست کے ایک گوشہ (۱۲۰) سکوں کو اس لحاظ سے آپ غنیمت جانتے تھے کہ شب وروز کا بہت تھوڑا سا وقت نواب کی خدمت میں صرف ہوتا تھا، باقی وقت کو آپ اپنی اور دوسروں کی عاقبت سنوارنے میں صرف فرماتے تھے اور اس گوشے سے نکلنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے- (۱۲۱)

جود وسخا:

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غنی پیدا کیا تھا، ان کا دامن ہوس زر کی آلودگی سے بھی پاک تھا اور زر اندوزی کے داغ سے بھی دولت کی ان پر بارش ہوتی رہی اور وہ اسے لٹاتے رہے، آمدنی کا بڑا حصہ اعزہ پر، طلباء پر، غرباء پر صرف فرماتے رہے- عربوں سے دیار نبیؐ کے باسیوں سے خصوصی تعلق خاطر تھا- اس دور میں عرب خستہ حال اور حاجت مند تھے اور طلب اعانت کے لئے بکثرت عرب برعظیم آیا کرتے تھے، ٹونک میں ان کی پذیرائی خاطر خواہ ہوتی تھی، مولانا نے مسافروں کے لئے عموماً مگر عربوں کے لئے خصوصاً، والد ماجد کی بنا کردہ مسجد کے برابر ایک بڑے قطعۂ زمین پر ایک مہمان سرائے (رباط الحکیم ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء) تعمیر کی تھی جس میں ہر مسافر کے لئے عموماً اور عربوں کے لئے خصوصاً قیام وطعام کا آپ کی جانب سے انتظام تھا- سال میں چند بار فی تحہ کے کھانے پکواتے جن میں دعوت عام ہوتی- شوق یہ تھا کہ کھانا اتنی زیادہ مقدار میں پکے کہ مہمانوں سے بچ رہے اور لٹایا جائے- (۱۲۲)

کتب اندوزی:

مولانا نے کتابیں جمع کرنے اور خریدنے کا آغاز، آغاز طلب علم ہی میں کر دیا تھا، ٹونک میں بھی بعض علماء کے ناخلف ورثاء اپنے اہل اسلاف کی شوق سے جمع کردہ کتابوں کو فروخت کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ تاجران کتب مثلاً کہ بمبئی، ملک الکتاب اور ابناء غلام رسول سورتی اور دہلی کے مطابع سے مسلسل کتابوں کی خرید کا سلسلہ جاری رہتا۔(۱۲۳)

تصانیف وتالیفات:

مولانا کی تصانیف، منطق، حکمت، کلام، فقہ، تصوف، حدیث، اصول فقہ اور تاریخ سے متعلق ہیں، زیادہ تر عربی زبان میں ہیں، چند اردو میں ہیں۔

۱۔ القول الضابط فی تحقیق الوجود الرابط..... ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء مطبع علوی لکھنؤ، (منطق)

۲۔ تلک عشرة کاملہ . . . . ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء مصلح المطابع، دہلی، (فلسفہ)

۳۔ حسرة العلماء بوفاة شمس العلماء...... ۱۳۲۴ھ/۱۸۹۶ء مصلح المطابع، دہلی، (تاریخ)

۴۔ مکتوب (علم غیب).. ...۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کلیمی پریس، کلکتہ، (عقائد)

۵۔ امام الکلام فی تحقیق حقیقة الاجسام.. .. ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء انتظامی پریس، کانپور، (فلسفہ)(۱۲۴)

۶۔ رسالہ وجود رابطی...... ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء انتظامی پریس، کانپور، (منطق)

۷۔ نبراس الحرکہ. . . . مطبع انوار حمدی، الہ آباد، (فلسفہ)

۸- الحجة البازغه فی تردید ہفوات الفلاسفه... ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء عثمان پریس، دکن، (فلسفہ وکلام)

۹- الہدیۃ البرکاتیہ (علم الٰہی)......۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء شمس الاسلام پریس، حیدرآباد دکن، (عقائد)

۱۰- اتقان العرفان فی ماهیه الزمان...... ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء شاہی پریس لکھنؤ، (فلسفہ)

۱۱- فصل الخطاب فی العلم بماغاب...... ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء مطبع ہلالی، دہلی، (عقائد)

۱۲- ابانة اجوار و الاعتساف فی ما احد ثوافی خبر التلفراف...... جید برقی پریس، دہلی، (فقہ)

۱۳- الصمصام القاضب لردا المفتری علیٰ اللّٰه الكاذب ..... ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء نوبہار برقی پریس، ملتان، (عقائد)

۱۴- المعارف الالهية (عربی) الٰہیات-

۱۵- تنوير المنار...... (عربی بحرالعلوم کی شرح المنار (نسفی) فارسی کی تعریف

۱۶- تحقيق انيق......(عربی) تصوف والٰہیات

۱۷- حاشه ترمذی شریف.. ..(عربی) تا کتاب البیوع

۱۸- رسالہ در بحث وجود (فارسی)

۱۹- رسالہ تحقیق کلمۂ طیبہ

۲۰- کتاب فی الوجود الباری.....(عربی) الٰہیات وتصوف(۲۵)

۲۱- تکمله مفتاح الحجی (علامہ عبدالحق) عربی، منطق

۲۲- حاشیہ بر حاشیہ اور عبدالحق بر حاشیہ شرح مواقف از میر زاہد

۲۳- رسالہ امتناع النظیر

۲۴- رسالہ ماء الجبن (فارسی)

۲۵- رسالہ امراض رحم (فارسی)

۲۶- بیاض جامع البرکات

۲۷- الحجة البارقه فی تحریم اخذ الربا والریبه (اردو)(۱۲۶)

وفات:

یکم ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/ ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء(۱۲۷)

مولانا برکات احمد بے مثال فلسفی اور ادب عربی میں نادر روزگار عالم گزرے ہیں- یہ بہار ہی کی خاک تھی جس کے فیض سے ہندوستان کا چپہ چپہ فیضیاب ہوا اور اس کی خوشبو نے سارے ہندوستان کو معطر کیا-(۱۲۸)

حواشی باب سوم، فصل اول

۱-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۴۸
۲-ایضاً، ص ۲۵۴
۳-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، پٹنہ، ص ۶۸
۴-ایضاً، ص ۶۹
۵-ایضاً، ص ۷۱
۶-ایضاً، ص ۷۲
۷-ایضاً، ص ۷۳
۸-ایضاً، ص ۷۴
۹-ایضاً، ص ۷۸
۱۰-ایضاً، ص ۷۹
۱۱-ایضاً، ص ۸۰
۱۲-ایضاً، ص ۸۱
۱۳-ایضاً، ص ۸۲
۱۴-ایضاً، ص ۸۴
۱۵-ایضاً، ص ۸۶
۱۶-معارف (شاہ بدرالدین): جلد ۱۲۱، اکتوبر ۷۷ء، شوال ۱۳۹۷ھ، ص ۲۸۵
۱۷-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۸۷
۱۸-ایضاً، ص ۸۸
۱۹-ایضاً، ص ۹۲
۲۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۹۵
۲۱-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اخیان وطن، ص ۹۴
۲۲-ایضاً، ص ۹۵
۲۳-محمد ظفیر الدین مفتاحی: امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، صبح اول، ربیع الاول، ۱۳۹۴ھ، اپریل ۱۹۷۴ء، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)، ص ۷۷
۲۴-ایضاً، ص ۷۸
۲۵-معارف، شاہ بدرالدین: جلد ۱۲۱، کتوبر ۷۷ء، شوال ۱۳۹۷ھ، ص ۳۰۰

۲۶-ایضاً،ص ۳۰۱

۲۷-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۹۵

۲۸-معارف، شاہ بدرالدین، جلد ۱۲۱، اکتوبر ۷۷ء، شوال ۱۳۹۷ھ، ص ۳۵۷

۲۹-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۹۶

۳۰-ایضاً،ص ۹۸

۳۱-ایضاً،ص ۹۹

۳۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۰۷

۳۳-حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: اعیان وطن، ص ۹۹

۳۴-ایضاً،ص ۱۰۰

۳۵-ایضاً،ص ۱۰۱

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۰۸

/حکیم اسرار الحق: تاریخ اطبائے بہار، جلد دوم، ۱۹۸۴ء، پٹنہ، ص ۱۹۳

۳۶-روزنامہ جنگ، کراچی، منگل ۲۲ اگست ۲۰۰۰ء، ص ۹

۳۷-شاہ حسین گردیزی: تجلیات مہر انور، تاریخ اشاعت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء طباعت بار اول، مطبع گداز پریس، کراچی، ص ۵۴۴

۳۸-ایضاً،ص ۵۴۵

۳۹-ایضاً،ص ۵۴۸

۴۰-شمس المعارف (شاہ سلیمان پھلواروی کے خطوط کا مجموعہ)، مرتبہ مولانا شاہ غلام حسنین قادری چشتی سلیمانی پھلواروی، مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی، ص ۴۱

۴۱-ایضاً،ص ۴۲

۴۲-ایضاً،ص ۴۳

۴۳-ایضاً،ص ۴۴

۴۴-ایضاً،ص ۴۵

۴۵-ایضاً،ص ۴۵

۴۶-ایضاً،ص ۴۹

۴۷-ایضاً،ص ۵۰

۴۸-ایضاً،ص ۵۱

۴۹-ایضاً،ص ۵۲

۵۰-مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی: پیغمبر انسانیت، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۱۵

۵۱-ایضاً،ص ۵۳

۵۲- ایضاً،ص۵۴

۵۳- ایضاً،ص۵۷

۵۴- مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی، مولانا شاہ غلام حسنین قادری چشتی سلیمانی پھلواروی، ''شمس المعارف''،ص ۷۱

۵۵- ایضاً،ص۷۲

۵۶- ایضاً،ص۷۸

۵۷- ایضاً،ص۸۳

۵۸- ایضاً،ص۱۴۶

۵۹- ایضاً،ص۱۵۶

۶۰- ایضاً،ص۱۶۳

۶۱- ایضاً،ص۱۹۱

۶۲- ایضاً،ص۲۰۰

۶۳- ایضاً،ص۲۱۳

۶۴- ایضاً،ص۲۱۶

۶۵- ایضاً،ص۲۸۷

۶۶- ایضاً،ص۳۴۰

۶۷- ایضاً،ص۵۷۰

۶۸- ایضاً،ص۶۵۶

۶۹- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۳۹۹

/ سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: آثارات پھلواری شریف، موسم بہ اعیان وطن،ص۲۳۹

۷۰- ایضاً،ص۲۳۹

۷۱- ایضاً،ص۲۴۶

۷۲- ایضاً،ص۲۴۷

۷۳- ایضاً،ص۲۵۵

۷۴- ایضاً،ص۲۵۶

۷۵- ایضاً،ص۲۵۹

۷۶- ایضاً،ص۲۶۰

۷۷- ایضاً،ص۲۶۲

۷۸- ایضاً،ص۲۶۳

۷۹- ایضاً،ص۲۶۴

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۳۹۹

۸۰-سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف موسوم، بہ اعیان وطن، ص۲۶۴
۸۱-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، طبع اول دسمبر۲۰۰۴ء، طابع فیئر فین پریس، اردو بازار، کراچی، ص۲۶۴
۸۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۸۹
۸۳-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، ص۲۶۶
۸۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۹۲
۸۵-سید محمد الحسنی رہنمائی ونگرانی مولانا سید ابوالحسن ندوی: ''سیرت مولینا سید محمد علی مونگیری''، بار دوم، ۱۹۷۸ء، مطبوعہ جے کے آفسٹ پرنٹرز، دہلی، ناشر مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ص۳۱
۸۶-ایضاً، ص۳۴
۸۷-ایضاً، ص۳۵
۸۸-ایضاً، ص۱۱۵
۸۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۹۲
۹۰-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، ص۲۷۰
۹۱-ایضاً، ص۲۷۱
۹۲-سید محمد الحسنی: سیرت مولانا محمد علی مونگیری''، ص۵۸
۹۳-ایضاً، ص۵۹
۹۴-ایضاً، ص۶۳
۹۵-ایضاً، ص۳۹۸
۹۶-ایضاً، ص۱۱۵
۹۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۹۳
۹۸-ایضاً، ص۳۰۰
۹۹-کلید معارف تذکرہ مولانا محمد عثمان، ص ۲۱
/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۰۱
۱۰۰-ایضاً، ص۳۲۱
۱۰۱-ایضاً، ص۳۲۲
۱۰۲-ایضاً، ص۳۵۶
۱۰۳-ایضاً، ص۳۷۱
۱۰۴-کلید معارف تذکرہ مولانا محمد عثمان، ص۴۳۱
/ نقیب، ۱۰ جون ۱۹۹۱ء
۱۰۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۷۳
۱۰۶-مولانا عبدالعزیز بستی مظفرپوری: ارواح طیبہ، ص۴۵

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۷۴
۱۰۷- ایضاً، ص ۳۷۴
۱۰۸- کلید معارف تذکرہ مولانا محمد عثمان، ص ۲۳۱
/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۷۵
۱۰۹- ایضاً، ص ۱۶۴
۱۱۰- ایضاً، ص ۱۶۵
/ حکیم اسرار الحق: تاریخ اطبائے بہار، ۱۹۸۰ء، ص ۷۲
/ ہماری زبان، یکم مئی ۱۹۹۳ء
۱۱۱- حکیم محمود احمد برکاتی: مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ناشر برکات اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۷
۱۱۲- ایضاً، ص ۴۸
۱۱۳- ایضاً، ص ۴۸
۱۱۴- ایضاً، ص ۵۱
۱۱۵- ایضاً، ص ۷۱
۱۱۶- ایضاً، ص ۷۴
۱۱۷- ایضاً، ص ۸۰
۱۱۸- ایضاً، ص ۱۰۰
۱۱۹- ایضاً، ص ۱۱۵
۱۲۰- ایضاً، ص ۱۲۹
۱۲۱- ایضاً، ص ۱۳۰
۱۲۲- ایضاً، ص ۱۳۲
۱۲۳- ایضاً، ص ۱۳۷
۱۲۴- ایضاً، ص ۱۶۳
۱۲۵- ایضاً، ص ۱۶۴
۱۲۶- ایضاً، ص ۱۶۵
۱۲۷- ایضاً، ص ۹۹
۱۲۸- عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، ص ۳۷۵

نوٹ:- اس تحقیقی مواد کے بعد علمائے بہار کی تدریسی خدمات کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب سوم

(فصل دوم)

علمائے بہار کی تدریسی خدمات

مولانا ابوالفضل محمد صفیر احمد مظفر پوری:

نام صفیر احمد، کنیت ابوالفضل اور والد کا نام نور محمد تھا- آپ کی پیدائش ۱۸۹۲ء میں موضع سسولی پوسٹ اورائی ضلع مظفر پور میں ہوئی- ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی، پھر عربی وفارسی کی تعلیم کے لئے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم مظفر پور تشریف لے گئے- فراغت کے بعد گاؤں کے مکتب میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، پھر ۱۹۲۲ء میں اردو مڈل اسکول اورائی ضلع مظفر پور میں معلم کی حیثیت سے بحال ہوئے اور ۱۹۶۲ء تک معلمی کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے- آپ اس ادارہ کے تاسیسی اساتذہ میں سے تھے-

آپ نے علاقہ کی تعلیمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قرب وجوار کے تقریباً ہر گاؤں میں شبینہ اسکول قائم کیا- جمعیۃ العلماء کی سرگرمی میں جنگ آزادی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے والوں میں آپ کا نام سرفہرست تھا- مولانا صفیر احمد کو عربی وفارسی زبانوں میں پوری مہارت حاصل تھی، انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے تھے-

وفات:

آپ کی وفات ۱۹۷۵ء میں ہوئی-(۱)

الحاج محمد شمیم اشرف:

الحاج محمد شمیم اشرف، ایم اے، ایم بی اے،- ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء کو موضع بگھول ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے- جناب شاہ محمد یحییٰ مرحوم کے لائق فرزند ہیں- پاکستان کے معروف صنعتکار اور تاجر ہیں- بسلسلہ تجارت زیادہ تر قیام بیرون ملک بالخصوص مشرق وسطی میں رہتا ہے- عالمی شہرت یافتہ ماہر علم المحاسبہ (Accountancy) ہیں- فلاحی اور رفاحی اداروں کی بے لوث اعانت ومعاونت آپ کی فطرت ثانیہ بن

چکی ہے-کل پاکستان دربھنگہ ایسوسی ایشن کے اعزازی صدر ہیں- اس انجمن کو ایک فعال ادارہ بنانے میں آپ نے اپنی پوری توانائی کو بروئے کار لایا ہے-آپ شعبۂ ریاضیات کے ایک کامیاب محقق بھی ہیں-آپ نے ایک آفاقی کیلنڈر ایجاد کیا ہے جو "Intinite Gregorian Calender" کے نام سے مشہور ہے-(۲) ریاضیات، حسابیات اور شماریات جیسے خشک مضامین کا ماہر ہونے کے باوجود آپ کا ذوق شعر وسخن بڑا اعلیٰ ہے-خوبصورت اشعار کہتے ہیں-آپ کے اشعار اتنے ہیں کہ وہ آپ کو صاحب دیوان بنادیں-(۳)

آغا عمادالدین:

آغا عمادالدین احمد، والد کا نام سید افضل الدین احمد، تاریخ پیدائش ۲۹ نومبر ۱۹۳۱ء، آبائی وطن، موضع ستملپور، ڈاکخانہ ناگربستی، علاقہ تھانہ وارث نگر، پرگنہ کسمہ، سب ڈویژن وریلوے اسٹیشن سمتی پور، ضلع دربھنگہ، ترہت کمشنری (ڈویژن مظفر پور) صوبۂ بہار-(۴)

میٹرک: مسلم ہائی انگلش اسکول، لہریا سرائے (پٹنہ یونیورسٹی)، بی اے چندر دھاری متھلا کالج، دربھنگہ (پٹنہ یونیورسٹی)، ایم اے، ایل ایل بی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، پی ایچ ڈی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور-

مشغلہ: لیکچرار، وائس پرنسپل، پروفیسر انچارج، قائم مقام پرنسپل، طلت ڈگری کالج، ہریا سرائے (بہار یونیورسٹی)، سابق ایسوسی ایٹ ایڈیٹر، انگریزی روزنامہ، لیکچرار، صدر شعبہ، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ سٹی کالج کراچی (کراچی یونیورسٹی)(۵)

مولینا محمد تسلیم بروہی پوری:

مدرسۂ امدادیہ، دربھنگہ میں صدر مدرس تھے، اس وقت مدرسہ رحمانیہ، مونگیر سے منسلک ہیں-آپ جید عالم دین ہیں اور شعلہ بیان مقرر، آپ اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں صرف کرتے ہیں-(۶)

مولانا جمال احمد خستہ مکیاوی مدھوبنی:

مولانا جمال احمد کی پیدائش موضع مکیہ بشن پور ضلع مدھوبنی میں ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں ہوئی - فارسی کی تعلیم کے بعد مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ تشریف لے گئے، یہاں دو سال قیام فرمایا، پھر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد گئے، وہاں چند سال گزار کر ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۷ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے - دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۹ء دورہ حدیث پڑھ رہے تھے کہ گھر سے والد کی علالت کی خبر ملی چنانچہ گھر چلے آئے، والد کی وفات ہوگئی، دوبارہ سفر دشوار ہوگیا اس لئے مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ سے دورہ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی - (۷)

آپ نے اپنے رفقاء سے زیادہ عمر پائی - پچاس سال اوپر کا طویل عرصہ تدریسی خدمات میں گزارا - سب سے پہلے آپ کی بحالی موضع رودولی ضلع سیتامڑھی کے مکتب میں ہوئی، چند ماہ بعد آپ نے نیپال کا رخ کیا اور مدرسہ محمودیہ راجپور تشریف لے گئے، پھر موضع بلوا کے مدرسہ میں واپس آ گئے - یہیں آپ کی عمر کا زیادہ حصہ گزرا - کچھ دنوں کے لئے مدرسہ اسلامیہ حنفیہ ڈھاکہ ضلع چمپارن میں سیکنڈ مولوی کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دی - ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تک مدرسہ (۸) اشرف العلوم کنہواں میں صدر مدرس رہے اور عرصہ دراز مدرسہ اشرف العلوم کے سرپرست رہے، اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی -

وفات:

۲۲ ذیعقدہ ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۹۷۲ء مرض اسہال میں ۲۲ جون تک مبتلا رہ کر یوم جمعہ کو بعد نماز مغرب مٹھیا نامی گاؤں میں، جہاں آپ قیام پذیر تھے، وفات پائی، اس بستی کا نام اب جمال پور ہے، یہیں آپ مدفون ہوئے - (۹)

مولانا حافظ محمد حنیف مظفر پوری:

مولوی حافظ شاہ محمد حنیف کے والد کا نام نور محمد تھا- آپ کی پیدائش موضع بھن گواں تھانہ کٹرہ ضلع مظفر پور میں ہوئی- آپ نے حفظ کلام اللہ کے بعد مولوی درجہ تک تعلیم بنارس میں حاصل کی اور گھریلو مصروفیات کی وجہ سے تعلیم ترک کر کے درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے- آپ زمانہ طالب علمی میں ہی حضرت حافظ شاہ عبدالحمید پانی پتی ثم بنارسی سے شرف بیعت حاصل کی اور اس کی تکمیل حضرت شاہ محمد تیغ علی مظفر پوری سے کی اور انہیں سے خلافت حاصل کی- آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ شیخ کے پاس گزرا اور مدرسۂ عیمیہ انوار العلوم سرکا نہی شریف میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے- زندگی کے آخر ایام میں سرکا نہی شریف سے متصل نور اللہ پور بنکرا، جو مظفر پور سے آٹھ کلومیٹر پورب واقع ہے، کو اپنا مستقر بنایا اور یہیں درس وتدریس کے ساتھ رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا- آپ کی تصانیف میں اختیاہ الطالبین، ہدایۃ المریدین، اعزاز قادری اور انوار قادری (۱۰) قابل ذکر ہیں-

وفات:

آپ کی وفات ۲۳ اگست ۱۹۸۷ء کو ۹۷ سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن بھن گواں ضلع مظفر پور میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے- (۱۱)

مولانا حفیظ الدین پورینوی:

مولانا حفیظ الدین بانی خانقاہ رحمان پور، ضلع پورنیہ کی ممتاز ہستیوں میں سے تھے- مولانا کی پیدائش کنہریا میں ہوئی جو تھانہ اعظم نگر سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے- مولانا کا رجحان حصول علم کی طرف تھا- رسول پور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد چپ چاپ گھر چھوڑ کر پٹنہ چلے آئے اور تعیم میں منہمک ہوگئے- اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی گئے اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی- پٹنہ کے

خواجہ رکن الدین عشق کی خانقاہ متین گھاٹ کے سجادہ نشین خواجہ لطیف علی سے بیعت کی اور لطیفی کے لقب سے مشہور ہو گئے- آپ پیر کے اشارہ پر سہسرام کے مدرسہ میں مدرس اول کی حیثیت سے ایک مدت تک تعلیم دیتے رہے، پھر جم گاؤں ضلع بھاگلپور کے کسی مدرسے میں درس و تدریس میں منہمک رہے- آخری عمر میں پورنیہ لوٹ گئے-

وطن تشریف لے جانے کے بعد تعلیم و تبلیغ اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہوئے-تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا-رحمان پور میں ایک بڑی خانقاہ قائم کی اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی-

تصانیف:

مولانا کی تصانیف میں سے لطائف حفظ السالکین، مکتوبات لطیفی، دیوان لطیفی تلک، عشرۃ کاملۃ، عجالہ نافعہ ہیں-ان کے علاوہ صرف ونحو اور منطق میں کئی مفید رسالے لکھے، یہ سب چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ علم کلام اور فن انشاء پر بھی کتاب لکھیں- آج کل ان کے نام پر چار مدرسہ قائم ہیں، مدرسہ لطیفی رحمان پور، یہ خود مولانا کا قائم کردہ ہے، مدرسہ لطیفی کانگی، جو مولوی مشرف الدین، خلیفہ مولانا لطیفی کا قائم کیا ہوا ہے، دارالعلوم لطیفی کیٹہار، اس کو مولانا عابد (شاگرد مولانا) نے قائم کیا، مدرسہ بحر العلوم لطیفی کیٹہار، شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے اور لطیفی تخلص کرتے تھے- آپ کا دیوان دیوان لطیفی کے نام سے شائع ہو چکا ہے-

وفات:

آپ کی وفات ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں ہوئی- (۱۲)

مولانا دیانت حسین دربھنگوی:

مولانا سید دیانت حسین کی ولادت بھڑوارہ سے متصل ایک بستی بہورہ میں ہوئی، جو دربھنگہ ضلع میں

واقع ہے۔مولانا کی ابتدائی زندگی اسی گاؤں میں گزری اور وہیں تعلیم حاصل کی۔متوسطات کی تعیلم پٹنہ میں مشہور فاضل مولانا کمالؒ سے حاصل کی۔مولانا کے انتقال کے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا۔جہاں رامپور کے مشہور محدث مولانا فضل حق رامپوری رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔آپ ہمیشہ اپنے درجہ کے طالب علموں میں ممتاز رہے۔فراغت کے بعد مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں مدرس اول مقرر ہوئے اور وہاں چار برسوں تک تدریسی خدمت انجام دی۔پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحیثیت مدرس تشریف لائے۔مولانا ۱۹ مئی ۱۹۴۸ء سے ۱۵ جولائی ۱۹۴۸ء تک مدرسہ کے ایکٹنگ پرنسپل بھی رہے۔مولانا کو شاہ بدر الدینؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔

وفات:

مولانا کی وفات اپریل ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔(۱۳)

مولانا رشید بھاگلپوری:

نام محمد رشید اور والد کا نام عبدالوحید تھا۔ضلع بھاگلپور کے ایک مردم خیز قصبہ پورینی میں پید ہوئے۔ غالباً ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر تکمیل کے لئے کانپور روانہ ہوئے،مگر ابھی زیرتعلیم ہی تھے کہ والد کی موت کی وجہ سے ترک تعلیم کر کے گھر آ گئے۔دوبارہ تکمیل تعلیم کی غرض سے دہلی روانہ ہوئے اور فتح پوری مسجد کے مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا،ابتداء میں آپ کا قیام سنہری مسجد دہلی کے کمروں میں ہوا،پھر اساتذہ کے اصرار پر مسجد فتح پوری کے ہاسٹل میں رہنے لگے،درسیات کی تکمیل کے بعد درس حدیث کی تکمیل اور اجازت حدیث کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۱ء میں دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (رحمتہ اللہ علیہ)،دورہ حدیث میں آپ کے ہم درس تھے۔تکمیل درسیات کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ایماء پر کلکتہ میں دارالقضاء سے

وابستہ ہوگئے اور پھر ایک سال بعد ہی ماریشیس میں بطور قاضی مامور کردیئے گئے، سامان سفر تھا کہ علیل ہوگئے اور یہ سلسلہ دوسال تک دراز ہوتا گیا، صحت یاب ہونے کے بعد اپنے ہی قصبہ میں کپڑوں کی تجارت شروع کی مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے اور دوسال کے اندر تمام سرمایہ تلف ہوگیا- اس معاملہ سے ایسے شکستہ خاطر ہوئے کہ ترک وطن کرکے پہلے لاہور گئے اور پھر لائل پور میں ایک دینی مدرسہ میں معلم مقرر ہوئے- اسی (۱۴) دوران آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا، اب سرکاری ملازمت کے دروازے کھل گئے تھے اس لئے امراوتی (مہاراشٹر) میں اینگلو محمڈن ہائی اسکول میں بحیثیت عربی ٹیچر بحال ہوگئے- یہ اسکول امراوتی اسٹیشن سے کیمپ جانے والی سڑک پر مال ٹیکری سے پہلے واقع تھا اور مہاراشٹر کے اس خطہ کے مسلمانوں کا ایک اچھا گڑھ تھا- تقسیم ہند کے بعد اس اسکول کو شہر میں منتقل کردیا گیا- ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، ۱۹۵۲ء میں آبائی وطن پورینی واپس آگئے، ۱۹۵۸ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا ضلع بھاگلپور میں ۱۹۷۲ء تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۶ دسمبر ۱۹۷۲ء کو وفات پائی اور اپنے آبائی قصبہ پورینی میں مدفون ہوئے-(۵)

مولانا سید معین الدین ندوی:

نام معین الدین، والد کا نام سید وزیر خاں تھا- آپ کا آبائی وطن شیخ پور ضلع مونگیر تھا-

پیدائش:

اپنی نانیہال استھانواں ضلع نالندہ میں تقریباً ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے- ایک سال کے ہی ہوئے تھے کہ والد کا وصال ہوگیا- نانی محترمہ نے پرورش و پرداخت کی- ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی- ۱۹۱۱ء میں عالم کا امتحان دیا اور درجہ اول سے کامیابی حاصل کی- عربی تعلیم سے فراغت کے بعد انگریزی کی جانب متوجہ ہوئے اور اس میں مہارت حاصل کی، پھر ندوۃ المصنفین سے منسک ہوگئے- ندوۃ المصنفین سے آپ کی دو اہم کتابیں،

خلفائے راشدین اور مہاجرین، شائع ہوئیں- پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاذ کی حیثیت سے بحالی ہوئی اور پرنسپل کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے- ۵ نومبر ۱۹۳۴ء سے ۱۳ اپریل ۱۹۴۱ء تک پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے-(۱۶)

مولانا سعادت حسین بہاری:

شیخ فاضل سعادت حسین بن رحمت علی بن غلام علی حنفی بہاری ایک بڑے عالم تھے-

پیدائش:

۱۸۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کڑاہ میں پیدا ہوئے- یہ گاؤں بہار شریف کے قریب ہے- ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر دہلی کا سفر کیا اور حدیث کی تعلیم شیخ محدث نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، پھر اپنے وطن لوٹے اور آرہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا اور وہاں دس سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے- اسی اثناء جب شیخ احمد علی بن لطف اللہ محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ آرہ تشریف لائے تو ان سے حدیث کی اجازت حاصل کی- ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں حج وزیارت کے لئے سفر کیا- حج سے واپس ہوئے تو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں درس وتدریس شروع کی- انہیں حکومت نے شمس العلماء کے خطاب سے نوازا تھا- آپ کا حاشیہ میر زاہد اور رسالہ فی ابطال الناسخ مشہور ہے-

وفات:

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں وفات پائی-(۷)

پروفیسر سید منظر الحق:

پروفیسر سید منظر الحق مرحوم (مولد دیسنہ، ضلع پٹنہ)، سی ایم کالج دربھنگہ میں اردو، فارسی کے سینئر استاد تھے- اردو زبان وادب پر آپ کی رائے کو حرف آخر تصور کیا جاتا ہے- اپنی باغ وبہار مقناطیسی اور بافیض

شخصیت کے باعث آپ کی ذات والاصفات کی حیثیت ایک انجمن کی تھی- آپ کی قابلیت اور شفقت کی وجہ سے آپ کے شاگرد آپ کو اپنا آئیڈیل مانتے تھے- آپ کا پرانے سے پرانا شاگرد بھی آپ سے اس طرح ملتا تھا جیسے کہ وہ ابھی آپ سے سبق لینے والوں کے حالیہ حلقہ میں شامل ہے-(۱۸)

مولانا سید احمد اللہ ندوی:

نام احمد اللہ، وطن آبگلہ ضلع گیا تھا-

ولادت:

۱۸۹۳ء میں محلہ مراد پور میں ہوئی، جو گیا کا ایک محلہ ہے- آپ کی نانیہال بہار شریف تھی- آپ کے مورث اعلیٰ حضرت آدم صوفی (م ۶۹۷ھ)، موضع عالم پور جیٹھلی شریف ہیں، جن کا مزار جیٹھلی شریف کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے-

مولانا نے ۱۹۰۸ء میں تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۹۱۷ء میں ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی-(۱۹)

فراغت کے بعد مدرسہ الٰہیات کانپور اور امرتسر میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے- ۱۹۲۴ء میں دکن پہنچے، دائرۃ المعارف سے منسلک ہوگئے- دائرۃ المعارف میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب سنن بیہقی، ۱۰ جلد اور مستدرک کی چار جلدوں میں ایک جلد، رجال تاریخ اور طب کی متعدد کتابوں کے ایڈٹ کرنے میں شرکت کی- عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب کی کتاب احاطہ فی اخبار غرناطہ کا ترجمہ کیا، یہ کتاب کراچی میں شائع ہوچکی ہے- مصر کے عربی اخبار ''البلاغ'' کا اردو ترجمہ کرکے ''رہبر دکن'' کو دیا-

اپنے بھائی نور اللہ کی مدد سے ہوزری کی فیکٹری کھولی پھر نظام کی فوج میں ٹھیکیداری کا کام کرنے لگے- سقوط حیدرآباد کے بعد فیکٹری بیچ کر کراچی چلے آئے اور پیر الٰہی بخش کالونی میں دو کوارٹر خرید لئے، وہیں تذکرہ مسلم شعرائے بہار پہلی جلد شائع کی- تذکرہ مسلم شعرائے بہار کی چھ جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں-

وفات:

غالباً ان کا انتقال ۱۹۷۷ء میں کراچی میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔(۲۰)

شمس العلماء مولوی امجد علی:

ولادت:

جناب کی ولادت غالباً ۱۲۶۴ھ میں ہوئی تھی۔ آپ نے درسی کتابیں ابن عم جناب مولوی اشرف علی سے پڑھیں۔ آپ نے استاد کی معیت میں ملک افغانستان کی سیاحت فرمائی تھی۔ تعلقات ملازمت سرکاری کے قبل تک مولانا ہی کی خدمت میں رہے۔ جناب نے بعد فراغ علوم شرقیہ لکھنؤ میں انگریزی شروع کی، پھر بنارس گورنمنٹ اسکول و کالج میں تعلیم پاکر ادب عربی میں ایم اے کا امتحان دیا۔ آپ ابتداء سے اخیر تک نہایت کامیابی کے ساتھ پاس کرتے اور وظائف پاتے رہے۔ بی اے اور ایم اے میں فرسٹ ہوئے اور چاندی کی گھڑی اور سونے کا تمغہ انعام پایا۔ پھر اسی سال زبان انگریزی میں ایم اے کا امتحان دینے کے لئے(۲۱) یونیورسٹی میں داخلہ فرمایا اور چار اہم پرچوں سے فراغت حاصل کی تھی کہ بوجہ ضابطۂ جدید ایک سال دو زبان میں امتحان دینا ممتنع ہے، جناب کو باقی پرچے ترک کرنے پڑے، جناب کے استاد مسٹر گرفتھ کو اس واقعہ سے سخت ملال ہوا اور انہوں نے اپنے طور پر سن لیاقت عطا کر دی۔

بعد تحصیل علوم مغربیہ وجۂ معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ جناب نے ملازمت میں مذاق طبعی کا لحاظ رکھا۔ کل ملازمت درس و تدریس ہی کی کی، البتہ لکھنؤ میں اودھ اخبار کے دفتر میں کچھ عرصہ مترجم بھی رہے۔ فیض آباد میں فورتھ ٹیچر اور بریلی میں سیکنڈ ٹیچر رہے۔ بہر کیف آپ چھ برس تک فلسفہ کے پروفیسر رہے۔ اسی عرصہ میں آپ نے کیٹن بھی پڑھی۔ آپ نے ایک مضمون فلسفۂ قدیم و جدید پر تحریر فرمایا تھا جس کو پانیر الہ آباد نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے نہایت تعریف کے ساتھ شائع کیا تھا، پھر علی گڑھ کالج سے الہ آباد میور

سینٹرل کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو کر آئے- پھر فیلو آف یونیورسٹی ہوئے اور وہاں سے پنشن پا کر اپنے وطن مالوف پٹنہ کو مراجعت فرمایا- آپ کو بچپن سے عرب عرباء کے کلام سے ذوق تھا-(۲۲) ایام پیری میں دن میں تلاوت اور کتب بینی میں گزرتا اور شب قیام و سجود میں-

وفات:

جناب نے ۲ شوال ۱۳۴۱ھ بوقت ۷ بجے صبح اس دار فانی سے خلد بریں کو ارتحال فرمایا-(۲۳)

پروفیسر حکیم عبدالخالق وامق دیوردی:

پروفیسر حکیم عبدالخالق وامق دیوردی، کہنہ مشق شاعر ہیں اور دربھنگہ کی شعر و سخن کی محفلوں کے روح رواں ہیں، آپ کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ ہے- آپ صوبائی محکمۂ آبپاشی، دربھنگہ میں خازن کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد، سلفیہ یونانی میڈیکل کالج، دربھنگہ میں بحیثیت پروفیسر خدمات انجام دے رہے ہیں- آپ کا مجموعۂ کلام ''گردسفر'' کے نام سے منظر پر آچکا ہے اور ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے-(۲۴)

قاضی عبداللہ عظیم آبادی:

شیخ فاضل عبداللہ بن غلام بدر بن علیم اللہ نگرنہسوی عظیم آبادی مشہور عالم تھے- ۱۶ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۳ء میں ضلع عظیم آباد، پٹنہ (موجودہ ضلع نالندہ) میں پیدا ہوئے اپنے چچا امین اللہ بن سلیم اللہ رحمتہ اللہ سے تعلیم حاصل کی- بہت زمانہ تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی- پھر کم کرن میں قاضی بنائے گئے-

وفات:

۱۴ صفر ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں وفات پائی -(۲۵)

مولانا عبدالوہاب دربھنگوی:

مولانا عبدالوہاب دربھنگوی اپنے وطن بلاسپور ضلع دربھنگہ میں(۲۶) ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے- مڈل پاس کر کے تجارت میں لگ گئے- ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اس کے بعد دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا چنانچہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہو کر عربی پڑھنا شروع کر دی پھر ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں دارالعلوم دیو بند گئے اور ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں حضرت شیخ الہند سے دورہ حدیث پڑھا، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں فنون کی تکمیل کی- اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے- قطب العالم مولانا سید محمد علی مونگیری سے بیعت حاصل کی تھی-

فراغت کے بعد ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں پہلے مدرس ہوئے، جلد ہی شیخ الحدیث اور مہتمم کے عہدے پر فائز کئے گئے- پوری زندگی درس و تدریس میں مشغول رہے- شیخ الہند کے خاص خادموں میں سے تھے- مولانا کو حدیث کے درس کے ساتھ وعظ وخطابت میں بھی شہرت حاصل تھی-

وفات:

جون ۱۳۶۷ھ/ ۱۲۴۸ء میں رحلت فرمائی-

مولانا عبدالعزیز بسنتی مظفر پوری:

حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتی کی ولادت ۱۸۸۷ء میں اپنے وطن موضع بسنت تھانہ کٹرہ ضلع مظفر پور میں ہوئی- ابتدائی تعلیم اپنی نانیہال موضع آواپور ضلع سیتا مڑھی میں اپنے دوست مولانا صوفی رمضان علی کے ساتھ حاصل کی- مختصر المعانی تک مدرسہ امدایہ دربھنگہ میں پڑھ کر مرکز علمی دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے- ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی- بخاری شریف حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے پڑھی- آپ کے رفقاء درس میں حضرت مفتی محمد شفیع تھے-

فراغت کے بعد مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں صدر مدرس بنائے گئے۔(۲۷) چار سال قیام فرما کر بعد وفات حضرت صوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں بحیثیت صدر مدرس مدرسہ اشرف العلوم کنہواں تشریف لے گئے۔ یہ سلسلہ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء تک رہا پھر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء تک بحیثیت ناظم قیام فرما رہے۔ اس کی بعد تاحین حیات مدرسہ اشرف العلوم کے سرپرست رہے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء کے بعد پوپری بازار میں تجارت کی سند ادا کی۔ بظاہر کتاب دوا وغیرہ کی دکان تھی مگر درحقیقت وہ کامیاب درسگاہ، بارونق خانقاہ تھی کہ معتقدین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ حضرت تھانوی سے بیعت تھے۔ عزیز القواعد، آرسی شرح فارسی کی پہلی آرسی شرح فارسی کی دوسری، باغستان ترجمہ گلستان، مرقوعات عالمگیری ترجمہ، شرح رقعات عالمگیری وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہے۔ آپ کی مکمل سوانح ''ارواح طیبہ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

وفات:

۲ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء پوپری تشریف لے جاتے ہوئے بحالت نماز عصر آپ کی وفات ہوئی۔ گاڑھا قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔(۲۸)

مولانا شاہ عزالدین پھلواری:

مولانا شاہ عزالدین کا تعلق خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے تھا۔ آپ مولانا شاہ سلیمان رحمۃ اللہ عیہ کے نواسے تھے۔ آپ کے والد مولانا شاہ معین الدین پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال عین جوانی کی حالت میں ہو گیا جبکہ آپ کی عمر چار سال کی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پھلواری میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے، خاص طور پر مولانا شاہ محمد نظام الدین قادریؒ سے حاصل کی۔(۲۹)

آپ نے کچھ دنوں مدرسۂ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ سے علم کی تکمیل کی۔ برسوں تک لکھنؤ میں مدرس رہے، پھر مسجد لاہور اور کانپور کے مچھلی بازار کی مسجد میں عرصہ

تک امام وخطیب رہے، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی-۶۴-۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں مدرسہ اسلامیہ رانچی میں پرنسپل مقرر ہوئے پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاد کی حیثیت سے بحال ہوئے اور ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ میں شیخ الادب کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دی-

تصنیفات:

آپ کی تصنیفات میں سے علوم الحدیث، کشف الظلام حیات امام احمد بن حنبل اور سیرت الاسلام قابل ذکر ہیں-

وفات:

۱۱ مئی ۱۹۷۷ء میں پورنیہ میں وصال ہوا- وہاں سے نعش بذریعہ ٹیکسی پھلواری لائی گئی- مولانا سید شاہ امان اللہ قادری نے نماز جناہ پڑھائی اور خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے-(۳۰)

پروفیسر قاسم حسین:

پروفیسر قاسم حسین مرحوم (مولد شیخ پورہ، ضلع مونگیر) شفیق استاد، اعلیٰ منتظم تھے- سی ایم کالج دربھنگہ کے بانی پرنسپل تھے- بعد میں اسی کالج سے بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے- متھلا یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں ہونے والی تمام پیش رفت بھی آپ کی شبانہ روز محنت کے رہین منت ہے- آپ کے ہونہار اور لائق فرزند پروفیسر عارف حسین بھی سی ایم کالج کے شعبۂ اردو وفارسی سے وابستہ تھے- آپ جوانی میں ہی اپنے والدین اور اہل خانہ کو داغ مفارقت دے گئے-(۳۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد داؤد:

پروفیسر ڈاکٹر محمد داؤد (مولد موضع اجراء) ملت کالج، دربھنگہ کے بانی اساتذہ میں شامل ہیں- آپ اس کالج کے شعبۂ اردو وفارسی کے سینئر پروفیسر ہیں- آپ ملک کے کے معروف ادیب، محقق اور دانشور کی

حیثیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں-آپ ضلع کی ثقافتی زندگی کے روح رواں ہیں-(۳۲)

مولانا محمد علی سجاد پھلواروی:

مولانا محمد علی سجاد پھلواروی حضرت مولانا شاہ نعمت اللہؒ کے چھٹے صاحبزادے تھے-

ولادت:

سال ولادت ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴ء ہے-درسیات اپنے بھائی مولانا محمد قادری کی معیت میں مولانا احمدیؒ سے ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں تمام کیں-۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں اپنے والد ماجد سے مرید ہوئے اور تعلیم و تربیت اجازت وخلافت کل اپنے والد سے پائی-صاحب تصانیف ہیں-رشد وہدایت،درس وتدریس آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا-آپ کے دریائے علم سے بہت لوگ سیراب ہوئے-مولوی مصطفیٰ،مولوی مشرف علی،مولوی حسین مرحوم وغیرہ-فقر وعرفان میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے،آپ کا سلسلۂ مجیبیہ علیہ الرحمتہ کے واسطہ سے اس وقت جاری ہے-

شادی:

آپ کی شادی جناب حکیم ابوالمظفر صاحب گھگھٹہ ضلع چھپرہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی-ان سے چار صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی تھیں-

وفات:

۱۸ رمضان ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں رحلت فرمائی اور باغ مجیبی میں مدفون ہوئے-(۳۳)

مولانا منیر الدین سیتامڑھی:

مولانا منیر الدین کے والد کا نام شیخ فاضل تھا-آپ کی پیدائش اندروا ضلع سیتامڑھی میں ہوئی،آپ فارسی کے مشہور ومعروف استاد تھے-حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتی کے شاگرد مولانا معین الدین پتھر یاوی

مصنف معین اللغات سے کافی استفادہ کیا- ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۱ء سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء تک مدرسہ اشرف العلوم کنہواں میں مدرس رہے اور خوب علمی فیض پہنچایا- آپ حضرت مولانا عبدالعزیز رحمتہ اللہ سے بڑی (۳۴) عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی شان میں کوئی بے ادبی، آپ سے برداشت نہیں ہوتی تھی- مدرسہ اشرف العلوم کنہواں میں درس وتدریس سے منسلک ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کے بہت سے علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا-

وفات:

آپ کی وفات ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء میں ہوئی اور اندردا قبرستان میں مدفون ہوئے- (۳۵)

مولانا سید محمود باری:

مولانا حافظ سید محمد، محمود تخلص خلف مولوی حکیم سید زین العابدین بن مولوی سید رحمت علی، ۱۸۹۲ء میں بمقام ضلع مونگیر پیدا ہوئے- ابتدائی تعلیم گھر پر مختلف اساتذہ سے ہوئی، حفظ قرآن مجید بھی وطن ہی میں کیا- پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل ہوئے- پانچ سال تک یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حدیث، تفسیر اور فقہ کی تکمیل کے لئے دیوبند گئے اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی- میٹرک کا امتحان دوران تعلیم ہی دیا، دیوبند سے فراغت کے بعد بی این کالج پٹنہ میں آئی اے میں تھے کہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں اردو، فارسی مدرس کی حیثیت سے بحال ہوگئے- ۱۹۱۹ء (۳۶) سے ۱۹۴۷ء تک مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر فائز رہے- تقسیم ہند کے بعد کھلنا ضلع اسکول میں تبادلہ ہوگیا اور یہاں دو برس خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ریٹائرڈ ہوئے، کھلنا ہی میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے- تعلیم وتدریس کی مصروفیت کے باوجود تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا- آپ کی تصانیف میں شمع کے پروانے، جامع القواعد، انتخاب مضامین، اصناف سخن وغیرہ کتابیں شامل ہیں- (۳۷)

مولانا معین الدین پٹھریاوی دربھنگوی:

مولانا معین الدین کے والد کا نام وحادا تھا۔

پیدائش:

ان کی پیدائش موضع جالہ ٹولہ پٹھریا، ضلع دربھنگہ میں ہوئی۔ یہ بستی جالہ سے ۲کلومیٹر اتر واقع ہے۔

مولانا ایک جید عالم اور اپنے وقت کے مشہور استاد تھے۔ نہایت ہی سادہ انداز میں رہتے تھے، شب بیدار تھے، ان سے علاقہ کے علماء نے تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں تک موضع بدھنگرہ، ضلع سیتا مڑھی میں تعلیم دی۔ پھر اشرف العلوم کنہواں میں استاد فارسی کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دی۔ پھر موضع پٹھریا میں ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ اسلامیہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں علاقہ کے طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

مولانا معین الدین نے پٹھریا میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک مکتب قائم کیا جو ''گرلز مکتب'' کہلاتا تھا۔ آج بھی یہ مکتب قائم ہے۔

مولانا کی علمی یادگار ''معین اللغات'' ہے۔ یہ لغت کی منظوم کتاب ہے۔ اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عربی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

وفات:

۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ (۳۸)

مولانا سید محمد طٰہٰ الٰہی فکری:

مولانا سید محمد طٰہٰ الٰہی کا تاریخی نام فضیلت ہے۔ سال ولادت ۱۳۲۰ھ حاصل ہوتا ہے یعنی سال عیسوی ۱۹۰۲ء۔ مولوی سید امیر الحق بن مولوی سید وحید الحق بن مولوی عبدالحق کے فرزند ارجمند، آٹھویں پشت

میں ان کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم سلطان سے جا ملتا ہے، جو حضرت مخدوم یحییٰ منیری سے جذئیت خاص رکھتے تھے۔ مولانا ناطقؔ فکری نے ابتدائی تعلیم مولوی علی بخش مرحوم سے مکان ہی پر حاصل کی پھر اپنے دادا مولوی وحید الحق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اردو وفارسی کی کتابیں تمام کرکے موضع کسمر (سارن) چلے گئے اور اپنے رشتہ کے ماموں قاضی سید علی حسن کے یہاں مقیم ہوئے اور ان کے صاحبزادے قاضی ظہور حسن رمز کسمری کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ اپنے رشتہ کے ایک اور ماموں حضرت مولانا عبدالکریم سے عربی شروع کی۔ شرح جامی، شرح وقایہ، شرح تہذیب وغیرہ مولانا عبدالکریم ہی سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ کچھ دنوں مدرسہ محمدی جان پٹنہ سٹی میں بھی حصول علم میں منہمک رہے۔(۳۹)

۱۹۲۰ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا دیانت حسین دربھنگوی سے ہدایہ، نور الانوار وغیرہ پڑھی۔ تحریک خلافت سے متاثر ہوکر ۱۹۲۱ء میں مدرسہ چھوڑ نکلے، کانپور پہنچ گئے۔ مدرسہ الٰہیات کانپور میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا غلام یحییٰ اور حضرت مولانا آزاد سبحانی جیسی شخصیتوں سے فلسفہ، علم کلام، حدیث اور تفسیر پڑھی۔

فراغت کے بعد ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم مشرقیہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں بحیثیت مدرس ان کا تقرر ہوا لیکن جلد ہی ۱۹۲۸ء میں مدرسہ الٰہیات "College Divinity" کانپور میں لیکچرر ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء میں پھر دربھنگہ لوٹ آئے۔ ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا محمد مبین دربھنگوی کے انتقال پر راج ہائی اسکول دربھنگہ میں اردو کے استاد مقرر ہوئے اور عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے۔ کچھ عرصہ جمشید پور میں خانگی طور پر تدریسی خدمت میں منہمک رہے۔

وفات:

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں ہوئی۔(۴۰)

مولانا محمد انیس الرحمٰن قاسمی بستواروی در بھنگوی:

مولانا محمد انیس الرحمٰن قاسمی کے والد کا نام عبدالواحد تھا۔ موضع بستوارہ ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے۔ یہ بستی دربھنگہ شہر سے ۱۳ کلومیٹر پچھم سمری تھانہ میں واقع ہے۔

ابتدائی تعلیم:

حفظ اور عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا حافظ صفی الرحمٰن بستواروی سے بستوارہ میں حاصل کی، پھر دہلی مدرسہ امینیہ گئے اور وہاں سے ڈابھیل حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں پہنچے اور پھر وہاں سے دارالعلوم دیوبند آئے، دارالعلوم دیوبند ہی سے فراغت حاصل کی۔

مولانا ایک جید عالم تھے۔ برہمپور ہائی اسکول میں بحالی ہوئی اور وہیں پوری زندگی درس وتدریس کی خدمت میں انجام دی۔ مولانا کا سب سے اہم کارنامہ مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ، دوگھرا ضلع دربھنگہ کا قیام ہے۔ اس مدرسہ نے علاقہ میں بہت اہم خدمت انجام دی، دوگھرا کے جدید فضلاء اسی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں، علاقہ کے مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ (۴۱)

مولانا ایک علمی شخصیت کے حامل تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے۔

وفات:

ملازمت ہی کے دوران ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء بمطابق یکم ربیع الاول ۱۴۰۸ء بروز یکشنبہ بوقت ایک بجے دن وفات پائی۔ بستوارہ میں مدفون ہوئے۔ (۴۲)

مولانا معظم حسین قاسمی:

مولانا سید معظم حسین قاسمی کا آبائی وطن بہار شریف کے شمال میں واقع گاؤں سلطان پور موڑا ہے۔

ولادت:

۱۵رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۹اپریل ۱۹۳۰ء کو ہوئی- آپ کا تاریخی نام سید معظم حسین ہے-

ابتدائی تعلیم اپنے ایک رشتہ کے ماموں مولوی نور مرحوم سے حاصل کی پھر اپنے بڑے بھائی مولانا سید فصیح احمد کے ساتھ ریاض المدارس سرونج ریاست ٹونک گئے اور وہیں تکمیل حفظ کے بعد تجوید کی مشق کی- دارالعلوم دیوبند گئے اور دیوبند سے فراغت حاصل کی- فراغت کے بعد حیدرآباد چلے گئے اور ایم بی اے مشن اسکول شمس آباد میں بحیثیت اردو ٹیچر بحال ہوئے- ۱۹۵۴ء میں انجمن اسلامیہ ہائی اسکول کھام گاؤں مہاراشٹر میں بحیثیت معلم دینیات انجام دیتے رہے-

۱۷اپریل ۱۹۵۵ء کو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں آپ کی تقرری ہوئی- آپ جید عالم اور مدرسہ کے سینئر استاذ تھے- وفات کے وقت وائس پرنسپل تھے-

وفات:

آپ کا وصال پٹنہ میں دوران ملازمت ۲۹ دسمبر ۱۹۸۷ء کو ہوا اور شاہ گنج کے قبرستان میں دفن کئے گئے- (۴۳)

پروفیسر ڈاکٹر سید ولی اللہ سلفی:

پروفیسر ڈاکٹر سید ولی اللہ سلفی، ادیب، محقق، دانشور اور بلند پایہ عالم دین ہیں- مدرسۂ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ اور ملت کالج دربھنگہ کے مایہ ناز فارغ التحصیل ہیں- اپنی مادر درسگاہ، ملت کالج میں السنۃ المشرقیہ کے سینئر استاد ہیں- (۴۴)

حواشی باب سوم، فصل دوم

۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۳۶

۲-آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ،۱۹۹۲ء، ناشر صدر الحق گوہر، کراچی، ص۱۲۶

۳-ایضاً، ص۱۲۷

۴-ایضاً، ص۱۴۹

۵-ایضاً، ص۱۵۰

۶-ایضاً، ص۹۶

۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، ص۴۷

۸-ایضاً، ص۴۷

۹-ایضاً، ص۷۵

۱۰-ایضاً، ص۳۵۹

۱۱-ایضاً، ص۸۰

/انسان پورنیہ نمبر۴۲

۱۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۸۱

/انسانی پورنیہ نمبر، ص۷۰

۱۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۹۰

/تذکرہ مولانا محمد عثمان، ص۴۴۴

/الشمس، ص۵۰

۱۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۱۰۲

۱۵-ایضاً، ص۱۰۳

۱۶-ایضاً، ص۳۸۳

/بزم رفتگاں، جلد۲، ص۱۹۶ میں تاریخ وفات جمعہ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۴ء درج ہے/ الشمس، ص۵۵

۱۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: ص۱۱۳

/سید عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد۸، ص۱۵۸

۱۸-آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ،۱۹۹۲ء، ص۱۲۳

۱۹-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۵۲

۲۰-پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم الشعرائے بہار، جلد اول، ص۵۲

۲۱-مولوی عبدالرحیم صادق پوری: الدرر المنثور فی تراجم اھل صادقفور، ص۱۱۷

۲۲-ایضاً، ص۱۱۸

۲۳-ایضاً،ص۱۲۰

۲۴-آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ،ص۱۰۲

۲۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۱۳۸

۲۶-ایضاً،ص۱٦۵

۲۷-ایضاً،ص۱٦٦

۲۸-ایضاً،ص۱٦۷

۲۹-ایضاً،ص۱۸٦

۳۰-الشمس،ص۵٦/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۱۸۷

۳۱-آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان،ص۱۲۲

۳۲-ایضاً،ص۱۲۳

۳۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲٦۷

/سید عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد۷، ص۲۳۲

/مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص۲۹۴

۳۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۲۲۵

۳۵-ایضاً،ص۲۲٦

/ارواح طیبہ،ص۱۲۴

۳٦-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۸٦

/پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد۴، ص۱۳٦

۳۷-ایضاً،ص۱۳٦ /ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۸۷

۳۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۰۲

۳۹-ایضاً،ص۳۴۵-۳۴٦

/شاداں فاروقی: تذکرہ بزم شمال، ص۵۱٦

۴۰-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۴۷

/شاداں فاروقی: تذکرہ بزم شمال، ص۵۱٦

۴۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص۳۵۸

۴۲-ایضاً،ص۳۵۹

۴۳-ایضاً،ص۳٦۰

۴۴-آغا عماد الدین احمد: وادیٔ بالان المعروف دربھنگہ نامہ،ص۹۹

نوٹ:-اس تحقیقی مواد کے بعد علمائے بہار کی ادبی خدمات کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب سوم

(فصل سوم)

علمائے بہار کی ادبی خدمات

علمائے بہار کی ادبی و علمی خدمات

''علمائے بہار'' یعنی بہاریوں میں بڑے بڑے عالم، فاضل، شاعر اور ادیب پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی علمیت و فضیلت سے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔(۱) علمائے بہار میں ایسے مصنفین کی کمی نہیں جو بنیادی طور پر عالم دین بھی تھے لیکن انہوں نے ادب و شعر کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان کی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اردو شاعری کے ارتقاء اور فروغ میں علمائے بہار کا حصہ

۲۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علمائے بہار کی خدمات (۲)

بہار میں اردو شاعری:

صوبۂ بہار میں اردو شاعری خانقاہ میں پیدا ہوئی، صوفیائے کرام کی گودوں میں پلی اور ہر دور میں اس صوبہ کی تمام خانقاہوں میں مقبول ہوتی گئی، آہستہ آہستہ اس کی رہنمائی اور دل آویزی نے ہر طبقہ کے افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور تھوڑی ہی مدت میں پورے صوبے کی مدری زبان بن گئی۔ حضرت شاہ عماد الدین عماد پھلواروی بانی و سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ متولد ۱۰۶۵ء (جو ولی دکنی کے ہم عصر تھے) کا یہ شعر ہے:

آوے اپنے ہاتھ وہ مورکھ نہیں عماد اب اس کی آس

اس کے کارن کون جتن ہم کیا جو نہیں آوے ہے

حضرت شاہ غلام نقشبند سجاد پھلواروی خلف عماد سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ متولد ۱۱۱۶ھ، حضرت شاہ نور الحق تپاں پھلواروی متولد ۱۱۵۶ھ بھی اچھے شاعر تھے۔ علاوہ ازیں درج ذیل حضرات بھی ذوق شعر و شاعری (۳) سے سرشار تھے:

حضرت شاہ احسان اللہ سجادہ نشین خانقاہ مخدوم طویلہ بخش موضع چاند پورہ مضافات بہار شریف،

حضرت شاہ امین احمد شوق سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف، حضرت شاہ عطا حسین فانی سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ متولد ۱۲۳۲ھ۔

یہ حضرات دہلی اسکول یا لکھنوی اسکول سے متعلق نہ تھے۔ یہ پاکیزہ حضرات عربی اور فارسی کی تعلیمات سے بہرہ ور تھے اور انہی ادباء کے علم کی بدولت انہوں نے اپنے صوبے بہار کی روزمرہ زبان، جو ہندی الفاظ کی بنیاد پر قائم تھی، اپنے تصورات اور افکار کو ادا کرنا شروع کر دیا اور ان کے اثر کے تحت ان مریدوں نے بھی ان کی پیروی کی اور رفتہ رفتہ صوبۂ بہار میں اردو شاعری کا نکھار بڑھتا گیا اور مسلمانوں کے ہر طبقے کے ذہین اور ذکی افراد نے اپنے وجدان وشعور کو شعری کلام میں ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ مشائخ، صوفیائے کرام، علمائے عظام، تاجر، زمیندار، وکلاء، ملازمین سرکار، مرد اور عورت، شہری و دیہاتی ہر طبقہ اور ہر صنف کے لوگوں میں بکثرت شاعر پیدا ہو گئے بعد میں انہوں نے استادان دہلی ولکھنؤ وغیرہ سے بھی رابطہ پیدا کیا اور ان کی راہنمائی اور پیروی سے اپنے آپ کو اساتذہ دہلی ولکھنؤ کے لئے باعث فخر ومباہات بنالیا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہار، دہلی اور لکھنؤ کے مکاتب شاعری کے امتزاج سے مکتب دہلی کے اعلیٰ تخیل لکھنؤ کی حلاوت زبان اور بہار کا سوز وگداز یہ تین چیزیں بہاری شاعری کی خصوصیات بن گئیں۔ (۴) زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ خود اس صوبہ میں اردو شاعری کے ممتاز اساتذہ پیدا ہو گئے جن کے دامن تربیت سے بکثرت تلامذہ وابستہ ہو گئے ہیں۔ (۵)

۱۱۵۰ھ سے لے کر ۱۳۰۰ھ تک قریب قریب تین سو شعراء اس صوبہ میں ایسے گزرے ہیں جو ممتاز اساتذہ کی صف میں داخل ہو سکتے ہیں اور جن کا کلام آج بھی تلاش کرنے والوں کو دستیاب ہو سکتا ہے۔ ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۳۵۰ھ کے قریب ایسے شعراء ہیں جن کی یادگاریں صفحہ دہر پر زمانہ دار تک رہیں گی۔

مولانا امین اللہ صاحب:

متوفی ۱۲۳۳ھ نگر بنسہ ضلع عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ تفسیر وحدیث میں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ ان کے فضل وکمال کا شہرہ پورے ہندوستان میں تھا۔ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں ایک مدت تک مدرس اول رہے تھے اور ان کی حدیث وتفسیر کا علم مسلم الثبوت ہے۔ فارسی میں ''قصیدہ'' کے نام سے ایک عجیب وغریب قصیدہ لکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو ولادت سے وفات تک مع غزوات اس فصاحت وبلاغت سے بیان کیا ہے کہ آج تک ارباب علم میں یہ قصیدہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس دور کے ممتاز شعراء میں مشہور مرزا بیدل، نواب علی ابراہیم، خان خلیل عظیم آبادی مصنف تذکرہ گلزار، ابراہیم منشی، سبب سکھ خاکستر، منشی بلاس رائے رنگین، مہاراجہ رام نرائن موزوں وغیرہ ہیں۔ ۱۲۰۱ھ کے بعد سے ۱۲۵۰ھ تک کے دور میں مولانا تصدق حسین نگرنہسوی المتخلص بہ حلاق شیخ غلام علی راسخ، راجہ پیارے لعل، المفتی سید محمد عسکری اور انور علی یاس اور شاہ محمد ابوالحسن فرد سجادہ نشین پھلواری وغیرہ ہیں۔

۱۲۵۱ھ سے لے کر ۱۳۰۰ھ کے دور کے حکیم مولانا عبدالحمید پریشان، شمس العلماء مولانا حاجی محمد صاحب حسرت قدس سرہٗ، مولوی احمد کبیر صاحب، صفیر آروی، کنور سنکھر بہادر رحمتی، حضرت سید شاہ امین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ بہار شریف المتخلص بہ ثبات شوق، شاہ الفت حسین صاحب، فریاد حکیم بادی، حسن خان رئیس بسیو پور وغیرہ ممتاز اکابر شعراء ہیں۔ ۱۳۰۱ھ سے دور اخیر تک کے باقی اساتذہ میں حضرت شاد عظیم آبادی، بشارت حسین، احقر بہاری، نواب سید امداد اثر، حضرت فضل حق آزاد، عشرت گیاوی، جناب ضمیر عرش گیاوی، حضرت نصیر پٹنوی اور حضرت مبارک عظیم آبادی وغیرہ ہیں۔ (۶)

شاعری کے ان اساتذہ میں راحت سہسرامی، علامہ شوق نیموی، اکبر داناپوری، علامہ تمنا عمادی

پھلواروی، علامہ شفق عماد پوری، حشر بیتھوی، رسا گیاوی، سریر کابری، بدر آروی، کیفی بہاری، رکن بہاری جیسے اہل فن پیدا ہوگئے، جن کے ذریعے ان کے بے شمار تلامذہ نے صوبۂ بہار میں اردو شعر و شاعری کی بے بہا خدمات انجام دیں- ان کی مساعی سے صوبۂ بہار میں اردو شاعری پھیلی اور اردو ہی میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع ہوگیا، اردو میں اخبارات و رسائل نکلنے لگے، اردو میں تقریریں ہونے لگیں اور اردو کے ذریعے دوسرے صوبوں سے لسانی تعلقات قائم ہوگئے- ان کی ان مساعی خدمات اور حوصلہ افزاء نتائج کو فراموش کر دینا ایک زندہ قوم کے لئے کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا-

تذکرہ نویسی:

تذکرہ نویسی میں اہل بہار میں سے درج ذیل اشخاص بڑی شخصیت کے مالک ہیں:

۱- علی ابراہیم خلیل عظیم آبادی، متوفی ۱۲۰۸ھ مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم

۲- حضرت صفیر بلگرامی آروی مصنف جلوۂ خضر

۳- میر غلام حسین شورش عظیم آبادی، متوفی ۹۷ یا ۱۱۹۳ھ

۴- شیخ وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی، تذکرۂ عشقی مرقومہ ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱ء

۵- مولوی عبدالغفور نساخ فرید پوری ثم عظیم آبادی کا تذکرہ سخن شعراء (۷)

۶- علامہ علی محمد شاد عظیم آبادی کی نوائے وطن اور حیات فریاد

۷- علامہ شوق نیموی عظیم آبادی کا یادگار وطن

۸- سلطان عظیم آبادی کا مرقع فیض

۹- سید عزیز الدین خلجی راز کی تاریخ شعرائے بہار

۱۰- قیس سید آبادی گیاوی کا گلشن حیات

۱۱- معین الدین دردائی کا کتابچہ

۱۲- ماہنامہ ندیم گیا بہا نمبر بابت ۱۹۴۰ء

۱۳- ماہنامہ صنم بہار نمبر بابت ۱۹۵۹ء

۱۴- تذکرہ مسلم شعرائے بہار از پروفیسر سید احمد اللہ ندوی

اردو نثر:

اردو نثر میں سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی جیسے متعدد دیگر ادباء، فضلاء کے علاوہ میر امن دہلوی صاحب کی باغ و بہار بھی بہار ہی سے متعلق تھے- میر امن کے آباؤ اجداد احمد شاہ درانی کی تاخت و تاراج کے دوران دہلی سے بھاگ کر عظیم آباد پٹنہ آ گئے تھے- میر امن کی پیدائش موضع ملکی ضلع مونگیر میں ہوئی اور وفات کلکتہ میں لیکن ان کی نعش ان کے آبائی گاؤں میں لا کر دفن کی گئی- سلیس اردو نویسی میں انہیں نہایت بلند مقام حاصل ہے-(۸)

اردو نثر کا آغاز علامہ سید سلیمان ندوی سے ہے- بحمد اللہ آج بھی بہار کی کھیتی ہری ہے اور اس کی پیداوار ہندوستان کے اردو کھلیان میں انبار کی جا رہی ہے- یہ کل ہند کی متحدہ دولت ہے اور متحدہ ورثہ ہوگی-(۹)

بہار کے شعراء

مرزا عبدالقادر بیدل (۱۰۵۴ھ تا ۱۱۳۳ھ/۱۶۴۳ء):

عبدالقادر خلف مرزا عبدالخالق، متوطن عظیم آباد، ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۳ء میں پیدا ہوئے- ایک مدت تک ناظم بنگالہ شہزادہ محمد اعظم اورنگزیب کے دربار سے منسلک رہے پھر دکن کی سیاحت کو کھڑے ہوئے، کچھ عرصہ دکن میں رہنے کے بعد دلی چلے آئے اور عمر کا بقیہ حصہ وہیں گزارا، ماہ صفر ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا-(۱۰) بیدلؔ عہد

عالمگیر میں پٹنہ سے دہلی گئے تھے، وہاں شہزادہ اعظم و معظم کے استاد و اتالیق مقرر ہوئے- انہوں نے فرخ سیر کا زمانہ بھی دیکھا- ایک دفعہ شہزادہ محمد اعظم نے اپنی مدح میں قصیدہ کی فرمائش کی (۱۱) اور منصب کی افزائش کی پیشکش کی، بیدل نے اسی وقت نوکری ترک کی اور گوشۂ عزلت اختیار کیا، باقی عمر فقر و توکل میں بسر کی- صوفی مشرب تھے اور شاہد معنی کے فریفتہ- (۱۲) دن کو گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے اور شام سے آدھی رات تک شعراء اور شاگردوں سے صحبت رکھتے تھے- بڑے بڑے امراء اور ارکان سلطنت ان کے معتقد تھے اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے- (۱۳) بیدل ہند تا ایران شہرت رکھتے تھے- انہوں نے بیدل تخلص عبدالعزیز عزت کے دامن تربیت میں اختیار کیا تھا- (۱۴) بیدل ہی نے دکن کے مقابلہ میں شمالی ہند کی لاج رکھ لی- (۱۵) فارسی کی طرح ان کے اردو کلام میں بھی زور بیان اور پاکیزگیٔ خیال نمایاں ہے- (۱۶)

پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۳ء میں بیدل کی طرف ایک بھ شا کا شعر منسوب کیا ہے لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا، انہوں نے لکھا ہے:

"اس عہد میں اردو کی ابتداء تھی... چنانچہ جب حضرت بیدل گردش روزگار سے چلنے لگے تو اپنی منہ بولتی ماں کے ہاں... رخصت ہونے گئے تو کہا:

سر اوپر کوئی نہیں تب دشمن آپن کیسی

پٹنہ نگری جھاڑ دیں اب بیدل چلے بدیس (۱۷)

سید عماد الدین عماد پھلواروی:

سید عماد الدین قلندر پھلواروی ۱۰۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲۴ھ میں وفات پائی- پھلواری شریف کا مرکز فیض حضرت منہاج راستی کا قائم کردہ ہے- آپ حضرت مخدوم بہار کے خلفاء میں سے تھے- پھلواری کا مرکز آٹھویں صدی ہجری کے مطابق چودہویں صدی عیسوی میں قائم ہوا- حضرت عماد قلندر پھلواروی اسی

سلسلہ کے صوفیاء میں تھے۔نمونہ کلام:

پیچ نظر کے ایدھر اودھر ہر دم آوے جاوے ہے
بل بے ظالم تس پر تک دیکھے کو ترساوے ہے(۱۸)

رباعی:

یا رب نگہ عنایت ایدھر کر دو
کانٹا ہے عماد تم گل تر کر دو
ہے رنگ گنہ سینی رخ اس کا کالا
تم غازۂ عفو سین منور کر دو(۱۹)

ملا محمد علیم تحقیق عظیم آبادی (۱۰۷۰ھ تا ۱۱۶۲ھ):

میر محمد علیم تحقیق خلف میر بدیع الدین سمرقندی عرف متین ۱۰۷۰ھ میں پیدا ہوئے، بانوے برس کی عمر میں ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا۔(۲۰) ان کے شاگرد لالہ اجاگر چند الفت نے تاریخ وفات کہی:

فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق

۱۱۶۲ھ

پروفیسر دردائی تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں:

''بعض مؤرخین نے مرزا بیدل کے سر پر اولیت کا تاج رکھا لیکن ملا محمد علیم تحقیق عظیم آبادی بیدل سے پہلے گزرے ہیں۔ ..... یہ عالمگیر کے عہد میں تھے اور شاہجہاں کا آخری زمانہ بھی انہوں نے دیکھا تھا۔''

لیکن پروفیسر مذکور نے نہ تو تحقیق کا سنہ پیدائش دیا اور نہ سنہ وفات۔ انہوں نے تحقیق کو بلا حوالہ دلیل بہار میں اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔(۲۱)

ملا محمد علیم تحقیق کو مرزا معز موسوی خان فطرت سے تلمذ تھا- فطرت ۱۰۸۲ھ میں ایران سے ہندوستان آئے اور اورنگزیب عالمگیر کا زمانہ تھا- (۲۲)

تحقیق کو سیاحت کا بھی شوق تھا- تحقیق عالم تھے، معقولات و منقولات سے آگاہ، فن موسیقی کے ماہر تھے، اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے، فارسی کا ایک دیوان یادگار چھوڑا- (۲۳)

قاضی عبدالغفار غفاؔ:

حضرت عماد کے بیٹے شاہ سجاد کے ہمعصر ایک شاعر قاضی عبدالغفار غفا گزرے ہیں، یہ پٹنہ کی بستی رہوتی کے رہنے والے تھے- ان کی تصنیف ''جواہر الاسرار'' کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر دردائی کو ملا ہے- (۲۴) دردائی صاحب نے اپنے مقدمہ کے ساتھ اسے ۱۹۳۷ء میں شائع کر دیا تھا- ''جواہر الاسرار'' تصوف کی ایک منظوم کتاب ہے جو ۱۱۱۶ھ میں لکھی گئی- اگر صوفی شاعر غفاؔ نے ۱۱۱۶ھ میں کتاب تصنیف کر لی تھی تو وہ سجاد سے یقیناً بڑے تھے کیونکہ یہی سجاد کا سنہ پیدائش ہے- (۱۱۱۶ھ) گویا غفاؔ نے عماد اور تحقیق کے دور کا بھی اچھا خاصا حصہ پایا- انہیں تحقیق کا ہم عصر زیادہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے، نمونۂ کلام:

ظاہر دھوئے پاک نہ ہوئے   پاک ہوئے جب باطن دھوئے
جنہیں معراج نمازی سوئے   بن معراج نماز نہ ہوئے (۲۵)

غفاؔ کے کلام میں صوفیانہ خیالات اور ہند کی بھگتی تحریک کا اثر نمایاں ہے- زبان و بیان کے لحاظ سے ایسی فضا بندھتی ہے کہ ہم عالم تخیل میں میراؔ، نام دیوؔ، نانکؔ اور کبیرؔ کی دنیائے جذبات میں پہنچ جاتے ہیں- (۲۶)

دردائی لکھتے ہیں:

''اس کی زبان خاصی صاف ہے، البتہ سجادہ وغیرہ کی طرح اس میں مگدھی زبان کا عنصر بہت زیادہ شامل ہے-'' (۲۷)

غلام نقشبند سجاد:

آپ کا نام محمد سجاد اور عرف غلام نقشبند تھا، خواجہ عماد الدین قلندر پھلواروی کے صاحبزادے اور حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے داماد تھے- مولد و مسکن قصبہ پھلواری، متصل عظیم آباد ۱۱۱۶ھ عہد عالمگیری میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۳ھ سال جلوس شاہ عالم میں وفات پائی-

حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی اور خواجہ عماد الدین پھلواروی ممیرے، پھپھیرے بھائی تھے- اولذکر، ثانی الذکر کے مرید بھی تھے اور ان کے خلیفہ بھی- شاہ عماد کے انتقال کے وقت جناب سجاد کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی- جب بڑے ہوئے تو آپ کی شادی شاہ مجیب اللہ کی لڑکی سے ہوئی- حضرت سجاد کی طرح شاہ آیت اللہ جوہری بھی شاہ مجیب اللہ کے داماد تھے- شاہ مجیب اللہ کا مزار اور محفوظ مقبرہ پھلواری شریف میں اب تک مرجع خاص و عام ہے-(۲۸)

حضرت سجاد پھلواروی نے فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کی- آپ کا کلام محی الدین تمنا عمادی پھلواروی کے ذریعے حاصل ہوا اور رسالہ ''معاصر'' پٹنہ میں چھپا ہے- عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی مؤلف تاریخ شعرائے بہار نے مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے:

صدقے تیرے ساقیا آج لگا دے سبیل
وارد میخانہ ہے زاہد پرہیز گار

آپ الگ ہیں خفا دل ہے جدا بے کہا
آپ ہی ٹک سونچیے کیا کرے سجاد زار(۲۹)

حضرت بی بی ولیہ متوفی ۱۱۳۹ھ:

حضرت بی بی ولیہ بنت سید شاہ عزیز الدین المجہری شاہ آیت اللہ شورش (جوہری و مذاقی) کی والدہ

ماجدہ تھیں۔ شاہ محمد مخدوم کی پہلی شادی بی بی ولیہ سے ہوئی تھی۔(۳۰) جس سے صرف ایک صاحبزادے شاہ آیت اللہ ہوئے۔

وفات:

۱۹ جمادی الثانی ۱۱۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ بڑی زاہدہ ومرتاض تھیں اور علم تصوف میں دستگاہ رکھتی تھیں۔ ان کی معلومات ومکاشفات ان کے وقت ہی میں بہت شہرت پا چکے تھے، جس کے متعدد مجموعے پھلواری کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔

عربی کی تھوڑی اور فارسی کی بہت معقول لیاقت رکھتی تھیں۔ حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی شان میں ان کا ایک مشہور قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے:

ندا تم کہ در روز محشر چہ باشد
کہ جرم و گنا ہم گزشت است ازحد

اردو میں دوہوں کے وزن پر ان کے بعض اشعار بہت مشہور ہیں:

کون ستی تدبیر بتا دیں دن اپنے کن ہمکو بلاویں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پاویں سیر جھکا کے آنکھ لگاویں(۳۱)

شاہ آیت اللہ جوہری ومزاقی (۱۱۲۶ھ/۱۲۱۰ء):

حضرت غلام سرور المعروف بہ شاہ آیت اللہ پھلواروی اردو اور فارسی دونوں زبان میں شاعری کرتے تھے۔ ان کا فارسی میں شورش تخلص تھا۔ آپ مولانا شاہ محمد مخدوم کے بیٹے اور جانشین تھے۔ ۱۱۷۳ھ میں اپنے والد کی دفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔(۳۲)

صاحب دیوان فارسی تھے۔ جوہری کا اردو کلام جواب دستیاب ہوتا ہے، اس میں مثنوی، مرثیہ،

منقبت، شہر آشوب اور قصیدہ ہے۔ مثنوی میں جوہری تخلص برتا ہے اور مرثیہ امپیریل لائبریری میں موجود ہے۔

گردش چشم بتاں گردش جام ست اینجا

غیر ازیں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

شاہ آیت اللہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے داماد تھے، اس طرح اول الذکر شاہ سجادہ پھلواروی کے ہم زلف ہوئے۔ (۴۳)

پروفیسر حسن عسکری صاحب صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج نے شاہ آیت اللہ جوہری کی ''مثنوی گوہری'' کا انکشاف کیا اور رسالہ اردو، دہلی اپریل ۱۹۴۰ء میں ایک تفصیلی مضمون مثنوی کے متعلق سپرد قلم فرمایا۔ مثنوی گوہر جوہری کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر موصوف کو اپنے ایک ہندو شاگرد کے ذریعہ حاجی پور کے علاقے سے ملا تھا۔ (۴۴)

۱۹۵۴ء مئی میں پروفیسر عسکری صاحب نے اور میں نے (اورینوی) ایک نامکمل نسخہ قلمی گوہر جوہری کا شاہ مجتبیٰ حسن صاحب کے کتب خانہ بہار شریف میں دیکھا تھا۔ عسکری صاحب کا نسخہ فی الحال پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، شعبہ مخطوطات کی ملکیت ہے۔

ولادت:

شاہ آیت اللہ بقول صاحب تذکرۃ الصالحین ۷ شوال ۱۲۹ ھ کو پیدا ہوئے۔

وفات:

چوراسی برس کی عمر میں بتاریخ یکم رجب روز سہ شنبہ ۱۲۱۰ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ تجلی سجادہ نشین ہوئے۔ (۴۵)

جوہری کے ہم عصر سجادہ پھلواروی، تپاں پھلواروی، راجہ رام نرائن موزوں وغیرہ تھے۔ شیخ محمد روشن

جوشش، شیخ محمد عابد دل، خواجہ امین الدین امین، شیخ غلام علی حضور، میر غلام حسین شورش، شاہ رکن الدین عشق وغیرہ بھی جوہری کے ہم عصر یا قریب قریب ہم عصر تھے-(۳۶)

شاہ آیت اللہ کے مرید اور شاگرد بہ کثرت تھے- چند کا نام حسب ذیل ہے:

امان علی ترقی، غلام شبلی، وست، غلام جیلانی محزوں وغیرہ-(۳۷)

شیخ غلام یحییٰ قدس سرہٗ حضور متوفی ۱۲۰۶ھ:

جناب غلام یحییٰ کا شمار عظیم آباد کے مشائخ میں تھا- مذہب حنفیہ، مشرب چشتیہ، طبابت میں بھی مہارت تھی- آپ کے مرید و معتقد بہ کثرت تھے- آپ محمد مظہر بن شاہ اطہر کے بیٹے تھے- تاریخ وفات ۸ جمادی الثانی روز جمعہ ۱۲۰۶ھ آپ نے کسی کی شاگردی نہیں کی- تجارت کرتے تھے- انہوں نے درگاہ شاہ ارزاں کی توصف میں ایک مثنوی تقریباً ۱۱۹۰ھ میں لکھی تھی-(۳۸)

خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سٹی کے سجادہ نشین مولانا صبیح الحق صاحب کے پاس حضور کی چند مثنویاں ہیں- ایک کا عنوان ''مثنوی در تعریف درگاہ شاہ ارزاں'' ہے- اس کے ۱۸۴ اشعار محفوظ ہیں-(۳۹)

شیخ محمد عابد دل:

شیخ محمد عابد نام، دل تخلص، وطن عظیم آباد- شیخ روشن جوشش کے بڑے بھائی تھے، دونوں بھائی جسونت رائے ناگر کے بیٹے تھے-

قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

''ان کا دیوان سنا گیا ہے کہ پٹنہ میں ایک صاحب کے پاس ہے- انہوں نے اردو عروض پر عروض الہندی کے نام سے ۱۱۷۶ھ میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کے دو نسخے میری نظر سے گزرے ہیں-''

نمونہ کلام حسب ذیل ہے:

بدنام ہوئے مفت میں حاصل نہ ہوا کچھ
فریاد کی نسبت تو خموشی میں اثر تھا(۴۰)

شاہ کمال علی کمال متوفی ۱۲۱۵ھ:

شاہ کمال علی، تخلص کمال، متوطن مان پور، ضلع گیا۔ سکنوت دیورہ، متصل بہار شریف، اردو، فارسی دونوں میں کہتے تھے۔ ان کا دیوان قاضی عبدالودود صاحب نے باقساط معاصر، پٹنہ میں شائع کرایا ہے۔ ان کے دیوان اردو سے زیادہ کہیں اہم ان کی مثنوی ہے۔ مثنوی فلسفہ آمیز تصوف سے بھری ہوئی ہے۔ کہیں کہیں عاشقانہ رنگ بھی ہے، ملاحظہ ہو:

بہار آئی ہے کس شوکت سے امسال
بنفشہ پر ہوا سنبل چنور ڈھال
سماتا نہیں ہے اب گل پیرہن میں
یہ کس کی بو صبا لائی چمن میں
یہ کس کے آنے کا مژدہ لے آئی
یہ ایسی بو صبا نے کس سے پائی
عجب کیا ہے جو بلبل کی فغاں سے
گرہ کھل جائے سوسن کی زباں سے
سبھی دستا سرا کیا غنچہ کیا گل
ڈریں ہیں باغ میں کیا غنچہ کیا گل(۴۱)

ہیبت قلی خاں حسرت، متوفی ۱۲۱۰ھ:

نام میر محمد حیات، عظیم آباد کے رہنے والے، مرزا مظہر جانجاناں دہلوی کے شاگرد، پہلے میر باقر حزیں کے شاگرد تھے- ایک ''دیوان ریختہ''، جس میں قریباً دو ہزار اشعار ہیں، ان کی یادگار ہے-(۴۲)

فیلن صاحب کے بقول ایک قصہ ''طوطی نامہ'' بھی ان کا تصنیف کیا ہوا تھا- حسرت کا دیوان حسرت موہانی کے پاس تھا اور انہوں نے اس کا انتخاب بھی شائع کیا ہے-(۴۳)

تاریخ شعرائے بہار میں بلخی صاحب ان کا لقب ہیبت قلی خاں لکھتے ہیں- پروفیسر دردائی اپنی کتاب بہار اور اردو شاعری میں لکھتے ہیں:

''گلشن بنجار میں بجائے بیعت قلی خاں کے ہیبت قلی خاں لکھا ہے، میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے-''

خود عطا صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میر محمد حیات نام سبت قلی خاں لقب، حسرت تخلص، خاص عظیم آباد کے رہنے والے تھے-''(۴۴)

قاضی عبدالودود صاحب ہیبت قلی خاں ہی لقب لکھتے ہیں- عجیب بات ہے دلیل نہ دردائی صاحب دیتے ہیں اور نہ عطا صاحب- ''تذکرۂ شورش'' میں حسرت کے ۱۶۶ اشعار درج ہیں- ''گلشن ہند'' میں ۴۱ شعر اور ''مسرت افزاء'' میں ۳ شعر، ''جوہر سخن'' مرتبہ کیفی چڑیاکوٹی میں غزلوں کے ۴۹ شعر فرداً فرداً پیش ہوئے ہیں- نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہے
ادھر پہاڑ ادھر ایک شیشۂ دل ہے

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں(۴۵)

شاہ ابوالحسن فرد (۱۱۹۱ھ تا ۱۲۶۵ھ):

نام ابوالحسن، تخلص فرد، معروف بہ فرد الاولیاء، خلف و جانشیں شاہ محمد نعمت اللہ ولی، سجادہ نشیں پھلواری بڑے عالم و فاضل بزرگ گزرے ہیں۔

''ابتداء میں غزلیں اپنے چچازاد بھائی مولوی شاہ محمد نور الحق طپاں کو دکھاتے تھے۔'' (بلخی)(۴۶)

فارسی کے دو دیوان مطبوعہ ہیں۔

وفات:

۲۴ محرم ۱۲۶۵ھ کو انتقال کیا۔ نمونہ کلام اردو حسب ذیل ہے:

عشق نے رسوا کیا یاں تک مجھے
نام سے میرے حیا کو ننگ ہے
نگاہ مست تیری کس قدر خونریز عالم ہے
عبث آنکھوں کو تیری نرگس بیمار کہتے ہیں(۴۷)

شیخ محمد روشن جوشش (قریباً ۱۱۵۰ھ تا ۱۲۱۶ھ):

محمد روشن نام، جوشش تخلص، شیخ محمد عابد دل کے چھوٹے بھائی، نومسلم۔ جوشش صاحب نے ''دیوان جوشش'' عبدالرشید نیموی کے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے۔ اسے انجمن ترقی (ہند) دہلی نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

''ان کے دیوان کا صرف ایک نسخہ قلمی باقی ہے۔''

لیکن اب پروفیسر حسن عسکری صاحب اور ڈاکٹر حسنین نے دیوان جوشش کا ایک قلمی نسخہ مرشد آباد کے سرکاری کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ دیوان مطبوعہ کے مقدمہ میں جوشش کے حالات مرتب نے نہایت کاوش سے پیش کر دیئے ہیں۔(۴۸) لکھتے ہیں:

''جوشش عظیم آباد کے مایہ ناز شاعروں میں ہیں۔ ہمعصر تذکرہ نگاران کی استادی کے قائل ہیں اور شیفتہ سا مشکل پسند نقادان کی نغز گوئی کا معترف ہے۔''(۴۹)

جوشش تذکروں میں:

(۱) تذکرۂ میر حسن: طبع ثانی ص ۴۳ ''میاں محمد روشن، المخلص بہ جوشش مردے ست ساکن عظیم آباد، خوش طینت و نیک اعتقاد شاعر شیریں کلام، صاحب دیوان از خصان آں دیار ست.....''

۲۔ تذکرۂ شورش..... نسخہ قلمی آکسفورڈ: محمد روشن حسن معانی و شستگی الفاظ از کلام مشن ظاہر..... غزل و قطعہ و رباعی و مخمس وغیرہ بہ فصاحت و بلاغت تمام بہ زبان قلم می آرد...... مذاق درویشانہ دارد..... دیوانش قریب سہ ہزار شعر خواہد بود۔''

۳۔ مسرت افزاء...... مرتبہ ابوالحسن امر اللہ الہ آبادی، نسخۂ قلمی آکسفورڈ یونیورسٹی:

''میاں محمد روشن، جوشش برادر خرد محمد عابد دل، کہ ہر دو برادر از صلب جسونت رائے۔ ناگر چون ابراہیم خلیل از آذر ظاہر شد..... دیوان اشعر روے مرتب ست۔''(۵۰)

۴۔ گلشن سخن: قلمی مرتبہ مردان علی خان مبتلا...... جوشش رفیق راجا رام نرائن ناظم عظیم آباد بود......کلامش مرغوب طبع سخن سنجان و در نظم و نثر صاحب استعداد .. دیوانش دو ہزار بیت دیدہ شد.....

۵۔ تذکرۂ قدرت اللہ شوق و قدرت: اشعار دال بر جوشش دلی اوست .....(۵۱)

۶۔ گلزار ابراہیم: جوشش.....از اہالی صوبۂ بہار ابیات منتخبۂ دیوان خود در ۱۱۹۴ ہجریہ بہ راقم

آثم فرستادہ......می توان گفت کہ شیوۂ خواجہ میر درد را بہ خوبی ورزیدہ......''

۷- تذکرۂ عشقی عظیم آبادی: جوشش، اسمش محمد روشن...... از ریختہ گویان با استعداد عظیم آباد ست......''

۸- تذکرۂ ہندی مصحفی: (ص۶۰) محمد عابد جوشش تخلص قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں: ''نام کے متعلق مصحفی کی غلط بیانی حیرت انگیز ہے۔'' (دیوان جوشش ص۱۶)

۹- ریاض الفصحا مصحفی: (ص۶۸) میاں محمد روشن، جوشش تخلص از قدماست۔

۱۰- گلشن ہند: مرتبہ مرزا علی لطف طبع اول ص۶۷ گلزار ابراہیم کا ترجمہ ہے، دو ایک تعریفی فقرے بڑھا دیے ہیں۔

۱۱- گلشن بے خار: مرتبہ شیفتہ دہلوی، مطبوعہ مطبع اودھ اخبار، ۱۹۱۰ھ، ص۵۱

جوشش تخلص، شیخ محمد روشن، از تازہ خیالان عظیم آباد ست... فکرش دل پذیر و دل کش...... طرز پسندیدہ...... در فن عروض بسیر مہارت دل خواہ وارد......''

۱۲- تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی: مصنفہ وتاسی، جلد۲، طبع ثانی، ص۱۰۹: جوشش شیخ محمد روشن پٹنوی، پسر جسونت رائے ناگر برادر محمد عابد دل فن بیان کے ایک ممتاز ماہر اور بڑے قابل ہندوستانی شاعر ہیں، جن کے دیوان ۳۰ ہزار کے قریب شعر ہیں......'' (قاضی ودود کہتے ہیں ۳ کی جگہ ۳۰ تحقیق ہوا ہے۔)

حالات زندگی:

جوشش کے والد جسونت رائے ناگر عہد علی وردی خاں کے ممتاز فوجی سرداروں میں سے تھے۔ ناگر گجراتی برہمنوں کی ایک شاخ ہے، جسے سیف و قلم دونوں سے لگاؤ رہا ہے۔ محمد روشن ۱۱۵۰ھ کے قریب عظیم آباد میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی، موسیقی کا شوق تھا، تیر اندازی میں ماہر تھے۔

ان کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ مشرف بہ اسلام ہونا ہے۔" یہ واقعہ ۱۱۷۰ھ اور ۱۱۷۶ھ کے درمیان وقوع میں آیا ہوگا۔"

جوشش نے شیخ علی حزیں سے فیض پایا تھا۔ ان کے نام شیخ کے دو خط دستیاب ہوئے ہیں۔ جوشش ۱۲۱۶ھ تک زندہ رہے۔ محمد قلی خاں، مشتاق، میر منوچیران عظیم آبادی، میر افضل علی نیاز اور مرزا علی رضا تمنا عظیم آبادی ان کے شاگردوں میں تھے۔

نظم میں دیوان اور نثر میں رسالۂ قافیہ یادگار ہیں۔ (۵۲)

نمونۂ کلام:

جو دل کے جلوہ گاہ ہوا اس کے نور کا
مشتاق وہ نہیں ہے تجلی طور کا
کیوں نہ مضطر ہوں اسے دیکھ کے دیکھو تو سہی
شمع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا

غزلوں کے علاوہ رباعیات، مخمسات، مثنویات، قطعات اور قصائد دیوان مطبوعہ میں موجود ہیں۔ (۵۳)

مولانا شاہ محمد نور الحق تپاں پھلواروی:

ولادت:

۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء، مولانا نور الحق تپاں پھلواروی، مولانا شاہ عبدالحق بن تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ کے صاحبزادے تھے۔

کتب درسیہ مولانا وحید الحق ابدال سے تمام کیں۔ بیعت، اجازت وخلافت اپنے جد امجد حضرت تاج

العارفین ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء سے حاصل ہوئی - اثنائے تعلیم ظاہری دمشق سلوک ہی کے زمانہ میں حضرت تاج العارفین نے آپ کو حضرت شاہ غلام نقشبند کی وفات کے بعد ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء میں سجادہ عمادیہ پر جانشین کر دیا تھا- آپ سے سجادہ عمادیہ کو بہت ترقی ہوئی -سینکڑوں افراد آپ کے چشمۂ علم و عرفاں سے سیراب ہوئے-

سلسلۂ مجیبیہ کے تمام اذکار و اشغال آپ نے جمع فرمائے ہیں اور ضمناً پیران سلسلہ کا تذکرہ لکھا ہے- اس مجموعہ کا نام ''انوار الطریقۃ'' رکھا ہے- اوراد و اعمال کی ایک دوسری کتاب بھی مدون فرمائی ہے، جس کا نام ''تبلیغ الحاجات الیٰ مجیب الدعوات'' ہے- یہ دونوں کتابیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی میں موجود ہیں-

بچپن ہی سے شاعری کا مذاق تھا، تپاں تخلص کرتے تھے- طبیعت نزاکت پسند اور خیالات بلند تھے- آپ کا دیوان دو جلدوں میں دست خاص کا لکھا ہوا خانقاہ منگل تالاب پٹنہ سٹی میں موجود ہے- قصائد و مراثی کے چند اجزاء دست خاص کے لکھے ہوئے، نیز تصوف و ملفوظات کے چند رسالے کتب خانہ مجیبیہ میں بھی موجود ہیں-

وفات:

۴ شعبان ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء میں میں پٹنہ میں مکان میر اشرف کشمیری آپ نے انتقال فرمایا اور جنازہ خانقاہ پھلواری میں لا کر حضرت لعل میاں کے پہلو میں پورب جانب دفن کئے گئے-(۵۴)

جناب محی الدین تمنا پھلواروی نے تپاں کی اکیس غزلیں قلمی بیاضوں سے نقل کر کے رسالہ معاصر پٹنہ میں شائع کروائی تھیں- نمونۂ کلام:

ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا
بیٹھا منہ پھیر کے ہنسا ہے دوانہ تیرا

عقل کو چھوڑ دیا تو نے تو ہشیاری کی

پڑ گیا نام تپاں کیونکہ دوانہ تیرا(۵۵)

غلام علی راسخ (۱۱۶۲ھ/۵۹-۱۷۵۹ء متوفی ۱۲۳۸ھ):

شیخ غلام علی نام، راسخ تخلص، شیخ محمد فیض کے بیٹے- متاخرین تذکرہ نویس موضع سائیں کو راسخ کا مولد و وطن قرار دیتے ہیں- سائیں پٹنہ سے دس کوس کے فاصلے پر ہے- غالباً راسخ بچپن ہی سے عظیم آباد آ کر رہ گئے تھے- قریباً ۱۱۸۲ھ سے ۱۲۲۲ء تک یہ عظیم آباد میں بہت کم رہے، اسی وجہ سے راسخ جیسے جلیل القدر شاعر کا تذکرہ گلزار ابراہیم میں نہیں ہے- ''تذکرۂ گارسان دتاسی'' میں راسخ مذکور ہیں-(۵۶)

سال ولادت:

۱۱۶۲ھ، حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

''راسخ مرحوم کے سال ولادت میں کوئی اختلاف نہیں، تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ آپ کی ولادت کا سال ۱۱۶۲ھ ہے لیکن سال وفات میں اختلاف ہے-''

پروفیسر دردائی تحریر کرتے ہیں:

''لیکن گلشن بے خار کے علاوہ جتنے اور معتبر تذکرے ہیں سب میں راسخ کا سال وفات ۱۲۳۸ھ بتایا گیا ہے-''(۵۷)

قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں:

''راسخ بہ حیثیت مجموعی بہار کے قدیم شعرائے اردو میں سب سے بڑے ہیں، یہ ابتداء میں فدوی شاگرد عشق دہلوی سے اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے اور اس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے-''

قلمی دیوان میں، جوان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ میں یہ شعر موجود ہے:

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار
راسخ ہوں ایک میں بھی ولے کس شمار میں

دیوان راسخ میں بکثرت مقطع ایسے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ راسخ کو میرؔ کی شاگردی پر فخر تھا۔ فدوی کی شاگردی بھولی بسری تھی۔

راسخ کو ہے میر سے تلمذ یہ فیض ہے اون کی تربیت کا
زندہ ہے قوم میرؔ راسخ سے کون ہے شاعروں میں ایسا آج (۵۸)

کتب خانہ مشرقی، خدا بخش خاں، پٹنہ میں جو راسخ کی خود نوشتہ بیاض ہے، اس میں متعدد ایسے اشعار بھی ہیں جو مطبوعہ دیوان میں نہیں پائے جاتے۔ ان اشعار پر خود راسخؔ نے ''نباید نوشت'' لکھا دیا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہ اشعار مطبوعہ کلیات میں شامل نہیں کئے گئے۔ انہیں اشعار میں وہ شعر بھی ہے جس میں فدوی کی شاگردی کا اعتراف پایا جاتا ہے، تین مثنویاں غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ غالباً صرف فارسی میں راسخ شاہ نور الحق تپاں پھلواری سے اصلاح لیتے تھے۔ ''الہاماتِ شاذؔ'' میں عبدالمالک صاحب آروی مرحوم نے راسخ کو مستقلاً تپاں کا شاگرد بتایا ہے۔ ۱۳۱۱ھ میں کلیات راسخ، خیر المطابع عظیم آباد سے شائع ہو چکی ہے لیکن مطبوعہ نسخہ، جو زرد کاغذ پر چھپا تھا، اب بہت کمیاب ہے۔ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں تین قلمی نسخے میرے دیکھنے میں آئے، ایک تو وہ مشہور نسخہ ہے جسے راسخؔ نے خود لکھا ہے، دوسرا ظفر نواب صاحب گیا کے کتب خانہ سے آیا ہوا ہے اور ایک تیسرا نسخہ ہے۔ ایک نسخہ میں صرف غزلیں، چوتھا نسخہ راج براج صاحب پٹنہ سٹی میں دستیاب ہوا ہے۔ (۵۹)

''ان کے کلام میں سوز و گداز کے ساتھ تصوف کا رنگ بہت نمایاں ہے۔'' (بخی)

بقول حسرت موہانی مثنویوں کا انداز میرؔ کی مثنویوں سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں تمیز بھی مشکل ہے۔

مثنویوں کے نام یہ ہیں:

حسن و عشق، ناز و نیاز، نور الانضار، جذب عشق، مراۃ الجمال، شرح حال، شہر آشوب، مثنوی مدحیہ۔''

اکثر مثنویوں میں عشق کی داستانیں نظم کی گئی ہیں، صرف نور الانضار ایک اخلاقی مثنوی ہے۔(۶۰)

راسخ کے چند تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں:

انور علی یاسؔ آروی، حکیم احمد حسین، خواجہ فیض اللہ معروف بہ شاہ غلام مخدوم عظیم آبادی، تخلص فرحت، خواجہ محمد محسن، مرزا امداد بخش مراد، نواب مہدی علی خاں۔(۶۱)

راسخ کو شاعری، موسیقی اور تصوف سے بڑی دلچسپی تھی۔ حضرت شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی کے مرید تھے۔ راسخ نے اپنے پیر و مرشد کو جو خط لکھا ہے وہ اب تک بڑی خانقاہ پھلواروی میں موجود ہے۔(۶۲)

کیفی بہاری:

حاجی شیخ احمد علی، کیفیؔ تخلص، قصبہ بہار ضلع پٹنہ کے رئیس، خوش فکر اور خوش گو شاعر تھے۔ حضرت کیفیؔ بہاری کے فرزندوں کے نام یہ ہیں: (۱) مولوی ولی محمد صاحب، ڈسٹرکٹ ججی سے سبکدوش ہو کر ۱۹۴۹ء میں انتقال کیا۔ (۲) مولوی نور محمد صاحب ایڈیٹر ''اتحاد'' پٹنہ، ان کا انتقال بہار کالونی نمبر ۲، کراچی میں ۲۴ جنوری ۱۹۶۸ء کو ہوا۔ (۳) مولوی ابو محمد صاحب منصف تھے، سمتی پور ہندوستان میں ایک حادثہ سے دوچار ہوئے اور بہار آ کر انتقال ہوا۔ (۴) مولوی غلام محمد صاحب ایڈووکیٹ پٹنہ ہائی کورٹ، ۱۹۴۸ء کو کراچی آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

بہ روایت مولوی دوست محمد صاحب حضرت کیفیؔ کا سال ولادت ۱۸۳۳ء ہے اور ۹۰ سال کی عمر میں

۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں وفات پائی- غالب دہلوی کے شاگرد تھے- سرسید کے ہمعصر اور ان کی تحریکات اور مسلمانوں میں تعلیم انگریزی کی ترویج کے حامی تھے- ''شرف الاخبار'' کے نام سے ایک اخبار نکالتے تھے اور اس سے اخبار اپنچ پٹنہ کی نوک جھونک ہوتی تھی-(۶۳)

آپ کی ایک ''قومی مثنوی'' دلگداز پریس لکھنؤ میں چھپی تھی، جس کے خاتمے میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے نہایت اچھا تبصرہ لکھا تھا، وہ یہ ہے:

''اردو شاعری نے بہت کچھ ترقی کی ہے اور بڑے اساتذہ طبع آزمائی کر چکے ہیں، مگر شاعری سے جو مفید کام اس ''قومی مثنوی'' کے عالی مرتبت مصنف، صاحب علم وفضل اور روشن خیال رئیس نے کیا ہے، اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا- اس آخری دور میں ہمارے قومی شعراء نے اپنی طبع رساء سے بڑے بڑے کمالات دکھائے اور قوم کے دلوں پر بڑی بڑی نمایاں فتحیں حاصل کیں مگر پھر بھی اس مثنوی میں خاص قسم کی جدت وندرت ہے- مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت، ان کے اخلاق ومعاشرت، ان کے اوضاع واطوار کا غرض تمام باتوں پر نہایت ہی خوبی، کہنہ مغزی اور خوش اسلوبی سے گفتگو کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر اسلوب زندگی میں ان کی رہبری کی جائے، پھر اس کے ساتھ زبان نہایت شستہ درجہ ہے- شاعرانہ نازک خیالیاں ہیں- دل پر اثر کرنے والی تشبیہیں ہیں کہ ہر شعر بتا رہا ہے کہ مصنف صاحب کیسے پختہ مغز اور کہنہ مشق شاعر ہیں- ہر سبجیکٹ کی طرف رجوع کرتے وقت شعرائے سلف کی وضع کے مطابق ساقی نامے سے گریز کی گئی ہے اور ساقی نامے کے جتنے اشعار ہیں، سب نہایت ہی مناسب، دلچسپ اور قابل داد ہیں- غزلوں کے چند اشعار نمونہ کلام:

تم نقاب الٹو بھی اپنے عارض پر نور سے
لن ترانی کی صدا کیا دے رہے ہو دور سے

ہم وہ میکش ہیں ذرا ٹھہریں جو ساقی زیر تک
جوش کھا کر خودبخود ٹپکے شراب انگور سے
آج پائے لنگ سے ٹھوکر لگاتے ہیں گدا
ہیں عیاں آثار غربت تربت تیمور سے(۶۴)

حضرت شمس العارفین شاہ غلام نقشبند قدس سرہٗ، (سجاد پھلواروی):

ولادت:

۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء، تکمیل درسیات تعلیم وتربیت ظاہری و باطنی کل حضرت تاج العارفین سے ہوئی، آٹھ سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد ماجد خواجہ عمادالدین قلندر قدس سرہٗ نے رحلت فرمائی، تاج العارفین قدس سرہٗ نے مصلحت وضرورت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۲۳ جمادی الاولی ۱۱۲۴ھ میں آپ کی بیعت لے کر سجادہ نشین کر دیا اور تعلیم وتربیت ظاہری و باطنی کی طرف مشغول ہوئے۔ طبعی من سبت اور ریاضات ومجاہدات کی وجہ سے(۶۵) آپ نے بہت جلد ترقی کی اور عرفان کے مدارج علیہا پر بہت جلد فائز ہوئے۔ کتاب فضل النبی حضرت تاج العارفین کی اجازت سے آپ ہی نے ترتیب دی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں اوراد ونوافل حضرت تاج العارفین کو اور خود حضرت شاہ غلام نقشبند قدس سرہٗ اور دیگر خلفائے تاج العارفین کو بزرگوں کی روحانیت سے بطریق اولیت تلقین ہوتے تھے۔ ان کو اس مجموعہ میں آپ نے سن وار تلقین یافتہ کے نام کی صراحت کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں جس میں نوافل وارد ہیں، اس کا نام ''فضل النبی'' اور جس مین مسائل ہیں اس کا نام ''فضل الرسول'' ہے۔ تصوف کی کتابوں پر آپ کی تعلیقات ہیں۔(۶۶)

مولانا شاہ حسین میاں مرحوم خلف مولانا قاری شاہ سلیمان پھلواروی مغفور نے حضرت شاہ سجادہ

پھلواروی کے متعلق رسالہ ''بہارستان'' اگست ۱۹۳۱ء میں مضمون شائع فرمایا تھا وہ یہ ہے:

''شاہ غلام نقشبند اور سجاد تخلص ہے- پھلواری شریف ضلع عظیم آباد پٹنہ مسکن ہے- شاہ سجاد کے والد ماجد قلندریہ طریقہ کے بزرگ حضرت شاہ عماد الدین قلندر پھلواری عرف میاں صاحب ہیں- شاہ سجاد ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے- شاہ صاحب نے علوم دینیہ کی تحصیل اپنے پیرومرشد اور خسر حضرت شاہ مجیب اللہ قلندر قادری سے کی-

شاہ سجاد صاحب بچپن سے ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے اور طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی- کمسنی میں اپنے والد ماجد حضرت میاں صاحب کے سجادہ پر پھلواری میں بٹھا دیئے گئے- مخلوق آپ کی طرف رجوع ہوئی، پٹنہ اور اطراف و اکناف کے لوگوں میں آپ عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے- آپ کا علم و فضل (۶۷) اور صلاح وتقویٰ مقبول وممدوح تھ-

جب شاہ عالم ثانی شاہ مجیب اللہ قلندر قادری پھلواروی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بصد حسن و عقیدت حضرت شاہ غلام نقشبندی کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر قدم بوس ہوئے- آپ کا سجادہ اور آپ کی خانقاہ پھلواری سے محلہ منگل تالاب پٹنہ سٹی میں منتقل ہوگئی جواب تک مرجع خاص و عام ہے- آپ کا جو مکان پھلواری میں تھا، وہ اب بھی قبلہ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب قلندر قادری کی ملکیت ہے- نواب میر قاسم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے- آپ کا کلام فارسی میں بھی بہت بلیغ ہوتا تھا- (۶۸)

وفات:

۳ ذیقعدہ ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۰ء میں وفات پائی-

آپ کی شادی تاج العارفین قدس سرہ کی دو صاحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے ہوئی، پہلی بیوی سے اولاد زندہ نہ رہی، دوسری محل سے اولاد ہوئی- از انجملہ دو صاحبزادیاں زندہ رہیں، جن سے اولاد جاری

ہوئی-(۶۹)

رسا ہمدانی گیاوی:

سید محمد اسماعیل ہمدانی نام، رسا تخلص ہے-شہر گیا کے رہنے والے تھے-اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے ایم اے تھے-شاعری میں کوثر خیرآبادی سے تلمذ ہے-حضرت کوثر خیرآبادی عرصہ تک شہر گیا میں مطب کرتے رہے تھے- جناب رسا ہمدانی نہایت ذہین اور طباع واقع ہوئے تھے- وہ اسلامیہ کالج کلکتہ نالندہ کالج بہار شریف گیا، کالج گیا، بی وی اے کالج سیوان میں (۷۰) صدر شعبۂ اردو و فارسی رہے- ۱۹۴۸ء میں بمقام سیوان انتقال ہوا- ان کے اہل و عیال کراچی آ گئے اور پیر الٰہی بخش کالونی میں مقیم ہیں- جناب رسا ہمدانی کے فرزند جلیل شوکت کی شادی جناب صہبا مونگیری ثم گیاوی کی دختر چاند بی بی سے اسی پیر کالونی میں رچائی گئی-

رسا ہمدانی ایڈووکیٹ بھی تھے-(۷۱) زبان نہایت صاف تھی اور طرز بیان عمدہ، وسیع اخلاق، منکسر المزاج، حلیم، ملنسار، آزادی پسند، برجستہ اور صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے- فارسی شاعری میں ایک مجموعہ گلہائے بے خزاں (اردو)، آئینۂ حسن، میخانۂ حسن اور پاک جذبات، دو آتشہ قابل دید کتابیں ہیں-

نمونۂ کلام:

عورت

قسم اس شرم کی جو پارسا عورت کی فطرت ہے
قسم اس حسن دلکش کی نگہباں جس کی عصمت ہے
قسم اس رخ کی جس پر چودھویں کا چاند ہے صدقے
قسم اس زلف کی جس کی سیاہی شام عشرت ہے

قسم ان آنکھوں کی اعجاز بھی ہے سحر بھی جن میں
قسم اس چین ابرو کی جو شمشیر محبت ہے
قسم ان پھول سے خوش رنگ گورے گورے گالوں کی
گلابی رنگ بھی ہے بار جن پر وہ نزاکت ہے
قسم ان سرخ نازک ہونٹوں کے موج تبسم کی
کہ جس میں بجلیاں ہیں حُسن ہے پیغام الفت ہے
قسم اس شہد سے شیریں رسیلی نرم بولی کی
بھری جس میں محبت ہے، شرافت ہے، صداقت ہے
قسم اس ناز کی جس ناز پر بانکپن قرباں
قسم اس چال کی جس چال پر صدقے قیامت ہے
قسم اس سادگی کی ہے بناوٹ فطرتی جس میں
قسم اس ناز کی جو کہ خود جان نزاکت ہے
قسم اس چارہ سازی کی جو ہے رشکِ مسیحائی
قسم اس دلدہی کی جو شریک رنج و راحت ہے
قسم اس آہ کی جو ہے اف فسانۂ دل کا
قسم اس اشک کی جو مایۂ صدکان الفت ہے
قسم اس سوز کی جو شمع ہے بزم محبت کی
کہ عورت ایسی شئے ہے جس سے دنیا رشکِ جنت ہے(۷۲)

حضرت شاہ رکن الدین عشق قدس سرہٗ:

حضرت شیخ رکن الدین عشقؒ عرف شاہ گھسیٹا کے والد ماجد کا نام شیخ محمد کریم فاروقی تھا- آپ حضرت شاہ محمد فرہاد ابو العلائیؒ کے نواسے تھے، دہلی کے بہت ہی ذی عزت صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے- درانیوں کے حملے کے بعد دہلی جو طوائف الملوکی کا شکار ہوئی، اس سے گھبرا کر انہوں نے ترک وطن کیا اور پہلے مرشد آباد پہنچے اور (۷۳) وہاں بقول مؤلف ''تاریخ شعرائے بہار'' نواب میر قاسم علی خاں کے دربار میں ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے- مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی نے اپنی تصنیف ''یادگار عشق'' میں حضرت عشق کی عمر ایک سو سال لکھی ہے اور اسی بناء پر سال ولادت ۱۱۰۳ھ متعین کی ہے کیونکہ آپ کا وصال ۱۲۰۳ھ میں عظیم آباد میں ہوا- ان کے شاگرد رشید اور مرید مرزا محمد علی فدوؔی نے تاریخ وفات یوں لکھی ہے:

''گفت فدوؔی سال تاریخ وفات: ہادی اشاہ رکن الدین عشق، ۱۲۰۳ھ''

کچھ عرصہ فوجی ملازمت میں رہنے کے بعد دنیا سے طبیعت پھر گئی اور ترک ملازمت کر کے عظیم آباد میں گوشہ گیر ہو گئے اور اپنی بقیہ ساری زندگی عبادت و ریاضت اور خدمت خلق میں گزار دی- حضرت مخدوم منعم پاک قدس اللہ سرہ العزیز کی خاص توجہ اور نظر عنایت نے ان کی روحانیت کو اور بھی چار چاند لگا دیئے- ڈھاکہ، مرشد آباد اور عظیم آباد میں آپ کے بے شمار مریدان آپ کی عقیدت اور محبت میں سرشار تھے- نواب علی ابراہیم خلیؔل نے اپنے تذکروں میں حضرت عشقؔ کا ذکر بڑے ادب اور احترام سے کیا ہے لیکن سن وفات انہوں نے ۱۱۹۵ھ لکھی ہے- (۷۴) محمد یحییٰ صاحب مرحوم نے بھی ''آفتاب طریقت'' سے جو سنہ وفات نکالا وہ بھی ۱۲۰۳ھ ہی ہوتا ہے-

نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ نے بھی اپنے تذکرہ ''گلشن بے خار'' میں حضرت عشق کا ذکر ''از سخن پروران معروف عظیم آباد'' کی حیثیت سے کیا ہے-

حضرت عشق اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے اور اپنے معاصرین شعراء میں اپنے علم و فضل اور کمال شاعری کی بناء پر قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے اردو دیوان کا قلمی نسخہ تکیہ حضرت عشق پٹنہ سٹی میں محفوظ ہے اور اس کا دوسرا قلمی نسخہ خانقاہ پھلواری شریف کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

مولوی کریم الدین صاحب مرحوم نے ''تذکرہ طبقات الشعراء'' میں ایک تیسرے قلمی نسخہ کی بھی نشاندہی کی ہے جو پیرس میں گارسان دتاسی کے پاس تھا۔ خانقاہ پھلواری شریف والے قلمی نسخہ میں غزلوں کے علاوہ رباعیاں اور مثنویاں بھی ہیں۔ (۷۵)

حضرت عشق کی شاعری میں صوفیانہ اور عارفانہ رنگ بہت نمایاں ہے اور عشق میں سرشاری اور مستی نے ان کے کلام میں عجیب کیف و سرور پیدا کر دیا ہے۔ زبان کی سلاست، روانی اور شیرینی کے ساتھ ساتھ ان کے اشعار میں سوز و گداز کی بھی فراوانی پائی جاتی ہے۔ ان کے کلام کو پڑھ کر میر تقی میرؔ اور دردؔ دونوں کا لطف آتا ہے۔ (۷۶)

آپ نے دیوان میں بسم اللہ کے بعد ہی یہ شعر لکھا ہے:

آہ جاں سوز کہ سر دفتر دیوان کیا
عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

چشم میں خلق کے گو مثل حبب آتا ہوں
عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہو

کیف و کم میری جو ہیں موج حباب دریہ
مجھ سے ہی اٹھتے ہیں اور میں ہی بہا جاتا ہوں

مزار آپ کا عظیم آباد پٹنہ محلہ بخشی گھاٹ معروف بہ تکیہ شاہ گھسیٹا صاحب میں مرجع ہر خاص و عام ہے۔

خلفاء ذی ارشاد:

حضرت خواجہ سید شاہ البرکات قدس سرہٗ، خلفیہ اعظم، حضرت سید شاہ دانش علی قدس سرہٗ، حضرت مولوی شاہ عبدالرحمٰن شہر گھاٹویؒ، شاہ علی محمد، شاہ نصر اللہ بنارسیؒ، (۷۷) حضرت شاہ علی احمد بہاریؒ، شاہ پیر محمد مجذوب، حضرت شاہ محمد فاصل مجذوب، میر عسکریؒ اور میر حیدر جانؒ عظیم آبادی۔(۷۸)

مولانا سید شاہ محمد اکبر ابوالعلائی اکبر داناپوری:

مولانا سید شاہ محمد اکبر ابوالعلائی خلف حضرت سید شاہ محمد سجاد بڑے عالی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ داناپور آپ کا مسکن تھا اور یہاں کی خانقاہ کے آپ سجادہ نشین تھے۔مولانا علوم ظاہری میں کامل اور علوم باطن میں عارف تھے۔آپ کا خاندان صوفی صافی اور آپ کے آباؤ اجداد بڑے بڑے اولیاء گزرے ہیں چنانچہ آپ کے چچا(۷۹) اور پیر حضرت سید شاہ محمد قاسم مصنف رسالہ ''نجات'' قاسم کی صفات درویشی اور حق پرستی زبان زد خلائق تھی۔آپ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور اکبر تخلص کرتے تھے۔آپ کی شاعری مستند تھی۔مولانا وحید الہ آبادی سے آپ کو تلمذ تھا۔آپ کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے:

تصنیف:

(۱) دیوان تجلیات عشق (۲) دیوان جذبات اکبر (۳) مثنوی روح (۴) اشرف التواریخ (چار جلد) (۵) خدا کی قدرت (۶) جبل حدیث (۷) رسالہ الماس (۸) رسالہ خضر طریقت

وفات:

مولانا کی وفات ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں ہوئی۔(۸۰)

علامہ سید سلیمان ندوی کی ادبی خدمات:

مولانا سید سلیمان ندوی کے والد کا نام ابوالحسن تھا-صوبۂ بہار کے ایک مردم خیز گاؤں دیسنہ ضلع پٹنہ میں ۲۲ صفر ۱۳۰۲ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے-(۸۱) جن اصحاب علم وقلم نے لیلائے اردو کے گیسوؤں کو سنوارا اور اس کو ایک علمی وادبی زبان بنایا، ان میں مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک ممتاز مقام ہے، وہ اسلامی علوم کے فاضل اجل ہی نہیں ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے اور مختلف مرحلوں سے گزرنے کے بعد اس منزل پر پہنچے تھے-(۸۲)

علامہ سید سلیمان ندوی برصغیر پاک وہند کی ایک ایسی ہمہ گیر، جامع صفات اور عظیم شخصیت تھی جس کی دیدہ وری کی مثال زمانہ بڑی مشکل سے پیدا کرسکے گا-آپ کی شخصیت جنید وشبلی کا زہد واتقا اور علم ودانش، رازی کی عقل پسندی اور غزالی کی فکر رساء موجود تھی-آپ کی یادداشت اور تنظیم ذہنی اس صدی میں ضرب المثل تھی-مختلف مضامین اور صدہا کتب ترتیب کے ساتھ ذہن سلیمانی میں محفوظ تھیں-تحریر وتقریر کے وقت یکے بعد دیگرے مضامین ذہن رساء سے برآمد ہوتے تھے، جنہیں دیکھ کر اہل علم انگشت بدنداں ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے-کوئی سا مضمون ہو جب درس کے لئے کتاب ہاتھ میں لیتے تھے تو مضمون پر چھا جاتے تھے-ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اس پائے کا استاد نہیں پیدا ہوا--جس مضمون کو پڑھاتے بن دمو تک کو پیش کرتے تا کہ طلباء سارے مضامین کا احاطہ کرسکیں-ہر مضمون فقہ، حدیث(۸۳)، تفسیر، تاریخ، ادب، منطق، فلسفہ، نفسیات غرض جس مضمون کو ہاتھ لگاتے اپنی فکر ونظر سے ان کے اسباق کی تشریح وتوضیح میں چار چاند لگا دیتے تھے-آپ کی تصنیفات عظیم اور نادر روزگار ہیں-ہر کتاب تفحص اور جستجو، معنی آفرینی اور ذوق طلب کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور دور جدید میں ریسرچ کا ایک عظیم الشان کارنامہ مہتمم بالشان تصنیف ''سیرۃ النبیؐ'' کی ۷ جلدیں ہیں-(۸۴)

اردو ادب کا دور زریں وہ تھا جب عربی و فارسی کے علماء اس کی آبیاری میں مصروف تھے اور بالعموم عربی و فارسی سے نابلد انگریزی دانوں کا دور شروع نہیں ہوا تھا- یہ علماء فقط ادیب اور انشاء پرداز یا محض شاعر نہیں تھے بلکہ محقق اور دانش مند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی سماجی شخصیتیں رکھتے تھے اور اجتماعی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے- ان کی زندگی کا ایک اعلیٰ مقصد تھا اور وہ چند اقدار حیات کے علم بردار تھے- قارئین کے لئے ان کی حیثیت معلم اخلاق کی تھی اور وہ کچھ اصولوں کی تبلیغ کے لئے کوشاں تھے- یہ صورت حال نثر میں بہت نمایاں تھی- سرسید نے جو کچھ لکھا تعمیر ذہن اور تہذیب اخلاق کے لئے- شبلی کی تنقید و تحقیق ان کی سیرت نگاری کا بھی ایک حصہ ہے- حالی نے شعر و شاعری کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا- نذیر احمد کو تربیت کردار کی فکر تھی چنانچہ ان کی ناول نگاری کا نشانہ وہی تھا جو ان کے ترجمۂ قرآن کا، جبکہ محمد حسین آزاد نے شعرائے اردو کے تذکرے کو بزرگوں کا تبرک بنا دیا اور اسے آب حیات کا مقدس نام دیا- اردو ادب کے یہ ستون بیک وقت عالم اور ادیب دونوں تھے-(۸۵)

اس عہد میں ہمارے عالم ادیبوں نے تخلیقی نثر کا ایک نمونۂ کمال پیش کیا، یہی وجہ ہے کہ غالب اور اقبال کے اس درمیانی دور میں شاعری کے بجائے نثر ہی غالب ذریعہ اظہار بنی رہی- علامہ سید سلیمان ندوی اسی متاع گراں کے امانتدار ہیں- وہ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح عالم و محقق اور ایک سماجی شخصیت تھے اور زندگی کا ایک نقطۂ نظر رکھتے تھے اور اپنے مقاصد کی تبلیغ ان کے پیش نظر تھی- ان کا جذبۂ ابلاغ تھا جس نے انہیں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کی طرف مائل کیا- انہیں ادب کی ایک روایت ورثے میں ملی تھی- اس ورثے کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے ایک پورے دارالمصنفین کی تشکیل کی اور معارف کو(۸۶) اس کا ترجمان بنایا- اس ادارے نے اشاعت علوم کے لئے ایک قاموسی تحریک چلائی- اس تحریک کی ادبیات کا جو سلسلہ قائم ہوا وہ آج تک جاری ہے- ان ادبیات کی ایک نمایاں خصوصیت ان کے اسلوب نگارش کی ادبیت

ہے، اسی ادبیت نے تاریخ، سیرت، جغرافیہ اور فلسفے میں ادب کے گل بوٹے کھلائے جن کی شگفتگی اور عطر بیزی نے ثقہ سے ثقہ علوم اور دقیق مباحث کو لطیف اور دلکش بنا دیا ہے- اسی طرح اس پر لطف قاموسیت نے خالص ادبی موضوعات کو علم و آگہی سے مالا مال کر دیا ہے- اس ثروت مندی سے تنقید میں تحقیق کا وزن پیدا ہو گیا ہے جبکہ تحقیق تنقید کی چاشنی سے بہرہ ور ہے- علم و ادب کی یہ ہم آہنگی دونوں کے لئے باعث اعتبار ہے- اس اعتبار میں ایک وقار اور سب سے بڑھ کر استناد ہے جس سے تحریر کے اندر پائیداری آتی ہے اور بصیرت و افادیت کا ایک مرقع تیار ہوتا ہے- علامہ سید سیمان ندوی کی خاص ادبی تصنیفات دو ہیں ایک ''خیام'' دوسری ''نقوش سلیمانی-'' پہلی کتاب مشہور فارسی شاعر کی حیات اور شاعری پر حرف آخر اور اس موضوع پر دنیا کی کسی زبان میں اس سے بہتر کوئی تنقید یا تحقیق آج تک نہیں لکھی گئی- دوسری کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو فاضل مصنف نے مختلف مواقع اور متنوع لسانی و ادبی موضوعات پر تحریر کیے-(۸۷)

سید صاحب کا سلسلۂ نسب ۳۷ واسطوں سے حضرت حسینؓ سے مل جاتا ہے- دادھیالی نسب نامہ حسب ذیل ہے:

سید سلیمان ندوی بن سید ابوالحسن بن محمد شیر عرف حکیم محمدی بن میر عظمت علی بن میر وجیہہ الدین عرف میر جگن بن میر رجب علی بن میر محمد شیر بن میر سید صدر الدین بن میر سید سلیمان بن میر سید عثمان بن سید حسن شہید بن سید شمس الدین بن میر سید خلیل بن میر سید عرب ثانی بن میر سید مالک بن میر سید منیر بن میر سید محمد بن میر سید شمس محمد بن سید معین محمد بن میر محمد بن سید عرب اول بن سید امیر براں بن میر سید میراں بن میر سید احمد بن میر سید محمد بن میر سید محمد یوسف بن میر سید اسحاق میر سید یعقوب بن میر سید حسن بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام سید محمد باقر بن سید زین العابدین بن امام سید حسینؓ شہید کربلا بن حضرت فاطمہ زہرہ بنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم-(۸۸)

سید صاحب کا نام ان کے جد امجد حکیم محمدی نے انیس الحسن اور کنیت ابو نجیب رکھی تھی لیکن پھر ایک پر لطف واقعہ کی بناء پر سلیمان نام پڑ گیا۔(۸۹)

تصانیف:

۱۔لغات جدیدۃ: ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ منعقدہ دہلی میں طے ہوا کہ عربی کے جدید الفاظ کی ایک ڈکشنری ترتیب دی جائے، چنانچہ یہ کام سید صاحب کے سپرد کیا گیا جسے انہوں نے دو برس میں پورا کر کے ۱۹۱۲ء کے اجلاس لکھنؤ میں، جس کے صدر علامہ رشید رضا مصری تھے، پیش کیا، یہی ڈکشنری ''جدیدۃ'' کے نام سے ۱۹۱۲ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔(۹۰)

۲۔ارض القرآن: فکر و نظر کی حامل ایک ایسی کتاب ہے جس نے دنیا کی تاریخ جدید کے ماخذ پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے۔اس کتاب میں وادیٔ ام القریٰ اور اس کے قرب و جوار میں نسل انسانی(۹۱) کے پروان چڑھنے اور اس مرکز سے دنیا کے دوسرے مقامات پر ہجرت کرنے کے حالات ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں، ان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کے ارتقائی منزلوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نسل انسانی کی نشو و نما کا سرچشمہ اور نقل مکانی کا ایسا مرکز دریافت کیا ہے جسے تسلیم کر لینے کے بعد موجودہ دنیا کے متعدد افکار و نظریات و تحقیقات کی تاریخ پر پانی پھر جاتا ہے اور ذہن انسانی میں عظیم انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔اس کتاب کی رہنمائی قرآن پاک کی اس آیت نے کی ہے جس میں قرآن نے مکہ کو ''ام القریٰ'' یعنی آبادیوں کے ماں کا خطاب دیا ہے۔ لتنذر ام القری ومن حولھا۔(۹۲) دکن کالج پونا کے زمانہ قیام میں سید صاحب نے اس تصنیف کا آغاز کیا تھا۔یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد ۱۹۱۷ء اور دوسری جلد ۱۹۱۸ء میں دارالمصنفین سے شائع ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں مولوی مظفر الدین ندوی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔(۹۳)

۳- سیرت النبیؐ: سیرت النبیؐ کی سات جلدیں ہیں- اگرچہ ابتدائی دو جلدوں کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علامہ شبلی نے ترتیب دینے کی سعی کی لیکن جب وہ ان جلدوں کو مرتب کر رہے تھے تو خود ان کی زندگی حیات کی آخری منزلوں پر پہنچ رہی تھی، وہ بستر علالت پر دراز تھے اسی لئے انہوں نے اپنے خطوط میں شاگردکو تحریر فرمایا کہ ''سیرت کی جلد اول اور دوم کے مضامین پر از سر نو نظر ڈالی جائے اور جو ڈھیلے ڈھالے مضامین ہیں، انہیں کس دیا جائے-''

شاگردوں نے استاد کے احکام کی پیروی کی، ان دونوں جلدوں پر نظر ثانی کی، ان کمزوریوں کو دور کیا اور انہیں از سر نو مرتب کیا- سیرت کی ان سات جلدوں کو اب علامہ سلیمان ندوی کا کارنامہ قرار دیا جائے گا- اس تصنیف کا جواب دنیا کی کسی دوسری زبان میں موجود نہیں- یہ سات جلدیں اپنی مثال آپ ہیں- ان کا عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے- ترکی اور دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی ان کے تراجم شائع ہو رہے ہیں- سیرت کی یہ سات جلدیں تاریخ اور سیرت کے عنوان سے بے مثال ہی نہیں بلکہ ان کا ادبی معیار بھی بلند اور اچھوتا ہے-(۹۴)

۴- سیرت عائشہؓ: یہ کتاب بھی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی- سید صاحب نے اس کا آغاز طالب علمی ہی میں کیا تھا، مگر اس کی تکمیل بعد میں کی-

۵- خطبات مدارس: سید صاحب نے اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدارس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی دعوت پر مدراس کا سفر کیا اور وہاں سیرت نبویؐ پر آٹھ خطبات دیئے جو ''خطبات مدارس'' کے نام سے چھپ کر ۱۹۲۶ء میں منصہ ظہور پر آئے یہ خطبات سیرت نبویؐ کا جوہر اور عطر ہیں-

۶- عرب و ہند کے تعلقات: مارچ ۱۹۲۹ء میں سید صاحب نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی دعوت پر ''عرب و ہند کے تعلقات'' کے موضوع پر خطبات پڑھے جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا

وہ عہد زریں یاد دلایا ہے جب دونوں گوناگوں اور مختلف النوع تعلقات کے رشتوں میں منسلک تھے۔ بلاشبہ یہ خطبات تلاش و تحقیق، محنت و کاوش اور حجت و استدلال کے اعتبار سے بے مثال سمجھے جاتے ہیں۔ ان خطبات کو ہندوستانی اکیڈمی نے ۱۹۳۰ء میں ''عرب و ہند کے تعلقات'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ سید صاحب کے ایک ہم وطن سعید الحق دیسنوی نے کیا تھا۔

۷۔ عربوں کی جہاز رانی: مارچ ۱۹۲۱ء میں سید صاحب نے حکومت بمبئی کے (۹۵) شعبۂ تعلیم کی فرمائش پر انجمن اسلام ہال بمبئی میں عربوں کی جہاز رانی پر چار لیکچر دیئے۔ ان میں زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں عربوں کی جہاز رانی، عربوں کی دنیا کے سمندروں سے واقفیت، ان کے بعض بحری انکشافات، عربوں کے سامان و آلات جہاز رانی اور ان کی بحرِ محیط کو عبور کرنے کی کوششوں وغیرہ سے مبسوط بحث کی گئی ہے۔ یہ خطبات ۱۹۳۵ء میں معارف پریس اعظم گڑھ میں طبع ہو کر دارالمصنفین سے شائع ہوئے۔ ان کا انگریزی ترجمہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔

۸۔ خیام: دسمبر ۱۹۳۰ء میں سید صاحب نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ سید صاحب نے اس میں رباعیات کے مباحث بڑھا کر ایک مستقل کتاب کی شکل دے دی۔ یہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی یہ سید صاحب کی اہم ترین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔

۹۔ نقوش سلیمانی: سید صاحب نے اردو زبان و ادب اور اس کی تاریخ سے متعلق جو مضامین لکھے تھے اور اردو کانفرنسوں میں جو معرکۃ الآراء خطبے پڑھے تھے، ۱۹۳۹ء کے اواخر میں ''نقوش سیمانی'' کے نام سے ان کا ایک مجموعہ شائع کیا۔

۱۰- **رحمت عالم:** ۱۹۴۰ء میں سید صاحب نے بچوں کے لئے آسان وسلیس زبان میں سیرت نبویؐ کی ایک مختصر کتاب تالیف کی- یہ اتنی مقبول ہوئی کہ ہندی اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا-

۱۱- **حیات شبلی:** علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے شفیق استاد کی آخری وصیت (۹۶) کے مطابق تمام کاموں سے فارغ ہو کر شبلی کی سوانح عمری لکھنا شروع کی اور دو ڈھائی سال کی مسلسل جانکاہ محنت کے بعد اس کو مکمل کیا- ۸۲۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی-

۱۲- **مقالات سلیمان:** سید صاحب کی وفات کے بعد دارالمصنفین نے معارف اور دوسرے رسائل میں منتشر سید صاحب کے علمی مضامین کو یکجا کر کے مقالات سلیمان کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے، جس کی تین ضخیم جلدیں اب تک طبع ہو چکی ہیں-

۱۳- **مکتوبات سلیمان:** سید صاحب کے خطوط و مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں- سب سے پہلا مجموعہ ''برید فرنگ'' کے نام سے خود سید صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۵۲ء میں مکتبۃ الشرق کراچی سے شائع کیا- اس کا دوسرا ایڈیشن مجلس نشریات اسلام کراچی سے حال ہی میں شائع ہوا ہے- (۹۷)

۱۴- لاء آف ٹارٹ (Law of Torts) کا ترجمہ (قانون ضمان): (۹۸)

یادرفتگاں:- ۱۹۱۴ء کے اواخر میں علامہ شبلی نعمانی کے سانحۂ ارتحال پر سید سلیمان ندوی نے اپنے واردات رنج والم کو جہاں شعری جامہ پہنا کر پر درد ولدوز نوحہ استاذ لکھا وہیں نثر میں بھی اس سوز و گداز سے بھرے ہوئے دل نے عقیدت کے آنسو پیش کئے- یہ مضمون اسی زمانہ میں پہلے اخبار ''زمیندار'' لاہور میں قسط وار شائع ہوا اور پھر رسالہ ''معارف'' کے اجراء کے بعد اس میں دوبارہ شائع ہوا- ۱۹۱۴ء سے لے کر اپنی وفات ۱۹۵۳ء سے کچھ پہلے تک سید صاحب کی درد بھری داستان غم سنانے کا سلسلہ

جاری رہا- پیش نظر کتاب "یادِ رفتگاں" ان ہی نثری مرثیوں یا ماتمی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے سید صاحب نے کراچی کے زمانۂ قیام میں اپنی حیات ہی میں مرتب کر لیا تھا مگر ان کی وفات کے چند سال بعد ۱۹۵۵ء میں ان کے خویش سید ابو عاصم ایڈووکیٹ نے مکتبۃ الشرق کراچی سے شائع کیا-(۹۹)

شاعری:

سید سلیمان ندوی کو صغر سنی میں بیت بازی سے بہت دلچسپی تھی اور وہ اس میں پیش پیش رہتے تھے- شعر و شاعری سے ان کے ذوق کی بنیاد ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں بیت بازی سے پڑی-(۱۰۰)

گاؤں کی مکتبی زندگی سے نکل کر وہ ۱۸۹۸ء میں مزید تحصیل علم کے لئے پھلواری شریف (پٹنہ) آئے- یہاں خانقاہ مجیبی میں قوالی کی محفلیں برابر ہوتی رہتی تھیں، جس کے اثر سے پورے قصبہ میں شعر و سخن کا ذوق عام تھا-(۱۰۱) مزید برآں پھلواری میں سید صاحب کا قیام جس کمرے میں تھا اس کے پاس ہی ایک بزرگ مولوی عبداللہ رہتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی مولوی معشوق بہت دلچسپی اور شوق سے مجلس میں شریک رہتے- ان کو بیت بازیوں سے اس کا چسکہ تو پہلے ہی پڑ چکا تھا، اب یہاں کی قوالی کی محفلوں میں شرکت اور اس ماحول نے ان کے شعر و سخن کو اور جلا عطا کی- وہ خود اپنے ایک ریڈیائی مضمون میں رقم طراز ہیں:(۱۰۲)

"یہاں (پھلواری شریف) خانقاہ میں ہر ہفتہ قوالی ہوتی تھی، اس کے اثر سے اس قصبہ میں شعر و شاعری کا چرچا تھا اور ہے، میں نے بھی اس فضا میں سانس لی اور یہیں میں نے مولوی عبدالحلیم شرر کا ناول "منصور موہنا" دیکھا- اس کا یہ اثر ہوا کہ جس وقت کتاب ختم کی خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دیا-"(۱۰۳)

بہار کی مختلف درسگاہوں میں تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد جب ۱۹۰۱ء میں سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے لئے لکھنؤ پہنچے تو گویا شعر و سخن کے اصل گہوارہ میں آ گئے- خود ندوہ میں شعر

وشاعری کا بڑا چرچا تھا- طلباء اکثر مشاعرہ کرتے تھے جس میں رکن الدین دآنا، تجمل حسین شاہ جہانپوری، مصطفیٰ خان ملیح آبادی، عبدالغفور شرر، سید عثمان گیلانی، ظہور احمد وحشی اور مولانا عبدالسلام شمیم (صاحب شعرالہند) خاص طور پر قابل ذکر ہیں- سید صاحب بھی ان مشاعروں میں شریک ہوتے اور اپنا طرحی یا غیر طرحی کلام سناتے تھے-(۱۰۴) لکھنؤ کی اس شعر پرور فضا میں ان کی شاعری کا نشہ دو آتشہ ہوگیا اور ان کا ذوق سخنوری نکھر کر درجۂ کمال کو پہنچ گیا- شاہ معین الدین احمد ندوی رقم طراز ہیں:

''جس زمانہ میں سید صاحب مزید تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے لکھنؤ کی پوری فضا پر شاعری چھائی ہوئی تھی...... اس فضا نے سید صاحب کی شاعری کا نشہ تیز کر دیا اور وہ خود بھی شعر کہنے لگے-''(۱۰۵)

سید ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

''......اس زمانے کے اساتذہ میں داغ، امیر، جلال، ریاض اور مضطر وغیرہ بقید حیات تھے- عشرت لکھنوی کا نام طلباء میں زیادہ معروف تھا- ''پیام یار'' نامی رسالہ طرحی اور غیر طرحی غزلوں کے ساتھ ہر ماہ نکلتا تھا، مرثیے کی محفل اور مشاعرے بکثرت ہوتے تھے- علامہ موصوف ان میں شرکت کرتے کرتے خود بھی شعر کہنے لگے اور بالآخر ایک باکمال شاعر بن گئے-''(۱۰۶)

سید صاحب مجموعۂ کلام میں قدیم ترین اشعار ۱۹۰۴ء کے ہیں اور مؤخر ترین اشعار ۱۹۴۹ء کے- اس طرح ان کی شاعری کی مدت تقریباً نصف صدی پر محیط ہے- ارمغان سلیمان کے مرتب نے سید صاحب کے کلام کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے- دور اول میں ۱۹۰۴ء سے ۱۹۳۵ء تک کا کلام شامل ہے اور دور آخر کا کلام اپریل ۱۹۴۲ء سے دسمبر ۱۹۴۹ء تک پر مشتمل ہے-(۱۰۷)

پہلا دور زمانۂ طالب علمی کی شاعری اور مشق سخن پر مشتمل ہے، اس دور کو ان کا تربیت دور کہا جا سکتا

ہے۔

سید صاحب کی شاعری کا دوسرا دور قیام دارالمصنفین ۱۹۱۴ء کے بعد سے شروع ہوا اور مولانا اشرف علی تھانوی کی ارادت یعنی ۱۹۴۲ء تک قائم رہا۔ اس دور کے کلام میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے، اب ان کی شاعری محض گل وبلبل اور ہجر وصال کی داستان نہیں رہ گئی بلکہ ان کے جذبات میں لطافت اور خیالات میں معنویت اور گہرائی پیدا ہوگئی۔

سید صاحب نے ۱۹۱۶ء میں ایک غزل اعظم گڑھ کے کسی مشاعرے کے لئے کہی تھی جس کا مطلع ہے:

عجب طرح کا ایک پیچ گفتگو میں ہے
وگرنہ ''میں'' میں وہی بات ہے جو ''تو'' میں ہے(۱۰۸)

اگست ۱۹۲۷ء میں سید صاحب نے ایک نظم نما غزل ''راز درون پردہ'' کے عنوان سے کہی ہے جو خیالات کی رفعت اور پاکیزگی سے بھری ہوئی ہے، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

یہ کیسی بے کسی ضبط محبت کی الٰہی ہے
کہ اس کا نام بھی میری زباں تک آ نہیں سکتا

تمہیں کو کس طرح میری محبت کا یقیں آئے
قسم تک تو تمہارے نام کی میں کھا نہیں سکتا

نہ ہمدم کوئی ہوسکتا نہ مونس کوئی ممکن ہے
کہ لب تک ایک حرف اس داستاں کا آ نہیں سکتا

لب خاموش بھی بیگانہ ہے راز درونی سے
کوئی حرف اس تمان کا ہوں تک آ نہیں سکتا

اس کے بعد ۱۹۲۸ء تک سید صاحب کی کل اٹھارہ غزلیں ملتی ہیں جو تقریباً سب کی سب سفر کے دوران کہی گئی ہیں۔ ان غزلوں کے کچھ منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عقل کہتی ہے کہ ناداں نہ ہو گمراہ نہ ہو
عشق کہتا ہے کہ کیا لطف اگر چاہ نہ ہو
سوزش عام ہو تب آگ سے اٹھتا ہے دھواں
عشق کامل کا جو دعویٰ ہے تو پھر آہ نہ ہو

حرف طلب کہا نہیں جاتا بے کہے بھی رہا نہیں جاتا
نگہ لطف سے نہ دیکھ مجھے یہ ستم بھی سہا نہیں جاتا
عشق کی تازگی ہے آنسو سے بے سبب تو بہا نہیں جاتا(۱۰۹)

سید صاحب کی شاعری کے تیسرے اور آخری دور کا کلام کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے مستقل عنوان کا مستحق ہے۔ اس میں انہوں نے علم کی اقلیم سے نکل کر آسمان معرفت کی سیر اور بادۂ ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے۔ سید صاحب کا دور آخر کا یہ کلام تمام تر تو عارفانہ اور متصوفانہ رنگ میں ہے۔ اس رنگ کا آغاز مولانا تھانوی کی ارادت سے کچھ پہلے ہوا اور ان کی حلقہ بگوشی پر عروج کمال کو پہنچا، اس پہلے سید صاحب کا مشغلۂ سخن محض تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لئے جاری تھا اس لئے اس میں موزونی طبع اور قدر الکلامی تو ملتی ہے مگر ''از دل خیزد بر دل ریزد(۱۱۰)'' کی کیفیت معدوم ہے۔ لیکن آستانۂ اشرفی سے تعلق کے بعد ان کے جذبات شوق میں جو شدت اور وفور پیدا ہوا وہ زبان سے شعر و نغمہ بن کر ابلنے لگا۔

اس زمانے کے مقرب عینی شاہدین کا بیان ہے کہ ارادت کے بعد سید صاحب میں اتنا غیر معمولی تغیر

ہوگیا کہ وہ ہر مجلس میں بلکہ ہر وقت نغمہ خوانی کرتے رہتے تھے جبکہ اس سے پہلے یہ حالت نہ تھی- جذبات کی شدت وفراوانی اور اشعار کی کثرت آمد کا یہ عالم تھا کہ کبھی ایک دن میں کئی کئی غزلیں موزوں ہو جاتی تھیں، جب کسی نشست میں وہ عارفانہ اشعار پڑھتے تھے تو سامعین کو تڑپا دیتے تھے- اس عہد کے وفور جذبات کے بارے میں خود سید صاحب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

''میری اس دور کی شاعری کا آغاز حضرت والا تھانوی قدس سرہٗ کے تعلق سے ہوا اور انجام بھی حضرت کی رحلت ہی پر ہوگیا، بعد میں مشکل سے دو چار غزلیں ہوئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی موجودگی میں جذبات کا وفور رہتا تھا، جو پھر باقی نہیں رہا-''

سید صاحب نے اپنے عارفانہ کلام کے مجموعہ کا نام ''غزل الغزلات'' خود تجویز کیا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاہوتی نغمات کا عنوان تھا، اس اشتراک اسمی سے فائدہ اٹھانا ان کے حسن ذوق کا بین ثبوت ہے- ''غزل الغزلات'' کو سید صاحب اپنا ''روحانی سفرنامہ'' کہا کرتے تھے اور فی الواقع اس میں راہ سلوک ومعرفت کے ہر مرحلہ کے نشانات ملتے ہیں-(۱۱۰)

تنقید:

علامہ سید سلیمان ندوی کے قصر عظمت کے ستون علم وتحقیق کی بنیادوں پر بلند ہیں- مذہب وتاریخ ان کی تحقیقات کے خصوصی جولانگاہ تھے لیکن ادبی وتحقیقی موضاعات بھی ان کے دائرۂ فکر ونظر سے باہر نہیں رہے- اس سلسلے میں ان کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تنقید کو تحقیق سے گلے ملا یا ہے، تحقیق وتنقید کا اتنا کامیاب، مکمل اور متناسب امتزاج اس سے پہلے ان کے استاد شبلی کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتا- سید صاحب کے مضامین ہاشم کا مجموعہ، مراثی، اردو کیونکر پیدا ہوئی، جواہر الاسرار، پرانے لفظوں کی نئی تحقیق، نہنید اور ہماری زبان کا نام اس کی بہترین مثالیں ہیں-

''خیام'' سید صاحب کا ایک اہم ادبی کارنامہ ہے۔(۱۱۲)

صحافت:

علامہ سید سلیمان ندوی کی ہمہ گیر شخصیت کا ایک نمایاں رخ اور ان کے لافانی کارناموں کی داستان کا ایک روشن ورق ان کی صحافت بھی ہے لیکن یہ صحافت عہد حاضر کی اصطلاحی اور ٹیکنیکل صحافت سے بہت مختلف تھی۔ سید صاحب صحافت کے آسمان پر اس وقت طلوع ہوئے جب ہماری فضائے ادب مخزن، انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ منتھلی، اردوئے معلیٰ، دلگداز، معارف (علی گڑھ)، زمانہ، نگار، سچ، الناظر، ہمدرد اور الہلال جیسے روشن اور تابناک ستاروں سے مزین تھی اور شیخ عبد القادر، سرسید، حسرت موہانی، عبدالحلیم شرر، وحید الدین سلیم، منشی دیانرائن نگم، نیاز فتح پوری، عبدالماجد دریابادی، ظفر الملک، محمد علی جوہر اور ابوالکلام آزاد جیسے اساطین علم وادب اردو صحافت کی آبروشمار ہوتے تھے۔

لیکن اس سلسلہ میں سید صاحب کی انفرادیت اور ان کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے صحافت کے مروجہ تصور اور معیار کو اتنا بلند کر دیا کہ اس کی سرحدیں تخلیقی ادب، علمی تصنیف سے مل گئیں۔(۱۱۳)

سید صاحب کے صحافتی کارنامے الندوہ الہلال اور معارف پر مشتمل ہیں۔ الندوہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا مشہور علمی رسالہ اور اس کا نقیب تھا۔ علامہ شبلی کو اس کی اشاعت کا خیال ۱۹۰۲ء میں آیا۔(۱۱۴)

الندوۃ:

بہرحال رسالہ الندوہ کا پہلا شمارہ بڑی آب وتاب کے ساتھ مطبع مفید عام آگرہ میں چھپ کر اگست ۱۹۰۴ء میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ ۳۲ صفحہ کا یہ رسالہ شبلی کے بلند عزائم اور عالی حوصلگی کا پورا غماز تھا۔ الندوہ کے ٹائٹل پیج پر اس کا مقصد ''علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق، معقول ومنقول اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ'' بڑی پابندی کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔(۵)

ہفتہ وار الہلال کلکتہ:

الہلال کا پہلا شمارہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو منصہ شہود پر آیا۔ یہ ہفت روزہ دو کالمی اور رائل سائز کے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا، سرورق پر ''لا تھنوا ؤ لا تحذنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین'' درج تھا۔(۱۱۶)

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ:

سید سلیمان ندوی کے اصل جوہر ادب کی اس خاص صنف میں اس وقت چمکے جب انہوں نے ماہنامہ ''معارف'' کسی کے نائب ہو کر نہیں خود اپنی ذمہ داری پر اور خود مختار ہو کر جاری کیا۔(۱۱۷)

معارف کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۱۶ء میں نکلا۔ یہ رسالہ دارالمصنفین کا علمی ترجمان تھا۔ اس کے مقاصد وہی تھی جو خود دارالمصنفین کے قیام کے تھے۔ سید صاحب نے معارف کے پہلے نمبر میں نہایت شرح وسط کے ساتھ معارف کے اجراء، اس کے اغراض ولائحہ عمل پر روشنی ڈالی ہے۔(۱۱۸)

اُسلوب:

علامہ سید سلیمان ندوی نے اردو اسالیب بیان کی جن روایات اور ورثہ کی بنیاد پر اپنے انفرادی اسلوب کا محل تعمیر کیا اس کا با قاعدہ اور منظم آغاز تو سرسید کی ادبی تحریک سے ہوتا ہے لیکن خود سرسید کے ادبی اجتہادات بھی بذات خود جدید اردو نثر کا نقطۂ آغاز نہیں بلکہ اس تدریجی عمل ارتقاء کا ایک اہم سنگ میل یا انقلاب آفریں موڑ تھے، جن کا سلسلہ اجتماعی یا انفرادی طور پر انیسویں صدی کے نصف اول میں برابر جاری رہا۔(۱۱۹)

علامہ سید سلیمان ندوی کی نثر وانشاء اپنا انفرادی رنگ اختیار کرنے سے پہلے تشکیل ونشو ونما کے مختلف مراحل سے گزری ہے۔ سید صاحب کبھی عبدالحلیم شرر کے جذبات انگیز اسلوب سے متاثر ہوئے اور کبھی محمد حسین آزاد کی رعنائی بیان سے مسحور، کبھی اپنے مربی واستاد علامہ شبلی کے درجہ پر جبہ سائی کی اور کبھی ابوالکلام

آزاد کے خطیبات اور پرجوش تحریر کے اسیر ہو کر اس رنگ کو اتنی حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ نبھایا کہ لوگوں کو سید صاحب کی بعض تحریروں پر ابوالکلام کا شبہ ہی نہیں یقین تک ہونے لگا۔ مذکورہ اسالیب بیان میں سے اول الذکر تو محض وقتی و عارضی ابال کا نتیجہ تھا لیکن مؤخر الذکر دو (شبلی و ابوالکلام) اسالیب کے اتنے گہرے نقوش سید صاحب کے طرز تحریر پر مرتسم ہوئے کہ آخر تک ان سے دامن چھڑاتے چھڑاتے بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا۔(۱۲۰) شبلی و آزاد کے ان وقتی اثرات سے قطع نظر سید صاحب کا اپنا بھی اسلوب ہے، جس میں ان کی شخصیت پوری آب و تاب سے نمایاں ہوتی ہے۔ ان کے مزاج کا ٹھہراؤ، سنجیدگی اور وقار ان کے اسلوب کا آہنگ بناتے ہیں لیکن انہیں قاری کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے۔ وہ جب کوئی کتاب یا مقالہ شروع کرتے تو عموماً تمہید اس طرح اٹھاتے ہیں کہ قاری فوراً متوجہ ہو جائے، وہ ابوالکلام کی طرح جوشیلے خطیب نہیں ہیں لیکن ایسے موقعوں پر وہ خطابت کی ہلکی چاشنی سے عبارت کو حسین و دلکش بنا دیتے ہیں۔(۱۲۱)

بحیثیت قانون دان:

سید صاحب ایک عظیم قانون دان بھی تھے۔ قوانین جدیدہ اور فقہ اسلامی پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ حیدرآباد دکن کے محکمۂ قانون نے یہ کام ان کے سپرد کیا اور قانون دانوں اور ججوں کی ایک خاص کمیٹی کے صدر ہو کر سید صاحب نے جدید قانون ٹارٹ کا ترجمہ اردو زبان میں پیش کیا تھا۔ نواب بھوپال نے بڑے اصرار کے ساتھ بھوپالی ہائی کورٹ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے کی پیشکش کی تھی جسے آپ نے شرف قبولیت بخشا۔ تقریباً پانچ سال تک چیف جسٹس بھوپال ہائی کورٹ کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ بیسویں صدی کا ایک جید عالم دین ایک عظیم قانون دان بھی تھا۔(۱۲۲)

بین الاقوامی شخصیت:

علامہ سید سلیمان ندوی کی ذات گرامی نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں ایک ممتاز اور نادر روزگار مقام

کی حامل ہے بلکہ اسلامی دنیا میں آپ کی شخصیت ایک نابغۂ روزگار عالم، مفسر، فقیہہ اور مورخ کی حیثیت سے بے مثال ہے اور سارے عالم میں ایک ہفت زبان ریسرچ اسکالر اور قانون دان کی حیثیت سے معروف اور مشہور ہے۔ (۱۲۳)

بحیثیت قاضی القضاۃ بھوپال دارالقضاء (Chief Justice):

علامہ شبلی کی درجنوں علمی تصانیف اور بے شمار تحقیقی مضامین کے علاوہ سب سے عظیم تصنیف اگر کوئی ہے تو وہ علامہ سید سلیمان ندوی کی ذات گرامی ہے۔ اس شاگرد رشید نے علامہ شبلی کی روح فکری کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے بیسیوں کتابیں لکھیں ہیں اور ہر کتاب محققانہ ہے۔ ایک ریسرچ ورک ہے لیکن سید صاحب کے سب سے بڑے کارناموں میں (۲۴) بڑا کارنامہ یہ ہے کہ سید صاحب نے بھوپال اسٹیٹ کے قاضی القضاۃ (Chief Justice) کے عہدے پر کچھ عرصے ۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۹ء تک فائز رہ کر سینکڑوں بلکہ ہزاروں خصومات کا فیصلہ کیا۔ ان کے قانونی فیصلے چشم کشا بھی ہیں اور دلکشا بھی۔ (۱۲۵)

بحیثیت مشیر قانونی آئین ساز اسمبلی پاکستان:

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا، اس وقت علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان آئین ساز اسمبلی کے منتخب رکن تھے اور دینی نقطۂ نظر سے مختلف امور مملکت میں حکومت پاکستان کے مشیر اعلیٰ بھی تھے، انہیں کی جدوجہد اور مسلسل کاوشوں سے قرارداد مقاصد مرتب ہوئی اور آئین ساز اسمبلی پاکستان نے اسے منظور بھی کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات ۱۹۴۹ء کے بعد حکومت پاکستان نے ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کو مدعو کیا۔ علامہ پاکستان تشریف لائے، ایک ادارہ اسلامی تعلیمی بورڈ کے ''بے جوڑ'' نام سے قائم کیا گیا اور وہ مشیر قانونی مقرر ہوئے۔ وہ درحقیقت آئین ساز اسمبلی سے وابستہ ہوئے لیکن پاکستان میں قائداعظم اور علامہ عثمانی کی وفات کے بعد انگریز کے کارندوں نے زور پکڑ لیا تھا، پاکستان میں مختلف (۲۶) مذہبی جماعتوں

کے علماء نے اتفاق رائے سے ایک اجلاس بسلسلہ آئین اسلامی ۱۹۵۲ء میں منعقد کیا اور علامہ سید سلیمان ندوی کو اس کا صدر منتخب کیا اور ان کی صدارت میں تمام مکاتب فکر کے ممتاز علمائے پاکستان نے یک زبان ہو کر ۲۲ نکات پر مشتمل ایک آئینی دستاویز مرتب کی اور حکومت پاکستان کے حوالے کر دی کہ یہ اسلامی بنیادی نکات کی دستاویز ہے جس کی روشنی میں آئین سازی کی جائے۔(۱۲۷)

وفات:

۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو اتوار کے دن ساڑھے ساتھ بجے شام کو کراچی میں وفات پائی اور احاطہ قبور اسلامیہ کالج کراچی میں مدفون ہوئے۔(۱۲۸)

محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ کراچی از منقبت علامہ سید سلیمان ندوی:

اے کہ تیری ذات تھی سر چشمۂ صدق و صفا
انکسار و عجز سے تھا رہنمائے اشقیا
بے نیازی کا تو ایسا گوہر نایاب تھا
خسروان ملک ہوتے تھے دل و جاں سے فدا

اے سلیماں! تیری تحریروں سے برپا انقلاب
دیکھ کر جس کو ہوا باطل سراپا اضطراب
تو نے دنیا کو تمدن کا بتایا ہے حساب
تیرے ہاتھوں ہوگئی تاریخ انساں بے نقاب(۱۲۹)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی:

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ایک عالم دین، مورخ، محقق، دانشور اور سیرت نگار تھے- وہ اپنے وقت کے بے مثال خطیب اور ماہر قرآن وحدیث تھے- وہ علامہ سید سلیمان ندوی دیسنوی کے شاگرد رشید بھی تھے-

ولادت:

مولانا عبدالقدوس مخدوم پور ضلع گیا (بہا) میں (۱۳۰) ۱۹۱۱ء بمطابق ۱۳۲۹ھ کو تولد ہوئے- ان کے والد بزرگوار مولوی اوسط حسین محدث (متوفی ۱۹۱۹ء) اپنے گھرانے کے مشہور و معروف شیخ الحدیث علامہ نذیر حسین دہلوی کے شاگرد رشید اور مولوی عبدالاحد فائق مخدوم پوری کے بھائی تھے-

تعلیم:

ابتدائی تعلیم مدرسہ انوار العلوم گیا سے حاصل کی، پھر مدرسہ عالیہ میو ضلع اعظم گڑھ سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فاضل کی سند حاصل کی- جامعہ پنجاب سے فاضل ادب ہوئے-

زبانیں:

عربی، انگریزی، فارسی، ہندی، سنسکرت میں دسترس حاصل کی- (۱۳۰)

آپ کو آٹھ زبانوں میں دسترس حاصل تھی- انگریزی زبان میں حصول تعلیم کے بعد آپ ریاست رامپور کی سرکاری لائبریری میں بطور ماہر مخطوطات مقرر ہوئے اور ایک مدت تک وہاں خدمات انجام دینے کے بعد حیدرآباد دکن گئے اور متعدد کتابیں اور قلمی مخطوطے، ان کی نگرانی میں وہاں شائع ہوئے- مولانا ہاشمی نے طالب علمی کے دور میں تحریک خلافت میں حصہ لیا اور آل انڈیا کانگریس میں کچھ عرصے تک شمولیت اختیار کی مگر جلد ہی اسے خیرباد کہہ کر آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے-

مولانا ہاشمی، حیدرآباد دکن منتقل ہو گئے تو مجلس اتحاد المسلمین کے چیف آرگنائزر اور نائب معتمد منتخب

ہو کر مجلس کی پارلیمنٹری بورڈ کے چیئرمین بھی مقرر ہوئے۔مولانا جمعیت العلمائے اسلام کے نائب صدر، مجلس علمائے دکن کے رکن، مجلس عاملہ اور جمعیت اتحاد العلماء کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔نواب بہادر یار جنگ جب آل انڈیس اسٹیس مسلم لیگ کے پہلے صدر مقرر ہوئے تو مولانا عبدالقدوس ہاشمی ریاستی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔حیدر آباد دکن میں روزنامہ ''اتحاد'' کا اجراء آپ نے ایسے زمانے میں کیا جب ریاست شدید مشکلات میں تھی۔علاوہ ازیں آپ نے ہفت روزہ ''البلاغ'' بھی جاری کیا۔جس زمانے میں سید قاسم رضوی انجمن اتحاد المسلمین کے صدر تھے، تو انہوں نے حیدر آباد دکن کی آزادی کا اعلان کر دیا، اس وقت ایک وفد سید تقی الدین ہلالی کی سرکردگی میں یورپ کے دورے پر بھیجا گیا اور ایک وفد مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی سرکردگی میں مصر اور مشرق اوسط کے دورے پر روانہ ہوا۔مولانا ہاشمی دورے سے واپسی پر کراچی میں قیام پذیر ہوئے اور وہ کراچی میں ہی تھے کہ بھارت کی فوجوں نے حیدر آباد دکن پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا، اس طرح ریاست حیدر آباد دکن کا خاتمہ ہو گیا اور آپ نے پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی جس طرح حیدر آباد دکن میں بعض اشیء کی تجارت کر کے اپنے لئے رزق حلال کے حصول میں لگے رہتے تھے اسی طرح شہر کراچی میں بھی کیا۔آپ کے قلم سے مختلف علمی مضامین رسائل واخبارات میں شائع ہوئے اور کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے۔مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا۔(۱۳۲)

اتحاد عالم اسلامی کے علمبردار:

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ابتداء سے اتحاد عالم اسلامی کے علمبردار تھے۔موتمر عالم اسلامی سے آپ کا گہرا رشتہ تھا۔مفتی اعظم فلسطین اور عالم اسلام کے دیگر بڑے قائدین سے آپ کے براہ راست تعلقات تھے۔مولانا آخر تک موتمر عالم اسلامی کے ڈائریکٹر رہے۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی:

پاکستان میں جب مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی قائم ہوا تو اس کے کتب خانے کی ترتیب و تنظیم کی خدمت مولانا ہاشمی کے سپرد ہوئی۔ اس ادارے میں آپ کی حیثیت بطور لائبریرین کیٹیلاگر اینڈ ریسرچ گائیڈ کی تھی۔ وہ اس عہدہ پر سالہا سال فائز رہے۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید:

آپ نے ۱۹۵۱ء میں ہی مضامین لکھ کر علمائے دین اور ارباب قوانین کو متوجہ کیا تھا کہ اس نئی اسلامی مملکت میں سب سے اہم کام فقہ اسلامی کی تدوین جدید ہے۔ عرصہ دراز کے بعد سعودی عرب کی حکومت نے فقہ اسلامی کی بنیاد مکہ مکرمہ میں رکھی تو عالم اسلام کے ڈھائی سو علماء و مفکرین میں سے ۲۰ کا انتخاب عمل میں آیا جن میں پاکستان سے مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور بھارت سے مولانا سید ابوالحسن ندوی شامل تھے۔ (۱۳۳)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا تعلق خاندان سنت والجماعت سے تھا اور وہ ''حنفی فقہ'' کے ان احکام کی، جو نص قرآنی سے ٹکراتے تھے، جرأت مندی سے نشاندہی کر دیتے تھے اور ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ''میں قرآن کو سمجھا رہا ہوں جو اللہ کا کلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے، دنیا کا ہر فقیہہ میری طرح کا انسان تھا اس لئے اس سے غلطی ہو سکتی تھی اور اس نے غلطی کی تھی۔ آنے والی نسل کے ایسے افراد کو جن کے پاس سوجھ بوجھ وافر ہے اور جن کو اللہ نے علم و دانش کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ ان غلطیوں کی نشاندہی کریں جو براہ راست قرآن کریم کے احکام سے متصادم ہیں۔ اس پر خاموش رہنا، ایسی حالت کو بیان نہیں کرنا، اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے اور قرآن کی مخالفت ہے، مسلمانوں پر قرآن حکیم کی پیروی فرض ہے، فقہ کی نہیں۔'' (۱۳۴)

ان کا علمی مزاج:

تفسیر وحدیث، فقہ وتاریخ، منطق وفلسفہ، قوانین عالم، معاشیات اسلامی ومعاشیات مغرب ومشرق، سب پر ان کی نظر تھی۔ وہ حافظ قرآن تھے، قوانین الہیہ ان کے حافظہ میں موجود تھی اس لئے ان کا مزاج قانونی تھا۔ (۱۳۵)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی تصانیف تالیفات کی تعداد تقریباً ۴۰ ہے، ان میں زیادہ اہم اور مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

قاموس تاریخی، خلافت اسلامیہ، ہمارا رسم الخط، کتاب زندگی، تقویم تاریخی، فرہنگ پارس، فیصلۂ ہندوستان، المرشد الامین، مجلہ الاحکام، سفرنامۂ چین، تاریخ افغانستان، کتاب التوحید، رومن رسم الخط اور انگریزی میں آپ کی ایک کتاب ''نیشنلزم ان ماڈرن ورلڈ''، شرح خطبۂ تبوک، تشریحات پاکستان، روس کے بدنصیب مسلمان، یقین وعمل، پاکستان وہندوستان، معاشیات پاکستان، مسلمانان عالم، چند مکاتیب، تاریخ ارکان بر ماسبع شداد۔'' (۱۳۶)

علمی خدمات:

کتب خانہ رامپور، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، دکن، مبصر مخطوطات، مہتمم کتب خانہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، سینئر پروفیسر جامعہ اسلامیہ شاہ فیصل مسجد اسلام آباد۔

قومی خدمات:

مجلس اتحاد المسلمین کے شریک معتمد، صدر پارلیمانی بورڈ، موتمر العالم الاسلامی کے ڈائریکٹر، المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کے رکن، ایجوکیشنل کانفرنس کے سیکریٹری جنرل۔ (۱۳۷)

وفات:

ان کا انتقال ۱۹۸۹ء میں کراچی میں ہوا۔ (۱۳۸)

حواشی باب سوم، فصل سوم

۱-انور بیگ اعوان: بہاری مسلمان، تاریخ کے آئینہ میں، مطبوعہ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ستمبر ۱۹۷۳ء، باب نہم، ص ۱۲۵

۲-پروفیسر سحر انصاری صاحب سابق چیئرمین شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، (بالمشافہ)

۳-انور بیگ اعوان: بہاری مسلمان، تاریخ کے آئینہ میں، ص ۱۲۵، ستمبر ۱۹۷۳ء، مطبوعہ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

۴-ایضاً، ص ۱۲۶

۵-ایضاً، ص ۱۲۶

۶-خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ: تاریخ بہار (چند مقالات)، رسالہ ندیم (گیا)، ۱۹۳۱ء-۱۹۴۵ء سے انتخاب، ص ۱۱۲، اشاعت ۱۹۹۶ء، پاکیزہ، آفسیٹ

۷-انور بیگ اعوان: بہاری مسلمان، تاریخ کے آئینہ میں، ص ۱۲۷

۸-ایضاً، ص ۱۲۹

۹-معاصر جلد ۱۰، نمبر ۳-۴، بہار میں اردو ناول نگاری، مضمون نگار اختر اورینوی، مارچ/اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۱۳

۱۰-سید عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی: ''تاریخ شعرائے بہار''، قومی پریس بانکیپورہ، پٹنہ، ۱۱۵۰ء-۱۹۳۱ء، ص ۶

/ اختر اورینوی: بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء، ۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک، مطبوعہ لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ، ۴ مارچ ۱۹۵۷ء، ص ۱۹۶

۱۱-ایضاً، ص ۱۹۷

۱۲-سید غلام علی آزاد صغیر بلگرامی: جلوۂ خضر، جلد اول، ص ۹۵

۱۳-سید غلام علی آزاد صغیر بلگرامی: جلوۂ خضر، جلد اول، ص ۹۷، بحوالہ روزنامچہ تبصرہ اسناظرین

/ اختر اورینوی: بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء، ص ۱۹۸

۱۴-سید عزیز الدین بلخی: تاریخ شعرائے بہار، ص ۹

۱۵-پروفیسر معین الدین دردائی: بہار میں اردو شاعری، ص ۲۶

۱۶-ایضاً، ص ۲۷

۱۷-رسالہ اردو، جنوری ۱۹۲۳ء، ص ۵۸

۱۸-پروفیسر معین الدین دردائی: بہار اور اردو شاعری، ۱۹۴۷ء، آگرہ، ص ۱۶

/ سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک) مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ-۴، ۱۹۵۷ء، ص ۲۰۲

۱۹-رسالہ معیار، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء، (مخطوطہ کتب خانہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ) ص ۶۷

/ سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء، ص ۲۰۳

۲۰-سید عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی: ''تاریخ شعرائے بہار''، قومی پریس بانکیپورہ، پٹنہ، ۱۱۵۰ء-۱۹۳۱ء، ص ۸،

/ندیم بہار نمبر، ۱۹۴۰ء، حاشیہ
۲۱-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء ص ۲۰۴
۲۲-ایضاً ص ۲۰۵
۲۳-ایضاً ص ۲۰۶-۲۰۷
۲۴-ایضاً ص ۲۰۷
۲۵-ایضاً ص ۲۰۸
۲۶-ایضاً ص ۲۱۰
۲۷-پروفیسر معین الدین دردائی: بہار اور اردو شاعری، ص ۱۸
۲۸-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک) مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ-۴، ۱۹۵۷ء، ص ۱۳
۲۹-سید عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی: ''تاریخ شعرائے بہار''، ص ۲۲
۳۰-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۲۲۲
۳۱-ایضاً ص ۲۲۳
۳۲-ایضاً ص ۲۳۵
۳۳-ایضاً ص ۲۳۶
۳۴-ایضاً ص ۲۳۷
۳۵-ایضاً ص ۲۳۵
۳۶-ایضاً ص ۲۵۹
۳۷-ایضاً ص ۲۶۷
۳۸-ایضاً ص ۲۷۵
۳۹-ایضاً ص ۲۷۷
۴۰-ایضاً ص ۲۸۲
۴۱-ایضاً ص ۲۸۱
۴۲-سید عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی: ''تاریخ شعرائے بہار''، ص ۱۲
۴۳-صدائے عام: عید نمبر، قاضی عبدالودود صاحب، ۱۹۵۳ء، ص ۱۹
۴۴-ساتھی، پٹنہ، عید نمبر، ۱۹۵۵ء، ص ۱۹
۴۵-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۲۸۰
۴۶-ایضاً ص ۳۱۶
۴۷-ایضاً ص ۳۱۷
۴۸-ایضاً ص ۲۸۳

۴۹-مرتبہ قاضی عبدالودود: دیوان جوشش عظیم آبادی، ص ۳
۵۰-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۲۸۴
۵۱-ایضاً، ص ۲۸۵
۵۲-ایضاً، ص ۲۸۶
۵۳-ایضاً، ص ۲۸۷
۵۴-سید شاہ محمد شعیب پھلواروی: اعیان وطن، ص ۲۹۹ تا ۳۰۰
/مولانا عبدالحیؒ: نزہتہ الخواطر، جلد ۷، ص ۵۱۲
/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۹۸
۵۵-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۲۹۴
۵۶-ایضاً، ص ۳۰۰
۵۷-پروفیسر معین الدین دردائی: بہار اور اردو شاعری، ص ۵۳
۵۸-سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۳۰۲
۵۹-ایضاً، ص ۳۰۳
۶۰-ایضاً، ص ۳۰۴
۶۱-حمید الدین عظیم آبادی: راسخ ص ۲۸-۲۲
/سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۳۰۵
۶۲-ایضاً، ص ۳۰۵
۶۳-پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم، ۱۹۶۸ء، کراچی، ص ۹۰
۶۴-ایضاً، ص ۹۱
۶۵-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۱۲۱
۶۶-ایضاً، ص ۱۲۱
/سید عبدالحیؒ: نزہتہ الخواطر، جلد ۷، ص ۲۱۵
/ابوالکلام شمس قاسمی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴ ۲
۶۷-پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، ص ۱۰۱
۶۸-ایضاً، ص ۱۰۲
۶۹-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ص ۱۲۲
۷۰-پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، ص ۵۶
۷۱-ایضاً، ص ۵۷
۷۲-ایضاً، ص ۵۸
۷۳-پروفیسر معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، ناشر سید الطاف علی بریلوی، بی اے علی، مطبوعہ ایجوکیشنل پرنٹنگ

پریس، پاکستان چوک، کراچی ۱۹۷۲ء، ص ۱۴۱

۷۴- ایضاً ص ۱۴۱

۷۵- ایضاً ص ۱۴۲

۷۶- ایضاً ص ۱۴۳

۷۷- حسیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین، سال طباعت شعبان ۱۴۲۰ھ/نومبر ۲۰۰۰ء، ناشر بساط ادب (پاکستان)، طابع احمد برادرز پرنٹرز، کراچی، ص ۵۵

۷۸- ایضاً ص ۵۶

۷۹- ابوالکلام شمس قاسمی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۸۲

۸۰- پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد اول، ۱۹۶۸ء، ص ۸۳ / ابوالکلام شمس قاسمی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۸۳

۸۱- ایضاً ص ۱۱۳

۸۲- ماہنامہ معارف، نمبر ۴، جلد ۹۳، علامہ سید سلیمان، نثر و انشاء، اپریل ۱۹۶۴ء/۱۳۸۳ھ، دفتر دارالمصنفین، علی گڑھ، رجسٹرڈ نمبر ا، ۷۵۲۰، ص ۲۴۵

۸۳- محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء، ناشر سید سلیمان ندوی اکیڈمی، ص ۷

۸۴- ایضاً ص ۸

۸۵- خلیق انجم: سید سلیمان ندوی، (مقالے)، بار اول ۱۹۸۹ء، ناشر محمد حسین ملک، فینس بکس، لاہور ۳۵، پروفیسر عبدالمغنی (علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت ادیب)، ص ۳۴

۸۶- خلیق انجم: سید سلیمان ندوی، بار ول، ۱۹۸۹ء، ص ۳۵

۸۷- ایضاً ص ۳۶

۸۸- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: ''علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت و ادبی خدمات''، ناشر فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۷۱ تا ۷۲

۸۹- ایضاً ص ۷۳

۹۰- ایضاً ص ۸۸

۹۱- محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی، ص ۹

۹۲- ایضاً ص ۱۰

۹۳- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: علامہ سید سیمان ندوی، شخصیت و ادبی خدمات، ص ۸۹

۹۴- محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی، ص ۸

۹۵- ایضاً ص ۹۰

۹۶- ایضاً ص ۹۱

۹۷- ایضاً،ص ۹۲

۹۸- ایضاً،ص ۹

۹۹- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت وادبی خدمات، ص ۱۹۸

۱۰۰- ایضاً،ص ۲۵۶

۱۰۱- شاہ معین الدین احمد: حیات سلیمان، ص ۷ / معارف، نومبر ۱۹۵۹ء، (سید نجم الہدیٰ: سید صاحب کی یاد میں)

۱۰۲- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت وادبی خدمات، ص ۲۵۷

۱۰۳- معارف جولائی، ۱۹۵۰ء، سید سلیمان ندوی: میں جن سے متاثر ہوا (مضمون)، ص ۷

۱۰۴- معارف نمبر ۱۹۵۹ء، نجم الہدیٰ: سید صاحب کی یاد میں (مضمون)، ص ۲۴۲

۱۰۵- معارف جولائی، ۱۹۷۱ء، ص ۱۰

(شاہ معین الدین: ارمغان سلیمان)

۱۰۶- معارف سلیمان نمبر، سید ابوظفر، بچپن اور طالب علمی کے واقعات، ص ۵۳

۱۰۷- معارف جولائی، ۱۹۷۱ء، شاہ معین الدین احمد: ارمغان سلیمان (مضمون)، ص ۵۴

۱۰۸- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت وادبی خدمات، ۱۹۸۶ء، ص ۲۶۵

۱۰۹- ایضاً، ص ۲۶۷

۱۱۰- ایضاً،ص ۲۷۰

۱۱۱- ایضاً،ص ۲۷۱

۱۱۲- ایضاً،ص ۳۰۴

۱۱۳- ایضاً،ص ۳۱۹

۱۱۴- ایضاً،ص ۳۲۰

۱۱۵- ایضاً،ص ۳۲۳

۱۱۶- ایضاً،ص ۳۴۴

۱۱۷- ایضاً،ص ۳۲۴

۱۱۸- ایضاً،ص ۳۶۵

۱۱۹- ایضاً،ص ۳۹۷

۱۲۰- ایضاً،ص ۴۰۵

۱۲۱- معارف نمبر ۴، جلد ۹۳، علامہ سید سلیمان کی نثر و انشاء، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، معارف مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ، اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۲۵۹، اعظم گڑھ

۱۲۲- محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی ۱۹۸۲ء، ص ۱۰

۱۲۳- ایضاً،ص ۳۱

۱۲۴- ایضاً،ص ۳۴

۱۲۵-ایضاً،ص۳۵

۱۲۶-ایضاً،ص۳۶

۱۲۷-ایضاً،ص۳۷

۱۲۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۱۱۴

۱۲۹-محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی،ص۶۳

۱۳۰-سید ابو ہریرہ وراثت رسول ہاشمی: سلسلہ اشرف الانساب اشاعت رجب المرجب ۱۴۱۶ھ/ دسمبر ۱۹۹۵ء، مطبوعہ المخزن پرنٹرز، ناشر، ہاشمی پبلی کیشن، کراچی،ص۴۲۸

۱۳۱-محمد انیس الرحمن انیس ایڈووکیٹ: عبدالقدوس ہاشمی دور حاضر کا ایک عظیم فقیہہ،ص د

۱۳۲-سید محمد رضی ابدالی: روزنامہ جنگ، کراچی، بدھ ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء، ممتاز عالم دین مولانا عبدالقدوس ہاشمی،ص۱۵

۱۳۳-ایضاً،ص۱۵

/محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: عبدالقدوس ہاشمی دور حاضر کا ایک عظیم فقیہہ،ص س

۱۳۴-ایضاً،ص۳۱

۱۳۵-ایضاً،ص س

۱۳۶-سید محمد رضی ابدالی: روزنامہ جنگ، کراچی، بدھ ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء،ص۱۵

/سید ابو ہریرہ وراثت رسول ہاشمی: سلسلہ اشرف الانساب، دسمبر ۱۹۹۵ء،ص۴۳۸

۱۳۷-محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: عبدالقدوس ہاشمی دور حاضر کا ایک عظیم فقیہہ،ص ع

۱۳۸-سید محمد رضی ابدالی: روزنامہ جنگ، کراچی، بدھ ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء،ص۱۵

/سید ابو ہریرہ وراثت رسول ہاشمی. سلسلہ اشرف الانساب،ص۴۲۹

نوٹ:-اس تحقیقی مواد کے بعد علمائے بہار کی تصنیفی خدمات کو ملاحظہ کیا جائے-

باب سوم

(فصل چہارم)

علمائے بہار کی تصنیفی خدمات

علمائے بہار کی تصنیفی خدمات:

علمائے بہار نے بہت ساری تصانیف مرتب کی ہیں۔ انہوں نے اپنے افکار و خیالات کی نشر واشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ اردو کو ہی قرار دیا۔ علمائے بہار نے جو تصنیفی خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

۱۔گلزار بہار معروف بہ ریاض ترہت:

مؤلفہ منشی اجودھیا پرشاد منیری بہار مطبوعہ ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۶۹ء......گلزار بہار اور ریاض ترہت اسماء تاریخی ہیں۔ کتاب کے متن کی طباعت مطبع چشمۂ نور واقع مظفر پور میں ہوئی لیکن تتمہ کی طباعت مطبع شمس الضحیٰ واقع مظفر پور میں ہوئی ہے۔ پوری کتاب مع تتمہ ۲۳x ۱۵ اس۔م سائز کے ۱۰۴+ ۴ = ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں صوبۂ بہار کی ترہت کمشنری کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔( )

۲۔کلید تاریخ ہندوستان:

مؤلفہ بھوانی لال مطبوعہ ۱۸۷۰ء.....

۳۔تاریخ صوبۂ بہار:

مؤلفہ شاد عظیم آبادی، مطبوعہ ۱۸۸۰ء بار اول۔

یہ کتاب ۱۸۷۵ء میں لکھی گئی، ۱۸۷۶ء میں جب شاہ ایڈورڈ ہفتم اپنی شہزادگی کے دور میں پٹنہ آئے اس وقت چھپنی شروع ہوئی تاکہ پیش کی جاسکے لیکن بعض موانع کی بناء پر طباعت ملتوی ہوگئی، پھر ۱۸۸۰ء میں یہ مطبع صبح صادق(۲) واقع شہر عظیم آباد سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ یہ ۲/۱/۲۱x ۱۴ اس۔م سائز کے ۲۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ شاد نے یہ کتاب سی ٹی منکاف صاحب بہادر سی ایس آئی کے حکم سے لکھی تھی۔ دوسرا ایڈیشن بہ نظر ثانی مؤلف سٹی پریس واقع شہر عظیم آباد سے ۱۸۹۳ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ ۲/۱/۱۲x۲/۱/۱۲ اس۔م سائز

کے۱۵۲صفحات پر مشتمل ہے-تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۸ء میں ''نقش پائیدار'' کے نام سے تین حصوں میں شائع ہوا-

''تاریخ صوبۂ بہار کی منجملہ تین جلدوں کی پہلی جلد مسمیٰ بہ نقش پائیدار'' تینوں جلدیں سٹی پریس پٹنہ سٹی سے چھپ کر شائع ہوئی ہیں اور ۲۳x۱۵ اس-م سائز کے علی الترتیب ۲۷۰، ۱۴۶ اور ۹۷ صفحات پر مشتمل ہیں-اس کتاب میں ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک صوبۂ بہار کے تاریخی احوال درج کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی صوبہ کا جغرافیہ بھی بیان کیا گیا ہے-انداز بیان افسانوی ہے-طرز تحریر صاف، سادہ اور رواں ہے-

۴-تواریخ الفطرت معروف بہ آئینۂ ترہت:

مؤلفہ بابو بہاری لال فطرت، مطبوعہ ۱۸۸۳ء بار اول، اندرونی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۳۱ مارچ ۱۸۸۰ء کو مکمل ہوئی اور ۱۸۸۳ء میں مطبع بہار کشمیر لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہوئی اور ۲۶x۱۷ اس-م کے ۳۱۶ (ناقص الآخر) صفحات پر مشتمل ہے-(۳)

۵-تذکرۃ الکرام:

تاریخ خلفائے عرب و اسلام مؤلفہ سید شاہ اکبر داناپوری، مطبوعہ ۱۸۹۳ء بار اول، یہ کتاب ۱۳۰۷ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں پہلی بار چھپی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء تک اس کے تین ایڈیشن نکل گئے-کتاب کا پہلا اور تیسرا ایڈیشن پیش نظر ہے-پہلی بار یہ کتاب مطبع منشی نول کشور واقع لکھنؤ اور تیسری بار مطبع واقع کانپور میں چھپی ہے-دونوں ایڈیشن ۲۴x۱۵ اس-م سائز کے ۳۲۷ صفحات پر مشتمل ہیں-

۶-خلاصۃ التواریخ مکہ معظمہ:

مؤلفہ فخر الدین حسین خاں، مطبوعہ ۱۸۹۴ء- یہ کتاب مطبع نامی لکھنؤ سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی-اس کے صفحات کی تعداد ۶۷ ہے-(۴)

۷-کتاب مبارک تاریخ عرب:

مؤلفہ ابر دانا پوری مطبوعہ ۱۹۰۰ء- یہ کتاب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں مطبع کایستھ بھت کار واقع کٹرہ آنند رام آگرہ سے چھپ کر شائع ہوئی ہے- اس کا سائز ۲/۱/۲۲x۱۵س-م ہے- اس میں عرب کی تاریخ مع جغرافیہ بیان کی گئی ہے-عبارت صاف اور رواں ہے-

۸-اشرف التواریخ:

(دو حصہ) مؤلفہ اکبر دانا پوری مطبوعہ ۱۹۰۴ء/۱۹۰۷ء- یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے اور دونوں حصے علیحدہ علیحدہ چھپے ہیں- کتاب کے دونوں حصے جو مطبوعہ ہیں، پیش نظر ہیں- یہ مطبع آگرہ اخبار نئی بستی سے علی الترتیب ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء اور ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں شائع ہوئے ہیں اور ۲/۱/۲۴x۱۶س-م سائز کے ۶۳۰ اور ۵۷۷ صفحات پر مشتمل ہیں- پہلے حصے کا پورا نام اشرف التواریخ معروف بہ اسرار نبوت ہے، جس میں حضرت آدمؑ سے حضرت مسیح علیہ السلام تک انبیاء کے احوال بیان کئے گئے ہیں- دوسرے حصے کا نام اشرف التواریخ معروف بہ عہد رسالت وسایۂ خلافت ہے- اس میں حضور اکرمؐ کی سیرت پاک پر روشنی (ڈ) ڈالی گئی ہے اور حیات مبارکہ کے احوال فتح مکہ تک بیان کئے گئے ہیں- اس کتاب کی عبارت رواں، صاف اور سادہ ہے-

۹-کوکبۂ مملوکی وملوکی:

مؤلفہ سید ضمیر الدین احمد مطبوعہ ۱۹۰۵ء، یہ کتاب ۱۹۰۵ء میں احسن المطابع، واقعہ پٹنہ، سے بہ سعی و انتظام منشی عابد حسین عابد و باہتمام محمد عبدالقادر چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۳x۱۴س-م سائز کے ۱۶۷ صفحات پر مشتمل ہے- اس میں ہندوستان کے فرمانروایان مملوک وخلجی کے تاریخی کارنامے بیان کئے گئے ہیں- زبان و بیان صاف اور سادہ ہے-

۱۰- تاریخ ترکیہ:

مؤلفہ شعیب آروی، اسلامک سوسائٹی لندن کی طرف سے انگریزی میں ایک کتاب ''ٹرکوفوبر'' شائع ہوئی تھی، یہ اسی کا ترجمہ ہے- پیش نظر نسخہ چونکہ ناقص الاول وآخر ہے اس لئے مطبع اور سنہ طبع کا پتہ نہیں چلتا لیکن اتنی بات طے ہے کہ یہ ۱۹۱۴ء سے پیشتر طبع ہوئی ہے- صفحات کی تعداد ۳۰ ہے اور سائز ۲۲x۱۴ س-م، عبارت صاف اور سلیس ہے-(۶)

۱۱- حالات فرقہ ہائے مختلفہ:

مؤلفہ سید احمد باردی ثم دہلوی فرہنگ آصفیہ میں مؤلف نے اپنی تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اس میں اس کتاب کا نام بھی ملتا ہے-(۷)

۱۲- گنجینۂ سیدی المعروف بہ آئینہ مبارک:

مؤلفہ سید حسن سرہدوی، مطبوعہ ۱۹۰۸ء، یہ کتاب ۱۹۰۲ء میں لکھی گئی اور ۱۹۰۸ء میں مطبع لامع النور سے با اہتمام سید محمد اسحاق علی چھپ کر شائع ہوئی- پوری کتاب ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۴ س-م سائز کے ۲۸۴ صفحات پر مشتمل ہے- یہ سلسلہ قادریہ مجیدیہ آبادانیہ عمیہ فریدیہ کے بزرگوں کا تذکرہ ہے- ان حضرات کے احوال کے ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابؓ اور آئمہ کے احوال بھی بیان کئے گئے ہیں- زبان اور طرز بیان سادہ، صاف اور سلیس ہے-

۱۳- تذکرۃ الکرام مع تکملہ تذکرۂ اولاد و خلفائے حضرت شیخ العالمین مخدوم محمد نعمت اللہ قادری پھلواروی:

مؤلفہ و ترجمہ ایوب قادری، مطبوعہ ۱۹۰۸ء، یہ پھلواری شریف کے بزرگوں کا تذکرہ موسوم بہ تذکرۃ الکرام بہ زبان فارسی مصنفہ محمد ابوالحیات قدس سرہٗ کا اردو ترجمہ ہے- ساتھ ہی مترجم نے شاہ محمد نعمت اللہ قادری

مجیبی پھلواروی کی اولاد اور خلفاء کا تذکرہ لکھ کر کتاب کے ساتھ بطور تکملہ شائع کیا ہے۔ پیش نظر نسخہ ناقص الاول ہے اس لئے مطبع کا پتہ نہیں چلتا۔ سنہ طبع ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کا پتہ دیباچۂ کتاب سے چلتا ہے۔ پوری کتاب ۲۲x۲/۱/۱۳س۔م سائز کے ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عبارت میں سادگی ہے۔

۱۴۔ نسائم البساتین فی تراجم الخواتین:

مؤلفہ ابو محمد احمد حسن صدیقی پورینوی، اس تذکرہ کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ ابوالبقا واقع موضع پورینی (بھاگلپور) میں محفوظ ہے، جس کا سائز ۲/۱/۲۷x۲/۱/۲۸ س۔م ہے۔ حصہ اول کے صفحات کی تعداد ۱۵۳ ہے۔(۸)

۱۵۔ تذکرہ بزرگان پھلواری:

مؤلفہ شاہ سلیمان پھلواری، شاہ صاحب موصوف کے ایک معتقد منظور الحق کلیم قادری نے ۱۹۴۱ء میں آپ کے فارسی، عربی اور اردو کلام کا ایک مجموعہ ''الھامات سلیمانی معروف بہ نسخۂ حاذق'' کے نام سے شائع کیا تھا، اس میں آپ کی چند تصانیف کی فہرست دی ہے، جس میں اس تذکرہ کا نام بھی درج ہے لیکن اب یہ نایاب ہے۔

۱۶۔ تاریخ محدثین ہند مؤلفہ عبدالغفور دانا پوری:

مصنف کی ایک دوسری کتاب جغرافیہ صوبۂ بہار مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے سرورق پر اس کتاب کا اشتہار چھپا ہے۔

۱۷۔ گلشن ابرار:

مؤلفہ عبدالغفور دانا پوری، جغرافیہ صوبۂ بہار کے سرورق پر مطبوعہ اشتہار میں اس کتاب کا نام بھی ملتا ہے۔(۹)

۱۸-مراۃ الحکماء معروف بہ گلدستۂ فرہنگ:

مؤلفہ امداد امام اثر، یہ کتاب مطبع صبح صادق، واقع شہر عظیم آباد سے چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۱/۲/۱۵x۲۳ س-م سائز کے ۵۳۵ صفحات پر مشتمل ہے-سنہ طبع کتاب پر درج نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ اس کی طباعت واشاعت ۱۹۱۴ء سے پیشتر ہوئی ہے-

یہ اپنے موضوع پر اُردو میں غالبًا پہلی کتاب ہے-اس میں مشرق ومغرب کے فلسفہ کے مباحث مع تاریخ بیان کئے گئے ہیں-اس کے علاوہ فلاسفہ کے تراجم بھی پیش کئے گئے ہیں-عبارت تکلف اور تصنع سے پاک ہے-

۱۹-نجات اکبری معروف بہ نذر محبوب:

مؤلفہ اکبر داناپوری، مطبوعہ مطبع قریشی، تعداد صفحات ۸۸ اور سائز ۱۵x۲۳ س-م، رسالہ پر سنہ طبع درج نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ ۱۹۱۴ء سے پہلے طبع ہو کر شائع ہوا ہے-(۰)

۲۰-مولود شریف شاہ اکرم:

مؤلفہ شاہ محمد اکرم، مطبوعہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء، مطبع محمدی محلّہ خواجہ کلاں پٹنہ سے ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۱۵x۲۴ س-م سائز کے ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہے-کتاب نثر میں ہے لیکن درمیان میں اشعار کی کثرت ہے-زبان صاف اور سادہ ہے-انداز بیان واعظانہ ہے-

۲۱-فیض القلوب فی مولد المحبوب بہ فیاض الارواح:

مؤلفہ محمد فیاض الدین پھلواروی، مطبوعہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۷ء، یہ بھی روایتی انداز کی مولود شریف کی کتاب ہے جو مطبع منشی محمد علی حسین، واقع لکھنؤ گولہ گنج سے ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۱/۲/۱۵x۲۴ س-م سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے-کتاب نثر میں ہے لیکن درمیان میں اشعار کی کثرت

ہے، زبان میں سادگی اور صفائی ہے۔

۲۲-میلاد شریف جدید معروف بہ مقبول صمدی میلاد احمدی:

مؤلفہ محمد اسماعیل صاحب آروی، مطبوعہ ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، بار اول، کتاب کا نام میلاد شریف ضرور ہے، لیکن یہ بھی روایتی انداز کی مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب ہے، جو مطبع گلزار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲/۱/۲۴x۲/۱/۱۵ س-م سائز کے ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔عبارت میں سادگی، صفائی اور روانی ہے۔ کتاب نثر میں ہے لیکن درمیان میں اشعار کی کثرت ہے۔

۲۳-افضل السیر ملقب بہ ہشت گوہر:

جلد اول، مؤلفہ عبدالرحیم دانا پوری، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، کتاب کے دیباچہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب آٹھ جلدوں میں لکھی ہے جن میں علی الترتیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، بی بی فاطمہؓ اور حضرت امام حسینؓ کے سوانح حیات پاک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جلد اول مطبع دارالسلطنت واقع کلکتہ سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۳x۲/۱/۱۵ س-م سائز کے صفحات پر مشتمل ہے۔ ریاست بہار میں سیرت پاکؐ پر یہ پہلی کتاب ہے۔(۱۰)

۲۴-درظہور:

مؤلفہ وزیر الدین احمد شیخ پوروی، مطبوعہ ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء، درظہور اسم تاریخی ہے، جس سے ۱۳۱۵ھ نکلتا ہے، جو کتاب کا سال تصنیف ہے۔ اس کے ایک سال کے بعد یعنی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں یہ کتاب انتظامی پریس کانپور سے چھپ کر شائع ہوئی اور ۲/۱/۲۴x۱۶ س-م سائز کے ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کاب کے نصف اول میں حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے اور باقی نصف آخر میں امام اثنا عشر کے حالات

بیان کئے گئے ہیں- احوال کا بیان روایتی انداز میں کیا گیا ہے- عبارت پر تکلف اور رنگین ہے-

۲۵- ذکر میلاد:

مؤلفہ غلام محمد عباس، مطبوعہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، بار اول، یہ کتاب مطبع مرتضوی پھلواری شریف، ضلع پٹنہ سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی ہے اور ۲/۱/۲۱x۱۳ س-م سائز کے ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے- زبان و بیان میں سادگی اور صفائی ہے-

۲۶- حدیقۂ آخرت:

مؤلفہ شفق عماد پوری، مطبوعہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، بار اول، حدیقۂ آخرت اسم تاریخی ہے، جس سے سال تصنیف و طباعت نکلتا ہے- یہ کتاب اپنی مخصوص انشاء کی وجہ سے اپنے دور میں بہت مقبول ہوئی، چنانچہ ۱۳۲۸ھ سے لے کر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء تک اس کے تین اڈیشن نکلے- (۱۲)

۲۷- مولود شریف:

مؤلفہ سید عمر کریم حنفی عظیم آبادی، مطبوعہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء، یہ کتاب ۱۳۳۱ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں مطبع اکبری لودی کٹرہ پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوئی، پوری کتاب ۲۱x۱۳ س-م س ئز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے-

۲۸- وسیلۃ النجات فی ذکر ولادۃ اشرف المخلوقات علیہ الصلوٰۃ والتحیات:

مؤلفہ شاہ نذر الرحمٰن صاحب عظیم آبادی، مطبوعہ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء، یہ کتاب مطبع مفید عام لکھنؤ پاٹا نالہ سے ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۲x۱۳ س-م سائز کے ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے- (۳۰)

۲۹- مختصر سیرت نبویؐ:

مؤلفہ مولٰینا حکیم عبد الرؤف دانا پوری، یہ کتاب ستارۂ ہند پریس کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوئی ہے-

اور۲/۱/۲۲x۱۵اس-م سائز کے ۳۹ صفحات پر مشتمل ہے- کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے- اس میں حضرت بی بی فاطمہؓ کی حیات مبارکہ کے سوانح بیان کیے گئے ہیں-

۳۴-تذکرۂ فصیح:

مؤلفہ شجاعت علی آروی اور مرتبہ خواجہ محمد شاہ شہرت عظیم آبادی، مطبوعہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء، یہ کتاب اسٹار آف انڈیا پریس آرہ سے ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۵اس-م سائز کے ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے-(۷)

۳۵-یادگار گوہری:

مؤلفہ محمد زبیر ڈیانوی، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، یہ کتاب مطبع احمدی پٹنہ سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۴x۱۶اس-م سائز کے ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے-

۳۶-افضل السیر:

جلد دوم، مؤلفہ عبدالرحیم داناپوری، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء، افضل السیر جلد دوم کا دوسرا نام ''سیرت الصدیق'' ہے- یہ مطبع دارالسلطنت کلکتہ سے ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲x۲۳/۱/۱۴اس-م سائز کے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے-اس کتاب میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوانح حیات معتبر و مستند کتابوں کے حوالے سے جمع کئے گئے ہیں-عبارت سادہ، سلیس، عام فہم اور رواں ہے-

۳۷-میلاد علیؓ شیر خدا:

مؤلفہ عبدالوحید قادری، مطبوعہ ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء، کتاب کا نام تاریخی ہے، جس سے اس کا سنہ تحریر ۱۳۱۰ھ برآمد ہوتا ہے، اس کے تین سال بعد یہ کتاب مطبع(۸) قیصری واقع پٹنہ محلہ گوبد عطاء سے ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں چھپ کر شائع ہوئی اور ۲/۱/۲۲x۱۶اس-م سائز کے ۲۲ صفحات (ناقص الآخر) پر مشتمل

ہے۔(۱۹)

۳۸۔وصف پاک قطب اعظمؒ المعروف بہ تحفۂ یازدہم:

مؤلفہ شفق عماد پوری، مطبوعہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ معروف بہ بڑے پیر صاحب کے سوانح حیات نظم ونثر میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبان وبیان میں صفائی، سادگی کی پختگی اور روانی ہے۔

۳۹۔شیر شاہ:

مؤلفہ عبدالغفور دانا پوری، مطبوعہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء، یہ کتاب مطبع اخبار انچ بانکی پور (پٹنہ) سے چھپ کر شائع ہوئی اور ۲۱×۱۳س۔م سائز کے ۴۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۰۔الحیاۃ بعد المماۃ:

معروف بہ مولانا سید محمد نذیر حسین علیہ الرحمہ، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء،(۲۰) یہ کتاب مطبع اکبری آگرہ سے ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۱/۲/۲۳×۵س۔م سائز کے ۳۶۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

۴۱۔سیرۃ الشعیب در شیخ پورہ یعنی سوانح مکمل مخدوم شعیبؒ وتذکرۃ الاعراس:

مؤلفہ وزیر علی شیخ پوروی، مطبوعہ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء، یہ کتاب ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں لکھی گئی اور اسی سال مطبع کلیمی نمبر ۹۸ ہریس روڈ، کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوئی، پوری کتاب ۲۱×۲/۱/۱۲س۔م سائز کے ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۲۔فیضان سبحانی:

مؤلفہ شیخ بہادر علی خاں عاشق رئیس باڑھ ضلع پٹنہ، مطبوعہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء، یہ کتاب مطبع احمدی مغلپورہ

پٹنہ سے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲/۱/۲۳ھ، ۱۵اس-م سائز کے ۸۶صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں بڑے پیر صاحبؒ کے سوانح حیات نظم ونثر میں بیان کئے گئے ہیں۔ (۲۱)

۴۳۔ ریاض شفق:

مؤلفہ مولوی محمد اسماعیل ذبیح، مطبوعہ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء، اس کتاب کا ذکر فوقانی نیموی بن مولانا شوق نیموی نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''تذکار الشوق'' میں کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ شفق عماد پوری کی سوانح عمری ہے، جو مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۹۱۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

۴۴۔ وسیلۂ شرف:

مؤلفہ صوفی منیری، مکتوبہ ۱۲۱۴ھ/۱۸۹۶ء، مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء، یہ کتاب ۱۳۱۴ھ میں لکھی گئی اور پہلی بار مطبع الپنچ بانکی پور سے ذریعہ دولت کے ساتھ ۱۳۳۴ھ میں چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ ۲۴x۱۵اس-م سائز کے ۶۴صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۵۔ ذریعۂ دولت:

مصنفہ صوفی منیری، مکتوبہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء، مصنف کے بیان کے مطابق اس کتاب کی تالیف بھی وسیلۂ شرف کے ساتھ شروع کی گئی تھی لیکن تکمیل اس سے پہلے ۱۳۱۲ھ میں ہوئی اور پہلی بار مطبع الپنچ بانکی پور سے وسیلۂ شرف کے ساتھ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ کتب خانہ اسلام پور میں ۲۴x۱۵اس-م سائز کے ۸۴صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲۲)

۴۶۔ رسالۂ غریب نواز المعروف بہ کرامات حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ اجمیری یا معروف بہ تاریخ خواجہ:

مؤلفہ اکبر داناپوری، یہ کتاب مطبع کایستھ تہکاری آگرہ کڑہ آنندرام سے چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

کتاب پر سنہ تالیف یا سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن اندرونی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کے قریب لکھی گئی ہے۔ پوری کتاب ۲/۱/۲۲x۱۵ اس۔م سائز کے کے ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۷۔ ہدیۂ قیصریہ:

مؤلفہ امداد امام اثر، اثر کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا بھی نام ملتا ہے، اس میں ملکہ وکٹوریہ کے سوانح حیات مرتب کئے گئے تھے مگر اب یہ مفقود الخبر ہے۔

۴۸۔ خطبہ بنت ابی جہل:

مؤلفہ شاہ سلیمان پھلواروی۔ (۲۳)

۴۹۔ جلال حمیدی:

مؤلفہ سید نثار حسینی شعیبی، مصنف کی یک دوسری کتاب موسومہ اخلاق شعیبی، مطبوعہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء کے ایک اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ایک کتاب جلال حمیدی کے نام سے بھی چھپی ہے جس میں رمضان المبارک کے مہینے میں خلافت اسلامیہ کے مرکز استنبول کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی اس ماہ میں امیر المومنین سلطان المعظم عبدالحمید خاں کے حالات اور مشاغل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب یہ کتاب بھی نایاب ہے۔

۵۰۔ حیات حضرت خضر:

مؤلفہ عبدالغفور دانا پوری، مؤلف کی ایک کتاب جغرافیہ صوبۂ بہار ۱۹۰۷ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے سرورق پر ان کی چند دیگر مطبوعات کا اشتہار چھپا ہے، جس میں ''حیات خضر'' کا نام بھی درج ہے لیکن یہ کتاب نایاب ہے۔ (۲۴)

۵۱۔ تذکرۂ بہادر خانی:

مصنفہ شیخ بہادر علی خاں مطبوعہ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء، یہ کتاب یونین پریس ایلچی واقع بانکی پور سے

۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۲x۱۳ س-م کے سائز کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۲- یادگار وطن:

مصنفہ شوق نیموی مطبوعہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، یہ کتاب قومی پریس لکھنؤ سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲/۱/۲۴x۱۵ س-م کے سائز کے ۱۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔(۲۵)

۵۳- الدرر المنثور فی تراجم اہل صادقفور معروف بہ تذکرۂ صادقہ:

مصنفہ مولوی عبدالرحیم صادق پوری، مطبوعہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء بار اول، یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے اور اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ پہلی بار مصنف کی زندگی میں ہادی المطابع کلکتہ سے ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں چھپ کر شائع ہوئی اور ۲/۱/۲۵x۲/۱/۱۵ س-م کے سائز کے ۳۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری بار مصنف کے انتقال کے چار سال بعد ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں مطبع یونانی دواخانہ الٰہ آباد سے چھپ کر شائع ہوئی جو ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۵ س-م کے سائز کے ۳۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ تیسری بار ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں دی آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ نمبر ۴ سے چھپ کر شائع ہوئی اور ۲/۱/۲۲x۱۶ س-م کے سائز کے ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، بعد کی دونوں اشاعتوں میں کتاب میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔(۲۶)

۵۴- خیابان بے خزاں الموسوم بہ اسم تاریخی ضیائے شیر و سرمایۂ شیر:

مصنفہ مولوی حاجی سید محمد مرتضٰی شیر صاحب رضوی، مطبوعہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء، یہ کتاب اکبری پریس لو ویکٹرہ پٹنہ سے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۳x۱۵ س-م کے سائز کے ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۵- دید مغرب معروف بہ ہدایت المسافرین:

مصنفہ عطاء حسین منعمی گیاوی مرقومہ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء، پہلا سفر نامہ ہے جو بہار میں لکھا گیا۔(۲۷)

سیر دہلی: مؤلفہ شاہ محمد اکبر داناپوری، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، آگرہ میں چھپا تعداد صفحات ۱۰۴، اس کتاب کا ذکر، جذبات اکبر، مطبوعہ مطبع آگرہ اخبار ۱۳۳۲ھ میں بھی ملتا ہے۔

۵۶۔ معین الحجاج:

یعنی سفرنامہ جدید حجاز مؤلفہ حاجی وحید الدین خان اورنگ آبادی متخلص بہ زائر مطبوعہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء، یہ کتاب اگروالہ پریس واقع صاحب گنج گیا سے ۱۳۳۰ھ/۱۹۰۱ء میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اور ۲۳x۱۵س-م کے سائز کے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۷۔ سیر بنگالہ:

مؤلفہ شوق نیموی، مطبوعہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء، اس کی اشاعت احسن المطابع پٹنہ سے ہوئی ہے، سنہ طبع اس پر درج نہیں ہے، پورا رسالہ ۲۳x۱۴س-م کے سائز کے ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۸۔ الرحلۃ الحجازیہ معروف بہ سفرنامۂ حج:

مؤلفہ عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء، یہ سفرنامہ مطبع فاروقی شہر دہلی سے پہلی بار شائع ہوا اور ۲۵x۱۶س-م کے سائز کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۹۔ سیر شملہ مع تاریخ شملہ:

مؤلفہ سید احمد باردی ثم دہلوی، سید احمد باردی ثم دہلوی کی تصانیف کی ایک فہرداستانِ تاریخ اردو ص ۸۱۶ پر درج ہے۔ اس فہرست میں اس کتاب کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۶۰۔ رسالۂ سبیل نجات:

مؤلفہ سید خیرات احمد وکیل گیا، مطبوعہ مطبع خیر المطابع واقع محلہ مغلپورہ ہرن باڑی تعداد صفحات ۱۰۹ اور ۲۴x۱۵س-م کے سائز کے سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن دیباچہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ

مؤلف نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کربلائے معلّٰی کا سفر بغرض زیارت کیا تھا- اس سفر میں انھوں نے پابندی سے روزنامچہ لکھا تھا، جسے واپسی کے بعد مرتب کر کے شائع کر دیا- یہ روزنامچہ ۲۹ اگست ۱۸۹۰ء سے ۱۴ دسمبر ۱۸۹۰ء تک کا ہے-(۲۸)

۶۱- رسالۂ فیض عام:

ظہور الحق ظہور، سنہ کتابت و اشاعت ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء، رسالہ کسب النبی ظہور الحق ظہور سنہ کتابت و اشاعت ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء-(۲۹)

۶۲- رسالۂ فیضان العلیم علی قلب مسلیم:

مؤلفہ حکیم علیم الدین حسین تلمیذ مولینا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مطبوعہ گلشن بہار واقع شہر عظیم آباد، سنہ طبع ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء، تعداد صفحات ۲۲ اور سائز ۲۵x۱/۲/۱۶س-م، موضوع عدم تقلید کے جواز میں کتاب وسنت سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں -عبارت سادہ اور عام فہم ہے-

۶۳- رسالہ مسمی بہ بالجبر الزخار الازحاق صاحب الانتصار:

مؤلفہ مولوی شہود الحق صاحب عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع فاروقی واقع شہر دہلی، سنہ طب ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء، تعداد صفحات ۲۳۳ اور س ئز ۲/۱/۲۶x۱۸س-م-(۳۰)

شرق القمرین لھدایۃ الزوجین مؤلفہ مولوی الہی بخش بڑاگری بہاری، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، سنہ طبع ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۲ء، تعداد صفحات ۵۰ اور سائز ۲۲x۱۴س-م، موضوع: حدیث ام زرع اور حقوق الزوجین کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ-(۳)

۶۴- سراج المصلین فی قراۃ الضالین:

مؤلفہ مولینا عبدالغفر رگیاوی، سنہ طبع ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء، تعداد صفحات ۱۱۶ اور سائز ۲۲x۱۳س-م،

موضوع سورۂ فاتحہ میں ''الضآلین'' کی صحیح قراۃ پر روشنی ڈالی ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

۶۵۔طریق السدادفی ترجمہ سبیل الرشاد:

مترجمہ حاجی حکیم عبدالحکیم آروی، مطبوعہ اسٹار آف انڈیا پریس آرہ، سنہ طبع ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء، تعداد صفحات ۲۱۶ اور سائز ۱۵x۲۳ س۔م۔(۳۲)

۶۶۔رفع الاشتباہ عن صفات اولیاء اللہ:

مؤلفہ حکیم ابو المجد عبدالصمد اوگانوی بہاری، مطبوعہ یونین پریس الپنچ واقع بانکی پور پٹنہ، طبع ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء، تعداد صفحات ۲۳۳ اور سائز ۱۹x۲۵/۱/۲ س۔م، موضوع: تصوف اور صوفیاء کی صحیح تعریف قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

۶۷۔حسن البیان فیمانی سیرۃ النعمان:

مؤلفہ عبدالعزیز محمدی رحیم آبادی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، سنہ طبع ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، تعداد صفحات ۲۳۶ اور سائز ۱۵x۲۵ س۔م، موضوع: یہ کتاب مولانا شبلی نعمانی کی مشہور کتاب سیرۃ النعمان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔(۳۳)

۶۸۔ہدایۃ الثقلین فی تخصیص المصافحۃ بعد صلوٰۃ العیدین:

مؤلفہ مولینا عبدالغفار گیا، مطبوعہ مطبع احمدی پٹنہ، سنہ طبعت ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء، تعداد صفحات ۳۶ اور سائز ۲x۲۴/۱/۲ ۱۵، موضوع: نمازعیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ غیر مسنون ہے۔(۳۴)

۶۹۔انجم الثاقب اھتدالمن یدع الدین الواصب:

حصہ اول، مؤلفہ مولوی عبدالغفور دانا پوری، مطبوعہ مطبع احمدی پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء، تعداد صفحات ۱۰۴ اور سائز ۲/۱/۲۴x۱۶ س۔م۔

۷۰-تمدن عرب اور حدیث افک:

مؤلفہ حکیم فضل حسین مظفر پوری، مطبوعہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء۔ (۳۵)

۷۱-رسالہ مسمّٰی بہ الھدایۃ الیٰ لیلۃ البرأۃ الملقب بہ رہنمائے شب برأت:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور داناپوری مطبوع صبح سعید المطابع بنارس محلہ دارانگر، سنہ طبع ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء، تعداد صفحات ۴۰ اور سائز ۲۵x۱۶ س-م، موضوع: شب برأت کی حقیقت، کتاب وسنت اور اقوال فقہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہے اور رسومات اور بدعات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ (۳۶)

۷۲-رسالہ موسومہ بہ منبع النور فی منع طواف القبور الملقب بہ رسالہ حرمتِ طواف قبر:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور داناپوری، مطبوعہ مطبع الپنچ، تعداد صفحات ۱۱ اور سائز ۲۵x۱۷ س-م، سنہ طبع درج نہیں ہے۔ موضوع: کتاب وسنت اور اقوال فقہا سے ثابت کیا گیا ہے کہ طواف قبور حرام مطلق ہے۔ (۳۷)

۷۳-رسالہ تردید بدعات قبریہ:

ہادی ضلالہ مملو از انوار و ہدایہ موسومہ بہ القول المحمود الوفور فی منع الانحناء والتقبیل وسجدۃ القبور ملقب بہ رسالہ حرمتِ سجدۂ قبور، مؤلفہ مولوی عبدالغفور داناپوری، مطبوعہ حمیدیہ اسٹیم پریس، لاہور، تعداد صفحات ۸ (ناقص الآخر)، سائز ۲۵x۲/۱/۱۶ س-م، سنہ طبع درج نہیں ہے۔ (۳۸)

۷۴-اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ مطبع قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء، تعداد صفحات ۱۱۰ اور سائز ۲۳x۱۵ س-م، موضوع: نام سے ظاہر ہے تقلید کے جواز میں کتاب وسنت اور فقہا کے اقوال سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔

۷۵-مقالۂ کاملہ:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء، تعداد صفحات ۷۲ اور سائز ۲/۱/۲۳x۱۵س-م-(۳۹)

۷۶-الحبل المتین فی الاخفاء بآمین:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، تعداد صفحات ۷۲، (ناقص الآخر) اور سائز ۲۴x۱/۲/۱۵، س-م، موضوع: احادیث کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اخفائے آمین مستحب ہے۔

۷۷-رد السکین:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، تعداد صفحات ۱۸ اور سائز ۲/۱/۲۲x۱۵س-م-

۷۸-تردید السیف:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، تعداد صفحات ۸ اور سائز ۲۴x۱۵س-م، (اس رسالے کا پورا نام ''تردید السیف الی راس اہل الحیف'' ہے-)

۷۹-جلاءُ العین مع الدۃ الغرہ فی وضع الیدین علی الصدر ردو تحت السرہ:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ جدید پریس گزری پٹنہ سٹی، بار دوم، تعداد صفحات ۳۶ اور سائز ۲۴x۱۵ س-م، سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن بقول مولینا فوقانی نیموی، پہلی بار یہ رسالہ ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں چھپا تھا-

۸۰-المجلّٰی فی ردال القول المحلّٰی:

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء، (۴۰) تعداد صفحات ۲۶

اور سائز ۱۵x۲۴ س-م-

۸۱- ضیاء العین فی رد ازالۃ الشین :

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، یہ آٹھ صفحے کا رسالہ المجلّٰی کے ساتھ چھپا ہے-

۸۲- جامع الآ ثار فی اختصاص الجمعہ بالامصار :

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوع مطبعہ احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۵ھ/۱۹۰۰ء، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲/۱/۱۵x۲۳ س-م-

۸۳- لامع الانوار :

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء-(۴۱)

۸۴- تبصرۃ الانظار فی رد تنویر الابصار :

مؤلفہ علامہ شوق نیموی، مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء، تعداد صفحات تین اور سائز ۱۴x۲۳ س-م-(۴۲)

۸۵- مفید الاحناف :

مؤلفہ حکیم حاجی مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ مطبع ایس سی دھر واقع کلکتہ، سنہ طبع ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، باراول، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲/۱/۲x۲۵/۱/۱۶ س-م، موضوع: ایک مسلمان کے لئے جن شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے ان پر حنفی عقائد کے مطابق روشنی ڈالی گئی ہے-

۸۶- نافع الاحناف :

مؤلفہ حکیم حاجی مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مولینا کی مختلف کتابوں پر اس کتاب کا اشتہار ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مفید الاحناف کا دوسرا حصہ ہے-

۸۷-مرغوب القلوب فی الماکول والمشروب:

حکیم حاجی مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء، تعداد صفحات ۲۰۸ (۴۳) اور سائز ۲۵x۲/۱/۱٦اس-م، شروع کے صفحات غائب ہیں اس لئے مطبع کا پتہ نہیں چلتا، سنہ طبع کا دیباچہ سے پتہ چلتا ہے، موضوع: کھانے پینے کی اشیاء میں حرام وحلال کی نشاندہی عقائد حنفی کے مطابق کی گئی ہے۔

۸۸-تحفۃ الحجاج:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ مطبع صدیقی، لاہور، سنہ طبع ۱۳۲٦ھ/ ۱۹۰۹ء، تعداد صفحات ۱۳٦ اور سائز ۲۵x۱٦اس-م، موضوع: مسائل حج وعمرہ عقائد حنفی کے مطابق بیان کئے گئے ہیں۔

۸۹-ضروریات عرب:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ مطبع سعید المطابع بنارس، سنہ طبع ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۱۱ء، تعداد صفحات ۱۳٦ اور سائز ۲۵x۱٦اس-م۔

۹۰-الزمعہ علیٰ توحدِ الجمعۃ:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور رمضان پوری، مطبوعہ مطبع فیض بہار شریف، سنہ طبع ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۳ء، بار دوم، تعداد صفحات ٦۰ اور سائز ۲۵x۱٦اس-م، طبع اول کا سال معلوم نہیں ہوسکا۔ (۴۴)

۹۱-اہلحدیث کا کچا چٹھا:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع اخبار الپنچ بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲٦ھ/ ۱۹۰۸ء، سائز ۲٦x۱۷اس-م، ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۲-درالمنشور فی زیارت القبور:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ جبع یونین گوربنہ عظیم آباد، سنہ طبع ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء،

۲/۱/۲۰x۱۷اس-م سائز کے ۳۰صفحات پر مشتمل ہے-

۹۳-انتصار الکلام فی تردید تنزیہ المرام:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، (قلمی نسخہ)، جو ۲/۱/۲۰x۲۹ س-م سائز کے ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے-مرقومہ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء-

۹۴-بادۂ توحیدیہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع الپنچ اخبار بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء-

۹۵-القبیس اللّٰہیت فی رد رسالہ اہلحدیث:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع سیدی گورہٹہ، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲۳x۱۵ س-م-(۴۵)

۹۶-الصلوٰۃ فی الخطبہ یوم الجمعہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع سید گورہٹہ، پٹنہ، سنہ صبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۴ اور سائز ۲۳x۱۵ س-م-

۹۷-نغمۂ توحیدیہ مع تاریخ وہابیہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۳۴ اور سائز ۲۶x۱۷ س-م-

۹۸-اجتہاد الوہابیہ من کید اللہ فالیہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ عظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۸ اور سائز ۲/۱/۲۵x۱۷ س-م-

۹۹- نصیحتِ توحیدیہ فی سنت احمدیہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، تعداد صفحات ۴۸

اور سائز ۲/۱/۲۵x۱۷س-م-

زاد السعید فی اثبات التوحید:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع سیدی، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، ۱۸x۲۷س-م کے

سائز کے ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے-(۴۶)

۱۰۱- فتح الغیث علیٰ اخبار اہلحدیث:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ الپنچ اخبار بانکی پور، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، ۲/۱/۱۸x۲۶

س-م سائز کے ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے-

۱۰۲- مطالبِ توحیدیہ فی ترغیب مذاہب تربیعہ:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع اعظم المطابع جونپور، سنہ طبع ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء،

۲/۱/۱۸x۲۶س-م کے ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے-

۱۰۳- تحقیق السدید فی بیان التقلید:

مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع راجنیت صدر گلی، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۱۵ء، تعداد

صفحات ۴۴ اور سائز ۲۵x۱۷س-م-

۱۰۴- التقبیل در جواز دست و پا بوسیٔ بزرگان دین:

(نسخۂ قلمی) مؤلفہ شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، ۱۵x۲۴س-م سائز کے ۴ صفحات پر مشتمل ہے، سنہ

تصنیف درج نہیں ہے-(۴۷)

۱۰۵-ترانۂ حجازی:

مؤلفہ مولینا سید محمد علی مونگیری، مطبوعہ بار اول ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء، بار دوم ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء، ازطبع رحمانیہ مونگیر، تعداد صفحات ۲۷اور سائز ۲/۱/۲۴x۲/۱/۱۵اس-م-(۴۸)

۱۰۶-مراۃ الیقین لا غلاط ہدایۃ المسلمین:

مؤلفہ مولینا سید محمد علی مونگیری، مطبوعہ مطبع نامی واقع کانپور، سنہ طبع ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء، باراول، تعداد صفحات ۶۰اور سائز ۲۵x۲/۱/۱۵اس-م-

۱۰۷-تکمیل الادیان باحکام القرآن ملقب بہ آئینۂ اسلام:

مؤلفہ مولینا سید محمد علی مونگیری، مطبوعہ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء، بار اول، از مطبع نامی کانپور، ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء، ازمطبع رحمانیہ مونگیر، تعداد صفحات ۸۰اور سائز ۲۴x۲/۱/۱۵اس-م-

۱۰۸-رفع التلبسیات:

حصہ اول مؤلفہ مولینا سید محمد علی مونگیری، مطبوعہ مطبع نامی، کانپور، سنہ طبع ۱۳۰۲ھ/۸۸۴ ء، باراول، تعداد صفحات ۱۷۴اور سائز ۲۴x۲/۱/۱۵اس-م-

۱۰۹-پیغام محمدی:

حصہ اول مؤلفہ مولینا سید محمد علی مونگیری، مطبوعہ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء، بار اول، ازمطبع نامی کانپور، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء بار دوم، ازمطبع دی پرنٹنگ ورکس دہلی، تعداد صفحات ۳۲۳ اور سائز ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۵ س-م-(۴۹)

۱۱۰-معراج المومنین:

مؤلفہ منشی حسن علی صاحب، مطبوعہ یونین پریس الیچ، سنہ طبع ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء، تعداد صفحات ۱۱۶اور

سائز ۲۱x۱۵ س-م، موضوع: فضائل نماز با جماعت-(۵۰)

۱۱۱-ترتیب المدارج فی فضائل ترتیب الخلفاء:

مؤلفہ شاہ احمد حسین امتھوی، مطبوعہ طبع محمدی محلہ خواجہ کلاں، شہر عظیم آباد، سنہ طبع ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء، تعداد صفحات ۳۲ اور سائز ۲۵x۱۶ س-م، موضوع: خلفائے راشدہ کے فضائل کے مدارج اور ان کی ترتیب-(۵۱)

۱۱۲-الاستیصاب فی فضائل الاصحاب مع اظہار الشہادتین:

(دو جلدوں میں) مؤلفہ خواجہ اقبال علی خاں رئیس پٹنہ، مطبوعہ مطبع احمدی واقع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، تعداد صفحات، جلد اول ۳۸۳ اور جلد دوم ۱۶۴، سائز ہر دو جلد ۲/۱/۲۴x۱۵ س-م-(۵۲)

۱۱۳-منور الایمان:

مؤلفہ مولینا عبدالغفار گیاوی، مطبوعہ مطبع احمدی محلہ مغلپورہ پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء، تعداد صفحات ۱۵۲ اور سائز ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۵ س-م-(۵۳)

۱۱۴-توضیح الایمان:

جلد اول مؤلفہ حکیم عبدالجلیل داؤدنگری، مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد، سنہ طبع ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۰۸ء، تعداد صفحات ۳۰۴ (ناقص الآخر) اور سائز ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۵ س-م-(۵۴)

۱۱۵-تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ در رد شیعہ:

مؤلفہ مولینا شاہ محمد توحید زبیر الہاشمی، مطبوعہ مطبع توحیدیہ پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء، ۳۴x۱۲ س-م سائز کے ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے- موضوع: خلفائے راشدین کی ترتیب کے متعلق اہل تشیع کے خیالات کی تردید مدلل طور پر کی گئی ہے-

۱۱۶-تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ فیصلۂ توحیدیہ فی وراثت فاطمہؓ:

مؤلفہ مولٰینا شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی، مطبوعہ مطبع الپنچ، بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، (۵۵)، جو ۲۶×۱۷ اس-م سائز کے ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے- موضوع: حضرات شیعہ کا یہ اعتراض حضرت ابوبکرؓ پر ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ کو وراثت پدری سے محروم کردیا، اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وصال اپنے مال واسباب کو صدقہ فرمایا اس لئے کہ انبیاء کی وراثت ان کی اولاد اور دیگر ورثاء پر منتقل نہیں ہوتی-

۱۱۷-کحل العینین فی مرثیہ الحسنین:

مؤلفہ مولٰینا شاہ محمد توحید زبیر الہاشمی، مطبوعہ مطبع اخلاقی واقع بانکی پور، سنہ طبع ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، تعداد صفحات ۱۶ اور سائز ۲/۱/ ۲۵×۱۷ اور مجتہدین مثلاً علامہ طبرسی کے اقوال سے ناجائز ثابت کیا ہے-

۱۱۸-تحفۂ توحیدیہ علی الامامیہ:

مولینا شاہ محمد توحید زبیر الہاشمی، مطبوعہ مطبع الپنچ بانکی پور پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء، مرقومہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء ہے جو ۲۶×۱۷ اس-م سائز کے ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے- موضوع: حضرت عمرؓ پر اہل تشیع حضرات کے اعتراضات خصوصاً مقدمۂ قرطاس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے-

۱۱۹-الوضوء در رد رافضہ:

مؤلفہ مولٰینا شاہ محمد توحید زبیری الہاشمی- (۵۶)

۱۲۰-مناظر الحسنات:

مؤلفہ حکیم ناصر علی غیاث پوری، مرقومہ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء، مطبوعہ نظامی پریس کانپور، سنہ طبع ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء، تعداد صفحات ۲۶ اور سائز ۲۳×۱۵ اس-م-

۱۲۱-عناصر البرکات:

مؤلفہ حکیم ناصر علی غیاث پوری، مطبع نظامی پریس کانپور، سنہ طبع ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء، تعداد صفحات ۴۲۸

اور سائز ۲۳x۱۵-س-م-(۵۷)

۱۲۲-عین الایمان:

مؤلفہ امین اللہ عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، سنہ طبع ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء-(۵۸)

۱۲۳-مجمع الآداب:

مؤلفہ محمد اشرف عالم بھاگلپوری، مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور، سنہ طبع ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء، تعداد صفحات ۱۱۲

اور سائز ۲/۱/۲۳x۲/۱/۱۴س-م، موضوع: سلوک وتصوف-

۱۲۴-رسالۂ منور الایمان للرجال والنسوان:

مؤلفہ مولوی عبد اللہ گیلانی، مطبوعہ مطبع انور محمدی، لکھنؤ، سنہ طبع ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء، تعداد صفحات ۳۲ اور

سائز ۲۵x۱۶س-م-

۱۲۵-احکام التراویح:

مؤلفہ مولینا محمد علی مونگیریؒ، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، سنہ طبع (۵۹) ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء، بار اول،

۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، بار چہارم، از مطبع لیبل لیتھو پریس، پٹنہ، تعداد صفحات ۵۳ اور سائز ۱۸x۱۲س-م، عبارت

سادہ اور عام ہے-

۱۲۶-کتاب الاربعین فی اشاعت مرسم الدین:

مؤلفہ مولوی حکیم محمد قادر بخش شہسرامی، مطبوعہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ، سنہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء، تعداد

صفحات ۶۰ اور سائز ۲۴x۱۶س-م-

۱۲۷-التقریر المعقول فی فضل الصحابہ واہل بیت الرسول:

مؤلفہ مولوی حکیم محمد قادر بخش شہسرامی، مطبوعہ مطبع انوار محمدی، لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء، تعداد صفحات ۱۶۸اور سائز ۲/۱/۲۴x۱۶اس-م-(۶۰)

۱۲۸-آل واصحاب نام تاریخی چراغ کعبہ:

۱۳۰۱ھ، مؤلفہ شاہ محمد اکبر داناپوری، مطبوعہ احسن المطابع پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء، تعداد صفحات ۴۸ اور سائز ۲/۱/۲۲x۱۵اس-م، موضوع: اصحاب کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل احادیث صحیحہ کی روشنی میں اعتدال کے اندر بیان کیے گئے ہیں-عبارت سلیس اور رواں ہے-

۱۲۹-خدا کی قدرت یا نعم الرفیق:

مؤلفہ شاہ محمد اکبر داناپوری، مطبوعہ مطبع یونین پریس، اپیچ بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء، تعداد صفحات ۲۳اور سائز ۲/۱/۱۵اس-م، موضوع: اثبات وجود باری تعالی کو عقلی اور نقلی دلیلوں سے پیش کیا گیا ہے-عبارت سادہ اور سلیس ہے-

۱۳۰-نجات اکبری معروف بہ نذر محبوب:

مؤلفہ شاہ محمد اکبر داناپوری، مطبوعہ مطبع قریشی، سنہ طبع ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء، تعداد صفحات ۱۸۸اور سائز ۲۳x۱۵اس-م-

۱۳۱-مسلمانوں کی عام حالت:

مؤلفہ مولوی حبیب اللہ ایم-اے مونگیری انجمن اسلامیہ مونگیر کی فرمائش پر مسلمانوں کی عام حالت پر مؤلف نے ایک تحریر پڑھی تھی جو انجمن کے روداد کے ساتھ شائع ہوگئی تھی-یہ تحریر انجمن کے جلسہ منعقدہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں تیار کی گئی(۶۱) اور اسی سال انجمن حمایت اسلام مونگیر سے شائع ہوئی-

۱۳۲-تفسیر بعض اجزائے قرآن قلمی:

مؤلفہ احمد حسین صوفی عظیم آبادی، مکتوبہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء-(۶۲)

۱۳۳-رسالۂ حضوری:

مؤلفہ مولینا شاہ سلیمان پھلواری، مطبوعہ مطبع انوار محمد واقع لکھنؤ، سنہ طبع ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، تعداد صفحات ۳۰ اور سائز ۲۱x۱۳، س-م، موضوع: اس رسالہ میں سلوک وتصوف کے مضامین بیان کئے گئے ہیں-(۶۳)

۱۳۴-ناصر العشاق:

مؤلفہ حکیم ناصر علی غیاث پوری، مطبوعہ مطبع نول کشور واقع کانپور، سنہ طبع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء، بار اول تعداد صفحات ۱۱۵ اور سائز ۲۴x۱۵ س-م-

۱۳۵-احکام نماز المعروف بہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ:

مؤلفہ شاہ محمد اکبر داناپوری، مطبوعہ مطبع شوکت جہانی آگرہ، سنہ طبع ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء، تعداد صفحات ۲۴۸ اور سائز ۲/۱/۲۲x۱۵ س-م-

۱۳۶-فیوض رحمانی:

مؤلفہ مولینا محمد علی مونگیری، مطبوعہ مطبع محمود المطابع واقع کانپور، سنہ طبع ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء، بار اول، تعداد صفحات ۱۰۸ اور سائز ۲/۱/۲۴x۲/۱/۱۵ س-م، موضوع: ذکر الٰہی اور دعا کی ضرورت اور اس کے فضائل معتبر دینی کتب کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں-

۱۳۷-احسن البیان فی خواص القرآن:

مؤلفہ حکیم سید محمد احسن استھانوی بہاری، مطبوعہ الپنچ پریس، بانکی پور، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء، تعداد صفحات ۱۹۲ اور سائز ۲۳x۱۴ س-م، موضوع: قرآنی دعاؤں کا مجموعہ-

۱۳۸- رسالہ التماس المعروف بہ دین دنیا:

مؤلفہ شاہ محمد اکبر دانا پوری، مطبوعہ مطبع آگرہ اخبار نئی بستی، سنہ طبع ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، تعداد صفحات ۳۵ اور سائز ۲/۱/۲۴x۱۶ اس-م-(۶۴)

۱۳۹- دعوت حق:

مؤلفہ حافظ محب الحق مطبوعہ مطبع سیدی عظیم آباد، پٹنہ، سنہ طبع ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، تعداد صفحات ۱۱۲ اور سائز ۲/۱/۲۳x۱۵ اس-م، موضوع: مذہب اسلام کی حقانیت کو فلسفہ اور سائنس کے اصولوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

۱۴۰- بالاحقاق فی مسئلۂ الطلاق:

مؤلفہ مولانا ابوالخیر محمد عبدالوہاب بہاری، مطبوعہ ستارۂ ہند پریس کلکتہ، سنہ طبع ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء، تعداد صفحات ۶۱ اور سائز ۲/۱/۲۰x۱۲ اس-م، موضوع: تین طلاق مغلظ واقع ہونے کی تحقیق فقہ کی رُو سے، زبان و بیان سلیس اور رواں ہے۔

۱۴۱- مسئلۂ قربانی:

مؤلفہ مولانا عبدالرؤف دانا پوری، مطبوعہ مطبع قادریہ واقعہ کلکتہ، سنہ طبع ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، تعداد صفحات ۲۴ اور سائز ۲/۱/۲۱x۱۳ اس-م، موضوع: مولانا نے مسئلۂ قربانی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔(۶۵)

۱۴۲- پردہ سسٹم:

مؤلفہ حافظ محب الحق، مطبوعہ مطبع راجنیت پٹنہ سٹی، سنہ طبع ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء، بار اول، سائز ۲۰x۱۳ س-م، موضوع: مسلم خواتین کے لئے پردہ کی پابندی کے جواز میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۱۴۳- غایۃ الایضاح فی ذکر الجنائز والارواح:

مؤلفہ حکیم حسن علی شہسرامی، مطبوعہ مطبع قدوس دہلی، سنہ طبع درج نہیں ہے، تعداد صفحات ۱۶۲ اور

سائز۲۴x۲/۱/۱۶ا س-م، عبارت قدیم طرز کی لیکن سادہ ہے-(۶۶)

۱۴۴-انتخاب غایۃ الاوطار:

ترجمہ درمختار مؤلفہ حکیم حسن علی حسن شہسرامی مخطوطہ بخط مصنف سنہ تالیف و کتابت درج نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ یہ کتاب بھی ۱۳۰۰ھ سے پہلے کی ہے، تعداد صفحات ۳۲۵ اور سائز ۲۰x۲/۱/۱۲ا س-م-(۶۷)

۱۴۵-رسالہ ہدایت الاکبر:

مؤلفہ شاہ محمد عبدالرحیم فردوسی شہسرامی، مخطوط بخط مصنف پورا رسالہ خط نسخ میں ہے- سنہ تالیف و کابت درج نہیں ہے، تعداد صفحات ۲۵ اور سائز ۲۲x۱۲/۱/۱۳ا س-م، موضوع: مسائل طریقت و شریعت بیان کئے گئے ہیں-(۶۸)

۱۴۶-رسالۂ ربا اور قوم امپریل:

مؤلفہ حافظ محب الحق، مطبوعہ مطبع اخبار الپنچ، سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ یہ رسالہ بھی مولینا کے دوسرے رسائل کی طرح ۱۹۱۴ء کے قریب چھپا ہے- تعداد صفحات ۱۱۶ اور سائز ۲۳x۱۵ا س-م، موضوع: مسئلۂ سود اور بینکاری پر قرآن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے- رسالہ کی عبارت صاف اور سلیس ہے-(۶۹)

۱۴۷-یادداشت اسلام:

مؤلفہ حاجی دراب اللہ، مقام اشاعت کلکتہ، تعداد صفحات ۱۲۰، اس باب میں تقریباً دوسو کتب و رسائل کا ذکر کیا گیا ہے-(۷۰)

۱۴۸-کنزالفوائد:

۱۸۶۱ء، مصنفہ سید احمد باردی ثم دہلوی، مخزونہ رضا لائبریری، رام پور-(۷۰)

۱۴۹-راحت روح:

مصنفہ صوفی منیری، ۱۸۸۸ء-

۱۵۰-چمنستان سرور، ترجمہ بہارستان شعور:

(فارسی) ترجمہ فخر الدین عرف فرخند علی خنداں شہسرامی، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء-

۱۵۱-سلیمان بلقیس:

حصہ اول، مصنفہ مولٰینا ابومحمد ابراہیم آروی مخزونہ کتب خانہ خدابخش، پٹنہ-(۷۲)

۱۵۲-تاریخ بہار شاد:

مؤلفہ خان بہادر شاد علی شاد، ۱۵ جنوری ۱۸۹۳ء، پٹنہ، عظیم آباد-(۷۳)

۱۵۳-امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب:

نام مرتب محمد ظفیر الدین مفتاحی، طبع اول ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء، شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، پھلواری شریف پٹنہ (بہار)-(۷۴)

۱۵۴-آثارات پھلواری شریف:

(۱۹۴۷ء)، موسوم بہ اعیان وطن، مؤلفہ جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب، طابع و ناشر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)-

۱۵۵-بہار میں اردو طنز و ظرافت:

مؤلفہ سلطان آزاد، مکتبہ آزاد پٹنہ بہار، ۱۹۸۹ء، ناشر مکتبہ آزاد پنولین، گلزار باغ پٹنہ بہار، کل صفحات ۱۲۸ شوال ۱۴۱۶ھ-

۱۵۶-تاجدار اقلیم سخن ''نورتن'':

حضرت شاد عظیم آبادی کے نورتن مصنف سید محمود علی خاں، سال اشاعت ۱۹۸۷ء، مطبع ملت آرٹ

پریس، پٹنہ-

۱۵۷-حقیقت بھی کہانی بھی:

(عظیم آباد کی تہذیبی داستان) از سید بدر الدین احمد ایڈووکیٹ، ناشر بہار اردو اکادمی، اردو بھون

اشوک راج پیتھ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۸۸ء، طابع دی آرٹ پریس، پٹنہ، سلطان گنج-(۷۵)

۱۵۸-تذکرہ کاملان پٹنہ یادگار روزگار:

از سید بدر الحسن ۱۹۳۴ء، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-(۷۶)

۱۵۹-تاریخ بارہ گانواں ومضافات:

مصنف ڈاکٹر مجیب الرحمٰن (پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی)، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء، پبلشر ڈاکٹر رفیق

انور اینڈ برادرس، آئرن گیٹ رود، کلکتہ-۱۴-(۷۷)

۱۶۰-سلم العلوم:

از محب اللہ بہاری-(۷۸)

۱۶۱-مسلم الثبوت:

از محب اللہ بہاری-(۷۹) سال اشاعت ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء

۱۶۲-بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء:

مؤلف سید اختر احمد، اختر اورینوی جگہ اشاعت وسنہ اشاعت، پٹنہ ۱۹۵۷ء-(۸۰)

۱۶۳-تاریخ فردوسیہ:

مؤلف معین الدین دردائی، گیا،۱۹۶۲ء-(۸۱)

۱۶۴-مجدد عصر:

مؤلف مولانا ظفر الدین، مطبوعہ پٹنہ، بہار-(۸۲)

۱۶۵-معدن المعانی:

(اردو ترجمہ) شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، اردو مطبوعہ بھارت-(۸۳)

۱۶۶-شرح آداب المریدین:

جلد اول، تالیف شرف الدین یحییٰ منیری، کل صفحات ۱۹۲، ۱۳۸۶ھ-(۸۴)

۱۶۷-اصح السیر فی ھدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم:

سوانح اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حصہ اول، مجاہدانہ زندگی، تالیف مولانا حکیم ابو البرکات عبدالرؤف صاحب قادری دانا پوری، سال اشاعت ۱۹۸۲ء، کل صفحات ۶۱۲، ناشر، فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد نمبر۱، کراچی-

۱۶۸-سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ:

از ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، بار اول، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء، صفحات ۵۰۴، طباعت، محمد شاہد رحمان، وی اعجاز پرنٹرز-

۱۶۹-مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم:

مصنف حکیم محمد احمد برکاتی، ناشر برکات اکیڈمی، ۲۹۸-اے، لیاقت آباد نمبر۴، کراچی ۷۵۹۰۰، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، کل صفحات ۲۸۸-

۱۷۰-احوال وآثار:

ازمولوی حبیب اللہ مختار، مرتب سید نعمت اللہ، سال اشاعت ۱۹۹۸ء، کراچی۔

۱۷۱-تذکرۃ الانساب:

مرتبہ سید عالم حسین (عظیم آبادی)، طباعت واشاعت، مارچ ۱۹۹۶ء، بمطابق شوال ۱۴۱۶ھ، ناشرین: سید ناظم حسین وسید منور حسین، کل صفحات ۱۷۱۔

۱۷۲-تذکرۃ الصالحین:

مؤلف مولوی حبیب اللہ مختار، سال طباعت شعبان ۱۴۲۰ھ/ نومبر ۲۰۰۰ء، ناشر: بساط ادب (پاکستان)، کل صفحات ۲۸۰۔

۱۷۳-ارض بہار اور مسلمان:

ازعبدالرقیب حقانی، ناشر علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، طبع اول دسمبر ۲۰۰۴ء، کل صفحات ۴۴۸۔

۱۷۴-بہار کی بہار:

ازمحمد انیس الرحمٰن انیس، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۹۲ء۔

۱۷۵-عزیز ملت اور کارنامے:

مؤلف محمد انیس الرحمٰن انیس، ناشر علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء، کل صفحات ۱۶۰۔

۱۷۶-صوفیائے بہار اور اردو:

تصنیف پروفیسر محمد معین الدین دردائی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۱۹۷۲ء، کل صفحات ۱۹۱۔

۱۷۷-نقوش سلیمانی:

از علامہ سید سلیمان ندوی، مطبوعہ باب الاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، حیدرآباد، لاہور (کاپی رائٹ ۱۹۶۶ء، ہندوستان میں اس کتاب کے حقوق دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نام محفوظ ہیں)-پاکستانی دوسرا ایڈیشن، ۱۹۶۷ء، کل صفحات ۳۵۹-

۱۷۸-حفیظ اوران کی شاعری:

از ڈاکٹر سید سمیع احمد، سال اشاعت ۱۹۸۸ء، مطبع بھارت آفسٹ دہلی، ۶۰، کل صفحات ۲۴۸-

۱۷۹-کاشف الحقائق:

امداد امام اثر، مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور، ۹۵۶ ء-

۱۸۰-دیوان نصر:

مصباح الطالبین سید شاہ علی حبیب نصر قادری پھلواروی، مطبع انتظامی کانپور-

۱۸۱-دیوان فرد:

مخدوم سید شاہ ابوالحسن قادری پھلواروی، مطبع انتظامی، کانپور-

۱۸۲-تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب واسلام:

از مولانا سید محمد کبیر ابوالعلاء دانا پوری، طبع اول اکتوبر ۱۹۸۶ء، کل صفحات ۷۳۶، ناشر نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی-

۱۸۳-تاریخ شعرائے بہار:

از سید عزیز الدین احمد بلخی راز، مطبوعہ قومی پریس، بانکی پورہ، پٹنہ، ۱۱۵۰ھ/۱۹۳۱ء-

۱۸۴-شاد کی کہانی شاد کی زبانی، خودنوشت سوانح حیات:

از خان بہادر مولوناسید علی محمد شاد عظیم آباد، مرتبہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء-

۱۸۵-الدین یسر:

ازمولانا محمد شاہ ندوی، متوسط تقطیع کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۳۶۸، مجلد مع گرد پوش، پتہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور-

۱۸۶-اہل السنۃ والجماعت:

تحریر خلدون عصر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، ۱۳۷۳ھ، ادارہ نشر المعارف، کراچی، کل صفحات ۱۰۳-

۱۸۷-احسن البیان فی خواص القرآن:

تصنیف لطیف حضرت مولانا سید محمد احسن بہاری، ناشر مکتبۂ اسحاقیہ پھوس چوک، جونا مارکیٹ، کراچی نمبر۲، سن ندارد، طباعت اسحاقیہ پرنٹنگ کراچی، کل صفحات ۲۵۶-

۱۸۸-معدن المعانی:

ازشرف الدین یحییٰ منیری مقام پٹنہ، سن ندارد، کل صفحات ۸۸-

۱۸۹-شرح آداب المریدین:

(جلد اول)، تالیف سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ، مترجمہ جناب سید شاہ قسیم الدین احمد شرقی الفردوسی مدظلہ، شائع کردہ، حلقہ تصنیف خانقاہ معظم مخدوم جہاں، مطبوعہ مگدھ پریس پٹنہ، کل صفحات ۱۹۲-۱۹۷۹ء-

۱۹۰-فوایدالمریدین:

از سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مترجمہ جناب سید شاہ قسیم الدین احمد شرقی الفردوسی، شائع کردہ، حلقۂ تصنیف خانقاہ معظم مخدوم جہاں، کل صفحات ۱۱۰، ۵ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ۔

۱۹۱-لمعات بدریہ:

(حصہ سوم) جمع کردہ وترتیب دادۂ کمترین غلامان آستانۂ مجیبیہ محمد شعیب قادری مجیبی پھلواروی، در مطبع لکھنؤ محمود نگر، المطابع آسی پریس، ضوبخش جہاں گردہ ید، سن ندارد، کل صفحات ۹۲۔

۱۹۲-اسوۂ صحابہؓ:

از عبدالسلام ندوی (حصہ دوم)، باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی، در مطبع معارف شہر اعظم گڑھ، مطبوع گردید، ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء، کل صفحات ۳۹۱۔

۱۹۳-رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم:

مرتبہ سید سلیمان ندوی، مطبوعہ معارف پریس شہر اعظم گڑھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء، طبع ششم، کل صفحات ۱۵۸۔

۱۹۴-پیغمبر انسانیت:

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، طبع اول، مطبوعہ دین محمد پریس، بل روڈ، لاہور- ناشر محمد اشرف ڈار سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، کل صفحات ۲۳۰۔

۱۹۵-حیات مالک:

از سید سلیمان ندوی، ناشر مکتبہ الشرق نزد مسجد باب اسلام، آرام باغ کراچی، کل صفحات ۱۲۰، ۱۹۵۱ء۔

۱۹۶-عربوں کی جہاز رانی:

از سید سلیمان ندوی، ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، کل صفحات ۱۹۹-

۱۹۷-خطبات مدارس:

(یعنی سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے) از سید سلیمان ندوی، ناشر مکتبۃ الشرق نزد مسجد باب الاسلام، آرام باغ، کراچی، مطبع ضیاء برقی پریس، دوسری بار اشاعت نومبر ۱۹۵۴ء، کل صفحات ۲۰۰-

۱۹۸-تفسیر حق:

حضرت علامہ شاہ عین الحق، زیر اہتمام مولانا سید شاہ احمد حبیب ندوی، مطبوعہ برقی مشین پریس، مراد پور، بانکی پور، پٹنہ، ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء، کل صفحات ۱۹۶-

۱۹۹-نعمت کبریٰ در بارۂ حیات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

مؤلفہ مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواروی، طابع و ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، کل صفحات ۸۴-

۲۰۰-بزم صوفیہ:

صباح الدین عبدالرحمٰن نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، طبع اول نومبر ۱۹۸۷ء، کل صفحات ۷۲۳-

۲۰۱-بزم صوفیاء:

سید صباح الدین عبدالرحمٰن، اعظم گڑھ ۱۹۳۴ء-

۲۰۲-ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں:

از ابوالحسنات ندوی، اعظم گڑھ، امرتسر، الیکٹرک پریس ہال بازار، ۱۳۴۱ھ-

۲۰۳-مجدد عصر:

مولانا ظفیر الدین، مطبوعہ پٹنہ، بہار-

۲۰۴-معاصر قاضی عبدالودود نمبر:

مرتب کلیم الدین احمد، ناشر دائرۂ ادب سنگی مسجد، پٹنہ، ۱۶ اگست ۱۹۷۶ء، کل صفحات ۴۴۸-

۲۰۵-شمس المعارف:

مکاتیب (قدوۃ العلماء، تاج العرفاء حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی پھلواروی)، مرتبہ مولانا شاہ غلام حسنین قادری چشتی سلیمانی پھلواروی، مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی، ناشر شفیق بریلوی مدرس مرکز علوم اسلامیہ- ۵ گارڈن، کراچی، مطبوعہ باب اسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۶۹ء، کل صفحات ۶۶۷-

۲۰۶-ہندوستان اور پاکستان:

عبدالقدوس ہاشمی، دارالاشاعت حیدرآباد، ۱۹۴۱ء-

۲۰۷-مکاتیب گیلانی:

مناظر احسن گیلانی، دارالاشاعت رحمانی مونگیر، ۱۹۶۹ء-

۲۰۸-شرفاء کی نگری:

(حصہ اول)، مؤلف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، ناشر نظامی اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ضخامت ۳۲۲، تاریخ اشاعت ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۶ھ، اشاعت دوئم مارچ ۲۰۰۴ء-

۲۰۹-شرفاء کی نگری:

(حصہ دوم) مؤلف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، ناشر نظامی اکیڈمی، پاکستان، کراچی،

ضخامت ۳۳۰، تاریخ اشاعت اول اپریل ۲۰۰۴ء/صفر ۱۴۲۵ھ۔

۲۱۰۔ التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی:

۴ جلدیں، ۱۳۱۱ھ مطبع فاروقی دہلی۔

۲۱۱۔ عون المعبود شرح ابوداؤد:

چار جلدیں، سن اشاعت ۱۸۲۳ء، مطبع انصاری دہلی۔

۲۱۲۔ غایت المقصود شرح سنن ابوداؤد:

۳۲ جلدیں ۱۳۰۵ھ، مطبع انصاری، دہلی۔

۲۱۳۔ اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر:

۱۳۰۵ھ، ابوالطیب شمس الحق ڈیانوی۔ مطبع انصری دہلی۔

۲۱۴۔ نقوش سلیمانی:

نقوش سلیمانی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں طبع معارف، اعظم گڑھ میں چھپ کر شائع ہوا، مؤلف سید سلیمان ندوی ہیں۔ اس کی ضخامت ۴۷۶ صفحات ہیں، اس میں خطبات، مقالات اور مقدمات شامل ہیں۔

۲۱۵۔ خیام:

یہ کتاب سید سلیمان ندوی کی علمی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، ۵۰۹ صفحات کی ضخامت پر مشتمل، پہلی بار ۱۹۲۲ء میں مطبع معارف اعظم گڑھ میں طبع ہوئی۔

۲۱۶۔ حیات شبلی:

از سید سلیمان ندوی، ضخامت تقریباً ڈھائی سو صفحات، فروری ۱۹۴۳ء، میں شائع ہوئی۔

۲۱۷-یادرفتگاں:

از سید سلیمان ندوی، سن اشاعت ۱۹۵۵ء، مکتبہ الشرق کراچی، ضخامت ۵۱۹ صفحات-

۲۱۸-سیرت النبیؐ:

۷ جلدیں از سید سلیمان ندوی-

۲۱۹-خطبات مدارس:

سید سلیمان ندوی، اکتوبر ۱۹۲۶ء-

۲۲۰-عرب وہند کے تعلقات:

سید سلیمان ندوی، ۱۹۳۰ء-

۲۲۱-سیرت عائشہؓ:

سید سلیمان ندوی، ۱۹۲۴ء-

۲۲۲-ادبیات قرآن:

سید سلیمان ندوی-

۲۲۳-مقالات سلیمان:

سید سلیمان ندوی-

۲۲۴-رحمت عالم:

سید سلیمان ندوی، ۱۹۴۰ء-

۲۲۵-عربوں کی جہاز رانی:

سید سلیمان ندوی، ۱۹۳۵ء میں معارف پریس اعظم گڑھ میں طبع ہو کر دارالمصنفین سے شائع ہوئی۔

۲۲۶-ارض القرآن:

سید سلیمان ندوی، پہلی جلد ۱۹۱۷ء اور دوسر جلد ۱۹۱۸ء میں دارالمصنفین سے شائع ہوئی۔

۲۲۷-مکتوبات سلیمان:

سید سلیمان ندوی، سب سے پہلا مجموعہ برید فرنگ کے نام سے خود سید صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۵۲ء، میں مکتبۂ الشرق کراچی سے شائع کیا۔(۷۶)

۲۲۸-لاء آف ٹارٹ کا ترجمہ (Law of Torts) (قانون ضمان):

۲۲۹-عادۃ الانسان فی آخرۃ الایمان:

مؤلفہ حاجی محمد دراب اللہ ساکن پٹنہ، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، مارچ ۱۸۸۳ء، تعداد صفحات ۴۸ اور سائز ۲/۱/۲۳×۲ س-م، موضوع: پند و نصیحت، عبارت صاف اور سادہ۔

۲۳۰-ترجمہ دستور العمل:

مترجمہ سید علی شیر عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع یونین پریس واقع بانکی پور، پٹنہ، ماہ ستمبر ۱۸۸۵ء، بار دوم، تعداد صفحات ۶۸ اور سائز ۲۱×۱۳ س-م-(۷۷)

۲۳۱-کتاب الاثمار:

مصنفہ امداد امام اثر، مطبوعہ مطبع یونین پریس اینچ، واقع بانکی پور، پٹنہ، ۱۸۸۷ء، بار اول، تعداد صفحات ۳۲۰، سائز ۲۱×۱۴ س-م، موضوع: زراعت (نباتات) اپنے موضوع پر اردو میں غالباً پہلی کتاب ہے، عبارت صاف، سادہ اور رواں ہے۔

۲۳۲- جوہرشجاعت:

مؤلفہ حکیم شیخ عبدالرزاق عظیم آبادی، مطبوعہ یونین پریس الپنچ بانکی پور، پٹنہ، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء، (رسالہ کا نام تاریخی ہے جس سے سنہ طبع نکلتا ہے)، تعداد صفحات ۷۰ اور سائز ۲۴×۲/۱/۱۴ س-م، موضوع: فن حرب، شمشیرزنی، زبان عام فہم اور سادہ ہے-

۲۳۳- کیمیائے زراعت:

امداد امام اثر مطبوع مطبع اسٹار آف انڈیا، واقع قصبہ آرہ، ۱۸۹۰ء، بار اول، تعداد صفحات ۲۱۸ اور سائز ۲۴×۱۵ س-م، موضوع: فن زراعت، عبارت میں سادگی، سلاست، پختگی اور روانی ہے- یہ کتاب اپنے دور میں خاصی مقبول ہوئی چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۷ء تک اس کے تین ایڈیشن نکلے-(۷۸)

۲۳۴- غایۃ التسہیل فی علاج الفیل:

مؤلفہ محفوظ الحق عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع مصطفائی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء، تعداد صفحات ۳۹ اور سائز ۲۴×۱۵ س-م-

۲۳۵- ارادہ:

مؤلفہ سید شاہ اکرم داناپوری، مطبوعہ ۱۸۹۳ء-

۲۳۶- صورت حال:

مؤلفہ شاد عظیم آبادی، مطبوعہ سٹی پریس، پٹنہ ۱۸۹۳ء بار اول، تعداد صفحات ۱۲۸ اور سائز ۲۲×۱۵ س-م-

۲۳۷- مجموعۂ ضابطہ دیوانی:

ترجمہ و مرتبہ سید مہدی حسین بہاری سررشتہ عدالت آرہ و جناب مولوی محمد امیر علی خاں بہادر مصنف درجہ اول، آرہ، مطبوعہ مطبع دبدبۂ احمدی، لکھنؤ مشک گنج، یکم مئی بار سوم، ۱۸۹۶ء، تعداد صفحات ۲۰۴ اور سائز

۱۵x۲۴ س-م، ایکٹ ۱۴، ۱۸۸۲ء بعد ترمیم بموجب ایکٹ ۶، ۱۸۸۸ء، ایکٹ قرضداران، ایکٹ ۷، ۱۸۸۸ء، قانون ترمیم کا ترجمہ-(۷۹)

۲۳۸-پنچایت نامہ:

مؤلفہ حکیم حسن علی شہسرامی، مطبوعہ انوار محمدی، لکھنؤ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۹ء، تعداد صفحات ۲۴ اور سائز ۱۲x۲۵ س-م-

۲۳۹-تنبیہہ النفوس:

مؤلفہ فصاحت حسین عثمانی شہسرامی، مطبوعہ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء بار اول، ۱۳۵۲ھ، بار دوم، از مطبع برقی پریس سبزی باغ، بانکی پور، پٹنہ، تعداد صفحات ۴۰ اور سائز ۱/۲/۲۴x۱۷ س-م-(۸۰)

۲۴۰-جغرافیہ صوبۂ بہار:

مؤلفہ مولوی عبدالغفور دانا پوری، مطبوعہ مطبع احمدی مغلپورہ، پٹنہ ۱۹۰۷ء، تعداد صفحات ۳۹ اور سائز ۱/۲/۲۳x۱۴ س-م، زبان سہل اور عام فہم ہے-(۸۱)

۲۴۱-سلیمان بلقیس:

حصہ اول، مصنفہ مولٰینا ابو محمد ابراہیم آروی، کل صفحات ۲۰، مطبع اشار آف انڈیا آرہ، سن ندارد، سائز ۱۲x۲۰ س-م-(۸۲)

۲۴۲-بدھاوا:

مصنفہ شاد عظیم آبادی، ۱۸۸۹ء (۸۳)

۲۴۳-فکر بلیغ:

مصنفہ علی محمد شاد عظیم آبادی، ۱۹۱۴ء، مطبع سلیمانی، پٹنہ سٹی-(۸۴)

۲۴۴- حیائے وطن:

مؤلفہ شیخ ابوالفضل صاحب حشر آروی، مطبوعہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء-

۲۴۵- صفائے وطن:

مؤلفہ مولوی شیخ محمد حبیب المتخلص بہ نسخ وحبیب آروی، مطبوعہ مطبع نورالانوار، آرہ، ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء، تعداد صفحات ۱۱۲ اور سائز ۲۴x۱۶ س-م-

۲۴۶- رشحات صفیر:

مؤلفہ صفیر بلگرامی، مطبوعہ ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء، بار سوم-(۸۵)

۲۴۷- رسالۂ سرمۂ تحقیق:

مؤلفہ شوق نیموی، مطبوعہ ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، یہ رسالہ قومی پریس لکھنؤ سے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، میں چھپ کر شائع ہوا ہے اور سائز ۲۳x۱۴ س-م کے ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے-

۲۴۸- رسالہ اصلاح:

مؤلفہ شوق نیموی، مطبوعہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء، پہلی بار یہ رسالہ ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، میں چھپا تھا، باردوم پھر مؤلف کی نظر ثانی کے بعد قومی پریس لکھنؤ سے دوسری بار ماہ جولائی ۱۸۹۳ء میں چھپ کر شائع ہوا- پورا رسالہ ۲۳x۱۴ س-م کے ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے-(۸۶)

۲۴۹- اشرف التواریخ:

(حصہ دوم)، مولانا اکبر دانا پوری، ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، مطبع آگرہ-

۲۵۰- افضل السیر ملقب بہ ہشت گوہر:

جلد اول، مؤلفہ عبدالرحیم دانا پوری، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، کلکتہ-

۲۵۱- افضل السیر :

جلد دوم، مؤلفہ عبدالرحیم داناپوری، مطبع دارالسلطنت، کلکتہ، ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء۔

۲۵۲- انجم الثاقب اھتد المن یدع الدین الواصب :

حصہ اول، مؤلفہ مولوی عبدالغفور داناپوری، مطبوعہ مطبع احمدی، پٹنہ، سن طبع ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء۔

۲۵۳- تاریخ بارہ گانواں ومضافات :

مصنف ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی، پبلشر ڈاکٹر رفیق انور اینڈ برادرز، آئرن گیٹ روڈ، کلکتہ ۲۴، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء۔

۲۵۴- تاریخ سلسلۂ فردوسیہ (بہار) :

معین الدین دردائی، گیا، ۱۹۶۲ء، اردو مطبوعہ بھارت اعظم گڑھ، گیا۔

۲۵۵- تذکرہ علمائے بہار :

جلد اول، ابوالکلام قاسمی ہاشمی، ناشر شعبہ نشر واشاعت جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ، سیتا مڑھی، طباعت انیس آفیس پریس، دریا گنج دہلی ۲، اشاعت اول ۱۹۹۵ء۔

۲۵۶- خوان پرنعمت :

ملفوظ مخدوم جہاں شرف الدین، احمدی پریس، پٹنہ، ۱۳۲۱ھ۔ (۱۷)

بہار میں صحافت

۲۵۷- نورالانوار آرہ :

مجاریہ ۱۸۵۳ء۔

۲۵۸-پٹنہ ہرکارہ:

پٹنہ مجاریہ، ۳ شعبان ۱۲۷۱ھ بمطابق ۲۱ اپریل ۱۸۵۵ء، یہ اخبار کڑھ رائی کہد ودرلال علاقہ تھانہ گھاٹ خواجہ کلاں منحملات شہر پٹنہ سے مہینہ میں تین بار انگریزی کی پہلی، گیارہویں اور اکیسویں تاریخ کوشائع ہوتا تھا، اس کے مالک و مہتمم شاہ ابوتراب مالک طبع اور ایڈیٹر تھے-(۸۸)

۲۵۹-اخبار بہار پٹنہ:

مجاریہ یکم ماہ ستمبر ۱۸۵۶ء، یہ اخبار پٹنہ ہرکارہ کی طرح شاہ ابوتراب کے مطبع سے جاری ہوا تھا اور اسی کی طرح مہینے میں تین بار چھپتا تھا اور اس کی تاریخ اجراء یکم ماہ ستمبر ۱۸۵۶ء ہے- اس کے ایڈیٹر لالہ بندا پرشاد متخلص بہ حسرتی منشی مطبع مہتمم شاہ ولایت علی اور کاتب فتح بہادر تھے-(۸۹)

۲۶۰-ویکلی رپورٹ، گیا:

مجاریہ یکم مئی ۱۸۵۶ء، ویکلی رپورٹ صاحب گنج، ضلع گیا، ماہواری ۲۴ ورق خورد مالک منشی جے جی رام مختار ترجمہ ویکلی رپورٹر از مطبع لاسنو پریس، یکم مئی ۱۸۵۶ء-

۲۶۱-عظیم الاخبار، پٹنہ:

مجاریہ ماہ جولائی ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء، یہ اخبار مطبع محمدی، پٹنہ، واقع مکان موسومہ کڑہ کہرو درلعل سے باہتمام عبدالجلیل سید محمد اسماعیل مہتمم مطبع جولائی ۱۸۵۹ء، میں جاری ہوا-(۹۰)

۲۶۲-نہرالفوائد، آرہ:

مجاریہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۷ء، اختر شہنشاہی میں اس کے متعلق حسب ذیل اطلاع ملتی ہے:

''نہرالفوائد آرہ ضلع شاہ آباد-بہ ماہی علمی رسالہ، ۲۵ ورق اوسط بحکم ڈپٹی مولوی سید وارث علی خاں بہادر، میر مجلس انجمن علمیہ مہتمم خواجہ سید فخرالدین، سخن دہلوی، وکیل عدالت دیوانی وسیکریٹری انجمن علمیہ دبہ

صحت سید فرزند احمد صفیر انڈر سیکریٹری پرنٹر منشی گنج بہاری لال صاحب، مختار از مطبع سنت پرشاد، اجرائے ۳۱ مارچ ۱۸۶۷ء۔" (۹۱)

۲۶۳-اخبار الاخبار مظفر پور:

مجاریہ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۸ء، بہار کا یہ وہ خوش قسمت اخبار ہے جس کا ذکر مختلف کتابوں میں تفصیل سے ملتا ہے، ۴۳ شمارے ہیں، بیش تر شماری ۳۰x۲۴ س-م کے ۱۶ صفحات پر مشتمل ہیں، پہلے شمارے کی تاریخ اجراء ۱۵ ستمبر ۱۸۶۸ء قرار پائی ہے۔ (۹۲)

۲۶۴-گلدستۂ بہار:

بہار شریف، مجاریہ ۲۷ دسمبر ۱۸۸۳ء، یہ رسالہ بہ سر پرستی سجادہ نشیں خانقاہ تکیہ بہار شریف سے شائع ہوتا تھا، مالکان شیخ خیرات حسین و سید عطا حسین۔

۲۶۵-الپنچ پٹنہ:

مجاریہ ۵ فروری ۱۸۸۵ء، الپنچ پٹنہ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط یوم پنجشنبہ، پہلے یہ اخبار ضلع پٹنہ صوبہ بہار احاطہ بنگال محلہ مہدر دعلاقہ باقی پور مکان مولوی شرف الدین صاحب بیرسٹریٹ لاء سے منشی محمد اعظم نے واقع (کذا) ۵ فروری ۱۸۸۵ء کو واسطے چار ماہ کے جاری کیا۔ (۹۳)

۲۶۶-گلدستۂ نظائر، گیا:

مجاریہ ۱۸۷۱ء، مقام صاحب گنج محلہ گھسیاری ٹولہ ضلع گیا، ماہوار، ۱۲ ورق خورد مالک بابو امیش چندر سرکار، از مطبع گلدستۂ نظائر، اجرائے ۱۸۷۱ء۔

۲۶۷-شعاع مہر، مظفر پور:

مجاریہ ۱۸۷۱ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں " شعاع، مہر مظفر پور، بحکم عبد الرحیم ڈپٹی انسپکٹر مدارس

وانڈر سیکریٹری سائنٹفک سوسائٹی بہار، اجرائے ۱۸۷۱ء۔" اس کے علاوہ کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملتی۔(۹۴)

۲۶۸۔ نادر الاخبار، مونگیر:

مجاریہ ۱۸۷۲ء، مالک منشی رام پرشاد صاحب دل شاد از مطبع مرات ہند یہ اخبار منگیر برہمو سماج کا آرگن تھا۔

۲۶۹۔ ضیاء الابصار، آرہ:

مجاریہ ۱۸۷۳ء۔

۲۷۰۔ اخبار انجمن مذاکرۂ علمیہ، پٹنہ:

مجاریہ ۸ مارچ ۱۸۷۴ء۔

۲۷۱۔ نسیم سحر، پٹنہ:

مجاریہ ۱۸۷۴ء، نسیم سحر پٹنہ محلّہ گزری، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط یوم جمعہ، مالک سید وزیر علی۔(۹۵)

۲۷۲۔ بہار پنچ، پٹنہ:

مجاریہ ۲۶ نومبر ۱۸۷۶ء، بہار پنچ محلّہ لودی کٹرہ، ہفتہ وار، ۴ ورق، اوسط یوم جمعہ، مالک محمد اکبر خاں، مہتمم منشی نوروز علی خاں، شیدا از مطبع انتظامی، اجراء ۲۶ نومبر ۱۸۷۶ء۔

۲۷۳۔ انیس بہار، پٹنہ:

مجاریہ ۱۸۷۶ء، انیس بہار، پٹنہ محلّہ خواجہ کلاں گھاٹ، روزانہ، مالک سید اصغر علی۔(۹۶)

۲۷۴۔ قاصد، پٹنہ:

۲ جنوری ۱۸۷۶ء، قاصد پٹنہ، ڈاکخانہ باقی پور، محلّہ رمنہ، ہفتہ وار، ۲ ورق، اوسط یوم دوشنبہ، مالک اقبال علی۔

۲۷۵-مجمع الفوائد، مونگیر:

مجاریہ یکم جولائی ۱۸۷۶ء۔

۲۷۶-مجموعۂ نظائر ہند، گیا:

مجاریہ ۲۱ جنوری ۱۸۷۸ء، قصبہ صاحب گنج، محلہ دہامی ٹولہ ماہواری، ۱۲ ورق، اوسط ترجمہ اردو دو انڈین لاء رپورٹ و ہائی کورٹ کلکتہ والہ آباد، مدراس و بمبئی، مہتمم بابو ہری سند بوس از مطبع گلدستۂ نظائر، اجرائے ۲۱ جنوری ۱۸۷۷ء۔

۲۷۷-نسیم سارن، چھپرہ:

مجاریہ یکم جنوری ۱۸۷۸ء، شہر چھپرہ محلہ رتن پورہ، مقام کالی باڑی، ہفتہ وار، ۴ ورق، اوسط یوم دوشنبہ، مہتمم بابو کہی کمار چترجی۔(۹۷)

۲۷۸-مشیر بہار، پٹنہ:

مجاریہ ۷ جنوری ۱۸۸۰ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''یہ اخبار محلہ پیر بہوڑ، ڈاکخانہ باقی پور، ضلع پٹنہ سے ہفتہ وار، ۴ ورق، کلاں بروز پنجشنبہ، ناگری مشترک چھاپہ آہنی پنڈت کیشورام نے با اہتمام بابو مدن موہن لال، ساکن کلکتہ..... جاری کیا۔''

۲۷۹-انڈین کرانیکل، پٹنہ:

مجاریہ یکم جولائی ۱۸۸۱ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''ہفتہ وار، ۸ ورق، اوسط دوشنبہ، ایڈیٹر منشی رحمت اللہ پرنٹر، منشی لیاقت حسین مہتمم بابو شمشیر سنگھ از مطبع انڈین کرانیکل پریس پہلے ہفتے میں دوبار با اہتمام منشی سالک رام محلہ باقر گنج سے شائع ہوتا تھا، اب محلہ بھوجا پہاڑی، ڈاکخانہ پیر بہوڑ، علاقہ باقی پور سے جاری ہوتا ہے۔''(۹۸)

۲۸۰-صبح وطن، پٹنہ:

مجاریہ یکم جون ۱۸۸۱ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''صبح وطن محلہ لودی کٹرہ مکان مولوی شیر علی مرحوم، ہفتہ وار، ۲ ورق، خورد یوم، دوشنبہ، مالک منشی حسن علی، اڈیٹر مولوی سید رحیم الدین مہتمم عبدالقادر از مطبع احسن المطابع، اجرائے یکم جون ۱۸۸۱ء۔''

۲۸۱-لمعۂ نور مظفر پور:

مجاریہ یکم اگست ۱۸۸۲ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''لمعۂ نور، مظفر پور، مہتمم شجاعت علی مدرس اول مدرسہ عالیہ بہار سائنٹفک سوسائٹی بہار، مؤلف عقائد محمدی، اجرائے یکم اگست ۱۸۸۲ء۔''

۲۸۲-شرف الاخبار، بہار شریف:

مجاریہ ۴ جنوری ۱۸۸۳ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''شرف الاخبار بہار شریف محلّہ خانقاہ، ضلع پٹنہ، ہفتہ وار، ۴ ورق، اوسط یوم پنجشنبہ، مہتمم شاہ مقبول حسین پرنٹر، شاہ بشیر احسن از مطبع شرف پریس اجرائے ۴ جنوری ۱۸۸۳ء'' (۹۹)

۲۸۳-انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ:

مجاریہ یکم جولائی ۱۸۸۶ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''انسٹی ٹیوٹ محلّہ صادق پور، چھاپہ آہنی، ہفتہ وار، ۲ ورق، کلاں یوم شنبہ، انگریزی مشترک مجاریہ پٹنہ محمڈن ایجوکیشنل کمیٹی، میر مجلس سیکریٹری شمس العلماء مولوی محمد حسین پٹنہ اسلامی کمیٹی تعلیمیہ، میر مجلس مولوی سید احمد حسین مطبع صادق پور پریس مہتمم مولوی محمد اسحاق..... اجراء یکم جولائی ۱۸۸۶ء۔''

۲۸۴-اسٹار آف انڈیا، آرہ:

مجاریہ یکم جون ۱۸۸۶ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ''اسٹار آف انڈیا، آرہ، ضلع شاہ آباد...

محلہ تری قریب تالاب ڈین صاحب، مالک شیخ ظہورالحق صاحب بہاری، اجرائے یکم جون ۱۸۸۶ء۔‘‘

۲۸۵- آفتاب عالم، آرہ:

مجاریہ ۱۵ فروری ۱۸۸۶ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ’’آفتاب عالم، آرہ ضلع شاہ آباد ملک بنگال محلہ تری قریب تالاب ڈین صاحب، ۱۵ فروری ۱۸۸۶ء سے ۶ اورق خورد ماہواری شائع ہوتا تھا...... یکم جولائی ۱۸۸۶ء سے پندرہ روزہ، ۶ ورق پر ہوگیا...... مالک مرزا عنایت علی بیگ، لکھنؤ تاجر کتب ایڈیٹر عبدالکریم مہتمم عبدالحق بہاری، مطبع اسٹار آف انڈیا۔‘‘ (۱۰۰)

۲۸۶- عالم آراء، آرہ:

مجاریہ ۱۸۸۶ء، شاد عظیم آبادی نے اپنی آپ بیتی ’’شاد کی کہانی شاد کی زبانی‘‘ میں اطلاع دی ہے کہ ۱۸۸۵ء میں جب ان کی مخالفت میں پٹنہ سے الپنچ نکلا اور اس نے ان کے خلاف مضامین کے انبار لگا دیئے تو ان کی اعانت سے اخبار نسیم سحر کا دوبارہ اجراء ہوا اور اس زمانہ میں مرزا لطف علی خاں، مرزا پیارو اور حکیم مولوی حافظ عبدالحکیم صاحب (مرزا پیارو کے سالے) نے آرہ میں پریس قائم کر کے ایک اخبار مسمیٰ عالم آرہ نکالا جس نے ان کی حمایت میں الپنچ وغیرہ کا جواب دینا شروع کیا، اس کے علاوہ اس اخبار کے متعلق کوئی اور اطلاع نہیں ملتی۔

۲۸۷- انیس، پٹنہ:

مجاریہ ۶ اگست ۱۸۸۷ء، صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: ’’انیس پٹنہ محلہ پواگلی محلہ گوبند عطاء، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط یوم شنبہ، مالک عبدالقادر، ایڈیٹر عابد حسین از مطبع احسن المطابع، اجرائے ۶ اگست ۱۸۸۷ء۔‘‘ (۱۰۱)

۲۸۸-شہرۂ آفاق، گیا:

مجاریہ ۱۸۹۵ء، خضر بانو خیری اپنے مقالے میں لکھتی ہیں: ''زیر معائنہ جلد ۱، نمبر ۳۶، مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء مولوی سید محمد طاہر ایڈیٹر تھے، گیا سے ہفتہ وار شائع ہوتا تھا، ظرافت کا رنگ چوکھا تھا، متانت میں بھی اس اخبار کی پالیسی زبردست تھی۔'' (۱۰۲)

۲۸۹-الہادی، پٹنہ:

مجاریہ جنوری ۱۸۹۷ء، امداد صابری لکھتے ہیں: ''یہ ماہنامہ رسالہ پٹنہ سے مارچ ۱۸۹۷ء کو جاری ہوا، انجمن اسلامیہ بانکی پور، پٹنہ کے اہتمام میں نکلتا تھا، اس کے سکریٹری ولی محمد صاحب تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا، انجمن کی روائیداد اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ (۱۰۳)

۲۹۰-ادیب، پٹنہ:

مجاریہ جولائی ۱۸۹۷ء، اس رسالے کا افتتاحیہ شمارہ یعنی جلد ۱، نمبر ۱ بابت ماہ جولائی ۱۸۹۷ء پیش نظر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رسالہ اردو لٹریچر سوسائٹی، پٹنہ کا ماہنامہ ترجمان تھا اور سوسائٹی کے سکریٹری سید نصیر حسین خاں صاحب خیال کی نگرانی اور اہتمام میں شائع ہوتا تھا، اندراجات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ایڈیٹر بھی خیال ہی تھے۔ رسالہ ۲/۱/۲۲ x ۱۴ س-م کے ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس شمارہ میں اردو لٹریچر سوسائٹی کی تاسیس کی داستان اور اس کے قواعد وضوابط بیان کئے گئے ہیں اور کئی انشائیے اور مضامین شامل ہیں۔ طرز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ تمام مضامین اور انشائیے خیال کے قلم سے نکلے ہیں۔

۲۹۱-الشرف بہار، شریف:

مجاریہ ۱۸۹۷ء، خضر بانو خیری اپنے مقالے میں لکھتی ہیں: ''جلد ۱، نمبر ۱، بابت صفر ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء، اس کے ایڈیٹر معظمی جناب مولوی محمد احسن صاحب، سخن بہار مدظلہ تھے، ابتداء میں اس کی اشاعت کی غرض

''اشاعت تصوف'' تھی، مگر بعض ذی علم حضرات کی توجہ دلانے پر علمی و ادبی، سیاسی اور تمدنی اغراض بھی شامل کردی گئیں، یہ ماہوار رسالہ محلّہ بنولیہ بہار شریف سے شائع ہوتا تھا۔

۲۹۲- رسالہ مخزن تحقیق ملقب بہ تحفۂ حنفیہ، پٹنہ:

مجاریہ ۱۸۹۷ء۔(۱۰۴)

۲۹۳- اخبار تہذیب، پٹنہ:

مجاریہ ۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء، یہ ہفتہ وار اخبار محلّہ لودی کٹرہ، پٹنہ سے ۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو جاری ہوا تھا، اس کے ایڈیٹر سید مصاحب حسین صاحب وحشت بہاری، سب ایڈیٹر مولوی رحمت علی خاں عظیم آبادی اور مینجر سید لیاقت حسین تھے، احسن المطابع پٹنہ میں چھپ کر، ہر ہفتہ یوم شنبہ کو شائع ہوتا تھا اور ۲۵x۲۳ س-م سائز کے ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔(۱۰۵)

۲۹۴- گیا پنچ، گیا:

مجاریہ ۱۸۹۷ء، اس اخبار کا صرف ایک شمارہ یعنی جلد ہفتم کا شمارہ نمبر ۱۳ بابت ۲۳ ستمبر ۱۹۰۱ء مخزونہ خانقاہ منیر شریف پیش نظر ہے، یہ ۲۸x۲۲ س-م سائز کے ۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر دو کالم ہیں، سرورق کی پیشانی پر خط طغریٰ میں اخبار کا نام بزبان انگریزی و اردو درج ہے- اس کے دائیں اور بائیں جانب اخبار کے ضوابط درج ہیں اور نیچے حاشیہ پر قوسین کے اندر مطبع اور مہتمم کا نام لکھا ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اخبار مطبع محمدی واقع محلّہ کٹوکھر تالاب (گیا) سے طبع ہو کر شائع ہوتا تھا اور اس کے مہتمم شیخ محمد حسین مینجر مطبع تھے۔(۱۰۶)

۲۹۵- رسالہ اصلاح، پٹنہ و کھجوہ:

مجاریہ ۱۸۹۷ء، یہ ماہانہ رسالہ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں پٹنہ سے جاری ہوا تھا، اس کے ایڈیٹر علی حیدر

تھے، ابتداء میں یہ مطبع صبح صادق پٹنہ سے شائع ہوتا تھا لیکن بعد میں کھجوہ ضلع سارن منتقل ہو گیا۔

۲۹۶۔نغمۂ آرزو، بہار شریف:

مجاریہ ۱۹۰۱ء، خضر بانو خیری اپنے مقالے میں لکھتی ہیں: ''زیر معائنہ جلد ا، نمبر ا، بابت ۱۳۱۹ھ اس کے مدیر مطلوب العاشقین جناب سید شاہ فدا حسین صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ تکیہ قدسیہ تھے۔ ماہوار رسالہ محلہ دائرۂ بہار سے شائع ہوتا تھا۔نغمۂ آرزو اس کا نام تاریخی ہے۔''

۲۹۷۔نسیم سحر، گیا:

مجاریہ جون ۱۹۰۱ء، یہ رسالہ ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں گیا سے شائع ہوتا تھا لیکن اس کی طباعت مطبع احسن المطابع پٹنہ میں ہوا کرتی تھی، رسالہ کے مہتمم اور ایڈیٹر سید حسن مرتضیٰ شفق عماد پوری تھے۔(۱۰۷)

۲۹۸۔تاج، پٹنہ:

مجاریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۰۲ء، اس رسالے کے مالک اور ایڈیٹر علامہ سید فضل حق آزاد تھے۔ شروع کے چھ شمارے انجمن اسلامیہ پریس واقع محلہ چوہٹہ بانکی پور سے چھپ کر محلہ پیر بہوڑ بانکی پور سے شائع ہوتے تھے، اس کے بعد کے کل شمارے تاج المطابع واقع پیر بہوڑ سے چھپ کر شائع ہوئے ہیں۔ شمارہ ۴ سے شمارہ ۶ تک رسالہ کے مہتمم کی حیثیت سے سید عبدالرحیم کا نام درج ہے، لیکن شمارہ ۷ سے مہتمم کی حیثیت سے بھی آزاد ہی کا نام ملتا ہے۔(۱۰۸)

۲۹۹۔رفتار زمانہ، پٹنہ:

یکم جنوری ۱۹۰۳ء، رسالہ تاج، جلد اول، شمارہ ۷، مطبوعہ ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۸، کالم ۲ پر اس رسالے کی اطلاع ملتی ہے۔

۳۰۰- بہار اور دامن بہار، پٹنہ:

مجاریہ جولائی ۱۹۰۳ء، اس رسالہ کے جلد اول کے بارہ شمارے (جولائی ۱۹۰۳ء، سے دسمبر ۱۹۰۴ء) یہ رسالہ ادارۂ الپنچ سے شائع ہوا تھا، اس کے ایڈیٹر ابوالخیر اور مہتمم عابد حسین تھے، یہی دونوں حضرات اس وقت الپنچ کے ایڈیٹر اور مہتمم بھی تھے-(۱۰۹)

۳۰۱-شیعہ، کھجوہ (ضلع سارن):

مجاریہ جنوری ۱۹۰۴ء، اس رسالہ کی تیرہ جلدیں ۱۹۰۸ء، لغایت ۱۹۲۰ء مخزونہ صولت پبلک لائبریری، رام پور میں ہیں-

۳۰۲-الشمس، کھجو (ضلع سارن):

مجاریہ ۱۹۰۶ء، یہ ماہنامہ رسالہ دفتر اصلاح کھجوہ سے نکلتا تھا اور اس کے ایڈیٹر محمد حیدر تھے، یہ رسالہ خاص مذہبی تھا-

۳۰۳-بہار گزٹ، بانکی پور، پٹنہ:

مجاریہ مارچ ۱۹۰۹ء، مدیر مراد علی خاں تھے، بانکی پور سے ہفتہ وار شائع ہوا کرتا تھا-(۱۰)

۳۰۴-معارف، پھلواری شریف:

مجاریہ ۱۹۱۲ء-

۳۰۵-اتحاد، بہار شریف و پٹنہ:

مجاریہ ۱۹۱۲ء، اتحاد زیر معائنہ، جلد اول، نمبر ۲۳ مورخہ ۳ ۱۹، بہار شریف سے جاری ہوا تھا، اس کے بانی بہار شریف کے رئیس محترم مولوی شیخ نور محمد صاحب ہیں-(۰۰)

۳۰۶-پٹنہ اخبار، پٹنہ:

مجاریہ مارچ ۱۹۱۳ء، یہ ہفتہ وار اخبار تھا جو ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا، صفحات کی تعداد متعین نہیں تھی، اس کے پرنٹر د پبلشر مولوی سید جان تھے، مہتمم محمد یعقوب، اخبار کی طباعت سیدی پریس میں ہوئی تھی- (۱۱۲)

۳۰۷- بہار پنچ، گیا:

خضر بانو خیری لکھتی ہیں: ''ایک اشتہار سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے ایڈیٹر بہار کے مشہور ادیب اور اودھ اپنچ کے نامہ نگار مولوی سید ضمیر الدین صاحب عرش گیاوی تھے اور گیا محلہ دولہن گنج سے نکلتا تھا-

۳۰۸- بیباک، پٹنہ:

خضر بانو خیری نے اپنے مقالے میں یہ اطلاع دی ہے کہ اس نام کا ایک جریدہ بانکی پور سے شائع ہوا تھا-

۳۰۹-خورشید:

خضر بانو خیری ہی کی اطلاع ہے کہ اس نام کا بھی ایک اخبار بہار سے شائع ہوا تھا-

۳۱۰-نور ایمان، پٹنہ:

اس جریدہ کا نام نجیب اشرف ندوی مرحوم کی فہرست میں نظر آتا ہے- (۱۱۳)

حواشی باب سوم، فصل چہارم

۱- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک)، مطبع لیتھو پریس، رمنہ لین، پٹنہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء، ناشر کتاب خانہ ترپولیا، پٹنہ- ۸۰۰۰۰۷، ص ۱۷۷

۲- ایضاً، ص ۱۷۸

۳- ایضاً، ص ۱۷۹

۴- ایضاً، ص ۱۸۰

۵- ایضاً، ص ۱۸۱

۶- ایضاً، ص ۱۸۲

۷- ایضاً، ص ۱۸۳

۸- ایضاً، ص ۱۸۷

۹- ایضاً، ص ۱۸۸

۱۰- ایضاً، ص ۱۸۹

۱۱- ایضاً، ص ۱۹۰ تا ص ۱۹۱

۱۲- ایضاً، ص ۱۹۲

۱۳- ایضاً، ص ۱۹۳

۱۴- ایضاً، ص ۱۹۴

۱۵- ایضاً، ص ۱۹۴ تا ص ۱۹۵

۱۶- ایضاً، ص ۱۹۵

۱۷- ایضاً، ص ۱۹۶

۱۸- ایضاً، ص ۱۹۷

۱۹- ایضاً، ص ۱۹۸

۲۰- ایضاً، ص ۱۹۹

۲۱- ایضاً، ص ۲۰۰

۲۲- ایضاً، ص ۲۰۱

۲۳- ایضاً، ص ۲۰۲

۲۴- ایضاً، ص ۲۰۳

۲۵- ایضاً، ص ۲۰۴

۲۶- ایضاً، ص ۲۰۵

۲۷- ایضاً، ص ۲۰۶

۲۸- ایضاً، ص ۲۰۸

۲۹- ایضاً، ص ۴۱

۳۰- ایضاً، ص ۶۳

۳۱- ایضاً، ص ۶۴

۳۲- ایضاً، ص ۶۵

۳۳- ایضاً، ص ۶۶

۳۴- ایضاً، ص ۶۷

۳۵- ایضاً، ص ۶۸

۳۶- ایضاً، ص ۶۹

۳۷- ایضاً، ص ۷۰

۳۸- ایضاً، ص ۷۱

۳۹- ایضاً، ص ۷۷

۴۰- ایضاً، ص ۷۸

۴۱- ایضاً، ص ۷۹

۴۲- ایضاً، ص ۸۰

۴۳- ایضاً، ص ۸۲

۴۴- ایضاً، ص ۸۳

۴۵- ایضاً، ص ۸۶

۴۶- ایضاً، ص ۸۷

۴۷- ایضاً، ص ۸۸

۴۸- ایضاً، ص ۹۷

۴۹- ایضاً، ص ۹۸

۵۰- ایضاً، ص ۱۰۹

۵۱- ایضاً، ص ۱۲۳

۵۲- ایضاً، ص ۱۲۴

۵۳- ایضاً، ص ۱۲۵

۵۴- ایضاً، ص ۱۲۶

۵۵- ایضاً، ص ۱۲۷

۵۶-ایضاً،ص ۱۲۸

۵۷-ایضاً،ص ۱۲۹

۵۸-مطبوعہ رسالہ ندیم، پٹنہ، ۴۴۰ء، قاضی محمد سعید: مقالہ بہار میں اردو

/ ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ص ۱۲۹

۵۹-ایضاً،ص ۱۲۹

۶۰-ایضاً،ص ۱۳۰

۶۱-ایضاً،ص ۱۳۱

۶۲-فہرست نمائش، جلد اول، ص ۱۱

/ کیٹلاگ کتب خانہ آصفیہ، حصہ دوم، ص ۱۳۸۲

۶۳-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ص ۱۳۲

۶۴-ایضاً،ص ۱۳۳

۶۵-ایضاً،ص ۱۳۴

۶۶-ایضاً،ص ۱۳۵

۶۷-ایضاً،ص ۱۳۶

۶۸-ایضاً،ص ۱۳۷

۶۹-ایضاً،ص ۱۳۹

۷۰-ایضاً،ص ۱۴۰

۷۱-ایضاً،ص ۲۵۳

۷۲-ایضاً،ص ۲۵۴

۷۳-خان بہادر شاد علی شاد: تاریخ بہار شاد، جنوری ۱۸۹۳ء، پٹنہ عظیم آباد-

۷۴-محمد ظفیر الدین مفتاحی: امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، طبع اول، ربیع الاول، ۱۳۹۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۷۴ء، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

۷۵-حکیم سید شاہ محمد شعیب: آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، طابع: نشر دارالاشاعت، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۷۶-ان کتب کے نام کتاب کا ٹائٹل دیکھ کر لکھے گئے ہیں اور استفادہ بھی حاصل کیا گیا ہے

۷۷-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ص ۲۱۲

۷۸-ایضاً،ص ۲۱۳

۷۹-ایضاً،ص ۲۱۴

۸۰-ایضاً،ص ۲۱۵

۸۱-ایضاً،ص ۲۱۶

۸۲- ایضاً،ص۲۶۳

۸۳- ایضاً،ص۲۹۷

۸۴- ایضاً،ص۲۴۹

۸۵- ایضاً،ص۳۸۴

۸۶- ایضاً،ص۳۸۵ تاص۳۸۶

۸۷- ان کتب کے نام کتاب کا ٹائٹل دیکھ کر لکھے گئے ہیں اور استفادہ بھی حاصل کیا گیا ہے

۸۸- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۱۴۳

۸۹- ایضاً،ص۱۴۵

۹۰- ایضاً،ص۱۴۶

۹۱- ایضاً،ص۱۴۷

۹۲- ایضاً،ص۱۴۸

۹۳- ایضاً،ص۱۵۶

۹۴- ایضاً،ص۱۵۰

۹۵- ایضاً،ص۱۵۱

۹۶- ایضاً،ص۱۵۲

۹۷- ایضاً،ص۱۵۳

۹۸- ایضاً،ص۱۵۴

۹۹- ایضاً،ص۱۵۵

۱۰۰- ایضاً،ص۱۶۰

۱۰۱- ایضاً،ص۱۶۱

۱۰۲- ایضاً،ص۱۶۲

۱۰۳- تاریخ صحافت اردو جلد سوم،ص۱۰۷

۱۰۴- ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص۱۶۳

۱۰۵- ایضاً،ص۱۶۴

۱۰۶- ایضاً،ص۱۶۵

۱۰۷- ایضاً،ص۱۶۶

۱۰۸- ایضاً،ص۱۶۷

۱۰۹- ایضاً،ص۱۶۸

۱۱۰- ایضاً،ص۱۷۰

۱۱۱- ایضاً،ص۱۷۱

۱۱۲- ایضاً ص ۱۷۳

۱۱۳- ایضاً ص ۱۷۵

نوٹ :- اس تحقیقی مواد کے بعد عہد حاضر کے علمائے بہار اور ان کی علمی و دینی خدمات کو ملاحظہ کیا جائے-

باب چہارم

(فصل اول)

عہد حاضر کے علمائے بہار اور ان کی علمی و دینی خدمات

(۱۹۴۷ء......۲۰۰۱ء)

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی مدظلہٗ ابن سید شاہ نظام الدین احمد اورنگپوری:

ولادت:

۱۳۱ اکتوبر۱۹۴۲ء کو اپنی بڑی نانی مسماۃ بی بی قمر النساء زوجہ سید شاہ علیم الدین کے گھر واقع کوپا، ڈاکخانہ سنگھرہ، تھانہ بکرم ضلع پٹنہ، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم وتربیت ماں نے کی۔ باضابطہ تعلیم کا سلسلہ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں ہوا۔ ۱۹۵۱ء کو رحمت اللہ ماڈل ہائی اسکول کی تیسری جماعت میں کیا گیا۔ ابتدائی درسی کتابیں والدمحترم سید نظام الدین (مرحوم) اور عم محترم ضیاء الدین مدظلہٗ سے پڑھیں۔ ۱۹۵۹ء میں ڈھاکہ کے بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔(۱)

بقول سید قیام الدین نظام قادری الفردوسی ''میرے اندر مذہبی پختگی استاد محترم ملک عبدالرحمٰن صاحب مرحوم بن ملک حفیظ اللہ اسلام پوری اور مولانا ملک مصباح الحق مدظلہٗ بن ملک سجاد مقیم موضوع پیٹھانہ کی کوششوں کا ثمر ہے۔ ننا جان محترمہ کی تحریک اور استاد محترم سید محمد حسن رضا دائروی، مولانا محمد سعید حسرتؔ عظیم آبادی کے اشعار ونگارشات نے مجھ میں ادبی شعور پیدا کیا۔'' آپ نے بی اے کیا اور بینک کی ملازمت سے منسلک ہوگئے۔(۲)

شادی:

۱۹ سال کی عمر میں اپریل ۱۹۶۰ء کو چھوٹی پھوپھی کی دختر نفیسہ خاتون بنت سید محمد حنیف بن ڈاکٹر سید عبدالحلیم بن سید عبدالکریم عرف بلاتی بن سید اشرف علی بن سید لطف علی بن میر محمود علی ساکن کوپا، ڈاکخانہ سنگھرہ تھانہ بکرم، ضلع پٹنہ سے ہوئی۔

نفیسہ خاتون ایک نیک، شریف، تعلیم یافتہ اور دیندار گھرانہ سے تعلق رکھتی ہیں- ان کے بزرگ اعلیٰ سید محمود علی علیہ رحمۃ موضع کوپا، ضلع پٹنہ کے سربرآوردہ بزرگ ہستیوں میں شمار کئے جاتے ہیں- میر سید محمود علی کے پڑپوتے سید عبدالکریم عرف بلاقی یعنی محترمہ نفیسہ خاتن کے پردادا ایک بڑے زمیندار اور دیندار لوگوں میں تھے- آپ قصبہ منیر شریف کے قریب موضع کجاواں میں حضرت مخدوم تاج الدین عطاء اللہ بن مخدوم سلیمان لنگرزمین کاکوی بن شیخ عبدالعزیز بن امام محمد تاج فقیہہ فاتح منیر کے خاندان میں بیاہے گئے- (۳)

محترمہ نفیسہ خاتون کے دادا سید عبدالحلیم صاحب ایک کامیاب ڈاکٹر اور ہمدرد وغریب پرور انسان تھے- غرباء کا مفت علاج کرتے تھے- آپ کی شادی موضع کرریا کے سادات گھرانے میں مسماۃ بی بی نعیمن سے ہوئی تھی-

اولاد:

سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی مدظلہٗ کو بی بی نفیسہ خاتون صاحبہ کے بطن سے پانچ اولادیں ہیں- پسر اول: سید ندیم احمد نظامی، ۱۹۶۷ء کو پیدا ہوئے، آپ این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی سے میکینکل ٹیکنالوجی میں بی ای اور امریکہ سے ایم ایس کرنے کے بعد کینیڈا میں برسرکار ہیں- پسر دوم: سید فرخ احمد نظامی میکینکل ڈپلومہ انجینئر ہیں، ۱۹۶۹ء تاریخ پیدائش ہے، واٹر بورڈ کراچی کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر کینیڈا میں ملازمت کر رہے ہیں- پسر سوم: مولانا حافظ سید عون احمد نظامی، ڈی ایچ اے اسکول کراچی میں تدریسی امور انجام دے رہے ہیں، ۱۹۷۳ء تاریخ پیدائش ہے، لڑکیوں میں سیدہ وقار النساء تبسم سلمہا ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئیں، اپنے تمام بھائی بہنوں میں سب سے بڑی ہیں، جن کی دو بچیاں سمیہ احتشام سلمہا اور مائرہ احتشام سلمہا اس وقت اسکول میں زیر تعلیم ہیں- دختر دوم: سیدہ فاطمہ زہرہ عرف زوبی اپنے تمام بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں، ۱۹۷۵ء میں پیدا ہوئیں، جن کے بچے اُمامہ سلمہا اور سید محمد شہیر قادری سلمہ ابھی خوردسال ہیں- (۴)

سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی مدظلہ کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ ہے- آپ کے بزرگوں میں مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی، حضرت مولانا محمد حمید عظیم آبادی اور حضرت حافظ مولانا سید شاہ نذر الرحمٰن حفیظ عظیم آبادی، دینی و ادبی دونوں حلقوں میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے- سید شاہ قیام الدین کی قدر آور شخصیت، مسکراتا ہوا چہرہ محبت و خلوص سے آراستہ شخصیت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جدید علمائے بہار میں آپ اعلیٰ شخصیت کے مالک ہیں-(۵)

تصانیف:

آپ کی تصنیف "شرفاء کی نگری" کو علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی ہے- یہ کتاب دو جلدوں اور ساڑھے چھ سو (۶۵۰) صفحات پر مشتمل ہے- اس کتاب میں تقریباً نوے (۹۰) صوفیائے کرام، سترہ (۱۷) علمائے ذی احتشام اور چار (۴) سلاطین وقت کا ذکر خیر کیا گیا ہے-

شرفاء کی نگری کے بارے میں اہل قلم کی رائے:

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب (ادیب، صحافی، دانشور اور استاد شعبۂ صحافت، جامعہ کراچی) لکھتے ہیں:

> "شرفاء کی نگری کی تالیف سے بہار میں تبلیغ اسلام کی تاریخ کا اہم ترین باب مکمل ہوتا ہے، اس میں صوفیائے کرام کے حالات کے بیان کے لئے نہایت سادہ، سلیس اور رواں نثر کو اختیار کیا گیا ہے، عام مذہبی کتب کی طرح اس کے زبان و بیان میں قدامت پسندی کی چھاپ نہیں-"(۶)

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی دور حاضر کے ایک ایسے تذکرہ نگار ہیں، جنہوں نے صوبہ بہار کے صوفیوں اور علماء کے تذکروں کو محفوظ کرنے کو اپنا مقصد زندگی بنالیا ہے اور جو نہایت سنجیدگی اور انہماک سے

سالہا سال سے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں ان کی کتاب ''شرفاء کی نگری'' منظر عام پر آئی تھی، جس میں انہوں نے صوبۂ بہار کے پچاس سے زائد صوفیوں کے حالات زندگی اور نسب نامے محفوظ کر دیئے تھے۔ اس کتاب کو مذہبی اور علمی حلقوں میں بہت پذیرائی ملی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب فروخت ہوگئی۔ سید قیام الدین صاحب نے اس عرصے میں اپنا تحقیقی کام جاری رکھا اور نو دس سال کے عرصے میں شرفاء کی نگری کا دوسرا حصہ تیار کر دیا۔ اس حصے میں بہار کے چالیس صوفیائے کرام، سولہ علمائے کرام اور چار سلاطین کے حالات زندگی قلم بند کیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ ان مشاہیر کے حالات پر ہی مشتمل نہیں بلکہ ایک طرح سے صوبۂ بہار کی روحانی اور علمی زندگی کی تاریخ بھی قلم بند ہوگئی ہے۔ شرفاء کی نگری میں سیکھنے اور سمجھنے والوں کے لئے بے شمار سبق پوشیدہ ہیں۔ اس کتاب میں جن بزرگوں کا تذکرہ ہے، ان کی زندگیاں بے نفسی للّٰہیت انسان دوستی، ہمدردی وایثار، خدمت خلق اور احساس بندگی سے عبارت ہیں۔ انہیں پڑھ کر روح کی پیاس بجھتی ہے۔(۷)

سید محمد رضی ابدالی ''کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف میں مؤلف نے بے شمار کتابوں سے استفادہ کیا، یہ کتاب نہ صرف ان افراد کے لئے بے حد دلچسپی کی حامل ہے جو صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے حالات زندگی جاننے کے خواہشمند رہتے ہیں بلکہ یہ ایک عام قاری کے لئے بھی نہایت معلوماتی کتاب ہے جو یقیناً مؤلف کی ان کاوشوں کو سراہا جانا چاہئے۔''(۸)

ڈاکٹر مظہر حامد صاحب، کراچی یونیورسٹی، اپنے تبصرے میں ایک جگہ لکھتے ہیں: ''یوں تو بے شمار تذکرے لکھے گئے ہیں اور آئندہ بھی لکھے جائیں گے ''شرفاء کی نگری'' جسے قیام الدین نظام صاحب فردوسی نے بڑے سلیقے اور اہتمام سے ترتیب دیا ہے، اس میں ان کی بزرگانِ دین سے والہانہ عقیدت اور جذبۂ عشق کو بڑا دخل ہے، جو انہیں اس کتاب کے لئے نگر نگر پھراتا رہا، ان کی یہ مساعی اور انتھک محنت اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو اپنے اسلاف اور اسلام سے جو محبت ومودت ہے، وہ تحقیقی مواد جو قریہ قریہ جا کر اکٹھا کیا اور ایسی

تحقیق ہمیں دی، ان کی اس کاوش سے ہمارے بزرگان دین کے انساب اور سلسلہ ہائے مشائخ بالترتیب ہمارے سامنے کتاب کی صورت میں موجود ہیں۔''

جناب منظر علی خان منظرؔ (مرحوم)، سابق سینئر وائس پریذیڈنٹ حبیب بینک لمیٹڈ کا تبصرہ ہے کہ ''زیر نظر کتاب ''شرفاء کی نگری'' میرے دوست سید قیام الدین کی تحقیق اور عرق ریزی کی مرہون منت ہے۔ اس کتاب میں شامل جن صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے، خواہ وہ مختصر ہو یا مفصل اس کی تحقیق و جستجو خاصا مشکل کام تھا۔ برادرم قیام الدین اس طرح کا مشکل کام ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔..... مؤلف موصوف، ان کے بھائی اور بیٹے اچھا ادبی، مذہبی اور سیاسی ذوق رکھتے ہیں۔ تحریر و تقریر کا ہنر بھی خاندانی ورثہ ہے۔ جناب قیام الدین سادات بہار ایسوسی ایشن کے بانی اور سرگرم رکن ہیں۔ تنظیم کے تمام اجلاسوں میں اپنے مقالے پڑھتے رہے ہیں جو بہت پسند کئے گئے ہے۔ ماہنامہ ''شرف'' کراچی کی بنیادی رکھی اور معاونت کی۔ والد کی نسبت سے نظامی اور روحانی سلسلوں سے وابستگی کی بناء پر اپنے نام کے ساتھ قادری الفردوسی لکھتے ہیں۔ اپنے پیر کے چہیتے اور مخدوم جہاں کے شیدائی ہیں خشیت الٰہی، حب، رسولؐ، آل واصحاب نبیؐ سے تعلق قلبی اور اولیائے کرام سے عقیدت ان کا مسلک ہے۔ خلوص و محبت، نیکی و شرافت، سادگی وانکساری اور کم گوئی ان کی فطرت۔''

جناب سید شبر امام صاحب، دہلی سے اپنے ایک مکتوب میں شاہ صاحب کو لکھتے ہیں: ''بہر حال آپ کی تصنیف ''شرفاء کی نگری'' کا سرسری مطالعہ کیا، آپ کی محنت اور کاوش پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اس کساد بازاری کے دور میں آپ نے کس کس مراحل سے گزر کر اس تصنیف کو وجود میں لایا ہوگا، ایک تحقیق اور دستاویز ہے۔''

سید عاشق رسول امین کے تبصرے میں ہے کہ: ''مؤلف نے ابتدائی صفحات میں تالیف سے متعلق فروگزاشت کی معذرت کر لی ہے لیکن قاری کے حق تنقید و تبصرہ سے انکار ممکن نہیں، ''من صنف سیتہدف'' کے

بمصداق لوگ اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے کتاب کی خوبی وخامی پر نظر ڈالیں گے- بایں ہمہ راقم الحروف کے نزدیک قیام صاحب کی یہ علمی کاوش عہد حاضر کے تناظر میں کارے وسخت کارے، دردے وسخت دردے والی حقیقت ہے- سات سو صفحات کی دو جلدوں کو ترتیب کرنا کوئی آسان کام نہیں- اس راہ میں دو چار نہیں سینکڑوں سخت مقام آتے ہیں- آج کی ہوشربا گرانی میں کتابت وطباعت کے اخراجات کا تحمل بذات خود بڑے حوصلے کی بات ہے-

ایں سعادت بزور بازو نیست..... قیام صاحب نے اپنی کمزور صحت اور بینک کی پیشہ ورانہ مصروفیت کے باوجود اہل علم وادب کے لئے جو تحفہ فراہم کیا ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے اور موصوف کے ذوق علمی کی دلیل ہے، اس کی تحسین و پذیرائی سے خود کو محروم رکھنا بہت بڑی محرومی ہوگی اس لئے یہ کتاب برصغیر کے مسلم معاشرے کی تعمیر میں اہل تصوف کے کردار کی دستاویز ہے، جس میں عہد وسطی کے معاشرتی حالات سے متعلق وافر مواد موجود ہے- مجھے یقین ہے کہ علمی حلقے میں یہ کاوش بہ نظر استحسان دیکھی جائے گی-''

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب مدظلہ، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سے اپنے ایک خط میں شاہ صاحب کو تحریر فرماتے ہیں: ''آپ کی کتاب ''شرفاء کی نگری'' موصول ہوئی، کیسا پیارا نام ہے اور کیسے پیاروں کا ذکر ہے، سبحان اللہ، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے، آمین ثمہ آمین، بہت بڑا کام کیا ہے، ماشاء اللہ-''

حضرت سید شاہ قیام الدین صاحب نظامی قادری اشرفی صوفی مزاج بزرگ ہیں، آپ سلسلہ قادریہ فردوسیہ میں نجم اصابرین شرف عارفین حضرت سید شاہ محمد مصطفی حسن فردوسی قدس سرہ سے بیعت و ارادت رکھتے ہیں- مرشد نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ساتھ سجادگی پر بٹھایا اور پھر بیماری کی بناء پر محفل میں شرکت نہ کرنے پر آپ کو سجادگی پر رونق افروز ہونے کا حکم دیا- بعد وصال حضرت شاہ حسین فردوسیؒ آپ کی

سال ان کے در دولت پر ان کی سجادگی پر بیٹھے اور سالانہ عرس میں شریک رہے۔ گزشتہ تین چار سال سے آپ اپنے مکان نمبر R-424، بلاک-14، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں اپنے پیر کا عرس منعقد کرتے ہیں۔ سید شاہ قیام الدین فردوسی صاحب کو اجازت و خلافت سلسلہ قادریہ فردوسیہ اور منعمیہ وغیرہ کی اپنے رشتہ کے ماموں حضرت سید شاہ محمد اصغر حسین زیدی قادری منعمی سے ملی ہے اور حضرت صوفی شمیم احمد خان مدظلہٗ نے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور ابوالعلائیہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

نجم الصابرین شرف العارفین حضرت سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی قدس سرہٗ:

حضرت سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی قدس سرہٗ سلسلہ قادریہ شطاریہ اور فردوسیہ کے بڑے فیض و برکت والے بزرگ تھے۔ اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد اور ذاکر بزرگ تھے۔ شب خیزی اور گریہ وزاری آپ کی فطرت تھی۔ اپنے مریدوں، معتقدین کی تعلیم و تربیت بڑی محنت سے کیا کرتے تھے۔

حضرت سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو بہار شریف کے محلہ شیر پور اپنی نانیہال میں پیدا ہوئے، اپنے بڑے بھائی سید نبی حسن اور دو بہنوں کے ساتھ اپنی نانیہال میں پروان چڑھے۔ ابتدائی تعلیم نانا جان سید امیر حسینؒ اور والد بزرگوار سید علی حسنؒ سے ہوئی۔ آپ عربی، فارسی اور ابتدائی دینی تعیم کے لئے اپنے نانا مرحوم کی تعمیر کردہ مسجد اور مدرسہ میں بٹھائے گئے، جہاں قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر کچھ دنوں مدرسہ عربیہ عزیزیہ بہار شریف میں زیر تعلیم رہے اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم مدرس اعلیٰ کے درس میں شریک ہوئے، بعد میں آپ کو انگریزی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، والدین کی اجازت سے بہار ٹاؤن اسکول سے میٹرک کیا، بی این کالج پٹنہ سے انٹر اور بی اے کیا۔ آپ نے پٹنہ یونیورسٹی سے تاریخ اسلام میں اول درجہ سے ایم اے کیا۔

تقسیم کے بعد آپ نے مرکزیہ میں صحافت کی بھی تعیم حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ مشرقی

پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے شہر ڈھاکہ تشریف لائے اور اپنے لئے صحافت کے میدان کو منتخب فرمایا- مشرقی پاکستان کے پہلے اور واحد اردو اخبار کے آپ مالک اور چیف ایڈیٹر تھے- جناب سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی اپنی کتاب ''شرفاء کی نگری'' حصہ اول میں تحریر فرماتے ہیں:

''اردو روزنامہ ''پاسبان'' ڈھاکہ مشرقی پاکستان کا پہلا اور واحد اردو اخبار ہوتے ہوئے کسمپرسی کا شکار رہا، ان حالات کے باوجود ''پاسبان'' اپنی بساط بھر اپنی صحافت ذمہ داری سقوط ڈھاکہ تک پہنچاتا رہا، سرزمین بنگال پر اردو کی ترقی و ترویج کے لئے کوشاں رہا، حضرت کی ادارت میں چلنے والا یہ اخبار سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی جنگ لڑنے کے ساتھ ساتھ مذہبی میدان میں شریعت، طریقت، حقیقت اور تصوف کے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی انجام دیتا رہا-''

میاں ظفیر احمد صاحب، جو ایک سینئر صحافی ہیں اور روزنامہ ''پاسبان'' ڈھاکہ سے ایک مدت تک منسلک رہے (۹) روزنامہ ''نوائے وقت'' مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۴ء میں اپنے ایک مضمون ''مشرقی پاکستان کی اردو صحافت سے وابستہ ہم سفروں کی یاد میں'' تحریر فرماتے ہیں:

''اخبار کے مالک اور چیف ایڈیٹر (سید محمد مصطفیٰ حسن) مالی طور پر کمزور نہیں ہیں بلکہ یہاں کی زمین اردو صحافت کے لئے بڑی سنگلاخ ہے، بڑی مشکلات ہیں، یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مشرقی پاکستان میں چھوٹے چھوٹے کئی بریف کیس یا ذمی اخبارات نکلتے رہے اور سب کے سب بچپن کی موت مرتے گئے، صرف ایک روزنامہ ''پاسبان'' نکلا، وحد اخبار تھا جو اپنی تاریخ اجراء سے لے کر بائیس سال تک مسلسل پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ سید مصطفیٰ حسن پڑھے لکھے بہت شریف اور نجیب الطرفین سید ہیں- اللہ نے وسائل دے دیئے، مسلم لیگ، تحریک پاکستان اور پاکستان سے محبت تھی اس لئے پاکستان کی خدمت کرنے کے لئے اس میدان میں آ گئے تھے اور جب تک حالات نے مجبور نہیں کر دیا میدان میں ڈٹے رہے-

پاکستان میں یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ مشرقی پاکستان میں ۲۲ سال کے عرصے تک اردو صحافت کی شمع جلائے رکھنے والا یہ شخص پاکستان ہی میں ہے اور گزشتہ ۹ سال سے بستر پر مفلوج پڑا ہے، میں جب بھی ان کی عیادت کو جاتا ہوں تو ان کے پاس بیٹھا ٹک ٹک خاموش ان کا چہرہ دیکھتا رہتا ہوں، اتنی طویل علالت اور ایسا نورانی چہرہ میں ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہوں، ایک نیک، شریف انسان کو ایسی جسمانی مجبوری اللہ کے بھید اللہ ہی جانتا ہے۔(۱۰)

حضرت سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی قدس سرہٗ سلسلہ فردوسیہ کے صاحب مجاز بزرگ تھے۔ آپ سلطان المحققین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسیؒ کی خانقاہ کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ محمد سجاد علیہ الرحمۃ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ کو مرشد سے تمام ہی سلسلوں کی اجازت وخلافت تھی۔ بنگال، بہار اور پاکستان کے شہر کراچی میں آپ کے مریدوں اور معتقدین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اس سلسلہ میں جناب سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی مدظلہ اپنی مایہ ناز کتاب ''شرفاء کی نگری'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''پیرو مرشد حضرت الحاج سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی مدظلہ کی تعلیم وتربیت جس دینی ماحول اور انداز سے ہوئی اس کا نتیجہ تھا کہ آپ بچپن سے نیکی اور شرافت کے پیکر اور والدین واساتذہ کے فرمانبردار تھے۔ بچپن اور جوانی مشائخ کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی صحبت میں گزاری۔

نماز، روزہ، تلاوت کلام پاک اور درد و وظائف کے پابند رہے۔ پابندیٔ شریعت اور صوم وصلوٰۃ نے آپ کو تصوف کی طرف مائل کردیا تھ۔ کمسنی ہی سے فقراء اور درویشوں کی خدمت میں لذت محسوس کرتے۔ بہار شریف میں صاحب سلسلہ بزرگوں کی صحبت سے استفادہ کرنے کے شوق میں ان کی خانقاہوں اور تکیوں پر حاضری دیتے۔ ۱۹۵۶ء میں اپ مخدوم جہاں کے سجادہ جناب حضور سید محمد سجادؒ کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد پیر ومرشد کی خدمت کا کوئی لمحہ ضائع نہ جانے دیا اور پیر کی

صحبت وخدمت سے خوب خوب مستفیض ہوئے- آپ جناب حضور کے سب سے چہیتے مرید تھے، آپ کو بھی اپنے مرشد سے عشق کی حد تک محبت تھی-

آخر جناب حضور سید شاہ محمد سجاد قدس سرہٗ نے آپ کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے سرفراز کیا اور ۱۹۶۸ء میں خلافت دے کر تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی- جس دن خلافت و اجازت دینے کی تقریب منعقد ہوئی اسی دن حضرت سید شاہ محمد سجاد قدس سرہٗ نے آپ کو ساتھ لے کر مخدوم جہاں کے روضۂ اقدس پر حاضری دی- فاتحہ خوانی کے بعد چادر چڑھائی گئی- اس کے بعد جناب حضور نے شاہ کا ہاتھ پکڑ کر مخدوم جہاں کے روضۂ اقدس کے قریب کرتے ہوئے فرمایا ''حضرت! میں نے اپنی بساط بھر اپنا کام انجام دے دیا ہے، اب مصطفیٰ حسن کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، ان کی رہنمائی فرمائیں-''

حضرت سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی کا معمول تھا کہ ڈھاکہ سے سال میں کئی بار بہار شریف تشریف لے جاتے- مخدوم جہاں کے روضۂ اقدس، حجرہ شریف اور چلہ گاہ، واقع راجگیر پر حاضر ہو کر عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار میں وقت گزارتے- ڈھاکہ میں قیام کے دوران مخدوم جہاں کے استاد اور خسر حضرت علامہ اشرف الدین ابوتوامہ قدس سرہٗ کے مزار اقدس سنار گاؤں تشریف لے جاتے اور چلہ کش رہتے- اس طرح آپ نے اپنے اوقات عزیز کو گوشۂ تنہائی میں صرف کر کے باطنی فیوض و برکات حاصل کیے-

کراچی میں ۱۹۸۴ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا، حضرت مجمع الصابرین شرف العارفین سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن فردوسی کو شاعری کا ذوق تھا- اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے- آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ غالب ہے- تصوف سے فطری لگاؤ کی بناء پر آپ نے حمد و نعت زیادہ کہے ہیں- نعت شریف بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں پڑھتے تھے-

وصال:

آپ کا وصال ٦ نومبر ۱۹۹۷ء بمطابق ۵ رجب ۱۴۱۸ھ، بروز جمعرات بوقت دو بج کر دس منٹ پر

دوپہر میں کراچی میں ہوا۔ سخی حسن قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی ان کے بہترین مرید ہیں۔(۱۱)

علامہ سید سلیمان ندوی:

علامہ سید سلیمان ندوی جو ایک عہد آفریں و نابغۂ روزگار شخصیت تھے(۱۲) مولانا سید سلیمان ندوی کے والد کا نام ابوالحسن تھا۔ صوبۂ بہار کے ایک مردم خیز گاؤں دیسنہ، ضلع پٹنہ میں ۲۲ صفر ۱۳۰۲ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔(۱۳)

علامہ سید سلیمان ندوی برصغیر پاک و ہند کی ایک ایسی ہمہ گیر، جامع صفات اور عظیم شخصیت تھی جس کی دیدہ وری کی مثال زمانہ بڑی مشکل سے پیدا کر سکے گا۔ آپ کی شخصیت میں جنید و شبلی کا زہد و اتقاء اور علم و دانش، رازی کی عقل پسندی اور غزالی کی فکر رسا موجود تھی۔ آپ کی یادداشت اور تنظیم ذہنی اس صدی میں ضرب المثل تھی۔ مختلف مضامین اور صدہا کتب ترتیب کے ساتھ ذہن سلیمانی میں محفوظ تھیں۔ تحریر و تقریر کے وقت یکے بعد دیگرے مضامین ذہن رسا سے برآمد ہوتے تھے جنہیں دیکھ کر اہل علم انگشت بدنداں ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، کوئی سا مضمون ہو جب درس کے لئے کتاب ہاتھ میں لیتے تھے تو مضمون پر چھا جاتے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اس پائے کا استاد نہیں پیدا ہوا۔ ہر مضمون فقہ، حدیث(۴)، تفسیر، تاریخ، ادب، منطق، فلسفہ، نفسیات غرض جس مضمون کو ہاتھ لگاتے اپنی فکر و نظر سے ان کے اسباق کی تشریح و توضیح میں چار چاند لگا دیتے تھے۔ آپ کی تصانیف عظیم اور نادر روزگار ہیں۔ ہر کتاب تفحص اور جستجو، معنی آفرینی اور ذوق طلب کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور دور جدید میں ریسرچ کا ایک عظیم الشان کارنامہ مہتم بالشان تصنیف سیرۃ النبیؐ کی ۷ جلدیں ہیں۔(۱۵)

تصانیف:

۱۔ **لغات جدیدۃ:** ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی میں طے ہوا کہ عربی کے

جدید الفاظ کی ایک ڈکشنری ترتیب دی جائے، چنانچہ یہ کام سید صاحب کے سپرد کیا گیا جسے انہوں نے دو برس میں پورا کر کے ۱۹۱۲ء کے اجلاس لکھنؤ میں، جس کے صدر علامہ رشید رضا مصری تھے، پیش کیا، یہی ڈکشنری ''جدیدۃ'' کے نام سے ۱۹۱۲ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔(۱۶)

۲-ارض القرآن: یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۱۷ء اور دوسری ۱۹۱۸ء میں دارالمصنفین سے شائع ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں مولوی مظفر الدین ندوی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔(۱۷)

۳-سیرت النبیؐ: سیرت النبیؐ کی سات جلدیں ہیں۔ یہ سات جلدیں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کا ترجمہ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ ترکی اور دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی ان کے تراجم شائع ہو رہے ہیں۔ سیرت کی یہ سات جلدیں تاریخ اور سیرت کے عنوان سے بے مثال ہی نہیں بلکہ ان کا ادبی معیار بھی بلند اور اچھوتا ہے۔(۱۸)

۴-سیرت عائشہ: یہ کتاب بھی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔

۵-خطبات مدارس: سید صاحب نے اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدراس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی دعوت پر مدراس کا سفر کیا اور وہاں سیرت نبویؐ پر آٹھ خطبات دیئے جو ''خطبات مدارس'' کے نام سے چھپ کر ۱۹۲۶ء میں منصہ ظہور پر آئے۔ یہ خطبات سیرت نبویؐ کا جوہر اور عطر ہیں۔

۶-عرب و ہند کے تعلقات: مارچ ۱۹۲۹ء میں سید صاحب نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی دعوت پر ''عرب و ہند کے تعلقات'' کے موضوع پر خطبات پڑھے جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا وہ عہد زریں یاد دلایا ہے جب دونوں گوناگوں اور مختلف النوع تعلقات کے رشتوں میں منسلک تھے۔ ان خطبات کو ہندوستانی اکیڈمی نے ۱۹۳۰ء میں عرب و ہند کے تعلقات کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔

۷-عربوں کی جہاز رانی: مارچ ۱۹۳۱ء میں سید صاحب نے حکومت بمبئی کے (۱۹) شعبۂ تعلیم کی

فرمائش پر انجمن اسلام ہال بمبئی میں عربوں کی جہاز رانی پر چار لیکچر دیئے، یہ خطبات ۱۹۳۵ء میں معارف پریس اعظم گڑھ میں طبع ہوکر دارالمصنفین سے شائع ہوئے۔ ان کا انگریزی ترجمہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔

۸۔ خیام: دسمبر ۱۹۳۰ء سید صاحب نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں ایک مقالہ پڑھا تھا، اس کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ سید صاحب نے اس میں رباعیات کے مباحث بڑھا کر ایک مستقل کتاب کی شکل دے دی۔ یہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی، یہ سید صاحب کی اہم ترین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔

۹۔ نقوش سلیمانی: سید صاحب اردو زبان و ادب اور اس کی تاریخ سے متعلق جو مضامین لکھتے تھے اور اردو کانفرنسوں میں جو معرکتہ الآراء خطبے پڑھتے تھے، ۱۹۳۹ء کے اواخر میں ''نقوش سیمانی'' کے نام سے ان کا ایک مجموعہ شائع کیا۔

۱۰۔ رحمت عالم: ۱۹۴۰ء میں سید صاحب نے بچوں کے لئے آسان و سلیس زبان میں سیرت نبویؐ کی ایک مختصر کتاب تالیف کی۔ یہ اتنی مقبول ہوئی کہ ہندی اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔(۲۰)

۱۱۔ حیات شبلی: یہ کتاب ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ مقالات سلیمان: سید صاحب کی وفات کے بعد دارالمصنفین نے معارف اور دوسرے رسائل میں منتشر سید صاحب کے علمی مضامین کو یکجا کر کے ''مقالات سلیمان'' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے جس کی تین ضخیم جلدیں اب تک طبع ہو چکی ہیں۔

۱۳۔ مکتوبات سلیمان: سید صاحب کے خطوط و مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ سب

سے پہلا مجموعہ ''برید فرنگ'' کے نام سے خود سید صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۵۲ء میں مکتبۃ الشرق کراچی سے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مجلس نشریات اسلام کراچی سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔(۲۱)

۱۴۔ یادِ رفتگاں: نثری مرثیوں یا ماتمی مضامین کا مجموعہ ہے جسے سید صاحب نے کراچی کے زمانۂ قیام میں مرتب کر لیا تھا مگر ان کی وفات کے چند سال بعد ۱۹۵۵ء میں ان کے خویش سید ابو عاصم ایڈووکیٹ نے مکتبۃ الشرق کراچی سے شائع کیا۔(۲۲)

وفات:

۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو اتوار کے دن ساڑھے سات بجے شام کو کراچی میں وفات پائی اور احاطۂ قبور اسلامیہ کالج کراچی میں مدفون ہوئے۔ (نوٹ: سلیمان ندوی صاحب کے بارے میں بقیہ ادبی خدمات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے)(۲۳)

مولانا شاہ محمد معین الدین آرویؒ:

زبدۃ الاصفیا حضرت مولانا شاہ محمد مصلح الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محمد معین الدین احمد نام، معین تخلص، عاشقِ رسولؐ، ۱۳۰۵ھ میں آرہ میں پیدا ہوئے۔ تربیت آرہ میں پائی۔(۲۴) آپ کے دادا شاہ محمد فرید الدین سلطان المشائخ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم فارسی، عربی اور خوش نویسی اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ عربی درس نظامی کی تکمیل مولوی حکیم عبدالوہاب آروی، مولوی ماجد علی جونپوری، مولانا مفتی رحیم بخش آروی سے کی۔

دستار بندی اور سند فراغ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی نے مدرسہ فیض الغرباء آرہ کے جلسۂ عام میں دی۔ بعد فراغت دہلی جا کر طب پڑھی اور سند تکمیل شفاء الملک حکیم رضی الدین خاں مرحوم سے حاصل کی۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد والد ماجد قدس سرہٗ سے سلسلۂ قادریہ مجددیہ آبادانیہ میں بیعت کی اور

تکمیل سلوک کے ۳۰ سال بعد سلاسل قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ کی اجازت سے مشرف ہوئے۔ رشید وہدایت، تبلیغ میں بقیہ عمر صرف کی۔

وفات:

۱۱ جمادی الاول کو خانقاہ قصبہ راٹن ضلع مونگیر میں عرس ہوتا ہے۔ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء یوم شنبہ کو انتقال ہوا۔(۲۵)

تصنیفات:

میلا دتحفۃ الرسول، رسالہ اذان در تائید فاضل بریلوی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی شاہ محمد ابراہیم سمتی پوری شیخ الحدیث ومفتی بدایوں نے ذیل کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے:

قطب دیں شاہِ معین الدین نام — شیخِ دوراں عابد مرد خدا

باخدا پیوست، خود را واگزاشت — قصرِ جنت بہراو شد مُتکاء

گفت ابراہیمؔ سال رحلتش — وارث دین رسولِ دوسرا

۳۸ ھ ۱۳ (۲۶)

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین قدس سرہٗ:

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء کو موضع رسول پور میجرہ ضلع پٹنہ (عظیم آباد) میں پیدا ہوئے۔(۲۷)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ بلاشبہ کٹر بریلوی تھے۔(۲۸) آپ کے والد محمد عبدالرزاق سچے اور مخلص حنفی مسلمان تھے۔(۲۹) ان کا سلسلۂ نسب سید ابراہیم عرف ملک بیا سے ملتا ہے، جو

ساتویں پشت میں سید عبدالقادر جیلانی سے جا کر ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ قادری لکھا کرتے تھے، بعد میں انہوں نے قادری کے ساتھ رضوی کا بھی اضافہ کیا ہے جو اپنے استاد مولانا احمد رضا خان بریلویؒ سے تعلق کا اظہار تھا- مولانا کا نام والدین نے ظہیر الدین رکھا تھا لیکن ان کے استاد احمد رضا خان بریلویؒ نے نام کو ظفر الدین کر دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے- ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی- اس کے بعد اپنے نانیہال موضع بین چلے گئے، جہاں مدرسۂ غوثیہ حنفیہ میں داخلہ لیا- وہاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد پٹنہ چلے گئے جو اس وقت کانپور میں مولانا محمد حسن کانپوری سے منطق کی کتابیں پڑھیں- مولانا عبیداللہ کانپوری اور قاضی عبدالرزاق کانپوری سے بھی علمی استفادہ کیا- کانپور سے فارغ ہو کر پیلی بھیت پہنچے، جہاں اپنے سابق استاد مولانا وصی احمد محدث سورتی سے، جو پٹنہ سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے، حدیث کا درس لیا- اس کے بعد بانس بریلی میں اپنے علم کی تشنگی بجھائی-

آخری خوب سے خوب تر کی تلاش میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا- مولانا بریلوی نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور انہیں ملک العلماء فاضل بہار کے خطاب سے نوازا- مولانا ظفر الدین اور دیگر اصحاب کے مشورہ پر ''مدرسہ منظر الاسلام'' کی بنیاد ڈالی جہاں سے انہوں نے اپنی تدریس کا آغاز کیا- ۱۳۲۹ء میں شملہ میں ایک عالم اور خطیب کی ضرورت کی اطلاع ملی تو مولانا بریلویؒ نے مولانا ظفر الدین کا انتخاب کیا- اگلے سال انہیں وہاں سے مولانا عبدالوہاب الہ آبادی کے ''مدرسہ حنفیہ'' آرہ ضلع شاہ آباد میں مدرس بنا کر بلا لیا گیا- ۱۹۱۲ء میں عظیم آباد (پٹنہ) میں (۳۰) سید نورالہدی نے اپنے والد سید شمس الہدیٰ کے نام پر ''مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ'' قائم کیا، جہاں انہیں مدرس حدیث مقرر کیا گیا- وہاں وہ فقہ اور تفسیر کا درس بھی دینے لگے پٹنہ میں وہ مدرس ول کے عہدہ پر فائز تھے- ۱۹۱۶ء میں شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کی درخواست پر صدر مدرس ہو کر وہاں چلے گئے اور پانچ سال تک

تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۹۲۱ء میں جب حکومت بہار نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) کو اپنے انتظام میں لے لیا تو مولانا ظفر الدین وہاں سینئر مدرس ہوکر آ گئے اور ۱۹۴۸ء سے پرنسپل کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس سال علمی خدمات انجام دے کر ریٹائر ہوئے۔ آخری زمانے میں کبرسنی کی وجہ سے وہ اپنے مکان ظفر منزل، محلہ شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم ہوگئے تھے۔ عمر کے آخری ایام میں تصنیف و تالیف اور وعظ و نصیحت کا مشغلہ جاری رہا۔ (۳۱)

مخدوم آل رسول مارہروی، حضرت مولانا صدر الدین خاں، حضرت شاہ غلام علی برادر زادہ مولانا مخصوص اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، حضرت شاہ ابو سعید اور ان کے صاحبزادے حضرت احمد سعید مجددی، مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی، مولانا شاہ عبد الغنی پھلواروی مولانا شاہ عبد الغنی پھلواروی قدست اسرارھم آپ کے مشہور اور نادر روزگار تلامذہ سے تھے۔ (۳۲)

تصانیف:

الجامعہ الرضوی (۶ جلدوں میں)، حیات اعلیٰ حضرت (۲ جلد)، ظفر الدین المجید (مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، مواھب ارواح القدس بکشف حکم العرس (مرقومہ ۱۳۲۴ھ)، مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل مصطفی (مرقومہ ۱۳۲۴ھ)، التعلیق الضروری علی القدوری (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیہ الی المساجد (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، بسط الراحد فی الحظر والاباحہ (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، فیض الرضوی فی تکمیل الحموی (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، شکست سفاہت (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، المجمل المعدد لتصنیفات المجدد (مرقومہ ۱۳۲۷ھ)، نجم الکثیرہ علی الکلاب الممطرہ

(مرقومہ۱۳۲۸ھ)، النبراس لدفع ظلام المنھاس (مرقومہ۱۳۲۹ھ)، توضیع التوقیت (مرقومہ۱۳۳۰ھ)، التعلیق المقتنی عن شرح المغنی (مرقومہ۱۳۳۱ھ)، رفع الخلاف من بین الاحناف (مرقومہ۱۳۳۲ھ)، نزدل السکینہ باسانید الاجازت المتینہ (مرقومہ۱۳۳۳ھ)، خیر السلوک فی نسب الملوک (مرقومہ۱۳۳۳ھ)، جواہر البیان فی ترجمہ الخیرات الحسان (مرقومہ۱۳۳۳ھ)، القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (مرقومہ۱۳۳۳ھ)، گنجینۂ مناظرہ (مرقومہ۱۳۳۴ھ)، کشف المستور عن مناظرہ رامپور (مرقومہ۱۳۳۴ھ)، موذن الاوقات (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، بدر الاسلام لمیقات (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، عافیہ (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، وافیہ (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، تقریب (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، تذہیب (مرقومہ۱۳۳۵ھ)، القصر المبنی علی بناء المغنی (مرقومہ۱۳۳۶ھ)، تحفۃ الاحباب فی فتح الباب (مرقومہ۱۳۳۶ھ)، نظم المبانی فی حروف المعانی (مرقومہ۱۳۳۶ھ)، تحفۃ الاحبار فی احوال الاخبار (مرقومہ۱۳۳۷ھ)، الاکسیر فی علم التفسیر (مرقومہ۱۳۳۷ھ)، سرور المحزون فی صبر عن نور العیون (مرقومہ۱۳۳۸ھ)، ھادی الھداۃ ترک الموالات (مرقومہ۱۳۳۹ھ)، الاصلاح باغلاط الایضاح (مرقومہ۱۳۳۹ھ)، سلم الافلاک (مرقومہ۱۳۴۰ھ)، نصرۃ الاحباب باقسام ایصال الثواب (مرقومہ۱۳۵۴ھ شمسی پریس پٹنہ، ص۱۶۲)، شجم الاکثرہ، المجمل القدر، تنویر السراج، وغیرہا۔(۳۳) تفسیر عزیزی اور روافض کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ مشہور کتاب ہے۔(۳۴) اصح الصحیح الببار بھی مشہور ہے۔

وفات:

۱۸ نومبر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ میں وفات پائی مزار شاہ گنج قبرستان پٹنہ میں ہے۔ تذکرہ علمائے اہلسنت میں وفات بروز یکشنبہ ۷ شوال المکرم ۱۱۳۹ھ درج ہے۔(۳۵)

حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہٗ العالی:

آپ کے والد ماجد بحر الاسرار حضرت شاہ عبد العلیم آسی قدس سرہٗ کے مرید اور سلسلۂ رشیدی کے سالک تھے- اسی نسبت سے آپ کا نام غلام رشید تجویز فرمایا- دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں تکمیل درسیات کی کچھ عرصہ تک ناگپور میں بسلسلۂ تدریس مقیم رہے، تقریباً ۱۹۵۴ء میں جمشید پور میں مشہور دیوبندی عالم مولوی عبد اللطیف اعظمی سے کامیاب مناظرہ کیا- کمپنی سے زمین حاصل کر کے عظیم الشان ''مدرسہ فیض العلوم'' قائم کیا- بڑے بڑے مناظروں میں اہل سنت کے دفاع میں اہل بطالت وضلالت کو شرمناک ذلتیں دیں-

قوت عمل میں اپنا نظیر نہیں رکھتے، ''جام کوثر'' پندرہ روزہ اخبار کلکتہ سے نکالا، اس کے بعد ''جام نوری'' جاری کیا- علامہ منفرد اسلوب تحریر کے مالک ہیں- بلا مبالغہ آپ کو صاحب طرز انشاء پرداز کہا جاسکتا ہے- جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر عقل واستدلال کی روشنی میں نقد وتبصرہ کی کتاب ''جماعت اسلامی'' کی متانت، سلجھے ہوئے اسلوب کی امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث نے تعریف کی ہے اور اس کا وزن محسوس کیا ہے- ۱۳۸۸ھ میں سیوان ضلع چھپرہ صوبہ بہار میں صوبائی سنی کانفرنس کا انعقاد اور اجلاس کے بطن سے پیدا شدہ ''ادارۂ شرعیہ بہار'' آپ کی زندگی کا اصل کارنامہ ہے ایک مست نے سرشار بادۂ حب نبوی نے پورے بہار کے سنی مسلمانوں کو ہوشیار وفرزانہ بنا دیا ہے- اب ادارۂ شرعیہ (۳۶) بہار کی عمارت ''ایوان شریعت'' تیار کرانے کے لئے راحت وآرام کو ختم کر کے رات دن سفر میں ہیں- اللہ نے آپ کو اپنے گھر اور اپنے حبیب کی آرام گاہ کا دیدار بھی کرا دیا ہے- (۳۷)

حضرت شاہ جعفر علی فریدی قدس سرہٗ:

گورکھ پور محلہ الٰہی باغ میں غدر سے پہلے پیدا ہوئے حضرت شیخ الاصفیاء سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی قدس سرہٗ برادر بزرگ وپیر ومرشد حضرت قطب العالم شاہ علی حسین کچھوچھوی اشرفی میاں قدس سرہٗ نے

نام رکھا اور فرمایا یہ لڑکا قطب ہوگا-نسباً شیخ فاروقی ہیں،نسلی رشتہ حضرت شیخ شہاب الدین کے واسطے سے شیخ الاسلام فرید الدین مسعود گنج شکر کان نمک قدس سرۂ تک پہنچتا ہے-

جامع مسجد گورکھپور اور مدرسۂ چشمۂ رحمت غازی پور، مدرسہ احمدیہ ملکی محلہ آرہ وغیرہ میں فارسی کی تعلیم پائی، شیخ المشائخ حافظ شاہ محمد فرید الدین جونپوری ثم آروی کے مرید ہوئے، حاضر خدمت سلوکی تعلیم پائی اور قادریہ، چشتیہ سہروردیہ، نقشبندیہ کی تربیت حاصل کی، سمتی پور میں سکونت کی، مدرسی کی اور تجارت کا مشغلہ کیا- تبلیغ اسلام میں بڑی جانفشانی کی دور دراز کا سفر کیا-(۳۸) سینکڑوں کو مسلمان کیا، مسلمانوں کے گھروں سے ہندوانی رسم ورواج دور کیا، گاؤں گاؤں پھر کر رشد وہدایت کی، بہتوں کو حلقہ بگوش قادریہ کیا- متوسلین میں مجاذیب بھی ہیں اور مساکین بھی، اصحاب کشف وطریقت نے کہا، مولوی شاہ جعفر علی فریدی علاقہ کھگریا وعلامہ سمری بختیار پور کے ہیں-

وفات:

۱۴ جمادی الاخری ۱۲۷۸ھ، شب جمعہ میں واصل بحق ہوئے، بعد نماز جمعہ خانقاہ قادریہ سربیلہ، ضلع سہرسا صوبۂ بہار میں دفن کیے گئے-

مولانا بدایونی نے یہ تاریخ کہی ہے:

شہ جعفر علی چوں کرد رحلت
ریاض علم دیں، شد آہ پامال
ضیاء سوئے جناں آں شیخ چو رفت
فقیہہ الاعظم عالم بگو سال(۳۹)

۱۲ ھ ۸۸

حواشی باب چہارم، فصل اول

۱-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، جلد اول، ص ۱۷۷
۲-(بالمشافہ) سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی،
۳-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، جلد اول، ص ۱۷۷
۴-ایضاً ص ۱۷۸
۵-بقلم خود، مہر النساء
۶-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، جلد اول (ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب: شرفاء کی نگری ایک تاثر) ص ۲
۷-سید قیام الدین نظامی قادری افردوسی: شرفاء کی نگری، جلد دوم، (ڈاکٹر طاہر مسعود: کچھ اس کتاب کے بارے میں)، ص ۸ تا ص ۹
۸-روزنامہ امن، کراچی، جمعرات ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۶ (سید محمد رضی ابدالی، کتابوں پر تبصرہ)
۹-بالمشافہ سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی
۱۰-روزنامہ نوائے وقت، مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۴ء، میاں ظفیر احمد، ''مشرقی پاکستان کی اردو صحافت سے وابستہ ہمسفروں کی یاد میں''
۱۱-بالمشافہ سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی
۱۲-قاضی سید عبدالحنان: ''علامہ سید سلیمان ندوی کی شان جامعیت''، بار اول جون ۱۹۹۰ء، ناشر، الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) مطبع نیوگرافر پریس، کراچی، ص ۲۷
۱۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۱۳
۱۴-محمد انیس الرحمٰن انیس ایڈووکیٹ: علامہ سید سلیمان ندوی، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۲ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء، ناشر، سید سلیمان ندوی، اکیڈمی، کراچی، ص ۷
۱۵-ایضاً ص ۸
۱۶-ایضاً ص ۸۸
۱۷-ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی: علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت و ادبی خدمت، ص ۸۹
۱۸-محمد انیس الرحمن انیس: علامہ سید سلیمان ندوی، ص ۸
۱۹-ایضاً ص ۹۰
۲۰-ایضاً ص ۹۱
۲۱-ایضاً ص ۹۲
۲۲-ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی: علامہ سید سیمان ندوی، شخصیت و ادبی خدمات، ص ۱۹۸

۲۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۱۳

۲۴-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد (پنجاب)، پاکستان، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۷

۲۵-ایضاً، ص ۲۲۷

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۸۷

/حکیم اسرارالحق: تاریخ اطبائے بہار، جلد ۲، ص ۱۸۳، ۱۹۸۴ء، پٹنہ

۲۶-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ۱۹۹۳ء، پاکستان، ص ۳۲۷

۲۷-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۳۳

۲۸-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۴۹

۲۹-ایضاً، ص ۲۴۸

۳۰-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، طبع اول، دسمبر ۲۰۰۴ء، ناشر علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، طابع فیئر فیلڈ پریس، اردو بازار، کراچی، ص ۳۹۷

۳۱-ایضاً، ص ۳۹۸

۳۲-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ۱۹۹۳ء، پاکستان، ص ۱۴۲

۳۳-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۵۰

۳۴-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۱۴۲

۳۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۳۳

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، شرفاء کی نگری، حصہ دوم، ص ۲۵۱

/مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۱۴۲

۳۶-ایضاً، ص ۶۷

۳۷-ایضاً، ص ۶۸

۳۸-مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۷۴، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان

۳۹-ایضاً، ص ۷۵

نوٹ:-اس تحقیقی مواد کے بعد بہار کے معروف ادباء، شعراء، صوفیاء اور ان کے دیوان کو ملاحظہ کیا جائے۔

باب پنجم

(فصل اول)

بہار کے معروف ادباء، شعراء، صوفیاء اور ان کے دیوان

ادباء، شعراء، صوفیاء اور بزرگان دین کی لسانی اور ادبی خدمات:

اردو زبان کی ترقی اور ترویج میں مسلمان فاتحین سے زیادہ صوفیائے کرام اور بزرگان دین کا ہاتھ رہا ہے۔ مسلمان فاتحین جہاں اپنی تلواروں سے ملک فتح کرتے تھے، وہاں یہ صوفیائے کرام اپنی محبت، خدمت اور تعلیم سے اس ملک کے رہنے والوں کے دل جیتتے تھے، ان کو کسی بادشاہ اور فوج کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، یہ فاتحین کے لشکروں کے پیچھے پیچھے نہیں چلتے تھے، بلکہ سلطانی فوجوں سے مستغنی آگے آگے چلتے تھے اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔

یہ صوفیائے کرام عوام سے انہیں کی بولی میں گفتگو کرتے اور تعلیم وتلقین کی کوشش فرماتے تھے اور اس طرح وہ اردو کی ترقی وترویج میں ارادی اور غیر ارادی طور پر بہت اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔(۱) عہد وسطیٰ میں عرب وعجم سے گروہ در گروہ صوفیائے دہلی ہوتے ہوئے بہار آئے اور اپنے فیض اور تعلیم وتبلیغ سے وہ روحانی، تہذیبی اور اخلاقی فضا پیدا کر دی جس نے صدیوں سے اجڑے ہوئے پاٹلی پتر (پٹنہ) کو ایک مرتبہ پھر ایشیائی تہذیب کا مرکز بنا دیا۔

ودیاپتی اور کبیر سے پہلے صوفیائے بہار نے یہاں کے عوام سے یہاں کی مقامی بولیوں میں گفتگو فرمائی ہے، جس کا ثبوت ان کی نظم ونثر کے قدیم نمونوں سے ملتا ہے۔ صوبۂ بہار مایہ ناز محقق پروفیسر حسن عسکری (پٹنہ کالج) نے اپنے ایک گرانقدر مقالہ ''قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت'' میں ان اثرات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اسلامی تصوف نے صوبہ بہار پر ڈالے اور اپنے نمایاں نقوش چھوڑے۔ اسلام کے ان روحانی سرچشموں نے اپنی وسیع المشربی اور رواداری سے ہندو سنسکرتی اور مسلم تہذیب کو ملانے میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے اور نتیجہ میں اردو زبان کی اشاعت اور ترقی بڑی محبت اور ہم آہنگی کے ساتھ ہوئی۔

بہار کے ایک بڑے صوفی حضرت قاضی شطاریؒ کا مقبرہ شمالی بہار میں ساڑھ اسنوب کے قریب ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلفاء میں سید حسین خنگ سوار کے تین اعزاء سید حسن خنگسوار، حضرت (۲) سید احمد اور ان کے بھانجے حضرت سید محمدؒ۔ حضرت شیخ فتو اور شیخ برہانؔ بہار کے مختلف حصوں میں عوام کو اپنی تعلیم و خدمت سے فیضیاب کرتے رہے۔ حضرت امام تاج فقیہہ یروشلم سے منیر (بہار) ۵۷٦ھ/۱۱۸۰ء میں تشریف لائے اور منیر کے راجہ کو شکست دے کر اس علاقہ کے لوگوں کو اس کے مظالم سے نجات دلائی اور پھر تین فرزندان حضرت اسرائیلؒ، حضرت عبدالعزیزؒ اور حضرت اسماعیلؒ کو جنوبی اور شمالی بہار میں بندگان خدا کی رشد و ہدایت کے لئے متعین فرما کر واپس فلسطین چلے گئے۔ حضرت مخدوم شہاب الدین جگجوت، حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ، حضرت حسین نوشہ توحید بلخی فردوسیؒ، حضرت حسن دائم جشن بلخی فردوسیؒ، حضرت مخدوم احمد لنگر دریا بلخی فردوسیؒ، حضرت سید مخدوم بدر عالم، حضرت ابراہیم بن ابوبکر موسوم بہ ملک بیاؒ، حضرت سید جلال الدین بلسہؒ، حضرت منہاج راستی پھلواروی، غرضیکہ فردوسیہ، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، مداریہ اور شطاریہ سلسلوں کے صوفیائے کرام کا ایک سیلاب تھا جو صوبۂ بہار کے چپہ چپہ پر امنڈ آیا اور وہاں کی سرزمین اور عوام کو روحانیت کے صاف و شیریں پانی سے سیراب کر گیا۔ (۳)

صوبۂ بہار میں قدیم اردو کے نمونے حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ (٦٦۱ھ-۷۸۲ھ) کے عہد سے ہی ہمیں ملنے لگتے ہیں۔ آپ کے دوہے، فالنامے، کنج مندرے، مجرب نسخے، نقش اور طلسمات اب منظر عام پر آ گئے ہیں مثلاً معدن المعانی میں جو حضرت مخدوم الملکؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر اختر اورینوی نے (پٹنہ کالج) اپنی تصنیف ''بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء'' میں حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کا ایک اور فالنامہ بھی درج کیا ہے، جو ان کو سید شاہ تقی حسن صاحب بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ کے ذاتی کتب خانہ سے ملا تھا، اس قلمی نسخہ کے کاتب حضرت میر

جعفر حسینؒ ہیں اور اس کی سنہ کتابت ۱۰۹۷ھ ہے۔(۴)

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے محبوب مرید اور جانشین حضرت مولانا مظفر بلخیؒ فردوسی کے بھی کچھ دوہے اور ملفوظات ملتے ہیں۔مکتوبات میں بھی کہیں کہیں ایسے دوہے نظر آ جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام عوام سے قریب ہونے کے لئے ان کی مقامی بولیوں میں نصیحت آمیز دوہوں کو اکثر منظوم کرتے رہتے تھے اور اس طرح زبان اردو کی تعمیر غیر ارادی طور پر ہوتی جارہی تھی۔(۵)

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے خالہ زاد بھائی اور ہم عصر حضرت مخدوم سید احمد چرم پوشؒ (درگاہ انبیر بہار شریف) کی زبان مبارک سے بھی نکلے ہوئے کچھ فقرے ضیاء القلوب میں ملتے ہیں۔(۶)

اردو زبان کے اصل خالق ہمارے صوفیائے کرام ہیں جو اسلام کی تبلیغ اور روحانی سرچشموں سے عالم کو فیضیاب کرنے کے لئے ہمہ دم مصروف اور سرگرداں رہتے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں پھر کر خدا کے بندوں کو اخلاق و مذہب کی باتیں بتاتے اور ان کے دل سے برائیوں اور جہالت کی کثافتوں کو دور کرنے میں منہمک رہتے تھے۔ وہ جس جگہ جاتے اور جن لوگوں سے ملتے ان سے ان ہی کی بولیوں میں اخلاق و مذہب کی باتوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ یہ عمل صدیوں تک ہوتا رہا اور اب وہی اردو کے قدیم نمونوں کی شکل میں ہمیں دستیاب ہیں۔

صوبۂ بہار کی قدیم خانقاہوں میں اردو نظم و نثر کے بہت سے ایسے نادر نمونے دیکھنے کو مل جاتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر دل جھوم اٹھتا ہے۔(۷)

معروف مصنف آر آر دیوا کر اپنی تصنیف "Bihar Through the Ages" میں عظیم آباد کی فنی و ادبی فضا کے نقوش کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

''صبح صادق سے یہ بات ثابت ہے کہ جہانگیر کے دور تک پٹنہ، بشمول دوسرے چند ممالک سے تعلق

رکھنے والے، شاعروں اور دانشوروں کا مرکز بن چکا تھا- عہد شاہجہانی میں بہار کے گورنر کے ثقافتی دور میں سیف خان کی مساجد و مدرسہ سے ذہین اور عالم لوگوں کی نرسریاں (تربیت گاہ) تھے- اورنگزیب کے عہد میں پٹنہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں نے دہلی کے شہزادوں کو استاد مہیا کیے اور مرزا فطرتؔ اور مرزا بیدلؔ نے کئی سال صبح میں گزارے، جہاں وہ اپنی علمی قابلیت کو لوگوں تک پہنچاتے رہے-'' (۸)

صوبۂ بہار میں بڑے بڑے عالم فاضل، شاعر اور ادیب پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی علمیت اور فضیلت سے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی- اردو شاری خانقاہ میں پیدا ہوئی، صوفیائے کرام کی گودوں میں پلی اور ہر دور میں اس صوبہ کی تمام خانقاہوں میں مقبول ہوتی گئی- آہستہ آہستہ اس کی رعنائی اور دل آویزی نے ہر طبقہ کے افراد کو اپنا گرویدہ بنالیا اور تھوڑی ہی مدت میں پورے صوبہ کی مادری زبان بن گئی- (۹)

شمالی اور جنوبی بہار میں صوفیاؤں کی خانقاہیں تعلیم کو ترقی دینے کا کام کرتی تھیں- ایک مسلمان کا بچہ گھر اور مکتب میں پڑھتا، قرآن کی تلاوت اور حفظ کرنا، صرف ونحو اور تقریر کے قواعد، کچھ مذہبی یا اخلاقی ضابطۂ عمل، بزرگان دین کی زندگیوں اور ان کے کچھ طور طریقوں کے بارے میں سیکھتا تھا، وہ جو مسجدوں سے ملحق یا مسجدوں سے نزدیک مدرسوں میں داخلہ لیتے تھے، وہ اپنی اعلیٰ تعلیم جاری رکھتے تھے- (۱۰)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''(صوفی) بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اس طرح ہو کہ ظاہر اس کا اطاعت و عبادت میں مشغول رہے اور باطن میں اس کی محبت خداوندی موجزن ہوتی رہے-'' (۱۱)

سلطان شہاب الدین محمد غوری کے سالار محمد بختیار خلجی نے چھٹی صدی ہجری کے چند آخری سالوں میں بہار اور مغربی بنگال کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کرلیا اور وہ اس علاقے کا پہلا مسلمان وائسرائے مقرر ہوا- مسلم اقتدار کے ساتھ ہی بہار و بنگال میں مسلم تہذیب و ثقافت کی اشاعت بھی شروع ہوگئی- اس

علاقے کا معاشرہ پہلے سے بھی روحانی تھا، بختیار خلجی اوراس کے جانشینوں کی طرف سے مسلمان مبلغوں اور صوفیوں کی سرپرستی بھی کی گئی، دوسرے سلاطین وامراء کی طرف سے بھی سادات، مشائخ اور علماء کی پوری پوری سرپرستی کی جاتی رہی، ان کے تبلیغی کاموں میں ممکن سہولتیں بہم پہنچائی گئیں، مساجد، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں، لنگر خانے کھولے گئے، معاشرے میں مشائخ اور درویشوں کو باعزت مقام دیا گیا، دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی گئی، علماء ومشائخ کی مدد معاش کے لئے مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں میں بڑی بڑی جائیدادیں دی گئیں، حکومت کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی بنگال و بہار میں تصوف کے فروغ میں بڑی موثر ثابت ہوئی، مذہب کی تبلیغ واشاعت اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وتعمیر کے لئے صوفیائے کرام منیر سے چاٹگام تک پھیل گئے، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں گوڑ، ندیا، لکھنوتی، پنڈوہ، سونار گاؤں، چاٹگام، منیر، بہار شریف اور شیخ پورہ وغیرہ بنگال اور بہار میں تصوف کے مرکز کی حیثیت اختیار (۱۲) کرچکے تھے، صوبۂ بہار میں شہر بہار شریف سے قصبہ منیر تک متعدد مقامات پر صوفیائے کرام اپنے مشن میں لگے ہوئے تھے- بہار شریف شہر کے علاوہ اس کے مضافات واطراف میں سوہڈیہ کوسک اور شیخ پورہ، منیر اور اس کے مضافات میں کچاواں، مہداواں، پھلواری، درویش پور، کھنو، گیا ضلعے میں کاکو، سہروردیہ، چشتیہ، فردوسیہ، زاہدیہ اور دوسرے خانوادے کے مشائخ تبلیغی مشن میں سرگرم تھے اور وہاں ان کی بڑی بڑی خانقاہیں تھیں- (۱۳)

معروف ادباء

سید علی سجاد عظیم آبادی:

خاندان و پیدائش:

سید علی سجاد کے دادا مولوی سید کریم بخش عظیم آباد میں دلی سے آئے تھے اور میر عبداللہ صاحب مرحوم (جو اس شہر کے ایک متمول بزرگوار تھے) کی کوٹھی میں ملازمت اختیار کر کے فراغت و نیک نامی سے زندگی گزار گئے- چار نرینہ اولادیں، میر امیر جان، میر محبوب جان، حاجی میر نواب جان اور میر سید جان (۱۴)، سید علی سجاد نام، سجاد تخلص ہے- خلف میر سید جان صاحب ساکن محلہ مغلپورہ (ہاتھی خانہ) عظیم آباد-(۱۵)

تعلیم و تربیت:

بہت کم عمری میں ان کا مکتب ہوا تقریباً آٹھ نو برس کے اندر اندر فارسی کی درسیات کر کے عربی شروع کر دی- اس زمانے میں پرانی تعلیم کا دور آخر (ختم) ہو چلا تھا- ہوشیار و حوصلہ مند دل انگریزی کی طرف مائل ہو چکے تھے- سجاد کے بزرگوں نے زمانہ کی آنکھیں پہچان کر گھر کی تعلیم اب بند کی اور انہیں اسکول میں داخل کر دیا- جہاں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی- اس زمانہ میں نواب لطف علی خاں مرحوم نے اپنے صاحبزادوں کی تعیلم و تربیت کے لئے کلکتہ سے ایک نہایت لائق و ادیب انگریز مسٹر نائٹ کو طلب کیا- علی سجاد کو اس گھر سے دیرینہ تعلق تھا، اس بناء پر مسٹر نائٹ سے بھی نیاز حاصل ہو گیا-(۱۶) مسٹر نائٹ ایک بڑے انشاء پرداز اور مانے ہوئے ادیب تھے، اپنے ہونہار اور عزیز شاگرد میں ادب و انشاء کا فطری مادہ و مذاق پا کر بے حد محظوظ ہوئے اور کچھ اس طرح دل لگا کر تعلیم دی کہ سجاد کچھ ہی دنوں میں کلکتہ کے روزانہ انگریزی اخبارات میں مضامین بھیجنے اور وہاں سے صلہ و انعام بھی لینے لگے- مسٹر نائٹ وہاں بہت دنوں تک نہ رہ سکے- ان کے چلے جانے پر سجاد کی تعلیم بھی گویا بند ہوگئی جس کے بعد سبقاً پھر انہوں نے کچھ کسی سے حاصل نہیں کیا، گھر ہی میں بیٹھ کر

مطالعہ کرتے اور مشق تحریر بڑھاتے رہے۔

سجاد کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ تھا، جہاں شعروسخن کے چرچے ہمیشہ رہتے۔ ان کے بڑے چچا امیر جان فرقتی تخلص کرتے اور فارسی میں زور لگایا کرتے تھے۔ حاجی میر نواب جان صاحب رحمتی کو بھی اس فن سے انس تھا اور ادعائے سخن فہمی میں بہ مشکل کس دیتے تھے۔ خود ان کے والد میر سید جان فسرتی بھی شعر کہتے اور صاحب مذاق تھے۔ سجاد نے آنکھیں کھولیں تو انہیں بزرگوں کی مبارک صورتوں کو دیکھا اور انہیں کے دامن فیض میں پلے اور بڑے ہوئے۔ (۱۷)

سجاد کو اردو نظم ونثر میں پوری دستگاہ تھی۔ زبانی لیکچر دینے میں فائق تھے۔ کلکتہ میں بہت دنوں رہے۔ انگریزوں اور فوجیوں کو اردو پڑھاتے رہے۔ اردو کے بڑے ہمدرد حامی آزاد منش اور وضع دار تھے۔ بلا کی شوخ طبیعت پائی تھی۔ زباں آوری وخوش بیانی، بزلہ سنجی وظرافت مزاج کا خمیر تھی مگر دائرۂ تہذیب سے باہر نہ ہوتے تھے۔

تصانیف:

''نئی نویلی'' اور ''محل خانہ'' آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (۱۸)

۱۸۹۰ء میں عظیم آباد سے ''ادیب'' نام کا ایک ماہوار پرچہ جاری کرایا۔ یہ رسالہ اس حسن وخوبی سے نکلا کہ دنیا کی آنکھیں پڑنے لگیں اور دیگر مراتب کے ساتھ بہ حیثیت زبان بھی وہ معزز ومقرر مانا گیا۔ ''آسمانی سقہ'' ایک نظم ایسی پیاری اور دلکش لکھی کہ اس کے شعر زبانوں پر آ گئے۔ (۱۹)

مولانا شاد عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ لکھنؤ گئے تو عورتوں کی لڑائیوں کو سن کر محاورے جمع کر لئے۔

نمونہ کلام:

زمانہ دوسرا ہے آشنا بیگانہ کہتے ہیں
اب اس کا نام الفت ہے اسے یارانہ کہتے ہیں

برا ہو یا بھلا ہو خیر دلسوزی تو ظاہر ہے
میں سن لیتا ہوں کچھ ناصح فرزانہ کہتے ہیں
لکھی ہے سوز غم کی مختصر سی سرگزشت اس میں
وہ عبرت نامہ ہے جس کو پر پروانہ کہتے ہیں
رہے ثابت قدم سجاد آفت میں مصیبت میں
جو سچ پوچھو تو اس کو ہمت مردانہ کہتے ہیں(۲۰)

شادعظیم آبادی:

شاد کی شخصیت عجیب وغریب تھی، وہ بطل جلیل کی ایک نابغۂ اعظم تھ- شاعری میں وہ صرف بیدل عظیم آبادی اور راسخ جوشش عظیم آبادی کا خلفاء رشید نہیں تھا بلکہ مرثیہ نگاری میں اس نے لکھنؤ کے چمن کی خوشہ چینی بھی کی- میر نفیس لکھنوی کا قول ہے کہ ''شاد عظیم آبادی انیس کے پایہ کے مرثیہ نگار تھے-''

افسوس اب تک شاد کے مراثی شائع نہیں ہوئے، ورنہ اہل ادب دیکھتے کہ شاد نے انیس کی روایات فن میں کیسے کیسے نادر اضافے کیے ہیں-(۲۱) شاد کے مرثیے جو مختصر ہو تو مقالہ ورنہ ایک کتاب، رئیس المتغزلین اور امام مرثیہ نگار شاد عظیم آبادی ناول نگاری کا بھی تاجدار ہے- شاد ایک اعلیٰ شاعر اور بلند مرتبہ ناول نگار تھا- ناول کے علاوہ بھی شاد نے نثر میں کئی کتابیں تحریر کیں مثلاً ''حیات فرید'' اور ''صورت حال''، ۱۹۰۷ء- شاد نے ''صورت الخیال'' تین حصوں میں لکھی، یہ ایک عبرت انگیز اثر خیز داستان ہے- کسی صاحب کی عفت عصمت کا بیان ہے، جو مبنی ہے تین جلدوں پر- پہلی جلد المسمے بہ صورۃ الخیال مصنفہ جناب مولوی سید علی شاد... مطبع صبح صادق محلہ گزری عظیم آباد میں چھاپی گئی-۱۸۸۰ء-(۲۲)

شاد کا زمانہ حیرت ناک سیاسی ورمعاشی تبدیلیوں سے دوچار نظر آتا ہے، جہاں ہر سطح پر جذبہ اور جوش

کی چنگاریوں کی جگہ فکر واستدلال کی روشنی ہے، ہر جگہ انتشار میں ربط اور رفتار میں ٹھہراؤ کی مانگ ہے۔ شاد کی شاعری کی عظمت نہ جذباتیت میں اور نہ تصور و تخیل کی بلند پردازی میں، شاد کے یہاں ایک ٹھہراؤ ہے، یہ شاعری اقبال کی رفعت اور میر کی شدت سے دور ہے، یہاں شوخی اور طرح داری نہیں بلکہ گہری متانت اور سنجیدہ روانی ہے، ہم شاد کی نغمگی میں ہوش مندی اور نارمل ذہانت کی اہمیت اور برتری پاتے ہیں، یہی سبب ہے کہ ان کے پیش کردہ ہیئتی تجربات میں ربط اور توازن تابندہ انفرادی کاوش کے روپ ابھرتے ہیں۔(۲۳)

شاد کا خیال اور اسلوب دونوں اعتبار سے قابل توجہ ہے، تخیل کی وسعت اور انداز بیان کی پرکاری نے شاد سے ادب کی مختلف صنفوں میں نت نئے تجربے کروائے۔ ان تجربوں میں غزل کا تجربہ سب سے دوررس نتائج کا حامل ہے۔

معروف نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد رقم طراز ہیں:

''اردو غزل کی کائنات کی تثلیث میرؔ، غالبؔ اور شادؔ ہیں۔''(۲۴)

دراصل شاد ایک مخصوص طرز فکر اور انداز نظر رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں واردات کی بوقلمونی میں ایک والہانہ یک رنگی ضرور ملتی ہے، تاہم اس کی ذور توازن اور شعور کے ہاتھوں میں نظر آئے گی۔ شادؔ کا صوفیانہ میلان بھی اجتہاد کی سرحد کو چھوتا ہے، اس میں روایت سے کھلا انحراف یا بارادہ مخالفت کے پہلو شاید ہی مل سکیں۔ بات یہ ہے کہ ان میں انہماک اور جذب و کیف سے زیادہ فکر اور مشاہدے کی اہمیت ہے۔ شاد کی نظر تماشائے عالم اور حیات و کائنات کے پیچھے حسن مشترک کی جلوہ سامانی پر مذکور رہتی ہے۔

دردؔ کی سپردگی اور اقبالؔ کے جوش و پندار سے پرے شادؔ متوازن اور سنجیدہ راہوں کے جویا ہیں۔ اس تجسس کے در پردہ وہ ''نیا زمانہ'' اور نئی ''صبح و شام'' ہیں، جن کے تحت تخیل میں استدلال اور فکر کی گہرائی کا تسلط قائم ہوا۔ اس طرح شادؔ زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی نیرنگیوں کے ساتھ اس کے ماوراء کا نظارہ بھی کر لیتے

ہیں-(۲۵)

مولانا محمد احسن گیلانی:

شیخ فاضل محمد احسن بن سید شجاعت علی گیلانی، شیخ ابوالفرح واسطی حسینی کی اولاد میں سے تھے- گیلانی ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ) میں پیدا ہوئے- آپ مونالا مناظر احسن گیلانی کے دادا تھے، کبرسنی میں تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور شادی کے بعد طلب علم کے لئے سفر کیا، متوسطات کی تعلیم مولانا نعمت اللہ نبی نگری سے مظفر پور میں حاصل کی اور معقولات مفتی واحد علی/ ابراہیم بنارسی سے اور ہیئت و ہندسہ مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ لکھنوی سے حاصل کیا اور دونوں میں خوب بصیرت حاصل کی- فراغت کے بعد ''طوسی'' کے مقالہ اولیٰ کی تصحیح میں مشغول ہوئے اور یہ کتاب پہلی مرتبہ طبع ہوئی -(۲۶)

ان کا یاک رسالہ سولہ حصوں میں وجود رابطی پر ہے اور حاشیہ بر حاشیہ ''بحر العلوم'' اور کئی رسالے مسائل تصوف پر ہیں-

وفات:

۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء گیلانی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے-(۲۷)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی:

مولانا سید مناظر احسن گیلانی ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء کو ننیہال موضع استھ نواں میں پیدا ہوئے- ابتدائی کتابیں اپنے چچا ابونصر سے پڑھیں- ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں ٹونک جا کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا برکات احمد سے پڑھیں- ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچے- بخاری اور ترمذی حضرت شیخ الہند سے پڑھی- صحیح مسلم حضرت علامہ کشمیریؒ سے پڑھی اور اس وقت کے دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا- ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں دورہ حدیث کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا- فراغت کے بعد القاسم اور الرشید کی

ادارت کا کام انجام دیا- اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی میں استاذ کی حیثیت سے حیدرآباد تشریف لے گئے، وہاں آپ کا قیام پچیس سال تک رہا-(۲۸)

مولانا ایک علمی مقرر اور فکری نثر نگار تھے-(۲۹)

مولانا مناظر احسن گیلانی کی طاقت لسانی، زور بیانی اور خطابت کی روانی مشہور تھی، وہ کئی کئی گھنٹے مسلسل تقریر کر سکتے تھے-علمی مسائل بھی اہل علم کے جلسے میں اس شستہ بیانی سے خطابت فرماتے تھے کہ حاضرین جلسہ بہت لطف انداز ہوتے اور ہمہ تن گوش ہو کے سنتے تھے اور زور قلم اس درجہ کا تھ کہ ایک ایک نشست میں صفحات کے صفحات لکھ ڈالتے تھے-طبیعت میں آمد تھی-مشکل سے مشکل مسائل کو سہل اور آسان الفاظ میں ظاہر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، ان کے سہل اور آسان الفاظ میں ظاہر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے-ان کے لکھنے کا خاص انداز تھا- وہ میز کرسی پر لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، جب وہ کچھ لکھنا چاہتے اور کسی اہم موضوع پر قلم اٹھاتے تو اپنی خوابگاہ کے کمرہ یا کوٹھری میں چلے جاتے اور دروازہ بند کر کے پلنگ پر کروٹ لیٹ جاتے اور دو ایک تکیہ کا سہارا لیتے، ہاتھ میں فاؤنٹن قلم ہوتا اور سامنے سادہ اوراق ہوتے اور لکھنا شروع کر دیتے- حافظہ قوی تھا، جدت اور ندرت پسند واقع ہوئے تھے-(۳۰)

تصانیف:

آپ کے مضامین صدق، معارف، برہان، ترجمان القرآن، دارالعلوم اور الفرقان میں بے شمار ہیں- اس کے علاوہ سیرت ابوذر غفری، کائنات روحانی، الدین القیم، النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم، تدوین حدیث، تدوین قرآن، اسلام کا نظام تربیت، ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، سوانح اویس قرنی، ہزار سال پہلے، مسئلۂ سود، سوانح قاسمی نہایت ہی اہم علمی یادگار ہیں- مولانا ایک صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز تھے- آپ کی مکمل سوانح حیات ''حیات گیلانی'' ہے-(۳۱)

وفات:

۵ جون ۱۹۵۶ء سے ۱۳۷۵ء میں وفات پائی اور آبائی قبرستان گیلان (بہار شریف) میں مدفون ہوئے۔(۳۲)

مولانا گیلانی نے علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات حسرت آیات پر ایک نوحہ بعنوان ''نوحہ سلیمان'' یا ''عقیدت کے چند آنسو'' تحریر فرمایا تھا، کچھ اشعار یہ ہیں:

اے سلیماں! آہ پیغمبر کا وہ سیرت نگار
جس پہ نازاں ہند تھا اور فخر کرتا تھا بہار
آج محفل علم کی افسوس سونی ہوگئی
دین و دانش کے چمن کی لٹ گئی گویا بہار
اب کرے گا کون ہم میں دین کے اسرار کو
کاوشِ تحقیق کی صیقل گری سے آشکار
خدمتِ بے مُزد کرتا کون ہے اسلام کی
کس پہ ہوگا مفت کے اس عشق کا سودا سوار(۳۳)

خلیل تذکرہ نگار عظیم آبادی:

نواب علی ابراہیم خاں خلیل تخلص، نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ المتخلص بہ خلیل عظیم آبادی۔

یہ نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کے وزیر تھے۔ کچھ دنوں تک عظیم آباد کے صوبہ دار اور نائب ناظم بھی رہے۔ اس دور کے بیشتر شعراء نواب کے واقف کار اور کسی نہ کسی رنگ میں عالی جاہ کے متوسلین میں سے تھے۔

علی ابراہیم خاں نے نواب علی جاہ کی رفاقت خوب کی مگر عالی جاہ کی بربادی کے بعد نواب اودھ شجاع الدولہ سے علیحدہ ہوئے اور مرشد آباد کا رخ کیا- لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل نے ان کو عدالت دیوانی ضلع بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا اور لارڈ کارنواس کے عہد میں انہیں وہاں کی گورنری بھی ملی- قیام بنارس کے دور میں تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے-

خلیل اردو فارسی دونوں کے شاعر تھے، ان کی شہرت(۳۴) ''تذکرہ گلزار ابراہیم'' مرقومہ ۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷۸۳ء(۳۵) کی وجہ سے ہے- اس کے دو قلمی نسخے پٹنہ میں موجود ہیں- نواب علی ابراہیم خان خلیل عظیم آبادی نے ۱۱۸۴ھ میں ''تذکرہ گلزار ابراہیم'' لکھنا شروع کیا اور ۱۱۹۸ء میں تمام کیا- یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے- علی ابراہیم کے نانا مولوی نصیر شیخپورہ کے رہنے والے تھے اور ایران سے واپسی کے بعد عظیم آباد میں اقامت پذیر تھے- ''تذکرہ گلزار ابراہیم'' بنارس کے قیام کے دوران مکمل ہوا- خلیل مرشد آباد میں بھی رہے- ان کے والد کا نام خواجہ عبدالحکیم تھا-

تصانیف:

خلیل کی تصانیف حسب ذیل ہیں: ''گلزار ابراہیم''، شعرائے ریختہ کا تذکرہ بزبان فارسی، ''صحف ابراہیم'' شعرائے فارسی کا تذکرہ ۱۳۰۵ھ میں مکمل ہوا- نفع بخش زمانہ مادہ تاریخ ہے- ''خلاصۃ الکلام'' فارسی مثنوی نگاروں کا تذکرہ ہے- ۱۲۰۵ھ ''وقائع جنگ مرہٹہ'' لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ۱۲۰۱ھ میں ایک رسالہ راجہ چیت سنگھ والیٔ بنارس کی بغاوت کے حالات میں ہے- ''خطوط برٹش میوزیم-'' (۳۶)

مختار الدین احمد آرزو عظیم آبادی:

ذیعقدہ ۱۳۳۶ھ میں سہسرام ضلع آرہ میں پیدائش ہوئی، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ نے مختار الدین تاریخی نام تجویز فرمایا- والد ماجد حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی کے

علاوہ اساتذہ جامعہ شمس الہدیٰ سے پڑھ کر فاضل فقہ، فاضل حدیث، فاضل تفسیر امتیازی نمبروں سے پاس کر کے طلائی تمغے گورنمنٹ بہار سے حاصل کئے۔(۳۷) عربی کے اعلیٰ محقق، ادیب اور عالم کی حیثیت سے مشہور اور قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔ عربی میں ''الحماسۃ المیصریہ' فضائل من اسمہ' احمد ومحمد'' اردو میں ''نقد غالب، احوال غالب، گلشن ہند، کربل کتھا، خطوط اکبر الہ آبادی، علی گڑھ میگزین غالب نمبر'' مطبوعہ ہیں۔ آپ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔(۳۸)

مولوی عالم علی عظیم آبادی:

عالم علی عظیم آبادی اور مولوی عالم علی دراصل ایک ہی شخص کا نام ہے۔ یہ کرائی پرگنہ بلیا ضلع پٹنہ کے باشندہ تھے اور بھاگلپور کمشنری میں سررشتہ دار کے عہدہ پر معمور تھے۔(۳۹)

مولوی عالم علی صاحب تصنیف بزرگ تھے، ان سے اردو زبان میں کئی کتابیں یادگار ہیں۔(۴۰)

ہدیۃ العارفین:- امام غزالی کی مشہور زمانہ کتاب۔

کیمیائے سعادت:- کا اردو ترجمہ وخلاصہ مولوی عالم علی نے اپنے عزیز مولوی نواب جان کی فرمائش پر ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں کیا تھا جو ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں مطبع مرأت الاخبار کلکتہ سے طبع ہوا۔(۴۱)

دہ مجلس:- مولوی عالم علی سے ایک کتاب ''دہ مجلس'' بھی یادگار ہے، جو انہوں نے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں تالیف کی۔ دہ مجلس رمضان ۱۲۶۵ھ/اگست ۱۸۴۸ء میں مطبع اخوان الصفا کلکتہ میں باہتمام مولوی عبدالحمید ومولوی کرامت اللہ طبع ہوئی، سن تالیف کے متعلق لکھتے ہیں:

''احباب صادق ومخلصانِ واثق کی خدمت میں عالم علی عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۱ ہجری میں...... زبان ریختہ اردو میں لکھا۔''(۴۲)

زبدۃ الخیال:- میر تقی میر کی مشہور کتاب ''بوستان خیال' فارسی میں سولہ (۱۶) ضخیم جلدوں میں

ہے- اس کا تخلیصی ترجمہ "زبدۃ الخیال" کے نام سے مولوی عالم علی نے ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں کیا- اس ترجمہ کے ۴۳۰ صفحات ہیں- زبدۃ الخیال کا خطی نسخہ کتب خانہ قادریہ خانقاہِ اسلام پور پٹنہ میں موجود ہے-(۴۳)

عقائد حقہ:- ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء مطبوعہ مطبع مراۃ الاخبار واقع کلکتہ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء، تعداد صفحات ۳۸ اور سائز ۲/ ۱/ ۱۹x۱۳ س-م موضوع اسلام کے صحیح عقائد، عبارت میں سادگی اور سلاست ہے-

مانع البدعات:- ترجمہ مسائل اربعین مولفہ مولٰینا محمد اسحاق دہلوی مرقومہ ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۷ء مطبوعہ مطبع قیصری واقع محلّہ گوبند عطار شہر پٹنہ ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء، تعداد صفحات ۵۲ اور سائز ۲/ ۱/ ۲۴x۱۶ س-م، موضوع نام سے ظاہر ہے، بدعتوں سے بچنے کے لئے یہ رسالہ بطور سوال و جواب لکھا گیا ہے- عبارت میں سادگی اور صفائی ہے-(۴۴)

زبدۃ التواریخ:- مطبوعہ مطبع نجم السعادت واقع محلّہ مہدی باغ متصل محلات شہر کلکتہ ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء، موضوع تاریخ ہند از ابتدائے آفرینش تا ۱۸۵۰ء، پوری کتاب تین دفتر پر منقسم ہے- دفتر اول بہ بیان اصل اعتقاد دھندوان و تذکرہ ابتدائی سلطنت ہند، دفتر دوم مشعر ذکر معتقدات و ریاست اہل اسلام ابتدائی سلطنت اور دفتر سوم مشعر حالات عملداری سرکار کمپنی انگریز بہادر اور اس کے ضمن میں مجمل حال ناظمانِ بنگالہ- عبارت میں صفائی اور سادگی ہے-(۴۵)

حضرت شاہ ظہور الحق ظہور:

حضرت شاہ ظہور الحق ظہور، حضرت شاہ نور الحق تپاں کے فرزند اور خلیفہ تھے- آپ کے والد ماجد نے اپنے ہونہار فرزند کے کسب و ریاضت اور علم و فضل کو دیکھ کر اپنی زندگی ہی میں اپنی جگہ خانقاہ عمادیہ کا سجادہ نشین بنا دیا تھا اور خود گوشہ گیر ہو کر فنا فی اللہ کی منزل میں منتقل ہو گئے تھے- آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سجاد کی صاحبزادی بھی بہت ہی پاکیزہ صفت اور خدا ترس خاتون تھیں-

پیدائش ووفات:

شاہ ظہور الحق کی پیدائش ۱۱۸۵ھ میں اور وفات ۱۲۳۴ھ میں ہوئی تھی۔(۴۶)

بہت کم عمر پائی یعنی صرف انچاس (۴۹) برس کے سن میں انتقال فرمایا۔ آپ اپنے وقت کے بہت ذی علم بزرگ تھے۔ آپ کے علم وفضل اور کسب وریاضت کی آپ کے معاصرین میں کافی شہرت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی خدمت خلق، رشد وہدایت اور تبلیغ مذہب کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ آپ فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر بھی تھے لیکن ایک حادثہ میں ان کا سارا کلام، جس میں فارسی اور اردو کے دواوین ہیں، ضائع ہوگیا۔ آپ نے اردو میں عوام کی ہدایت اور رہبری کے لئے کئی رسالے بھی لکھے ہیں جو خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں لیکن آپ کی بہت سی گرانقدر تصنیفات اسی حادثہ کا شکار ہوئیں۔(۴۷)

اس وقت آپ کے اردو نظم میں کچھ مرثیے ملتے ہیں جو مخطوطہ کی شکل میں پھلواری شریف خانقاہ سلیمانیہ میں محفوظ ہیں۔ یہ کل اکتیس مرثیے ہیں۔ (۴۸)

حضرت ظہور الحق پھلواروی کے چار نثری رسالے خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ۱۔ رسالہ نماز ۲۔ فضائل رمضان ۳۔ فیض عام اور کسب النبیؐ۔ ان رسالوں کا انکشاف شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی نے کیا۔ ان کے حوالے سے رخشاں ابدالی لکھتے ہیں:

''اتنا تو یقینی ہے کہ یہ دونوں رسالے (یعنی رسالہ نماز اور فضائل رمضان) ۱۲۰۰ھ سے قبل لکھے گئے۔''(۴۹)

غرض یہ کہ رسالہ نماز اور فضائل رمضان کا سن تصنیف ۱۲۰۰ھ سے پہلے ہے۔ فیض عام کا سن تصنیف ۱۲۲۸ھ ہے۔(۵۰)

رسالہ کسب النبیؐ:- شاہ ظہور الحق کا رسالہ ''کسب النبیؐ'' ایک انقلابی دستاویز ہے۔ مسلم معاشرہ جاگیردارانہ نظام اور ہندو معاشرے کے اثر سے اسلامی اخوت و مساوات کے بنیادی نظریے کو بھول چکا تھا۔ (۵)

شاہ صاحب نے یہ رسالہ لکھ کر اس بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا دیا اور بتایا کہ مسلمان صنعت کاروں اور پیشہ ور طبقوں کو نظرِ حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ (۵۲) تبلیغی مقصد اور افادیت کے پیش نظر ''رسالہ کسب النبیؐ'' مختلف مطابع میں چھپتا رہا ہے۔ اس کا خطی نسخہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری میں موجود ہے۔

رخشاں ابدالی صاحب نے لکھا ہے کہ ''کسب النبیؐ ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء کی تالیف ہے۔ بہر حال شاہ ظہور الحق کا انتقال ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء میں ہوالہذ ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء سے قبل کی تالیف ضرور ہے۔ (۵۳)

حضرت محمد تقی بلخی فردوسی:

حضرت شاہ محمد تقی بلخی فردوسیؒ حضرت شاہ محمد ظہور الحق ظہور کے ہم عصر تھے۔

ان کے ایک رسالہ کی نشاندہی اختر اور ینوی نے کی ہے، جو ان کو پروفیسر ذکی الحق سے دیکھنے کو ملا تھا۔ اس رسالے کے کاتب شیخ خیرات علی ہیں، جنہوں نے ۱۲۵۶ھ میں اس کی کتابت کی ہے۔ اس وقت مصنف بھی بقید حیات تھے۔ (۵۴) چونکہ کاتب نے مصنف کے نام کے ساتھ ''مدظلہٗ'' لگایا ہے، کاتب کی عبارت حسب ذیل ہے:

''تمام ہوئی یہ کتاب ترجمہ ہندی تصنیف شاہ محمد تقی بلخی فردوسی مدظلہٗ کے خط خام سے عاصی حقیر سراپا تقصیر شیخ خیرات علی ولد شیخ نجیب علی انصاری رہنے والے محلہ عالم گنج، متعلقہ شہر عظیم آباد حال سکونت (۵۵) موضع ارندہ، ضلع شہر مذکور بیچ تاریخ دوازدہم شہر ذیعقد ۱۲۲۸ فصلی۔''

اس رسالہ کی تقطیع ۹x۵ ہے، ۱۸۹ اوراق پیلے ارولی کاغذ کے ہیں، یہ رسالہ عقائد، ایمانیات، شرح

اعمال اور تفصیل شریعت کے متعلق ایک عمدہ تصنیف ہے۔(۵۶)

حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی گیاوی:

حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی حضرت منعم پاک کے سلسلے کے ایک روشن ضمیر بزرگ گزرے ہیں۔ آپ اپنے علم و فضل اور زہد و اتقا کی وجہ سے اپنے ہم عصر صوفیوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

پیدائش و وفات:

آپ کی پیدائش ۱۲۳۱ھ اور وفات ۱۳۱۱ھ (۵۷) میں ہوئی۔ آپ کی خانقاہ محلہ رام ساگر گیا میں ہے۔ آپ کی تصنیف ''دید مغرب معروف بہ ہدایت المسافرین'' کی نشاندہی سب سے پہلے جناب رخشاں ابدالی صاحب نے کی تھی، لکھتے ہیں:

''اس کے مصنف حضرت سید عطا حسین منعمی قدس سرہٗ گیاوی مصنف ''کیفیت العارفین و کنزالانساب'' (فارسی) میں ''ہدایت المسافرین'' حضرت کا مفصل سرنامہ حج ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں تھیں (۱) سیر الہند، ہندوستان کے مشہور شہروں کے حالات پر مشتمل ہے، (۲) زائر عرب، (۳) کیفیت مراجعت''۔ کتاب کی تالیف ۱۲۶۰ھ سے شروع ہو کر ۱۲۶۴ھ میں اختتام کو پہنچی۔ اس کی پہلی جلد ''سیر الہند'' کا کچھ حصہ خانقاہ منعمیہ رام ساگر میں محفوظ ہے جو ۳۵۰ صفحات کو محیط ہے۔'' (۵۸)

حضرت سید محمد اسحاق عرف پیر دمڑیا:

حضرت سید محمد اسحاق عرف پیر دمڑیا حضرت شاہ مجتبیٰ حسین صاحب محلہ دائرہ بہار شریف کے جد اعلی تھے۔ بہار میں صوفیوں کا یہ خاندان عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت پیر دمڑیاؒ علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور تخلص فقیر فرماتے تھے۔ آپ کے لکھے ہوئے مرثیے اور حمد و نعت اور

صوفیانہ غزلیں بھی ملتی ہیں لیکن وہ نہیں کے برابر ہیں- آپ کے دو رسالے حضرت شاہ مجتبیٰ حسن صاحب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں، ان میں سے ایک کا نام ''اصول احکام شرع'' اور دوسرے کا نام ''جذبات معینہ'' ہے-

محمد اسحاق عرف پیر دمڑیا فاطمی والمرتضوی النسب تھے-(۵۹) ''مذہب وملت حنفی مشرب صوفی'' آپ شاعر بھی تھے- پیر دمڑیا اپنی ولادت کے متعلق لکھتے ہیں:(۶۰)

تاریخ چودھویں شہر صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۲۲۴ فصلی یہ کمترین خلائق بندہ نالائق مصنف پیدا ہوا، بہ ہزار ناز ونعمت آغوش والدین میں پرورش پا کے سن بلوغ کو پہنچا- جذبات معینہ (نامکمل ہے)، آخر میں نو صفحات ہلکے زرد کاغذ کے سادہ چھوڑے گئے ہیں اور چوبیس صفحات لکھے ہوئے ہیں- سائز ۵x۹ ہے- صفحات جا بجا کرم خوردہ ہیں- یہ رسالہ دو اور مطبوعہ رسالوں اور مصنف کے ایک طویل قصیدہ کے ساتھ مجلد ہے- پہلے قصیدہ کا مطلع(۶۱):

کس منہ سے حمد خالق اکبر بیاں کروں

اور کس زباں سے منت داور بیاں کروں

۱۴ صفحات سے کچھ زیادہ پر یہ قصیدہ ہے- قصائد کے بعد رسالہ جذبات معینہ شروع ہوتا ہے- اس کا آغاز بھی حمد ونعت سے ہوتا ہے-(۶۲) سید محمد اسحاق عرف پیر دمڑیا کا دوسرا رسالہ ''اصول احکام شرع'' ہے- رسالہ فقہ ہندی منظوم کے ساتھ مجلد ہے- سائز ۵x۹، کاغذ ہلکا زرد کرم خوردہ صفحات ۳۱-(۶۳)

رسالہ کی تصنیف کی تاریخ کہیں درج نہیں ہے، اس رسالہ کی زبان صاف اور رواں ہے-(۶۴)

مولانا ولایت علی زبیری صادق پوری:

مولانا ولایت علی کے والد کا نام مولانا فتح علی تھا، آپ کی ولادت ۱۲۰۵ھ/۹۰-۱۷۹۰ء میں ہوئی-(۶۵)

اصحاب صادق پور، سید احمد شہید کی تحریک کے نامور ارکان تھے۔سید صاحب کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بعد تحریک کی قیادت بڑی حد تک اسی خاندان میں منتقل ہوگئی اور قائد و رہنما مولانا ولایت علی قرار پائے۔ انھوں نے تحریک کو آگے بڑھایا۔ اس کے اثرات بنگال و دکن تک پہنچے۔ سیاسی مسائل اور فوجی مہمات کے ساتھ ساتھ تبلیغ و تذکیر کے فرائض بھی انجام دیئے۔تبلیغی نقطۂ نظر سے چھوٹے چھوٹے چند رسالے بھی لکھے۔ مولانا کے یہ رسالے بہار و شمالی ہند سے مدراس تک پہنچے۔(۶۶)''مجموعہ رسائل تسعہ'' مولانا ولایت علی وغیرہ کے عنوان سے نو رسالوں کا ایک مجموعہ مولوی عبدالرحیم صادق پور (ف ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) کے حسن انتظام سے مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ ان رسائل کے صفحات مسلسل ہیں۔ اس مجموعے میں بصراحت مندرجہ ذیل رسالے شامل ہیں:(۶۷)

۱- **ردشرک:** ازتصنیف مولانا ولایت علی صاحب معہ ترجمہ مولوی الٰہی بخش صاحب بہاری، بقول مولوی عبدالغفار صاحب، صادق پوری کا یہ رسالہ اسماعیل شہید کی تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کا مختصر اور واضح خلاصہ ہے۔ ترجمہ عام فہم اردو میں ہے۔ اصل کتاب کی عبارت کو صفحہ کے ایک حصہ میں اور ترجمہ کو دوسرے مقابل حصہ مین خط کھینچ کر لکھا گیا ہے۔(۶۸)

۲- **رسالۂ عمل بالحدیث:** ازتصنیف مولانا ولایت علی صاحب معہ ترجمہ مولوی الٰہی بخش صاحب رسالہ کی تین فصلیں اور سولہ صفحات ہیں (۶۹)

۳- **ازبعین فے المھدیین:** ازتالیف جناب مولانا ولایت علی صاحب معہ ترجمہ، مجموعۂ رسائل تسعہ کے صفحہ ۴۶ سے صفحہ ۶۳ کے سرے تک یہ رسالہ عربی زبان میں ہے مع ترجمہ اردو پھیلا ہوا ہے۔ پہلی فصل میں وہ حدیثیں ہیں جو شان میں سارے ہادی من اللہ کے ہیں جو آنحضرتؐ کے پیچھے آویں گی۔

۴- **رسالۂ دعوت:** ازتالیف لطیف مولانا ولایت علی صاحب، یہ رسالہ اردو میں ہے اور سولہ صفحات

پر محیط ہے۔ مضامین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی تصنیف حضرت سید احمد بریلوی کی زندگی کے اواخر میں یا جنگ بالاکوٹ کے بعد ہوئی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سن تصنیف ۱۸۳۱ء کے لگ بھگ ہے۔(۷۰)

۵۔ رسالہ تیسیئر الصلوٰۃ : از تصانیف مولانا ولایت علی عظیم آبادی، یہ رسالہ اردو میں ہے۔ نو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ۷۹ تا ۸۷ نماز اور اقسام نماز کے متعلق ہے۔

۶۔ رسالۂ شجرۂ باثمرہ: مؤلفہ مولانا ولایت علی۔ صفحہ ۸۸ تا ۹۴ یہ رسالہ صحیح طریقۂ تصوف کے متعلق ہے۔(۷۱)

۷۔ تبیان الشرک: مصنفہ مولانا ولایت علی صفحہ ۱۴۲ تا ۱۵۶ ارسالہ رد شرک بزبان فارسی لکھا گیا تھا، چند فصلوں کے اضافہ کے ساتھ یہ رسالہ عوام کے سمجھنے کے لئے اردو میں لکھا گیا۔ جابجا حضرت سعدیؒ کی طرح مضامین کو نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے۔(۷۲)

۸۔ رسالۂ بدعت: (تقریر بر بدعت) از مولانا ولایت علی۔ مطبوعہ کلکتہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسال مجموعہ رسائل تسعہ میں نہیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری کی کہی ہوئی ایک نقل از اصل مجھے (اور ینوی) آپ کے فرزند محمد اسماعیل سے ملی۔

۹۔ بت شکن: از مولانا عنایت علی عظیم آبادی، اس میں تعذیہ کی برائی اور اس کے بنانے اور پوجنے والوں کی بے وقوفی اور نادانی کا بیان ہے۔ سن تحریر نہیں ہے۔ رسدہ بت شکن صفحہ ۹۴ سے صفحہ ۱۰۶ تک پھیلا ہوا ہے اور آخر میں ایک طنزیہ غزل ہے۔(۷۳)

۱۰۔ رسالہ فیض الفیوض: رسالہ فیض الفیوض مع ترجمہ اردو موسوم بہ منبع الفیوض مجموعۂ رسائل تسعہ کے صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۳۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ سوال و جواب، اجتہاد و فقاہت، تقلید و سنت استنباط و تفکر فی الدین

کے متعلق ہیں-(۷۴)

۱۱- **رسالہ نکاح ثانی:** ہندوستان کے مسلمان ہندو معاشرے کے اثر سے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے تھے، سید احمد شہید اور ان کی تحریک کے دوسرے ارکان نے نکاح ثانی کو رواج دینے کی بہت کوشش کی اور اس سلسلے میں عملی مثالیں بھی قائم کیں- مولانا ولایت علی نے اس موضوع پر رسالہ ''نکاح ثانی'' ترتیب دیا- یہ رسالہ مولوی سید عبداللہ نے اپنے مطبع احمدی سے شائع کیا تھا-(۷۵)

وفات:

ماہ محرم ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں وفات پائی اور مقام ستھانہ میں مدفون ہوئے-(۷۶)

پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی:

پیدائش: صادق پور، پٹنہ سٹی، ۱۸۹۵ء

تعلیم: ایم اے، ایم او ایل

ہندوستان میں ''گیا'' ایک مشہور شہر ہے، جو یہاں کا ایک سب سے قدیمی اور متبرک مقام مانا جاتا ہے- شہر سے تقریباً پانچ میل دور پھلگو ندی کے کنارے یہاں ایک عظیم الشان مندر واقع ہے- ''بودھ'' کو اسی جگہ گیان کی جیوتی ملی تھی- مندر پتھر کا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پورا مندر ایک بڑی چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا- مندر کے معبد میں ''گوتم'' کا ایک بھری بھرکم سا مجسمہ ہے- مجسمہ کے پاس ایک چراغ جلتا رہتا ہے، یہ چراغ دوسرے تمام چراغوں سے پرانا ہے اور بڑا ہے آج سے تقریباً اٹھاون برس پیچھے ۱۸۹۵ء میں ہندوستان کے تاریخی محلہ صادق پور میں یہ روشن ہوا تھا اور آج تک اجڑا دیار اور گیا گزرا عظیم آباد میں یہ اسی طرح منور ہے- جیسے مندر کا دیا ہند میں بودھ گیا کا رتبہ بلند ہے اور بہار میں اس چراغ کا صوبہ کی ادبی اور ثقافتی تاریخ میں اس چراغ کی اہمیت تنویر نما سی ہے-

نام، لقب، تخلص، مذہب، قومیت سب کچھ لفظ ''مسلم'' پر ختم ہو جاتا ہے۔ ہزاری باغ کالج میں عربی کا درس دیتے ہیں۔ طلباء ''مولانا'' سے یاد کرتے ہیں۔ عظیم آباد وطن ہے۔ علم و ادب، حکمت و فلسفہ کئی کرسیوں سے نکھرتا اور سنورتا آتا ہے اور سالوں سال کے ریاض نے آج محمد مسلم کو شعبہ عربی و فارسی کی کرسی عنایت کی ہے۔ ہندوستان کی اولین قومی جنگ آزادی ان کے آباء و اجداد نے شروع کی تھی۔ برطانیہ سرکار نے وہابی تحریک کو آناً فاناً کچل ڈالا اور پروفیسر مسلم کے اعزہ و اقارب ادھیڑ دیئے گئے۔ جو رہے وہ مقید مرے اور جو بچے وہ مفرور رہے۔ رشتے کے تمام لوگ تحریک کے بانی اور قائد تھے۔ افسانہ نگار ہوتے ہوئے بھی پروفیسر مسلم خود کو جدید ادب سے قطعاً بے تعلق بتاتے ہیں۔ قدماء کا احترام کرتے ہیں۔

اقبال ان کا محبوب شاعر ہے، شبلی محبوب مصنف اور پریم چند محبوب افسانہ نگار رجعت پسند ہیں۔ جدید نثار خصوصاً شعراء سے زیادہ متاثر نہیں۔ ترقی پسند نظریات کی قدر کرتے ہیں پر ترقی پسند ادب سے دلبرداشتہ ہیں۔ (۷۷) پروفیسر مسلم کو شاعری سے زیادہ نثر سے تعلق رہا ہے اور ذوق و استعداد نے اس شعبہ میں انہیں بڑی شہرت و عزت دی ہے۔ ہندوستان کے معیاری رسالوں میں ان کی تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تصنیف کی ہیں اور نیرنگ خیال، عالمگیر، ساقی، ندیم، معاصر وغیرہ میں اپنے افسانوں کو شائع کرایا ہے۔ (۷۸)

نواب سید امداد امام اثر:

شمس العلماء مولانا نواب سید امداد امام اثر ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء کو موضع سارا پور، ضلع پٹنہ، بہار میں پیدا ہوئے، جو آپ کا ننیہال تھا۔ (۷۹) شمس العلماء سید امداد امام بکثرت کتابوں کے مصنف ہیں:

تصانیف:

۱۔ مصباح الظلم، ۲۔ مناظر المصائب، ۳۔ معیار الحق، (۸۰) ۴۔ کیمیائے زراعت، مطبوعہ مطبع استار

آف انڈیا واقع قصبہ آرہ ۱۸۹۰ء باراول، تعداد صفحات ۲۱۸ اور سائز ۲۴x۱۵ س-م، موضوع: فن زراعت-

اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے-عبارت میں سادگی، سلاست، پختگی اور روانی ہے-

یہ کتاب اپنے دور میں خاصی مقبول ہوئی چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۷ء تک اس کے تین ایڈیشن نکلے-

۵- **کتاب الاثمار:** مطبوعہ مطبع یونین پریس الینچ واقع بانکی پور پٹنہ، ۱۸۸۷ء بار اول، تعداد صفحات ۳۲۰، سائز ۲۱x۱۴ س-م، موضوع: زراعت (نباتات) اپنے موضوع پر اردو میں غالباً پہلی کتاب ہے-عبارت صاف، سادہ اور رواں ہے-(۸۱)

۶- **امراۃ الحکماء:** اس کا موضوع فلسفہ ہے-یہ کتاب پہلی بار ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی-

۷- **کاشف الحقائق:** دو جلدوں میں یہ بڑی مشہور کتاب ہے اور اردو تنقید کی پہلی کتاب ہے جو بالقصد تنقید پر لکھی گئی ہے-

۸- **ہدیہ قیصریہ:** سوانح-

۹- **سوانح مخدوم الملک بہاری:** مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی کی سوانح پر انگریزی میں پہلا مقالہ-

۱۰- **رسالہ صید:** شکاریت پر-

۱۱- **رسالۂ علم حرکت:** ریاضی، بزبان فارسی-

۱۲- **رسالۂ علم جرثقیل:** ریاضی بزبان فارسی-

۱۳- **رسالۂ علم فلکیات:** علم نجوم پر بزبان فارسی-

۱۴- **رسالہ علم المرایا والمناظر:** بزبان فارسی-

۱۵- **ترجمہ انشاء لارڈ بیکن:** اخلاقیات، بزبان فارسی-(۸۲)

۱۶-زنجیر فیل: ہاتھیوں کی پرورش و پرداخت و معالجات-

۱۷-رسالۂ طاعون: طب-

۱۸-فسانۂ ہمت: ناول-

۱۹-دیوان آثر: مجموعہ اردو شاعری، تیسری اشاعت کراچی سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی-

۲۰-دیوان اثر: فارسی-

۲۱-فوائد دارین: عیسائیت اور اسلام کا موازنہ-(۸۳)

وفات:

شمس العلماء نواب سید امداد امام آثر کا انتقال ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ہوا-(۸۴)

مولوی حبیب اللہ مختار عظیم آبادی:

پیدائش:

مولوی حبیب اللہ صاحب تقریباً ۱۸۶۵ء میں محلہ باغ ملو خاں، پٹنہ سیٹی میں پیدا ہوئے- آپ شیر خوار ایک برس کی عمر کے تھے کہ آپ کے والد محمد امین اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا- آپ کی پرورش آپ کے دادا اسعد اللہ صاحب نے کی- لیکن آپ صرف سات برس کے تھے کہ دادا کا بھی انتقال ہوگیا- پھر آپ کی دادی کی بہن الحاجہ بی بی وزیرن صاحبہ نے آپ کی پرورش اپنے ذمے لے لی- انہوں نے آپ کو ابتدائی تعلیم دلائی اور اس کے بعد حضرت امیر الاولیاء مولانا الحاج شاہ علی امیر الحق کے زیر سرپرستی تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے- اٹھارہ سال کی عمر تک آپ نے خانقاہ میں تعلیم حاصل کی، جہاں انہوں نے فارسی کی تکمیل اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں- موںوی خدا بخش خان بہادر آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے-(۸۵) جب مولوی خدا بخش خان بہادر حیدر آباد دکن چیف جسٹس مقرر ہوگئے تو حبیب اللہ صاحب نے مختار کاری کا امتحان دیا اور

۱۸۹۸ء میں امتحان میں کامیاب ہوئے اور پریکٹس کرنے لگے۔(۸۶)

اولاد:

آپ کی چار اولادیں تھیں، پہلی تین بیٹیاں تھیں، ۱۔جمیل النساء، ۲۔شمس النساء، ۳عصمت النساء، چوتھے اور سب سے چھوٹے محمد ولی اللہ صاحب تھے۔ یہ حبیب صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کی اہلیہ مسماۃ محمودن نہایت سلیقہ مند، نیک، شریف اور باذوق خاتون تھیں۔(۸۷) ان کا انتقال ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ یکشنبہ بوقت ساڑھے سات بجے شب ہوا اور بروز دوشنبہ تجہیز و تکفین ہوئی۔ مزار درگاہ شاہ ابو بختیار کے جنوب میں ہے۔(۸۸)

کتب خانہ:

مختار صاحب کے پاس نہایت اہم اور نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ کتب بینی اور تصنیف و تالیف کا ذوق ان کو ہمیشہ رہا۔ ان کے پاس بڑی تعداد میں قلمی اور مطبوعہ(۸۹) کتابیں تھیں۔ ان میں سے یادہ تر اسلام، کلاسیکی ادب، تاریخ، سوانح، حکمت وغیرہ کے موضوع سے متعلق تھیں، اس کے علاوہ وصلی اور قلمی مثنوی جس پر مغل پینٹنگ مختلف اوراق پر بنی ہوئی تھیں، ہزاروں کتابیں تھیں۔ اکثر نادر و نایاب تھیں۔(۹۰)

تصنیف و تالیف:

۱۔نور الاولیا مع اسرار الصوفیہ: اس کتاب میں انہوں نے خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی کے پیران سلاسل کا تذکرہ لکھا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے چھپنے والی تھی لیکن چھپنے کی نوبت نہ آئی۔(۹۱)

۲۔ انوار الاذکیا فی احوال الصوفیہ: اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی ہندوستان میں ہے۔

اس کتاب میں بھی پیران سلاسل خانقاہ عمادیہ کا تذکرہ ہے اور مختصر طور پر تصوف کے مسائل پر لکھا گیا

ہے۔

۳- وسیلۂ نجات: اس کتاب کے دو حصے ہیں، ایک حصہ خانقاہ عمادیہ کے پیران سلاسل کے تذکرے وسوانح پر مشتمل ہے، دوسرے حصے میں تصوف کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ پورا قلمی مسودہ پانچ سو صفحات کا ہے اور بقیہ تصوف کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ (۹۲)

۴- تذکرۃ الصالحین: عظیم آباد، پھلواری شریف اور داناپور کے مشائخ چشت کے حالات میں یہ تذکرہ حبیب اللہ مرحوم نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں مکمل ہوئی اور شمسی پریس پٹنہ سیٹی میں ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء میں طبع ہوئی۔ (۹۳)

۵- تحقیق الکلام فی المولد والقیام: اس کتاب میں مختار صاحب نے محفل میلاد میں قیام کرنے پر متوازن انداز میں بحث کی ہے۔ یہ رسالہ ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، ہنوز قلمی ہے، طبع نہیں ہوا۔ (۹۴)

۶- علاج الامراض: مختار صاحب کے صاحبزادے محمد ولی اللہ صاحب مرحوم جب طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور طبیہ کالج پٹنہ میں زیر تعلیم تھے تو یہ کتاب انہوں نے ولی اللہ صاحب کے لئے لکھی تھی۔ اس میں سر سے پیر تک کل امراض کی تفصیل اور علاج وغیرہ کے بارے میں لکھا ہے۔

۷- شعر وشاعری: آپ کو شعر وشاعری کا بھی ذوق تھا لیکن زیادہ اشعار نہیں کہے۔ آپ حبیب تخلیق کرتے تھے۔ (۹۵)

وفات:

حبیب اللہ مختار صاحب کا انتقال ۱۵ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۴۱ء کو بوقت نماز فجر باغ مولوخاں پٹنہ سیٹی میں ان کے اپنے مکان میں ہوا۔ سید شاہ حبیب الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور شاہ ابو بختیار کی درگاہ کے جنوب میں تقریباً دو گز کے فاصلے پر مدفون ہوئے۔ (۹۶)

معروف شعراء

مولانا حافظ نذر الرحمٰن حفیظ عظیم آبادی:

پیدائش:

مولانا کی پیدائش ۱۲۷۹ھ بمطابق ۱۸۶۲ء میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام نذر الرحمٰن رکھا گیا۔(۹۷) مولانا حافظ سید نذر الرحمٰن کے والد کا نام سید تجمیل حسین اور دادا کا نام سید فضل حسین تھا۔ آبائی مقام کربیگیہ پٹنہ میں تھا۔ آپ نے حافظ عالم علی ساکن محلہ لودھی کٹرہ سے حفظ کی تکمیل کی اور تجوید و سند حدیث مولانا عبید الرحمٰن پانی پتیؒ سے حاصل کی اور بقیہ فیض اپنے نانا مولانا محمد سعیدؒ سے حاصل کیا اور خلافت واجازت بھی انہیں سے حاصل کیا۔ سفر حج کے درمیان مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے علمائے کرام سے بھی فیضیاب ہوئے۔(۹۸)

نذر الرحمٰن حفیظؒ نے نظم بھی لکھی ہے، مرثیہ اور مثنوی کے نمونے بھی ان کے کلام میں ملتے ہیں اور رباعی جیسی صنف بھی ان کی طبع آزمائی کی فہرست میں داخل ہے۔ نذر الرحمٰن حفیظؔ مجموعی اعتبار سے ایک غزل گو شاعر ہیں۔ حفیظؔ کا تعلق آتش کے دبستانِ شاعری سے رہا ہے، گوکہ حفیظ کی غزل کا ایک بڑا حصہ خالص لکھنوی پیرایۂ بیان کی نذر رہا ہے۔ ان کے فکروفن پر آتش کی چھاپ گہری ہے۔(۹۹)

تصانیف:

۱۔ الصلوٰۃ حصہ اول، فقہ، زبان اردو،

۲۔ الصلوٰۃ حصہ دوم، فقہ، زبان اردو

۳۔ نظم دلفریب، دیوان اول، زبان اردو، ۱۳۱۷ھ

۴۔ دیوان سوم، فارسی

۵۔ نظم قیصری، اردو، غیر مطبوعہ

۶-مجموعہ نظم ونثر، اردو/ فارسی، اکثر اخباروں میں شائع ہوا تھا

۷-چہل حدیث، عربی، غیر مطبوعہ

۸-اوائل حجاج، عربی، غیر مطبوعہ

۹-مسلمات، عربی، غیر مطبوعہ

۱۰-وسیلۃ النجاۃ، اردو، مطبوعہ لکھنؤ،(۱۰۰)

۱۱-ختم خانۂ اول، حفیظ کا یہ مجموعۂ کلام غیر مطبوعہ حالت میں خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے، کتب خانہ کے رجسٹر میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو-

نمبر کتاب شمارہ نمبر ۴۹، دیوان موسوم بہ خم خانہ ازل (غیر مطبوعہ) تعداد اوراق ۸۴، تعداد سطور ہر صفحہ ۱۷ سنہ کتابت، ۱۹۱۶ء، نام کاتب عبدالرزاق جبل پوری، کیفیت صفحہ اول دریدہ-

مخطوطہ سے حاصل شدہ تفصیلات:

سرورق تصنیف دریدہ

سرورق کی تحریر اس طرح ہے، خم خانہ ازل، ۱۳۳۴ھ

مصنفہ، فضل الفضلاء اکمل الکملاء واقف اسرار معانی ماہر رموز سخندانی مولانا مولوی حافظ حاجی سید شاہ نذر الرحمٰن شاہ صاحب المتخلص بہ حفیظؔ رئیس عظیم آباد-(۱۰۱) فقیر عبدالرزاق جبل پوری، کاتب، تعداد غزل ۱۴، مستزاد ۱، کل تعداد غزل ۱۴۲، قطعہ ۱، تعداد صفحات ۱۶۸، تقطیع ۲ء۶×۸ء۷، خم خانۂ ازل کا آغاز بھی دستور اور روایت کے زیر اثر حمد سے ہوا ہے- اس دیوان کی اہمیت غیر مطبوعہ ہونے کے علاوہ فکر وفن کی بالیدگی میں پوشیدہ ہے- اس سے حفیظؔ کے تغزل کی نمائندگی پوری انفرادیت کے ساتھ ہوئی ہے-

۱۲-کلام حفیظ بزبان فارسی، حفیظ کا یہ فارسی کلام پروفیسر جناب سید حسن صاحب مدظلہٗ پٹنہ کے پاس

دریدہ حالت میں موجود ملا ہے- اس مخطوطہ کی تفصیل ملاحظہ ہو: کل تعداد صفحات ۲۷، بچے ہوئے صفحات پر نمبر کا اندراج صفحہ ۵۳ تا صفحہ ۷۹، تعداد ضائع شدہ صفحات ۵۲، تقطیع ۴x۶ -(۱۰۲)

وفات:

آپ کی وفات ۲۵ صفر ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء کو ہوئی -(۱۰۳)

مولانا شاہ محمد سعید حسرت عظیم آبادی:

مولانا سعید حسرت عظیم آبادی تیرہویں صدی ہجری کے ایک جید عالم، صاحب طرز ادیب، صاحب دیوان شاعر، متدین عالم، مشہور محدث اور قابل فخر مبلغ تھے-

پیدائش:

آپ کی پیدائش ۲۷ ذیعقدہ ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۵ء میں عظیم آباد میں ہوئی- ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی منشی واعظ علی بن عمر دراز کے زیر نگرانی ہوئی- پھر علماء وقت مولوی مظہر علی عظیم آبادی، مولوی ابوالحسن منطقیؒ اور مولوی اشرف حسین عظیم آبادی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے- اس کے بعد ۱۸ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے کانپور روانہ ہوئے اور مولانا سلامت اللہ بدایونی سے تعلیم حاصل کی، پھر شیخ نذر محمد، جو سید احمد شہیدؒ کے رفقاء میں سے تھے، ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے-(۱۰۴)

فراغت کے بعد لکھنؤ جا کر مفتی ظہور اللہ کی صحبت اختیار کی- ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں عظیم آباد واپس آئے اور مدرسہ سعیدیہ عظیم آباد میں درس وتدریس کی خدمت میں مشغول ہوگئے- آپ کا سلسلۂ نسب باپ کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ تک اور ماں کی جانب سے حضرت عبداللہ عباسؓ تک پہنچتا ہے-(۱۰۵)

مولانا محمد سعید عقائد ونظریت کے اعتبار سے حنفی تھے-(۱۰۶) مولانا صاحب دیوان شاعر تھے- عربی، فارسی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے- زیادہ تر فکر سخن عربی وفارسی میں ہوتا تھا- فن تاریخ گوئی میں درجۂ

امامت پر فائز تھے- فارسی میں حسرتؔ اور عربی واردو میں سعیدؔ تخلص فرماتے تھے- اردو کے مشہور ادیب ونقاد مولانا عبدالمالک آروی مولانا سعید حسرتؔ کے رنگ تغزل سے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا حسرت اور شوقؔ نیموی دین کے بلند پایہ عالم گزرے ہیں، حسرتؔ نے حافظؔ اور بابا فغانی، جامیؔ اور عرفیؔ کی غزلوں پر غزلیں کہیں ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کی بہتیری غزلیں کامیاب رہی ہیں-'' (مقام محمود: ۷۸)(۱۰۷)

تصانیف:

۱- قسطاس البلاغۃ: یہ اہم کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۹۹ھ میں ''احسن المطابع''، عظیم آباد، پٹنہ سے طبع ہوئی، تعداد صفحات ۴۶۰، حصہ اول میں باعتبار ردیف فارسی غزلیں ورباعیات ہیں، حصہ دوم میں باعتبار سنین قطعات ورباعیات تاریخی درج کئے ہیں- یہ حصہ اس اعتبار سے بھی تذکرہ نگاروں کے لئے بہت اہم ہے کہ اس سے مختلف علماء ومشاہیر کے سنین وفات سے آگاہی ہو جاتی ہے-(۱۰۸) حصہ سوم میں اردو غزلیں ہیں، حصہ چہارم المنشات العربیہ والفارسیہ پر مشتمل ہے-

۲- مقصد البلاغۃ: یہ قسطاس البلاغۃ کا ضمیمہ ہے جو الگ سے مطبع نظامی کانپور سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا تھا-

۳- تحفۃ الاخوان در مناظرہ لصاحبان صادق پور در منع بسملہ بجھر-

۴- الحلاوۃ العلیۃ فی الرد علیٰ من احدث من الحلو والرطب-

۵- زادلفقیر فی الحج متوکلا علی اللطیف الخبیر: اس میں مولانا نے اپنے سفرحج کے حالات وواقعات تحریر فرمائے ہیں-

۶- اتمام العطر فی احکام عید لفطر: اس میں مسمانوں کے عیدالفطر کے احکام ومسائل تحریر فرمائے

ہیں۔

۷-حاشیہ برشرح ملا جامی۔

۸-شرح میزان المنطق بزبان فارسی۔

۹-حواشی برحاشیہ غلام یحییٰ برمیر زاہد۔

۱۰-رسالہ منیۃ المنشوق۔

۱۱-شرح فارسی قصیدۂ لامیہ۔

۱۲-ہفت بند نعتیہ در جواب ہفت بند کاشی۔(۱۰۹)

وفات:

۲۱ شعبان ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں وفات پائی، آپ کا مقبرہ مغل پورہ، پٹنہ سیٹی میں آپ کے قائم کردہ مدرسہ کھنڈر کے پورب خاندانی قبرستان میں واقع ہے۔

حدیقۃ الازہار میں تاریخ وفات ۴ شعبان ۱۳۰۴ھ درج ہے۔(۱۱۰)

شیخ وصی احمد پھلواروی:

ولادت:

۳۰ ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ میں ہوئی (تذکرہ علمائے بہار، جلد اول میں ولادت ۱۲۲۴ھ بمطابق ۱۸۹۰ء درج ہے)۔ ابتدائی کتابیں مولانا احمدی قدس سرہٗ سے پڑھیں مگر تکمیل مولانا محمد حسین قدس سرہٗ سے ۲۰ جمادی الآخر ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔ فن عروض و شعر میں حضرت فرد سے تلمذ تھا اور اپنے والد محترم کو بھی ابتدائی غزلیں دکھائی ہیں۔ ۲۷ رجب ۱۲۴۰ھ میں بطریقہ قادریہ وارثیہ اپنے نانا حضرت شیخ اعا امین شاہ محمد نعمت اللہ قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ تعلیم و تربیت اجازت و خلافت حضرت فردؔ اور مولانا علی سجادؔ قدس سرہما سے تھی۔

اجازت تبرک حضرت نصرؔ اور شاہ نور العین اپنے جمیع سلاسل و مرویات سے حدیث کا مجاز بنا دیا تھا- والد کی وفات کے بعد جانشین کیئے گئے- حضرت فردؔ سے آپ کا لحوق ولذوق بہت رہا- حضرت کے زمانہ میں خانقاہ کے تمام بیرونی انتظامات آپ کے ہاتھ میں تھے-(۱۱۱) ایک اچھے شاعر تھے- فارسی اور اردو میں ان کا دیوان ہے- وصیؔ تخلص کرتے تھے- آپ نے اپنی وفات سے چند دن پیشتر اپنی وفات کا مادہ تاریخ لکھ کر قلمدان میں رکھ دیا تھا، وہ یہ ہے "عاشق صادق حبیب خدا-" آپ کے اردو و فارسی کلام کا مجموعہ "کلیات مولانا وصی احمد" کے نام سے شائع ہو چکا ہے-(۱۱۲)

وفات:

۳ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ مجیبیہ میں اپنے جد امجد حضرت شاہ احمد عبدالحیؒ قدس سرہٗ کے پہلو میں بجانب مغرب مدفون ہوئے-(۱۱۳)

مولوی محمد معشوق کشش پھلواروی:

مولانا محمد معشوق کششؔ پھلواروی کے والد کا نام مولانا محمد علی سجادؔ پھلوارویؒ تھا- آپ کی پیدائش ۱۸ رجب ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں ہوئی- مختصرات تک حضرت نصر اور مولوی محمد صدیقی عیسٰی پوری سے تعلیم پائی- بیعت حضرت نصرؔ سے کی اور سلاسل مجیبیہ کی اجازت پیر و مرشد سے ملی تھی- اعلیٰ ذوق کے آدمی تھے- شاعری کا ذوق تھا- کشش تخلص کرتے تھی- اردو کا ایک ضخیم دیوان آپ کی یادگار کتب خانہ مجیبیہ میں موجود ہے-

وفات:

۵ صفر ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں انتقال فرمایا اور مقبرہ مجیبیہ میں مدفون ہوئے-(۱۱۴)

صوفی منیری:

حضرت شاہ ابو محمد جلیل الدین حسین عرف شاہ فرزند علی تخلص صوفیؔ رحمۃ اللہ علیہ قصبہ منیر شریف ضلع پٹنہ

کے ایک باکمال شاعر تھے۔

ولادت:

۹ شوال ۱۲۵۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کو آپ نے اسلام پور ضلع پٹنہ میں انتقال کیا۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ محمد علی ہے۔ حضرت سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشا پوری آپ کے جد اعلیٰ ہیں اور نانیہالی رشتۂ نسب بواسطہ مخدوم شاہ خلیل الدین (برادر شاہ شرف الدین بن یحییٰ منیری قدس سرہٗ) حضرت امام تاج فقیہہ فاتح منیر شریف سے ملتا ہے۔ بزرگوں کا وطن بہار شریف محلہ دیبی سرائے تھا۔ (یہ محلہ ولیہ باکمال حضرت بی بی ابدال بنت مخدوم بدر عالم زاہدی رحمتہ اللہ کے نام نامی کے سبب مشہور ہوا ہے(۵۰) اور حضرت بدر عالم زاہدی کی درگاہ بہار شریف میں چھوٹی درگاہ کے نام سے معروف ہے) آپ کو چونکہ بی بی ابدال سے نسبتی تعلق ہے اسی وجہ سے یہ خاندان ابدالی کہلاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد یہ خاندان موضع شرف آباد پارتھو (جو پُن پُن کے قریب ہے) آبسا اور آخر میں وہاں سے بھی ہجرت کی اور حضرت صوفیؒ اپنے برادر اکبر پیر و مرشد شاہ اولاد علیؒ فردوسی زاہدی کے ساتھ نانہال منیر شریف میں آ کر آباد ہو گئے اور موصوف کی شادی قصبہ اسلام پور ضلع پٹنہ میں حضرت شاہ ولایت علیؒ قدس سرہٗ کی صاحبزادی بی بی قدیرن سے ہوئی۔ حضرت نے ابتدائی درسی کتابیں کمسنی میں پڑھی تھیں اور پھر بذریعہ مطالعہ و کتب بینی فارسی کی اچھی خاصی استعداد حاصل کر لی۔ عربی بھی بقدر ضرورت مولوی حسام الدین حیدر صاحب اور مولوی فیض اللہ صاحب پشاوری سے اسلام پور میں پڑھی۔ کتب بینی کے نہایت شائق تھے۔ بزرگوں خصوصاً حضرت مخدوم الملک بہاری اور ان کے سلسلہ کی تصانیف کے مطالعہ اور کتابت کا مشغلہ تمام عمر رہا، خط بھی پختہ اور خوبصورت تھا، ظرافت اور خوشدلی کو بھی آپ کے مزاج میں بے حد دخل تھا۔

فن تصوف میں نہایت اچھی دستگاہ تھی بلکہ اپنے معاصرین میں سر بلند تھے۔ آپ کو ادب کا فطری

ذوق تھا- اردواور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے-(۱۱۶) حضرت غالب دہلوی مرحوم سے تلمذ تھا- فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں آپ کی تصانیف موجود ہیں، بعض طبع ہوچکی ہیں اور بعض ہنوز ویۂ گمنامی میں پڑی ہیں، ان کی فہرست درج ذیل ہے: کتب مطبوعہ: ۱- راحت روح، ۲- عروۃ الوثقی، ۳- وسیلۂ شرف اردو، ۴- ذریعۂ دولت اردو، ۵- اصول تکسیر فارسی، ۶- سِرِ دوستان فارسی- کتب غیر مطبوعہ: ۷- مصطلحات المتصوفین، ۸- خمخانۂ فارسی، ۹- خط راست اردو، ۱۰- نتیجہ بالخیر اردو، ۱۱- کشش عشق، ۱۲- روش عشق، ۱۳- لواء الحمد، ۱۴- آخرالذکر، ۱۵- فارسی اودکا غیر مطبوعہ دیوان-

اولاد واصناف:

حضرت صوفی کی پہلی محل بی بی قدیرن کے بطن سے دو بیٹیاں اور تین فرزند ہوئے- بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد عبدالقادرؒ (۱۲۸۵ھ/۱۳۳۹ء) سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (مصنف کتاب انوار ولایت) تھے، جن کی شادی منیر شریف میں جناب شاہ خلیل الدین احمد جوش منیری کی صاحبزادی سے ہوئی- حضرت صوفی منیری اور شاہ خلیل الدین جوش منیری خالہ زاد بھائی تھے- جناب شاہ عبدالقادر صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب شاہ محمد ابوالبرکات صاحب اس وقت یعنی ۱۳۸۷ھ آپ کے جانشین صاحب سجادہ ہیں- حضرت صوفی کے منجھلے صاحبزادے جناب مولانا حکیم حاجی محمد عمر عامر اسلام پوری تھے، جن کے بڑے صاحبزادے جناب حافظ سید شاہ محمد یحییٰ صاحب ہیں اور حضرت صوفی کے چھوٹے صاحبزادے جناب سید شاہ سید علی صاحب تھے، جن کے بڑے صاحبزادے جناب سید شاہ محمد ایوب صاحب نیر اسلام پوری تھے اور ان کی اولاد مذکور کے علاوہ حضرت صوفی کی دو لڑکیاں تھیں، بڑی لاولد بیوہ ہوئیں، چھوٹی لڑکی بی بی امامن کی شادی موضع بانس بیگہ علاقہ آ لنگر سرائے ضلع پٹنہ میں سید محمد لطف الرحمن صاحب سے ہوئی جن کے صاحبزادے حاجی سید شاہ عطاء الرحمن اسلام ہیں، جو جوہرآباد میں سرکاری ملازم ہیں-(۱۱۷)

حضرت صوفی کی دوسری اہلیہ کے بطن سے ایک صاحبزادے جناب شاہ اسد اللہ منیری تھے، جن کے صاحبزادے شاہ محمد علی صاحب ہیں۔

تلامذہ:

حکیم شاہ احتشام الدین حیدر مشرقی منیری اور شاہ اکرام الدین عرفان رئیس اسلام پور اور اردو شاعری میں حضرت صوفی کے ممتاز تلامذہ سے ہیں۔(۱۱۸)

عارف نوآبادی:

حضرت مولانا حکیم شاہ اشرف علی نوآبادی، عارف تخلص، تاریخ ولادت ۱۲۱۷ھ ہے۔ تاریخی نام اظہار علی ہے۔ خلف و جانشین سجادہ یحییٰ علی ابوالعلائی قدس سرہٗ صاحب مزار درگاہ صفی پور متصل خسرو پور نوادہ ضلع پٹنہ (آپ کا عرس ۱۰ ذیعقد کو ہوا کرتا ہے) وطن نوارہ خسرو پور۔

وفات:

۵ محرم ۱۲۷۳ھ ہے۔

آپ کا مزار رُہوا درگاہ، ضلع پٹنہ، ضلع مظفر پور میں واقع ہے۔ مرض فالج میں آپ مبتلا ہوئے تھے۔ آپ عالم و فاضل، حاذق طبیب و صاحب تصنیف تھے اور خطاطی بھی کرتے تھے۔

تصانیف:

دیوان عارف (فارسی) اور عقیدۃ المسلمین، فارسی میں ایک رسالہ عقائد اہل سنت میں آپ سے یادگار ہے۔ اردو شاعری میں آپ کو ذوق فراواں حاصل تھا۔ آپ کے فیضان باطنی اور رشد و ارشاد سے خلق کثیر مستفید ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم شاہ یحییٰ علی قدس سرہٗ ۱۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کے تذکرہ میں ایک فارسی کتاب لکھی گئی تھی، جس کا اردو ترجمہ ''تذکرۃ الابرار'' یونین

پریس پٹنہ میں طبع ہو کر شائع ہوا-(۱۱۹)

عطا دانا پوری:

سید شاہ محمد وزیر نام اور عطا تخلص ہے- دانا پور ضلع پٹنہ آپ کا مسکن تھا- آپ کے فرزند سید شاہ محمد کبیر متخلص بہ عرفاں اپنی تالیف ''تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام'' میں اپنے والد ماجد سید شاہ محمد وزیر کے حالات اس طرح تحریر فرماتے ہیں:(۱۲۰)

''حضرت مولوی شاہ محمد وزیر رحمتہ اللہ علیہ، بیٹے حضرت شاہ محمد واجد قدس سرہٗ کے تھے- آپ کی تعلیم علم ظاہری حضرت مولانا وحید الدین احمد قدس سرہٗ اور حکیم کاظم حسین قدس سرہٗ سے تھی اور تعلیم باطنی جناب حضرت سید شاہ فخر الدین حسین بن مبارک حسین بن سید شاہ قمر الدین حسین عظیم آبادی سے تھی اور بیعت و خلافت آپ کو اپنے عم بزرگ حضرت سیدنا شاہ محمد قاسم قدس سرہٗ سے تھی- آپ نہایت حلیم اور سلیم الطبع تھے- اپنی اوقات عزیز بے فائدہ ضائع نہ فرماتے- طبیعت میں نہایت درجہ کی جفاکشی تھی اور اکثر وقت اپنا بزرگوں کے تذکرہ کو نظم کرنے میں صرف فرماتے تھے چنانچہ ''گلشن میلاد'' کو مولود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں نظم فرمایا تھا، خود چھپوایا اور اس کے بعد آپ کے معجزات وغیرہ کو نظم فرمایا اور ایک (۱۲۱) بڑی کتاب مجم ہوگئی اور امام حسینؓ کے حالات کو نظم کیا اور اس کا نام ''شہادتین کبیر'' رکھا اور ابو سامروی خراسانی کے حالات بطور داستان کے فارسی سے ترجمہ کر کے اردو میں لکھے اور عبارت مسجع اور مقفی میں تحریر فرمائے- یہ داستان چار جلدوں میں لکھی گئی لیکن ہنوز ان سب کی طبع کی نوبت نہ آئی تھی کہ انتقال کیا- آپ کی کیفیت سے لوگ اکثر متاثر ہوتے تھے-(۱۲۲)

وفات:

پچپن برس کی عمر میں ۱۳۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا، مزار دانا پور اپنے خاندانی قبرستان میں

ہے۔(۱۲۳)

فانی گیاوی:

سید شاہ عطا حسین نام، فانی تخلص اور مبشر سید عبدالرزاق لقب۔ آپ رمضان شریف ۲۳ویں تاریخ پنجشنبہ کے دن ۱۲۳۲ھ کو افطار کے وقت اپنی نانیہال، بمقام دانا پور (پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا بزرگوار سید شمس الدین حسین نے تاریخ ولادت لکھی ہے۔ آپ کا جدی سلسلۂ نسب حضرت امام محمد باقرؓ سے ۳۳ واسطوں سے ملتا ہے۔ چند کے نام یہ ہے: حضرت الحاج سید شاہ عطا حسین، مخدوم سید شام غلام حسین، دانا پوری بن شاہ سید ولی اللہ بن حضرت سید المجذ وبین سید شاہ محمد یٰسینؒ۔ آپ کے بچپن کا زمانہ تمام وکمال نانیہال میں گزرا۔ آپ کے ماموں حضرت سید شاہ قمر الدین صاحب نے آپ کی اور اپنے کمسن بیٹے کی، جن کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا، ایک ساتھ پرورش کی اور دونوں رضائی بھائی بھی تھے۔ اس کے بعد حسب ارشاد جد امجد حضرت سید شاہ غلام حسین قدس سرہ آپ کے چھوٹے چچا حضرت حکیم سید شاہ مراد علی نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا اور آپ کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی۔ فارسی وعربی کی تعلیم کا زیادہ حصہ آپ ہی کے دامن شفقت میں حاصل کیا۔ فن طب کی تعلیم وتکمیل جناب حکیم محمدی صاحب ساکن دسنہ سے ہوئی۔ پھر آپ نے عربی کی تعلیم مولانا عزیز الدین حیدر لکھنوی سے حاصل کی۔ سولہ برس کی عمر میں آپ نے اپنے جد امجد حضرت سید شاہ غلام حسین منعمی سے چشیہ خضریہ منعمیہ طریقہ میں بیعت کی اور کسب سلوک کی طرف متوجہ ہوئے، پھر اپنے جد امجد پیر دستگیر سے اجازت لے کر اپنے ماموں حضرت قطب العصر سید شاہ قمر الدین حسین سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔(۲۴)

۱۲۵۴ھ ساتویں ماہ محرم الحرام کو آپ کے جد امجد نے اپنے کل سلاسل اور کتابیں آپ کے سپرد کیں، اس کے دو ہفتہ کے بعد اکیس محرم ۱۲۵۴ھ کو حضرت سید الواصلین سید شاہ غلام حسنین قدس سرہ ۸۶ سال کی عمر

میں واصل بحق ہوئے۔اس حادثہ کے دو ماہ کے بعد ربیع الاول ۱۲۵۴ھ تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں حضرت مخدوم الملک بہاری کی اولاد سید شاہ امیر علی فردوسی بہاری کی دختر نیک اختر سے شادی کی۔(۱۲۵)

چھ ماہ کے بعد قطب العصر سید شاہ قمر الدین حسینؒ سے بھی اجازت وخلافت ملی جس کے بعد سے آپ کی طرف لوگوں کا مرجوعہ زیادہ ہونے لگا۔ آپ کے جد امجد کی رحلت کے بعد ہی سے اعزہ واقرباء کی جانب سے کچھ ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ آپ برداشتہ خاطر ہوکر کسب معاش اور فکر ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے، غازی پور پہنچ کر کوتوال شہر مقرر ہوئے اور دونوں میں یکجہتی کے مراسم پیدا ہوگئے۔ آپ نے فرائض منصبی کو اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ سارا شہر آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ غازی پور میں آپ کو اطلاع ملی کہ ۲۰ شعبان ۱۲۵۵ھ کو آپ کے مرشد اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین واصل بحق ہوئے۔ یہ خبر سن کر مستعفی ہوکر وہاں سے آپ چلے آئے اور اب دل بے قرار رہنے لگا۔ پھر دوسری مرتبہ شہر گیا چلے آئے اور یہاں امین عدالت مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں بعد ملازمت سے علیحدہ ہوکر شہر گیا سے دان پور چلے گئے۔(۱۲۶)

تالیف وتصنیفات:

حضرت فانی کی تالیفات وتصنیفات میں سے چھوٹے بڑے پینتیس (۳۵) رسالے خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ گیا میں موجود ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔کنز الانساب، مطبوعہ مطبع حیدری صفدری، بمبئی

۲۔مثنوی سرحق، مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ

۳۔کیفیۃ العارفین ونسبت العاشقین، مطبوعہ مطبع منعمی گیا، ان کتابوں کے علاوہ ذیل کی دیگر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

۴۔ وقیقۃ السالکین، ۵۔حقیقۃ العارفین، ۶۔دوازدہ مجلس رسول جمیں، ۷۔مولود نبی کریم منظوم،

۸-بہار نسیم، ۹-تذکرہ حضرت سیدۃ النساء اللعالمین عنہما، ۱۰-تذکرہ صدیقیہ، ۱۱-تذکرہ فاروقیہ، ۱۲-تذکرہ عثمانیہ، ۱۳-مولود علیؓ، ۱۴-تذکرہ امامین بہ مولود حسن و مولود حسینؓ، ۱۵-تذکرۃ الشہادتین، ۱۶-مولود قادریہ، ۱۷-شہود چشتیہ، ۱۸-انوار قطبیہ، ۱۹-لمعات فریدیہ، ۲۰-فیض نظامیہ، ۲۱-اسرار نقشبندیہ، ۲۲-مولود شرفی، ۲۳-اقوال منعمیہ، ۲۴-کلمات الواصلین، ۲۵-اسرار قمریہ، ۲۶-ارشاد قمریہ، ۲۷-معمولات اشرف، ۲۸-حقیقۃ الصلوٰۃ، ۲۹-نکات لطافت، ۳۰-مثنوی سرِ عطا، ۳۱-مثنوی گنجینۂ اولیاء، ۳۲-مثنوی فسانۂ دلپذیر، ۳۳-مجموعہ تمام سال کے لئے دوجلد، ۳۴-مظہر اسرارات معمولات درود و وظائف، ۳۵-کتاب احوال و واقعات سفر حج، اس کا نام ''دید مغرب وہدایت المسلمین'' تھا، اس کے تین حصے تھے، پہلا حصہ ''سیر ہند''، دوسرا حصہ ''زائر عرب'' اور تیسرا حصہ ''مراجعت-''

وفات:

سترہ شوال المکرم روز سہ شنبہ ۱۳۱۱ھ دس بجے دن کو نواسی (۸۹) سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے- نماز مغرب کے بعد حضرت سید شاہ نظام الدین احمد ساقیؔ، نے جو آپ کے پوتے تھے، نماز جنازہ پڑھائی- مزار شریف اندرون حجرہ خانقاہ ابوالعلائیہ واقع محلہ رام ساگر (نادرہ گنج) گیا مرجع خلائق ہے-(۱۲۷)

فخر بہاری:

سید محمد عبدالغنی نام فخر تخلص ہے- والد کا نام حمید الدین احمد ہے- آپ کا سلسلۂ نسب سادات سے تھا- آپ کے جد امجد موضع باگھی چکوہ تھانہ وارث علی گنج ضلع گیا سے منتقل ہو کر قصبہ بہار شریف محلہ لہیری سرائے ضلع پٹنہ میں آکر بسے تھے- آپ کی ولادت بمقام قصبہ بہار شریف ۱۲۶۹ھ فصلی میں ہوئی-

وفات:

اور سال رحلت ۱۹۰۵ء ہے- تعلیم کا سلسلہ بہار میں رہا- عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم کے علاوہ

انگریزی کی تعلیم انٹر کلاس تک ہوئی تھی- عمر کا زیادہ حصہ ضلع گیا میں بعہدہ اورسیری ڈسٹرکٹ بورڈ صرف ہوا- حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد قدس سرہٗ سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین بہاری سے سلسلۂ قادریہ میں شرف بیعت حاصل ہوا- طبیعت میں اختراع اور جدت پسندی بدرجہ اتم تھی- شعر وشاعری میں کسی سے تلمذ نہ تھا- علاوہ شغل سخن کے اپنے فرائض منصبی سے شغف تھا- صناعی ودستکاری میں وقت صرف کرتے- چنے کی دال پر مکمل سورۂ قل ھواللہ لکھا کرتے تھے- بخاری اور آہنگری سے لے کر نازک تر کام خوش نویسی تک بغیر تکلیف انجام دیا کرتے تھے- پلنگ کی بناوٹ میں اشعار بنتے تھے- فن شاعری میں فکر طویل کے کبھی محتاج نہ ہوئے- حضرت امیر خسرو کے رنگ وزبان چیتاں خوب فرماتے تھے- تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتے تھے- اپنے طویل سفر کو نظم میں لکھا کرتے تھے-

آپ کی تصانیف میں صرف ایک کتاب موسومہ ''زینت اسکول'' چھپ سکی-

اولاد:

اولاد میں چار صاحبزادے مسمیٰ ں ۱- ابوالحسن محمد طیب ڈپٹی مجسٹریٹ مرحوم، ۲- ابوالخیر محمد عطا طاہر ڈپٹی مجسٹریٹ، ۳- خان بہادر ابونصر محمد عمر نائب کمشنر پٹنہ، ۴- اور ابوالفتح محمد عثمان وکیل بہار شریف کو اپنی یادگار چھوڑا- (۱۲۸)

فخر گیاوی:

محمد فخر الدین نام، ابوالحیا کنیت، فخر تخلص اور ظفیر عالم تاریخی نام ہے- ۱۳۳۱ھ میں اپنے نانا حضرت مولانا عبدالغفار صاحب کے مبارک مکان شہر گیا میں پیدا ہوئے- آپ کے والد مولانا خیر الدین صاحب اپنے وقت کے مایہ ناز عالم دین تھے- آپ بارہ سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے- پھر فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ پہنچے اور مدرسہ فرقانیہ میں داخل ہوکر مولانا قاری عبدالمالک صاحب کے

شاگرد ہوئے اور ایک ہی سال میں قاری عبدالمالک صاحب نے قرأت حفص کی تکمیل کر دی، اس کے کچھ عرصے کے بعد دو سال میں قرأت سبعہ کی تکمیل کی پھر مختلف مدارس میں عربی کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ آخر کار شوال ۱۳۵۳ھ میں دورحدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ کو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے بیعت وارشاد اور اجازت حاصل ہے۔ آپ نے بعض اساتذہ کے مشورے سے شہر رنگون میں جامعہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ دو سال تک اس مدرسہ کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتے رہے پھر اپنے والد ماجد کے حکم سے رنگون سے شہر گیا آ گئے اور ۱۳۶۰ھ میں آپ نے مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کا انتظام سنبھالا۔ آج کل اس مدرسے کی ۵۵ شاخیں قائم ہیں۔ حضرت فخر کو بچپن سے ہی شاعری کا ذوق تھا۔ پہلے آپ کا تخلص تبسم تھا پھر فخر کرنے لگے۔ حضرت رسا ہمدانی گیاوی سے آپ کو شاعری میں تلمذ تھا۔ حضرت فخر گیاوی کا زیادہ تر کلام حمد ونعت اور مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، جس سے پڑھنے والوں کو ایمان کا نور اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ ''نور الایمان'' کے نام سے تاج پریس گیا میں طبع ہوا ہے، جو ۲۲۴ صفحات پر حاوی ہے۔ (۱۲۹)

مولانا شاہ محمد قائم قتیل داناپوری:

ولادت:

مولانا شاہ محمد قائم چشتی قتیل داناپوری ۲۸ جمادی الاولی بروز جمعہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء ایک بجے دن کوشاہ ٹولی داناپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید شاہ محمد حسین قادری اویسی اور دادا کا نام سید شاہ محمد امین ابوالعلائی تھا۔

اپنے وقت کے بڑے جید عالم تھے۔ داناپور میں آستانہ چشتیہ نظامیہ محلہ شاہ ٹولی میں آستانہ کے انیسویں سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد شرف الدین حسین چشتی نظامی سے ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں بیعت ہوئے

اور ۱۳۴۴ھ سے آستانہ کی خدمت کرتے رہے۔(۱۳۰)

فاسی اور اردو تصنیفات مطبوعہ:

۱۔ ساغر کیف ۲۔ دیوان فارسی ۳۔ رباعیات خاص ۴۔ انتساب الاخبار ۵۔ اذکار الابرار ۶۔ خزینۃ الانوار ۷۔ نور مجسم ۸۔ مصلح آخرت ۹۔ ظہور انوار ۱۰۔ نور علی نور ۱۱۔ سید العرب والعجم ۱۲۔ محاربہ اشتہار آرہ ۱۳۔ ردای علم غیب ۱۴۔ مناظر میلاد افزا ۱۵۔ ذبح عظیم ۱۶۔ بارہ شہزادے ۱۷۔ کفر یزید ۱۸۔ مشکوٰۃ حقیقت ۱۹۔ تضمین جمیل بر خیر البسمل ۲۰۔ مسئلہ مرغوب خُرد ۲۱۔ مسئلہ مرغوب کلاں ۲۲۔ تاریخ سلف ۳۔ ظل نجات ۲۴۔ اخوان بدخصال ۲۵۔ تہتر فرق ۲۶۔ تجلیات قتیلؔ، دیوان اردو ۲۷۔ گنجینۂ قتیل مع ضیاء العروض ۲۸۔ شجرات گل افشاں، غیر مطبوعہ ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ آٹھ کتابیں انگریزی زبان میں ہیں۔(۱۳۱)

شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ قتیلؔ تخلص کرتے تھے۔(۱۳۲)

حضرت قتیلؔ دانا پوری کے تلامذہ اور متوسلین کی تعداد کافی ہے۔ حضرت قتیلؔ دانا پوری کے اردو دیوان کا ایک شعر ہے۔

کھینچ ہی لیتا ہے تصویر جمال معنی
قلم اہل سخن خامۂ بہزاد نہ ہو(۱۳۳)

وفات:

آپ کی وفات ۲۷ جولائی ۱۹۸۵ء کو ہوئی اور خانقاہ شاہ ٹولی دانا پور پٹنہ میں مدفون ہوئے۔(۱۳۴)

قیس آروی:

سید محمد ضمیر الحق نام ابو الخیر کنیت اور قیس تخلص ہے۔ محلہ چوک آرہ ضلع شاہاباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید نبی بخش تھا جو بہت ذاکر و شاغل تھے۔

ولادت:

جناب قیس ۱۲۸۰ء کی اکیسویں رمضان کو پیدا ہوئے۔ آپ خاندان سادات سے تھے۔ سلسلۂ نسب پدری حضرت مولانا سید یوسف سدیسو پوری عظیم آبادی سے ملتا ہے۔ (۱۳۵)

جناب قیس نے وطن مالوف میں مختلف اساتذہ سے علوم فارسیہ اور مختصرات عربی کی تحصیل کی۔ ۱۲۹۸ء کو مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں داخل ہوئے اور کل مطولات درسیہ نظامیہ جناب مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوری سے تمام کر کے شوال ۱۳۰۳ھ میں فراغ حاصل کیا۔

ابتداء ہی سے جناب قیس کی طبیعت کا میلان شعر وسخن کی طرف تھا اور مولانا عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی سے تلمذ تھا اور جناب شمشاد اپنے زمرۂ تلامذہ میں آپ کو خاص فیاضانہ نگاہ محبت آمیز سے دیکھتے تھے۔ (۱۳۶)

آپ کا مذاق شعر پاکیزہ اور اسلوب بیان قابل تعریف ہے۔ جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ کے سالانہ اجلاسوں میں دو سال تک ایک ایک مسدس پڑھنے کا آپ کو اتفاق ہوا اور وہ دونوں ایک ساتھ رسالہ کی صورت میں شائع ہو کر قوم میں وقعت کی نظر سے دیکھتے گئے۔

وفات:

۲۹ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ (۱۳۷)

نمونۂ کلام یہ ہے:

طور ہی پر نہیں موقوف نظارہ تیرا
چشم بینا ہو تو ہر شئے میں ہے جلوہ تیرا
بجلی گرائی خرمنِ ہوش و حواس پر

کیوں دیکھ کر وہ میری طرف مسکرا دیا

مانا کہ تم کو غیر کی خاطر عزیز تھی

لیکن یہ کیا کیا جو مرا دل دکھ دیا(۱۳۸)

قسیم گیاوی:

سید قسیم الحق نام، قسیم تخلص ہے، تاریخی نام سید محمد اقبال غنی اور ولادت ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۲ء ہے۔ نسباً سید وطناً گیاوی ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام حکیم سید نسیم الحق ہے جو سورج گڑھ ضلع مونگیر میں طباعت کرتے تھے۔ جناب قسیم صاحب شہر گیا(۱۳۹) میں پیدا ہوئے، یہیں پروان چڑھے۔ آپ کے نانا جان شہر گیا کے مایہ ناز عالم مولانا خیر الدین صاحب تھے جن کے زیر سایہ آپ کی تعلیم شروع ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن ہوگیا۔

آبائی وطن قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیر میں چند سال گزارے، قاضی سید محمد یوشع حسینی صاحب کی بدولت انگریزی تعلیم شروع کی۔ ہائی اسکول میں پڑھتے رہے مگر علالت کی وجہ سے سلسلہ منقطع ہوگیا، پھر گیا آگئے اور اپنے بڑے ماموں مولانا قادری محمد فخر الدین گیاوی مہتمم مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کی سرپرستی میں نئے سرے سے مذہبی تعلیم شروع کی۔ دور کلام پاک، مشق قرأت اور پھر عربی، فارسی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے مگر تعلیم کی تکمیل نہ ہو سکے۔ ۱۳۷۶ھ میں مدرسہ قاسمیہ میں محرر دفتر کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔

دو سال کے بعد پھر تعلیم کا شوق پیدا ہوا، دارالعلوم دیوبند پہنچے، مولانا محمد عتیق صاحب اور مولانا قاری محمد حفظ الرحمٰن صاحب سے فیضیاب ہوئے۔ قرأت کی تکمیل کی اور گیا واپس آگئے، جہاں مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ میں مدرس درجہ تجوید و قرأت و ناظم کتب خانہ کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ سفر دیوبند کے اثناء میں دہلی، آگرہ، علی گڑھ، لکھنؤ اور کانپور جیسے شہروں کی آپ نے سیاحت کی۔

رسائل و جرائد کے پڑھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ پانچ پانچ گھنٹوں تک اکثر اوقات مسلسل پڑھا

کرتے تھے۔ جرائد کے مطالعہ سے مضمون نویسی کا شوق پیدا ہوا اور کہانیاں لکھنے لگے جو ''کھلونا'' دہلی اور ''پھلواری'' دہلی میں شائع ہوئیں۔ پھر افسانے لکھنے لگے اور وہ چھپنے لگے۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں رسالہ ''سہیل'' گیا میں قدیم بزم سخن بھاگلپور کے انعامی مشاعرے کا مصرعہ طرح چھپا، مصرعہ یہ تھا: (۱۴۰)

پہلی سی وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

مصرعہ پڑھ کے آپ کے دل میں بھی طبع آزمائی کی گدگدی پیدا ہوئی۔ کاوش کر کے چھ شعروں کی ایک غزل کہیں اور حضرت بسملؔ سنہسروی گیاوی کی خدمت میں بھیجی۔ انہوں نے اس پر اصلاح دی اور ہمت افزائی بھی کی۔ اس کے بعد برابر طبع آزمائی کرتے رہے اور کاوش فکر اب تک جاری ہے۔ آپ کے کلام کا ''نقش اول'' کے نام سے ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس پر صرف وہی کلام درج ہے جس پر حضرت بسملؔ سنہساروی نے اصلاح کی تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

حمد:

آنکھ دیکھے یا نہ دیکھے دل نہ دیکھا ہے ضرور
تجھ کو جانا تجھ کو پہچانا ہے مانا ہے ضرور

نعت:

یہ انساں جن کے فیضانِ کرم سے آج انساں ہے
انہیں کی مدحت و توصیف میرا دین و ایماں ہے

رنگِ تغزل:

کچھ کام نہ آئے گا یہ انداز شہانہ
جینا ہے تو آ مل کے جبیں شانہ بشانہ

کیوں اپنے غم دل کو کہوں اور کسی سے
کیا کم ہیں یہاں کے لئے غم ہائے زمانہ(۱۴۱)

قمر گیاوی شہسرامی:

نواب محمد تقی جان نام، قمر تخلص، خلف نواب محمد تقی جان قادری مجیبی، آبادوطن گیا، سکونت پذیر قصبہ شہسرام ضلع آرہ، حضرت قمر نواب داؤد خاں قریشی کی اولاد سے ہیں، گیا ڈسٹرکٹ گزیسٹڈز میں ہے کہ داؤد مان متوفی ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء بعہد عالمگیر صوبہ بہار کے گورنر تھے۔

ولادت:

حضرت قمر ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے ،۱۹۱۲ء میں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں داخل ہوئے ، وہاں ابتدائی فارسی ،عربی کتابیں پڑھیں ، ۱۹۱۹ء میں اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر ہوگئے اور ۱۹۴۳ء میں ٹیہٹہ ضلع گیا میں جبکہ اسٹیشن ماسٹر تھے، ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

شاعری میں بھی حضرت مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی فرنگی کے شاگرد ہوگئے۔ اودھ پنچ ، اخبار مدینہ، بجنور وغیرہ کے نامہ نگار اور چند رسالوں کے مضمون نگار بھی تھے۔ ''قمر اللغات'' اور'' آفتاب اردو'' کے مؤلف ہیں، جن کا ذکر ''فرہنگ آصفیہ'' میں ہے۔ فرہنگ آصفیہ جلد اول، اشاعت دوم ۱۹۱۸ء میں ان کی ایک تقریظ ہے۔ (۱۴۲) اور لغات نساء میں طبع کی تاریخیں ہیں۔ حضرت قمر نے شعرائے بہار کا ایک تذکرہ مرتب کیا ہے جس کا نام آپ نے'' آب کوثر'' رکھا ہے۔ حضرت قمر کے دیوان کا نام'' دیوان پیغمبر'' ہے۔ حضرت قمر نے ۱۹۳۷ء میں محلہ شاہ جمعہ میں ایک مکان بنوا کر سکونت اختیار کر لی۔ نمونہ کلام یہ ہے:

حمد:

الحمد پڑھ کے نام لیا اس جلیل کا
آتش سے جس نے باغ لگایا خلیل کا

نعت:

معطر ہوگئی دنیا گل بستان ہاشم سے
یہ بو رکھتا نہیں ہے کوئی گل گلزار جنت کا(۱۴۳)

نذر حضرت مخدوم الملک بہاریؒ:

ہندوستان بھر میں ہے شہرت بہار کی
ہے آنکھ اگر تو کر لے زیارت بہار کی
قربان حضرت شرف الدین نیک نام
ہے روضۂ جناب سے زینت بہار کی
درگاہِ پاک خاص ہے تعلق کی یادگار
ہے خوب مرتفع یہ عمارت بہار کی(۱۴۴)

قمرآروی:

شاہ قمرالدین حیدر نام، قمرتخلص ہے- مولد و مسکن آرہ ہے- حضرت صفیر بلگرامی سے تلمذ ہے- آپ آرہ کے نامور حکیم ہونے کے علاوہ مشہور شاعر بھی تھے- کلام میں مشاقی ہے، کلام بامزہ و دلنشین ہوتا ہے-

قمرآروی کی مثنوی طبع ہوئی، اس کی تاریخ طباعت کا یہ فقرہ ہے: دلکشا ''مثنوی قمر''، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۱۳۱۱ھ تک زندہ تھے-(۱۴۵) نمونۂ کلام یہ ہے:

غزل قمرآروی مطبوعہ ''پیام یار''، لکھنؤ، ۱۳۰۴ھ، مصرع طرح:

ہمارے عشق سے نام آپ کا بلند ہوا
وہ درد درد ہے دل جس سے دردمند ہوا

وہ دل ہے دل جسے اک سنگدل پسند ہوا
چلی ہے بعد مرے دشمنوں پہ تیغ ادا
شہید ناز تو پہلے نیاز مند ہوا
قمر وہ آئے بھی وصلت کی شب تو کیا آئے
کہ صبح داغِ جگر اور بھی دو چند ہوا

غزل قمر آروی، مطبوعہ ''گلدستۂ بزم آراء''، شعبان ۱۲۹۸ھ-(۱۴۶)

محمد شبیر شاداں فاروقی:

مولد موضع علی نگر، ضلع دربھنگہ، مسکن ''شعرستان''، نورالحسن مین، لہریا سرائے دربھنگہ، اردو کے ممتاز شاعر، تذکرہ نگار اور محقق ہیں- آپ کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے- تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ ہے جو صوبہ کے طول و عرض پر پھیلا ہوا ہے- آپ ضلع کے ایک رئیس خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں- آپ کے جد امجد جناب اظہر علی فاروقی مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے صاحب آئینۂ ترہت رقمطراز ہے کہ ''آپ شریف و نجیب عالی خاندان ہیں، رئیس، باوقار، خلیق، ذی مروت اور صاحب ہمت ہیں-'' (آئینۂ ترہت، صفحہ ۱۷۲)

شاداں صاحب کے والد محترم جناب نظیر الحسن فاروقی بھی اپنے اجداد کی طرح ایک پروقار شخصیت کے مالک تھے اور متشرع، رحم دل، خدا ترس اور ولی صفت تھے- جناب شاداں فاروقی کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے جو حسب ذیل ہے:

۱-دام خیال (شعری مجموعہ) ۲-تذکرہ بزم شمال، جلد اول و جلد دوم ۳-تاریخ المساجد، جلد اول ۴-تذکرہ نسیم شمال ۵-تاریخ متھلا ۶-دربھنگہ میں تعلیم و تربیت ۷-تذکرہ محفل شمال ۸-تذکرہ گلستان عجم ۹-تذکرہ بوستان عجم ۱۰-دربھنگہ اور اس کے محلے-(۱۴۷)

اس کے علاوہ آپ نے مختلف ہم عصر شعراء کے مجموعے بھی ترتیب دیئے ہیں مثلاً تلخ وشیریں (محسن دربھنگوی)، گردسفر (وامق دیوروی)، ساغر گل (رضا کریم رضا چھپروی) ثلیث (مرتضٰی اظہر رضوی، نور الاسلام نشتر اور منان طرزی کے مختلف کلام کا مجموعہ) لمس معنیٰ (نور الاسلام نشتر) اور دیوان اختر قادری بلیاروی۔

شاداں صاحب کو علامہ محسن دربھنگوی (صاحب ''تلخ وشیریں'' و ''نالۂ نغمہ'') سے تلمذ حاصل ہے۔

غلام حضرت محسن ہوں شاداںؔ
مرا رتبہ کسی سے کم نہیں ہے(۱۴۸)

بہار کے صوفیائے کرام

لفظ صوفی کی تعریف:

مسلمان جب شریعت میں حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور جن افراد پر لفظ ''تصوف'' کا اطلاق ہوتا ہے، وہ ''صوفی'' کہلاتے ہیں۔ صوفی کا لفظی معنی الصوفیۃ سے کیا جائے تو معنی عبادت گزاروں کی جماعت اور الصوفیۃ اس کا واحد ہے۔ اس مقام پر المنجد میں بتایا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے جو مسلمانوں کے نزدیک خود کو فنا کر کے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، جس میں اعلیٰ درجے کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔(۱۴۹) المفردات القرآن نے صوفی کے معنی تحریر کیے ہیں۔ لفظ صوفی بھی صوف کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ لوگ اون کا لباس پہنا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صوفۃ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی ''خدامِ کعبہ'' کے ہیں۔ صوفی لوگ بھی چونکہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہہ دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صوفی صوفان کی طرف منسوب ہے جس کے معنی ردئیدہ گھاس کے ہیں اور صوفی لوگ بھی چونکہ زہد سے کام لیتے ہیں اور معمولی سی غذا کھاتے تھے جو عدم کفایت ہیں۔ صوفان گھاس کی مثل ہوتی ہے۔(۱۵۰)

حضرت مخدوم شیخ یحییٰ منیری قدس سرہٗ:

آپ حضرت مخدوم امام تاج فقیہہ کے بڑے صاحبزادے مخدوم شاہ اسرائیل منیری کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:(۱۵۱)

حضرت مخدوم یحییٰ منیری بن حضرت مولانا اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہہ مکی بن امام ابی بکر بن امام ابی الفتح بن ابی القاسم بن امام ابی الصائم بن امام ابی اللیث بن امام ابی رمہ بن امام ابی الدین بن امام مسعود بن ابوذر رضی اللہ عنہ بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم۔'' (۱۵۲)

ولادت:

آپ کی ولادت ۵۷۲ھ میں بیت المقدس کے قصبہ قدس خلیل میں ہوئی اور چار سال کی عمر میں اپنے دادا کے ساتھ منیر شریف آئے اور وہاں کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم شاہ رکن الدین مرغیلانی منیری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت حاصل کی اور پیرو مرشد سے ہی علوم باطنی کی تکمیل ہوئی اور اجازت نامہ بھی حاصل ہوا۔ (۱۵۳)

بختیار خلجی جب بہار میں آیا اس وقت منیر شریف کی عنان حکومت حضرت سلطان المخدوم سیدنا شیخ یحیٰ منیری کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے اصرار حکومت منیر کو بختیار خلجی کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے (بختیار خلجی نے) کہا میں مسلمانوں کا مال نہیں لیتا۔ آپ نے فرمایا بادشاہی اور ملک وراثت اور ملک نہیں یہ داداہی ہے، خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، مجھ سے یہ بار نہیں اٹھے گا، عبادت میں حرج ہوتا ہے، پھر عدل وانصاف کے لئے وصیت کی اور سلطنت منیر ان کے حوالے کر دی اور خود گوشۂ عزلت اختیار کیا اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مخدوم شیخ یحیٰ منیری قدس سرہٗ اپنے وقت کے ولی کامل، صوفی باصفا اور جید عالم دین تھے۔ آپ کی کوششوں سے بہار اور بہار سے باہر دین اسلام کا بڑا فروغ ہوا۔ آپ کی بزرگی اور علم و دانش کا شہرہ پورے ہندوستان میں تھا۔

شادی:

آپ کی شادی مسماۃ بی بی رضیہ عرف بڑی بوا بنت حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت عظیم آبادی سے ہوئی، جن سے آپ کے چار صاحبزدے، حضرت شیخ جلیل ادین احمد منیری، مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری البہاریؒ، حضرت شیخ خلیل الدین احمد منیری البہاری، حضرت شیخ حبیب ادین احمد اور ایک صاحبزادی تھیں، جن کی شادی مولانا میر شمس الدین مازندرانی سے ہوئی تھی۔ (۱۵۴)

آپ کا مزار منیر شریف میں ہے اور آج بھی مرجع خلائق ہے- آپ حضرت مخدوم شرف الدین احمد کے والد محترم ہیں-

تصنیف:

آپ کی ایک کتاب "معراج نامہ" ہے- آپ خلیفہ الحام بامر اللہ کے معاصر تھے جو ۶۱۳ ھ میں تھا-

وصال:

آپ کا وصال ایک سو سترہ سال کی عمر میں روز پنجشنبہ ۱۱ شعبان، وقت عصر ۶۹۰ ھ/ ۱۲۹۱ء خانقاہ منیر شریف میں ہوا- مخدوم مادہ تاریخ وصال ہے- آپ کا مزار منیر شریف میں ہے-(۱۵۵)

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری:

خطۂ ہند کے ان صوفیاء اور اولیاء کرام میں سے ہیں جنہوں نے اتباع سنت، خدمت خلق اور تعلیمات دین کی ترویج و ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں- تصوف اور فقہ پر ان کی تصانیف اہمیت کی حامل ہیں-(۱۵۶)

ولادت ونسب:

بہار شہر کو جو شرف حاصل ہے، وہ دراصل مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی ذات بابرکات کے باعث ہے- پیدائش کے وقت دہلی کا بادشاہ ناصر الدین محمود تھا-(۱۵۷) حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری قدس العزیز کی ولادت باسعادت ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ ھ میں بمقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) میں ہوئی- پیدائش کی تاریخ شرف آگیں ہے-(۱۵۸)

سلسلۂ نسب یہ ہے:

پدری سلسلۂ نسب: شیخ شرف الدین احمد بن شیخ یحیی بن شیخ اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہہ فاتح منیر بن امام ابوبکر بن امام ابوالفتح بن امام ابوالقاسم بن امام ابوالصائم بن امام ابودہر بن امام ابواللیث بن امام

ابو سہمہ بن امام ابودین بن امام ابومسعود بن امام ابوذر بن حضرت زبیرؓ (عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بن بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

مادری سلسلۂ نسب: شیخ شرف الدین احمد بن مسماۃ بی بی رضیہ عرف بڑی بوا بنت سید شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید شاہ محمد بن سید شاہ احمد بن سید ناصر الدین بن سید یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحا بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ بن امام محمد باقرؓ بن امام زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین شہید کربلا بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابو طالب۔

خاندان:

حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا۔ یہ خاندان اپنے زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا۔ منیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی۔ حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں۔ (۱۵۹)

تعلیم:

بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی۔ اس زمانے میں مصادر مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں درس میں رہیں۔ ''مفتاح اللغات'' کو حفظ کیا تھا۔ (۱۶۰) ابتدائی تربیت گھر میں حاصل کرنے کے بعد اپنے وقت کے ایک عظیم عالم شرف الدین ابوتوامہ کے ساتھ یہ سنار گاؤں گئے، یہ وہاں پر تقریباً تین دہائیوں تک رہے۔ (۱۶۱) حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی۔ اس تعلیم کے زمانے میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے۔ (۱۶۲)

ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ علمِ تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''احکام مذہب ایں طائفہ (صوفیہ اور کتب و تصانیف) ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است۔'' (۱۶۳)

تلاشِ مرشد:

سنارگاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا تو ان میں والد بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی اور والدہ کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی، گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دہلی پہنچ کر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام زاہدوں، عابدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں پہنچے۔ (۱۶۴) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت مخدوم الملک سلطان اوسیاء کی خدمت میں گئے تھے، وہاں کے علمی مذاکرے میں حصہ لیا تو ان سے متاثر ہو کر سلطان الاولیاء نے فرمایا:

''سمر غیست ،نصیب دام مانیست''

اور بیعت نہیں لی بلکہ پان کا ایک بیڑا دے کر اعزاز و اکرام سے رخصت کر دیا۔ (۱۶۵) جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملکؒ حضرت شیخ نجیب الدین کے حضور میں پہنچے تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا لیکن حضرت شیخ نجیب الدینؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

''برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں۔'' اور فوراً بیعت لے لی۔ (۱۶۶)

مناقب الاصفیاء کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ ''حضرت مخدوم بہیا کے جنگ میں ۱۲ سال رہے۔'' (۱۶۷)

بہار شریف کی اقامت:

جب انوار الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آبادی کی طرف رخ فرمایا۔ بعض طالبان حق جنگل ہی میں آ کر مستفید ہونے لگے تھے۔ جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا تو جمعہ کی نماز کے لئے بہار شریف کی جامع مسجد تشریف لانے لگے۔(۱۶۸) رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار سے اسی قصبہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں تقریباً ۶۰ (ساٹھ) سال تک اپنے سرچشمۂ فیض سے عوام وخواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرا دی جائے اور اس کے اخراجات کے لئے راجگیر ان کے حوالے کیا جائے اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے۔ مجد الملک نے اس کی تعمیل کی اور مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راجگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی۔ اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی لیکن جاگیر کو مخدوم الملک اپنے لئے بار سمجھتے رہے۔ آخر اس کی نگرانی برداشت نہ فرما سکے اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے، درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں تو میں دوں گا لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ایک عرض لے کر آیا ہوں اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں۔'' سلطان نے بسر و چشم منظور کیا۔ حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا خدا کے لئے اس کو واپس لے لیجئے، یہ میرے کام کی نہیں۔ سلطان اور اس کے تمام امراء ششدر رہ گئے۔

سلطان نے پھر بھی اصرار کے ساتھ اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم پیش کی، اس کو قبول فرمایا لیکن

شاہی دربار سے نکلتے ہی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا- درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی-(۱۶۹)

تصانیف:

حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں لیکن حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا:(۱۷۰)

الف...... مکتوبات: ۱-مکتوبات صدی ۲-مکتوبات دوصدی ۳-مکتوبات بیست وہشت ۴-فوائد رکنی

ب...... ملفوظات: ۱-معدن المعانی ۲-خوان پر نعمت ۳-مخ المعانی ۴-فوائد غیبی ۵-گنج لایفنی ۶-مونس المریدین ۷-راحت القلوب ۸-مفوظ الصفر ۹-کنز المعانی ۱۰-مغنذ المعانی-

پ...... تصانیف: ۱-ارشاد الطالبین ۲-ارشاد السالکین ۳-رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ ۴-شرح آداب المریدین ۵-فوائد المریدین ۶-اجوبہ کاکوی ۷-لطائف المعانی ۸-عقائد شرفی ۹-اوراد کلاں ۱۰-اوراد اوسط ۱۱-اوراد خورد ۱۲-اشارات ۱۳-رسالہ در ہدایت حال ۱۴ براۃ المحققین ۱۵-رسالہ وصول الی اللہ-

مکتوبات صدی: یہ مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں-مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں- یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے-(۱۷۱)

مکتوبات دوصدی: اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں-(۱۷۲) اس کو مولانا زین بدر عربی نے مذکورہ بالا مکتوبات کے بائیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا مگر خدا بخش خان لائبریری کے مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے- یہ مخطوحات بھی چھپ گئے ہیں-مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں بلکہ مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان ہی کا مجموعہ

ہے۔(۱۷۳)

فوائد رکنی: ۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مخدوم الملک نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت میں سفر حضر میں مطالعہ کے لئے ہدایتیں دی تھیں۔ یہ خطوط کی صورت میں ہے۔(۱۷۴)

معدن المعانی: اس کو حضرت مخدوم الملک کے مرید خاص مولانا زین بدر عربی نے دو جلدوں میں مرتب کیا۔ اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں، جن میں نہ صرف خالص صوفیانہ رموز و نکات ہیں بلکہ حدیث اور علم الکلام پر بھی مباحث ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقد ہائے لاینحل حل کئے جاتے تھے بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت اور امر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔(۱۷۵)

خوان پر نعمت: مرتبہ زین بدر عربی، اس میں نماز معکوس، قوت ملکی، تفکر، عبادات، عذاب و راحت قبر، ولایت اولیاء، شب معراج، خواب کی تعبیر وغیرہ کے علاوہ تصوف کے جزوی نکات اور فقہی و شرعی مسائل بھی ہیں۔ ۷۹۱ھ میں ختم ہوئی۔(۱۷۶)

مخ المعانی: اس کو بھی مولانا زین بدر نے مرتب کیا ہے۔ اس میں بھی مختلف مسائل مثلاً ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، لیلۃ الرغائب، تلاوت کلام پاک ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی وغیر کسبی، شب برأت، نماز تراویح، پیر، مرد کامل، تعبیر خواب، توبۂ موسیٰ، تصفیہ و تذکیۂ باطن، صلابت، امیر المومنین حضرت عمرؓ، جوع صدق، وقوف، فکر، رجوع، کدورت ہائے بشر وغیرہ وغیرہ پر ملفوظات ہیں۔ کل ۵۳ مجلسوں کا ذکر ہے۔ مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی تھی۔ ۱۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔(۱۷۷)

فوائد غیبی: اس میں اوائل ماہ شعبان ۷۵۷ھ سے ماہ صفر ۷۵۷ھ تک کی ۳۲ مجلسوں کے ملفوظات ہیں جو مباحث آئے ہیں ان کے کچھ عنوانات یہ ہیں: اسمائے باری، حکمت ایثار، اقسام حقوق العباد، شہود

مشہود، خصلت علم، ارکان حج وغیرہ۔(۱۷۸)

گنج لایغنی: اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا۔ اس میں ربیع الاول ۷۶۰ھ سے ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کی ملفوظات ۳۶ اوراق میں ہیں۔ اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں: امام محمد اور امام یوسف کے مکالمے، امام اعظمؒ کی تعریف، شب قدر کی علامتیں، سکرات موت، تکفین میت، فضیلت حضرت ابو بکر صدیقؓ، آگ کی لطافت، تجلی باری تعالی وغیرہ۔

مونس المریدین: اس کو مولانا اصلاح مخلص داؤد خانی نے مرتب کیا۔(۱۷۹) اس میں شعبان ۷۷۴ھ سے محرم ۷۷۵ھ تک کی اکیس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ جامع ملفوظات کا بیان ہے کہ یہ رموز الٰہی اور بے انتہا انوار کا خزانہ ہے۔ اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں: جواز محبت مشائخ وعلمائے حق، نعمت بہشت، تلقین صدق، تعریف سجادہ صاحبِ سجادہ، تعریف زہد، مقطعاتِ قرآن، فضیت تلاوت قرآن، ضخامت توریت، مذمت ظلم، اقسامِ سفر، ذکر سعادت وشقاوت، نماز لیلۃ الرغائب، بخل واحسان بادشاہ، ذکر روح، دعائے خشک سالی، عذاب فصلی، عذاب قہری، حق العباد وغیرہ۔(۱۸۰)

ارشاد الطالبین: یہ سولہ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اس میں مخدوم الملک نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں۔ انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام ''برہان العارفین'' ہے۔

ارشاد السالکین: یہ توحید پر چار صفحے کا رسالہ ہے۔

رسالۂ مکیہ و ذکر فردسیہ: یہ سات صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں اذکار کی اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

شرح آداب المریدین: یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور عربی تصنیف ''آداب المریدین'' کی شرح ہے۔ یہ ۷۶۶ھ میں مرتب ہوئی، ضخیم کتاب ہے۔ اس کو تصوف کا ایک

قاموس سمجھنا چاہئے- اس کا بھی اردو ترجمہ شاہ مقیم الدین (خانقاہ بہار شریف) نے کیا ہے-

فوائد المریدین: یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لئے کلمۂ طیبہ کی فضیلت، نماز با جماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لئے کچھ ہدایتیں ہیں- شاہ مقیم الدین نے اس کا بھی ترجمہ کیا ہے-(۱۸۱)

اجوبہ: یہ سوالات وجوابات کا ایک مجموعہ ہے- تصوف کے بہت سے مسائل اس رسالے میں پائے جاتے ہیں-

لطائف المعانی: یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے-

عقائد شرفی، اوراد کلاں، اوراد وسط اور اوراد خورد کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں-

ارشارات: میں ۲۷ سوالات کے مذہبی اور صوفیانہ جوابات ہیں-

رسالہ در ہدایت حال: تین ورق کا ایک رسالہ ہے جس میں راہ طریقت میں داخل ہونے کی شرائط درج ہیں-

مراۃ المحققین: میں بھی صوفیانہ رموز ونکات ہیں-

رسالۂ وصولی الی اللہ: موضوع نام سے ظاہر ہوگا-(۱۸۲)

خلفاء: خلفاء کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) بتائی جاتی ہے-(۱۸۳)

حدیث پسندی اور وسعت خیالی تمام صوفیاء کے امتیازی اوصاف تھے- اسلام پر پختہ اور کامل یقین کے ساتھ دوسرے صوفیاء کی طرح شیخ شرف الدین غیر مسلموں کے لئے اپنے رویئے اور خیلات میں انتہائی رواداری اور روشن خیال تھے- اپنی گفتگو اور مقالوں اور خطوط میں یہ عظیم صوفی عین القدت ہمدانی کے حوالے کر دیا

کرتے تھے اور اپنے خیالات مذہبی تجربات کی بنیاد پر قائم کرتے -(۸۴)

وفات:

۷۷۲ھ/۱۳۷۱ء میں دنیا سے منہ موڑا، یہ زمانہ سلطان فیروز شاہ کا تھا- نماز جنازہ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی، مزار قصبۂ بہار میں ہے جس پر زائرین کا ہمہ وقت ہجوم رہتا ہے- (نوٹ: شرفاء کی نگری حصہ اول میں تاریخ وفات ۶ شوال ۷۸۲ھ بروز پنجشنبہ بوقت نماز عشاء درج ہے)-(۱۸۵)

حضرت شیخ بڈھن صوفی منیری:

شیخ شمس الحق معروف بڈھن حقانی بہاری چشتی بن رکن الدین بلخی منیری ایک مشہور عالم تھے اور سلسلۂ فردوسیہ کے ایک مشہور بزرگ تھے- سلسلۂ فردوسیہ کو شیخ محمد بن ابراہیم بلخیؒ سے حاصل کیا اور ان سے ان کے لڑکے قطب نے اور دوسرے لوگوں نے تحصیل علم و فضل کیا- باطنی کمالات شیخ عیسٰی جونپوری سے حاصل کئے-

شیخ بڈھنؒ علم و فضل کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور تھے- شیر شاہ سوری کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ اپنے ہاتھ سے ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا-(۱۸۶)

پرانے کاغذات اور بعض فرامین شاہی میں آپ کا اسم گرامی بڑی تعظیم سے لیا گیا ہے مثلاً قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین وغیرہ- علوم ظاہری و باطنی میں آپ کا کمال مسلمہ تھا- آپ کی خانقاہ، مسجد اور مدرسہ یہیں تھا اور مصارف کے لئے بادشاہ کی طرف سے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں- آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے اور صاحب طریقت بھی-(۱۸۷)

اسی زمانہ میں شیخ علائی بانی فرقہ مہدیہ اور علماء وقت میں مناظرہ ہوا تو سلیم شاہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے انہیں ایک حاکم کی حیثیت سے منتخب کیا تھا ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا- شیخ طاہر ملتان سے بہار آئے اور شیخ بڈھن کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علوم دینیہ کی تکمیل کی-

تصانیف:

آپ نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ''ارشاد قاضی'' کی ایک شرح لکھی۔ اذکار الابرار ترجمہ گلزا ابرار میں ہے کہ آپ سخن حق کو خدا و ملا میں پوشیدہ نہیں رکھتے تھے اور با آواز بلند نماز کو اذان کی طرح لوگوں کے کان میں پہنچاتے تھے، اس لئے آپ حقانی کے ساتھ مشہور ہوئے۔ آخر عمر میں جونپور چلے گئے۔

وفات:

۲۸ صفر ۹۶۰ھ میں وفات پائی اور جونپور میں اپنے شیخ کے قدموں تلے آسودہ ہیں۔ نزہۃ الخواطر میں مذکور ہے کہ تقریباً ۹۴۷ھ میں وفات پائی۔ (۱۸۸)

قاضی سید شہاب الدین پیر جگجوت عظیم آبادی قدس سرہٗ:

سلسلۂ سہروردیہ کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان تشریف لائے وہ حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوت قدس سرہٗ ہیں۔ آپ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (۱۸۹)

حضرت مخدوم تیم اللہ سفید باز قدس سرہ کے نانا ہیں۔ (۹۰)

آپ عالی نسب سادات جعفری اور ملک کاشغر کے فرماں روا تھے۔ آپ کے خاندان میں چند پشتوں سے سلسلۂ سلطنت چلا آتا تھا۔

آپ کے والد کا نام سلطان تاج تھا۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد آپ حضرت نجم الدین کبری کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے۔ علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی بھی حاصل کرتے رہے اور حضرت نجم

الدین کبریٰؒ ہی سے بیعت ہوئے- والد کے انتقال کے بعد سلطنت کا بار سنبھالا- اس سے پہلے عہدۂ قضا پر متمکن تھے مگر جذبۂ عشق الٰہی نے کچھ ایسا رنگ دکھلایا کہ حکومت ترک کر کے اپنی اہلیہ اور چار لڑکوں کو ساتھ لے کر وطن سے باہر نکلے اور لاہور ہوتے ہوئے بہار آئے- (۱۹۱)

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام جعفر صادقؓ کے واسطہ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے- جناب پروفیسر معین الدین دردائی مرحوم نے اپنی کتاب ''تاریخ سلسلۂ فردوسیہ'' میں آپ کا نسب نامہ تحریر کیا ہے، درج ذیل ہے:

''سید شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید شاہ محمد بن سید شاہ احمد بن سید شاہ ناصر الدین بن سید یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ بن حضرت بی بی فاطمہ بنت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم-'' (۱۹۲)

پیر جگجوت قدس سرہٗ صوبۂ بہار کے بہت متقدم بزرگ ہیں- آپ کی ذات بابرکات سے صوبۂ بہار میں فقر و عرفان کا بہت شیوع ہوا- صدہا طالبین حق مرتبۂ کمال کو پہنچے، صدہا خدا رسیدہ مشائخ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور سلسلۂ فردوسیہ کی اجازت حاصل کی، حضرت مخدوم احمد یحیٰی منیری، حضرت مخدوم آدمی صوفی، حضرت مخدوم حمید الدین قدست اسرارہم، یہ تمام بزرگان شیخ وقت اور صاحب نسبت وسیلہ بزرگ تھے، ان سب بزرگوں نے خرقہ کبرویہ آپ ہی سے حاصل کیا ہے-

پیر جگجوت قدس سرہٗ بہت بافیض بزرگ تھے- صوبۂ بہار کا شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو جس کو آپ کی جذئیت نہ پہنچی ہوگی- آپ کی خصوصیات میں ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی اولاد میں صدہا اولیاء اللہ ومخدوم ومخدوم وقت ہوئے ہیں اس لئے اہل تصوف آپ کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے نقش قدم پر

تصور کرتے ہیں یعنی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت طیبات میں صدہا انبیاء ہوئے ہیں اسی طرح حضرت کی اولاد میں کثر وکثیر اولیاء اللہ ہوتے رہے ہیں- حضرت مخدوم کی چاروں صاحبزادیاں ولیۂ کاملہ تھیں اور ان چاروں صاحبزادیوں کی شادیاں بھی مخدومین وقت ہی سے ہوئی تھیں-(۱۹۳)

وفات:

۲۱ ذیعقدہ ۶۶۶ھ میں ہوئی اور موضع عالم گنج جھلی میں مدفون ہوئے- آپ کا مزار خام لب دریائے گنگا واقع ہے- اس مقبرہ میں مزارات پختہ بنائے نہیں جاتے ہیں- ان کی زندہ کرامت ہے کہ باوجود یہ کہ مزار مبارک خام لب دریا واقع ہے مگر گنگا کے جوش وسیلاب سے متاثر نہیں ہوتا ہے- یہ مقام کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہے- آپ کے مزار سے تھوڑی دور پورب آپ کے سمدھی حضرت مخدوم آدم صوفیؒ (م ۶۹۷ھ) کا مزار بھی ہے جو پکی درگاہ کے نام سے موسوم ہے-(۱۹۴)

حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش تیغ برہنہ:

مخدوم احمد چرم پوش، حضرت پیر جگجوت کے نواسے اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد کے خالہ زاد بھائی تھے-(۱۹۵) حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش تیغ برہنہ کے والد حضرت سید سلطان محمد موسیٰ کاظم بن سید سلطان شارک ہمدانی ملک ایران کے شہر ہمدان کے رہنے والے تھے جو ہمدان کے بڑے رؤسا، صاحب ثروت وذی اقتدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے-(۹۱)

تیغ برہنہ بہار کے مشہور اور بڑے مشائخین میں سے ہیں- حضرت امام حسینؓ شہید کربلا کی اولاد سے ہیں- بڑے جلالی بزرگ ہیں- بیعت سلسلۂ سہروردیہ سے ہے(۹۷)

ولادت:

آپ کی پیدائش ۶۵۷ھ شہر ہمدان میں ہوئی-(۱۰۰) آپ کے والد بزرگوار شہر ہمدان کے سلطان

تھے، سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کی، اس کے بعد حضرت چرم پوش کچھ دن ہمدان کے بادشاہ رہے لیکن اللہ کے متوالوں کو قرار کہاں؟ تخت و تاج چھوڑ کر شہر ملتان چلے آئے۔ حضرت مولانا علاؤالدین علاء الحق سہروردیؒ جوان کے پیر تھے (۱۹۹)، ان کے اشارہ پر لہاسہ (تبت) تشریف لے گئے۔ آپ کے کمالات و کرامات سے متاثر ہو کر وہاں کا راجہ اور دیگر تمام لوگ مسلمان ہو گئے، اس کے بعد چھپرہ ضلع سیوان تشریف لائے۔ یہاں ایک بزرگ حضرت حسینؒ پیارے مدت سے مشتاق دیدار تھے۔ آتے ہی حضرت چرم پوش کے مرید ہو گئے۔ حضرت حسین پیارے کے پاس اس دنبہ کا چمڑا موجود تھا جو حضرت اسماعیلؑ کی جگہ قربان ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت پیارے سے عاجزی کر کے مانگ لیا، اس چمڑے کو چاک کر کے آپ نے گردن میں ڈال لیا، اسی وقت سے حضرت مخدوم احمد ''چرمپوش'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ فارسی میں چرم کے معنی چمڑے کے ہیں۔ (۲۰۰)

چرمپوش: چرم بمعنی چمڑا اور پوش بمعنی پہننے کے ہیں۔ اس طرح چرم پوش کے معنی ''چمڑا پہننے والا'' کے ہیں۔ (۲۰۱)

تیغِ برہنہ:

حضرت سید احمد چرم پوش قدس سرہٗ کا ایک لقب ''تیغِ برہنہ'' ہے اس کی وجہ تسمیہ آپ کی ایک کرامت ہے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ نے تبت کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا اور وہاں کے راجہ کو معلوم ہوا کہ ہماری حکومت میں ایک ملیچھ (مسلمان) داخل ہو گیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے اپنے چند اہلکاروں کو بھیج کر آپ کو تبت سے نکل جانے کا حکم دیا، آپ نے فرمایا میں یہاں قیام کے لئے نہیں آیا، چند دنوں آرام کرنے کے بعد چلا جاؤں گا، راجہ اور اس کے درباری سادھو کو آپ سے خطرہ محسوس ہوا اور دونوں نے مشورہ کر کے ایک دستہ فوج کا روانہ کیا تاکہ آپ کو زبردستی تبت سے نکال باہر کرے۔ فوجی دستہ جب (۲۰۲) آپ کے

خیمہ کے سامنے صف آراء ہوا اس وقت آپ خیمہ سے باہر جائے نماز بچھائے نماز میں مشغول تھے- نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ نے راجہ کی فوج کو کھڑا پایا تو جلال آ گیا، اپنی تلوار ہوا میں اچھال دی جس سے پورا دستہ تہ تیغ ہو گیا- دوسری روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ دوران نماز آپ نے تشہد کی حالت میں بیٹھ کر التحیات پڑھتے ہوئے شہادت کی انگلی بلند کی تو دستہ کے پہلے صف میں جتنے فوجی تھے ان کی گردنیں اڑ گئیں- تیسری روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب راجہ کی فوج آئی تو ایک تلوار بے نیام آسمان کی طرف سے حضرت کے دست مبارک میں آئی اور آپ تنہا میدان جہاد میں کود پڑے اور پوری فوج کو تہ تیغ کر ڈالا- اس وقت سے آپ تیغ برہنہ مشہور ہوئے- واللہ اعلم- (۲۰۳)

شجروں میں آپ کے پیر کا نام علاؤالدین علاء الحق سہروردی ہے- حضرت احمد چرم پوشؒ نے دور دور تک تبلیغ اسلام کے لئے بادہ پیمائی کی ہے- آپ سے کشف و کرامات بہت ظاہر ہوئے- آپ رشد و ہدایت کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے- آپ کی شہرت دور دور تک تھی چنانچہ سلطان فیروز شاہ بھی بہار شریف آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن آپ نے اپنی شان استغنا کی وجہ سے کوئی توجہ نہ کی- آپ کی خدمت میں دہلی سے آ کر مولانا مظفر بلخیؒ کے (۲۰۴) والد حضرت شمس بلخی مرید ہوئے-

آپ فارسی کے بڑے صوفی شاعر تھے- احمد تخلص کرتے تھے- شعار میں تصوف اور معرفت کے اسرار و رموز ہیں- آپ کا مکمل دیوان حضرت شاہ محمد ظفر کے یہاں ہے- تصوف میں دو ورق کا رسالہ توحید میں ہے، جس میں انہوں نے مقام ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت پر سترہ طریقوں سے بحث کی ہے- یہ رسالہ فارسی میں ہے-

وفات:

آپ کا وصال ۲۶ صفر روز سہ شنبہ ۷۷۶ھ کو ہوا اور بہار شریف محلہ انبیر میں مدفون ہوئے- آپ

کا مزار مرجع خلائق ہے-(۲۰۵)

حضرت سید ابراہیم بن ابوبکر موسوم بہ ملک بیا (بیو):

حضرت سید ابراہیم ملک بیا کا خاندان بغداد شریف میں آباد تھا- آپ کے اجداد نے بغداد سے غزنی آ کر سکونت اختیار کی- آپ سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں غزنی سے ہندوستان تشریف لائے جس کی تخت نشینی ۷۲۵ھ میں ہوئی تھی- آپ نے سلطان فیروز تغلق کے دور حکومت کے ابتدائی چند سال بھی دیکھے- آپ پیشے کے لحاظ سے ایک سپاہی تھے اور سلطانہ محمد تغلق کی فوج کے سپہ سالار تھے لیکن اہل بہار حضرت سید ابراہیم ملک بیا کو ایک صوفی بزرگ کی حیثیت دیتے ہیں اور آپ سے عقیدت رکھتے ہیں- سلطان دہلی کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ورثاء کو بہار کی صوبہ داری بھی عطا ہوئی- ''کمپیر ی ہنسو ہسٹری آف بہار'' میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صوبۂ بہار کے صوبیداروں کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں آپ کا اور آپ کے ورثاء کا نام موجود ہے-(۲۰۶)

سید ابراہیم نے بہار پر دو مرتبہ چڑھائی کی- ''تاریخ شری مہوری گیان'' (مؤلفہ شررام گیانی) مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ جو بھاکا زبان میں ہے، نے لکھا ہے کہ متھرا کے مہوری ہندو سوداگران پر بہار کے صوبہ دار شری بٹھل نے بڑا ظلم کیا تھا، ان کا تجارتی، مال ریشمی کپڑا، اونی شال، دوشالے، انگوٹھی، جواہرات اور گھوڑے وغیرہ صوبیدار کے لوگوں نے لے لئے اور قیمت دینے سے مکر گئے- ان سوداگران نے سلطان محمد تغلق کے پاس دہلی جا کر شکایت کی، بادشاہ نے اپنے سپہ سالار سید ابراہیم کو کچھ فوج کے ساتھ روانہ کیا کہ صوبیدار کو سمجھ بجھا کر سوداگران کو مال کی قیمت دلوا دیں- اگر نہیں مانیں تو مناسب طور پر گوشمالی کریں- صوبیدار کسی طرح راضی نہ ہوا- دونوں کی فوجوں میں جنگ ہوئی- صوبیدار مارا گیا- سید ابراہیم نے بہار پر دوسری بار جو چڑھائی کی اس کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے- محمد تغلق کے زمانہ میں بہار کا راجہ ہنس کمار تھا، اس کا پایہ تخت رہتاس گڑھ

تھا، یہ راجہ متعصب اور ظالم تھا، اس کے خلاف شکایتیں دہلی پہنچنے لگیں، جب ظلم نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تو بادشاہ نے سید ابراہیم کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا، دونوں طرف سے تلوار بجلی کی طرح چمکنے لگی، راجہ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ رہتاس گڑھ کا قلعہ فتح ہو گیا۔ سید ابراہیم خطرات سے مطمئن ہو کر قلعہ سے باہر آ رہے تھے کہ چند چھپے ہوئے لوگوں نے ان پر حملہ کر کے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۳ ذی الحجہ ۷۵۳ھ اتوار کو وقوع میں آیا۔ (۲۰۷) لاش بہار لائی گئی۔ شہر کے پچھم ایک میل دور پہاڑ پر آپ مدفون ہیں۔

بادشاہ نے ایک عظیم الشان گنبد آپ کی قبر پر تعمیر کرادیا جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ چھ سو سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی عمارت نئی معلوم ہو رہی ہے اور روضہ کی اینٹوں سے خوشبو نکلتی ہے۔ سید ابراہیم کے مقبرہ کا سنگ بنیاد حضرت مخدوم الملک بہاریؒ، مخدوم سید احمد چرم پوشؒ اور مخدوم شاہ احمد سیتانی نے رکھا۔ (۲۰۸)

ملک بیّو: ملک ایک خطاب ہے جو اگلے زمانہ میں بادشاہوں کی طرف سے امراء کو ملا کرتا تھا۔ لفظ ''بیّو'' دراصل ''بیا'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ہیں ''آؤ''۔ سلطان محمد تغلق بہار کی فتح کے بعد سید ابراہیم سپہ سالار سے بہت خوش ہوا۔ دربار میں جب یہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے مسرت کے ساتھ ''ملک بیا نشیں'' جملہ کو مختصر کر ''ملک بیا'' زبان زد ہو گیا اور رفتہ رفتہ ''بیا'' سے ''بیو'' ہو گیا اور سید ابراہیم اسی نام سے پکارے جانے لگے۔ (۲۰۹)

ملک بیا کے روضہ کے اندر دیگر دس قبریں ہیں۔ ملک داؤد، ملک بدرالدین، ملک صدرالدین، ملک محمد محسن کی ہیں۔ ایک بیٹی کی، ایک داماد کی، ایک بھائی کی، ایک بھتیجے کی، ایک پوتے کی، ایک بیوی کی، گنبد کے باہر آپ کے دو بیٹے ملک سیمان اور ملک الیاس کی قبریں ہیں، ملک عثمان کی قبر جلال آباد (کابل) میں ہے۔ ملک بیا کی ایک سیدھی تلوار دو دھار والی بطور تبرک چوہدری ظہور الحق مرحوم (اسلام پور پٹنہ) کے مکان میں ہے۔ ایک قرآن مجید اور ایک مصلیٰ موضع اجنورہ، متصل بہار شریف میں تھے، جو آتش زدگی میں معدوم

ہو گئے-(۲۱۰) یحییٰ منیری کے ایک فرزند کمال الدین لاولد تھے اور ایک لڑکی بی بی رقیہ جو حضرت ملک بیّو (سید ابراہیم) کے ساتھ غزنی سے آئی تھیں، سید احمد سے بیاہی گئیں، ان کی اولاد ''اترالادی'' اور ''کھرانٹھ'' (صوبۂ بہار) میں چل رہی ہے- دوسری توجیہ ''بیّو'' کے لفظی معنیٰ ''عروس'' کے ہیں- یعنی سب سے بہتر اور افضل، اسی لحاظ سے دولہا دلہن کو عروس کہتے ہیں- پھول کو عروسان چمن اور مکہ کو عروس عرب، سپہ سالاروں پر چونکہ سید ابراہیم کو فضیلت حاصل تھی اس لئے ان کو ''ملک'' کے علاوہ ''بیّو'' کا خطاب بھی دیا گیا، ورنہ وہ تو حسنی اور سیدی تھے اور غوث پاک کی اولاد میں سے تھے لیکن ملک بیّو کی اولاد اور دیگر تذکرہ نویسوں کے نزدیک ''ملک بیا'' کی بگاڑ ''ملک بیّو'' ہے-

نسب نامہ تاج فقیہ منیری میں مولوی علی محمد شاد عظیم آبادی کی کتاب ''تاریخ بہار'' مطبوعہ ۱۸۸۰ء، صفحہ ۲۱۹ اور مسٹر ڈالٹن نے بھی اپنی کتاب ''اتھنولوجی آف بنگال'' (مطبوعہ ۱۸۷۲ء) میں بھی ''سید ابراہیم عرف ''ملک بیا'' لکھا ہے-(۲۱۱)

ملک ابراہیم بیو ۷۵۲ھ تا ۷۵۳ھ (۵۱-۱۳۵۲ء) فیروز تغلق کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں اقطاع بہار کا حاکم تھا، اس کا حال پیر پہاڑی کتبوں سے دریافت ہوا ہے- ان کتبوں میں اس کو مقطع بہار اور مدار الملک لکھا ہے اور اس میں فیروز تغلق کا عہد مذکور ہے-(۲۱۲)

حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخیؒ:

حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخیؒ اپنے والد شیخ حسن دائم بلخیؒ کے بعد خانقاہ معظم بہار شریف میں مخدوم جہاں کی سجادگی پر بٹھائے گئے-

ولادت:

آپ ۲۷ رمضان المبارک ۸۲۶ھ کو پیدا ہوئے- شریعت وطریقت کی تعلیم اپنے جد امجد حضرت شیخ

حسین اور والد حضرت شیخ حسن سے حال کی- آپ کا قول تھا کہ رقص کرنا، تالیاں بجانا، پا کوبی کرنا اور آستین جھاڑنا (دوران سماع) اس وقت تک بے معنی اور فعل عبث ہے جب تک کہ کوئی ایسا کرنے سے پہلے اپنی خودی، نفسانیت، کبر و حسد اور مال و دولت پر لات نہ مارے-

حضرت شیخ احمد لنگر دریا قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو مسلمانوں پر پانچ شکر واجب ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں وجود میں لایا، دوسرے یہ کہ حیوان بنایا، جمادات نہ بنایا، تیسرے یہ کہ حیوان مطلق نہ بنایا بلکہ انسان بنایا، چوتھے یہ کہ اسلام کی دولت سے مالا مال کیا، پانچویں یہ کہ حضرت ختم الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا لیکن مجھ پر ایک شکر اور واجب ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے غلاموں میں شمار کرایا-

وفات:

حضرت شیخ احمد بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ۱۹ رمضان المبارک ۸۹۱ھ کو ہوا، تاریخ وصال ''ہوائے طیب بوئے گل بہار شرف'' ہے-

تصانیف:

آپ کا ایک دیوان مطبوعہ ہے جو مطبع حنفیہ پٹنہ میں چھپا ہے- آپ کے دیوان کو دیکھنے سے آپ کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے- آپ کے کلام میں تصوف اور اخلاقی مضامین کے علاوہ دردمندی اور سوز و گداز پایا جاتا ہے-

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ ابراہیم سلطان بلخی فردوسی تھے جو بہار میں اپنے والد کی رحلت کے بعد مخدوم جہاں کی خانقاہ میں مسند سجادگی پر بٹھائے گئے- (۲۱۳)

حواشی (باب پنجم) فصل اول

۱- پروفیسر محمد معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، مطبوعہ ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۷۲ء، ناشر سید الطاف علی بریلوی، ص ۲۱

۲- ایضاً، ص ۲۲

۳- ایضاً، ص ۲۳

۴- ایضاً، ص ۲۷

۵- ایضاً، ص ۲۸

۶- ایضاً، ص ۲۹

۷- ایضاً، ص ۳۱ تا ۳۲

۸- ڈاکٹر سمیع احمد: حفیظ عظیم آبادی اور ان کی شاعری، سال اشاعت ۱۹۸۸ء، مطبع بھارت آفسٹ، دہلی، ۶۰، ص ۱۹

۹- انور بیگ اعوان: بہاری مسلمان، ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۵

۱۰- Comprehensive History of BIHAR, Volime-II, Part-I, Edited by Dr. Syed Hasan Askari & Dr. Qeyamuddin Ahmed, Kashi Prasad Jayaswal Research Institute, Patna-1983, P-No-430.

۱۱- شیخ شرف الدین یحییٰ منیری: معدن المعانی، اردو ترجمہ سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی، بہار شریف، نالندہ، بھارت، ۱۹۸۵ء، ص ۳۸

۱۲- معارف نمبر ۵، جلد ۹۲، مضمون ''بہار کے صوفیائے کرام'' از جناب سید شمیم احمد صاحب، ڈھاکہ، نومبر ۱۹۶۳ء، جمادی الاخریٰ، ۱۳۸۳ھ، ص ۳۴۹

۱۳- ایضاً، ص ۳۵۰

۱۴- عظیم الدین احمد: معاصر، جلد اول، نومبر ۱۹۴۵ء، (نصیر حسین خیال عظیم آبادی: بہار کا یک اردو ناول نگار) ص ۱۱

۱۵- پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، ص ۱۰۵

۱۶- عظیم الدین احمد: معاصر، جلد اول، ۱۹۴۵ء، (نصیر حسین خیال عظیم آبادی: بہار کا ایک اردو ناول نگار) ص ۱۱

۱۷- ایضاً، ص ۱۲

۱۸- پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، ص ۱۰۵

۱۹- عظیم الدین احمد: معاصر، جلد اول، ۱۹۴۵ء، (نصیر حسین خیال عظیم آبادی: بہار کا ایک اردو ناول نگار) ص ۱۷

۲۰- پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، ص ۱۰۵

۲۱- معاصر، جلد ۱۰، نمبر ۳-۴، مارچ ۱۹۴۶ء، ۷ جمعرات، (مضمون نگار اختر اورینوی: بہار کا ایک اردو ناول نگار) ص ۱

۲۲-ایضاً،ص ۱۵
۲۳-ڈاکٹر سمیع احمد: ''حفیظ عظیم آبادی اور ان کی شاعری''، سال اشاعت ۱۹۸۸ء، مطبع بھارت، آفسٹ، دہلی،۶۰،ص ۳۴
۲۴-ایضاً،ص ۳۶
۲۵-ایضاً،ص ۳۹
۲۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، طباعت انیس آفسیٹ پریس، دریا گنج، دہلی-۲، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷۵
۲۷-ایضاً،ص ۲۷۶
/عبدالحئی: نزہۃ الخواطر، جلد ۸، ص ۳۰۷
۲۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۳۱۶
۲۹-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، ص ۲۸۳
۳۰-پروفیسر حکیم سید احمد ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم،ص ۲۲۲
۳۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۳۱۶، ۱۹۹۵ء، پٹنہ
/پروفیسر حکیم سید احمد ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم،ص ۲۲۴
۳۲-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص ۳۱۶
/مولانا سید ابوالحسن ندوی: پرانے چراغ،ص ۶۳
/ماہنامہ ''رفیق'' علمائے بہار نمبر،ص ۱۱۰
/مولانا اویس عالم قاسمی: تذکرہ مولانا محمد عثمان،ص ۷۴
/عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان،ص ۲۸۴
۳۳-پروفیسر حکیم سید احمد ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم،ص ۲۲۷، سن ندارد
۳۴-پروفیسر حکیم سید احمد ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم، سن ندارد،ص ۵
۳۵-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، جنوری ۱۹۸۰ء، پٹنہ،ص ۳۶۳
۳۶-پروفیسر حکیم سید احمد ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ دوم،ص ۶
۳۷-محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنت، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد (پنجاب)، ۱۹۹۳ء،ص ۲۳۴
۳۸-ایضاً،ص ۲۳۵
۳۹-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک) ص ۴۳
۴۰-ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ،ص ۲۴۴
۴۱-ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، طبع اول، ۱۹۸۸ء، لاہور،ص ۲۴۵
۴۲-ایضاً،ص ۲۴۹
۴۳-ایضاً،ص ۲۵۱
۴۴-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء،ص ۴۳
۴۵-ایضاً،ص ۴۵

۴۶- پروفیسر محمد معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، مطبوعہ ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، پاکستان، کراچی، سن اشاعت ۱۹۷۲ء، ص ۱۲۶

۴۷- ایضاً، ص ۱۲۷

۴۸- ایضاً، ص ۱۲۸

۴۹- سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک)، ۱۹۵۷ء، پٹنہ، ص ۳۵۳

۵۰- ایضاً، ص ۳۵۴

۵۱- ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ص ۶۲۶

۵۲- ایضاً، ص ۶۲۷

۵۳- ایضاً، ص ۶۲۸

۵۴- پروفیسر محمد معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، ص ۱۵۶

/ سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک) ص ۳۵۷

۵۵- پروفیسر محمد معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، ص ۱۵۶

۵۶- ایضاً، ص ۱۵۷

۵۷- ایضاً، ص ۱۵۹

۵۸- رسالہ ''ندیم'' بہار نمبر، ۱۹۳۵ء، ص ۶۶

/ پروفیسر محمد معین الدین دردائی: صوفیائے بہار اور اردو، ص ۱۶۰

۵۹- ایضاً، ص ۱۶۲

/ سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۲۶۴

۶۰- سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۳۶۴

۶۱- ایضاً، ص ۳۶۵

۶۲- ایضاً، ص ۳۶۶

۶۳- ایضاً، ص ۳۶۸

۶۴- ایضاً، ص ۳۷۰

۶۵- مولانا عبدالرحیم زبیر ہاشمی: الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور، اشاعت اول ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۲۴ء، مطبوعہ دی آزاد پریس سبزی باغ، پٹنہ، ص ۱۴۸

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۱۴

۶۶- ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ص ۲۲۸

۶۷- ایضاً، ص ۲۲۹

۶۸- سید اختر احمد اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، ص ۳۹۰

۶۹- ایضاً، ص ۳۹۷

۷۰-ایضاً،ص۳۹۸

۷۱-ایضاً،ص۴۰۲

۷۲-ایضاً،ص۴۰۳

۷۳-ایضاً،ص۴۰۶

۷۴-ایضاً،ص۴۰۹

۷۵-ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ،ص۲۴۲

۷۶-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۴۱۵

۷۷-سید محمد حسنین: بہار کے نو چراغ، اردو سوسائٹی، مطبوعہ سبزی باغ، پٹنہ، بار اول، ۱۲؍اکتوبر۱۹۵۲ء،ص۱۸تا ص۲۰

۷۸-ایضاً،ص۲۳

۷۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم، اپریل۲۰۰۴ء، صفر۱۴۲۵ھ،ص۲۲۰

۸۰-ایضاً،ص۲۲۱

۸۱-ڈاکٹر سید مظفر اقبال: بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، (۱۸۵۷ء سے۱۹۱۴ء تک)، ۱۹۸۰ء،ص۲۱۳، پٹنہ

۸۲-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ دوم،ص۲۲۲

۸۳-ایضاً،ص۲۲۳

۸۴-ایضاً،ص۲۲۴

۸۵-مولوی حبیب اللہ مختار: احوال و آثار، مرتبہ سید نعمت اللہ، سال اشاعت ۱۹۹۸ء، کراچی،ص۲۰

۸۶-ایضاً،ص۲۱

۸۷-ایضاً،ص۲۵

۸۸-ایضاً،ص۲۶

۸۹-ایضاً،ص۲۹

۹۰-ایضاً،ص۳۰

۹۱-ایضاً،ص۳۱

۹۲-ایضاً،ص۳۴

۹۳-ایضاً،ص ۳۸

۹۴-مولوی حبیب اللہ مختار: احوال و آثار،ص ۴

۹۵-ایضاً،ص۴۲

۹۶-ایضاً،ص۴۳

۹۷-عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، طبع اول، دسمبر۲۰۰۲ء، ناشر علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، طابع فیئر فین پریس، اردو بازار، کراچی،ص۳۸۲

۹۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول،ص۴۰۴

/ پروفیسر حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد اول، ص ۳۶۹

۹۹- ڈاکٹر سمیع احمد: حفیظ ادران کی شاعری، سال اشاعت ۱۹۸۸ء، مطبع بھارت، آفسٹ، دہلی ص ۱۲۳

۱۰۰- ایضاً، ص ۱۲۷

۱۰۱- ایضاً، ص ۱۳۲

۱۰۲- ایضاً، ص ۱۳۳

۱۰۳- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۰۴

۱۰۴- ایضاً، ص ۱۰۹

۱۰۵- ایضاً، ص ۱۱۰

۱۰۶- محمد تنزیل الصدیقی الحسینی: اصحاب علم وفضل، اشاعت فروری ۲۰۰۵ء/ محرم ۱۴۲۶ھ، طابع فین پریس، کراچی، ص ۶۳

۱۰۷- ایضاً، ص ۶۵

۱۰۸- ایضاً، ص ۶۸

۱۰۹- مولوی حبیب اللہ مختار: تذکرۃ الصالحین ص ۷۷، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، کراچی

/ عبدالرقیب حقانی: ارض بہار اور مسلمان، ۲۰۰۴ء، کراچی، ص ۳۸۰

/ ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۱۰

۱۱۰- ایضاً، ص ۱۱۰

۱۱۱- مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص ۳۴۹، ۱۹۴۷ء، پٹنہ

۱۱۲- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۱۵

۱۱۳- ایضاً، ص ۴۱۵

/ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص ۴۱۵

۱۱۴- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۸۵

/ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ص ۲۹۵ تا ۲۹۶

۱۱۵- حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ سوم، ص ۶۰

۱۱۶- ایضاً، ص ۶۱

۱۱۷- ایضاً، ص ۶۳

۱۱۸- ایضاً، ص ۶۴

۱۱۹- ایضاً، ص ۱۰۱

۱۲۰- ایضاً، ص ۱۶۴

۱۲۱- مولانا شاہ محمد کبیر ابوالعلا دانا پوری: تاریخ خلفائے عرب واسلام، طبع اول، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ناشر نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، طابع احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد، کراچی، ص ۱۴۷

۱۲۲- ایضاً، ص ۱۵۷

۱۲۳-حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ سوم، ص ۱۲۶
۱۲۴- ایضاً، ص ۱۸۴
۱۲۵- ایضاً، ص ۱۸۵
۱۲۶- ایضاً، ص ۱۸۶
۱۲۷- ایضاً، ص ۱۹۰
۱۲۸- ایضاً، ص ۱۹۹
۱۲۹- ایضاً، ص ۲۰۲
۱۳۰- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۵۳، اشاعت اول، ص ۱۹۹۵ء
۱۳۱- ایضاً، ص ۳۵۳
/حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم، ص ۱۳
۱۳۲- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ عمائے بہار، جلد اول، ص ۳۵۳
۱۳۳-حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم، ص ۱۳
۱۳۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۳۵۳
۱۳۵-حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ چہارم، ص ۳۷
۱۳۶- ایضاً، ص ۳۸
۱۳۷- ایضاً، ص ۳۸
۳۸ - ایضاً، ص ۳۹
۱۳۹- ایضاً، ص ۳۳
۱۴۰- ایضاً، ص ۲۱۰
۱۴۱- ایضاً، ص ۲۵
۱۴۲- ایضاً، ص ۳۱
۱۴۳- ایضاً، ص ۳۲
۱۴۴- ایضاً، ص ۳۳
۱۴۵- ایضاً، ص ۲۹
۱۴۶- ایضاً، ص ۳۰
۱۴۷- پروفیسر آغا عماد الدین احمد: وادئ بالان المعروف دربھنگہ نامہ، سال طباعت ۱۹۹۲ء، کراچی، ص ۱۰۶
۱۴۸- ایضاً، ص ۱۰۷
۱۴۹- المنجد عربی/اردو، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۵ء، ص ۵۸۲
۱۵۰- امام راغب اصفہانی: مفردات القرآن، ترجمہ مولانا محمد عبدہٗ، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۲۰۱
۱۵۱- ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۲۲

۱۵۲-مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی: الدرر المنشور فی تراجم اھل صادقفور، ص ۱۷

۱۵۳-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۲۲

۱۵۴-سید شاہ قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفا کی نگری، حصہ اول، ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۶ھ، ص ۴۵

۱۵۵-انسان پورنیہ نمبر، ص ۱۱۰، جنوری ۱۹۵۵ء

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۴۲۲

۱۵۶-مکمل انسائیکلو پیڈیا: مدیر و ناشر سید قاسم محمود، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص ۹۷۸

۱۵۷-پروفیسر ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء، پبلشر ڈاکٹر رفیق انور اینڈ برادرز، ۴۳/بی، آئرن گیٹ، روڈ کلکتہ ۲۴، ص ۵

۱۵۸-سید صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ، طبع اول، نومبر ۱۹۸۷ء، ناشر نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ص ۳۹۹

/پروفیسر ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، مئی ۱۹۷۸ء، ص ۵

/مولانا سید عبدالحیٔ بریلوی لکھنوی، مترجم ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی: نزہۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر، حصہ اول، طبع اول ۱۹۶۸ء، طبع دوم ۱۹۸۵ء، طابع مقبول احمد، مطبع مرشد پرنٹنگ پریس، لاہور، ص ۲۱

۱۵۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول ۴۸

۱۶۰-سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ، ص ۴۰۰

۱۶۱- Comprehensive History of BIHAR, Volime-II, Part-I, Edited by Dr. Syed Hasan Askari & Dr. Qeyamuddin Ahmed, Kashi Prasad Jayaswal Research Institute, Patna-1983, P-No-405.

۱۶۲-سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ، ص ۴۰۰

۱۶۳-شرف الدین یحیی منیری: مکتوبات دوصدی، مکتوب ۸۱، ۶۹، ۷ھ

۱۶۴-سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ، ص ۴۰۱

۱۶۵-ایضاً، ص ۴۰۲

/شاہ شعیب: مناقب الاصفیا، ص ۳۲، مخطوطہ ۱۱۴۳ھ، کتب خانہ بلخیہ فردوسیہ، فتوحہ، پٹنہ

۱۶۶-عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخبار، مخطوطہ ۱۱۳۳ھ، کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش، پٹنہ، ص ۱۰۹

۱۶۷-سید صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ، ص ۴۰۷، طبع اول نومبر ۱۹۸۷ء، کراچی

۱۶۸-ایضاً، ص ۴۰۸

۱۶۹-ایضاً، ص ۴۰۹

۱۷۰-ایضاً، ص ۴۳۲

۱۷۱-ایضاً، ص ۴۳۳

۱۷۲-انڈیا آفس کیٹلاگ، ص ۱۰۲، ۱۸۴۴ء

۱۷۳-سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ، ص ۴۳۴

۱۷۴-ایضاً ص ۴۳۵

۱۷۵-ایضاً ص ۴۳۶

۱۷۶-ایضاً ص ۴۳۹

۱۷۷-ایضاً ص ۴۴۰

۱۷۸-ایضاً ص ۴۴۵

۱۷۹-ایضاً ص ۴۴۵

۱۸۰-ایضاً ص ۴۴۶

۱۸۱-ایضاً ص ۴۵۱

۱۸۲-ایضاً ص ۴۵۲

۱۸۳-ایضاً ص ۴۶۵

۱۸۴-Comprehensive History of BIHAR. P-No-406

۱۸۵-مولانا سید عبدالحیؒ، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی. طبع اول ۱۹۶۸ء، ص ۲۳ تا ص ۲۴

۱۸۶-حدیقۃ الازہار، قلمی، ص ۲۷

/عبدالحیؒ: نزہۃ الخواطر، جلد ۴، ص ۷۱

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول ص ۶۴

/تذکرہ علمائے ہند: ص ۱۲۹

۱۸۷-معارف نمبر ۴، جلد ۲۷، اپریل ۱۹۳۶ء، محرالحرام ۱۳۵۵ھ (از مولوی سید محمد طہ شرف صاحب امتھوی: صوبۂ بہار کا ایک قدیم خانوادہ) ص ۲۷۸

۱۸۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۶۴

/حدیقۃ الازہار، قلمی، ص ۲۷

/عبدالحیؒ: نزہۃ الخواطر، جلد چہارم، ص ۷۱

/رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۹، ۹۱۴ء لکھنؤ

۱۸۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی. شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۹۲

۱۹۰-جناب مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، ص ۳۱۳

۱۹۱-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۱۹

۱۹۲-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی. شرفاء کی نگری، (تذکرہ صوفیائے بہار)، حصہ اول، ص ۹۲

۱۹۳-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب: آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، ۱۹۴۷ء، ص ۳۱۴

۱۹۴-ایضاً ص ۳۱۵

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی. شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۹۳

/ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۱۱۹

۱۹۵-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۴۵

۱۹۶-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۹

۱۹۷-ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء، ص ۱۳

۱۹۸-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۴۵

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۹

/ڈاکٹر مجیب الرحمن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، ص ۱۳

۱۹۹-ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، ص ۱۳

۲۰۰-ایضاً، ص ۱۴

۲۰۱-Comprehensive History of BIHAR. P-No-407

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۹

۲۰۲-ایضاً، ص ۱۰۹

۲۰۳-ایضاً، ص ۱۱۰

۲۰۴-ابوالکلام قاسمی شمسی: تذکرہ علمائے بہار، جلد اول، ص ۲۴۵

۲۰۵-ایضاً، ص ۲۴۶

۲۰۶-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی. شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۲۲

۲۰۷-پروفیسر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء، ص ۱۹

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۲۲ تا ۱۲۳

۲۰۸-پروفیسر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، ص ۲۰

/سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی: شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۲۴

۲۰۹-پروفیسر مجیب الرحمٰن: تاریخ بارہ گانواں و مضافات، ص ۲۰

۲۱۰-ایضاً، ص ۲۱

۲۱۱-ایضاً، ص ۲۲

۲۱۲-مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، تاریخ مگدھ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۱۴۳

۲۱۳-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی شرفاء کی نگری، حصہ اول، ص ۱۰۱

باب پنجم

(فصل دوم)

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث

تحقیق سے معلوم ہوا کہ بہار کے مسلمانوں نے کس طرح جدوجہد اور لگن کے ساتھ اسلام کی خدمت کی، ایک الگ صوبہ بنایا اور اپنے اسلامی عقائد اور ارکان اسلام کو قائم رکھنے کے لئے مساجد و مدارس بنائے، اسکول و کالج بنے، اشاعت اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خانقاہیں قائم کر کے لوگوں کو تعلیمی ماحول فراہم کیا۔

علماء نے حدیث وفقہ، تفسیر، اصول حدیث اور دوسرے علوم قدیمہ اور جدیدہ میں خدمات انجام دیں۔ ادب کی بے لوث خدمت کی، ہزاروں کتابیں لکھیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی، یہی وجہ ہے کہ صوبۂ بہار بے شمار علماء، محدثین، فقہا، مفسرین اور مشائخ و مبلغین کا مرکز بن گیا۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم میں بھی ترقی کی اور آج ترقی یافتہ صوبہ ہے اور مسلمانوں کا مرکز ہے، ہر گلی، ہر محلہ میں اسلام سے محبت کرنے والے موجود ہیں اور دنیا کے ہر گوشے میں علمی، دینی، ملی، ادبی، سیاسی خدمات انجام دینے میں مصروف عمل ہیں۔

حواشی ومصادر

۱-القرآن

۲-ابوعمر منہاج الدین سراج جوز جانی،طبقات ناصری،بنگالہ،مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی،۱۸۶۴ء

۳-ابوعمر منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج جوز جانی،طبقات ناصری،لاہور،پاکستان،طبع اول جنوری ۱۹۷۵ء

۴-ابویحییٰ امام خان نوشہروی،ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات،پاکستان،مکتبۂ نذیریہ،لاہور،۱۹۹۳ء

۵-ابومحمد خلیل الدین عرف شاہ فرزند علی صوفی منیری،بہ تصحیح وتحشیہ ازمحمد طیب ابدالی:وسیلۂ شرف وذریعہ دولت،مطبع سلیمی برق پریس،یحییٰ پور الہ آباد،اکتوبر ۱۹۶۵ء

۶-ارلی ہسٹری آف انڈیا،بھارت

۷-اسلامی انسائیکلو پیڈیا،مدیرو ناشر سید قاسم محمود،شاہکار بک فاؤنڈیشن،۱۹۸۴ء

۸-ابوالکلام قاسمی شمسی،تذکرہ علمائے بہار،بھارت،دہلی،ناشر شعبہ نشر واشاعت،جامعہ اسلامیہ قاسمیہ،بالاساتھ،سیتا مڑھی،طباعت انیس آفسیٹ پریس،دریا گنج،دہلی ۲،ج-۱،۱۹۹۵ء

۹-الحاج محمد زبیر،اسلامی کتب خانے،کراچی،ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،مطبوعہ ایجوکیشنل پریس،کراچی،اکتوبر ۱۹۷۸ء

۱۰-المنجد عربی/اردو،دارالاشاعت،کراچی،۱۹۷۵ء امام راغب/اصفہانی ترجمہ مولانا محمد عبدہ،مفردات القرآن،لاہور، اہل حدیث اکیڈمی،۱۹۷۱ء

۱۱-انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا،رپورٹ آرکیالوجیکل،سروے آف ایسٹرن سرکل،بابت ۱۹۰۱ء،۱۶-۱۹۱۵ء،۱۹۱۹ء،وغیرہ

۱۲-انور بیگ اعوان،بہاری مسلمان تاریخ کے آئینہ میں،لاہور،پاکستان،اہل حدیث اکیڈمی،۱۹۷۱ء

۱۳-آغا عمادالدین احمد،وادیٔ بالان المعروف در بھنگہ نامہ،کراچی،ناشر صدر الحق گوہر،۱۹۹۲ء

۱۴-آزاد سلطان،بہار میں اردو طنز وظرافت،پٹنہ،۱۹۸۹ء

۱۵-بدرالحسن،یادگار روزگار(تذکرہ کاملان پٹنہ)،بھارت،خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری،پٹنہ،۱۹۹۱ء

۱۶-تزک جہانگیری،مطبوعہ نول کشور لکھنؤ،سن ندارد

۱۷-جغرافیۂ عالم،ادارۂ تصنیف وتالیف،کراچی،فیروز سنز پرنٹرز،پبلشرز،سیلرز اینڈ اسٹیشنرز میکلوڈ روڈ،کراچی،۱۹۵۱ء

۱۸-جرنل بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی،ج-۱،۱۹۱۵ء

۱۹-جرنل بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی،ج-۴،۱۹۱۸ء

۲۰-حکیم سید احمد اللہ ندوی،تذکرہ مسلم شعرائے بہار،کراچی،انٹرنیشنل پریس،کراچی،ج-۱،ج-۲،ج-۳،ج-۴، ۱۹۶۶ء،تا ۱۹۷۰ء

۲۱-حکیم اسرارالحق،تاریخ اطبائے بہار،پٹنہ،ج-۱،۱۹۸۰ء

۲۲-حکیم اسرارالحق،تاریخ اطبائے بہار،پٹنہ،ج-۲،۱۹۸۴ء

۲۳-حکیم سید شاہ محمد شعیب، آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن، پٹنہ، طابع و ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۴۷ء
۲۴-حکیم محمود احمد برکاتی، مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، کراچی، ناشر برکات اکیڈمی، کراچی، طابع قاسمی لیزر کمپوزنگ اینڈ پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۳ء
۲۵-حسیب اللہ مختار، تذکرۃ الصالحین، کراچی، ناشر، بساط ادب (پاکستان) طابع احمد برادرز پرنٹرز، کراچی، شعبان ۱۴۲۰ھ/ نومبر ۲۰۰۰ء
۲۶-حسیب اللہ مختار مرتب سید نعمت اللہ، احوال و آثار، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۸ء
۲۷-خان بہادر شاد علی، تاریخ بہار شاد، پٹنہ، عظیم آباد، ۱۵ جنوری ۱۸۹۳ء
۲۸-خان بہادر مولانا سید علی محمد شاد عظیم آبادی، شاد کی کہانی شاد کی زبانی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، نومبر ۱۹۵۸ء
۲۹-خلیق انجم، سید سلیمان ندوی، (مقالے)، لاہور، فیمس بکس لاہور، ناشر امجد حسین ملک، بار اول، ۱۹۸۹ء
۳۰-خواجہ نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، جلد اول، ۱۸۶۸ء
۳۱-ڈاکٹر زبیر احمد ترجمہ شاہد حسین رزاقی، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، لاہور، ناشر ملک فیض بخش معتمد ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، مطبع امپرنٹ آفسیٹ پرنٹرز، لاہور، بار اول ۱۹۷۳ء، بار دوم ۱۹۸۷ء
۳۲-ڈاکٹر سمیع احمد، حفیظ عظیم آبادی اور ان کی شاعری، بھارت، مطبع بھارت آفسٹ، دہلی، ۱۹۸۸ء
۳۳-ڈاکٹر سید مظفر اقبال، بہار میں اردو نثر کا ارتقاء، ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک، پٹنہ، مطبع لیتھو پریس، رمنا لین، پٹنہ، ناشر کتاب خانہ، ترپولیا، پٹنہ ۸۰۰۰۰۷، ۱۹۸۰ء
۳۴-ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، تاریخ بارہ گانواں ومضافات، بھارت، ۱۹۷۸ء
۳۵-ڈاکٹر محمد اسحاق ترجمہ شاہد حسین رزاقی، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، لاہور، ناشر اشرف ڈار، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، ۱۹۷۷ء
۳۶-ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت و ادبی خدمات، کراچی، ناشر فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، سن ندارد
۳۷-ڈاکٹر فضل احمد، برصغیر پاو ہند کے اردو ذخیرۂ احادیث کا مطالعاتی جائزہ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، پراجیکٹ ۲۰۰۰ء-۱۹۹۹ء، پہلا ایڈیشن، جون ۲۰۰۱ء
۳۸-رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (فارسی) لکھنؤ ۱۹۱۴ء
۳۹-رحمان علی ترجمہ وحواشی ڈاکٹر محمد ایوب قادری، تذکرہ علمائے ہند، کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
۴۰-رشید احمد صدیقی، تدریس اسلامیات، لاہور، گلوب پبلشرز، اردو بازار، لاہور، مطبع نظامی پریس لاہور، سن ندارد
۴۱-سلطان آزاد، بہار میں اردو طنز و ظرافت، پٹنہ، مکتبہ پنولین گلزار باغ، پٹنہ، ۱۹۸۹ء
۴۲-سید ابو ہریرہ وراثت رسول ہاشمی، سلسلہ اشرف الانساب، کراچی، ناشر ہاشمی پبلی کیشنز، دسمبر ۱۹۹۵ء، ۱۴۱۶ء
۴۳-سید ابوالحسن ندوی، تعمیر انسانیت، کراچی، ناشر فضل ربی، ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، (سلسلۂ مطبوعات ۲۶)
۴۴-سید اختر احمد اورینوی، بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، (۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء تک)

بھارت، پٹنہ، مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ۴، ۱۹۵۷ء
۴۵-سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء
۴۶-سید سلیمان ندوی، مکاتیب شبلی، اعظم گڑھ، معارف پریس اعظم گڑھ، جلد اول، ۱۹۲۷ء
۴۷-سید سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی، کراچی، مطبوعہ باب اسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۶۷ء
۴۸-سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، لکھنؤ، شاہی پریس لکھنؤ، جنوری ۱۹۱۷ء
۴۹-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، شرفاء کی نگری، کراچی، ناشر نظامی اکیڈمی، کراچی، ج-۱، ۱۹۹۵ء، ۱۴۱۶ھ
۵۰-سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، شرفاء کی نگری، کراچی، ناشر نظامی، اکیڈمی، کراچی، ج-۲، اپریل ۲۰۰۴ء
۵۱-سید عالم حسین، تذکرۃ الانساب، ناشرین سید ناظم حسین سید منور حسین، کراچی، مارچ ۱۹۹۶ء، شوال ۱۴۱۶ھ
۵۲-سید عبدالحیؒ بریلوی مترجم ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ترجمہ نزھۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر، طابع مقبول احمد، مطبع مرشد پرنٹنگ پریس، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۸ء، طبع دوم ۱۹۸۵ء
۵۳-سید عبدالحیؒ بریلوی لکھنوی، نزھۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۹ء
۵۴-سید عزیز الدین احمد بلخی راز عظیم آبادی، تاریخ شعرائے بہار، پٹنہ، قومی پریس بانکی پورہ، پٹنہ ۱۱۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء
۵۵-سید علی مرتضیٰ پرویز (مرحوم)، تاریخ کے گمشدہ اوراق، کراچی، فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام، جنوری ۲۰۰۰ء، رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
۵۶-سید غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، بمبئی، ۱۳۰۳ھ
۵۷-سید غلام علی آزاد بلگرامی، جلوۂ خضر، ج-۱، سن ندارد
۵۸-سید محمد الحسنی رہنمائی ونگرانی مولانا سید ابوالحسن ندوی، سیرت مولانا محمد علی مونگیری، دہلی، ناشر مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، مطبوعہ جے کے آفسٹ پرنٹرز، دہلی، بار دوم، ۱۹۷۸ء
۵۹-سید محمد حسنین، بہار کے نو چراغ، بھارت، پٹنہ، مطبوعہ آزاد پریس، سبزی باغ، پٹنہ، ج-۱، ۱۱۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء
۶۰-سید محمود علی خان، تاجدار اقلیم سخن "نورتن"، پٹنہ، مطبع ملت آرٹ پریس، پٹنہ، ۱۹۸۷ء
۶۱-شاداں فاروقی، تذکرہ بزم شمال، دربھنگہ، طابع حمیدہ برقی پریس ہریرسرائے، ناشر شعرستان نور الحسن لین دربھنگہ، ج-۱، ۱۹۸۶ء
۶۲-شاعر اعظم مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی، ۱۶۴۴ء تا ۱۷۲۰ء
۶۳-شاہ حسین گردیزی، تجلیات مہر انور، کراچی، مطبع گلزار پریس، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء
۶۴-شاہ محمد اکبر داناپوری، اشرف التواریخ، مطبع آگرہ، ج-۲، ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء
۶۵-شاہ نذیر الحق فائز پھلواروی، مرتبہ خواجہ افضل امام، دیوان فائز، پٹنہ، دار الادب، پٹنہ، ۱۹۶۴ء
۶۶-شاہ نواز خان خوانی، ماثر الامراء، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ، سن ندارد
۶۷-شبلی نعمانی، مقالات شبلی، اعظم گڑھ، سن ندارد
۶۸-شرف الدین یحییٰ منیری، معدن المعانی، پٹنہ، سن ندارد
۶۹-شرف الدین یحییٰ منیری مترجم جناب سید شاہ قسیم الدین احمد شرقی، شرح آداب المریدین، پٹنہ، مطبوعہ مگدھ پریس،

ج-۱، سن ندارد
۷۰-شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ ۱۸۶۲ء
۷۱- شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ محمد لطیف ملک، انوار صوفیہ یعنی اخبار الاضیار فیے اسرار الابرابر، لاہور، ناشر مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء
۷۲- صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ پاک و ہند، لاہور، مطبع آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس، طابع ایم آر برادرز، اردو بازار، لاہور، ج-۱، ۱۷۰۷ء
۷۳-ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، بنگالہ، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۸۶۲ء
۷۴-ظہور الحسن، خم خانۂ تصوف (جدید تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان کلاں)، دہلی، پبلشرز تاج، ۱۷۶۶ بیری لال والا باغ، دہلی، ۱۱۰۰۰۶، آفسیٹ پرنٹرز پٹودی ہاؤس، دریا گنج، دہلی، جنوری ۱۹۷۹ء
۷۵-عبدالرقیب حقانی، ارض بہار اور مسلمان، کراچی، ناشر علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن کراچی، طابع فیئر فین پریس ردو بازار، کراچی، دسمبر ۲۰۰۴ء
۷۶-عبدالغفور دانا پوری، انجم الثاقب اصحد امن یدع الدین الواصب، پٹنہ، مطبوعہ مطبع احمدی، پٹنہ، ج- ۱، ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
۷۷-علامہ بوالفضل، اکبر نامہ، مطبوعہ لکھنؤ، سن ندارد
۷۸-علامہ سید سلیمان ندوی، اہل السنۃ والجماعت، کراچی، ادارہ نشر المعارف، کراچی ۱۳۷۳ھ
۷۹-علامہ شاہ عین الحق، تفسیر ق، پٹنہ، مطبوعہ برقی مشین پریس، مراد پور بانکی پور، پٹنہ، ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء
۸۰-علامہ شبلی نعمانی، مکاتیب شبلی، اعظم گڑھ، معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۱۷ء
۸۱-علامہ شوق نیموی، اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید، بھارت، مطبوعہ مطبع قومی پریس لکھنؤ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء
۸۲-علامہ شوق نیموی، الحبل المتین فی الاخفاء بآمین، بھارت، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء
۸۳-غلام حسنین ندوی پھلواروی، خاتم سلیمانی، پٹنہ، ۱۹۳۶ء
۸۴-غلام حسین خاں زید پوری، ریاض السلاطین، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، سن ندارد
۸۵-غلام حسین طباطبائی، سیر المتاخرین، مطبوعہ لکھنؤ، سن ندارد
۸۶-فروغ بزم معروف بہ تذکرہ شعراء صوبۂ بہار، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، ج-۱، ۱۳۳۵ھ
۸۷-قاضی عبدالودود، دیوان جوشش عظیم آبادی، سن ندارد
۸۸-قاضی سید عبدالحنان، علامہ سید سلیمان ندوی کی شان جامعیت، مطبع نیو کنداز پریس، کراچی، ناشر الرحمن پبلشنگ لاء ٹرسٹ رجسٹرڈ، ناظم آباد، کراچی، جون ۱۹۹۰ء
۸۹-قیام الدین احمد مترجم محمد مسلم عظیم آبادی، ہندوستان میں وہابی تحریک، پاکستان، کراچی، نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، دسمبر ۱۹۷۶ء
۹۰-کیٹلاگ کتب خانہ آصفیہ، ج-۲
۹۱-محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے اولین نقوش، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ناشر ڈاکٹر

رشید احمد جالندھری، ۱۹۹۶ء
۹۲- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے پاک و ہند، تیرہویں صدی ہجری، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، مطبع امپرنٹ، ایبٹ آباد، لاہور، ج-۱، ۱۹۸۲ء
۹۳- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے پاک و ہند، جلد دوئم، ۱۹۸۴ء
۹۴- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند (پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک)، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، مطبع حمایت اسلام، پریس ریلوے روڈ، لاہور، ج-۱، ۱۹۷۴ء
۹۵- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند (نویں صدی ہجری)، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ج-۲، ۱۹۷۵ء
۹۶- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند (دسویں صدی ہجری)، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ج-۳، ۱۹۷۶ء
۹۷- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند (گیارہویں صدی ہجری)، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ج-۴، حصہ اول، ۱۹۷۷ء
۹۸- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند (بارہویں صدی ہجری)، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ج-۵، حصہ اول، ۱۹۷۸ء
۹۹- محمد انیس الرحمٰن انیس (ایڈووکیٹ)، علامہ سید سلیمان ندوی، کراچی، ناشر سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۵ء، اکتوبر ۱۹۹۴ء
۱۰۰- محمد انیس الرحمٰن انیس (ایڈووکیٹ)، مولانا عبدالقدوس ہاشمی (ندوی) دورِ حاضر کا ایک عظیم فقیہہ، کراچی، پاکستان، ناشر سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، مئی ۱۹۹۲ء
۱۰۱- محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، اصحاب علم و فضل، کراچی، طابع فین پریس، کراچی، ۲۰۰۵ء
۱۰۲- محمد حفیظ اللہ پھلواروی، سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، کتب خانہ نمبر، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی، اکتوبر ۱۹۷۸ء
۱۰۳- محمد ظفیر الدین مفتاحی، امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار، ربیع الاول، ۱۳۹۴ء اپریل ۱۹۷۴ء
۱۰۴- محمد عتیق الرحمٰن قاسمی، علامہ شوق نیموی، حیات و خدمات، مطبع لیتھو پریس، پٹنہ ۴، ناشر مجلس علمی، لال باغ، پٹنہ ۱۹۸۷ء
۱۰۵- محمد علی اعظم خان قادری، تجلیات شرف، بھارت، کوہ نور آرٹ پریس، کلکتہ، ۱۹۸۸ء
۱۰۶- محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیٔ، تاریخ فرشتہ، لاہور، مطبع علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ج-۲، نومبر ۱۹۶۲ء
۱۰۷- محمد قمر اسحاق، ایک سروے رپورٹ، ''ہندوستان کے اہم مدارس''، نئی دہلی، مطبع بھارت آفسیٹ دہلی، ناشر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز ۱۶۲ جوگا بائی ایکسٹینشن جامعہ نگر، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵، ۱۹۹۲ء
۱۰۸- محمد معین الدین دردائی، صوفیائے بہار اور اردو، کراچی، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۷۲ء
۱۰۹- مخدوم سید شاہ ابوالحسن فرد قادری پھلواروی، دیوان فرد، مطبع انتظامی کانپور
۱۱۰- مستعد خان، مآثر عالم گیری، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، ۱۸۷۱ء
۱۱۱- مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مطبع نامی کراچی موسوم بہ ثمر ہند لکھنؤ، ۱۲۹۰ء
۱۱۲- ملا عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ

۱۱۳-ملا عبدالحمید رموز جی، شاہجہاں نامہ، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، ج-۲، سن ندارد

۱۱۴-مولانا اقبال نورالدین احمد (فاضل ادب لکھنؤ)، انوار صوفیہ اخیار الاخیار، جون ۱۹۶۳ء

۱۱۵-مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوری، اصح السیر فی ھدی خیر البشر صلی اللہ علیہ سلم، کراچی، ناشر فضل ربی مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد نمبر۱، کراچی، ۱۹۸۲ء

۱۱۶-مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب، آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن، پٹنہ، طبع ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ ۱۹۴۷ء

۱۱۷-مولانا سید احسن بہاری، احسن البیان فی خواص القرآن، کراچی، ناشر مکتبۂ داسی قیہ پھول چوک جونا مارکیٹ، طباعت اسحاقیہ پرنٹنگ، کراچی، سن ندارد

۱۱۸-مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواروی، محی الملت ولدین (حیات اور کارنامے)، بھارت، پٹنہ، ناشر دارالاقامت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، مطبع پٹنہ لیتھو پریس رمنہ لین، پٹنہ۴، ج-۱، طبع اول ۱۹۴۷ء، طبع دوم ۱۹۸۳ء

۱۱۹-مولانا شاہ غلام حسنین قادری چشتی سلیمانی پھلواردی، مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی، شمس المعارف (مکاتیب شاہ سلیمان پھلواردی)، کراچی، مطبوعہ باب اسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، ناشر شفیق بریلوی دسس مرکز علوم اسلامیہ، ۱۹۶۹ء

۱۲۰-مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، پیغمبر انسانیت، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، سن ندارد

۱۲۱-مولانا شاہ محمد توحید الزبیر الہاشمی، التقبیس اللّمبیت فی رد رسالہ اہلحدیث، پٹنہ، مطبوعہ مطبع سیدی گورہٹہ، ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

۱۲۲-مولانا عبیدالرحمٰن رحمانی، تفسیر جواہر، اعظم گڑھ، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء

۱۲۳-مولانا محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، جون ۱۹۷۳ء

۱۲۴-مولانا محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، لاہور، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

۱۲۵-مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلسنت، فیصل آباد، پنجاب، پاکستان، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، ۱۹۹۳ء

۱۲۶-مولوی حسیب اللہ مختار، تذکرۃ الصالحین، پاکستان، کراچی، طابع احمد برادرز پرنٹرز کراچی، ناشر بساط ادب پاکستان، کراچی، شعبان، ۱۴۲۰ھ، نومبر ۲۰۰۰ء

۱۲۷-مولوی سید حسین بہاری، مطالب القرآن، بھارت، مطبوعہ اسٹاف آف انڈیا پریس، آرہ، سن ندارد

۱۲۸-مولوی سید ہاشمی فرید آبادی (مترجم)، جغرافیہ عالم، حیدرآباد دکن، تالیف ای مارسڈن وٹی، آلفورز اسمتھ، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، ج-۱، طبع سوم ۱۳۵۰ھ، ۱۳۴۰ھ

۱۲۹-مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی، تاریخ مگدھ، بھارت شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۴۴ء

۱۳۰-مولوی عبدالرحمٰن سلفی، سبعہ ماہی الذہیر کتب خانہ نمبر۱۱، لاہور، دین محمد پریس، لاہور، دفتر اردو اکیڈمی، بہاولپور، سن ندارد

۱۳۱-مولوی عبدالرحیم صادق پوری، الدرر المنثور فی تراجم اھلصا دقفور معروف بہ تذکرہ صادقہ، پٹنہ، دی آزاد پریس سبزی باغ، پٹنہ۴، پہلا ایڈیشن ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء، تیسرا ایڈیشن ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء

۱۳۲-مولوی فقیر محمد جہلمی، حدائق حنفیہ لکھنؤ، ۱۳۲۴ء

۱۳۳-منشی بہاری لعل، تواریخ الفطرت معروف بہ آئینہ ترہت، لکھنؤ، مطبع بہار کشمیر لکھنؤ، ۱۸۸۳ء

۱۳۴-ہاشم خاں (خافی)، منتخب اللباب، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، ۱۸۶۹ء

رسائل و جرائد

۱۳۵-اخبار الپنچ، بانکی پور، پٹنہ، ۱۸۸۵ء

۱۳۶-الشمس، کھجوہ (ضلع سارن)، دفتر اصلاح کھجوہ، جاریہ جنوری ۱۹۰۶ء

۱۳۷-انسان پورنیہ نمبر، جنوری ۱۹۵۵ء

۱۳۸-ڈاکٹر طاہر ملک مرحوم، مجلّہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ ۱ ۲۰۰۱ء

۱۳۹-رزنامہ امن، کراچی، جمعرات، ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء

۱۴۰-روزنامہ جنگ، کراچی، بدھ، ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء

۱۴۱-روزنامہ جنگ، کراچی، ہفتہ، ۱۹ فروری ۲۰۰۰ء

۱۴۲-روزنامہ جنگ، کراچی، منگل، ۲۲ اگست ۲۰۰۰ء

۱۴۳-روزنامہ نوائے وقت، کراچی، شمارہ ۴ جون ۱۹۹۱ء

۱۴۴-روزنامہ نوائے وقت، کراچی، مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۴۵-رسالہ معیار، پٹنہ، مخطوطہ کتب خانہ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء

۱۴۶-رسالہ ندیم، بہار نمبر، پٹنہ ۱۹۳۵ء

۱۴۷-رسالہ ندیم، پٹنہ، ۱۹۴۴ء

۱۴۸-ساتھی، پٹنہ، عید نمبر، ۱۹۵۵ء

۱۴۹-سہ ماہی الزبیر، کتب خانہ نمبر، بہاولپور، ۱۹۶۷ء

۱۵۰-صدائے عام، عید نمبر، قاضی عبدالودود صاحب

۱۵۱-معاصر، قاضی عبدالودود نمبر، مدیر عظیم الدین احمد، مرتب حکیم الدین احمد، دائرۂ ادب سنگی مسجد، پٹنہ، مطبع دی آرٹ پریس سلطان گنج، پٹنہ، ج-۱، نومبر ۱۹۴۵ء

۱۵۲-معاصر، مدیر عظیم الدین احمد، پٹنہ، ج-۱۰، نمبر ۳-۴، دائرہ ادب، مارچ ۱۹۴۶ء

۱۵۳-معاصر، مدیر عظیم الدین احمد، پٹنہ، دائرۂ ادب سنگی مسجد، پٹنہ، ج-۱، نومبر ۱۹۴۵ء

۱۵۴-معارف نمبر ۲، ج-۲۷، مجلس دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۱ء، شعبان ۱۳۴۹ھ

۱۵۵-معارف، ج-۶۴، اعظم گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء

۱۵۶-معارف، ج-۱۴۷، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۹۱ء، جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

۱۵۷-معارف نمبر ۴، ج-۵۹، اعظم گڑھ، فروری تا اکتوبر ۱۹۴۷ء

۱۵۸-معارف نمبر ۳، ج-۷۷، مجلس دارالمصنفین، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۶ء

۱۵۹-معارف نمبر ۴، ج-۹۳، اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۶۴ء/۱۳۸۳ھ

۱۶۰-معارف، نمبر ۴، ج-۲۷، اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۳۶ء، محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

۱۶۱-معارف نمبر۲، ج-۶۱، عدد۶، اعظم گڑھ، جون ۱۹۴۸ء
۱۶۲-معارف نمبر۲، ج-۶۴، جولائی تا ستمبر۱۹۴۹ء/ ۱۳۶۸ھ
۱۶۳-معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۵۰ء
۱۶۴-معارف نمبر۱، ج-۹۴، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۶۴ء
۱۶۵-معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۷۱ء
۱۶۶-معارف نمبر۴، ج-۸۴، اعظم گڑھ، ماہ ربیع الاول، ۱۳۷۹ھ/ اکتوبر ۱۹۵۹ء
۱۶۷-معارف نمبر۵، ج-۹۲، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۶۳ء
۱۶۸-معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۹ء
۱۶۹-نقوش، شخصیات نمبر، لاہور، ۱۹۵۶ء
۱۷۰-ندیم گیا، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پاکیزہ آفسیٹ، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ، ۱۹۹۶ء

انگریزی کتب

۱۷۱-اتھنولوجی آف بنگال، مطبوعہ ۱۸۷۲ء، مصنفہ مسٹر ڈلٹن
۱۷۲- Budhist India Dr. T.W. Rhysdawd Eid, Ph.D
۱۷۳- Budhist Records of the Westorn World by Prof. Beal
۱۷۴- Bihar Through The Ages, R.R. Diwakar Editor Orient Langmans Bomby, Calcutta, Madras, New Dehli
۱۷۵- Comprehensive History of Bihar, Volume-II, Part-I, Edited by Dr. Syed Hasan Askari & Dr. Qeymuddin Ahmed, Kashi Prasad Jayswal Research Institute, Patna-1983.
۱۷۶-ڈسکوری آف دی اگزا کٹ سائٹ آف پاٹلی پترا، مصنفہ کرنل ویڈل، ۱۸۷۲ء
۱۷۷-سرایم، موتیر و ویمسن، سنسکرت انگلش ڈکشنری